نعت رنگ
نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کلامِ رضا کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کہے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظرثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک و شبہ یا غیر حقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام و تفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

نعت ریسرچ سینٹر

الحمدللہ ''نعت ریسرچ سینٹر'' نے اپنی علمی، تحقیقی سرگرمیوں کا آغاز کردیا ہے۔
اس سلسلے میں متعدد ریسرچ اسکالرز اس سینٹر کے تعاون سے حمد و نعت کے موضوع پر اپنے تحقیقی کاموں کا آغاز کرچکے ہیں۔ ''نعت ریسرچ سینٹر'' میں دنیا کی مختلف زبانوں میں سرمایہ توصیف مصطفیٰ ﷺ کو جمع کیا گیا ہے اور اسے مزید وسعت دینے کی کوششیں جاری ہیں۔

قارئینِ ''نعت رنگ'' سے التماس ہے کہ اس سینٹر کے لیے ہمیں اپنے تعاون سے نوازیں اگر آپ شاعر ہیں اور آپ کی نعتیہ کتب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں تو ان کا ایک سیٹ آپ ضرور سینٹر کو عطیہ کریں یا آپ کے علم میں کوئی ایسا شاعر یا ادیب موجود ہے جس کی نعتیہ تصانیف موجود ہوں تو ان کو ''نعت ریسرچ سینٹر'' کی جانب متوجہ فرمائیں تاکہ وہ اپنی کتب اس سینٹر کو بھیج سکیں۔ علاوہ ازیں آپ کے علم میں کوئی ایسی کتاب مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہو جو اب تک شائع نہ ہوسکی ہو یا کئی برس پہلے شائع ہوئی ہو لیکن اب نایاب ہو تو ایسی کتب کی عکسی نقول آپ سینٹر کو ارسال فرمائیں تاکہ مختلف زبانوں میں نعتیہ سرمائے کو ایک جگہ یک جا کیا جاسکے اور اس کی کوئی فہرست بنوا کر دنیا بھر کے تحقیقی اداروں کو فراہم کی جاسکے اور دیگر زبانوں کے ادب کو مدحتِ رسول ﷺ کی علمی و ادبی روایت اور اس کی افادیت کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کروایا جاسکے۔

ہمیں اُمید ہے کہ اس سفرِ سعادت میں آپ ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔

ڈائریکٹر
''نعت ریسرچ سینٹر''
B-50، سیکٹر 11-A، نارتھ کراچی۔ 75850
فون 092-21 - 690 12 12، فیکس 092-21 - 455 88 06
سیل 0300 - 21 22 977 ای میل naatrang@yahoo.com

نعتیہ ادب کے سنجیدہ اور معتبر اشاعتی ادارے

کی قابلِ فخر ولایقِ مطالعہ کتابیں

شمار	کتاب		مصنف/مؤلف/مترجم	قیمت
۱۔	اردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایت کا اثر (مقالہ)		ڈاکٹر عاصی کرنالی	۲۰۰/روپے
۲۔	گل ہائے عقیدت	(نعتیہ مجموعہ)	سیّد حمید الدین حمید	۱۵۰/روپے
۳۔	نسبت	(نعتیہ مجموعہ)	سیّد ابوالخیر کشفی	۵۰/روپے
۴۔	آپ ﷺ	(نعتیہ مجموعہ)	حنیف اسعدی	۱۰۰/روپے
۵۔	حریمِ نعت	(انتخابِ نعت)	رئیس احمد	۱۲۰/روپے
۶۔	آنکھ بنی کشکول	(نعتیہ مجموعہ)	آفتاب کریمی	۱۰۰/روپے
۷۔	قوسین	(نعتیہ مجموعہ)	آفتاب کریمی	۲۰۰/روپے
۸۔	نزول	(نعتیہ مجموعہ)	شفیق الدین شارق	۱۰۰/روپے
۹۔	ارمغانِ حافظ	(نعتیہ مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	۱۰۰/روپے
۱۰۔	حضوری	(نعتیہ انتخاب)	عاطف معین قاسمی	۱۲/روپے
۱۱۔	وطن سے وطن تک	(سفرنامہ حجاز)	ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی	۲۵/روپے
۱۲۔	کرم ونجات کا سلسلہ	(نعتیہ مجموعہ)	عزیز احسن	۱۵۰/روپے
۱۳۔	نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	عزیز احسن	۱۵۰/روپے

﴿طلب فرمائیں﴾

کتاب سرائے، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور — فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

مکتبۂ جامِ نور، نئی دہلی، بھارت — مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، لاہور

اردو بک ریویو، نئی دہلی، بھارت

B-50، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی۔ 75850
فون 12 12 690 - 092-21، فیکس 06 88 455 - 092-21
سیل 977 22 21 - 0300 ای میل naatrang@yahoo.com

شاید دس پندرہ برس پہلے کی بات ہے میں نے ایک محفل میں نوعمر لڑکے کو نعت پڑھتے سنا، آواز میں محبت کا سوز براہِ راست دل پر اثر انداز ہوا، میں جن صاحب کے وسیلے سے اُس محفل میں گیا تھا اُن سے نوجوان نعت خواں کا نام پوچھا، بتایا گیا، صبیح رحمانی... میں کئی دن تک عشقِ رسول ﷺ کی محبت میں ڈوبی ہوئی آواز کے سحر میں کھویا رہا... پھر معلوم نہیں دو سال بیتے یا چار برس گزرے۔ ایک روز میرے کسی واقف کار کے ساتھ وہی نوجوان میرے پاس آیا۔ نام مجھے یاد نہیں رہا تھا لیکن صورت دیکھتے ہی آواز کے سوز نے میرے ذہن کو اپنے حصار میں لے لیا۔ صبیح رحمانی 'نعت رنگ' کا پہلا شمارہ لے کر میرے پاس آئے تھے... کچھ دیر بیٹھے، کچھ لکھنے کے لیے کہا میں نے لکھ کر بھیجنے کا وعدہ کرلیا، وعدے کے ایفا میں اتنی تاخیر ہوئی کہ وہ دوسرا شمارہ لے آئے... اب انھوں نے ان شماروں کے بارے میں تحریری رائے طلب کی اتنا مجھے یاد ہے کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ اتنے خوب صورت انداز میں صرف نعت کے تعلق سے رسالہ زیادہ عرصے تک شائع نہیں کر سکیں گے محض جوانی کے جوش اور نعت گوئی کے شوق میں اس اہم ذمہ داری کو اٹھا تو لیا ہے مگر یہ شوق دیر ساتھ دینے والا اِس لیے نہیں ہے کہ شوق کے ساتھ مالی وسائل بھی درکار ہوتے ہیں اور اس عہدِ ناپُرساں میں جب ادب پر پیغمبری وقت گزر رہا ہے تو نعتیہ ادب کے لیے کتنے لوگ سامنے آئیں گے، نعتیہ محفلوں میں اپنی مقبولیت نے میرے نوجوان دوست کو غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے، مشاعروں میں لوگ ہزاروں بلکہ بعض اوقات لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوجاتے ہیں لیکن ادبی رسائل کی زبوں حالی کس سے پوشیدہ ہے، لیکن جب 'نعت رنگ' نہ صرف اپنی اشاعت کے تسلسل کو قائم رکھنے میں نہ صرف کامیاب رہا بلکہ نعتیہ ادب کے فروغ کا وسیلہ بھی بنا اور نعت گوئی کے تعلق سے نہایت فکر انگیز مضامین بھی ایسے اہلِ قلم سے تحریر کرائے جنھوں نے نعت کو عقیدت و محبت کی ایک محدود صنف جان کر اِس طرف پہلے کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ آج نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ''نعت رنگ'' کو وہ مقام حاصل ہے کہ تمام ناقدین اور شعرائے کرام اس میں بصد خلوص لکھتے ہیں اور مسلسل لکھتے ہیں اور یہ سب اس لیے ہوا کہ صبیح رحمانی نے الفاظ کی حرمت کو سمجھا اور سمجھانے کی کوشش کی... جی ہاں کوشش کی اور خلوصِ نیت کی گئی کوششیں کبھی رائگاں نہیں جاتی ہیں۔

سلطان جمیل نسیم

ٹورنٹو۔ یکم جنوری ۲۰۰۵

D:NaatRang-18
File: Gulam Mustafa
1st Proof

دھنک

فکر و فن

D:NaatRang-18
File :Fehrist
Final

تضامین بر کلامِ رضاؒ

خصوصی مطالعہ

رنگِ رضا

کلامِ رضا کے تحقیقی زاویے

مذاکرہ

خطوط

پروفیسر قیصر نجفی (کراچی)، ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی (بھارت)، ڈاکٹر معین الدین عقیل (کراچی)
ڈاکٹر سیّد طلحہ رضوی برق (بھارت)، ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی (بھارت)، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (بھارت)
پروفیسر شفقت رضوی (امریکا)، پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)، ڈاکٹر جوہر قدوسی (بھارت)
احمد صغیر صدیقی (کراچی)، پروفیسر محسن احسان (پشاور)، ظہیر غازی پوری (بھارت)
سلیم یزدانی (کراچی) محمد افضل خاکسار (فیصل آباد)، ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)
علامہ عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)، پروفیسر شبیر احمد قادری (فیصل آباد)
حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)، تنویر پھول (کراچی)، حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی (لاہور)
فضل کریم (چترال)، آصف ثاقب (بوئی ہزارہ)، محمد افروز قادری چریا کوٹی (بھارت)

حمد

الحمد للمتوحد
بجلاله المتفرد
و صلوته دوما علی
خیر الانام محمد

اُس خدائے یکتا کی حمد و ثنا
جو اپنے جلال میں یکتا و یگانہ ہے
تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان محمد (ﷺ)
پر خدا کی رحمت ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوتی رہے!

(حضرت رضا بریلوی)

D:NaatRang-18
File: Hamd-o-Naat
1st Proof

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی — دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی
بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا — نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی
جس کو شایاں ہے عرش خدا پر جلوس — ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں — شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی
جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات — ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی
عرش و کرسی کی تھیں آئینہ بندیاں — سوئے حق جب سدھارا ہمارا نبی
خلق سے اولیا اولیا سے رُسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم — وہ ملیحِ دل آرا ہمارا نبی
ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو — نمکین حسن والا ہمارا نبی
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل! — ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی
جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی — اِن کا اُن کا تمھارا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی
کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے — دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے — پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیا تاجدار — تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے — ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی
سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے — ہے اُس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے — ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی
انبیا سے کروں عرض کیوں مالکو! — کیا نبی ہے تمھارا ہمارا نبی
جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے — نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی
سب چمک والا اُجلوں میں چمکا کیے — اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی
جس نے مردہ دلوں کو دی عمر ابد — ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

غم زدوں کو رضاؔ مژدہ دیجے کہ ہے

بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

(مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

نغمۂ رضا

ملکِ سخن میں آج بھی چرچا رضؔا کا ہے
اب تک جو مستند ہے وہ سکّہ رضا کا ہے

الفاظ ہیں کہ قیمتی موتی جڑے ہوئے
مصرع بتا رہا ہے کہ لہجہ رضؔا کا ہے

منہ میں زباں ہے کوثر و تسنیم سے دھلی
دل نورِ مصطفیٰ سے مجلّا رضؔا کا ہے

مدح و ثنائے سیّدِ والا تبار میں
سب سے جو منفرد ہے وہ لہجہ رضؔا کا ہے

ڈوبا ہوا ہے عشقِ نبی میں ہر ایک لفظ
جو عاشقِ رسول ہے شیدا رضؔا کا ہے

یہ کر دیا 'حدائقِ بخشش' نے آشکار
سب سے بلند علم میں رتبہ رضؔا کا ہے

آواز چار سمت ہے 'لاکھوں سلام' کی
مقبولِ خلق آج بھی نغمہ رضؔا کا ہے

کافی ہے اک 'قصیدۂ نوری' پے ثبوت
بھاری ہر اہلِ فکر سے پلّہ رضؔا کا ہے

حمدِ خدا، ثنائے نبی، مدحِ اولیا
ہر راستے میں نقشِ کفِ پا رضؔا کا ہے

باطل کے دل پہ راز یہ اب تک کھلا نہیں
ہے ضربِ ذوالفقار کہ خامہ رضؔا کا ہے

حافؔظ فروغِ نعتِ رسولِ کریم کا
سہرا بندھا ہے جس پہ وہ ماتھا رضؔا کا ہے

حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)

D:NaatRang-18
File: Hamd-o-Naat
1st Proof

کلامِ رضؔا کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

میں ''نعت رنگ'' کا مولانا احمد رضا بریلویؒ نمبر مرتب کر رہا ہوں
اپنے قریبی دوستوں کے سامنے میں نے اچانک اپنی خواہش کا اظہار کیا
''کیوں؟''

ایک دوست کا مختصر سا یہ سوال ایک بہت بڑے استفسار کی صورت میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔
میں نے حیرت سے اس غیر متوقع ''کیوں'' پر اس دوست کی طرف دیکھا اور کہا،

''اعلیٰ حضرت شاہ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ ہماری نعت گوئی کی ایک منفرد اور توانا آواز ہیں۔ ایک ایسی آواز جس نے نعت گوئی میں ایک نئے اور مستقل دبستان کی بنیاد رکھی۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے قرآن و سنتِ نبوی ﷺ، آثارِ صحابہ و اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تاریخ و سیر کے موجود مواد سے اپنے شعری حسن کو ایک ایسا علمی نکھار عطا فرمایا ہے جس سے نہ صرف اردو زبان و ادب کا نعتیہ سرمایہ باثروت ہوگیا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس موضوع اور اس کے علمی و فکری پہلوؤں کی تفہیم آسان ہوگئی ہے۔

اتنی بڑی اور اہم خدمت سرانجام دینے والے نعت گو پر ایک خاص نمبر کی اشاعت کے حوالے سے یہ ''کیوں'' میری سمجھ سے بالا ہے۔''

''ہاں مگر ان کی نعت گوئی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے اس لیے کیا ضروری ہے کہ ہم ایسی ہی تحریروں کا ایک ڈھیر 'نعت رنگ' میں بھی لگا دیں جب کہ ابھی ہمارے کئی اکابر نعت گو شعرا کا تعارف بھی ہم پر قرض ہے۔'' ایک اور دوست نے بات آگے بڑھائی۔

D:NaatRang-18
File: Ibtidaia
5th Proof

اپنے دوستوں کے جواب میں شامل الفاظ ''ایسی ہی تحریروں'' نے بطورِ خاص مجھے اپنی جانب متوجہ کیا اور میں سوچنے لگا کہ آخر ''ایسی ہی تحریروں'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا کسی اہم

اور عہد آفریں شاعر کے تخلیقی رویوں پر گفتگو کو کسی خاص مقام پر جا کر ختم ہو جانا چاہیے؟ اگر ایسا ہے تو ہم میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ اور اپنے دوسرے بڑے شعرا کی فکری اور شعری عمل کی تہ در تہ معنویت پر کس طرح مسلسل گفتگو کر رہے ہیں اور ہر بار تازہ امکانات کے ساتھ نئے نتائج کی بازیافت کس طرح جاری ہے؟

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت گوئی جس نے اردو کی نعتیہ شاعری کو اس حد تک متاثر کیا کہ آج اردو کے بیش تر نعت نگار ان کی اتباع کو اپنے لیے اعزاز تصور کرتے ہیں پھر ان پر مقالات کی اشاعت کے حوالے سے اُکتاہٹ کا یہ اظہار کیوں؟ اور وہ بھی اس طبقے کی طرف سے جو اعتقادی طور پر ان سے وابستہ بھی ہے۔

کیا واقعی اس صورتِ حال میں ''نعت رنگ'' کے مولانا احمد رضا بریلوی نمبر کا کوئی جواز ہے؟

میرا ذہن اُلجھ کر رہ گیا۔

کسی کام کے آغاز ہی میں اگر اس کام کی افادیت اور جواز پر سوالیہ نشان لگا دیا جائے تو کام کرنے والوں کا جذبۂ عمل سرد پڑ سکتا ہے لیکن میں اپنے ان دوستوں کا ممنون ہوں جن کی اس گفتگو نے مجھے یہ عزم عطا کیا کہ میں اس اُکتاہٹ کا سبب بھی تلاش کروں اور اسے دُور کرنے کی مقدور بھر کوشش بھی کروں۔ ''نعت رنگ'' کا یہ خاص نمبر اسی سلسلے کی ایک ادنیٰ اور ناتمام کاوش ہے جس کے پس منظر میں حتیٰ المقدور علمی خلوص اور ادبی متانت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اردو کے وہ خوش نصیب اور مقبولِ خاص و عام نعت گو ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔ اردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا پر موجود ہے لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہو سکتی ہے، اطمینان کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوش بو پھیل رہی ہے اور عدم اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کے بجائے یکسانیت اور اُکتاہٹ کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

ایسا صرف اس لیے ہے کہ یہ ساری تحریریں ایک دوسرے کی تفصیل و تلخیص معلوم ہوتی ہیں۔ اس ایوان میں فکرِ تازہ کے دریچے کم ہی کھلے ہیں وہی چند موضوعات اور وہی چند حوالے

جن کی بنیاد پر لاتعداد مضامین کا ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے پھر ان مضامین کے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد مولانا احمد رضا خاںؒ کے ایسے حلقۂ ارادت منداں سے تعلق رکھتی ہے جو مولانا کی نعت گوئی پر صرف اور صرف مولانا سے عقیدت اور محبت کے اظہار کی خاطر کچھ لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادب زبان اور زبان سے جڑے مسائل ان کا مسئلہ اور موضوع نہیں۔

نتیجتاً ایسی تحریروں کی تعداد زیادہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی تحسین کے نام پر جمع کردی گئی ہیں اس انبار میں مولانا کی نعتیہ شاعری پر لکھے گئے ایسے سنجیدہ، علمی اور تنقیدی مقالے بھی ہیں جو عصری ادبی میلانات کی روشنی میں لکھے گئے تھے اور جنھیں نمایاں کرنا ضروری تھا، مگر وہ کہیں دب کر رہ گئے۔ ان کی وہ توقیر نہیں ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے۔

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو ادبی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور بحیثیتِ شاعر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی، نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور ان کا شعری عمل خالص ادبی نقطۂ نظر سے ہونے والی گفتگو کا وسیع خیال افزا اور خیال افروز ماحول چاہتے ہیں۔ مگر ہم مولانا کی نعتیہ شاعری کو ان کے دیگر اہم اور وقیع کاموں کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے عادی ہوچکے ہیں جس کے نتیجے میں وہ بحیثیتِ شاعر محدود تر حوالے سے موضوعِ گفتگو بنتے ہیں اور بحیثیت ایک معروف عالمِ دین اور مذہبی و مسلکی رہنما کی حیثیت سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ادب کے نقاد یا قاری ان کے کلام پر رائے دینے میں محتاط رویوں کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا پر لکھے گئے بیش تر اہلِ علم کے مضامین پر ایک نظر ڈالیے آپ کو مولانا کی مذہبی خدمات، علمی حیثیت اور عشقِ رسول ﷺ کے تذکرے تو خوب ملیں گے مگر شعری محاسن پر چند جملوں اور چند سطروں سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ ایسا صرف اور صرف اس لیے ہے کہ ہم اب تک مولانا کو خود بحیثیتِ شاعر موضوعِ گفتگو نہیں بننے دے رہے کہ کوئی لسانی یا ادبی اختلاف سامنے نہ آجائے اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہے تو ہم نے اسے مولانا کی شخصیت یا علمی مرتبہ پر حملہ تصور کرتے ہوئے اپنی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ ہمارا یہی رویہ مولانا کی شعری عظمت کے وسیع تر اعتراف میں حائل رہا ہے، مولانا کی زندگی میں بھی اور آج بھی اور اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک عظیم نعت گو شاعر ہماری سنجیدہ اور مرکزی ادبی تاریخ کا حصہ نہ بن سکا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان کا یوں تذکرہ ہی نہیں چاہتے؟ اس طرح تو ہم خود اردو کے نعتیہ اور اسلامی ادب میں مولانا

D:NaatRang-18
File: Ibtidaia
5th Proof

کے مقام اور کام کا شمار نہ ہونے کے ذمہ دار ٹھہریں گے۔ کیا سعدیؒ، رومیؒ اور جامیؒ کی منظومات پر کسی ادبی ولسانی تنقید نے ان کی شخصی عظمت اور علمی مرتبت کی ضیا کم کی ہے؟ ہمیں اپنے رویے پر نظرثانی کرنی ہوگی، اس فضا کو بدلنا ہوگا۔ ہماری یہ جذباتیت کلامِ رضا کی تفہیم کے راستے بند کررہی ہے۔

عربی، فارسی اور اردو کے حوالے سے تمام بڑے اور محترم نام جو علم و فضل میں درجۂ استناد رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہوئے ان پر ہونے والے کاموں پر ایک نظر ڈالیے، کیا ان پر لکھنے والوں کو اظہارِ رائے کی آزادی نہیں دی گئی اور کیا اس کے نتیجے میں ان پر ہونے والے کاموں کی رفتار اور اس کی قبولیت و پزیرائی کے آثار نمایاں نہیں ہیں۔

اگر ہم اپنی سوچ کو کشادہ کرکے اس فضا کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ہم نے اہلِ علم کو سنجیدگی سے کلامِ رضا پر لکھنے کا موقع فراہم کیا تو مجھے یقین ہے کہ کلامِ رضا کی تابندگی اور اس کی عظمت سے نہ صرف ہماری ادبی تاریخ منور ہوگی بلکہ ہمارا وہ قاری جو اس موضوع پر موجود مواد کی یکسانیت کی وجہ سے اُکتاہٹ کا اظہار کر رہا ہے وہ بھی اپنی پوری دلچسپی سے اس طرف متوجہ ہوگا۔ ان شاء اللہ

''نعت رنگ'' کے اس خاص شمارے کو مرتب کرتے ہوئے میرے دل میں بہت سی خواہشات تھیں۔ میں مولانا کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان تمام پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ پیش کرنا چاہتا تھا جو ابھی تک موضوعِ گفتگو نہ بن سکے مگر کچھ اپنوں کی بے گانگی اور کچھ مولانا کے نام پر قائم معروف اداروں کی اپنی مخصوص ترجیحات کے سبب عدم تعاون اور ادب سے عدم توجہی کی وجہ سے میری وہ خواہشات پوری نہ ہوسکیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنے ہی قائم کردہ معیار کے مطابق اس نمبر کی ترتیب و تدوین و تہذیب نہ کرسکا لیکن کم مائیگی کے اس احساس کے ساتھ ہی ساتھ مجھے خوشی ہے کہ اس نمبر کی وساطت سے میں کم از کم یہ احساس آپ تک منتقل کرنے میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گا کہ مولانا جتنے اہم اور مقبول شاعر ہیں ان پر اب تک ویسا کام نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے اس احساس کی بدولت آئندہ کوئی اعلیٰ کام سامنے آسکے جو ادبِ نبوی کے نئے اور معنی آفریں دریچے وا کرسکے۔

سیّد صبیح رحمانی

کلامِ رضاؔ کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کہے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظر ثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک و شبہ یا غیر حقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام و تفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (بھارت)

کلامِ رضا میں توحید کی ضیا باریاں

توحید خداے پاک کی یکتائی و بے ہمتائی پر ایمانِ کامل رکھنے کا نام ہے۔ اس کا ایک اجمالی تعارف اس معروف و مقبول جملے میں ملتا ہے کہ ''اللہ ایک ہے، پاک ہے اور بے عیب ہے، اُس جیسا اور کوئی نہیں، وہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔'' قرآن و احادیث میں توحیدِ باری کے متعلق جتنے بیانات و ارشادات ملتے ہیں، اُن سب کا خلاصہ اور نچوڑ مرقومہ بالا جملے میں پوری اکملیت کے ساتھ موجود ہے۔ توحید کے تحت خداے بزرگ و برتر کی ذات و صفات کی بوقلمونی کا بیان ہوتا ہے۔ خدا کی عظمت و کبریائی چوں کہ لامحدود ہے، اس لیے شاعری میں خدا کی توحید بیان کرنے کے لیے شاعروں کو لامحدود فضا ملتی ہے۔ اب یہ اُن کے شاعرانہ ذوق وظرف پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک صفاتِ خداوندی اور تجلیاتِ ربانی کے کیفِ مشاہدہ یا تخیل کو اظہار کی حدوں میں سمیٹ سکتے ہیں۔ وہ ذات جو کسی کے مثل نہیں اور نہ کوئی شے اس کے مثل، جو عرش پر مستوی ہے مگر عرش کو اس کی جستجو ہے، اور جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں پنہاں اور مستور ہے، اور جو ماوراے احساس و ادراک ہے اور پھر بھی حبل الورید سے اقرب ہے، اُس کے بیان کو محسوسات کے دائرے میں لانا بڑے زورِ تخیل اور بلند حوصلگی کا تقاضا رکھتا ہے۔ ہاں اُس کے اسماے صفات کی بدولت کچھ بات بن سکتی ہے اور یہی کوشش ہمارے شاعروں کے یہاں ملتی ہے۔

حضرت رضا چوں کہ امام الشعرا ہیں، اس لیے اُن کے یہاں یہ کوشش پوری تکمیلی شان کے ساتھ بروے کار آئی ہے۔ اُن کے ایک عربی قصیدے کے یہ ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں توحید کی عظمت وجلالت کا بڑا کیف آگیں بیان ملتا ہے:

الحمد للمتوحد　　　　بجلالہٖ المتفرد

D:NaatRang-18
File: farooq
Final

وصلوته دوما علیٰ　　　خیر الانام محمد

(تمام تعریفیں خداے یکتا کے لیے ہیں جو اپنے جلال میں یگانہ و تنہا ہے اور اس کی رحمت بے پایاں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوتی رہے جو تمام خلایق میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں)

معتبر روایات کے مطابق جامعہ ازہر کے عالموں اور ادیبوں نے جب ان اشعار کو سنا تو حیرت و استعجاب کا عالم اُن کی نگاہوں کے سامنے پھر گیا اور یہ تبصرہ کیا کہ ایک غیر عرب کا ایسا مرصع کلام کہنا بڑے کمال کی بات ہے۔

جہاں تک حضرت رضا کے اردو کلام میں توحید کی ضیاباریوں کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ حضرت رضا کے نعتیہ مجموعہ 'حدایقِ بخشش' کے دونوں حصوں کے آغاز میں روایتی طور پر کوئی حمد نہیں ملتی ہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کلامِ رضا توحید کی ضیاباریوں سے محروم ہے۔ حدیث قدسی کنت کنزً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی روشنی میں عرفانِ الٰہی کا واحد وسیلہ عرفانِ محمدی ہے۔ اسی لیے قرآن نے بھی فرمایا، ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعوانی، اسی طرح قرآن ہی کے ارشاد من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ کے مطابق رسول کی اطاعت، خدا ہی کی اطاعت ہے تو اس کا صاف منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول کی مدح و ثنا بالواسطہ طور پر خداے عزوجل ہی کی حمد و ثنا ہے۔ اسی لیے حقیقت شناس حضرات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور انور ﷺ کی تعریف سے خالق کی تعریف ہی مقصود و متصور ہوتی ہے۔ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ 'حدایقِ بخشش' کے دونوں حصے (تیسرا حصہ میرے پیشِ نظر نہیں ہے) نعتِ رسول کے ساتھ ساتھ توحیدِ الٰہی کے جلووں سے بھی معمور و مستنیر ہیں، اور ایسا ہونا ہی تھا کیوں کہ خود بقول حضرتِ رضا:

ذکرِ خدا جو اُن سے جدا چاہو نجدیو　　　واللہ ذکرِ حق نہیں، کُنجی سقر کی ہے

چناں چہ 'حدایقِ بخشش' کے دوسرے حصے کے آخر میں ایک مستقل حمد ہے جس میں توحید باری کے ساتھ ساتھ نعتِ رسول کے بھی حسین جلوے نظر آتے ہیں یا یہ کہیں کہ یہ ایک ایسی نعتِ رسول ہے جس میں توحید کی کہکشاں بھی نور افشاں نظر آتی ہے۔ یہ بیک وقت حمد بھی ہے اور نعت بھی۔ اس طرح حمد و نعت کو ہم رنگ و ہم آہنگ کرنے کی سعیِ مشکور یقیناً صرف حضرت رضا ہی نے کی ہے۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا　　　تجھے حمد ہے خدایا

اربابِ علم و دانش کے نزدیک سمندر کو کوزے میں سمونا اور کوزے کو سمندر کی وسعت عطا کرنا، دونوں اعلیٰ درجے کا فن کارانہ عمل ہے۔ اس تناظر میں دیکھیے تو حضرت رضا نے اپنے ایک مصرع میں سمندر کو کوزے میں بند کردینے کی فن کاری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہاں بظاہر خداے پاک کی صرف ایک ہی صفت کا بیان ہوا ہے مگر اس میں جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ اختصار میں جامعیت، تہ داری اور طرح داری کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کو فنی خوش سلیقگی کے ساتھ برتنے کا پیارا اور انوکھا انداز ملاحظہ ہو:

مژدہ باد اے عاصیو، شافع شہِ ابرار ہے　　　تہنیت اے مجرمو، ذاتِ خدا غفار ہے

داد دیجیے کس ایمانی جوش و جذبے اور فخر و طرب کے ساتھ حضرت رضا نے خداے پاک کی صفتِ غفاری کو بیان کیا ہے۔ خود تو فرطِ مسرت سے سرشار ہیں ہی، تمام مجرموں کو بھی مبارک باد دے رہے ہیں کہ جب ہمارا ربِ کریم غفار ہے تو پھر آخرت کی ہولنا کیوں سے ڈرنا کیا ہے۔ وہ خداے بندہ پرور ہمارے گناہوں کو ضرور بخش دے گا۔ اس مضمون کا ایک اور شعر کلامِ رضا میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کیوں رضا کُڑھتے ہو، ہنستے اُٹھو　　　جب وہ غفار ہے، کیا ہونا ہے

یہاں بھی خداے ارحم الراحمین کی شانِ غفاری پر مچلنے اور اترانے کا انداز بہت ہی نشاط افزا اور نرالا ہے۔ دوسرے مصرعے میں 'کیا ہونا ہے' کا ٹکڑا غضب کا ہے۔ بار بار پڑھیے اور حظ اُٹھایئے اور رحمتِ خداوندی کے بے کراں سمندر میں بالکل بے فکری اور طمانیتِ قلب کے ساتھ شناوری کیجیے۔

ربِ تعالیٰ کی ایک صفت اس کا ستار ہونا بھی ہے، جس طرح وہ غفار الذنوب ہے، ستار العیوب بھی ہے۔ ہم دن رات معاصی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور وہ اُن پر پردے ڈالتا رہتا ہے۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ اے ربِ کریم جس طرح دنیا میں تو نے ہمارے جرموں کی طرف سے چشم پوشی کی ہے، آخرت میں بھی ہمارے نامۂ اعمال کو پردۂ خفا ہی میں رکھنا، ورنہ تیرا یہ عبدِ ضعیف کہیں کا نہیں رہے گا۔ کس جذبۂ عبودیت اور انکسار کے ساتھ وہ بارگاہِ ایزدی میں استغاثہ کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

اپنی ستاری کا یارب واسطہ　　　ہوں نہ رسوا، برسرِ بازار ہم

یہاں 'بازار' سے مراد بازارِ قیامت ہے، جہاں اوّلین و آخرین کا مجمع ہوگا، وہاں کی

خجالت و پشیمانی کتنی عبرت ناک ہوگی، بس اس کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ اُسی سے بچنے کے لیے حضرت رضا، بارگاہِ ستار العیوب میں فریاد کناں ہیں۔

اور اب وہ شعر دیکھیے جس میں خدائے ذوالجلال کی صفتِ قہاری کا بیان ہوا ہے۔ یہ امر محتاجِ وضاحت نہیں کہ ہمارا رب جہاں رؤف ہے، رحیم ہے، ستار ہے، غفار ہے، وہاں قہار و جبار بھی ہے۔ اس کا تصور کر کے ہی ایک حساس آدمی لرزہ براندام ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت رضا بھی ربِ تعالیٰ کی صفتِ قہاری کا بیان کرتے ہوئے لرزاں و ترساں نظر آتے ہیں۔ ایک بندۂ مومن کی شان یہی ہے کہ جہاں وہ ارحم الراحمین کی رحمتوں پر مچلے، وہیں اس کے قہر و غضب سے بھی ڈرتا رہے اور جو شخص جس قدر خدائے پاک کا محبوب و مقرب ہوتا ہے، اتنا ہی وہ خشیت کا پیکر ہوتا ہے۔ حضرت رضا کے مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہونے میں کیا شبہ ہے مگر اُن کے جذبۂ عبودیت کو تو یہ کہنا ہی تھا کہ:

خدائے قہار ہے غضب پر، کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچالو آکر شفیعِ محشر، تمھارا بندہ عذاب میں ہے

یعنی کل عرصاتِ قیامت میں خدائے قہار کے غیظ و غضب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ شافعِ محشر ﷺ کی شفاعت ہمیں حاصل ہوجائے۔ (آمین)

حضرت رضا کو خدائے رؤف و رحیم کی رحمتوں پر کس قدر بھروسا ہے اس کا احساس و اندازہ درجِ ذیل شعر سے بھی ہوسکتا ہے:

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

میں نہیں سمجھتا کہ توحیدِ باری کا اس سے عمدہ اور زیادہ ایمان افروز بیان ہوسکتا ہے! حضرت رضا حضور انور ﷺ کی زیارت کا شوقِ فراواں رکھتے ہیں، لیکن اس کی توفیق اپنے معبودِ برحق ہی سے چاہتے ہیں اور یہی توحیدِ کامل ہے۔ توحیدِ الٰہی کا مظہر ایک اور اہم اور نمائندہ شعر ملاحظہ ہو، حضرتِ رضا فرماتے ہیں:

محمد مظہرِ کامل ہے، حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے، اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

بہت ہی بلند اور استادانہ شعر ہے۔ دوسرے مصرع میں کثرت اور وحدت کے الفاظ

صنعتِ تضاد کا لطف دیتے ہیں، اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ حضور خواجۂ دو عالم ﷺ صفاتِ خداوندی کے مظہر اتم ہیں اور صفات خداوندی کی نہ کوئی حد ہے نہ شمار۔ وہ ایک ایسی کثرت ہے جس کا ادراک و احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ کہ اس شعر کو صوفیوں کے نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے تناظر میں دیکھا جائے تو وہ کچھ اور ہی لطف دیتا ہے۔ اس نعت کے شعر میں توحید کی جلوہ نمائیوں کا ایسا عمدہ اور پاکیزہ بیان ملتا ہے جو حضرت رضا کے خامۂ زرنگار ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔ اس نعتِ پاک کا یہ شعر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے:

نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو مگر سدِّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

یہ تو قرآنی حقیقت ہے کہ سیّدنا آدم کے سامنے ملائکہ سربہ سجود ہوئے اور سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدۂ تعظیمی پیش کیا۔ اس تناظر میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ حضور سیّد الانبیا ﷺ اس سجدۂ تعظیمی کے زیادہ مستحق ہیں کیوں کہ آپ محبوبِ کردگار ہونے کے ساتھ ساتھ سیّد الانبیا بھی ہیں لیکن ہماری شریعتِ مطہرہ میں سجدۂ عبودیت ہو یا تعظیمی یہ صرف ذاتِ خدا کے لیے مخصوص ہے۔ غیرخدا کے لیے کسی طرح کے سجدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں نہیں سمجھتا توحیدِ باری تعالیٰ کے تعلق سے اس سے زیادہ واضح اور محکم تصور کیا ہوسکتا ہے۔ اسی مفہوم کا حامل درجِ ذیل شعر بھی ہے:

پیشِ نظر وہ نوبہار، سجدے کو دل ہے بے قرار روکیے سر کو روکیے! ہاں یہی امتحان ہے

'نوبہار' سے مراد ذاتِ رسالت مآب ﷺ ہے۔ عشاق کی تسکین و تسلی قدم ناز پر سجدہ ریز ہونے سے کم پر نہیں ہو رہی ہے لیکن یہاں بھی حکمِ شریعت کا پاس و لحاظ دل کی اضطراری کیفیت پر پہرے بٹھائے ہوا ہے۔ قربان جایئے، توحیدِ الٰہی کے بارے میں حضرت رضا بریلوی کی غایت درجہ احتیاط پسندی پر، کس طرح وہ ہر جگہ توحید کا پرچم بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح اپنے ایک اور شعر میں حضرت رضا نے توحیدِ الٰہی کا نہایت واضح، ٹھوس اور غیر مبہم تصور پیش کیا ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ واہمہ لاحق رہتا ہے کہ نعت گو شعرا فرطِ عقیدت میں حدود کو تجاوز کر جاتے ہیں یہاں تک کہ الوہیت اور رسالت کے مابین کا فرق و امتیاز ہی ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ دیکھیے حضرت رضا نے اس سلسلے میں کتنا عمدہ اور پاکیزہ شعر کہا ہے۔ وہ نعت پاک جس کا مطلع ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

اُسی کا مقطع ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا　　　خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

اتنے واضح اعلان و اظہار کے باوجود کوئی کم نظر ہی اُن کے تصورِ توحید کے بارے میں بدگمانی کرسکتا ہے۔

اور اب آخر میں حضرت رضا کی ایک مشہور نعت کے درجِ ذیل تین اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں توحید کی ضیاباریاں ہم دوشِ ثریا نظر آتی ہیں بلکہ اس سے بھی بلند و ارفع مقام پر۔ ان اشعار کے منصۂ شہود پر آنے کا ایک خاص پس منظر ہے وہ یہ کہ اُن کے بعض معاصر علما نے امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کی بحث چھیڑی اور اس کی صحت پر اصرار کرنے لگے۔ اس پر خدا و رسول کے محبِّ صادق حضرت رضا بریلوی کی غیرتِ توحید حرکت میں آگئی اور آپ نے ناموسِ الٰہی کے دفاع میں یہ ایمان افروز اشعار کہے:

مگر خدا پہ جو دھبا دروغ کا تھوپا　　　یہ کس لعیں کی غلامی کا داغ لے کے چلے

وقوعِ کذب کے معنی درست اور قدوس　　　میے کے پھوٹے، عجب سبز باغ لے کے چلے

جہاں میں کوئی بھی کافر سا کافر ایسا ہے　　　کہ اپنے رب پہ، سفاہت کا داغ لے کے چلے

ان اشعار کی تشریح کی ضرورت نہیں، یہ خود زبانِ حال سے اپنا تعارف کرا رہے ہیں۔ دنیا میں ایک سے ایک گم راہ فرقہ پیدا ہوا، مگر کسی نے اپنے رب اور معبود کو عیبی نہیں قرار دیا۔ یہ ہمارے ملک ہندوستان جنت نشان کے ایک باطل فرقے کا تفرد اور امتیازِ خاص ہے کہ اس نے ''اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے'' کے عقیدۂ حقہ پر خطِ بطلان کھینچ دیا اور توحید کی امانت کو، اللہ کے سادہ لوح بندوں کے سینوں سے نکال کر ان کو ایمانی اعتبار سے مفلس و قلاش بنا دیا اور لطف یہ ہے کہ خود توحید کے تنہا اجارہ دار بھی بنے رہے۔ غالباً ایسوں ہی کے لیے کہا جائے گا کہ:

کعبے کس منھ سے جاؤ گے غالب　　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

سطورِ بالا میں کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریوں سے متعلق محض چند جھلکیاں دکھلائی گئی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ موضوع کا حق ادا نہیں ہوسکا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ راقم الحروف پھر اس موضوع پر مزید غور و خوض کرے گا۔ السّعی منی والاتمام من اللّٰہ۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی (کراچی)

سلامِ رضاؔ کے دو باغوں کی سیر

سارے سال اور خاص طور پر ماہِ ربیع الاوّل میں برِعظیم جنوبی ایشیا کی مسلمان بستیاں 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کی صداؤں سے گونجتی رہتی ہیں۔ یہ صدائیں مسجد ومحراب سے اُبھرتی ہیں، گھروں کے آنگنوں میں، آوازوں کے غنچوں میں یہی نغمہ سنائی دیتا ہے، ذکرِ رسولِ کریم ﷺ کی محفلوں میں اسی سلام کے الفاظ سے چراغاں ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری زبان کا مقبول ترین سلام ہے اور عام طور پر اس سلام کی ادائیگی کے وقت کسی قسم کی کوئی فقہی قباحت یا اختلاف ذہنوں میں نہیں ہوتا۔ اس قبولِ عام کو شاعر کے کلام کے محاسن سے نہیں بلکہ اُس کے خلوص اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستگی کا نتیجہ قرار دینے کو جی چاہتا ہے اور اسی سلام کے اثرات کی جھلک حفیظ جالندھری، مولانا ماہرالقادری، جگن ناتھ آزاد، منور بدایونی، وحیدہ نسیم اور حنیف اسعدی وغیرہ کے سلاموں میں نظر آتی ہے۔ آواز کے یہ دائرے وقت کے سمندر میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ بیس ویں صدی عیسوی کی بڑی مدت اس سلام کی مقبولیت کی شاہد ہے اور اب اکیس ویں صدی عیسوی میں اردو دنیا کی حدود کی توسیع کے ساتھ اس سلام کی صداؤں نے نئے علاقوں کو مسخر کرلیا ہے۔ اردو بولنے والوں کی کاہلی، علم بے زاری اور مختلف وجوہ کی بنا پر دشمنی کے باوصف اردو کے اس قبولِ عام کے اسباب میں سب سے قوی سبب اس زبان میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ذکرِ مسلسل ہے۔

(۲) سلامِ اردو نعت اور اردو مرثیہ کی ذیلی صنف کا درجہ رکھتا ہے۔ ان دونوں اصناف کا گہرا رشتہ ہمارے معاشرے، ثقافت اور اندازِ زیست سے رہا ہے۔ اردو میں حمدیہ اور نعتیہ رُباعیوں کا سلسلہ مجالسِ محرم سے وابستہ ہے۔ انیس اور دبیر اپنی مرثیہ خوانی کا آغاز انھیں رُباعیوں

سے کرتے تھے۔ اردو مرثیے میں واقعاتِ کربلا بیان کیے جاتے تھے۔ محرم کی تاریخوں کا خیال رکھا جاتا اور مختلف تاریخوں میں اُن کی مناسبت سے واقعات پیش کیے جاتے۔ مرثیے بالعموم خاصے طویل ہوتے تھے۔ اس لیے جذبات کے ارتکاز کے لیے سلام سے کام لیا جاتا۔ کربلا سے متعلقہ جذبات کے بیان میں غزل کی اشاریت کی مدد سے آفاقیت پیدا ہوجاتی اور کربلا کا رشتہ ہر دور کی تاریخ سے جڑ جاتا۔ سلام کے چند اشعار سے میری بات کی وضاحت ہوسکے گی:

جوش ہم ادنیٰ غلامانِ علیِ مرتضیٰؓ   تمکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ

(جوش ملیح آبادی)

کچھ بریدہ بازوؤں والے نے لکھی ریت پر   کچھ کہانی کہہ گیا اک بے زبانِ کربلا

(افتخار عارف)

نعت گو شعرا نے نعت کے آداب اور قرینے، قرآن حکیم، احادیثِ نبوی اور صحابۂ کرام کی نعتیہ شاعری سے سیکھے ہیں۔ قرآن حکیم بہ عنوانِ جلی اور بہ عنوانِ خفی ذکرِ مصطفیٰ ﷺ سے عبارت ہے۔ احادیث میں مرتبۂ مصطفیٰ ﷺ کے مختلف پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نعت پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور صدیوں سے حسانؓ کا نام دبستانِ نعت کا درجہ رکھتا ہے:

میں نے خاکِ درِ حسان کو سرمہ جانا   اور ایک ایک سبق نعت کا ازبر رکھا

(ایضاً)

قرآن حکیم میں نعت کے جو اسالیب ہیں سلام بھی اُن میں سے ایک ہے۔ س ل م کے مادّے سے جو الفاظ وجود میں آئے اُن میں بڑا تنوع، ہمہ گیری اور وسعت ہے۔ سلیم جو شخص اور ذات ہے جو ہر نقص سے پاک ہو۔ اسی طرح ہر آفت سے سلامتی بھی اُس کے معانی میں شامل ہے۔ سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کا استعمال تو ہماری زبان میں بھی عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماے مبارکہ میں سلام بھی شامل ہے یعنی وہ ذات جو تمام نفوس اور اشیا کو سلامتی عطا کرے۔ امن، سلامتی، اطاعت، سپردگی یہ سب سلام کے مفہوم میں شامل ہیں۔

قرآن حکیم نے سرورِ کونین علیہ السلام پر اللہ اور اُس کے فرشتوں کے درود بھیجنے کا ذکر کیا ہے اور اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم بھی نبی اعظم ﷺ پر درود اور سلام بھیجو۔ یوں آپ پر سلام بھیجنا حکمِ قرآنی ہے اور اس کی تعمیل کی ایک صورت نعت میں سلام پیش کرنا ہے۔

ان اللّٰہ و ملئکته یصلون علی النبی. یایها الذین امنوا صلو علیه وسلموا تسلیما۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود و صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے اہلِ ایمان! تم بھی آپ ﷺ پر سلام و صلوٰۃ بھیجو۔

سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاے کرام پر بھی سلام کا ذکر ہے اور انھیں کی زبان سے کہ مجھ پر سلام اُس دن کے حوالے سے جب میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا جو جس دن مجھے اٹھایا جائے گا اور الصافات میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، الیاسین پر سلام بھیجے گئے ہیں، مگر اہلِ ایمان کو حضرت محمدِ عربی پر سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا اور یہ آپ کو خصوصی اعزاز ہے۔

اس پس منظر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نعت گو شعرا نے اپنی نعتوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام کیوں اس اہتمام کے ساتھ پیش کیے ہیں اور سلام کو اس کے صنفِ سخن کا سا مرتبہ کیوں حاصل ہوگیا ہے۔

(۳) مولانا احمد رضا خانؒ کے سلام کا ذکر اپنی کئی تحریروں میں کر چکا ہوں۔ یہ مضمون انھیں نکات کی تفصیل ہے اور بعض مزید خصوصیات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس سلام کی اہم ترین بات اس کی ترتیب اور تعمیری حسن ہے۔ جذبۂ دل کی اپنی تعبیر اور اظہار ہوتا ہے۔ جذباتی شاعری میں فکری شاعری کی سی ترتیب کم نظر آتی ہے۔ شاید اسی لیے ہمارے نظم گو شعرا کے یہاں بھی ترتیب، ربط اور تنظیم نہیں ملتی۔ مولانا احمد رضا خانؒ میں جذباتی رنگ کے ساتھ فکری گہرائی بھی ہے اور ان دونوں عناصر کو حسنِ ترتیب نے اس طرح ایک دوسرے سے مربوط کیا ہے کہ ایک شعری شہ پارہ وجود میں آگیا ہے۔

زندگی اور ریاضی کی دنیا میں ۲ + ۲ (دو جمع دو) ہمیشہ چار ہوتے ہیں لیکن فن کی دنیا کی ریاضی اس سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں کُل اپنے اجزا سے بڑا ہوتا ہے۔ تاج محل محض سنگِ مرمر، نقش و نگار، خطاطی کے حسن اور طرزِ تعمیر کے حسن کا نام نہیں بلکہ اس میں جذبۂ عشق کی قوت کا وہ عنصر بھی شامل ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ ہماری حسین ترین عمارتیں مربع یا مستطیل ہیں۔ اُن میں فنی زاویے، خطوط نہیں... لیکن اُن کے معماروں کے جذبے اور ہمارے جذبات اور ذوقِ نظر ایک دوسرے کے ساتھ یوں وابستہ ہوگئے ہیں کہ تاثر اور حسن کی ایک نئی دنیا آباد ہوتی نظر آتی ہے۔

D:NaatRang-18
File: 2-Dr.Kashafi
Final

یہ تعمیری حسن اور وحدت شعر میں بھی نظر آتی ہے۔ اس کی بہت نمایاں مثال اقبال کی نظم مسجدِ قرطبہ ہے جو ایک مسجد کے جلال و جمال کی تصویر ہی نہیں بلکہ اسلام کے ذوقِ جمال کی تفسیر ہے اور یوں کہ:

اے حرمِ قرطبہ حسن میں تیری نظیر　　　　قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی (کہی) ایک نعت کو میں نے کئی منزلوں کے وسیع اور کشادہ مکان بلکہ محل سے تشبیہ دی ہے۔ جناب احمد رضا خان بریلوی کا سلام بھی یہی تعمیری حسن رکھتا ہے بلکہ اس کے رنگ و بو کی مناسبت سے ایسا وسیع باغ کہہ لیجیے جس کے کئی حصے یا پھولوں کے کئی تختے ہوں۔ سلامِ رضا کے ان مختلف حصوں کی تاثیر اور تناسب کی بنا پر یہ کہنا بھی مبالغہ ہوگا بلکہ حقیقت کا اظہار ہوگا کہ حدائقِ نعت و ثنا ہے۔ ہر حدیقہ کا رنگ دوسرے سے مختلف مگر ہم آہنگ ہے۔

پہلے حدیقے میں نبوت و رسالت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رحمت، ہدایت، شفاعت، عرش و فرش پر جلوہ گری، لطافت و نظافت، حکم و فضیلت بعض مسخرات کی طرف اشارے، ریاست و سرغیب، میرے شمار اور تقسیم کے مطابق اس حصے میں اکتیس شعر ہیں۔ ان شعروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی نے کس کس پہلو سے کمالاتِ نبوت کو سمجھا ہے اور اُن کا احاطہ کیا ہے۔ اس حدیقہ میں حضرت احمد رضا خاں صاحب کی زبان و بیان نے اُن کی عقیدت کی گیرائی اور گہرائی کا ساتھ دیا ہے اور ایسی ایسی تراکیب اور صفات ہمارے سامنے آتی ہیں جن سے ہماری زبان زیادہ نوری، قدسی صفت اور نئے احکامات کی امین بن گئی ہے۔

سلام کا آغاز 'رحمت' اور 'ہدایت' کے نغموں سے ہوتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے اشعار میں 'رسالت' اور 'شفاعت' کے ذکر سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے چار بنیادی عناصر کا ذکر مکمل ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بھیجنے والے نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور انسانوں کی ابدی ہدایت کا ابدی نقطہ آپ ہی کی ذات ہے۔ تمام انبیاے کرام کی تعلیمات کا مہیمن اور محافظ قرآن حکیم ہے اور آپ کے اسوۂ حسنہ میں تمام انبیاے کرام کی صفات نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کائنات کی تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جو بزمِ ہدایت سے خالی رہی ہو اور آخر میں اس بزم کو ابدالآباد تک روشن رہنے والی شمع مل گئی۔ اُس شمع پہ لاکھوں سلام اور لاکھوں درود۔ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہدایت بھی ہے اور ہدایت کی برہانِ عظیم بھی۔

قل فللّٰہ الحجة البالغه (سورۃ الانعام، آیت۱۴۹)
(آپ کہہ دیجیے کہ بس مکمل حجت تو اللہ کی ہی ہے)

اس سطحِ بلند کی شاعری میں چوتھا شعر بے جوڑ لگتا ہے جس کا اس حدیقۂ اوّل کے اُن تمام اشعار سے کوئی علاقہ نہیں جو حضور ﷺ کی سیرت وذات کو ہمارے وجدان کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود — نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

دولھا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور اُن کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔ 'نوشۂ بزمِ جنت' کو 'مرکزِ بزمِ جنت'، 'شانِ بزمِ جنت'، 'رونقِ بزمِ جنت'، 'کعبۂ بزمِ جنت' کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ پورا سلام اپنے شاعر کی قادرالکلامی کا گواہ ہے بلکہ یہ تلازمہ شاعر کی نفسیات کا ایک حصہ ہے۔ اس تلازمہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسے عالمانہ سلام میں جو حدیث وقرآن کی آیات کی ترجمانی کرتا ہے عام سننے والوں کی دل چسپی کے کچھ اشعار شعری ضروریات کا تقاضا تھے۔

اس حدیقۂ اوّل میں: عرش کی زیب وزینت پہ عرشی درود

پیش کیا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ اگر اس خاک دانِ ارض کی روشنی تھے تو عرش کی زیب وزینت بھی ہیں۔

حضور ﷺ کے دو معجزوں کی طرف اس اشارے کی باریکیوں پر نظر ڈالیے اور پھر سرکار ﷺ کی ذات کے لیے نائبِ دستِ قدرت کی بلاغت اور پھیلاؤ کا جائزہ لیجیے:

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

وہ نائبِ دستِ قدرت کے دستِ قدرت ہی کی بات قرآن حکیم نے یوں پیش فرمائی ہے:

وما رمیت اذ رمیت و لکن اللّٰہ رمی (سورۃ الانفال: آیت۱۷)
اور (اے رسول) آپ نے مٹی کی مٹھی کافروں کی طرف نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

یہ جنگِ بدر کے اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب رسول اللہ ﷺ کنکریوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی کافر ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں کو اُس مٹھی بھر مٹی نے متاثر نہ کیا ہو اور اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ مٹھی بھر خاک آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی۔

D:NaatRang-18
File: 2-Dr.Kashafi
Final

اقبال کے ہاں شاید اسی تلمیح نے اس طرح شعر کا قالب اختیار کیا ہے کہ:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں، کارکشا کارساز

یہ دنیا دار الاسباب ہے اور یہ اُسی مسبب الاسباب کا کام ہے کہ وہ اپنے رسول کے ہاتھ کو دستِ قدرت کی تاثیر عطا کرتا ہے۔

اس سلام کے ابتدائی حصے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو مرتبۂ نبوت کی شناسائی کی روشنی سے منور اور عطر سے معطر ہیں:

نقطۂ سرِّ وحدت پہ یکتا درود — مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود — ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
سرِّ غیبِ ہدایت پہ غیبی درود — عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام
مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود — مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
ربِ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود — حق تعالیٰ کی سنت پہ لاکھوں سلام

اس اشعار کے سلسلے میں اجمالاً عرض ہے کہ:

(۱) ان شعروں میں درود کی صفات (جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا ہے) اردو زبان اُن معنوی اور لسانی وسعتوں سے آشنا کرتی ہیں جو اردو کی نعتیہ شاعری اور عام شاعری میں بھی ناپید تھیں۔

(۲) مرتبۂ رسالت سے متعلق نہایت دقیق نکات دل کو چھونے والی شاعری بن گئے ہیں۔ خیال اور جذبہ کا ایسا امتزاج غالب اور اقبال کی شاعری کے علاوہ کہیں اور مشکل سے ملے گا۔ اس سطح کی نعتیہ شاعری صرف محسن کاکوروی کی دو مثنویوں میں ملتی ہے۔

(۳) تضادات اور انتہائیں مطلعِ نبوت پر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوگئی ہیں۔ فتحِ باب نبوت اور ختمِ دورِ رسالت، مطلعِ ہر سعادت اور مقطعِ ہر سیادت۔

(۴) ان اشعار کے جسم میں آیاتِ قرآنی کے مفاہیم اور کنایے روح کی طرح دوڑ رہے ہیں:

حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم سے ہر انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور احسان کی دستاویز ہے۔ شیخ سعدی کی یہ بات کتنی سچی ہے کہ ہر سانس پر انسان پر دو شکر واجب ہیں۔ ہر سانس جو اندر جاتی ہے وہ ممدِ حیات ہے اور باہر نکلنے والی ہر سانس مفرحِ ذات ہے۔ جس طرح زمین اور آسمان کی بے شمار مخلوق کو انسان کی خدمت اور زندگی کو سہل بنانے کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے اُس کو احاطہ

کون کرسکتا ہے۔

تم بھلا اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کروگے، لیکن ہمارے رب نے کسی نعمت کو اپنے احسان کے طور پر نہیں پیش فرمایا۔ ہاں اُس کا ایک احسان ایسا ہے جس کا اُس منعمِ حقیقی نے اظہار فرمایا ہے اور وہ احسان ہے بعثتِ محمدی۔

لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۶۴)

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انھیں میں سے اُن میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انھیں اللہ کی آیات سناتا ہے اور اُن کا تزکیۂ نفس فرماتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب لوگ اس سے پہلے کھلی گم راہی میں مبتلا تھے۔

اور ہم اس قولِ رب کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ: حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

اس آیتِ قرآنی میں بعثتِ رسول اللہ ﷺ کے جو تین عظیم اور انسان و انسانیت ساز مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں جو سلامِ رضا کے ابتدائی حصے میں مختلف عنوانات اور اسالیب میں پیش کیے گئے ہیں۔

اس سلام (جس کو اس عاجز نے 'حدائقِ نعت' قرار دیا ہے) کا دوسرا حدیقہ شمائل و خدوخال رسولِ عربی ﷺ سے عبارت ہے۔ شمائل کا باب احادیث کے ذخیروں میں بہت نمایاں ہے۔ صحابۂ کرام کو حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخساروں میں سورج تیرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ہر دن سرکارِ دوعالم کے محفلِ روحانی میں ان بیٹھنے والوں نے کبھی شاید پوری طرح اُس چہرۂ پُرنور کو نہیں دیکھا۔ اُس چہرے کے اندازِ حسن کے ہر رنگ کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے تھے۔ وہ چہرہ کبھی طلوع ہوتے ہوتے سورج کی مانند دکھائی دیتا تو کبھی بدرِ کامل کی طرح۔ کبھی وہ رخسار گلستاں میں بدل جاتے۔ اُس لامحدود حسن کی لامحدودیت کا اندازہ شمائل کی احادیث سے ہوسکتا ہے۔ ہر صحابی نے اپنے ظرف کے مطابق سرکارِ دوعالم ﷺ کو دیکھا اور اپنے مشاہدے کو الفاظ کا پیراہن عطا کیا۔ اس مرحلے پر اپنی ایک تحریر کا چھوٹا سا اقتباس پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں:

ایک مرتبہ ایک امریکی نے مجھ سے کہا کہ تم لوگ اپنے نبی (ﷺ) کی

تصویر سے بھی محروم ہو۔ آخر کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ تمھارے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے خدوخال اور حسن محدود ہیں اُن کی تصویروں تک...اور ہمارے نبی ﷺ اتنا حسین ہے جتنا انسانی تخیل اور تصور ہوسکتا ہے۔ ہم پوری کائنات کے حسن میں اپنے رسول ﷺ کا حسن دیکھتے ہیں اور بات صرف دید تک محدود نہیں۔ ہم تو اُس حسن اور خدوحال کو سوچتے بھی ہیں۔ ('نعت اور تنقیدِ نعت'، ص۱۷۳)

سلامِ رضا کے حدیقۂ دوم میں احادیث شمائل، عشقِ مصطفوی، قدرتِ کلام، شاعرانہ تخیل کی یک جائی نے اردو نعت کے دامن کو ایسے پھولوں سے بھر دیا ہے جن کی تازگی کو وقت کے گزران کا کوئی خطرہ نہیں۔

ان اشعار میں اعضاے جسمانی اور اُن کے وظایف (کام) کو احمد رضا خاں صاحب نے عجب انداز سے یک جا کیا ہے، مثلاً: 'شکم' کے حسن اور صفت کو کس طرح بیان کیا ہے:

کُل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا		اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

مولانا احمد رضا خاں کی علمیت، شاعرانہ تخیل، قرآن و حدیث سے اُن کے تعلق نے بعض شاعرانہ علامات کے سیاق و سباق کو بدل دیا ہے اور وسیع منظر و پس منظر نئے معانی ہمارے ذہن کے مطلع پر طلوع ہوتے ہیں، مثلاً:

معنیِ قد رای مقصدِ ما طغیٰ		نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

معانی کا یہ جہانِ نو ان اشعار میں ملاحظہ ہو:

نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں		انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال		ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

نئی نئی ترکیبیں کس آسانی سے مسلسل سلام میں آتی چلی گئی ہیں کہ پڑھنے والے کو ایسے مقامات نئے اور اجنبی نہیں محسوس ہوتے اور شعری تراکیب دو یا زیادہ الفاظ کو جوڑنے سے وجود میں نہیں آتیں بلکہ وہ دو یا دو سے زیادہ تجربات کو ایک معنوی رشتے میں منسلک کر دیتی ہیں۔ عیدِ مشکل کشائی، پر غور فرمایئے اور اس سے بڑھ کر ناخنوں کی نسبت سے 'ہلال' کو جمع کے طور پر استعمال کرنا۔ نبی اکرم ﷺ کی مشکل کشائیوں کی نہ حد ہے نہ شمار۔ ہر لمحے آپ کے ناخنوں نے انسانی مسائل کی گرہ کھولی ہے۔

ایک اور بات جو میرے ذہن میں شمائل (اس میں سراپا، آپ کی عادات، غذا، تبسم، تکلم سب شامل ہیں) سے متعلق اشعار سے اُبھری ہے وہ ہے جسم و روحِ مصطفیٰ ﷺ کی وحدت۔ آپ کے وجودِ پاک کا ہر ذرّہ شانِ رسالت رکھتا ہے، اسی لیے سراپا میں کارِ نبوت اور بار و شانِ نبوت کے سورج چمک اُٹھتے ہیں: وما ینطق عن الھوی

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

اور ان اشعار میں نبی آخرالزماں کے کارِ نبوت، غم خواریِ اُمت، شانِ شفاعت اور دائرۂ بار و کارِ نبوت کے جلوے نظر آتے ہیں۔

اشک باریِ مژگاں پہ برسے درود — سلکِ دُرِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دوعالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

اشعار کے انتخاب میں اس وقت مجھے جو مشکل پیش آرہی ہے، اُس تجربے سے شاید میں کبھی اس سے پہلے دوچار نہیں ہوا۔

اس کے بعد کے حدیقوں میں ازواجِ مطہرات، اہلِ بیتِ رسول، صحابۂ کرام اور 'شاہ کی پوری اُمت' کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر سلام و درود پیش کیا گیا ہے۔

ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت، صحابۂ کرام اور صالحینِ اُمت نبی کریم ﷺ کی نبوت اور صداقت کے شواہد ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی نبوت کے مفاہیم ان کے مرتبہ و سیرت کو سمجھے بغیر پوری طرح روشن نہیں ہوسکتے اور سرِ دست ان انھیں دو باغوں کی سیر پر اکتفا کرتے ہیں۔

D:NaatRang-18
File: 2-Dr.Kashafi
Final

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (فیصل آباد)

مولانا احمد رضا خاںؒ کی اُردو نعتیہ شاعری

تاریخِ عالم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ قوموں کا دورِ عروج افرادِ قوم کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، ماحول کی سازگاری وسائل کی ارزانی اور مناسب مواقع کی فراہمی، بلند پروازی کو تحریک دیتی ہے اور افراد کے جوہر کھلنے لگتے ہیں، مسلمان اُمت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، مسلمانوں کے دورِ ہمایوں کی برکات کا تو اک زمانہ شاہد ہے کہ اُن کی علمی وجاہت، تحقیقی ثقاہت اور عملی کاوشوں کا ہر کہیں چرچا ہے۔ ایسے ایسے نابغۂ روزگار پیدا ہوئے کہ صفحۂ دہر پر اُن کے نقوش آج بھی روشنی کا نشان ہیں، علوم وفنون کے ایسے باب کھلے کہ دنیا ششدر رہ گئی، علم کی ہر شاخ، خواہ اُس کا حوالہ دینی ہو کہ عبادات ومعاملات سے متعلق ہوں، یا اُس کا حوالہ وہ معاشرتی ومعاشی، علمی وسائنسی پیش رفت ہو جو کارِ جہاں میں آسانیوں کی افزائش کا ذریعہ بنا ہو، یا خالص فکری ونظریاتی نوعیت کا حامل ہو، مسلم علما ومفکرین کی جولاں گاہ قرار پائی تھی، ایک خوش گوار حیرت یہ ہے کہ خالص نظریاتی ریاست جو عقاید واعمال کی مضبوط اساس پر قائم ہوئی تھی کسی ذہنی وفکری گھن کا شکار نہ ہوئی، مضبوط عقیدہ رکھتے ہوئے بھی دوسروں کے عقاید پر حملہ نہ کیا، علم کی کسی شاخ سے نظریں نہ چرائیں، ماورائی نظریات ہوں یا مادی تصورات کسی سے صرفِ نظر نہ ہوا، بلکہ ایک سازگار ماحول میں سب کا جائزہ لیا گیا، علمی اساس پر اخذ وترک کا معیار قائم ہوا، یہ رویہ ثابت کر رہا تھا کہ دین اپنے ماننے والوں کو آزادیٔ فکر کی دعوت دے رہا ہے، دروازے بند کر لینا تو اُن کی عادت ہے جو کھلی ہوا میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ ناپائیدار نظریات کے اندر سے اُٹھنے والے خوف کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کانوں میں انگلیاں داب لی جائیں، اسلامی تعلیمات کو ایسا کوئی خوف طاری نہ تھا۔ یہ تو ابتدا ہی میں واضح کر دیا گیا تھا کہ ایمان وایقان کی نعمت سے سرفراز ہونے والے کو بے یقینی کا ڈر نہیں ہوتا جس دین

کے بانی کو یہ یقین ہو کہ اُس کا ساتھ دینے والا مخالف ماحول اور معاند فضا میں بھی اپنے عزم پر قائم رہ سکتا ہے تو اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ادا کرتے ہوئے آتشیں الاؤ میں بھی کود جانے کی اجازت دے دینی چاہیے، یہی اعتماد کا رویہ تھا جو ہر دور میں راہ نما ہے، یونانی افکار اور ہندی نظریات کا در کھلا مگر جسدِ ملّت میں اضطراب پیدا نہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کی روح ہر مرحلے پر سایہ فگن رہی، 'خذ ما صفا و دع ما کدر' کا ضابطہ مسلسل راہ نما رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ عالمِ اسلام علوم کا مرکز ترویجِ علم کا منبع اور صلاحیتوں کے نکھار کا حوالہ بنا۔

دورِ عروج کے اثرات ہمہ گیر بھی ہوتے ہیں اور ہمہ جہت بھی مگر جب زوال ڈیرے ڈالنے لگتا ہے تو پسپائی کا عمل روح فرسا ہوتا ہے۔ منفلوطی نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف اٹھنا مشکل کام ہوتا ہے مگر اُترائیوں میں پھسل جانا بہت آسان ہے، عروج قوت و توانائی چاہتا ہے اور زوال بے ہمتی اور ناتوانی، خلافتِ راشدہ وہ عصرِ سعادت تھا کہ جس کی مثال کسی قوم و ملت کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دور خالق و مخلوق کے درمیان حسین رابطوں کا مظہر ہے۔ مخلوق، خالق کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے اور ربوبیتِ عامہ کے تقاضوں کو نبھایا جا رہا ہے، بنواُمیہ اور بنوعباس، مسلمانوں کے دورِ عروج کے حوالے تو ہیں کہ ان ادوار میں باہمی ناہمواریوں کے باوجود قومی عظمت کا دبدبہ قائم تھا مگر ان میں وہ روح بتدریج مضمحل ہوتی جا رہی تھی جو ملّت کی اصل شناخت تھی، بغداد پر ہلاکو خاں کے حملے نے ظاہری سطوت کا بھی خاتمہ کر دیا تو مسلمان قوم بگولوں کی زد پر آ گئی، نہ مرکز نہ مرکز آشنائی، ایسی مہیب صورتِ حال کسی قوم پر بھی آتی تو وہ اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکتی مگر مسلم اُمّت کے اندر جو عقیدے کی روشنی تھی اُس نے بے سروسامانی میں بھی زندہ رہنے کی ہمت عطا کی۔ زاویے، خانقاہیں، حجرے اور آستانے، نہ صرف یہ کہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں کام یاب رہے بلکہ ان سے ملّت کے ناتواں جسم میں بھی حرارت قائم رہی، نظریات کی مضبوطی کا یہی ثمر ہوتا ہے جو اس کی اُمت کو حاصل رہے۔

دورِ زوال میں علم کی شمع روشن رکھنے والے لوگ بڑی توانائیوں کے حامل ہوتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت قوموں کی بقا کی ضمانت ہوتے ہیں۔ غلامی، محکومی، نکبت، ادبار جب گھیریں تو ایسے ہی علما و محققین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا ایک حکیمِ فرزانہ بھی شامِ حیات میں نویدِ صبح کا پیغام بر ہوتا ہے، خوش قسمتی سے ایسے فرزانے اسی اُمّت کو دستیاب رہے، بعض تو ایک وجود میں انجمن بنے رہے، تاریخ کے صفحات پر دمکتے رہے اور روشنیاں بکھیرتے رہے، یہ تسلسل اس لیے قائم رہا کہ ترسیخِ عقیدہ کے

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

ساتھ ہی اس کی ترتیب دے دی گئی تھی، مدینہ منورہ کی نورانی فضا اور مکہ مکرمہ کا معاندت کی گھٹن سے اٹا ماحول دو تربیت گاہیں تھیں جو آنے والے ادوار میں ہر حال میں جینے کا سلیقہ عطا کر رہے تھے۔

دورِ زوال میں بہت سی قدآور شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی شمعِ یقین کو روشن رکھا۔ تاریخ نگار اور صداقت پسند طالب علم کی جبینِ عقیدت ان سب کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ ان میں ایک نہایت بلند بام شخصیت بھی ہے جس کے بارے میں عربی ادب کے نامور استاد، ادبیات عربی کے شہرت یافتہ محقق اور ایک مشہور مشرق آرائے نکلسن نے یہ کہہ کر اعتراف کیا تھا۔ نکلسن نے لکھا کہ:

زوالِ بغداد کے بعد مسلمان علما میں سے اُسے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے تو وہ بغیر کسی توقف کے 'امام سیوطیؒ' کا نام لے گا۔☆۱

امام السیوطی علیہ الرحمۃ کی علمی کاوشوں کو کسی محدود دائرے میں اسیر نہیں کیا جاسکتا، تفسیر سے ادب تک، لغت سے نحو تک، تاریخ سے سوانح تک، سیرت سے خصائص تک جس حوالے سے بھی نظر اُٹھائیں امام السیوطیؒ کی ذاتِ فیض بار نظر آتی ہے۔ اس قدر متنوع اصناف پر اس اعتماد سے بے تکان لکھتے جانا کسی کرمِ خاص کا مظہر محسوس ہوتا ہے، میں بلاخوف تردید اسی قسم کا دعویٰ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کرنے میں راحت پاتا ہوں۔ وہی ماحول، ایسی ہی زوال آشنا قوم، ویسے ہی چوبائی حملے، چہار جانب دندناتے فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہوجانا کسی توفیق پائے ہوئے مردِ مجاہد ہی کا حوصلہ ہے، یہ بات امام السیوطیؒ نے بھی دنیا کو سمجھا دی کہ تسلیم و رضا میں استقامت کا وہی شخص حق ادا کرسکے گا جو اپنے مرکزِ یقین کے خصائص، خصائل، شمائل سے باخبر ہوگا اور وجود کی عظمتوں سے بھی آگاہ ہوگا، بلکہ یہ آگاہی اُس کا وجدانی اعتراف بن چکی ہو، حملے اُن پر بھی ہوئے کہ اس اعتراف میں دین کا استحکام تھا اور فاضل بریلویؒ پر ہوئے کہ اس اعتراف کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ اس حوالے سے فاضل بریلویؒ پر بہت کچھ لکھا گیا، لکھا جارہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، حقائق شماری ہی حقائق آشنائی کی تمہید ہوتی ہے۔ نظر بالغ ہو، منزل پیشِ نظر ہو اور پیش رفت کی ہمت ہو تو منزلیں قریب آجایا کرتی ہیں اور بند دروازے کھل جایا کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اصحابِ علم اس جانب پیش قدمی کرتے رہیں گے، مجھے تو اس مختصر تحریر میں مولانا مرحوم کے شعر کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا ہے کہ یہ آپ کا ایک امتیازی پہلو ہے۔

شعر ایک ذریعۂ اظہار ہے جو پُرکیف بھی ہے اور پُرتاثیر بھی۔ یہ انسانی وجود کے اُس

توازن کا مظہر ہے جو خیالات کو منظم کرنے اور منظم خیال کو مربوط الفاظ عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔ شعر اور شعور کا مرکز ایک ہے اسی لیے شعر کو شعور کا ترجمان کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا گیا کہ شاعر اُس کا شعور پاتا ہے جو دوسروں کے بس میں نہیں ہوتا، یہ فطری جذبہ ہے جو لفظوں میں ڈھل جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ جذبہ ہر کہیں موجود رہا ہے، لوگوں نے تو شعر کے حوالے سے یہاں تک بات بڑھا دی کہ کہہ اٹھے:

آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود		شعر گفتن حجت فرزندیِ آدم بود[☆۲]

شعرا اپنے مختلف قوالب میں اپنی سطوت منواتا رہا ہے۔ عربوں میں تو شعر کو ایک معاشرتی عظمت کا حوالہ گردانا جاتا تھا۔ صحرائے عرب کا کونہ کونہ نغمہ ریز تھا، معلقات جو عربوں کی مجموعی کاوشِ شعر کا حسین ترنمونہ ہے اس قدر لائقِ احترام تھے کہ کعبۃ اللہ کی دیواروں پر آویزاں کردیے جاتے تھے، اسلام نے جہاں تہذیب و ثقافت کے ہر مظہر کو تابانیاں بخشیں شعر بھی اس کرم فرمائی سے محروم نہیں رہا۔ شعر کی اثر آفرینی کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے ضابطوں کی پاس داری کی گئی۔ ردیف، قافیہ، وزن غرض کہ اس کا ہیولہ ویسا ہی رہا کہ یہ موسیقی الکلام کی حد بندیوں میں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ لفظوں کو مزید حرمت عطا کی گئی۔ خیال کو صداقت کی رفعت ملی، شعر گوئی کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا مگر اس صلاحیت کو پابندِ آداب بنایا گیا، اس طرح شعر کی شوکت بھی قائم رہی اور یہ شعور کا سچا ترجمان بھی بنا، اعترافِ صدق نے بابِ صداقت کی راہ دکھائی تو یہ صداقتوں کا علم بردار بن گیا اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔ حضرت حسانؓ امن قافلۂ شعر کے امام قرار پائے اور یہ امامت اس قدر مستحکم ہوئی کہ بعد میں آنے والے ہر کسی نے اس کا حوالہ دیا اور اس نسبت پر ناز کیا، فاضل بریلویؒ کو بھی اسی نسبت پر فخر ہے۔ فرماتے ہیں:

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے		افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہ بر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو		نقشِ قدمِ حضرت حسانؓ بس ہے[☆۳]

عصرِ اموی اور دورِ عباسی جو اشاعتِ علم کے حوالے سے معتبر ادوار ہیں، میں بھی شعر کی وہی شوکت قائم رہی۔ مسلمان علما نے مسندِ علم بچھائی مگر وہ مجلسِ شعر کی اثر آفرینیوں سے بھی غافل نہیں رہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ تک فقہ و حدیث کے مراکز اپنی تمام تر علمی منزلت اور فقہی جمال کے شعری روایت سے غافل نہیں رہے۔ ان شعری نشستوں میں 'مدحِ رسالت' ایک مرکزی جز کے طور پر ہمیشہ ہی شامل رہی۔ یہ حسین روایت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

ملک ملک اور شہر شہر قائم ہوئی۔ مدحیہ شاعری کے مشتملات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کی فیض بخشی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا بلکہ 'نعت' کی قبولیت اور اس کی فنی رفعت کو عہد صحابہؓ کے معیار پر ہی پرکھا گیا، اگرچہ حالات کا تناظر اثر انداز ہوتا رہے مگر یہ احتیاط ضرور کی گئی کہ سابقین کی حدود کی حفاظت کی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عصری تقاضوں قومی درد اور ذاتی مصائب کو شعر کی زبان ملی اور پھر بعد کے ادوار میں اس کو ایک مستحسن مثال کے طور پر قبول کرلیا گیا، استغاثوں میں شدت، پکار میں والہانہ پن اور اظہار درد کی بے ساختگی اسی کا فیضان ہے۔ سیاسی و معاشرتی حالات براہِ راست ملی افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ شعران اثرات سے بھی محفوظ نہیں رہتا، زوال بغداد سے قبل کی شاعری اور اس کے بعد کی شاعری میں فرق اس قدر نمایاں ہے کہ ہر تحریر میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ یہ فطری تقاضا تھا کہ اس کے نتیجہ میں استغاثہ کی شدت نمایاں ہوجائے۔ امام بوصیریؒ اس زوال کے چشم دید گواہ تھے۔ یہ زوال ماحول سے ذات تک ممتد ہوگیا تھا۔ سماجی اضطراب اُن کے جسم کا فالج بن گیا تھا۔ اسی لیے ذاتی پکار قومی حد میں ڈھل گئی اور 'قصیدۂ بردہ' وجود میں آیا۔ برصغیر ہند بھی ایسے ہی حالات سے گزر رہا تھا۔ مسلمان حکومت پسپا ہورہی تھی۔ استعمار کا حملہ شدت اختیار کرچکا تھا، حتیٰ کہ مرکزیت اور سطوت کا نشان بھی مٹا دیا گیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایک مفتوح قوم کا ردِعمل تھی مگر بوجوہ کام یاب نہ ہوسکی۔ اس لیے اب ملت کے تحفظ کی ذمہ داری کا سارا بوجھ علما و صوفیہ پر آ گیا تھا، بحمداللہ ان بزرگوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، غلامی کے دور میں نظریات کا اجلا پن قائم رہ سکے تو قومیں زندہ رہا کرتی ہیں۔ معاشرتی اعمال پر یورپ کی یلغار تھی، رویے بدل رہے تھے، ایسے جان کاہ حالات میں نظریات سلامت رہ جائیں تو مستقبل محفوظ ہے۔ اس لیے ساری کاوشیں اسی تحفظ و صیانت پر خرچ ہوئیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ تقاضاے وقت کی شدت محسوس کررہے تھے اس لیے اُن کے ہاں اس پہلو کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ مولانا مرحوم دراصل وہی فریضہ انجام دے رہے تھے جو ایک نازک موڑ پر امام غزالیؒ نے انجام دیا تھا کہ عقاید، تسلیمات اور ایمانیات ہر فلسفہ کا غبار محیط ہوتا جارہا تھا، فلسفہ کے لوازمات کو اسی خوبی اور پامردی سے پیش کیا کہ نہ عقلی تقاضے رد ہوئے نہ دین کی مسلمات سے اعراض ہوا۔ برصغیر میں یہی فریضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی ادا کرچکے تھے صیانتِ عقاید کے حوالے سے آپ کی مساعی ہی کا نتیجہ تھا کہ نظریات پر غبار نہ آیا۔ مولانا بریلویؒ کو بھی ایسا ہی مرحلہ پیش تھا، مشکلات فزوں تر تھیں کہ غلامی کا روح فرسا گھیرا تھا، ایسے دور میں صلاحیتیں نئی مثل نہیں ہوتیں۔ مقاومت کا جذبہ بھی سرد پڑ جاتا ہے، نظریاتی نبرد آزمائی برسرِ میدان معرکہ آرائی

سے زیادہ گمبھیر ہوتی ہے کہ مقابل پردہ نشین ہوتا ہے۔ ایسے حالات بہت سے کوتاہ نظریوں کو جنم دیتے ہیں مگر جسے دُور تک دیکھنے کی توفیق حاصل ہو اور جسے کسی کے سامنے چندھیا جانے کی عادت نہ ہو، وہ دھندلکوں میں بھی بالغ نظری کا ثبوت دیتا ہے۔ مولانا مرحوم کو اس کا احساس تھا اس لیے انھوں نے بار بار اسی پر انتباہ بھی کیا اور علمی وجاہت اور ایمانی قوت سے اس کا تجزیہ بھی کیا تا کہ ابہامِ کی ہر صورت بے نقاب ہو جائے، اُنھوں نے متنبہ کرتے ہوئے کہا تھا:

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چُرالیں عمل وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے[۴]

مولانا ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب جنگ آزادی آخری مرحلوں پر آ گئی تھی۔ بچپن ایسے گھرانوں میں گزرا جہاں علم و عمل کا حسین امتزاج تھا مگر ریاستی فضا غلامی کے سایوں سے داغ دار ہو چکی تھی۔ علوم کی اُن تمام شاخوں سے آشنا ہوئے جو مروج تھیں مگر ان پر عصری تقاضوں کے حوالے سے خالص علمی و سائنسی علوم کا اضافہ کیا تا کہ کوئی دعویٰ کسی معتبر دریافت سے نہ ٹکرائے اور بے خبری کا طعنہ راستہ نہ کاٹے۔ علما پر یہ اعتراض اکثر حلقوں سے لگایا جا رہا تھا کہ وہ صرف منقولی علم سے آشنا ہوتے ہیں اور ان علوم کی حدود بھی کسی پُرانی صدی کے کسی دورانیہ پر ٹھہر چکی ہوتی ہیں۔ مگر فاضل بریلویؒ پر اس الزام کی کوئی صورت نہ نکلی کہ اُنھوں نے اپنی ذہانت کی عظمت اپنوں اور غیروں سے منوائی تھی۔ اس حقیقت کا اظہار رابعہ ازھر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے یوں کیا ہے:

قديماً قيل ان التحقيق العلمى الاصيل والخيال الذهنى الخصيب لا يجتمعان فى شخصٍ واحدٍ ولكن مولانا احمد رضا خان كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية كان شاعراً ذا خيال وتشهدله بذلک دواوينه الشعرية باللغات الفارسية والاردية والعربية المعروف باسم 'حدائق بخشش' حدائق المعطيات ومدح الرسولﷺ مشهور فى اوساط شعر الهند بجانب المؤلفات القيمة فى علوم الفلسفة والفلک والرياضية

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

والدین والادبؒ.

یعنی یہ قدیم خیال ہے: کہا گیا کہ خالص علمی تحقیق اور زرِ خیز، نازک خیالی ایک شخص میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کی ذات میں اس تقلیدی نظریہ کا عکس نمایاں ہے۔ آپ نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر اُن کے شعری دیوان جو 'حدایقِ بخشش' یعنی 'حدائق المعطیات' کے نام سے موسوم ہیں جن میں فارسی، اُردو اور عربی زبانوں میں کہے گئے اشعار ہیں، مدحِ رسالت تو ہند کے حلقوں میں مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی فلسفہ، فلکیات، ریاضی اور دین وادب میں تالیفات بھی ہیں۔[☆۵]

اس وسعتِ علمی کے ساتھ اُنھوں نے سرورِ دوجہاں ﷺ سے پیمانِ وفا باندھا تھا جس سے علم کو روحانی قوت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ آپ جاننے کی صلاحیتوں سے بڑھ کر مشاہدے کے اعتبار تک رسائی پاگئے تھے اور علم جب مشاہدہ بن جائے تو پھر معلومات کی دروبست سے گزر کر واردات کے ایقان میں ڈھل جاتا ہے جس سے اعتماد بھی آتا ہے اور یقین کی بالیدگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں اور نصیحت افروزی کا حق ادا کرتے ہیں۔

تبدیلِ احکام الرحمٰن اور اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اُٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو۔ مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول ﷺ کا دامنِ پاک تمھیں اپنے سایے میں لے — دنیا نہ ملے دین تو اُن کے صدقے میں ملے۔[☆۶]

اس سے مولانا مرحوم کی ذہنی ساخت اور قلبی میلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تاثر ہر اُس تشخص کا ہے جس نے کسی حوالے سے بھی مولانا کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی مترشح ہوا ہے کہ آپ کے ہاں مطلوب و مقصود محبتِ رسول ﷺ ہی ہے کہ آپ اس محبت کو ہی اساسِ دین سمجھتے تھے۔ برصغیر کے حالات تو اس کے زیادہ ہی متقاضی تھے کہ اس پہلو کو نمایاں تر کیا جائے۔ اس حوالے سے اُن کے ہاں جذبات کی شدت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، ہوسکتا ہے ادب کے بعض قاری اس کو ادب کے مروّجہ زاویوں سے قدرے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھیں مگر ایک نظریاتی قاری اسی کی افادیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ مولانا مرحوم تو اس وابستگی کو حاصلِ ایمان سمجھتے ہیں اسی لیے وہ ادب کو جو ایک انسانی رویہ ہے اس سے مستثنیٰ نہیں جانتے۔ حیرت ہوتی ہے جب اُن کی احتیاط اور عقیدت اس حد تک آجاتی کہ:

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوالِ رسول ﷺ کی ترجمانی فرمارہے ہیں اور اس درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔☆۷

یہ رویہ ہر حوالے سے موجود رہا۔ کسی نے نعت کا مصرع یوں ترتیب دیا کہ 'سب باغِ جہاں کے مالی' تو برداشت نہ ہوا مالک سے بدل دیا کہ مولیٰ کریم ﷺ کو مالی کہنا خلافِ ادب ہے۔' اس عقیدت کا اظہار بار بار اور کئی بار ہوا۔ اس کا مربوط اور منضبط اظہار مولانا احمد بخش کے عربی قصیدہ کی اصلاح میں ہوا جس کا ہم بعد میں تذکرہ کریں گے۔ مولانا مرحوم کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ تصنیفات کی نوعیت بھی مختلف ہے کہ بیسیوں اطراف کو محیط ہیں۔ موضوعات کا تنوع بھی ہے اور اسلوبِ نگارش کی بوقلمونی بھی ہے۔ ہر پہلو مستقل جائزے کا حق رکھتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں صرف شعر کا حوالہ ہے۔ آپ عربی شعر پر اہلِ زبان کی سی دسترس رکھتے ہیں، عربی شعر کے حوالے سے اُن پر رابعہ ازہر میں تحقیقی مقالہ بھی لکھا گیا۔ یہ سعادت محترم مولانا عبدالحکیم شرف صاحب کے صاحب زادے ممتاز احمد سدیدی کو حاصل ہوئی۔ میرا ایک مقالہ 'فاضل بریلویؒ کی عربی نعتیہ شاعری' معارف رضا میں چھپ چکا ہے۔ اس لیے یہ گفتگو زیادہ تر اُردو شعر کے حوالے سے پیش کی جارہی ہے۔ مولانا مرحوم فارسی شعر بھی کہتے تھے اگرچہ ان کی تعداد کم ہے مگر جو کچھ لکھا گیا لائقِ توجہ ہے، اُردو شعرِ نعت میں ہر جہت سے محققین نے اپنی نگارشات پیش کی ہیں۔ عقیدت مندانہ جائزہ بھی لیا گیا اور خالص علمی رویوں سے بھی محققانہ تبصرے ہوئے، مستقل کتب بھی لکھی گئیں اور عمومی جائزوں میں بھی تفصیلی تذکرے ہوئے۔ 'اُردو کی نعتیہ شاعری' کے موضوع پر پی ایچ ڈی سطح کے مقالوں میں آپ کا ذکر پورے احترام سے ہوا، ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کا تبصرہ اور ڈاکٹر ریاض مجید کا بھرپور جائزہ اُردو ادب کے تحقیق نگاروں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے تو یہاں تک کہا:

یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علما کم پیدا ہوئے ہیں۔☆۸

دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی عقیدت اور محبت سے بھرپور ہوا ہے کہ ایک دین دار اگر اسے اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں۔☆۹

سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی نے افتخار اعظمی کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے۔ اعظمی

صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا احمد رضا عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لیے اُن کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی حالاں کہ اُن کا کلام اسی پائے کا ہے کہ اُنھیں طبقہ اولیٰ کے نعت گوشعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ اُنھیں زبان اور فن پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُن کے ہاں تکلف و تصنع بالکل نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چوں کہ رسولِ پاک ﷺ سے اُنھیں بے پناہ محبت ہے۔ اس لیے اُن کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔[☆۱۰]

نیاز فتح پوری سے محمود احمد قادری رضوی کی مولانا کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ نیاز فتح پوری کا کہنا تھا:

میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کو دیکھ چکا ہوں۔ وہ غیر معمولی علم وفضل کے مالک تھے، ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی تھا، ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشرے سے بھی ہویدا تھا، فروتنی و خاک ساری کے باوجود اُن کے روے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا۔

مزید کہا:

شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے۔ میں نے مولانا بریلویؒ کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اُن کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگیِ رسولِ عربی ﷺ ہے۔ اُن کے کلام سے اُن کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ اعتراف بھی کیا کہ:

یہ حق ہے کہ مولانا کی نگاہ عروض محاورات، نکاتِ فن پر بھی گہری تھی۔[☆۱۱]

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے پی ایچ ڈی ڈگری کے لیے لکھے گئے مقالے میں مولانا مرحوم کی نعتیہ شاعری کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اُن کے نزدیک مولانا مرحوم اُردو نعت کے حوالے سے محسن کاکوری کے بعد ایک عظیم تر اور صاحبِ کمال شاعر ہیں۔ ایک طویل تبصرہ جس میں اختیار کلمات، ضمِ مفردات اور ترکیبِ کلام کے ساتھ معانی و افکار کی عظمت کو سراہا گیا ہے۔ مثلاً وہ

کہتے ہیں:

اُردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔☆۱۲

مزید لکھتے ہیں:

تبحرِ علمی، زورِ بیان اور وابستگی وعقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گُھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوش گوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔☆۱۳ اور آخر یہ فیصلہ دیا کہ 'اُردو نعت کی ترویج واشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اُردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے۔ اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔☆۱۴

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے ذوقِ نعت اور قدرتِ کلام کی ہر صاحبِ فن نے تعریف کی اُن کی (کہی) نعت کے ممیّزات کا ذکر کیا گیا، حرف ومعنیٰ کے حسن پر داد دی گئی، محبت و عقیدت کی پُر جوش مگر محتاط فضا کا ذکر ہوا، ان کی (کہی) نعتیں محافل کی زینت اور مجالس کا وقار بنیں۔ اُن کے افکار سے روشنی حاصل کی گئی اور اُن کے جذبوں کو اپنانے کی کوشش کی گئی۔ بہتر ہوگا کہ 'حدایقِ بخشش' کے گلستانِ کرم کا مختصر سا جائزہ لے لیا جائے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ انتخاب خالص ذاتی ذوق کا غماز ہوتا ہے، اگرچہ بعض انتخاب، تخلیقی عمل سے بھی برتر مقام پا لیتے ہیں۔ کتاب الحماسہ ایک انتخاب ہے مگر یہ کہا گیا کہ ابو تمام اس اختیارِ شعر میں اپنے اشعار سے بھی بڑا نظر آتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مولانا مرحوم کے دواوین کا ایسا انتخاب ہوجائے جو اُن کے نظریۂ شعر کا عکاس بھی ہو اور عام قاری کو طویل مطالعہ کی محنت سے آسانیاں مہیا کرے۔ اگرچہ بالاستعیاب مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ مولانا مرحوم جن قصاید میں جو زیادہ طویل بھی لکھ گئے ہیں وہاں بھی معیارِ شعر اپنی بلندیوں پر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علمی مرتبہ کی سطوت بھی مسلسل قائم ہے اور جذبوں کی صداقت بھی بلا استثنا قائم ہے۔ مولانا مرحوم کے موضوعاتِ شعر کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ اُن کے ہاں انتخابِ موضوع میں صحابہ کرامؓ کا تتبع کیا گیا ہے اور یہ وجدانی مگر شعوری کوشش ہے کہ آدابِ شریعت میں کوتاہی نہ ہوجائے۔ یہ پابندی راستے کی دشواریوں کا پتا تو دیتی ہے مگر مولانا کی

ذات اپنے تمام اعمال و کوائف میں اس قدر پابندِ شریعت ہیں کہ اُن کو اس پابندی میں اپنا پن ہی محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے تو آپ اپنا نظریۂ شعر یوں بتاتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ[۱۵]

مزید کہا:

مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو[۱۶]

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ ہر وا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے[۱۷]

شعر مقصود نہ تھا، شعری صلاحیت کو بھی نذر کرنا تھا کہ ایمان یہ تھا کہ سب کچھ قربان ہوجائے شعر گوئی کسی ادبی روایت، مجلسی منزلت یا اظہار کرامت نہ تھی۔ خواہش صرف یہ تھی کہ جنت کی بار بار بشارت پانے والے مداحِ رسول ﷺ کی قدم بوسی کا شرف مل جائے۔

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دُور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب[۱۸]

عقیدت کی یہی فضا تھی کہ جس میں فاضل بریلویؒ نثر و نظم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ محبت کرنے والے ان قوموں کو چن رہے تھے مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ عقیدت مندانہ فضا سب کے لیے خوش گوار جذبوں کو جنم دے، اختلاف علمی وقار کے ساتھ ہو تو فایدہ مند ہوتا ہے کہ اس سے تحقیقی پیش رفت کی راہیں کھلتی ہیں مگر جب اس کے سوتے معاندت سے جڑنے لگیں تو وحدتِ اُمت میں شگاف پڑتے ہیں، بہتر ہوگا کہ مضامین شعر کا جائزہ لینے سے پہلے اُن اوہام کو دور کرلیا جائے جن کی بنیاد پر اعتراضات اُٹھ رہے ہیں۔

بعض حلقوں سے یہ سوال اُٹھایا جارہا ہے کہ نعت میں ایسے خیالات لائے جارہے ہیں جو دین کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ اس اعتراض کو نہ مجموعی شکل میں قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کلیہ پر رد کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ جنھیں صلاحیتِ شعر حاصل ہے اور وہ عروض وقوافی کے قوانین سے آشنا ہیں مگر انھیں تعلیماتِ اسلام کی حدود سے لائقِ اعتماد شناسائی نہیں ہے۔ وہ دانستہ یا نادانستہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو مناسب نہیں بلکہ غیر مناسب ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ ایسا اُن لوگوں سے سرزد ہورہا ہے جو شریعت کے ضابطوں کو نہیں جانتے، یہ کوتاہی اور نارسائی ہی بعض اوقات ایسی لغزشوں کا سبب بنتی ہے، اس تسلیم کے باوجود یہ واضح رہنا چاہیے کہ فاضل بریلویؒ اس حوالے سے کسی

نکتہ چینی کا ہدف نہیں ہیں کہ اُن کی شرکتِ علمی اور تحقیقی وفقہی شعور کا سب کو اعتراف ہے۔ شریعت کے رموز سے آشنا وجود جو اپنے فنِ نعت کو بھی احکامِ قرآن اور اتباعِ حضرت حسانؓ سے وابستہ رکھے اور لفظ لفظ پر تقدیس کی چادر کا سایہ رکھے اُس سے کسی شعر یا مصرع میں بے ربط ہو جانا کیسے متوقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں خواہ نثر میں ہوں یا نظم میں، اُس میں اُن کے عقاید کا پرتو ہے۔ پوری شعوری کوشش اور علمی مجاہدے کے بعد جو کچھ وہ تسلیم کر چکے ہیں اُسی کے اظہار میں پوری قوت خرچ کرتے ہیں۔ نہ نثر میں اُن کا قلم اُن کے قائم کیے گئے ضابطوں سے ہٹا ہے اور نہ نظم میں شعری ضرورت یا تقاضائے ردیف و قافیہ نے اُنھیں حدود سے تجاوز کرنے پر مجبور کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ معترضین کو اُن کے عقاید و نظریات سے اختلاف ہے۔ اس اختلاف پر اُن کی بھی نظر تھی اس لیے انھوں نے ترجمۂ قرآن سے لے کر فتاویٰ نویسی تک اس اختلاف کا رڈ کیا ہے اور اپنے نظریات جو اُن کے نزدیک اسلافِ اُمّت کا ورثہ ہے۔ پر مضبوطی سے جمے رہنے کو ترجیح دی ہے، اُنھوں نے جو شعر میں کہا باقی تحریروں میں بھی اُسی پر قائم رہے۔ اس لیے یہ اعتراض اُن کی نعت کے حوالے سے نہیں ہے۔ یہ بے خبری کا شاخسانہ ہے اور کبھی تنقید برائے تنقید کا نتیجہ، مولانا کا اپنا موقف یہ ہے:

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو مگر سدّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا [۱۹]

جوشِ محبت، حدود شکنی کا محرک ہوا کرتا ہے مگر اتباعِ شریعت کی قوت کا اندازہ کیجیے۔ مثلاً فرماتے ہیں:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو [۲۰]

پاسداریِ شریعت اور وارفتگیِ محبت کا کس قدر حسین امتزاج ہے۔ ایک اور مثال:

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے [۲۱]

غور فرمایئے جو اپنے آپ کو امتحان گاہ میں محسوس کرلے اُن کے ہاں نتائج مرتب کرنے کی کوتاہی کیسے ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے ہاں شریعت کی پابندی، عشق و محبت کی وارفتگی میں بھی راہ نما ہے۔ ایسے ادب شناس لڑکھڑایا نہیں کرتے۔

ایک اور رویہ جو بعض اہلِ قلم کے ہاں انگشت نمائی کا باعث بنتا ہے وہ یہ کہ مولانا سخت طبیعت رکھتے ہیں۔ جلد فتویٰ لگا دیتے ہیں، شعر میں بھی اُن کی کاٹ شدید ہے، اُسی قسم کے خیالات کا اظہار اُن افراد نے کیا ہے جو اُن سے بعض مسائل میں اختلاف رکھتے تھے مگر علمی وجاہت کے قائل

تھے۔ علامہ اقبالؒ سے بھی اسی قسم کا اظہارِ خیال روایت ہے کہ:

اگر اُن کے مزاج میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانہ کے ابوحنیفہ مانے جاتے۔☆۲۲

ان تمام خیالات اور آرا میں یہ مرکزی نکتہ ملحوظ رہا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ رائے صائب ہی کا اثر ہے اگر چہ پیش کش کا انداز سخت ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے، بات درست ہو اور کہنے والے کو اس کی حقانیت پر وجدان کی حد تک یقین ہو تو وہ پوری قوت سے اسی کا اظہار کرتا ہے اور اگر اس اظہار کی مخالفت میں نامناسب رویہ اپنایا جائے تو شدت کا میلان پیدا کرتا ہے۔ فاضل بریلویؒ عقاید میں سختی کے قائل تھے اور یہ برصغیر کے تناظر میں اور بھی جھلکنے لگا تھا، مبالغہ ایضاحِ معنیٰ میں معاون ہوتا ہے کہ تصور یہی رہا تھا کہ مدحِ رسالت کا حق ادا نہیں ہوتا، اس حوالے سے مبالغہ بھی کمی کا ہی احساس دیتا ہے۔ علامہ ابن فارضؒ نے کہا تھا:

اریٰ کل مدحٍ فی النبی مقصراً　　　وان بالغ المثنیٰ علیه واکثر☆۲۳

برصغیر کے سیاسی و مجلسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ہندو اکثریت کے قرب کو ذہن میں رکھا جائے اور پھر ہندومت کے تصورِ الٰہ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ہندو مذہب میں 'خدا' کا تصور مادی آلائشوں میں اسیر ہو گیا تھا، دیوتا شادی کرتے تھے، اولاد بھی تھی، جنسی بے راہ روی بھی اُن کا استحقاق تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے اوتار اور دیوتا کا فرق کم سے کم تر ہو گیا تھا حتیٰ کہ بعض معاملات میں ایک سے رویے اپنائے گئے تھے۔ خالق جو برتر اور لافانی وجود تھا۔ بعض خوارق کے باوجود انسان کے قریب آ گیا تھا، مجلسی قرب نے غیر شعوری طور پر بعض اذہان میں تصورِ الٰہ کو بھی اس کوتاہ خیالی کا اسیر بنا دیا تھا، اس لیے جب بھی ذاتِ رسالت ﷺ کی عظمت، برتر حیثیت اور بے مثال رفعت کا ذکر ہوتا، خدا بنا دینے کا واہمہ پیدا ہوتا، یہ درحقیقت ذات رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے مبالغہ آمیزی کا اثر نہ تھا بلکہ ذاتِ الہٰ کے بارے میں انسانی حوالوں سے کم تر سوچ کا سبب تھا، وہ ذات پاک اپنی منزہ حیثیت کی حامل رہے تو کسی بے جا قرب کا وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔ فاضل بریلویؒ ذاتِ رسالت پناہ ﷺ کی بے پناہ عظمتوں کے قائل تھے، ہر حسن جو متصور ہے اُس ذات میں دیکھتے تھے مگر اُن کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ 'ذاتِ الہٰ' میں شرکت کا باعث ہوگا، اس لیے کہ وہ خالق اور مخلوق کے فرق کو پوری شعوری قوت سے تسلیم کرتے تھے اور التباسِ ذات کے کسی واہمہ کے شکار نہ تھے، محبت، عقیدت حتیٰ کہ عشق و سرمستی کی کیفیات میں بھی وہ حکیمِ فرزانہ تھے اور مقام کی رفعتوں سے آشنا تھے، اُن کے فتاویٰ اس حقیقت میں اس قدر واضح نہیں کہ ایسا کوئی خیال اُن کی ذات پر چسپاں

نہیں ہوتا استغاثہ اور توسل کے سوال پر کہ کیا یہ رسولِ اکرم ﷺ اور اولیاء کرامؒ سے جائز ہے! کے جواب میں جواز کا تحریر کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا:

> انھیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انھیں باذنِ الٰہی والمدبراتِ امراً سے مانے اور اعتقاد کرلے کہ بے حکمِ خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزّ وجل کے دیے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا، ایک حرف نہیں بن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا۔☆[۲۴]

سوچیے جو سجدہ تعظیمی ہر حرمت کا فتویٰ دے اور قرآن و حدیث اور نصوص فقہ سے اس حرمت پر قطعی دلائل قائم کرلے☆[۲۵] اُس سے تجاوز عن الشریعۃ کی کیسے توقع ہوسکتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ اُن کی نعتوں میں بعض مقامات پر اشارۃً اور کبھی صراحۃً اُن افراد کا رد موجود ہے جن کے نظریات کو وہ بارگاہِ رسالت میں نامناسب، غیر محتاط اور بعض اوقات لائقِ گرفت سمجھتے تھے۔ ایسے خیالات پر اُن کا جوشِ عقیدت کسی مداہنت کا قائل نہیں ہے۔ اگرچہ فتویٰ لگانے میں اُن کی احتیاط بھی دیدنی ہے، اکثر یوں ہی ہوا کہ خیالات کا رد کیا، نظریات کو دین سے انحراف اور کفر کہا، نظریات کی تردید اُن کے سارے کلام بلکہ نثری نگارشات میں بڑی واضح ہے۔ یہ اُن کا ذوقِ ایمان اور تحفظِ عقیدہ کا مسلک تھا، کوئی ذاتی پرخاش یا مفادات کا ٹکراؤ نہ تھا، یہ نظریاتی مبارزت تھی جو پُر جوش بھی تھی اور بلا کسی حجاب کے بھی تھی۔ اُن کا یہ اعلان بڑا برملا تھا:

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے☆[۲۶]

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر، کرے فیض و جود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپِ سفر، ترے دل میں کس سے بخار ہے☆[۲۷]

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا بڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے☆[۲۸]

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں☆[۲۹]

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اِس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں! ارے ہاں نہیں!☆[۳۰]

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں اُمّت رسول اللہ کی☆[۳۱]

شعروں کا آہنگ اور انتخابِ کلمات کا تیور بتا رہا ہے کہ یہ صرف باہمی مبارزت نہیں، یہ تو

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

عقیدے کی پختگی اور نظریے کی صلاحیت کا اظہار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان تمام دفاعی معرکوں کے انھوں نے ملت کے افراد کے درمیان کسی معرکہ آرائی کی دعوت کبھی نہ دی۔ محسوس ہوتا ہے کہ اُن نظریات سے بچنے کی دعوت دے رہے ہیں جو اُن کے نزدیک غیر صالح تھے۔ اسی لیے تو اپنوں کو ان نظریات سے قلبی وابستگی کی دعوت بھی دیتے تھے۔ مثلاً کہتے ہیں:

حاکم حکیم داد و دوا دیں نہ کچھ نہ دیں　　مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے[☆۳۲]

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے　　حاشا غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے[☆۳۳]

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف　　جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا[☆۳۴]

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے　　یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا[☆۳۵]

کچھ وہ اہلِ محبت کو انتباہ بھی کرتے ہیں کہ

خشک ہے خون کہ دشمن ظالم　　سخت خوں خوار ہے کیا ہونا ہے[☆۳۶]

اور کبھی برملا للکارتے ہیں:

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے[☆۳۷]

یہ شعر پڑھتے ہی حضرت حسانؓ کا قصیدہ یاد آجاتا ہے۔ اُن کے ہاں دفاعِ رسالت کی شدت بڑی اثر آفریں ہے۔ تردید میں حجاب نہیں رہا 'ابوسفیان' کا نام لے کر مخاطب کیا اور صرف متوجہ ہی نہیں کیا۔ تین صفات ذمیمہ کا ذکر کر دیا اور آخر میں اپنے شعروں کی کاٹ کا اعلان بھی کیا۔ مثلاً:

الا ابلغ ابا سفیان عنی　　فانت مجوف نخب هواء

لسانی صارم لا عیب فیه　　وبحری لا تکدره الدلاء[☆۳۸]

فاضل بریلویؒ کی اردو نعتیہ شاعری 'حدائقِ بخشش' کے تین حصوں میں موجود ہے۔ جب کہ عربی شعر بساتین الغفران میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ مولانا مرحوم کی اُردو نعت کا مختلف عنوانات کے تحت مختصر جائزہ لیا جائے تا کہ اس حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو کہ آپ ایک قادرالکلام شاعر تھے جن کے شعروں میں بلا کا گداز ہے اور شعری حسن کا بے پناہ اظہار بھی ہے۔

موضوعات کے حوالے سے پہلے ذکر کر دیا گیا کہ مدح سے مبارزت تک، خصائص سے اوصاف تک، معجزات سے استغاثوں تک اُن کا اندازِ تحریر منفرد بھی ہے اور جاذبِ نظر بھی۔ اُن کی

ذات کی خوبیاں اُن کے کلام میں نمایاں ہیں۔ حالات کا تناظر بھی پیشِ نظر ہے اور اسلاف کی روایات کی بھی پاس داری ہے۔ نعت چوں کہ 'مدح نگاری' ہے اس لیے مدح کا تعامل پیشِ نظر رہا ہے مگر اُن کو یہ احساس بھی ہے کہ یہ مدح اُس وجودِ گرامی کی ہے جو بے عیب اور بے مثال ہے۔ محبوبِ کائنات بھی ہے اور محبوبِ ربّ العالمین بھی اُن کا دیوان گواہ ہے کہ خصائص شمائل کے شمار میں قرآن وحدیث کے ارشادات اُن کے پیشِ نظر ہیں۔ اگر کوئی محقق ہر شعر کی سند قرآن وحدیث سے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو یہ بہت ہی چشم کشا حقیقت ہوگی۔ ہم موضوعات شعر کے حوالے سے گزارشات پیش کر رہے ہیں۔

نعت کا مرکزی مضمون 'مدح' ہے۔ مدح کی روایت یہی رہی ہے کہ اس میں ذاتِ ممدوح کے اوصاف کا ہر وہ پہلو ذکر کیا جاتا ہے جو لائقِ مدح ہو، عمومی مدح نگاری اسی حوالے سے ہوتی رہی ہے، مگر نعت ایک پاکیزہ مدح ہے جس میں ذاتِ ممدوح ہمہ پہلو معزز ومحترم ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں بے مثل، معاشرتی رویوں میں بے عدیل اور انسانی حوالوں میں بے نظیر اور سب سے بڑھ کر رسولانِ گرامی کا امام، اس ہمہ جہت سرفرازی نے نعت کہنے والوں کو سہولت عطا کی ہے کہ مضامینِ مدح بے حدوحساب ہیں، اگرچہ یہ سہولت ایک انتباہ بھی ہے کہ اس کثرت سے انتخاب کیسے ہوگا۔ یہ شاعر کی افتادِ طبع کا امتحان ہے۔ فاضل بریلویؒ کی کہی نعت، کسی مجلسی ضرورت یا ادبی احتیاج کی اسیر نہیں ہے، اُن کے ہاں وہ ذات، باعث تکوینِ جہاں ہے اور وہ خود اس جہان کا ایک حصہ ہے اس لیے اُن کے نزدیک اُن کے وجود کی تعبیر ہی یہی ہے کہ وہ ہر لحہ مدح سرا رہے۔ کائنات کا کوئی مظہر نظر نواز ہو تو مرکز کائنات تک نظر ضرور اُٹھے کہ وہاں تک رسائی میں کوتاہی شپرہ چشمی ہے، اگرچہ اُن کو یہ احساس ہے کہ محدود علم وبصیرت اس مدح کا حق ادا نہیں کر سکتے مثلاً اُن کا یہ اعتراف کس قدر حقیقت آشنا ہے، ان اشعار میں دیکھیے:

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا ☆۳۹

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروروں جہاں نہیں ☆۴۰

بلبل نے گل اُن کو کہا، قمری نے سروِ جاں فزا
حیرت نے جھنجھلا کر کہا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں ☆۴۱

ادائی حقِ مدح تو ممکنات میں نہیں اس لیے اُن کو یہ دعویٰ ہی نہیں ہے مگر شعور و آگہی کا

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

خراج تو ادا کرنا ہے اس لیے اوصاف شماری کا مقصد مسلسل جاری رہا۔ اس کی چند صورتیں دیکھیے:

وہی نورِ حق وہی ظلِ رب، ہے انھی کا سب، ہے انھی سے سب
نہیں اُن کی مِلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں! ☆۴۲

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول ☆۴۳

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں ☆۴۴

مدح سرائی کا نقطۂ کمال یہی ہے کہ اعترافِ عجز کرلیا جائے:

ہے بلبلِ رنگیں رضا یا طوطیِ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے تیرا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں ☆۴۵

اسی لیے اُنھوں نے اس مومنانہ ایقان پر مدح کے سلسلے کو ختم کردیا:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا　　　خالق کا بندۂ خُلق کا آقا کہوں تجھے ☆۴۶

نعت کے مشتملات میں خصائص وشمائل کا ذکر ہر نعت گو کے ہاں مرغوب رہا ہے، اس لیے کہ ان کا شمار ہی عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ فاضل بریلویؒ کے ہاں خصائص میں وجہِ تخلیق ہونا، سراپا نور ہونا، قاسمِ عطایا ہونا، سب سے افضل ہونا، سرتابقدم شانِ حق ہونا، جانِ ایمان ہونا اور کائناتِ ہست وبود کی رونق وجلا ہونا اور مرکزِ عقیدت ومحبت ہونا بہت نمایاں ہیں۔ یہ خصائص اُن کے ایمان کا حصہ رہے اسی لیے ردیف وقافیہ کے تنوع کے باوجود تذکرہ انھیں کا ہوتا رہا مثلاً وجہِ تخلیق ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے ☆۴۷

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے ☆۴۸

سب سے اوّل سب سے آخر　　　ابتدا ہو انتہا ہو
سب بشارت کی اذاں تھے　　　تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے　　　تم مؤخر مبتدا ہو ☆۴۹

عربی کا طالبِ علم مبتدا کا مؤخر ہونا سمجھتا ہے کہ ترتیبِ ظاہر کی تاخیر تقدیم کے منافی نہیں ہوتی۔

نورانیت مصطفیٰ ﷺ کا ذکر مولانا کی شاعری کا اساسی وصف ہے۔ قصیدۂ نور کا حرف حرف نورافشاں ہے۔ کس طرح سراپا صدا بن کر دربارِ نُور میں حاضر ہوئے ہیں۔ مثلاً

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جانِ سہرا نور کا — بخت جاگا نُور کا چمکا ستارہ نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا — سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

تیری نسلِ پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عینِ نُور تیرا سب گھرانا نور کا

نُور کی سرکار سے پایا دوشالا نور کا — ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

اور پھر اک حاصل قصیدہ دُعا:

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا — نُور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا [۵۰]

'جہاں آب وگل کی رونق' کا ذکر آئے تو یوں لب کشا ہوئے:

اُنھیں کی بو سایۂ سمن ہے اُنھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
اُنھیں سے گلشن مہک رہے ہیں اُنھیں کی رنگت گلاب میں ہے [۵۱]

حُسنِ ظاہر کے بیان کا لہجہ دیکھیے:

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں — اے جانِ جاں! میں جانِ تجلا کہوں تجھے

مدح کے طویل سفر کے بعد یہ اعترافِ عرفانِ عظمت کا غماز ہے:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے [۵۲]

یہی عرفان اُن سے ایک طویل مدحیہ قصیدے سے لکھوانے کا محرک ہے۔ پورے قصیدے پر وارفتگی کا سماں طاری ہے۔ دیکھیے:

اصالتِ کُل، امامتِ کُل، سیادتِ کُل، امارتِ کُل
حکومتِ کُل، ولایتِ کُل، خدا کے یہاں تمھارے لیے
عطائے ارب، جلائے کرب، فیوضِ عجب، بغیرِ طلب
یہ رحمتِ رب، ہے کس کے سبب، بہ ربِ جہاں تمھارے لیے [۵۳]

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

لہجہ بدل کر وہی بات مگر اسلوب نیا:

نہ دلِ بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے
وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے، وہی اصل عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے، وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے
وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا
وہ ہے جان، جان سے ہے بقا، وہی بُن ہے، بن سے ہی بار ہے[☆۵۴]

نعت، وصفِ محمود کے ساتھ ساتھ طلبِ خبر کا ذریعہ بھی ہے۔ اوصاف شماری میں بھی جود و کرم کو اولیت حاصل ہے کہ عطا و بخشش کا شمار درحقیقت خیرات طلبی کی تمہید ہی ہے۔ مولانا مرحوم چوں کہ سراپا دستِ سوال ہیں اس لیے عظمتوں کے حوالوں میں اُن رفعتوں کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں جو زیادہ فیض بار ہیں۔ اسی حوالے سے چند شعر:

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا تعالیٰ اللہ ماہ یلیہ عالم تیرے طلعت کا[☆۵۵]
اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا[☆۵۶]
لاوَربِّ العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی[☆۵۷]

اس رحمتِ بے پایاں کا اظہار کئی رُخ اختیار کرتا ہے، اگر کبھی اس کا اظہارِ بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ:

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں[☆۵۸]

تو کبھی مستقبل میں اس کرم کی حتمی کیفیت پر اُن کو بیان واقعہ کی طرح یقین ہے مثلاً:

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی[☆۵۹]

یا یہ اعتماد کہ:

رضا پُل سے اب وجد کرتے گزریے کہ ہے ربّ سلّم صدائے محمدؐ[☆۶۰]

خواہشِ کرم کی ہماہمی میں بھی آداب کی حدبندی قائم رہتی ہے اور یہ نعت کہنے والے کا امتحان ہوتا ہے، آپ کے ہاں محبت کا ولولہ بے پایاں ہے مگر حدودِ آشنائی کی پاس داری بھی مثالی ہے، مثلاً یہ اشعار پڑھیے:

ہم بھکاری، وہ کریم، اُن کا خدا اُن سے فزوں اور 'نا' کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی[☆۶۱]

اس حوالے سے اُن کا ایقان بڑا برملا ہے:

تمھیں عالم برایا تمھیں قاسمِ عطایا
تمھیں دافعِ بلایا، تمھیں شافعِ خطایا، کوئی تم سا کون آیا ☆۶۲

مگر اس برجستگی میں بھی مقام و مرتبہ کا توازن برقرار ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا، تجھے حمد ہے خدایا ☆۶۳

استغاثہ، توسل، استقامت یا طلبِ شفاعت، یہ نعت کا حاصل اور مرکزی جزو ہوتے ہیں۔ مدح اگر دنیا طلبی اور تکمیل حوائج کی ہو تو پست تر مقام رکھتی ہے اسی لیے قصاید مدح میں لاطائل تفصیل، خلافِ واقعہ خصائل اور غیر ضروری جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی مدح کشکول گدائی ہے جو غیر محدود خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ نعت سچے جذبوں کا فکری اظہار ہے۔ یہ صنفِ شریف ہمہ تر پوتر ہے اگر چہ کم فہم کوتاہِ نظر اور بے علم افراد جب عروض وقوافی کے سہارے نعت کہنے لگتے ہیں تو نعت، صداقت کی نقیب نہیں رہتی۔ فاضل بریلویؒ کی نعت ایسی ہر پستی سے محفوظ ہے کہ ان کے ہاں علم کا اعتماد، جذبوں کا ایقان اور اظہار کا توازن موجود ہے۔ اُن کا ہر شعر کسی لائق اعتمادِ روایت سے جڑا ہوا ہے اسی لیے استغاثہ و استعانت کا رنگ بھی ہر خلوص سیرت نگاری کا وقار لیے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار پڑھیے، جذبوں کی شدت دیکھیے اور آدابِ شریعت کی سطوط پر نظر رکھیے۔ فرماتے ہیں:

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا — طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب ☆۶۴
شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی — سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے ☆۶۵
مجرم ہوں، اپنے عفو کا ساماں کروں شہا — یعنی شفیع روزِ جزا کا کہوں تجھے ☆۶۶
سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے — گر اُن کی رسائی ہے، لو جب تو بن آئی ہے ☆۶۷
فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں — ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو ☆۶۸
انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں — عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائیِ دوست ☆۶۹

ذرا فریاد کی شدت اور کرم بخشی کی اُمید کی جلوہ گری دیکھیے:

ٹھوکریں کھاتے پھروگے، ان کے در پر پڑ رہو — قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا ☆۷۰
مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں — تکتا ہے بے کسی میں تری راہ، لے خبر

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے میرا ہے کون تیرے سوا آہ، لے خبر[☆۱۷]

کریم اپنے کرم کا صدقہ، لئیمِ بے قدر کو نہ شرما

تُو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

اور اس لذتِ پکار کی وارفتگی دیکھیے:

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منھ مانگی پائیں گے　　سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں　　کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

منگتا کا ہاتھ اُٹھتے ہی داتا کی دین تھی　　دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے[☆۴۲]

نعت نگار کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اسے اوصاف تراشنے نہیں پڑتے جب کہ عام مدح نگار کو یہ محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔ ایک دو یا چار امتیازات کسی کم تر سطح پر نظر آئے تو اظہار میں آسانی ہوتی ہے۔ مگر جب سلسلہ طویل ہوجائے تو ذاتی کاوش سے خصائص مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اسی سے مدح اور ممدوح کا فیصلہ پیدا ہوتا ہے اور ایسی محنت قصیدے کو غیر حقیقی روپ عطا کرتی ہے۔ نعت میں مدح نگار کو صرف مطالعہ درکار ہے۔ 'ذاتِ ممدوح' کی سیرت سے آشنائی کی ضرورت ہے۔ مضامینِ مدح اس قدر ہیں کہ صدیوں سے ان گنت مداحین بھی حقِ مدح ادا نہیں کر سکے، ان موجود سہولتوں میں 'معجزات' خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کا دائرہ کار زمینی ہو یا آسمانی۔ یہ بہرحال وہ امتیازات ہیں جن میں دوسرا سہیم و شریک نہیں ہے۔ حضرت فاضل بریلویؒ کا مطالعہ قابلِ رشک ہے اس لیے ان کے ہاں دیگر اوصاف و کمالات کے جلو میں معجزات کا تذکرہ بڑا نمایاں ہے، دیگر نعت گو شعرا بھی معجزات کا ذکر کرتے ہیں مگر حضرت فاضل بریلویؒ کے ہاں معجزات کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ یہ معجزات ان کے اندر کا ایقان ہے جو ہمہ تن واردات ہے، اُن کے معجزات شماری میں ایسا اعتماد ہے جو بصری و سمعی حقیقت کا ہوتا ہے۔ آپ نے معجزات کا ذکر بہت کثرت سے کیا ہے۔ صرف چند ایک کا جوبن دیکھیے اور روایت سے وابستگی ملاحظہ کیجیے:

تیری مرضی پاگیا سورج پھرا الٹے قدم　　تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا　　تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا

میں ترے ہاتھوں کے صدقے! کیسی کنکریاں تھی وہ　　جن سے آتے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا

کیوں جناب بوہریرہؓ! تھا وہ کیسا جامِ شیر　　جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ بھر گیا[☆۴۳]

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا　　رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں[☆۴۴]

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ ☆۷۵

چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدے کریں بارک اللہ! مرجعِ عالم یہی سرکار ہے ☆۷۶

چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اُٹھاتے مہد میں کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا ☆۷۷

معجزات میں معراج اُن کی دلچسپیوں کا نقطہ انشراح ہے۔ بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں جب کہ ایک مکمل قصیدہ صرف معراج کے لیے وقف ہے۔ اس پر گفتگو کچھ دیر بعد کی جاتی ہے۔

ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے تمام حواشی نعت نگاروں کی محبتوں کا مرکز رہے ہیں۔ اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرامؓ کا ذکر قریباً ہر نعت کا جزو رہا ہے۔ فاضل بریلویؒ نے ان حوالوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے اور ان کا سرِ عقیدت ان بارگاہوں میں ہمیشہ جھکا رہا ہے۔ عقیدت کی فراوانی میں نسبتوں کا توازن ہی وہ معیار ہے جو شاعر کے صاحبِ نظر ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایک دو شعر پڑھیے:

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی ☆۷۸

نجم اور ناؤ کامیابی و نجات کے وہ استعارے ہیں جن کا احادیث میں حوالہ موجود ہے۔

کیا بات رضا ہے چمنستانِ کرم کی زہرا ہے کلی جس میں، حسین اور حسن پھول ☆۷۹

ایک منفرد نازک خیالی دیکھیے:

نہ جاگ اُٹھیں کہیں اہلِ بقیع کچی نیند چلا یہ نرم نہ نکلی صدائے پائے فلک ☆۸۰

متعلقاتِ ذاتِ گرامی میں مدینہ منورہ کا ذکر ہر نعت گو کو تحریک دیتا ہے، محبت و عقیدت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی راہ گزر، شہر کے در و دیوار، گرد و نواح کے صحرا و جبل اور شہر کی ہواؤں اور فضاؤں کے ترانے گائے جائیں تاکہ اُس وادی کا ذرّہ ذرّہ یقین کا سرمہ بن کر بصارتوں کو نُور عطا کرے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ہاں اس حوالے سے اس قدر ولولہ ہے کہ پورے دیوان پر اس کا سایہ ہے۔ سب سے پہلے عظمت کا حوالہ:

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا ☆۸۱

عنبر زمین، عبیر ہوا، مشک تر غبار ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے ☆۸۲

ستر ہزار صبح ہیں، ستر ہزار شام یوں بندگیِ زلف و رُخ آٹھوں پہر کی ہے

معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار، بار عاصی پڑے رہیں یہ صلا عمر بھر کی ہے ☆۸۳

اور اللہ اکبر اک شہرِ شفاعت نگر کی برکات:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے ☆۸۴

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے ادب و عقیدت کے ساتھ تقابل بھی مولانا کی شاعری کا حصہ ہے اور اس تقابل میں بڑے لطیف پہلو سامنے آئے ہیں۔ مثلاً سبز گنبد اور سیاہ احرام کا ذکر دیکھیے:

سرسبزِ وصل یہ ہے، سیہ پوش ہجر وہ　　چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے ☆۸۵

مکہ مکرمہ سے جانبِ مدینہ منورہ روانگی کا منظر بڑا دلکش ہے، پوری نعت پر یہ فضا طاری ہے:

رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت　　اب مدینے کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں　　آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے　　ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ　　قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
مہرِ مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم　　جن پہ ماں باپ فدا، یاں کرم اُن کا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود　　خاک بوسی مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کرچکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں　　ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
جمعۂ مکہ تھا عید، اہلِ عبادت کے لیے　　مجرمو! آؤ یہاں عیدِ دوشنبہ دیکھو
غور سے سُن تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا　　میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو ☆۸۶

اور آخر میں جاں دادگی کی ایک ایسی کیفیت جو صرف عشاق کے ہاں متحقق ہے:

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے　　تم اور آہ کہ کتنا دماغ لے کے چلے ☆۸۷
دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں　　اے سگانِ کوچۂ دلدار ہم ☆۸۸
پارۂ دل بھی نہ نکلا، دل سے تحفے میں رضا　　اُن سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ وا ☆۸۹

مولانا مرحوم کی نعتیہ شاعری میں خصائص شماری کا ہر روپ پوری قوت کے ساتھ موجود ہے اور ردیف و قافیہ کے تنوع کے ساتھ پورے دیوان کو محیط ہے۔ یہ اگرچہ معروضی اندازِ کلام کا حصہ ہے مگر آپ نے جذبات کی آنچ پر اس کو یوں گلنار کیا ہے کہ موضوع، محرک بن گیا ہے اور تاریخی حقایق، سوزشِ دروں سے ذاتی حوالہ بن گئے ہیں۔ اس پر مستزاد اُن کا جذبۂ محبت جو ہمہ جہت وارفتگی سے مہکنے لگا ہے، شوقِ فروزاں ہو تو حسرتِ دیدار کی چبھن تڑپانے لگتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جو حضرت عثمان ہارونیؒ کی طرح یوں گھایل کر دیتا ہے کہ پھر تمام تر علمی وقار، شخصی منزلت اور معاشرتی رکھ رکھاؤ کی قلندرانہ مستی گھیر لیتی ہے اور پکار کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ 'زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستاری

رقصم، مگر پھر بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ 'مگر نازم بایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم'۔ مولانا اک عالم تھے، فقیہ تھے، امامِ عصر تھے اور مجددِ ملّت تھے اس لیے اُن کی سرفروشی بھی آداب آشنا تھی مگر حسرتِ دیدار کے لمحوں کا گداز دیکھیے:

الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا [۹۰]

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو [۹۱]

برنگِ مستزاد جذبِ دروں کا کیف دیکھیے:

ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو، ابھی کیا ہوا خدایا، نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا، یہ نہ پوچھو کیسے پایا [۹۲]

اس بے تابی و اضطراب میں بھی شعورِ ذات کا وقار موجود ہے اور کبھی راہ بر اور راہ نما ہونے کے احساس کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ ایسا لمحہ معاشرتی و سماجی اصلاح سے عبارت ہوتا ہے جو ایک مجددِ وقت کے منصب کا تقاضا ہے۔ یہ خالص مصلح کا کردار ہے جو بے پناہ جذبوں میں بھی نمایاں ہے۔ مثلاً:

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے شرمِ نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
رزقِ خدا کھایا کیا، فرمانِ حق ٹالا کیا شکرِ کرم ترس سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں [۹۳]

اس قدر ہمہ گیر صلاحیتیں کبھی شعوری طمانیت بھی عطا کر دیتی ہیں۔ ہر صاحبِ منزلت کے ہاں عجز و انکسار میں ایک افتخار کا سماں بھی ہوتا ہے۔ یہ فخر و مباہات کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ قبولیت کے احساس کا دورانیہ ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کے ہاں بھی ایسے لمحے آتے ہیں جب وہ نیازمندی کے وقار میں مست ہو جاتے ہیں۔ اندازہ کیجیے جو وجود درِ حبیب ﷺ پر اس قدر فروتنی کا اظہار کرے کہ پکار اُٹھے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں [۹۴]

جو دل کے ٹکڑوں کو سگانِ مدینہ کی نذر کرنے کو افتخار جانے جو خاک گلشن ہونے کو قسمت سکندری خیال کرے وہ جب قبولیت و قرب کی حلاوت پانے لگے تو اک گونہ ناز کے احساس سے بھی

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

یوں پکارنے لگے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم　　جس سمت آگئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں ☆۹۵

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جہاں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضا کی قسم ☆۹۶

اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار　　بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے ☆۹۷

یہ افتخار اس اعتماد کا نتیجہ ہے جو حضوری کے لیے نشانِ منزل ہے:

خوف نہ رکھو رضا ذرا، تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ　　تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے ☆۹۸

بلبلِ مدینہ کے احساسِ امان میں بھی اپنی نارسائی کا احساس موجود ہے اسی لیے اُن کا اعتراف بڑا مومنانہ ہے۔

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی ☆۹۹

'حدایقِ بخشش' میں شامل نعتوں کا ایک مختصر جائزہ واضح کر دیتا ہے کہ فاضل بریلویؒ کے ہاں تخلیقِ شعر کا جوہر بڑا ثروت مند ہے۔ نہ مضامین کی کمی ہے نہ الفاظ وکلمات کی تنگ دامنی ہے۔ رواں دواں قافیے، چمکتی ردیفیں، دلوں میں پیوست ہو جانے والے کلمات اور روح کی تار کو چھیڑنے والے نغمات، اکثر محسوس ہوتا ہے کہ ذخیرۂ الفاظ منھ کھولے حاضر ہے۔ مضامین میں پرے باندھے سایہ افگن ہیں۔ حرف وصوف، آہنگ و اسلوب، لفظ و معنی و جدھر نظر اُٹھتی ہے فصاحت دست بستہ ہے اور بلاغت سرنہادہ ہے۔ اکثر نعتیں طویل ہیں، قوافی کا اُمڈتا ہوا دریا آزادانہ رواں دواں ہے۔ حاضری دربار کی حکایت شروع کرتے ہیں تو اٹھاون شعر پرے باندھے کھڑے ہیں۔ دوبارہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو تریسٹھ مزید اشعار قطار میں لگ جاتے ہیں۔ ایک ایک شعر عقیدت کا حصار باندھے اور محبت کا احرام اوڑھے کھڑا ہے۔ لفظ معطر اور مضمون باوضو ہے۔ اک کیف ہے جو زائر حرم کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے ہیں۔ ان اشعار کو پڑھتے ہوئے قدرتِ کلام کا احساس بھی ہوتا ہے اور بے پناہ مطالعہ کا بھی۔

'معراج' کا حوالہ معجزات کے ذکر میں دیا جا چکا۔ آیئے قصیدہ معراج پر اک نظر ڈال لیں جسے 'درہنیت ... سرا' کے زیرِ عنوان ترتیب دیا گیا ہے۔ معجزات کے بیان میں معراج کا حوالہ حدیث و سیرت کی تقریباً ہر کتاب میں ہے۔ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور اس سفر عروج کی حکایت کی تمام

جزئیات شمار کی گئیں۔شاعروں نے اس واقعے کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا۔ برصغیر میں شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے معجزہ معراج پر تیس اشعار کا ایک بھرپور قصیدہ لکھا جس میں عظمتوں اور رفعتوں کا حوالہ بھی دیا گیا مگر زیادہ توجہ ذاتی حوالے کی رہی، یہ دور کے سنگین حالات کا تقاضا تھا اور طلبِ خیر کا اک وسیلہ بھی تھا۔ فاضل بریلویؒ کا قصیدۂ معراج سرسٹھ (۶۷) اشعار کا مرقع ہے۔ اس میں واقعاتِ معراج کا ذکر ترتیب وقوع کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے 'او ادنیٰ' کی منزل تک مولانا کا فکر اپنی تنگ دامنی کے باوجود محوِ پرواز ہے، جزئیات کا تذکرہ بھی ہے اور دیدۂ مشتاق کی آسمان گیری کا ذکر بھی ایک واقعہ، واردات کی صورت، لفظ و معنی کو محیط ہوگیا ہے۔ رواں دواں بحر، دل پر دستک دینے والے مرکبات اور مشکل تر موضوع کو دل نشین کردینے والا اسلوب پورا قصیدہ غالب کے مصرع کی طرح:

لباس نظم میں بالیدنِ مضمون عالی ہے

مسلسل پرواز کرتا ہوا اور بلند تر محسوس ہوتا ہے۔ زمینی حوالے سے بات شروع ہوئی کہ سفر کا آغاز مسجدِ حرام کے محسوس مقام سے ہوا تھا اس لیے:

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے [۱۰۰]

یہ سفر کام یابی کی نوید اور قرب و وصال کی تمہید تھا اسی لیے پوری فضائے حرم کو مہکایا گیا تھا۔ وہاں کیا کچھ اہتمام تھا اس کا مؤجز تذکرہ تو ہوسکتا ہے۔ مگر شعر کے پیراہن میں پورا منظر سمیٹا نہیں جاسکتا اس لیے برملا اعتراف ہوتا ہے:

خدا ہی دے صبر جانِ پُر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے [۱۰۱]

اب واقعہ شاعر کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور بے ساختگی میں راہیِ لامکاں ﷺ کا صدقہ اُتارا جاتا ہے۔ جسمانی قرب کے یہ لمحات گریز پا تھے، شاعر کی چشم تصور بھی نارسائی کا اقرار کررہی تھی۔ محسوس سے غیر محسوس کا سفر حسرتوں کو جنم دے رہا تھا اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت تھی کہ صرف تمنا کرلی جائے اور بس:

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے [۱۰۲]

زمینی سفر کی انتہا مسجدِ اقصیٰ تھی کہ آج دونوں قبلوں کی یک جائی تھی۔ حرم والا اقصیٰ والوں کی امامت کے لیے آرہا تھا تاکہ قبلۂ رضا کی عظمتوں کا یقین آجائے۔ انبیا کرام علیہم السلام اسی معمورۂ عالم پر تشریف لائے تھے۔ یہی ان سب کی دعوتی مساعی کا مرکز تھا، بلندیوں کے شعر سے پہلے زمینی منزلوں کو واضح کر دیا گیا تاکہ کشورِ رسالت کے تاج دار کا مقام و مرتبہ تسلیم کرلیا جائے۔

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرِ عیاں ہوں معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے☆۱۰۳

مسجدِ اقصیٰ کی امامت، زمین پر سرفرازی کا نشان تھی۔ تمام انبیا کرام علیہم السلام حاضر تھے کہ یہی اُمتوں کے امام تھے۔ اب معراج کا سفر تھا۔ ہر صاحبِ معراج کو اب پھر آسمانوں پر اعترافِ عظمت کے لیے موجود ہونا ہے کہ مادی حوالہ ہو یا روحانی حوالہ سب پر سبقت ثابت کرنا ہے۔ یہ مقصد پورا ہوا مگر یہ رفعتِ شان کا آخری حوالہ تو نہ تھا اس لیے پیش قدمی جاری تھی۔ عظمتوں کا رمز شناس ایسے لمحے پر قاری کو باور کرا رہا ہے کہ متوجہ رہنا:

تبارک اللہ شان تیری لن ترانی، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے☆۱۰۴

یہ کون سی منزل تھی، اُسی مردِ حق نما سے سنیے:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے کہاں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغِ این و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل، نہ مرحلے تھے☆۱۰۵

این و متیٰ، کیف و اِلیٰ کے کلمات بتا رہے ہیں کہ سفر وہاں تک ممتد ہو گیا ہے جہاں مناسب لفظوں کی احتیاج بڑھتی جارہی ہے۔ اب وہ مرحلہ آگیا ہے کہ کلماتِ الہام ہی کا سہارا لیا جائے۔ قاری کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ بات حدِ امکان سے گزرتی جارہی ہے۔ اب دنیٰ، تدلّیٰ کی منزل ہے، بحرِ ھو کا منظر ہے، قصرِ دنیٰ میں دوئی کا گزر نہیں تو حکایتِ سفر کون بیان کرے۔ اس نازک مقام پر فاضل بریلویؒ کا علم جو عرفان کی منزلوں سے آشنا تھا سہارا بنا ہے اسی لیے وہ قاری کو اس حقیقت کے اعتراف کرنے کی ترغیب دیتے ہیں:

محیط مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے☆۱۰۶

وہ متنبہ کرتے ہیں کہ:

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے[☆۱۰۷]

اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت ہے:

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے، اُسی سے ملنے، اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے[☆۱۰۸]

قصیدہ معراج کا قاری حیران و ششدر ہے کہ فاضل بریلویؒ نے کس علمی وجاہت، عرفانی منزلت اور حسنِ کلام کی قدرت کے ساتھ ان نازک مرحلوں کو عبور کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کو وہ فکری معراج حاصل تھی جو ان منزلوں کے لیے ضروری تھی۔ اُردو ادب کا قاری ان سرسٹھ اشعار کو رُخِ اُردو معلیٰ کا نشانِ عظمت خیال کرتا ہے۔

نعت کے مضامین میں درود وسلام کو رفعتِ تکمیل کا مقام حاصل ہے۔ یہ حکمِ الٰہی بھی ہے کہ اس کا ورد تو فرشتوں کے لیے وظیفہ ہے اور ہر پروردگار عالم بھی اپنے حبیب کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ ہر کلام کی ابتدا حمد وصلوات سے ہو۔ مسلم اُمّت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر لمحہ اس حکم پر عمل ہوا ہے۔ شعرا کے ہاں بھی زیادہ تر اختتامِ مدح اسی پر ہوا۔ حضرت فاضل بریلویؒ ایک مداحِ رسول تھے۔ اُن کو درود خوانی کے وجوب کا احساس تھا اس لیے اُن کی ہر تحریر اس فریضہ کی ادائی سے مزین ہے۔ شعر میں بھی درود وسلام کا حوالہ اُن کا مرغوب میلان ہے۔ اس لیے درود وسلام پر مبنی اشعار مختلف نعتوں کا حصہ ہیں۔ مثلاً

اُن پر درود جن کو حجر تک کریں سلام — اُن پر سلام جن کو تحیّت شجر کی ہے
شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام — راحت اُنھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے[☆۱۱۰]

'حدایق بخشش' کے حصہ دوم میں آپ کا ایک طویل قصیدہ درود یہ شامل ہے جو ساٹھ اشعار کا ہے۔ جس میں حرف ہجا کا التزام فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ پورے قصیدہ پر عقیدت مندانہ جذبوں کی ہماہمی کا سماں ہے۔ عقاید کا حوالہ، شمائل و خصائص کے اشارے اور استغاثہ و توسل کی فریاد قصیدے کے مشتملات ہیں۔ چند شعر پڑھیے جن سے اسلوب کلام کا اندازہ ہوجائے گا:

شافعِ روزِ جزا، تم پہ کروڑوں درود — دافعِ جملہ بلا، تم پہ کروڑوں درود
اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

تم سے جہاں کی حیات، تم سے جہاں کا ثبات　　اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
خَلق تمھاری جمیل، خُلق تمھارا جلیل　　خلق تمھاری گدا، تم پہ کروڑوں درود
خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم　　تم سے ملا جو ملا، تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجیے، اس میں ضیا دیجیے　　جلوہ قریب آگیا، تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے، تم کو جو راضی کرے　　ٹھیک ہو نامِ رضا، تم پہ کروڑوں دُرود ☆۱۱۱

مولانا کا وہ سلام جو برصغیر ہی نہیں اُردو زبان سے آشنا ہر خطۂ زمین پر یکساں ذوق وشوق اورعقیدت ومحبت سے پڑھا جاتا ہے۔ ایک طویل قصیدے کی شکل میں ہے۔ ایک سو سرسٹھ اشعار کا یہ گلدستہ رنگارنگ پھول سے مہک رہا ہے۔ الفاظ میں روانی، لہجے میں مٹھاس کے ساتھ ساتھ جہاں معنیٰ کا ایک اثر آفریں مظہر بھی ہے، سلام کی تکرار ایک ایسا سماں پیدا کرتی ہے کہ ہر سطح اور ذوق کا انسان اس کی گرفت محسوس کرتا ہے، پڑھنے والا والہانہ جذب میں ڈوب جاتا ہے تو سننے والوں کی سماعتیں چٹخارے لے لیتی ہیں۔ ایک بھرپور تاثر کا حامل قصیدہ جس میں ذات سے صفات تک، خصائص وشمائل سے امتیازات سیرت تک، مدح سے دُعا تک، وجودِ پاک سے متعلقاتِ وجود تک ایک رحمت کا سائباں تنا محسوس ہوتا ہے۔ اس قدر طویل تاثر کو یکتائی کا اسیر رکھنا صاحب فن کا ہی کمال ہے۔ ایسا صاحبِ فن جو لفظوں کی حرمت سے بھی آشنا ہے اور معانی کے تقدس سے بھی آگاہ ہے، یہ بلاشبہ شعری عظمت کی معراج ہے۔ سلام میں مدح نگاری پیوستگی دیکھیے۔ ابتدا ہی یوں ہوئی:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاج دارِ حرم　　نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم دُرود　　نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرود　　فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
نقطۂ عسر وحدت پہ یکتا دُرود　　مرکز دور کثرت پہ لاکھوں سلام
پرتوِ اسمِ ذات احد پر دُرود　　نسخۂ جامعیت پہ لاکھوں سلام

پھر موضوع کو ذاتی حوالہ دیتے ہوئے اُن کی عقیدت مندانہ طبیعت کی جولانی دیکھیے:

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دُرود　　ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
ربّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ دُرود　　حق تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام

امتیازاتِ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ دیکھیے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت اطہارؓ کے حوالے سے سلام کے متعدد شعر کہے گئے۔ ان میں یہ رجحان بڑا واضح ہے کہ ان صحابہؓ میں سے ہر ایک کا وہ کون سا امتیازی وصف ہے۔ جن کا تذکرہ اثر آفرینی میں شدت پیدا کرتا ہے۔ مثلاً

سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام
جاں نثارانِ بدر و احد پر دُرود حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

پھر یہ سلسلۂ عقیدت ائمہ اُمت، ائمہ فقہ، صوفیۂ کرام تک پھیلتا جاتا ہے۔ مگر آخر پر وحدتِ اُمت کا درس یوں دیتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب تا ابد اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام

مقطع میں ایک دُعا جو اپنے سلام کی قبولیت سے مربوط ہے۔ سلام کا حرفِ آخر ہے۔ ☆۱۱۲

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

حضرت مولانا مرحوم کی شعری عظمت کا اعتراف ہر صاحبِ فن نے کیا ہے اور اس پر اُن کی اپنی نگارشات بھی شاہد ہیں۔ ذہنی تحفظات سے دامن بچالیا جائے اور نعت کی حدود اور وسعت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو پھر اس اعتراف میں کوئی فنی ضرورت یا ادبی منزلت حائل نہیں ہوگی کہ 'حدایق بخشش' نعتیہ ادب میں ایک بیش قیمت کارنامہ ہے۔ مولانا مرحوم کا سارا کلام نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔ اس لیے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اُردو نعت میں مولانا کا مقام و مرتبہ ہر

نعت گو شاعر سے بلند ہے۔ جذبوں کی صداقت کا حوالہ ہو یا اثر آفرینی کا کوئی بھی دوسرا اُن سا نہیں ہے۔ یقیناً بہت بلند پایہ نعتیں کہی گئیں اور کہی جارہی ہیں مگر ابھی تک کسی اور کو وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جو مولانا کو حاصل ہے۔ محسن کاکوری کا نام بلاشبہ بڑا ہے۔ اُن کے قصاید میں ایک والہانہ پن ہے مگر نعت کا جو Canvas مولانا نے وسیع کیا ہے وہ بس اُنھیں کا حصہ ہے۔

شعر کہنے کی صلاحیت ایک تخلیقی منزلت ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ شعر کہنے والا شعر کے تنقیدی پہلوؤں سے بھی آشنا ہو۔ نقد و تجزیہ ایک فن ہے جو ہر ایک کا حصہ نہیں۔ مولانا مرحوم باکمال شاعر تھے۔ لایقِ اعتماد عالم تھے اور قابلِ استناد محقق تھے۔ ان تمام صلاحیتوں کے ساتھ آپ ایک صاحبِ بصیرت نقاد بھی تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تونسہ شریف سے مولانا احمد بخش نے ایک سو چودہ اشعار کا عربی قصیدہ برائے اصلاح بھجوایا۔ اصلاح کچھ اس طرح ہوئی کہ ۱۱۴ اشعار میں ۲۶ شعر مکمل بدل دیے گئے جب کہ ۱۰۱ شعروں میں ترمیم کی گئی۔ اس ترمیم میں بعض کو بالکل بدل دیا۔ جواب میں جو خط لکھا گیا اُس میں لکھا:

> "فعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ مرے مذاق پر ثقیل ہے۔ نظم عربی میں دخیل و تاسیس کی رعایت واجب ہے۔ ہوتا تو سب میں ہوتا حالاں کہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے انھیں کو بدل دیا۔☆۱۱۳

ترمیم کا ہر حرف شعری محاسن و معائب سے مکمل آگہی کا گواہ ہے۔ وزن، بابِ فصل، ترتیب کلمات اور معانی کی صحت سب پر تبصرہ کیا اور ثبوت دیے گئے۔ ان تنقیدی آرا سے مولانا مرحوم کی فنی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ غرض کہ آپ شاعر بھی تھے اور نقادِ شعر بھی۔

ہم گفتگو کو مکمل مولانا مرحوم کی اس نعت پر کر رہے ہیں جو چار زبانوں کا حسین مرقع ہے۔ مخلوط قسم کی شاعری، فارسی شعرا کے ہاں موجود رہی، اُردو کے قدیم شاعر جو فارسی، عربی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے ایسی شاعری کرتے رہے ہیں۔ اس سے شاعر کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا رہا ہے مگر مولانا کی نعت منفرد کاوش ہے۔ کسی ایک زبان کی شاعری میں کسی دوسری زبان کی پیوندکاری ہوتی رہی ہے۔ مگر ایسا شاید نہ ہوا کہ نعت ہی چار زبانوں میں ہو، اور یہ زبانیں یوں کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑی ہوجائیں کہ انقطاع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، خیال کا تسلسل نہ ٹوٹے اور تاثر کی وحدت کو نقصان نہ پہنچے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سامعین پر زبان سے آشنا نہیں ہوتے۔ مگر اثر پذیری میں کوئی

تفاوت نظر نہیں آتا۔ آیئے اس بین الاقوامیت کی حامل نعت کے چند شعر پڑھیں اور اسی پر اس گفتگو کا اختتام کریں۔

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثل تو نہ شُد پیدا ہوجانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بی کس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی عطشٍ و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہا رے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا ☆۱۱۴

حوالہ جات

☆۱۔ R.A. Nicholson، "A Literary History of the Arabs"، ص۴۵۵
☆۲۔ مولانا نجم الغنی، 'بحر الفصاحت'
☆۳۔ مولانا احمد رضا خانؒ، 'حدایقِ بخشش'، مکتبہ المدینہ شہید مسجد، کھارادر، کراچی، رُباعیات نعتیہ، ص۳۱۵
☆۴۔ 'حدایقِ بخشش'، حصہ اوّل، ص۱۳۰
☆۵۔ محمد وارث جمال، 'امام شعر و ادب'، حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ، ص۳۹
☆۶۔ 'الحجۃ المؤتمنۃ'، مولانا احمد رضا خانؒ، ص۱۹۲
☆۷۔ پروفیسر مختار الدین احمد، 'امام احمد رضا کا شخصی جائزہ'، 'المیزان'، امام احمد رضا نمبر، ص۳۳۴
☆۸۔ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق، 'اردو میں نعتیہ شاعری'، ص۳۸۰
☆۹۔ حوالہ مذکورہ ☆۱۰۔ سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی، 'امامِ نعت گویاں'، ص۱۲۴
☆۱۱۔ علامہ محمود احمد قادری، 'حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں نیاز فتح پوری کے تاثرات'، الاصلاح پبلی کیشنز، کالونی نمبر ۱، خانیوال، ملتان ☆۱۲۔ ڈاکٹر ریاض مجید، 'اردو میں نعت گوئی'، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص۴۰۹
☆۱۳۔ حوالہ مذکورہ ☆۱۴۔ حوالہ مذکورہ، ص۴۲۰ ☆۱۵۔ 'حدایقِ بخشش'، حصہ دوم، ص۳۰۹
☆۱۶۔ حوالہ مذکورہ ☆۱۷۔ 'حدایقِ بخشش'، حصہ اوّل، ص۱۲۹ ☆۱۸۔ حوالہ مذکورہ، ص۴۴
☆۱۹۔ حوالہ مذکورہ، ص۳۴ ☆۲۰۔ حوالہ مذکورہ، ص۹۶ ☆۲۱۔ حوالہ مذکورہ، ص۱۲۶
☆۲۲۔ مولانا فیض احمد اویسی، 'امام احمد رضا اور علم حدیث'، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ص۷
☆۲۳۔ ابن العماد الحنبلی، 'شذرات الذہب'، مکتبہ القدسی، القاہرہ، جلد۵، ص۱۵۳
☆۲۴۔ ڈاکٹر مسعود احمد، 'حیاتِ مولانا احمد رضا خاں'، اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ، ص۱۳۹

D:NaatRang-18
File: Ishaq
Final

☆۲۵۔حوالہ مذکورہ
☆۲۶۔'حدایقِ بخشش'،ص۱۱۴
☆۲۷۔حوالہ مذکورہ،ص۲۵۹
☆۲۸۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۵
☆۲۹۔حوالہ مذکورہ،ص۴۷
☆۳۰۔حوالہ مذکورہ،ص۸۰
☆۳۱۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۱
☆۳۲۔حوالہ مذکورہ،ص۱۴۵
☆۳۳۔حوالہ مذکورہ،ص۱۴۶
☆۳۴۔حوالہ مذکورہ،ص۲۶۲
☆۳۵۔حوالہ مذکورہ،ص۲۶۲
☆۳۶۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۸
☆۳۷۔حوالہ مذکورہ،ص۲۵۹
☆۳۸۔'دیوانِ حسان، شرح البرقوقی' المکتبۃ التجاریۃ، شارع محمد علی مصر، ۱۳۴۷ھ، ص۱۰۷
☆۳۹۔'حدایقِ بخشش'،ص۱۷
☆۴۰۔حوالہ مذکورہ،ص۸۱
☆۴۱۔حوالہ مذکورہ،ص۸۲
☆۴۲۔حوالہ مذکورہ،ص۸۱
☆۴۳۔حوالہ مذکورہ،ص۶۰
☆۴۴۔حوالہ مذکورہ،ص۷۷
☆۴۵۔حوالہ مذکورہ،ص۸۳
☆۴۶۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۴
☆۴۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۶
☆۴۸۔حوالہ مذکورہ،ص۱۳۴
☆۴۹۔حوالہ مذکورہ،ص۲۴۸
☆۵۰۔حوالہ مذکورہ،ص۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۱
☆۵۱۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۷
☆۵۲۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۳
☆۵۳۔حوالہ مذکورہ،ص۲۵۴
☆۵۴۔حوالہ مذکورہ،ص۲۵۶، ۲۵۷
☆۵۵۔حوالہ مذکورہ،ص۳۲
☆۵۶۔حوالہ مذکورہ،ص۹۸
☆۵۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۰
☆۵۸۔حوالہ مذکورہ،ص۷۵
☆۵۹۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۰
☆۶۰۔حوالہ مذکورہ،ص۵۱۔
☆۶۱۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۱
☆۶۲۔حوالہ مذکورہ،ص۲۶۳
☆۶۳۔حوالہ مذکورہ
☆۶۴۔حوالہ مذکورہ،ص۴۳
☆۶۵۔حوالہ مذکورہ،ص۱۳۳
☆۶۶۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۳
☆۶۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۳۶
☆۶۸۔حوالہ مذکورہ،ص۹۷
☆۶۹۔حوالہ مذکورہ،ص۴۸
☆۷۰۔حوالہ مذکورہ،ص۴۱
☆۷۱۔حوالہ مذکورہ،ص۵۲
☆۷۱(الف)۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۸
☆۷۲۔حوالہ مذکورہ،ص۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱
☆۷۳۔حوالہ مذکورہ،ص۴۱
☆۷۴۔حوالہ مذکورہ،ص۶۶
☆۷۵۔حوالہ مذکورہ،ص۱۰۰
☆۷۶۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۴
☆۷۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۸۳
☆۷۸۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۱
☆۷۹۔حوالہ مذکورہ،ص۶۱
☆۸۰۔حوالہ مذکورہ،ص۵۶
☆۸۱۔حوالہ مذکورہ،ص۳۰
☆۸۲۔حوالہ مذکورہ،ص۱۵۹
☆۸۳۔حوالہ مذکورہ،ص۱۵۵، ۱۵۶
☆۸۴۔حوالہ مذکورہ،ص۱۵۷
☆۸۵۔حوالہ مذکورہ،ص۱۵۸
☆۸۶۔حوالہ مذکورہ،ص۹۴، ۹۵، ۹۶
☆۸۷۔حوالہ مذکورہ،ص۲۶۷
☆۸۸۔حوالہ مذکورہ،ص۶۴
☆۸۹۔حوالہ مذکورہ،ص۹۹
☆۹۰۔حوالہ مذکورہ،ص۳۴
☆۹۱۔حوالہ مذکورہ،ص۹۱
☆۹۲۔حوالہ مذکورہ،ص۲۶۴
☆۹۳۔حوالہ مذکورہ،ص۸۳
☆۹۴۔حوالہ مذکورہ،ص۷۵
☆۹۵۔حوالہ مذکورہ،ص۷۶
☆۹۶۔حوالہ مذکورہ،ص۶۳
☆۹۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۳
☆۹۸۔حوالہ مذکورہ،ص۱۲۶
☆۹۹۔حوالہ مذکورہ،ص۱۱۱
☆۱۰۰۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۳
☆۱۰۱۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۳
☆۱۰۲۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۴
☆۱۰۳۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۵
☆۱۰۴۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۷
☆۱۰۵۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۷
☆۱۰۶۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۸
☆۱۰۷۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۸
☆۱۰۸۔حوالہ مذکورہ،ص۱۶۸
☆۱۰۹۔'طبقات الشافعیہ الکبریٰ' الجزء الاوّل،ص۸۰
☆۱۱۰۔حوالہ مذکورہ،ص۱۴۷، ۱۴۸
☆۱۱۱۔حوالہ مذکورہ،ص۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷
☆۱۱۲۔حوالہ مذکورہ،ص۲۱۱ تا ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۰
☆۱۱۳۔قصیدہ مولانا احمد بخش تونسوی مع ترمیم قلمی نسخہ
☆۱۱۴۔'حدایقِ بخشش'،ص۳۶، ۳۷

پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

حضرت حافظ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری

دورِ حاضر کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس میں تعلیم جتنی تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے اتنی ہی سرعت کے ساتھ علم گھٹتا جارہا ہے حق یہ ہے کہ ہماری اکثریت اپنے علمی مرکز اور فکری سرچشمے سے کٹ کے رہ گئی ہے۔ عربی زبان کی بلیغانہ وسعتوں سے شناسائی تو دور کی بات ہے۔ دورِ حاضر کے 'دانش وروں' کی اکثریت سے قرآن مجید کی درست تلاوت کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آج کون ہے جو اقبالؒ کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن کے سمندر سے موتی چنے ہیں۔ موتی چننا تو ایک طرف، ہمیں تو موتیوں کی پہچان بھی نہیں ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے جس کی بنا پر کسی شخص پر علم و حکمت کے ایوان کھلتے اور اسے تفکر و تدبر کی توفیق ملتی ہے۔ آج اگر ہم علمی طور پر مفلس، قلبی طور پر پریشان، ذہنی طور پر محدود اور نظری طور پر مسدود ہیں تو اس کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ ہماری سیہ دلی کی بنا پر اس علیم و خبیر ذات کی نگہ لطف ہم سے ہٹ گئی ہے اور ہم ہیں کہ اس 'احساسِ زیاں' سے بھی بے نیاز ہیں۔ جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو قلم بھی نور اُگلتا ہے اور ہر لفظ شب کی ظلمتوں میں نقیبِ سحر بن جاتا ہے... آج جب ہم اسلاف کے علمی نقوش دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟ اس کاروانِ علم و فضل کے پیچھے اڑنے والی گرد سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کارواں کا ایک ایک فرد اپنی ذات میں انجمن تھا۔ فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں۔ ان کا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ و عصارہ ہوا کرتا تھا، علمی طور پر ان کی تحریریں، ان کی فکری عظمتوں کا آئینہ دار اور علمی طور پر ان کے روز و شب ان کی رفعتِ کردار کا پیمانہ ہوتے تھے:

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی　　　پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضرت رضا بریلویؒ اسلاف کی ایک ایسی روشن نشانی تھے۔ وہ علم و خبر کا ایک بحرِ بے کراں تھے۔ قرآن پاک کی بلاغتوں سے لے کر فرمودات ِرسالت مآب ﷺ کی فصاحتوں تک، تفسیری مباحث سے لے کر فقہی نزاکتوں تک، علمِ توقیت کی واقعیت سے لے کر علمِ حساب کی گہرائیوں تک، علمِ ہندسہ کے کمال سے لے کر علمِ جفر کے حال تک، علمِ کلام کی خرد افروزیوں سے لے کر قلب و نظر کی آفاق گیریوں تک ہر مقام پر ان کی علمی اور روحانی تاب و تب کا اعتراف، ہر دور کا ذوقِ سلیم کرتا رہا ہے۔ اعتراف عظمت کے پہلو بہ پہلو اختلاف کی اگر کوئی بات ہو تو وہ دلیلِ رحمت ہوتی ہے مگر اختلاف برائے اختلاف، اس قابل ہے کہ اسے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ پستیوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بلندیوں کو گھورا کریں۔

آپ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء (۱۰شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ) کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نقی علی خاں اور جد امجد کا نام مولوی رضا علی خاں تھا۔ والد نے آپ کا نام محمد اور جد امجد نے احمد رضا رکھا، تاریخی نام المختار ہے جس سے ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ کے والدمحترم اور جد امجد، صاحب تصنیف بھی تھے اور علم و عمل کے اعتبار سے بھی منفرد اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت رضا نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ صرف و نحو، ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اُصول معانی و بیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت غرض تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ ذہانت اور حافظے کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ جناب مقبول جہانگیر کے الفاظ میں:

> اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی، حیرت کی بات یہ کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم و فنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن ایسے ہیں کہ دورِ جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انھیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے... یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو۔

آپ شاہ آل رسول مارہرویؒ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور تصوّف کے بہت سے دیگر سلسلوں میں بھی خلافت سے سرفراز رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کے ساتھ

پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں دوسری بار یہ شرف ملا، اس سفرِ حج کے دوران میں وہاں کے علمائے کرام نے آپ کو انتہائی احترام سے نوازا، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق:

احمد رضا خاں کو علمائے حرمین بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے تھے، چناں چہ بعض علما نے انھیں 'مجددِ اُمت' لکھا ہے۔ فتویٰ نویسی کے سلسلے میں ان کی فقیہانہ بصیرتوں کا اعتراف علامہ اقبال کو بھی تھا۔ ایک مجلس میں انھوں نے فرمایا کہ 'ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔'

۱۹۱۱ء میں 'کنزالایمان فی ترجمة القرآن' کے نام سے آپ کا مشہور ترجمہ قرآنِ پاک طبع ہوا جس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ ترجمے کی ہلکی سے بے احتیاطی سے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں کسی نوع کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) کو وفات پاگئے۔ ایک بار خود آپ نے غور فرما کر قرآن کی اس آیت سے اپنا سن پیدائش اخذ کیا تھا۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدیھم بروح منه

اور وفات سے چند ماہ پہلے القائی طور پر آپ نے سن وفات کا استخراج اس آیت سے فرمایا:

ویطاف علیھم بانیة من فضة واکواب

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں اکثر متبحر عالم ہیں اور آپ سے تعلق خاطر رکھنے والے اصحاب آپ کو فاضل بریلی اور اعلیٰ حضرت کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

فاضل بریلویؒ اُردو، فارسی، ہندی اور بھاشا پر عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔ وہ ایک بے بدل خطیب، صاحبِ طرز انشا پرداز، حق گو واعظ، معجز بیانِ مناظر، قابلِ قدر مفسر، ژرف نگاہ محدث، اور بصیرت افروز فقیہ تھے۔ انھوں نے ایک بھرپور دینی علمی زندگی گزاری۔ چوں کہ وہ ایک وہبی شاعر تھے اس لیے جملہ مصروفیات کے باوجود جب طبیعت شعرگوئی کی جانب آتی تھی تو شعر آویزوں کی طرح ڈھلتے چلے جاتے تھے۔ ان کی شاعری طبعی اضطراب کے بے ساختہ پن کا حاصل تھی۔ کیوں کہ آورد کے لیے فکر کو وقت کی ضرورت ہے اور وقت ان کے پاس تھا نہیں، کہ اسے شعرگوئی کے لیے وقف کیا جا سکے۔ اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ان کا عربی دیوان گو محفوظ نہیں رہا۔ مگر بکھرے ہوئے اشعار کی تعداد اتنی ضرور ہے جن سے ان کی عربی

شعرگوئی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چوں کہ وہ عربی کے فاضل تھے اس لیے اردو اشعار میں بھی عربی رنگ و آہنگ چھایا ہوا ہے۔ آج عربی اور فارسی کا ذوق ناپید ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے 'دانش ورحضرات' اپنی بے علمی کا ماتم کرنے کے بجائے 'سہل نویسی' کا پرچار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد علی خاں (لیکچرار شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) کے الفاظ میں:

> آپ کی اردو شاعری اردوئے معلّٰی کا اعلیٰ شاہکار ہے آپ کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنوں میں لطف اندوز ہوسکتا ہے جسے عربی فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو کا اچھا فاضل اور ادیب ہو۔

صاحب زادہ سیّد خورشید احمد گیلانی ایک خوب صورت مضمون میں حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ایک آدمی اگر کوہِ ہمالیہ کی چوٹی پر کھڑا ہواور وہ نیچے کی طرف دیکھے تو اسے ہر چیز بہت چھوٹی نظر آئے گی خواہ وہ چیزیں اپنے طور پر بہت بڑی ہوں۔ اس لیے کہ وہ خود بہت بلندی پر کھڑا ہوتا ہے لیکن وہی شخص اگر اپنے اوپر آسمان کی طرف دیکھے تو وہ خود کو آسمان کی وسعت کے مقابلے میں بہت سکڑا ہوا۔ اس کی بلندی کے سامنے اپنے آپ کو بہت پست اور اس کے حجم کے تناظر میں اپنی ذات کو رائی کے دانے برابر سمجھے گا... کچھ اسی طرح کی صورت حال کا سامنا اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جو عالم اسلام کی عبقری شخصیت اور برصغیر کی انتہائی عظیم المرتبت ہستی اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے بارے میں کچھ کہنا اور ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔ اس دور کا کوئی بڑے سے بڑا عالم، فاضل، مفتی، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور شاعر علوم وفنون کے کوہِ ہمالیہ پر کیوں نہ کھڑا ہو اور ہر ایک اس کے سامنے بونا اور ٹھگنا کیوں نہ نظر آرہا ہو۔ مگر جب وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ جیسے علم وفضل اور تحقیق وتصنیف کے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو دوسروں کا کیا مذکور، وہ خود اپنے آپ کو کوتاہ قامت اور پست شخصیت نظر آنے لگتا ہے۔ ان پر بات کرتے ہوئے بڑے سے بڑے خطیب کی زبان لڑکھڑانے لگتی اور بڑے سے بڑے ادیب کی نوک قلم سے الفاظ

ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔ نہ زبان کی باگ ہاتھ میں رہتی ہے نہ قلم کی رکاب پاؤں میں۔ یک رخا بھلا کہاں تک ہمہ جہت شخصیت کو اپنے فکر و خیال کے دائرے میں قابو رکھ سکتا ہے... فاضل بریلویؒ کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے۔ جس طرح اسے سورج کی روشنی کے رخ پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر پڑتا ہے... اعلیٰ حضرتؒ کو آفتابِ علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کئی رنگ اپنے اندر دل و نگاہ کی جاذبیت کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں سن کر یا پڑھ کر زبان پر بے اختیار آجاتا ہے:

ذہن خالی ہی رہا، کاسہ سائل کی طرح، کوئی تصویر نہ ابھری تری تصویر کے بعد

حضرت رضا نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں کم و بیش ایک ہزار علمی تصانیف چھوڑی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بے بضاعتی کا شکار ہوجاتا ہے اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستاں بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمیٹنے سے قاصر رہتا ہے اور دامانِ نگاہ کی تنگیاں گلہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو بہت مل جائیں گے مگر ایسی کثیر الجہات شخصیت، چراغِ رخِ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ مل سکے جس نے معقولات و منقولات کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کیے ہوں۔ جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سیکڑوں تک پہنچتی ہوں اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجوہ طبع نہ ہوسکے ہوں اور مرورِ زمانہ کی نذر ہوگئے ہوں۔

بطور ایک نعت گو، ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔ قاری ان کی محرابِ نعت میں علمی اعتبار سے مرعوب اور فکری طور پر سرنگوں نظر آتا ہے۔ جذباتی کیفیات اور دلی واردات کے نقطۂ نظر سے، دُور دُور تک نہ کوئی ان کا مثیل ہے نہ سہیم۔ خیال ایک سماوی نعمت ہے جب کہ زبان ایک ارضی صلاحیت، ان وہبی اور اکتسابی خوبیوں کے لطیف اور غنائی امتزاج کا نام شعر ہے۔ حضرت رضاؒ فکری صلاحیتوں کی پاکیزگی سے بھی بہرہ ور تھے اور زبان و بیان پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ عروضی اور فنی اعتبار بھی وہ الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر قادر تھے۔ ان کے پورے کلام کو نقد و نظر کی کڑی آزمائشوں میں سے گزاریے، آپ کو نہ کوئی زبان کا سقم نظر آئے گا، نہ کوئی

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

عروضی لغزش دکھائی دے گی اور نہ کہیں فکری پس ماندگی کا احساس ہوگا۔ جس شخصیت نے نعت سرائی کی بنیاد ہی قرآنِ حکیم کو بنایا ہو کہ وہ خود ایک کتابِ نعت ہے اور اس کی قرآن کی موعظانہ بصیرتوں اور علمی رفعتوں پر بھی گہری نظر ہو تو پھر اس کی نعت گوئی کے اعجاز و ایجاز کو تسلیم کیے بغیر نہ اہلِ نظر آگے گزر سکتے ہیں نہ تماشائی۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ	بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی	یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

نئے خیال کی تلاش میں شاعر عموماً بہک اور بھٹک جاتے ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ مضمون ہی عنقا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر احمد رضا خاں بریلویؒ کی نعت گوئی میں ایسے مقام کم ہیں جہاں خیال میں تکرار ہو۔ ان کا ہر شعر کمال سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ جمال صورت کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے رکھتا چلا جاتا ہے اور ساتھ ہی انداز کی طرفگی بھی نمایاں ہے۔ سچ یہ ہے کہ روئے رسول ﷺ رخِ جمالِ الٰہی کا آئینہ ہے اور سیرتِ رسول ﷺ قرآن کی اعجاز آفرین تعلیمات کا ایک عکسِ دل آویز، اختر الحامدی کا شعر ہے:

اک اک ادا ہے آپ کی آیات بیّنات	جس زاویے سے دیکھیے قرآں ہیں مصطفیٰ

قرآن ہر مقام پر صداقتوں کا اظہار نئے انداز سے کرتا ہے اور قرآن کا یہی اسلوب اہلِ نظر کے لیے فکری اور لسانی بصیرتوں کے ایوان کھولتا چلا جاتا ہے اور یہ قرآن ہی کا فیض ہے کہ فاضل بریلی کی نعت ایک فانوس کی طرح صد رنگ انوار بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ جا بجا قرآنی آیات اور احادیث جبینِ شعر پر لو دیتی نظر آتی ہیں۔ صنعتِ تلمیح پر مشتمل اشعار دینی اور واقعاتی پس منظر لیے ہوئے ہیں۔ فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات ان کی علمی وسعت اور ہم لوگوں کی فکری نکبت کی آئینہ دار ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو لکھ گئے کہ جانتے تھے اور ہم پڑھ رہے ہیں مگر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مولانا مسلّمہ عالم تھے اور نغز گو شاعر بھی۔ صرف علم کے بل پر کہا جانے والا شعر فلسفہ یا معما بن کر رہ جاتا ہے، یا بالکل خواص کی ایک شے ہو جاتا ہے۔ فکر گداز دل میں ڈھلتا ہے تو اس میں شعری لطافت آتی ہے۔ مولانا چوں کہ علمی تبحر، دینی بصیرت اور شعری صلاحیت کے اعتبار سے مستند ہونے کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کی نعت عظمیٰ سے بھی بہرہ ور تھے اس لیے ان کی شاعری میں اگر ایک طرف شعری خوبیاں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہیں تو دوسری طرف جذبے کی گہرائی

نے علمی رسوخ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جوش و ہوش کی ایک ایسی کہکشاں کو اُبھارا ہے جس کا ہر رنگ نگاہوں سے لپٹ لپٹ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہر دل کی دھڑکن، ہر لب کی صدا اور ہر نگاہ کی آرزو بن کر شعری اُفق پر جگمگا رہی ہے۔ اس میں اہل نظر کے لیے متاع تدبر تو فی الواقع فراواں ہے مگر سطحی نوعیت کے ناظرین کو بھی اپنے ذوق کی آسودگی کا سامان مل جاتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کے الفاظ میں:

> مولانا کی نعتیہ شاعری میں حسن و بیان، استعارات، تلمیحات اور علمی اوصاف اس کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم وفنون کے سمندر کا غواص، اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کرسکتا ہے؟

جذبہ صادق ہو تو وہ خوش بو کی طرح مشامِ جاں کو معطر کرتا چلا جاتا ہے۔ جب ممدوح بھی بے مثال ہو، مدحت نگار کا دل بھی محبت سے لبریز ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم کو پرِ ہما کی اڑان بھی عطا کی ہو تو پھر اس قلم کی ہلکی سی جنبش لولوئے لالا بکھیرتی چلی جاتی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری مولانا کی قادرالکلامی، اسرار علمیہ اور گل افشانیِ گفتار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موشگافیوں اور علم وفن کی بھول بھلیاں کی شاعری نہیں بلکہ حضور اکرمﷺ کی ذات صفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری پر معصومیت، شیفتگی، سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہے وہ قاری کے درونِ خانہ میں جس قسم کا مدوجزر پیش کرتی ہے وہ بے سبب نہیں۔

حق یہ ہے کہ ان کی نعت ان کے بھرپور علمی اظہار کے باوجود فلسفیانہ پیوست سے بچی ہوئی ہے مگر پھر بھی بیش تر مقام ایسے ہیں کہ ان کی تہ تک عام فہم کی رسائی نہیں ہے۔ شخصی کمال ہی فن کو عظمت عطا کیا کرتا ہے اور وہی فن رنگِ ثبات و دوام کا حامل ہوتا ہے جسے کسی مردِ خدا نے تمام کیا ہو۔

جب تک قاری ان علوم سے آشنا نہ ہو جن تک حضرت رضا کی ماہرانہ دسترس ہے اس وقت تک ان کے اشعار میں مضمر علمی بصیرتوں کو نہیں پاسکتا۔ دور حاضر کی اکثریت علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کی انتہا کو چھو رہی ہے وہ عربی اور فارسی کی مبادیات تک سے نابلد ہے اور خود اردو

کا ذوق اس قدر افسردہ و پژمردہ ہو چکا ہے کہ مومن و غالب، انیس و دبیر اور اقبال تک کتنے ہی شاعر ہیں کہ ان کی تخلیقات کے فہم و ادراک کے لیے تشریحات مطلوب ہیں اس لیے اگر آج حضرت رضا کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف نہیں ہو رہا تو اس کی تہ میں آج کے دانش ورحضرات کی 'بے دانشی' ہے اور جو لوگ ان کی ستائش میں رطب اللسان ہیں ان کی اکثریت بھی محض مذہبی فرقہ بندی اور نظریاتی ہم آہنگی کے تحت اس تعریف کو اپنائے ہوئے ہے ورنہ ان کے کلام کے رموز وغوامض تک بہت کم نظریں رسا ہیں۔'قدر سخن شناس' باقی نہ رہے تو 'تحسین ناشناس' ہی رہ جاتی ہے جسے نقد ونظر کے میدان میں کوئی سی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت شمس بریلوی نے اپنی فاضلانہ تالیف میں حضرت رضا کی نعت کا ادبی اور تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے بہت سے ایسے اشعار یک جا کیے ہیں جن کے مفہوم کو عہد حاضر کے دانش وروں کی غالب اکثریت نہیں پا سکتی۔ یہ چند اشعار، حضرت کی علمی فضیلتوں کے اعتراف اور عہدِ حاضر کے علمی افلاس کے ماتم کے لیے کافی ہیں:

زبان فلسفی سے امن و خرق والسیام اسریٰ			بنایا دور رحمت ہائے یکساعت تسلسل کو
(فلسفہ مابعد الطبیعیات)

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں، غفور ہیں			ہر منزل اپنے چاند کی منزل غفر کی ہے
(علم نجوم)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے		(علم ہندسہ)

ذرّے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے			حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا
(علم منطق)

غایت و علت سبب، بہرِ جہاں تم ہو سب			تم سے بنا، تم بِنا تم پہ کروروں درود
(علم فلسفہ)

عام قاری سے لے کر ناقد اور معتقد سے لے کر معترض تک کی اکثریت اگر ان علوم ہی سے بے بہرہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مولانا کی نعت گوئی کی تحسین کا حق ادا کر سکے گی اور نہ ان کے اعتراض میں اعتدال کا رنگ آ سکے گا۔ داد دینے والوں کی داد بھی بے داد ہوگی اور اعتراض کرنے والوں کی تنقید بھی بے محل۔ بقول شاعر:

اس فن کی لطافت کو لے جائے کہاں کوئی			پتھر کا زمانہ ہے شیشے کی کہانی ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ توحید اسلام کا ایک بنیادی تصور ہے کہ جب اس میں کوئی کھوٹ در آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ازلی اور ابدی تصوّر کے نکھار اور وقار کو بحال کرنے کے لیے انبیا مبعوث کرتے ہیں۔ اسی لیے ہر نبی کا پہلا بول تصدیقِ توحید ہی کے گرد گھومتا رہا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو خوب صورت تصوّر دیا ہے وہ کسی اور مذہب کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا تصورِ توحید، رسالت ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے جناب پروفیسر علی عباس جلال پوری کے الفاظ میں:

> جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ پاک کو رہنمائے عمل بنائے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کماحقہ اثبات نہیں کر سکتے۔ گویا جو مسلمان اپنی حسبِ توفیق جتنا اسوۂ حسنہ اپنے طور پر مشعلِ راہ بنائے گا، اتنا ہی وحدانیت کے شعور و ادراک سے بہرہ ور ہو سکے گا۔

ہمارے ہاں توحید اور رسالت باہم دگر یوں ہم رشتہ اور ہم آہنگ ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مقصودِ زندگی رضائے خداوندی ہے مگر فرمودات رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں گویا پہنچنا بہر نوع ربّ کعبہ تک ہے مگر راستے کے لیے چاندنی، گنبدِ خضریٰ سے سمیٹنا ہوگی کہ کعبہ عقیدے کا مرکز ہے اور مدینہ عقیدت کی جلوہ گاہ عقیدہ عقیدت سے بال و پر لیتا ہے اور عقیدت عقیدے کی انگلی تھام لے تو بے راہ نہیں ہوتی، بلکہ خود منزلیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔ مولانا محمد صلاح الدین مرحوم نے ایک مقام پر عقیدے اور عقیدت کی اس ہم آہنگی کا تجزیہ یوں کیا ہے:

> کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے یہ چھوٹا سا کلمہ دو مختصر فقروں پر مشتمل ہے پہلا جزو اقرارِ توحید اور دوسرا اقرارِ رسالت۔ جس طرح یہ دو فقرے مل کر اس کرۂ ارض میں توحید و رسالت کے دو ایسے مرکز بنتے ہیں جو بظاہر الگ الگ مگر حقیقتاً باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ایک مرکز دین و ایمان ہے، تو دوسرا مرکز عقیدت و محبت۔ ایک قبلہ ہے تو دوسرا قبلہ نما۔ ایک نشانِ معبودیت ہے تو دوسرا نشانِ عبدیت۔ ایک مرکز نظر ہے تو دوسرا نور نظر، ایک مرکز عہد بندگی ہے تو دوسرا مرکزِ درس گاہ بندگی ایک عظمتِ خداوندی کی علامت ہے تو دوسرا رفعتِ بندگی کی علامت۔ ایک جلوہ گاہ جلال ربانی

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

ہے تو دوسرا جلوہِ گاہ جمال نبوی ﷺ۔ ایک کتاب تو دوسرا تفسیر، ایک پیغام عمل تو دوسرا جمالِ مجسم عمل۔ ایمان قلب ونظر کی یک جائی کا نام ہے اور اس یک جائی کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ مسلسل پیشِ نظر ہو اور قلب پروانے کی طرح شمعِ رسالت کا طواف کرتا رہے۔

توحید و رسالت کے اس تعلق کو حضرت رضا اپنی ایک نعت میں انتہائی دل آویز انداز سے بیان کرتے ہیں کہ آج اس نعت کے اکثر مصرعے اہلِ درد کے دل کی انگشتری کا نگینہ بنے ہوئے ہیں، حضرت کے نزدیک کعبہ تو بہرکیف کعبہ ہے۔ مگر مدینہ کعبے کا کعبہ ہے کہ وہ شعلے جو طور کو ایک اندازِ بے نیازی سے چور چور کرتے ہیں۔ وہی شعلے شمع رسالت مآب ﷺ پر پروانہ وار لپکتے ہیں کہ یہی وہ حسن عالم تاب ہے کہ جس آنکھ میں سما جائے، خود جلوے اس آنکھ کا طواف کرتے دکھائی دیتے ہیں، حضرت رضا کے نزدیک آبِ زم زم خوب ہے مگر شہِ کوثر کی جود وسخا بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ سنگِ اسود کے بوسے سے دل کی ظلمت ڈھلتی ہے مگر خاک بوسیِ مدینہ سے بھی دل کے اندھیروں کو اُجالا ملتا ہے۔ منیٰ میں جانور تڑپتے ہیں، یہاں دل تڑپتا ہے

حاجیو، آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

آبِ زم زم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ، جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

ایمن طور کا تھا رکنِ یمانی میں فروغ
شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگ اسود
خاک بوسیِ مدینہ کا بھی جلوہ دیکھو

خوب مسعیٰ میں بہ اُمید صفا دوڑ چکے
رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو

رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

علم کی کمی، دل سے وسعت اور نگاہ سے رفعت چھین لیا کرتی ہے۔ ہمارے دینی اختلافات رسالت مآب ﷺ سے قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ ان اختلافات کی تہ میں جائیں تو بات اُصولی نہیں، فروعی نظر آتی ہے اور زبان وقلم کی ساری کاوشیں، فروع کو اُصول بنانے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی واحد اساس حبِ رسول ﷺ

ہے، اس کے بغیر ہماری زندگی کی ہر شے بے اساس ہے، وعظ و تذکیر بھی، بحث و تمحیص بھی، جذب وشوق بھی، شعر وادب بھی اور آہ وفغاں بھی۔ بقول اقبالؒ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق عشق نہ ہو تو شرع ودیں بتکدۂ تصوّرات
شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

ہم تہی ساغر، تہی دامن اور تہی دست لوگ، بتکدۂ تصوّرات میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ہم نے توحید اور رسالت کو خانوں میں بانٹ دیا ہے، حالاں کہ ہر دو لازم وملزوم ہیں، جبیں کعبے میں جھکتی ہے اور دل مدینے میں، سجدہ، صرف اللہ تعالیٰ کو روا ہے مگر 'وصید ناز' کو پلکوں سے صاف کرنے میں کیا روک ہے۔ دل مچل مچل کر پوچھے کہ:

نہیں اذنِ سجدہ جو میری جبیں کو تو پھر یہ ترا سنگِ در کس لیے ہے

مگر جبیں سجدے سے باز رہے کہ محبوب ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ 'میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا' یہ رک جانا ہی عقیدت کے تقدس کی معراج ہے، اطاعت کے اسی جذبے کو حسنِ عقیدت کہتے ہیں۔ اصغر گونڈوی نے انھی کیفیات کے تحت کہا تھا:

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں نہ دیں جو اہلِ شریعت، جبیں کو اذنِ سجود

توسل، تعلق، نسبت اور رابطے کے اس حسن کا کون منکر ہے کہ ہم نے خدا کو جانا، پہچانا اور پایا تو اسی فیض سے، اسی تعلق سے سجدوں کو کیف، دلوں کو نشاط اور نگاہوں کو اُمید عطا ہوئی، اس حوالے کے بغیر تو نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ عبادت تکمیل پاتی ہے۔ اگر اس واسطے کو نکال دیا جائے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہو کر رہ جائے گی:

اک وہم و گماں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے ہم لوگ کہاں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے

عشق، علم سے بے بہرہ ہو تو مبالغے کی حدوں تک پہنچ کر بے کیف ہو جایا کرتا ہے۔ مگر رضا بریلویؒ ایسی شخصیت جو ایمان کے اس کمال سے بہرہ ور ہو جسے حبِ رسول ﷺ کہتے ہیں اور دوسری طرف علمِ دین کا کماحقہٗ، شعور بھی رکھتی ہو، اس کے قلم کے لیے بہکنے اور بھٹکنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ نعت سرائی، تلوار کی دھار پر گامزن ہونا ہے۔ علم ونظر سے بہرہ ور، جذبۂ عشق جب اس دھار پر چلے گا تو یقیناً سرخرو ہوگا، دوران سفر میں اگر کہیں قلم کا قدم ڈگمگا جائے تو اسے سہو و لغزش سے تعبیر کیا جائے گا۔ نیت کی کجی قرار نہیں دیا جائے گا۔ سہو کا اعتراف ہو تو بڑی سے بڑی لغزش بھی 'بشری حسن' بن جایا کرتی ہے، نیت خالص نہ ہو تو بڑے سے بڑا دعویٰ بھی صدق کی دلیل نہیں بن سکتا۔

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم وشعور اور جذب وجنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ وترکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پُرشکوہ اظہار بھی جابجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنی رعنائی اور سہلِ ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔ قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منھ بولتا شاہ کار ہے۔ ٹکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح رواں بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے، لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تاثر آفرین بنا دینا انھی کا کمال ہے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فکر وخیال کا ایک بحرِ بے کراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر وسخن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یوں رواں دواں ہے کہ اسے کوثر وتسنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں:

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی　　　　اللہ اللہ رے! طبیعت کی روانی اس کی

مبالغہ، شعر کا حسن ہوتا ہے مگر نعت میں مبالغہ، ایمان کے لیے خطرہ بن جایا کرتا ہے۔ نعت صداقتوں ہی کی امین اور صداقتوں ہی کی ترجمان ہے اور ایک ایسے وجود کی عظمتوں اور رفعتوں کا شاعرانہ بیان ہے جس کے روز وشب کی پاکیزگیوں، اظہار وبیان کی سچائیوں اور فکر وخیال کی رعنائیوں کا اعتراف مخالفین کو بھی تھا۔ جو شخصیت فی الواقع محمد ﷺ تھی اور ہے۔ محمد کہتے ہی اس کو ہیں جس کی تعریف میں سبھی رطب اللسان ہوں، اپنے اس لیے کہ ان کے دل محبتوں سے لبریز ہیں اور غیر اس لیے کہ حسن اپنا اعتراف خود کراتا ہے۔ آفتاب کی کرنوں کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور خوش بو کو اپنے جواز کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں... حضرت رضا نے کائنات کی اس سب سے بڑی صداقت کو جس شان اور آن کے ساتھ شعر کے آئینے میں دکھایا ہے وہ دینے والے کی عطائے خاص کا اعجاز ہے۔ ورنہ سخن ور تو اچھے اچھے ہیں مگر 'انداز بیاں اور' تو کسی کسی کا ہوتا ہے۔ یہ فیصلے کرم کے ہیں اور بات نصیب کی ہے:

ایک خوش بو سے مہک اُٹھتی ہے دنیا میری　　　　جب ترا نام مرے لب سے ادا ہوتا ہے

سچ یہ ہے کہ سچی نعت کے لیے قلم بعد میں حرکت کرتا ہے اور اس کی قبولیت پہلے ہو جایا کرتی ہے۔ اس ضمن میں توفیقِ رضائے الٰہی پر موقوف ہے اور اذنِ توصیف، خود موصوف کی طرف سے ملتا ہے۔ نعت کہی نہیں جاتی بلکہ خود بخود قلم کی نوک پر لو دیا کرتی ہے۔ حسن اپنے اظہار کے لیے خود آمادہ اور بہار اس کی ہم رکابی کے لیے خود بے قرار ہوتی ہے، تغزل کی ایمائیت اس حسن کی معنوی تصویر کشی کے لیے کمال شوق کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ خوب صورت خیال، اپنے ساتھ خوب صورت الفاظ بھی لایا کرتا ہے۔ خیالات کی وسعت و ندرت کے ساتھ ساتھ حسنِ ادا کی خوبی حضرت رضا بریلوی کو ایک ایسے قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے نمایاں کرتی ہے جس کا دل محبوب کی یاد میں دھڑکتا اور جس کی آنکھیں انتظار کے کیف میں گوہر بداماں رہتی ہیں اور جس کا قلم اپنی تمام تر ادبی وجاہتوں، فنی ثقاہتوں اور علمی عظمتوں کے ساتھ نعت کی دنیا میں کبھی پھول کھلاتا، کبھی ستارے بکھیرتا اور کبھی چاند اُچھالتا ہے کہ شاید اس وجودِ ناز آفرین کی عکاسی ہو سکے جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائنات حسن بھی، نتیجہ معلوم کہ لفظ لفظ اور حرف حرف کہیں کہکشاں نکھرتی دکھائی دیتی ہے، کہیں شفق پھولتی ہے۔ کہیں چاندنی چھٹکتی ہے اور کہیں مہک پھیلتی ہے کہ بقول احسان دانش:

آب و گِل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

شمس بریلوی کے الفاظ میں 'نعت سرورِ کونین ﷺ میں طرزِ ادا کی رنگینی کے اظہار کے لیے میدان بہت تنگ ہے۔ وہاں نہ مبالغے کی گنجائش ہے نہ اغراق و غلو کی۔ نہ وہاں شوخی کا گزر ہے اور نہ بے باکی کا دخل، نہ معشوق کا جور و ستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کیے جائیں اور نہ بوس و کنار کا گزر ہے۔ ہجر و فراق کی کیفیات ضرور ہیں لیکن ہجر و فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کے لیے مخصوص ہیں، بلکہ بہت محدود، جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرے دار ہیں اور اسلامی احکام کے نقیب کھڑے ہیں۔ ذرا سی لغزش اعمالِ حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنیٰ سی بے راہ روی دارین کی روسیاہی کا موجب اور معمولی سے معمولی بے باکی آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ، پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ زبان کی سادگی کا لطف اور طرزِ ادا کی رنگینی کو پیش کردے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایک ایسا رُخ ہے جس کو اس کا منتہائے کمال کہنا چاہیے یہ ہر کسی کا کام نہیں... ہندوستان میں صرف دو نعت گو شاعر انیسویں صدی کے ربع آخر میں میری نظر میں ایسے گزرے ہیں جو اس وصف میں کمال کی بلندیوں تک پہنچ سکے

ہیں، ایک جناب محسن کاکورویؒ اور دوسرے جناب رضا قدس سرہ:

نعت نگاری ہر صنفِ سخن میں ہوتی رہی ہے نظم کی شکل میں، قصیدے کے رنگ میں، قطعات و رباعیات کے انداز میں، آج کل غزل کی ہیئت مقبول ہے۔ غزل کی یہ ہیئت طویل ہوجائے تو قصیدہ بن جاتی ہے۔ جناب رضا کی اکثر نعتیں غزل ہی کے رنگ و آہنگ میں ہیں۔ مگر انھوں نے بہت سے قصائد بھی کہے ہیں اور بسا اوقات خیالات کی طغیانی اور الفاظ کی روانی غزل ہی کو قصیدہ بناتی رہی ہے:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے　　　ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

قصیدۂ نور، قصیدۂ معراج، قصیدۂ مرصع، قصیدۂ در صفت علمِ ہیہات قابلِ ذکر ہیں۔ قصیدہ نور ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں ۴۷ مطلع ہیں، قصیدہ معراج ۶۷ شعروں پر مشتمل ہے۔ ایک روایت کے مطابق محسن کاکورویؒ مرحوم جب معراج پر اپنا قصیدہ 'سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل' حضرت رضا کو سنانے کے لیے آئے تو ظہر کے وقت دوشعر سننے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مکمل قصیدہ بعد نماز عصر سنا جائے گا، اسی دوران میں مولانا نے خود قصیدۂ معراج تحریر فرمایا اور وقت مقررہ پر محسن کاکورویؒ کو اپنا قصیدہ سنایا تو وہ سناٹے میں آگئے۔ قصیدہ مرصع میں یہ التزام ہے کہ اس کا ہر مصرع اولیٰ کا آخری رکن بالترتیب حروف تہجی پر ختم ہوجاتا ہے۔ اس قصیدے کے ۶۰ اشعار ہیں، ۵۵ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ بر اصطلاحات علم ہیئت، مولانا کے تبحر فکر ونظر کی ایک ایسی علمی مثال ہے جس کی نظیر، ادب کی دنیا میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے۔ اس قصیدے کو سمجھنا، اس سے حظ اُٹھانا اور کیف سمیٹنا تو دور کی بات ہے دورِ حاضر کے اصحابِ علم وفن کی اکثریت اسے صحتِ لفظی کے ساتھ شاید پڑھ بھی نہ سکے۔ علمی افلاس اور ادبی بے بضاعتی جب اس حد تک آجائے تو نہ سچی تحسین کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ پرخلوص نقد ونظر کی مولانا کی نعتیہ رباعیات سے بھی جہاں ان کے فنی کمال اور عروضی نظم کا پتا چلتا ہے وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قصیدے میں بات کو از حد پھیلا کر بھی بات کو سمیٹ لے جانے والا یہ نعت گو مدحیہ افکار کے بحر ناپیدا کنار کو کام یابی کے ساتھ رباعی کے کوزے میں بند کرنا خوب جانتا ہے اور ان کا یہ فخر بہرنوع حق معلوم ہوتا ہے کہ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم　　　جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

انھوں نے غالب، داغ اور امیر کی شعری زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ اگر فنی اعتبار سے

ان شاعروں کی غزلوں اور مولانا کی ہم زمین نعتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی قدرتِ شعرگوئی کوتسلیم کرنا پڑتا ہے اور مولانا ان سب سے اس لیے عظیم معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے پیشِ نظر نعت ایسی مشکل صنف سخن ہے، غزل یا نظم نہیں۔ ہماری کلاسیکی اردو غزل کو اپنے جس ایمائی تاثر پر فخر جس فکری گداز پر ناز اور جس جمالیاتی کیف پر غرور ہے اس فنی فخر و ناز کی بیشتر ادائیں حضرت رضا کے کلام میں ضوریز بھی ہیں اور ضوفشاں بھی۔

غزل گو بالعموم تصورات کی بے نام وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں ان کے ہاں دیدہ کم اور شنیدہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ فرسودہ اور مستعمل موضوعات کو ادا کی خوبی سے تازگی عطا کیا کرتے ہیں خیال کی طرفگی، خال خال ہوتی ہے جب کہ نعت سراسر صداقتوں کا بیان ہے۔ اس میں جب تک شیفتگی دینی شعور کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، بات بنتی نہیں۔ نعت گو کو صورت اور سیرت کے اعتبار سے مثالی یا دوسرے لفظوں میں اسلامی ہونا چاہیے۔ صرف لفظی حسن سے نعت میں رعنائی نہیں آیا کرتی جب تک دل کا گداز اس میں شامل نہ ہو وہ دل آویز نہیں بن سکتی۔ عمل کو خود آواز بننا چاہیے کہ گفتار کی کثرت سے دل مرجایا کرتے ہیں۔ اطاعت کے بغیر، عقیدت کا ہر تصور بے جان ہے۔ گنبدِ خضریٰ کے خیال سے اگر دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی، اگر روح ویران ہے اور آنکھیں کوئی ساپیرایہ نم بھی نہیں رکھتیں، تو ایسے انسان کی نعت گوئی تعلیانہ خودنمائیوں کا عکس تو ہوسکتی ہے، عجز و نیاز کا پندار نہیں بن سکتی، حضرت رضا اسی لیے نعت گوئی میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی نکتہ آفرینیوں سے بھی کماحقہٗ واقف تھے۔ ایسی ہی شخصیت نعت سرائی کا حق ادا کرسکتی ہے، ورنہ ہر بوالہوس، حسن پرستی کو اپنا شعار بنا کر سچائی کا دعوے دار نہیں ہوسکتا کہ نعت ہی وہ نغمہ ہے کہ نہ وہ ہر دل سے اُبھر سکتا ہے اور نہ ہر ساز پر گایا جاسکتا ہے۔

نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جسے مشکل ترین کہا جاسکتا ہے کیوں کہ یہاں نہ انسان غزل کی مجازی فضا میں بہک سکتا ہے اور نہ قصیدہ نگاری کی طرح زمین کو آسمان بنا سکتا ہے۔ نعت کے حدود مقرر ہیں، ان سے نعت گو بڑھ سکتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں متاعِ ایمان ہی کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔ دورِ حاضر کے اکثر شعرا نعت گوئی کا شوق تو رکھتے ہیں۔ مگر احتیاط کے تقاضوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ صرف اس لیے کہ ان کی نگاہ میں نہ شریعت کے رموز ہوتے ہیں نہ طریقت کے مقام، نتیجہ معلوم کہ وہ بزعم خویش توصیفِ رسالت مآب ﷺ کا حق ادا

کرنے کی سعی کرتے ہیں مگر ان کا شوقِ بے حد، حد کو پھلانگتا اور مدحت کو بسا اوقات الوہیت تک لے جاتا ہے جو بہرکیف توہین ہے۔ نعت گوئی کے لیے دل کی محبت ایک فطری شرط ہے۔ مگر جذبۂ محبت کی اس روانی کو طغیانی سے بچانا مقصود ہے حضرت رضا نے خود نعت گوئی کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے:

> حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

اس احساس کے ساتھ اگر وہ شخصیت دین کے فہم سے کماحقہٗ آشنا ہو۔ اس کا دل جذبات محبت سے بھی لبریز ہو تو یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ شخصیت جب نعت نگاری پر آمادہ ہوگی تو ارادتاً افراط و تفریط کا شکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں اشعار کی اکثریت ادب اور احتیاط کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ محتاط اندازِ فکر ہی سے 'پاس ناموس عشق' کا دعویٰ ہوسکتا ہے۔ دیوانوں کی طرح سوچنا اور فرزانوں کی طرح لکھنا، ہر ذہن اور ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہوش و جنوں اور شعر و شریعت کی متوازن ہم آہنگی، نعت گوئی کے لیے جتنی ضروری ہے، اتنی ہی فنی اور جذباتی اعتبار سے مشکل بھی ہے۔ شعر کے ایمائی حسن کے لیے دل گداختہ ضروری ہے۔ سوزِ دروں کی یہ آنچ، مجازی دنیا میں تو بسا اوقات آوردہ ہوتی ہے۔ جب کہ نعت میں اس گداختی کی بنیاد ایک ایسی اصلیت پر ہے جس سے بڑھ کر واقعیت کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے۔ پیشِ نگاہ ایک ایسا وجود اکمل و اطہر ہوتا ہے جس کی صورت فی الواقع نظر افروز، سیرت دل آرا اور طرزِ عمل قابلِ تقلید ہے جس کی ہر بات وحیِ الٰہی کی ساختہ پرداختہ اور آراستہ ہے۔ جس کے لب کھلتے ہی سچائیوں کے لیے ہیں جس کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔ جس کائناتِ حسن کی مرقع نگاری کا حق شعر و سخن کا کوئی سا پیرایہ، بیان و بدیع کا کوئی سا انداز اور فصاحت و بلاغت کا کوئی سا آہنگ بھی ادا نہیں کرسکتا۔ جہاں بہت کچھ کہہ دینے کے باوجود بھی بات عجز و نارسائی ہی کے اعتراف پر ختم ہوتی ہے اور پھر جہاں مبالغہ آرائی، شجرِ ممنوعہ ہے، جہاں جوش آرزو مقصود ہے مگر حواس و ہوش کو بچانا بھی لازم ہے، جہاں محبت کی وارفتگی کا اظہار، فرزانگی کی بصارتوں اور

احتیاط کی بصیرتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے... نعت میں نہ سوز مجازی ہے نہ تڑپ رسمی اور نہ آنسو روایتی۔ جذبات کی یہی وہ واقعیت، بیان کا یہی وہ گداز اور اظہار کا یہی وہ خلوص ہے جو نعت کو تاثر اور تغزل کے منتہائے کمال پر لے جاتا اور غزل کی رسمی اور مجازی فضا کو بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت رضاؒ کا دل حبِ رسول ﷺ سے معمور، قلم اظہارِ بیان پر قادر اور فکر فرموداتِ الٰہی سے مستنیر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں تغزل کیف بداماں، جنوں نغمہ بار اور قلم گل فشاں ہے۔ ان کی شاعری میں ایک نغماتی انبساط اور ایک ملکوتی حسن ہے۔ دورِ حاضر میں غزل ایمائی اعتبار سے نشتریت کو چھو رہی ہے اور گمان گزرتا ہے کہ یہی غزل گو جب نعت کہیں گے تو اس میں حسن و کیف ہوگا مگر حضرت رضاؒ کی نعت پڑھ کر یہ خیال اُبھرتا ہے کہ یہی قلم اگر غزل کہتا تو زبان و بیان کی کیسی کیسی جدتیں اُبھارتا، فکر و خیال کی کیسی ندرتیں پیدا کرتا اور دنیائے غزل کے کیسے کیسے 'میر تقیوں' کو پیچھے چھوڑ جاتا، ان کے ہاں بیان و بدیع کی بے شمار خوب صورت مثالیں ہیں اور ہر مثال علمی نکات اور شرعی بصائر کا دل آویز نمونہ ہے۔ بقول اختر الحامدی:

> آپ سر تا پا عشق کی شراب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن قدم ڈگمگاتے نہیں۔ پیے ہوئے ہیں مگر بہکتے نہیں۔ جوش ہے مگر ہوش کے ساتھ، دل و روح مکیف ہے مگر عقل ہوشیار ہے۔ جو قدم اُٹھا منزلِ جاناں کی طرف جب قدم پڑا شاہراہِ شریعت پر۔ دیوانے کی طرح رواں دواں ہیں مگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں سراپا مدہوش ہیں مگر آپ کا قلم جاگ رہا ہے۔ آپ کے کلام میں آپ کا یہی جنونِ بیدار کارفرما ہے جو تغزل کی جان ہے۔

نعت میں چوں کہ انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے یہاں قدم سوچ سوچ کر اُٹھانا اور پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے میں بات اکثر سپاٹ اور پھیکی ہوجاتی ہے۔ خیال سوجھتا ہے تو لفظ ساتھ نہیں دیتے، لفظ ذہن میں اُبھرتے ہیں تو مفہوم غیر واضح رہتا ہے۔ احتیاط کے تقاضے اتنے کڑے ہیں کہ دل کی بیشتر بے تابیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ایسی فضا میں بات کہنا اور وہ بھی برجستگی کے ساتھ، ان کی عظمتِ گفتار کی روشن دلیل ہے کہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں شاعرانہ صلاحیتوں اور ماہرانہ عظمتوں کے باوجود بات بنانا مشکل ہوتا ہے لفظ و خیال کے حسنِ امتزاج ہی سے تاثیر اُبھرتی ہے۔ یہ امتزاج حضرت رضا کی نعت گوئی میں جابجا نظر آتا ہے خیالات آنچلوں کی طرح لہراتے اور الفاظ موتیوں کی طرح چمکتے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں برجستہ گوئی کی

بے شمار مثالیں ہیں، لفظ جہاں آ گیا نگینہ بن گیا ہے۔ کوشش کے باوصف اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں آ سکتا۔ ان کے ہاں بات ارضی کم اور سماوی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ گویا:

چھنتا ہے رخِ وقت پہ الہام کی افشاں		ان کا بھی قلم حضرتِ جبریل کا پر ہے

ان کی نعت گوئی صحیح معنوں میں عطیۂ الٰہی ہے کہ نعت کی عمارت اُٹھتی ہی حبِ نبی ﷺ کی اساس پر ہے اور یہ محبت اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتی:

وہد حق عشقِ احمد بندگانِ چیدۂ خود را		بہ خاصاں می دہد شہ بادہ نوشیدۂ خود را

اس ضمن میں قلم کو جنبش بھی اسی ذات بلند و برتر کی رحمت سے ہوتی اور اڑان بھی اسی کے کرم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مولا کریم جس قلم اور جس ذہن سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اسے خود ہی جودت اور بالیدگی عطا فرماتے ہیں، مانگنے والے کے دل میں خلوص ہو تو دینے والے کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ احمد رضا بریلوی خواب دیکھتے ہیں کہ شارعِ عام پر ایک بلوریں فانوس لیے کھڑے ہیں، روشن کرنا چاہتے ہیں مگر دائیں بائیں کی پف زنی اسے روشن نہیں ہونے دیتی، دفعتاً حضور پُرنور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور انھیں پھونک مارنے کا حکم دیتے ہیں پہلی ہی پھونک سے فانوس انوار کا شانہ بن جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ دوسری بار حج کے لیے جاتے ہیں تو شوقِ زیارت فراواں ہے، مگر بات بنتی نہیں اس عالم میں وہ ایک نعت لکھتے ہیں اور پیش کرتے ہیں جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں		تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کہ بگڑی بن جاتی اور تمنا بارآور ہوجاتی ہے... یوں یہ بات طے ہے کہ ان کی نعت میں تاثر کی جو بے ساختگی اور جذبے کا والہانہ پن ہے وہ سراسر الوہی عنایت ہے، بشری کمال نہیں۔

اسلام میں مختلف مکاتیبِ فکر ہیں ہر مکتب اپنی ہی سوچ کو سچ جانتا ہے اور اسی کی تبلیغ کو فرض سمجھتا ہے۔ ایک دینی عالم جب شعر کی دنیا میں قلم اُٹھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی اپنی فکر وہاں در آئے گی۔ ایک مفکر کا ذہن اپنے ہی نظریات کے گرد گھومتا ہے بعینہٖ جب ایک عام ادیب اور شاعر اپنی ذہنی وابستگی سے ہٹ کر لکھے گا تو اس کے ادب کی حیثیت ایک کٹے ہوئے پتنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک قاری جب ایک ادیب و شاعر کو پڑھتا ہے تو گو وہ اس کے خیالات سے متفق نہیں ہوتا مگر پھر بھی اسی کے قلم کی جولانی اور انداز کی شگفتگی کی داد دیے بغیر نہیں رہتا۔ ادیب اور شاعر کی فنی طور پر یہی پرکھ ہے کہ اس نے بات کہی کیسے ہے؟ اور بسا اوقات یہ امر ثانوی

رہ جاتا ہے کہ کیا کہا ہے؟۔ اگر مقصد اور فن دونوں میں صالحیت آجائے تو قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع سحر حلال بن جایا کرتا ہے۔ حضرت بریلوی اپنے اشعار میں اپنے مخالفین پر بھی برسے ہیں۔ اس برسنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کی رعنائیِ تحریر ہی سے منکر ہوجائیں۔ خوبی جہاں بھی ہے تحسین اس کا حق ہے۔ علی گڑھ میگزین کے نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء میں سلامت اللہ خاں اپنے مضمون 'ادب اور عقیدہ' میں لکھتے ہیں:

ادب عقیدے کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جاسکتا ہے۔

گویا جب تک ادیب اور شاعر کے ہاں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ نظریاتی صالحیت نہ ہو اس کی تخلیق آفاقی تاب وتب سے محروم رہتی ہے۔ مقصدیت ہی قلم کی جنبشوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ قاری کا ان نظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ قاری ذوق سلیم کا حامل ہو تو وہ اختلاف کے باوصف حسنِ ادا کی داد دے گا کہ:

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے　　　نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

ضروری ہے کہ جہاں بھی کوئی حسن نظر آئے اسے نگاہوں میں سمیٹ لیا جائے اور جو منظر نگاہوں پر بار گزرے اسے وجہ نزاع بنانے کے بجائے صرفِ نظر سے کام لیا جائے۔ پھول کے ساتھ اگر کانٹے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھول کو جنت نگاہ نہ سمجھا جائے یہی وہ طرزِ فکر ہے جس سے حکایت حکایت رہتی ہے شکایت نہیں بنتی۔

مولانا احمد رضا خاںؒ کو حضورﷺ سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار آپ پالکی میں کہیں جارہے تھے کہ دفعتاً آپ نے پالکی رکوائی اور کہا: کہاروں میں کوئی سیّد ذات کے ہیں! ایک کہار نے کہا کہ مزدور کی کوئی ذات نہیں ہوتی اور وہ مزدور ہوتا ہے۔ اصرار کے بعد اس نے سیّدزادہ ہونے کا اعتراف کیا تو آپ نے اس سے نہ صرف معذرت کی بلکہ اسے پالکی میں سوار کیا اور خود اپنے کندھوں پر پالکی اُٹھائی اور اس کہار کا تعلق اس ذاتﷺ گرامی قدر کے خاندان سے تھا جس کی خاکِ پا ہمارے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔ جس کے اشارۂ ابرو سے وقت اپنا رخ بدلتا اور بہاریں پلٹ پلٹ آتی ہیں اور جس کے خرام ناز کے طفیل بطحا کی ریت میں بھی ریشم کا لوچ محسوس ہوتا ہے اور جس کے انفاسِ پاک کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان کائناتِ ارضی وسماوی کے لیے نکہت بداماں ہے اور رہے گا اور اس کہار کے بارے میں

حضرت رضاؔ کے احساس کا اُبھرنا بھی ان کے اس تعلقِ خاطر کی دلیل ہے جو انھیں حضورﷺ کی ذاتِ اقدس سے تھا۔ اقبال نے کہا تھا:

بدرگاہِ سلاطیں تا کجا اس چہرہ سائی ہا　　بیاموز از خدائے خویش نازِ کبریائی ہا

شعرا عموماً بادشاہوں کے حضور میں برنگ شعر سجدہ ہائے ارادت نذر کرتے رہے ہیں مگر حضرت احمد رضاؔ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہِ بندہ نواز سے ناز کبریائی کی دولت پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ رسالت مآبﷺ کی محبت کی بنا پر ان کا دل اس قدر جھکا ہوا اور سر اس قدر اُٹھا ہوا تھا کہ وہ اہلِ دولت کی طرف نگاہِ غلط انداز سے دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ہیں مگر نسبت ارفع و اعلیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری فقیری پر بھی شانِ سلطانی رشک کرتی ہے حضرت رضاؔ سے ایک بار فرمائش کی گئی کہ نواب نانپارہ کے لیے کچھ مدحیہ اشعار لکھ دیں! آپ نے یہ سن کر ایک دل آویز نعت تحریر فرمائی اور اس کے مقطع میں اپنا مسلک یوں واضح فرمایا:

کروں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

نان پارہ اور پارۂ ناں کی تراکیب نے بیان کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہ خدا اور خدا کے رسولﷺ کی خاص نظرِ کرم ہے جو بندوں کو فقر وغیور کی دولت سے مالا مال کرتی ہے اور انکسار کا یہی وہ پندار ہے جو انسان کو دربارِ شہ میں بھی سرکشیدہ رکھتا ہے۔ سیّد قاسم محمود کے الفاظ میں:

> اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے تقویٰ، طہارت، اتباع، سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسنِ سیرت کے اوصاف سے مزین ہو چکے تھے۔ صرف چودہ برس کی عمر میں آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہوگئے اور پھر چون برس کی عمر تک مسلسل دینی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے سب کام حبِ الٰہی کے تحت تھے۔ نہ کسی کی تعریف کرتے نہ کسی کی ملامت کا خوف کھاتے۔

حضورﷺ عبدہ تھے۔ یہ مقام عبدیت تھا جس نے انھیں بے مثل بشر بنا دیا تھا صرف بشر تو سبھی ہوتے ہیں اور ہر نبی پر اس دور کے 'ارباب استکبار' نے یہی طنز کی تھی کہ تو تو ہمارے جیسا ہے... حضورﷺ کی ذاتِ اقدس میں عبدیت کا جمال، منتہاے کمال پر تھا اور جب بھی کسی خاکی انسان نے اس جمال کے انوار سمیٹنے اور بیان کرنے کی سعی کی تو اسے اپنی تمام فکری اور شعری

صلاحیتوں کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑا کہ:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم		کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

کیوں کہ حضورﷺ کے مقام کی یہی وہ شان ہے جہاں ہم اپنی جملہ رسائیوں کے باوجود نارسا ہیں۔ کیوں کہ عبدیت کا نقطہ کمال اور عبودیت کا مقام آغاز دونوں اس قدر قریب قریب ہیں کہ ہر دو کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ نعت نگاری کی شان یہی ہے کہ حضورﷺ کو خدا کے بعد سبھی کچھ کہا جائے مگر خدا نہ کہا جائے۔ حضرت احمد رضا خاںؒ کی نعت گوئی کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انھوں نے حتی الامکان سعی کی ہے کہ عبودیت اور عبدیت میں فرق رہے کیوں کہ توحید وہ نازک مقام ہے کہ وہاں کسی نوع کی کوئی سی شراکت بھی گوارا نہیں کہ اسی بارگاہ میں سرخم ہوتے ہیں وہی ہاتھ اُٹھتے ہیں اور وہیں سے جذب وکیف کو بال و پر عطا ہوتے ہیں۔ احمد رضا خاںؒ اسی بارگاہ میں یوں سراپا دعا ہیں:

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسولﷺ دکھا، تجھے اپنے ہی عزوعلا کی قسم

وہ مدینہ جاتے ہیں تو شوق کو ایسا سجدہ گزارنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس سجدے کی خبر سر کو بھی نہ ہونے پائے۔ وہ لحد کی تاریکیوں میں حبِ نبیﷺ کے چراغ لے کر اترنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک روضۂ شہ والاﷺ کعبے کا کعبہ اس لیے ہے کہ بقول اقبال:

تو برنخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی		تو برشمع یتیمے صورت پرانہ می آئی

ان کے نزدیک حضورﷺ باغِ خلیل کا گلِ زیبا بھی ہیں اور جانِ تمنا بھی۔ گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا بھی اور درمانِ دردِ بلبلِ شیدا بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورﷺ کے کمالِ حسن میں گمانِ نقص نہیں ہے۔ یہی وہ پھول ہے جو بے خار ہے اور یہی وہ شمع ہے جو بے دود ہے۔ وہ دلِ حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ آنسو بن کر چمکے اور خاک مدینہ میں گھل مل جائے۔ اور ان کا یہ شعر تو حاصلِ نعت گوئی معلوم ہوتا ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا		خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

آپ کے معروف طویل سلام 'مصطفیٰﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کا ہر شعر مقامِ رسالتﷺ کے کسی نہ کسی رخ کی دل آویزی کا اظہار کررہا ہے۔ یہ سلام خود بولتا ہے کہ احمد رضا خاںؒ نعت گوئی کی اس اوگھٹ گھاٹی سے کس کام یابی کے ساتھ گزرے ہیں کہ نہ جبینِ شعر پر کوئی

شکن آئی ہے اور نہ مدحتِ سرکارﷺ کے شفاف آئینے پر ہی کوئی بال آیا ہے۔ نعت گوئی کی انھی نزاکتوں اور شاعر کی انھی نارسائیوں کے بارے میں حضرت رضاؒ کہتے ہیں:

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں ہے

حضورﷺ کی بارگاہِ ناز میں درود و سلام نذر کرنا، ہم مسلمانوں کے لیے حکمِ خداوندی کے تحت فرض ہے۔ یہ ہماری نماز کا ایک کیف آفرین جز ہے کہ اس حوالے کے بغیر دعا شرفِ قبول کو نہیں پہنچتی اور دعا عبادت کا جوہر ہے۔ منعم حقیقی کی جانب سے گنبدِ خضریٰ پر ہر لحظہ اکرام و انوار برستے رہتے ہیں۔ ملائکہ رحمتوں کے نورانی طبق لے کر پیہم اترتے رہتے ہیں اور ہم اپنی نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی سے ملتمس رہتے ہیں کہ وہی اپنے حبیب کو زیادہ سے زیادہ نوازے تاکہ وہ نوازش ہائے مسلسل، ہم عالمین پر بقدر ظرف و طلب بنتی رہے۔ درود و سلام ہی وہ کسوٹی ہے جس پر مدعی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ یہی وہ ترازو ہے جس سے محبت کی کیفیت اور کمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف نے ۱۷۰ اشعار پر مشتمل جو سلام تحریر کیا ہے اس کا قبولِ عام اس اسلام کے بقائے دوام کی دلیل بھی ہے اور خود ان کے خلوصِ خاطر کا آئینہ بھی۔ دل کی گہرائیوں سے اُبھرنے والا ہر بول، ہر سامع اور ہر قاری کے دل کی دھڑکن بن جایا کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن، روح کی لرزش اور آنکھ کا آنسو صداقتوں کا امین ہوا کرتا ہے۔ اس سلام کا ہر دل کی دھڑکن بن جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ اسے گنبدِ خضریٰ سے بھی پذیرائی کا شرف مل چکا ہے۔ یہ سلام جہاں شاعر کی وارفتگیِ شوق کا ایک مترنم اظہار ہے وہاں سیرت و اخلاقِ نبوت کی ضیاباریوں کا ایک تاریخی مرقع بھی ہے۔ ہر شعر ایک نئی تاریخی صداقت لے کر ابھرتا اور نشاطِ روح بن کر جلوے بکھیرتا اور جنت نگاہ ہو کر ظلمتوں کو اُجالتا چلا جاتا ہے۔ مولانا کے تتبع میں بہت سے ممتاز شعرا نے سلام لکھے ہیں اور نعت میں سلام و درود کا یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتا جارہا ہے بعض سلام سادہ مترنم اور عام فہم بھی ہیں اور عوام الناس کی زبانوں پر رواں بھی ہیں مگر مولانا کا یہ سلام قدیم ہونے کے باوجود اس جدید دور میں بھی اپنی قبولیت کے اعتبار سے روز بروز نکھرتا ہی جارہا ہے۔ فنی اور شعری اعتبار سے بھی یہ کاوش اس قدر رفیع و حسین ہے کہ ناقد اپنے منصبِ نقد و نظر کو بھول کر اس کے گداز و ترنم کے حضور میں دوزانو ہوجانے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جناب نظیر لدھیانوی کے الفاظ میں:

اگر مولانا قصیدہ شادیِ اسریٰ اور اس سلام کے سوا نعت میں اور کچھ نہ کہتے تب بھی نعتیہ ادب میں ان کا پلہ بھاری رہتا۔

یہ شعری کاوش جہاں جمال نبوت کا ایک کیف آور بیان ہے، وہاں سخن آفرینی کے کمال کا ایک دل آویز اظہار بھی ہے۔ اس میں زورِ بیان کے ساتھ ساتھ بے پناہ روانی ہے۔ بقول ایک نقاد:

> یہ سلام پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ شعر و حکمت کا بحرِ بے کراں پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے جس میں معارفِ قرآن و حدیث، اسرارِ عشق و رموز معرفت اور زبان و بیان کے لاتعداد گہرہائے گراں مایہ بہے چلے آرہے ہیں۔

یاد رہے کہ جناب رضاؒ کی شاعرانہ صلاحیتیں کلیتاً خداداد تھیں۔ اس میدان میں انھوں نے کسی کے حضور میں زانوے تلمذ بھی تہ نہیں کیا بلکہ حضورﷺ ہی کے فیض سے ان کے فکر کو برنائی اور ان کے قلم کو رعنائی ملی۔ البتہ وہ شہید جنگِ آزادی حضرت مولانا کفایت علی کافیؒ کے رنگِ نعت گوئی سے متاثر ضرور تھے۔ حضرت کافیؒ فرماتے ہیں:

قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آجاتی چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
کافیِ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے لبِ اعجاز اگر آپ بلاتے جاتے

کچھ اسی نوع کا جذبِ دروں اور اسی انداز کا سوزِ نوا حضرت رضاؒ کے ہاں بھی جابجا ملتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حضورﷺ کا اتباع ہی اللہ تعالیٰ کا اتباع ہے۔ آپﷺ کی محبت ہی میں حب الٰہی کا راز مضمر ہے۔ ایمان کا معیار حبِ رسولﷺ ہے۔ جب ہر دنیاوی محبت حضورﷺ کی محبت کے سامنے بے وقر ہو کر رہ جائے تو مسلمان ایمان کی تکمیل کو چھونے لگ جاتا ہے حضرت فاضل بریلی کو حضورﷺ سے جنوں کی حد تک محبت تھی۔ اس کا اعتراف ہر زبان اور ہر قلم کو ہے۔ محبت کی یہی وارفتگی جب شعر کے سانچے میں ڈھلی تو نعت بن گئی۔ اسی از خود رفتگی نے انھیں اس قدر محتاط بنا دیا تھا کہ وہ کوئی ایسا خفیف سا کلمہ سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوتے تھے جس سے محبت کے آب گینے پر زد پڑتی ہو۔ یہ عطائے خاص ہے کہ انھیں علمِ دین ملا اور اس علم کا مرکز دل کی دھڑکنیں رہیں، ذہن کی موشگافیاں نہیں۔ دل کے راستے علم کی دولت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت رضاؒ کا دور زبان کی صحت مندانہ شگفتگی اور بیان کی غزل آمیز اثر آفرینی کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی دور تھا جو بہر رنگ معاصرین کے لیے ایک ادبی چیلنج اور بعد والوں کے لیے قابلِ استفادہ ٹھہرتا ہے۔ مگر یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حالی، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی

ایسے کاملینِ فن، جب غزل سے ہٹ کر اور مجاز سے کٹ کر نعت کے میدان میں وارد ہوتے ہیں تو ان کے لیے وہاں اپنے خاص معیارِ تغزل کو قائم رکھنا مشکل نظر آتا ہے کیوں کہ نعت میں ہر مقام مقامِ احتیاط ہے۔ یہاں نہ اشہبِ قلم بگٹٹ دوڑ سکتا ہے اور نہ سمندِ شوق بے باک و بے پروا ہوسکتا ہے۔ ایسے نازک مقام پہ کہ جہاں سانس بھی ہولے سے لینا پڑے اور جہاں سکوت ہی تکلمِ بلیغ کی حیثیت رکھتا ہو۔ وہاں زبان کی نفاستوں، شعر کی لطافتوں، فکر کی نظافتوں اور اسلوب کی وادا کی صداقتوں کو نبھانا کسی کسی کا کام ہے۔ یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔ اور اس اعتبار سے حضرت رضا فی الواقع خوش نصیب ہیں۔ سچا شاعر تلمیذِ فطرت ہوتا ہے۔ خیال کے مطابق لفظ بھی اسے عطا ہوتا ہے۔ حضرت رضا کا نعتیہ کلام اپنے اندر فکری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ادا کی سادگی بھی لیے ہوئے ہے۔ بدیع و بیان دونوں خیال کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں نبوت کے جمال کا ذکر ہے وہاں الفاظ بھی دل کش اور دل آرا ہیں۔ جہاں سیرت کے کمال کا بیان ہے وہاں اظہار و بیان کی بلاغتیں بھی منتہاے کمال پر نظر آتی ہے۔ جہاں خصائصِ نبوت کا ذکر ہے وہاں لب و لہجے کی ادائیں بھی تخصیص کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ گویا ان کے نعتیہ کلام سے ایک سخن شناس کے ذوق کو بھی آسودگی ملتی ہے۔ ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا احساس بھی نصیب ہوتا ہے اور ایک دلِ درد آشنا کو سوز کی وہ لذت اور نشاط و کیف کے وہ لمحے بھی میسر آتے ہیں جنھیں کوئی سا قلم بھی بیان نہیں کرسکتا۔ یہی وہ لحاتی کیف ہے جس کے طفیل روز و شب اس کہکشاں میں گزرتے ہیں جس کی تمنا میں عمریں تمام ہوجاتی ہیں۔ بقول شاعر:

بس اک نگاہِ تبسم نواز مل جائے　　　　تمام عمر میں ڈھلتا رہا ہوں آہوں میں

حضرت کی جدت آفرین علمیت اور فنی نزاکتوں پر ماہرانہ دسترس کا اندازہ مطلوب ہو تو ان کی وہ معروف نعت دیکھیے جس میں عربی کی بلاغت بھی ہے فارسی کی حلاوت بھی، ہندی کا گداز بھی اور اردو کی لطافت بھی۔ چار مختلف زبانوں کے اس امتزاج کے باوجود نہ کہیں بیان کا لطف مجروح ہوا ہے نہ کہیں ادا کے حسن میں فرق پڑا ہے کہیں کہیں مشکل پسندی کا احساس ہوتا ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی بات شگفتہ اور رواں دواں ہے...الغرض ادائے خیال کے جتنے بھی پیرائے ہیں۔ شکوہِ الفاظ کے جتنے بھی انداز ہیں، بیان و بدیع کی جتنی بھی رعنائیاں ہیں، خیال و فکر کے جتنے بھی زاویے ہیں، فصاحت و بلاغت کی جتنی بھی کیف آفرینیاں ہیں اور نعت سرائی میں احترام و احتیاط کے جتنے بھی تقاضے ہیں ان کا بیش تر حصہ 'حدایقِ بخشش' میں اپنی تمام تر نور سامانیوں کے ساتھ

جلوہ گر ہے۔ اگر ان تمام نور پاروں کو یک جا کر دیا جائے تو شاعرانہ علائم و رموز کا ایک خوب صورت مجموعہ وجود میں آ سکتا ہے۔

قدیم و جدید نعت گوئی میں امتیازی فرق یہ ہے کہ پہلے شاعر نعت میں زیادہ زور سراپائے رسالت مآب ﷺ کے کمالِ جمال پر دیتے تھے۔ وہ حسنِ ذات میں اس قدر از خود رفتہ ہوتے تھے کہ جب یہ جمالِ جہاں تاب اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نعت کے رنگ میں ان کے قلم کی نوک پر ضوفشاں ہوتا تھا تو ان الفاظ کا طواف خود جلوے کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاعری کا رخ بدلتا گیا غمِ روزگار زیادہ دل فریب ہوگیا۔ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی اس آویزش کا اثر نعت پر بھی پڑا، نتیجہ معلوم کہ نعت میں حسنِ صورت کا بیان کم اور جمالِ سیرت کا ذکر زیادہ ہوتا چلا گیا۔ زمانے کی تلخیوں، غم کی شدتوں اور جنوں کی آبلہ پائیوں کو گنبدِ خضریٰ ہی کے خشک سائے میں آسودگی، راحت اور سکون نصیب ہوا، طائف کے اس عظیم و جلیل مسافر نے ہمارے لیے ستم سہنے کے سبھی مرحلے آسان کر دیے، حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے لو لگا کر تخت و تاج کی رعونتوں کو نیزوں پر اچھالتے اور وقت کے فرعونوں کو حقارت کی ٹھوکروں سے اڑاتے رہے۔ آپ ﷺ ہی نے زمین کے ذروں کو اڑنا سکھایا اور آپ ﷺ ہی نے آسمان کی رفعتوں کو انسان کے پاؤں تلے بچھا دیا... اسی تناظر میں اگر حضرت رضاؒ کی نعت کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام کی صداقتیں اس آہنگ سے رقصاں و درخشاں ہیں کہ جہاں انوار کی یہ لپک، نگاہوں سے لپٹتی ہے، وہاں نعت گو کی علمی وجاہتوں کے حضور میں دل جھک جھک جاتا ہے، آپ کے ہاں جمالِ ظاہری کے تذکرے بھی ہیں اور کمالِ معنوی کا دل نشین بیان بھی، آپ نے جہاں روایت کو سنبھالا دیا وہاں جدید دور کے لیے ایسی اساس بھی فراہم کی جس پر آج کا شاعر ناز کرتا اور خود کو منفرد گردانتا ہے، گویا وہ ان اوّلین شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے اردو نعت کو ایک مستقل فن اور صنف کی حیثیت دی۔ نعت سرائی کے قدیم انداز اور جدید رخ کا ایک ایسا خوب صورت امتزاج کسی اور نعت گو کے ہاں مشکل ہی سے ملے گا۔ افسوس کہ ان کے کلام کو جانب دارانہ تعصب سے دیکھا گیا۔ نتیجہ معلوم کہ محاسن کو نظر انداز کیا گیا اور لغزشوں کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی اور آج بقول ڈاکٹر محمد مسعود:

> حضرت رضاؒ بریلوی نعت گو شعرا کے امام اور مملکتِ نعت گوئی کے سلطان ہیں، اس حقیقت کو اگرچہ ماضی میں تسلیم نہیں کیا گیا مگر اب اہلِ نظر فراخ

حوصلگی سے تسلیم کررہے ہیں اور اس امر پر اظہارِ افسوس کررہے ہیں کہ جو
اب جانا پہچانا گیا ہے پہلے کیوں نہ جانا پہچانا گیا۔

آپ نے نعت کو ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت دی، نعت کے لیے غزل کی ہیئت کو اختیار کیا، یوں انھوں نے جدید دور کے شعرا کو نعت گوئی کے لیے ایک ترقی پذیر اور تاثر آفرین سانچا فراہم کیا، دورِ حاضر کے سب سے بڑے مفکر شاعر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے انحطاط کی بنیادی وجہ حضورﷺ سے قلبی تعلق میں کمی یا فقدان کو قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمان اس لیے زار و نزار اور ذلیل و خوار ہیں کہ وہ دل تو رکھتے ہیں مگر محبوب نہیں رکھتے اور محبوب کے تصور کے بغیر دل محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور اس دل سے نکلنے والی آواز اور اس قلم سے اُبھرنے والا شعر، محض بے کیف لفظوں کا مجموعہ تو ہوسکتا ہے اس میں نشتریت پیدا نہیں ہوسکتی۔ عقل سے لے کر حکمت تک، علم سے لے کر نظر تک اور خودی سے لے کر بے خودی تک جتنی منزلیں ہیں ان تک پہنچنے کے لیے اقبال کے نزدیک اسوۂ حسنہ ہی واحد راستہ ہے یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر انسانی زندگی پر مہر و ماہ رشک کرتے ہیں اور اس نسبت سے ہٹ کر زندگی بے آبروئی اور رسوائی کو اپنا مقدر بنالیتی ہے۔ گو اقبال نے صرف نعت گوئی کو اپنا مقصود نہیں بنایا، مگر جب بھی وہ حضورﷺ کا حوالہ دیتے ہیں (اور یہ حوالے جابجا ہیں کہ ان حوالوں کے بغیر ان کی شاعری بے نور ہے) تو اس اسم گرامی کے آتے ہی اقبال کا قلم انوار بکھیرنے لگ جاتا ہے... حضرت بریلوی کی شعری کاوشوں کا تاثر، جمال اور دل آویزی بھی حبِ رسولﷺ ہی کی دین ہے کہ خیال میں رعنائی ہے تو اسی نام سے، دل میں نور ہے تو اسی تصور سے، اور قلم میں بینائی ہے تو اسی ذکر سے۔ حضرت بریلی کا سرمایہ نعت قدیم رنگ کا حامل ہے جب کہ اقبال کے پیشِ نظر جدید دور اور اُمتِ مسلمہ کے سیاسی اور عمرانی مسائل تھے۔ اس لیے انھوں نے تفہیم و ابلاغ کے لیے بھی اظہار میں جدت پیدا کی کہ اظہار و بیان کا انداز وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوا کرتا ہے بہرکیف دونوں کے پیشِ نظر حبِ رسولﷺ کے جذبے کو برقرار محکم اور استوار کرنا ہے جس کے بغیر ہماری حیات، ممات، برزخ اور آخرت چاروں بے کیف و بے رنگ ہیں۔ فاضل بریلی نے اگر کہا:

لحد میں عشقِ رخ شہ کا داغ لے کے چلے　　　اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تو اقبال نے کہا:

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے　　　اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا — ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور دل زندہ ہوتا ہی حضورﷺ کی محبت سے ہے۔

دونوں کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ جن سے فکری ہم آہنگی جھلکتی ہے، موضوع اور مقصد کے اعتبار سے انداز اپنا اپنا ہے مگر کہیں کہیں اقبال کے انداز پر بھی اخذو استفادے کا گمان گزرتا ہے۔

چودھری افضل حق مرحوم کا یہ جملہ کہ 'اعترافِ عظمت کے لیے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے' میرے نزدیک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اختلاف کی بنیاد اگر خلوص پر ہو تو اس کا نتیجہ مخاصمت کی شکل میں نہیں بلکہ رحمت کی شکل میں نکلتا ہے۔ اگر نیت اور ذہنیت ہی راست نہ ہو تو پھولوں پر بھی کانٹوں کا گمان ہوتا ہے، کتنے ہی دانش ور ہیں جنھوں نے حضرت بریلی کی شعری عظمتوں اور فکری صداقتوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ نظریاتی بُعد کے باوجود کسی کی شخصی وجاہت اور فکری ثقاہت کو تسلیم کرنا خود شرفِ انسانی کی ایک روشن دلیل ہے۔ چند آرا دیکھیے:

> ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضاؒ خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی ذہانت فطانت، جودتِ طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہدِ عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ اس لیے انھیں اپنے شرعی فیصلوں میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضاؒ خاں اپنے دور کے امامِ ابوحنیفہ تھے۔ (علامہ اقبال)

> احمد رضاؒ خاں کی شخصیت ان کی شاعری اور شاعری ان کی شخصیت ہے شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے ہاں ملے گی۔ (ڈاکٹر سلام سندیلوی)

> میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگیِ رسول عربیﷺ کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔　　　(نیاز فتح پوری)

مولانا دینی علوم کے جامع تھے، دینی علم وفضل کے ساتھ ساتھ شیوا بیان شاعر بھی تھے۔ ان کو یہ ساعت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول ﷺ کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ ان کے بھائی مولانا حسن رضا خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔

مولانا احمد رضاؒ خاں کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔　　　(ماہر القادری)

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔ (سیّد علی عباس جلال پوری)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔　　　(مولانا کوثر نیازی)

وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لیے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف کم توجہ دی گئی حالاں کہ ان کا کلام اس پائے کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دینی چاہیے۔ (افتخار اعظمی)

مولانا نے چھوٹی بحروں میں لکھ کر جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں وہ انھی کا حصہ ہے۔ مولانا نے نعت گوئی میں ایک نئے مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی جس کی چھاپ آج بیش تر مشاہیر کے کلام میں نظر آتی ہے۔ (عابد نظامی)

دیوان رضا عرفان وجدان کا قاموس ہے۔　　　(شمیم اشرف)

مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انھیں نہیں آتا۔ وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے شعر و ادب میں ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب المثل اور بیان و بدیع کے تمام الفاظ

ان کی جملہ تصانیف سے یک جا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہوسکتا ہے۔ (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ)

انھوں نے سادہ مگر پرکار الفاظ میں اپنے خیالات کو ڈھالا ہے کہ وجدان عش عش کرنے لگتا ہے۔ (طاہر تونسوی)

ان کے کلام سے ان کے کامل صاحبِ فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔
(کالی داس گپتا)

وہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بلند ان کا درجہ ہے اور وہ ہے عشقِ رسول ﷺ کا۔ (ڈاکٹر سیّد عبداللہ)

آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری، سپردگی اور سوزوگداز کی کیفیت ملتی ہے وہ اردو کے نعت گوشعرا میں اپنی مثال آپ ہے۔
(خلیل الرحمٰن اعظمی)

ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔
(سیّد عابد علی عابد)

حضرت فاضل بریلوی کی حبِ رسول ﷺ ہی تھی جس نے نعتوں کا پیکر اختیار کیا نعت کہتے وقت وہ کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لیے نعت عموماً طویل ہوجاتی تھی لہٰذا تمام اشعار مضامین اور زبان کے لحاظ سے یکساں وزنی نہیں ہوتے تھے، بعض اشعار تو ایسے انوکھے ہوتے تھے کہ ان کا جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ (سیّد محمد جعفر شاہ پھلواری)

انھوں نے کبھی اپنی استادی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو قدرو قبولیت ان کے کلام کو حاصل رہی اسے وہ ہاتفِ غیبی کا فیض بتاتے ہیں جو ان کے عشقِ رسول ﷺ کا نتیجہ ہے۔ (جلیل قدوائی)

کلام رضا میں حسن صورت بھی ہے حسن معنی بھی اور حسن تاثیر بھی۔ ان تینوں کا یک جا ہوجانا شاعر کے جمال قلب ونظر کا اعجاز ہے۔
(ڈاکٹر محمد مسعود)

ان کے نغموں سے عشق و مستی کا جہان آباد ہے۔ دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے۔ اور محبت نغمہ خواں بن کر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے۔　　　　(حافظ مظہر الدین)

آپ کا عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا ہوا پُرخلوص اور بے نظیر کلامِ بلاغت نظامِ حقائق و معارف کا حسین مرقع، جدت تمثیل، ندرت تخیل اور شاعرانہ قدرت و مہارت کے علاوہ، آیات و احادیث مقدسہ، نرم و نازک تشبیہات و پاکیزہ استعارات سے بھرپور ہے۔　　　　(قمر یزدانی)

انتخابِ کلامِ رضا

میں نے اس مقالے میں حضرت رضا کے کلام کے جابجا حوالوں سے عمداً گریز کیا کیوں کہ میں آخر میں ان کے کلام کا ایک انتخاب دینا چاہتا تھا... انتخاب ہر قاری کے اپنے ادبی ذوق کے مطابق ہوتا ہے اور نہیں چاہیے کہ کوئی شخص اپنا انتخاب کسی دوسرے پر ٹھونسے، اور چاہیے کہ ہر طالب اور شائق خود کسی شاعر کے کلام کو دیکھے، پرکھے اور اس سے لطف لے۔ حضرت رضا کی اردو نعت کا یہ مختصر سا انتخاب وقت کی اس ضرورت کے تحت کیا گیا ہے کہ دورِ حاضر کے قاری کے پاس وقت کی بھی کمی اور علم کی بھی۔ فارسی اور عربی کی بلاغتوں کا وہ ادا شناس کیسے ہوسکتا ہے جب کہ مضمون وادا کے اعتبار سے اردو کے بعض بلیغ اور عمیق اشعار اس کی فہم وفراست کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس کا مطالعہ بھی محدود ہے اور علم بھی مسدود... دل کی دھڑکنوں، شوق کی وسعتوں، روح کی لرزشوں اور نظر کی تمناؤں کا اندازہ تو اس علیم وخبیر ذات ہی کو ہے۔ بہرکیف یہ انتخاب ایسے ہی 'پڑھے لکھے ان پڑھوں' (راقم بھی اسی قبیلے کا ایک فرد ہے) کے لیے ہے۔ تاکہ کم سے کم وقت میں حضرت رضاؒ کی نعتیہ عظمتوں کا زیادہ سے زیادہ اندازہ ہوسکے... اور کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ ایسے علمی طور پر بے مایہ انسان نعتِ رضا کی عالمانہ بصیرتوں اور اظہار و بیان کی مشکل پسند پیچیدگیوں میں الجھ کر، اپنے علمی افلاس کا ماتم کرنے کے بجائے، نعت کے اس دل آویز مرقع کے مطالعہ ہی سے دست کش ہوجائیں... اس انتخاب میں علمائے کرام کی ضیافتِ ذوق کا اتنا سامان نہیں جتنا عوام کی علمی پسماندگی کے تقاضوں کو دخل ہے۔ اس سلسلے میں میری اپنی نارسائیاں حضرت رضا کے گلہائے نعت کی فراوانیوں سے بہرکیف معذرت طلب ہیں۔

'میں' ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے دریا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرا تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

ایک میں کیا! مرے عصیاں کی حقیقت کتنی!
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

خوار و بیمار، خطاوار، گنہ گار ہوں میں
رافع ونافع وشافع لقب آقا تیرا

تیرے صدقے! مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مستِ بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

قبر انور کہیے یا قصرِ معلّٰی نور کا
چرخ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا

ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

اے رضا یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

مہر ہے مشعلہ افروز شبستان کس کا
ماہ ہے پر توہ شمسۂ ایواں کس کا

سنبل آشفتہ ہے کس گل کے غمِ گیسو میں
دیدۂ نرگسِ بیمار ہے حیراں کس کا

کیوں کہ گلشن، مری خوشبوے دہن سے مہکے
باغِ عالم میں مَیں بلبل ہوں ثنا خواں کس کا

ہر سحر عرش سے ہے مرقدِ شہ کا یہ خطاب
کیا خبر تجھ کو نہیں، میں ہوں شبستان کس کا

آفتِ جانِ عنا دل ہے ترا حسن اے گل
رنگ اڑایا ہے یہ اے جانِ گلستاں کس کا

یا نبی جس کی اماں چاہے رضائے خستہ
تیرے دامن کے سوا اور ہے داماں کس کا

گلے سے باہر آ سکتا نہیں شورِ فغاں دل کا
الٰہی چاک ہوجائے گریباں ان کے بسمل کا

شبِ اسریٰ قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیرِ منازل کا

حجابِ نور تک پہنچا کے آنکھیں ہوگئیں خیرہ
فغاں کرتا ہوا لوٹ آیا قاصد نالۂ دل کا

کسے کہتے ہیں خور، یہ تابشیں یہ گرمیاں کیسی
جھلکتا ہے شرارہ آسماں پر سوزشِ دل کا

یہ کس کے رعبِ آمد نے کیا عالم تہ و بالا
کہ شیرازہ پریشاں ہوگیا ہر نظمِ باطل کا

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

کسی وحشی کی خاک اُڑ کر چمن میں آگئی شاید　　بگولوں سے ہے اٹھتا شورِ مستانہ سلاسل کا
رضائے خستہ کیا کہنا عجب جادو بیانی ہے　　نمک ہر نغمۂ شیریں میں ہے شورِ عنادل کا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ والا　　اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے　　سن! ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین　　معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

غم ہوگئے بے شمار آقا　　بندہ تیرے نثار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ　　بھاری ہے ترا وقار آقا
تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے　　میں وہ کہ بدی کو عار آقا
پھر منھ نہ پڑے کبھی خزاں کا　　دے دے ایسی بہار آقا

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزت کا　　نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں　　بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا
زبانِ خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے　　تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر افگار فرقت کا
رضائے خستہ! جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا　　کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا　　حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا　　کنارِ خاکِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا
کنارِ خاکِ مدینہ میں راحتیں ملتیں　　دلِ حزیں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو　　سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی　　کہ صبحِ گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز　　کہ تجھ سا عرش نشیں آرمیدہ ہونا تھا

جب بامِ تجلی پر وہ نیّرِ جاں آیا　　سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ، پامالِ فنا ہوں گے　　دیکھو گے چمن والو! جب عہدِ خزاں آیا
کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے　　سکتے میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا
جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی　　لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

جب کہ پیدا شہِ انس وجاں ہوگیا　　دور کعبہ سے لوثِ بتاں ہوگیا
تھا براقِ نبی یا کہ نورِ نظر　　یہ گیا، وہ گیا، وہ نہاں ہوگیا

یا نبی لو خبر آتشِ غم سے میں — تفتہ جاں، تفتہ جاں، تفتہ جاں ہوگیا
گزرے جس کوچے سے شاہِ گردوں جناب — آسماں، آسماں، آسماں ہوگیا
کس کے روئے منور کی یاد آگئی — دل تپاں، دل تپاں، دل تپاں ہوگیا
طوطیِ سدرہِ وصفِ رخ پاک میں — گل فشاں، گل فشاں، گل فشاں ہوگیا
طوطیِ اصفہاں! سن کلامِ رضا — بے زباں، بے زباں، بے زباں ہوگیا

بڑھ گئی تیری ضیا، اندھیر عالم سے چھٹا — کھل گیا گیسو ترا، رحمت کا بادل گھر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہربت تھرتھرا کر گر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے! کیسی کنکریاں تھیں وہ — جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا
کیوں جنابِ بوہریرہؓ! تھا وہ کیسا جامِ شیر — جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا
ٹھوکریں کھاتے پھروگے، ان کے در پر پڑ رہو — قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا — سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام — للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
جان ودل، ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے — تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

قاب مرآتِ سحر گرد بیابانِ عرب — غازۂ روے قمر دودِ چراغانِ عرب
اللہ اللہ بہارِ چمنستانِ عرب — پاک ہیں لوثِ خزاں سے گل و ریحانِ عرب
عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا — طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب
کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوے قمیص — یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب
پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب — خسروِخیل ملک، خادمِ سلطانِ عرب
حور سے کیا کہیں اور موسیٰ سے کیا عرض کریں — کہ ہے خود حسنِ ازل طالب جانانِ عرب
پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب — پھر کھنچا دامن دل سوے بیابانِ عرب
صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار — کہ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب

زہے عزت و اعتلائے محمد — کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد
مکاں عرش ان کا، فلک فرش ان کا — ملک خادمانِ سرائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد
عجب کیا اگر رحم فرمائے ہم پر — خدائے محمد برائے محمد

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

دم نزع جاری ہو میری زباں پر — محمد محمد خدائے محمد
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے — جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمد

گزرے جس راہ سے بھی سیّدِ والا ہوکر — رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہوکر
رخِ انور کی تجلّی جو قمر نے دیکھی — رہ گیا بوسہ دہ نقشِ کفِ پا ہوکر
چمنِ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ — برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہوکر
ہے یہ اُمید رضا کو تری رحمت سے شہا — نہ ہو زندانی دوزخ ترا بندہ ہوکر

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل — پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
جنت ہے ان کے جلوے سے جویاے رنگ و بو — اے گل ہمارے گل سے ہے گل، ہو سوالِ گل
غمگیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں — شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل
نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب — شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجد و حالِ گل
چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی میں خلد — نکلی ہے نامۂ دل پُرخوں میں فالِ گل

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول — لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا — اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
کیا غازہ ملا گردِ مدینہ کا جو ہے آج — نکھرے ہوئے جوبن میں، قیامت کی پھبن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا — تم چاہو تو ہوجائے ابھی کوہِ محن پھول
کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی — زہراؓ ہے کلی جس میں حسینؓ اور حسنؓ پھول

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رخِ آفتاب ہوں — ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پُرآب ہوں — دل ہوں تو برق کا دلِ پُر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں، شہا — رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں، بحرِ کرم! مدد — پروردۂ کنارِ سراب وحباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت — گویا لبِ خموش لحد کا جواب ہوں
دل بستہ، بے قرار، جگر چاک، اشک بار — غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر — دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا — پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں
حسرت میں خاک بوسیِ طیبہ کی اے رضاؔ — ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

وہ سُوے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں — مانگتے تاج دار پھرتے ہیں
ہر چراغِ مزار پر قدسی — کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
ان کے ایما سے دونوں باگوں پر — خیل لیل و نہار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر — لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں
جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں — جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں
ان کے نثار! کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا — رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا — دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم — جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں — سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
ابرِ نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر — جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود — وقفِ سنگِ درجبیں، روضے کی جالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا — لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں
راہِ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں — مصطفیٰ ہے مسندِ ارشاد پر کچھ غم نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش — کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
ایسا امی کس لیے منت کشِ استاذ ہو — کیا کفایت اس کو 'اقرا ربک الاکرم' نہیں
ہے انھی کے دم قدم سے باغِ عالم میں بہار — وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں
سایۂ دیوار خاکِ در ہو اور یا رب، رضا — خواہشِ دیہیم قیصر شوقِ تختِ جم نہیں

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہیں وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
وہ جو لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِعرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا کہ جس کا مکاں نہیں
کروں مدح اہلِ دُول رضاؔ، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

وصفِ رخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرحِ والشّمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں
تو ہے خورشیدِ رسالت پیارے چُھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں
اپنے مولیٰ کی ہے بس شان عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں
رفعتِ ذکر ہے تیرا حصہ، دونوں عالم میں ہے تیرا چرچا
مرغِ فردوس پس از حمد خدا تیری ہی مدح وثنا کرتے ہیں
جس کے جلوے سے احد ہے تاباں معدنِ نور ہے اس کا داماں
ہم بھی اس چاند پہ ہو کر قرباں دلِ سنگیں کی جلا کرتے ہیں
لب پر آجاتا ہے جب نامِ جناب منھ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جاں بے تاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو　حور بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں　سایہ افگن ہوں ترے پیار کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہوجائے　چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمھارے گیسو
دیکھو قرآں میں شبِ قدر سے تامطلعِ فجر　یعنی نزدیک ہیں عارض کے، وہ پیارے گیسو
بھینی خوش بو سے مہک جاتی ہیں کلیاں واللہ　کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمھارے گیسو
تارِ شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ　حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ　صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

یاد میں جس کی، نہیں ہوشِ تن و جاں ہم کو — پھر دکھا دے وہ رخ اے مہرِ فروزاں ہم کو
دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں — کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی — پھر دکھا دے وہ ادائے گُلِ خنداں ہم کو
کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل — جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو
عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا — دو قدم چل کے دکھا سرو خراماں ہم کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار — نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
نیّرِ حشر نے اک اُگ لگا رکھی ہے — تیز ہے دھوپ، ملے سایۂ داماں ہم کو
پردہ اس چہرۂ انور سے اُٹھا کر اک بار — اپنا آئینہ بنا اے مہِ تاباں ہم کو
اے رضاؔ وصفِ رخِ پاک سنانے کے لیے — نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو

پُل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو — جبریل پَر بچھائیں تو پَر کو خبر نہ ہو
کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا — یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو
فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں — ممکن نہیں کہ خیر و بشر کو خبر نہ ہو
کہتی تھی یہ براق سے اس کی سبک روی — یوں جائیے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو
طیرِ حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بپا نہ ہوں — یوں دیکھیے کہ تارِ نظر کو خبر نہ ہو
اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے — یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں — اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

مصطفیٰ خیرالوریٰ ہو — سرورِ ہر دوسرا ہو
کس کے پھر ہو کر رہیں ہم — گر تمھی ہم کو نہ چاہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں — تم وہی بحرِ صفا ہو
ہم وہی شایان رد ہیں — تم وہی شانِ سخا ہو
ہم وہی بے شرم و بد ہیں — تم وہی کانِ حیا ہو
ہم وہی ننگِ جفا ہیں — تم وہی جانِ وفا ہو
ہم وہی قابلِ سزا ہیں — تم وہی رحمِ خدا ہو
چرخ بدلے، دہر بدلے — تم بدلنے سے ورا ہو
حق درودیں تم پہ بھیجے — تم مدام اس کو سرا ہو

وہ عطا دے تم عطا لو　　وہ یہی چاہے جو چاہو
بر تو او پاشد تو برما　　تا ابد یہ سلسلہ ہو
کیوں رضا مشکل سے ڈریے　　جب نبی مشکل کشا ہو
کوئی کیا جانے کہ کیا ہو　　عقل عالم سے ورا ہو
کنز مکتوم ازل میں　　دُرِ مکنونِ خدا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم　　اصل مقصودِ ہدیٰ ہو
سب بشارت کی اذاں تھے　　تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے　　تم مؤخر مبتدا ہو
قرب حق کی منزلیں تھے　　تم سفر کا منتہا ہو
سب تمھارے در کے رستے　　ایک تم راہ خدا ہو
وہ کلس روضے کا چمکا　　سر جھکاؤ کج کلا ہو
وہ درِ دولت پہ آئے　　جھولیاں پھیلاؤ شاہو!

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی　　سب سے بالا ووالا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں　　شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی
جن کے تلوؤں کا دھوون ہے آبِ حیات　　ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رسل　　اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم　　وہ ملیحِ دلارا ہمارا نبی
کیا خبر کتنے تارے کھلے، چھپ گئے　　پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
ملکِ کونین میں انبیا تاج دار　　تاج داروں کا آقا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے　　ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے　　بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے　　آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
کشتگانِ گرمیِ محشر کو وہ جان مسیح　　آپ دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو　　جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف　　خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

سوختہ جانوں پہ وہ پُرجوش رحمت آئے ہیں آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ صرصر جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پائے کوباں پل سے گزریں گے تری آواز پر ربِّ سلِّم کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر، مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر، ان کا سناتے جائیں گے

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت بدوں پر بھی برسادے برسانے والے
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے
جگمگا اُٹھی مری گور کی خاک تیرے قربان چمکنے والے
عرش تک پھیلی ہے تابِ عارض کیا جھلکتے ہیں جھلکنے والے
گلِ طیبہ کی ثنا گاتے ہیں نخل طوبیٰ پہ چہکنے والے
عاصیو تھام لو دامن ان کا وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے
زاہد! ان کا میں گنہ گار، وہ میرے شافع اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے! تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہے جو مجھے پرسشِ اعمال کے وقت دوستو، کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور ہاں، کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے اس سے پرسش ہے بتا! تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال میں پیش ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے یوں ملائک کو ہو ارشاد 'ٹھہرنا!' کیا ہے
کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے
اور وہ آیا مرا حامی، مراغم خوارِ امم آگئی جاں تنِ بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپالیں سرور		اور فرمائیں 'ہٹو، اس پہ تقاضا کیا ہے'
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اُٹھے شور کہ واہ		چشمِ بد دُور ہو، کیا شان ہے، رُتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے، اس سایۂ دامن پہ نثار		اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار		بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

مژدہ باد اے عاصیو، شافع شہِ ابرار ہے		تہنیت اے مجرمو، ذاتِ خدا غفار ہے
عرش سافرش زمیں ہے، فرش پا عرش بریں		کیا نرالی طرز کی نامِ خدا رفتار ہے
چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدہ کریں		بارک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے
تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر		ایک جانِ بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے
حیرتیں ہیں آئنہ دارِ وفورِ وصفِ گل		ان کے بلبل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے
گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں		کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اندھیری رات ہے غم کی، گھٹا عصیاں کی کالی ہے		دلِ بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
گنہ گاروں کو ہاتف سے نویدِ خوش مآلی ہے		مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد سا والی ہے
ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے		اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
تمھاری شرم سے شانِ جلالِ حق ٹپکتی ہے		خمِ گردن ہلالِ آسمانِ ذوالجلالی ہے
میں اک محتاجِ بے وقعت، گدا تیرے سگِ در کا		تری سرکار والا ہے، ترا دربار عالی ہے
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ جس کی بلبل ہیں		ترا سروِ سہی، اس گلبنِ خوبی کی ڈالی ہے

زمین و زماں تمھارے لیے، مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے، بنے دو جہاں تمھارے لیے
دہن میں زباں تمھارے لیے، بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے
تمھاری چمک، تمھاری دمک، تمھاری جھلک، تمھاری مہک
زمین و فلک، سماک و سمک میں سکہ نشاں تمھارے لیے
یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکمِ رواں تمھارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے، ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمھارے لیے

نبی سرورِ ہر رسول و ولی ہے — نبی راز دارِ مع اللہ لی ہے
ہے بے تاب جس کے لیے عرشِ اعظم — وہ اس رہروِ لامکاں کی گلی ہے
نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری — فدا ہو کے تجھ پر، یہ عزت ملی ہے
تلاطم ہے، کشتی پہ طوفان غم کا — یہ کیسی ہوائے مخالف چلی ہے
نہ کیوں کر کہوں یا حبیبی اغثنی — اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے
صبا ہے مجھے صرصرِ دشتِ طیبہ — اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے
جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو — نہ کچھ قصد کیجے یہ قصدِ دلی ہے
ترے در کا درباں ہے جبریلِ اعظم — ترا مدح خواں ہر نبی و ولی ہے

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

نصیبِ دوستاں گر ان کے در پر موت آنی ہے — خدا یوں ہی کرے، پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے
اسی در پر تڑپتے ہیں، مچلتے ہیں، بلکتے ہیں — اُٹھا جاتا نہیں، کیا خوب اپنی ناتوانی ہے
ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی — زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے
جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو — صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے
شہا، کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں — کہ تجھ سا کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے
درودیں صورتِ ہالہ، محیطِ ماہ طیبہ ہیں — برستا امت عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے
یہ سر ہو اور وہ خاکِ در، وہ خاکِ در ہو اور یہ سر — رضا وہ بھی گر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجیے — نار سے بچنے کی صورت کیجیے
ڈوب کر یادِ لب شاداب میں — آبِ کوثر کی سباحت کیجیے
ان کے در پر بیٹھیے بن کر فقیر — بے نواؤ، فکرِ ثروت کیجیے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا — ایسے پیارے سے محبت کیجیے
سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گنہ — خم ذرا فرقِ ارادت کیجیے
عالمِ علمِ دو عالم ہیں حضور — آپ سے کیا عرضِ حاجت کیجیے
اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے — چارۂ زہرِ مصیبت کیجیے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا — یاد اس کی اپنی عادت کیجیے

D:NaatRang-18
File: Iqbal-Jawaid
Final

ذرے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

میرے آقا کا وہ در ہے جس پر
ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے

مجرمو! چشم تبسم رکھو
پھول بن جاتے ہیں انگاروں کے

ان پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
ان پر سلام جن کو تحیت شجر کی ہے

ان پر درود جن کو کسِ بے کساں کہیں
ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام
خوبی انھی کی جوت سے شمس وقمر کی ہے

عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام
ملجا یہ بارگاہِ دعا و اثر کی ہے

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت انھی کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے

خستہ جگر سلام کو حاضر ہیں السلام
مرہم یہیں کی خاک تو خستہ جگر کی ہے

اہلِ نظر سلام کو حاضر ہیں السلام
یہ گرد ہی تو سرمہ سب اہلِ نظر کی ہے

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی، ہوا یہ کدھر کی ہے!

کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے

ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
سونپا خدا کو تجھ کو، یہ عظمت سفر کی ہے

ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے

واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جانِ نو
یہ راہِ جاں فزا مرے مولا کے در کی ہے

ہیں چتر وتخت سایۂ دیوار و خاکِ در
شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کرّ وفر کی ہے

اپنا شرف دعا سے ہے باقی رہا قبول
یہ جانیں ان کے ہاتھ میں کنجی اثر کی ہے

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے

گھیرا اندھیریوں نے دہائی ہے چاند کی
تنہا ہوں، کالی رات ہے، منزل خطر کی ہے

سنکی وہ دیکھ باد شفاعت کہ دے ہوا
یہ آبرو رضا ترے دامانِ تر کی ہے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے بے کس کی دولت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں — اس سہی سر و قامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی، دم میں دم آگیا — اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول — اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل — یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں موجِ کرم نور کی — اس کف بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم — اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند — اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود — اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام
الغرض ان کے ہر مُو پہ لاکھوں درود — ان کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ماخذ

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں رضا کے نعتیہ کلام کا تحقیقی اور ادبی جائزہ... حضرت شمس بریلوی
(۲) امامِ نعت گویاں... اختر الحامدی
(۳) انوارِ رضا... ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
(۴) شب جائے کہ من بودم... آغا شورش کاشمیری
(۵) جہانِ رضا... مرید احمد چشتی
(۶) اُردو میں نعتیہ شاعری... ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق
(۷) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ... جلد نمبر ۱۰
(۸) اقبال اور احمد رضا خاں... راجا رشید محمود
(۹) اسلامی انسائیکلوپیڈیا... سیّد قاسم محمود

پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
(حدائقِ بخشش اور نغماتِ آمدِ رسول ﷺ)

کائناتِ انسانی میں وجودِ محمدی ﷺ کی جلوہ گری سے ظلمت کدے جگمگا اُٹھے۔ آپ کی تشریف آوری سے نہ صرف بنجر دلوں کی ویران بستیاں سرسبز و شاداب ہوگئیں بلکہ اوہامِ خرد کے سائے بھی یوں چھٹ گئے کہ اپنے ہاتھوں سے اصنام کو تراشنے والے خدائے واحد کے حضور سجدہ ریز ہوگئے۔ اس خدائے واحد کے حضور جس کی ربوبیت کا اعلان نطقِ مصطفیٰ ﷺ سے ہوا۔ آپ کی جلوہ فرمائی اس نور کی جلوہ گری تھی جس کی خاطر کونین تخلیق ہوئے اور اگر اس کا وجود اور ظہور مقصد نہ ہوتا تو ربّ کریم اپنی ربوبیت ہی ظاہر نہ فرماتا۔ اسی خاطر خلاقِ دوعالم نے شاہ کارِ فطرت ﷺ کی ولادت کو اصحابِ ایمان کے لیے احسانِ عظیم قرار دیا۔ احسانِ عظیم جتلانے کا مقصد یہی تھا کہ دلوں میں ایمان و یقین کی شمعیں فروزاں کرنے والے توصیفِ مصطفیٰ ﷺ میں محو ہوجائیں، کیوں کہ توصیفِ حضور ہی خدا کے احسانِ عظیم سے عہدہ برآ ہونے کا ادراک بخشتی ہے:

'قل' کہہ کے اپنی بات بھی منھ سے ترے سنی		اتنی ہے گفتگو تری، اللہ کو پسند

چوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تذکار تمام کتبِ سماوی کی زینت ہیں اور ربّ کریم نے نورِ محمدی کی تخلیق کے بعد تمام انبیا اور رُسل سے آپ کی غیر مشروط اطاعت کا عہد لیا تھا، اس لیے تمام انبیا اپنی حیاتِ ظاہری میں نہ صرف آپ کی ولادت کی دعائیں مانگتے رہے بلکہ اپنی اولادوں کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال اور اطاعت کی تلقین کرتے رہے۔

یہ عظمتِ رسول ﷺ کا اظہار ہے کہ قرآنِ حکیم میں وجودِ محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدائے لازوال کا سب سے بڑا احسان قرار دیا گیا ہے۔ آپ کے مقاماتِ عالیہ کے ادراک نے ہی خطیبوں، ادیبوں، نثر نگاروں، شاعروں اور ایمان کی روشنی سے بہرہ ور نفوس کو ثنائے مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے ولادتِ حضور کو اپنی شاعری کا خصوصی موضوع بنانے کی سعادت عطا کی۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ جامع الصفات مردِ روزگار تھے۔ رمز آموز ایمان و یقین تھے۔ آپ کی علمی و فقہی سربلندیوں کا احاطہ کرنے لگیں تو کئی دفتر درکار ہیں۔ بے شمار تذکرہ نگار آپ کی فکر آفریں شخصیت اور علمی کارناموں کو حاصلِ تحقیق بنائے ہوئے ہیں۔ ہمیں آپ کے اس اَن مٹ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے غرض ہے جس نے آپ کے عشق و ارادت سے ثنائے رسول ﷺ کا ایسا حیران کن خراج لیا کہ اس کے احساس سے ہی دلوں کو عرفانِ مصطفوی ﷺ کی مہک عطا ہونے لگتی ہے۔ 'حدائقِ بخشش' آپ کا وہ زندۂ جاوید نعتیہ سرمایہ ہے کہ جس کے اشعار کی خوش بو مشامِ فطرت کو ہمیشہ معنبر کرتی رہے گی۔ آپ نے نعتِ رسول ﷺ کو اپنے لیے حاصلِ حیات بنا لیا۔ ان کی یہ رُباعی اس حقیقت کی تفسیر ہے:

توشے میں غم و اشک کا ساماں بس ہے   افغانِ دل زارِ حُدی خواں بس ہے
رہبر کی، رہِ نعت میں گر حاجت ہو   نقشِ قدمِ حضرتِ حسانؓ بس ہے

آپ کا نعتیہ مجموعہ 'حدائقِ بخشش' آپ کے عشق و وارفتگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں آپ کی نعتیہ شاعری میں ولادتِ مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے معنبر معنبر افکار کا بیش بہا سرمایہ بھی ملتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ کے ذکرِ میلادِ رسول کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔

زمانہ جانتا ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی ولادتِ پاک سے پہلے خطۂ عرب زمانے بھر میں برائیوں اور گناہوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ عالمِ انسانیت امن وسکون کے لیے ترس رہا تھا۔ چاروں طرف ظلمتوں کی حکمرانی تھی اور کہیں سے بھی ایمان و یقین کی روشنی پھوٹتی ہوئی نظر نہیں آتی تھی۔ مجبور و مقہور انسان ان بشارات کی تعبیر کے منتظر تھے جو ظہورِ محمدی کے نام پر مقدس صحائف اور کتبِ سماوی میں موجود تھیں۔ چاروں طرف سے ٹھوکریں کھانے والے تاریخِ انسانیت کے اس سب سے بڑے نجات دہندہ کی آمد کے لیے سراپا انتظار تھے جسے احمد ﷺ اور محمد ﷺ کے اسمائے گرامی سے یاد کیا جاتا تھا۔ ظلم و تشدد اور حرص و ہوس کے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھنے والے حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس نام کی دہائی دے کر رحمتِ ایزدی کو آواز دے رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے ایک نعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایمان و یقین کا مہرِ منور قرار دے کر اہلِ نظر کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کس بے تابی سے نورِ محمدی ﷺ کا منتظر ہے:

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

D:NaatRang-18
File: Akram-1
Final

گنہ کی تاریکیوں پہ چھائیں اُمنڈ کے کالی گھٹائیں آئیں
خدا کے خورشید مہر فرما کہ ذرّہ بس اضطراب میں ہے
خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آکر شفیعِ محشر تمھارا بندہ عذاب میں ہے
جلی ہے سوزِ جگر سے جاں تک ہے طالب جلوۂ مبارک
دکھا دو وہ لب کہ آبِ حیواں کا لطف، جن کے خطاب میں ہے

زمانہ جن بشاراتِ قدسیہ کے ظہور کا منتظر تھا وہ وجودِ محمدﷺ کی جانب اشارہ کر رہی تھیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی تصنیف 'ختم النبوۃ' میں مندرج اس بشارت کا تذکرہ یقیناً اہلِ ایمان کے لیے روحانی بالیدگی کا باعث بنے گا:

ابونعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیب بن رافع وغیرہ حضرت کعبؓ احبار سے راوی کہ انھوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علماے تورات تھے۔ اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا۔ وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے۔ جب مرنے لگے، مجھے بلا کر کہا 'اے میرے بیٹے مجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی شے تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک رکھے ہیں۔ ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا۔ میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو تو اس کی پیروی کرلے۔ یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں دو اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے۔ ابھی ان سے تعرض نہ کرنا نہ انھیں دیکھنا۔ جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تُو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے۔ مجھے ان دو ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا۔ میں نے طاق کھولا، ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے:

محمد رسول اللّٰہ خاتم النبیین لانبی بعدہ مولدہ بمکۃ و مهاجره بطیبة الحدیث. ('ختم النبوۃ'، ص۱۶)

اور پھر وہ ساعتِ سعید آ پہنچی جو دعاؤں کی قبولیت اور تمناؤں کے باریاب ہونے کی ساعت تھی۔ یہ وہ مبارک گھڑی تھی کہ جب رحمتِ خداوندی کا ابرِ بے کنار پوری شدت کے ساتھ برسنے کو تھا۔ مظلوموں کے آنسوؤں کو لعل و جواہر کی چمک عطا ہونے والی تھی۔ غم و آلام کے زندانیوں کو رہائی عطا ہونے والی تھی۔ ستم رسیدگانِ ہستی کے آلام کا مداوا ہونے والا تھا۔ وہ کیسا منظر تھا، کیسا سماں تھا، کیا سہانی صبح تھی، کیا کیف آور فضائیں تھیں، کیا وجد آفریں ہوائیں تھیں، مرادوں کے غنچے کھل رہے تھے۔ دکھوں کی خزاں گلستانِ ہستی سے رخصت ہو رہی تھی۔ پُر انوار اُجالے کی نوید لے کر کبھی نہ غروب ہونے والا سورج طلوع ہونے والا تھا۔ اس منظر کو احمد رضا بریلویؒ کیسے اپنی خداداد مہارتِ فن سے قلم بند کرتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا — ماہِ سنت مہرِ طلعت لے لے بدلا نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا
صبح کر دی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا — شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا — تم کو دیکھا ہوگیا ٹھنڈا کلیجا نور کا

اس طویل نعت میں جسے قصیدۂ نور بھی کہہ سکتے ہیں، مولانا احمد رضا خاںؒ نے آقا و مولا ﷺ کے میلادِ اقدس کا جشن مناتے ہوئے آپ کے حسنِ جہاں افروز کا بھی جی کھول کر تذکرہ کیا ہے۔ حضور نبی کریم نورٌعلیٰ نور ہیں اور اس نعتیہ قصیدہ کی ردیف میں اس مظہرِ انوارِ خداوندی کے انوارِ ظاہر و باطن کو منکشف کر رہی ہے جس کی پذیرائی کی خاطر یہ بزمِ دو عالم تخلیق ہوئی۔ یہ نعت ایک لحاظ سے قدجاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین کی نورانی تفسیر ہے۔ سراپائے مصطفوی کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں تا کہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ جس ہستیِ والا صفات کے میلاد کا جشن منایا جا رہا ہے وہ کس قدر حسین، اجمل، اکمل اور پاکیزہ ہے:

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا — دیکھیں موسیٰؑ! طور سے اُترا صحیفہ نور کا
مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا — لو سیہ کار و مبارک ہو قبالہ نور کا
شمعِ دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے، نہ سایہ نور کا

وضع واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا　　　یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا　　　بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا
ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع صٓ　　　کھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا

بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی بعثتِ قدسی ایسے غیر معمولی واقعے کی حیثیت رکھتی تھی کہ جس کی گزشتہ صدیوں اور ادوار میں مثال ملنا ناممکن ہے۔ ہر نبی اور پیغمبر اپنے اپنے دورِ نبوت میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے سراپا انتظار رہا اور پھر جوں جوں آپ کے ظہور کی صدیاں قریب آتی گئیں تو آپ کے وجودِ اقدس کے بارے میں بشارت کا سلسلہ دراز ہونے لگا۔ بیشتر متعصب یہودی اور نصرانی علما نے ظہورِ محمدی ﷺ کے سلسلے میں بشارات کو چھپانے کی کوشش کی مگر سچائی سر چڑھ کر بولتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بعض حق گو یہودی اور نصرانی علما نے تعصّبات کی گرد کا پردہ چاک کر کے اس امر کا اعلان کرنا ضروری سمجھا کہ مکے میں خاتم النّبیین کے ظہور کی ساعتیں قریب آ رہی ہیں اور آپ ہی وہ نبی ہوں گے جن کا کتبِ آسمانی میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک یہودی عالم کی حق گوئی کا اندازہ دیکھیے:

> ابونعیم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:
> میں سات برس کا تھا، ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے چیخ رہا ہے۔ لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے۔ وہ بولا، 'هذا كوكب احمد قد طلع هذا كوكب لايطلع الا بالنبوة و لم يبق من الانبياء الاحمد' یہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا۔ یہ ستارہ کسی نبی کی پیدائش پر طلوع کرتا ہے اور اب انبیا میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
>
> ('ختم النبوۃ' از مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، ص۲۰)

ان سعادتوں کے حوالے سے رضا بریلویؒ یوں مدحت سرا ہیں:

بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا　　　نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس　　　ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں　　　شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی　　　چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے | پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
لامکاں تک اُجالا ہے، جس کا وہ ہے | ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی

مولانا احمد رضا بریلویؒ نے میلادِ مصطفےٰ ﷺ کو عشق و عقیدت کے آئینے میں سو سو طرح سے جلوہ گر دیکھا ہے۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے نعت گوئی کو نئے نئے اسلوب عطا کیے اور شاعری کو غزل کے شبستانِ ہوس سے نکال کر نعت کے گلستانِ سدا بہار کی زینت بنا دیا۔ آپ سے پہلے اردو میں میلاد نامے یا مولود نامے قسم کی کئی شعری تصانیف نظر آتی ہیں مگر ان میں اس قدر رطب و یابس ہے کہ صداقتیں روایات کے بوجھ تلے چھپتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ جناب احمد رضاؒ نے شریعت کے تقاضوں کی پاس داری کرتے ہوئے جب نعت کہی تو اسے قبولیتِ عام اور شہرتِ دوام کا وہ منصب نصیب ہوا کہ جو آج تک نعتیہ شاعری کے حوالے سے کسی کا مقدر نہیں بن سکا۔ مشہور نقاد نیاز فتح پوری کے لفظوں میں:

> شعر و ادب میرا خاص موضوع ہے۔ میں نے مولانا بریلویؒ کا کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام کا پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسولِ عربی ﷺ ہے ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اسی وابستگیِ رسولِ عربی ﷺ کے نام پر حضرت رضا بریلویؒ خود کہتے ہیں:

کروں مدحِ اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حضور نبی کریم ﷺ کی توصیف و ثنا کو وظیفۂ حیات بنانے والے احمد رضا خاں جب ولادتِ مصطفوی ﷺ کا تصور کرتے ہیں تو اس دن کی عظمت ہیبت اور جلالت ان کے دل پر نقش ہو جاتی ہے اور بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں:

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا | تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا | تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

رضا بریلویؒ کے نزدیک میلادِ مصطفےٰ ﷺ ایسا موضوع ہے کہ جس میں کیف سامانیاں اپنے عروج کو چھونے لگتی ہیں۔ بلبلیں مستِ نغمہ ہونے لگتی ہیں۔ فکر و آگہی کے عنادل نغمہ سنجی کرنے لگتے ہیں۔ عشق و سرمستی کی آبشاریں رحمتِ ایزدی کے زمزمے الاپنے لگتی ہیں۔ ذہن و ادراک کی کلیاں

D:NaatRang-18
File: Akram-1
Final

مہکنے لگتی ہیں۔ کلکِ عنبر بار عقیدت کی روشنائی میں غسل کر کے الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیّدی کی خوش بو لٹانے لگتا ہے۔ چوں کہ جناب احمد رضاؒ کے لیے شاعری حقیقت میں حصولِ سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے اس لیے ذکرِ مصطفیٰ ﷺ میں بے خود و سرشار رہنے میں ہی عافیت اور سلامتی تصور کرتے ہیں۔ انھوں نے بیسیوں مقامات پر میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ انوکھے اور دل کش انداز سے۔ یہ ان کی شعری انفرادیت بھی ہے اور ندرتِ خیال بھی۔

اس سلسلے میں ان کا شہرۂ آفاق سلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ سلام بعثتِ نبی کریم ﷺ اور محاسن و خصائصِ مصطفوی ﷺ کے پس منظر میں نہایت ہی ایمان افروز تحریر ہے۔ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا ذکر بھی ہے اور آپ کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ بھی۔ آپ کے سراپاے انور کی جھلک بھی ہے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی چمک بھی۔ یہ سلام مقبولیت کے لحاظ سے شاہ کار اور شعری محاسن کے لحاظ سے مستند حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ عالم پناہ میں سلامِ شوق کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی یوں بکھیرتے ہیں:

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند   اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
اندھے شیشے جھلاجھل دمکنے لگے   جلوہ ریزیِ دعوت پہ لاکھوں سلام
انتہائے دوئی ابتدائے یکی   جمع تفریق و کثرت پہ لاکھوں سلام
ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود   حق تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاج دارِ حرم   نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود   فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا   اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
پہلے سجدے پہ روزِ ازل سے درود   یادگاریِ اُمت پہ لاکھوں سلام

اس سلام میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا جشن مناتے مناتے جب طبیعت لہرائی تو اپنے آقا و مولا ﷺ کے روشن روشن خدوخال میں کھو گئے۔ جمالِ مصطفویٰ ﷺ کی لمعہ افشانیوں نے انھیں اس شدت کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کیا کہ یہ تخیل و تصور میں جمالِ حضور ﷺ کے نظاروں میں گم ہوگئے۔ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے ضمن میں انھوں نے جو کچھ رقم کیا ہے اس میں سستی روایت پسندی یا مستعار لفظوں کی بناوٹ نہیں ہے بلکہ اس میں ایسی جدتِ فکر اور شوکتِ قلم کے نمونے ملتے ہیں جن کی اصل قرآنِ مجید یا

احادیثِ مقدسہ سے عبارت ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے پورا پورا خیال رکھا ہے کہ احادیثِ مبارکہ کی حقیقی روح کو اپنے اشعار میں پیوست کرلیں۔ انھوں نے جس شانِ عقیدت کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے اس پر ایک نظر ڈال کر ہی 'شمائلِ ترمذی' کے اردو قالب میں ڈھلنے کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ سلام محبتِ رسول کی ایک ایسی نادرِ روزگار تفسیر ہے جس کا مطالعہ دلوں کو ایمان کا گداز بخشنے لگتا ہے۔ اس سلام بلاغت نظام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور آفریں خدوخال کا ایک نمونہ دیکھیے:

دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
ان کی آنکھوں میں وہ سایہ افگن مژہ — ظلۂ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا — اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے — اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل مرہم ریش دل — ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں — ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا — موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دوعالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

اسی نعتیہ سلام سے آپ کے غیرفانی کمالات، محاسن ومحامد اور فیوض و برکات کا ایک پرتو ملاحظہ ہو:

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں — انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
کُل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
بھائیوں کے لیے ترکِ پستاں کریں — دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام
کس کو دیکھا یہ موسیٰؑ سے پوچھے کوئی — آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم — اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

مولانا احمد رضا بریلویؒ سمجھتے ہیں کہ خدائے کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے دستِ قدرت سے وہ حسنِ ظاہر و باطن عطا کیا ہے کہ دونوں جہانوں کی رفعتیں اس پر تصدق کی جاسکتی ہیں۔ خدا نے آپ کو بے مثال اور بے عیب بنایا، ہر قسم کے نقائص وعیوب سے مبرا احسنِ اکمل کا نمونہ بنایا۔ آپ کو صورت و

سیرت کی ایسی جلوہ کاری بخشی کہ جو بھی آپ کے دامانِ رحمت سے وابستہ ہوگیا پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ ہی کا ہوکر رہ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اس قدر حسین و جمیل اور اس قدر جامع الخصائل تھے کہ جس نے آپ کی ایک جھلک دیکھ لی اس نے دنیا بھر سے منھ پھیر کر آپ کے حلقۂ تربیت میں جگہ پانے کو ہی سب سے بڑی سعادت خیال کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا چہرۂ اقدس اس قدر منور، ضوبار اور خوب صورت تھا کہ آپ کے بدترین دشمن بھی جب آپ سے ملتے تو بے اختیار پکار اُٹھتے کہ اس قدر حسین و جمیل چہرے کا مالک جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہی چہرہ انوارِ الٰہی کا مظہر اور نورِ صداقت سے عبارت تھا۔ آپ کے جمالِ جہاں آرا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خامۂ قدرت کا حسنِ دست کاری واہ وا　　کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ وا
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و مہ　　اُٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ وا
صدقے اس انعام کے قربان اس اکرام کے　　ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمھاری واہ وا

اور پھر:

وہ سوے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں　　در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

انبیاے کرام نے جس شان کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کیا ہے اور جس طرح اپنے جانشینوں کو نبی آخرالزماں ﷺ کے وجودِ مسعود کے بارے میں آگاہ کرتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کئی انبیا و رُسل نے حضور ﷺ کے نامِ اقدس کے وسیلے سے درپیش مشکلات و مصائب سے رہائی پائی وہ تاریخِ انسانیت کا ایک روشن باب ہے احمد رضا بریلویؒ اس نکتۂ نظر سے میلادِ مصطفوی ﷺ کے بارے میں یوں عنبر فشاں ہوتے ہیں:

کنزِ مکتوم ازل میں　　دُرِ مکنونِ خدا ہو
سب سے اوّل سب سے آخر　　ابتدا ہو انتہا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم　　اصل مقصودِ ہدیٰ ہو
سب بشارت کی اذاں تھے　　تم اذاں کا مدعا ہو
پاک کرنے کو وضو تھے　　تم نمازِ جاں فزا ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے　　تم مؤخر مبتدا ہو
قربِ حق کی منزلیں تھے　　تم سفر کا منتہا ہو

سب جہت کے دائرے میں شش جہت سے تم ورا ہو
وقت پیدائش نہ بھولے کیف یٰسیٰ کیوں قضا ہو

جب بھی شاعر میلادِ مصطفوی ﷺ کے پاکیزہ اور مقدس موضوع پر سخن آزمائی کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر آپ کی ولادتِ باسعادت کے ساتھ ساتھ آپ کی پُر وقار شخصیت ہوتی ہے۔ وہ شخصیت کہ جو محبوبِ خدا بھی ہے اور محبوبِ مخلوقِ خدا بھی۔ جو ممدوحِ ملائکہ بھی ہے اور مطلوبِ دوعالم بھی۔ احمد رضا خاں بریلوی میلادِ مصطفےٰ ﷺ کو موضوعِ شاعری بنا کر جب آپ کے محاسنِ قدسی پر بات کرتے ہیں تو ان کا قلمِ عشق کی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے۔ ان کے پیشِ نظر حضور نبی کریم ﷺ کے وہ تمام خصائص ہوتے ہیں جن کی بدولت آپ کو ازل کا اعزاز اور ابد کا افتخار قرار دیا گیا۔ آپ کی شخصیت وہ ذاتِ والا صفات ہے کہ قدرت نے جس کے سر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے **'لولاک لما خلقت الافلاک'** کا تاجِ زرنگار سجا دیا کہ اگر خدا کو آپ کے نورِ اوّلیں کا ظہور مقصود نہ ہوتا تو یہ شجر و حجر، بحر و بر، شمس و قمر وجود میں نہ آتے نہ ہی لیل و نہار گردش آشنا ہوتے اور نہ ہی گل و گلزار کو بہار آفرینی عطا ہوتی۔ گویا دوعالم کا وجود ذاتِ مصطفےٰ ﷺ کا مرہونِ منّت ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کائنات کی ہر چیز فقط آپ کے تذکار کو عام کرنے اور آپ کی خوشنودی کی خاطر میں تخلیق کی گئی۔ اس حقیقتِ سرمدی کی طرف جناب احمد رضا یوں اشارہ کرتے ہیں:

زمین و زماں تمھارے لیے مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے بنے دوجہاں تمھارے لیے
دہن میں زباں تمھارے لیے بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے، اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے
فرشتے خدم رسولِ حشم تمامِ اُمم غلامِ کرم
وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمھارے لیے
نہ روحِ امیں نہ عرشِ بریں نہ لوحِ مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمھارے لیے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضؔا کی زباں تمھارے لیے

چوں کہ مولانا احمد رضا خاںؒ عالمِ متبحر تھے، فقیہ الدہر تھے، شیخ العصر تھے، دانائے رازِ کائنات

تھے، نکتہ داں و نکتہ سنج تھے۔ قرآن و حدیث کے علوم پر اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ تشنگانِ علومِ اسلامیہ آپ کے سرچشمۂ رشد و ہدایت سے علم و حکمت کے دو گھونٹ پی کر اپنی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے اپنی قرآن فہمی اور حدیث شناسی سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی نعتیہ شاعری میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ اور محاسن و محامدِ مصطفیٰ ﷺ پر اپنی صلاحیتوں کی چمک دکھلاتے ہوئے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کا خوب استعمال کیا ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی نعتیہ شاعری کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے بلکہ عظمت و شانِ حضور ﷺ بیان کرتے ہوئے شریعت کی احتیاط پسندی مسلسل ان کے لیے مشعلِ راہ ہی رہی ہے۔ محبوب جس قدر عظیم ہو اس کی ولادت کے تذکرے اتنے ہی پُرتجمل اور پُرشکوہ ہوتے ہیں اور یہاں تو محبوب وہ ذاتِ گرامی ہے کہ جس کی مدحت سرائی کے لیے اہلِ نظر ہر آن ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے میلادِ مصطفوی ﷺ کے سلسلے میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ کی صحت اور حسن و جامعیت کو کس شان سے برقرار رکھا ہے اس کی خاطر چند مثالیں نذرِ قارئین ہیں:

ارشادِ خداوندی ہے۔ '**انک لعلی خلق عظیم**'

رضا بریلویؒ فرماتے ہیں:

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سے ہوا ہے نہ ہوگا شہا، ترے خالقِ حسن ادا کی قسم

خدائے کریم شہرِ محبوب کی قسم کھا رہے ہیں:

لا اُقسم بھذا البلدوانت حل بھذا البلد (مجھے اس شہر مکہ کی قسم ہے اس لیے کہ اے محبوب تو اس میں تشریف فرما ہے) اس آیتِ قرآنی سے رضا بریلویؒ یوں مضمون آفرینی کرتے ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا، ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ارشادِ خداوندی ہے: **فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا**

رضا بریلویؒ کہتے ہیں:

عشاقِ روضہ سجدہ میں سُوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

ارشادِ خداوندی ہے: **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاوک.......**

رضا بریلویؒ کہتے ہیں:

مجرم بلائے جاتے ہیں جاؤک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

ارشادِ خداوندی ہے: و رفعنالک ذکرک

رضا بریلویؒ کہتے ہیں:

و رفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر — بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا
رہے گا یوں ہی اُن کا چرچا رہے گا — پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے

قرآنی تراکیب کے حوالے سے دو اشعار اور ملاحظہ ہوں:

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
معنی قدرایٔ مقصدِ ماطغیٰ — نرگس باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

نعت ایک ایسی محترم صنفِ ادب ہے کہ شاعر ممدوحِ کائنات حضور پُرنور سیّد یوم النشور ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو اپنی فکر کا محور بناتے ہوئے بار بار لرز اُٹھتا ہے کہ کہیں وہ توصیف کرتے کرتے تنقیص یا توہین کا مرتکب نہ ہوجائے کیوں کہ نعت کا مرکز ومحور وہ ذاتِ عظیم ہے جس کی اتباع کو خدا نے اپنی اتباع اور جس کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا ہے۔ جس کا نطق وحیِ الٰہی کا ترجمان اور جس کی گفتار تقدیرِ الٰہی کا اظہار ہے جس کی تدبیر کا اشارہ مشیت کا نظارہ اور جس کا کردار دلیلِ عظمتِ پروردگار ہے۔ جس کا نور، نورِ الٰہی اور جس کی گفتگو خدائے واحد کی دائمی گواہی ہے۔ چناں چہ احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے نام پر نعتیہ شاعری کی جوت جگاتے ہوئے مقاماتِ رسولِ اکرم ﷺ کی علومرتبتی سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ حضورِ نبی کریم ﷺ کی توصیف کرتے ہیں اور جی بھر کر کرتے ہیں۔ صنف وثنائے حضور کرتے وقت ان کے پیشِ نظر کاروانِ نعت گوئی کے سالارِ اوّل سیّدنا حسانؓ بن ثابت کے یہ نعتیہ اشعار ہیں جو انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں پڑھے تھے اور داد پانے کے علاوہ چادرِ مصطفیٰ ﷺ سے بھی نوازے گئے تھے۔ سیّدنا حسانؓ نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا:

و احسن منک لم ترقط عینی — و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء

D:NaatRang-18
File: Akram-1
Final

حضرت رضا بریلویؒ بھی اسی کاروانِ مدحت ونعت کے معزز رکن ہیں۔ اس لیے یہ

کارواں سالارِ حسانؓ بن ثابت کی تقلید کیوں نہ کرتے۔ چناں چہ یہ بے ساختہ پکار اُٹھے:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی برن برسا جانا
وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

جب میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر چھڑے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ کے اوصافِ حسنہ کا ذکر نہ چھڑے۔ حضورِ نبی کریم ﷺ مومنوں کے لیے نعمت بے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدرت اشارہ کر رہی ہے۔'و اما بنعمة ربک فحدث' یعنی اپنے خدا کی نعمتوں کا دل کھول کر چرچا کرو اور چرچا کرنا خدا کے انعاماتِ بے بہا کا سرِعام اعلان کرتا ہے۔ چرچا خفی نہیں ہوتا جلی ہوتا ہے۔ چھپ کر نہیں بلکہ اعلانیہ ہوتا ہے۔ اکیلے اکیلے نہیں بلکہ مجلس میں ہوتا ہے، خلوت میں نہیں بلکہ جلوت میں ہوتا ہے۔ چوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات ان انعامات میں سرِفہرست ہے جو خدا نے بندگانِ خدا پر فرمائے اس لیے ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کا محافل میں مجالس میں، منبر و محراب میں ذکر کیے جانا، حقیقت میں حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ حضرت احمد رضا بریلویؒ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے نام پر اسی طور پر چرچا کرنا اپنا اظہارِ عقیدت سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی مصلحت کوشی یا اشرارِ باطل سے دبنے کے روادار نہیں بلکہ وہ تو میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی اس قدر دھوم مچانا چاہتے ہیں کہ فرش سے لے کر عرش تک غلغلے برپا ہو جائیں۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے تذکارِ قدسی عام کرنے کے لیے رضا بریلوی کس شان سے مدحت کے چراغ روشن کرتے ہیں:

آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا ﷺ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہوجائیں عدو جل کر، مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
ذکرِ آیاتِ ولادت کیجیے مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل

مولانا احمد رضا خاں اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ 'بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر' کے مصداق حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی خدا کے بعد کائنات بھر میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ کے سامنے اپنے آقا و مولا کی مکمل حیاتِ طیبہ ہے۔ آپ کی صورت، آپ کی سیرت، آپ کا اسوہ، آپ کا جلوہ۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ آقاے دوعالم ﷺ کی روحانی ونظری اور بشری ونورانی رفعتوں کا ہر ممکن تذکرہ کرتے ہیں لیکن ایک مقامِ اعتراف ایسا بھی آجاتا ہے کہ آپ کو بے اختیار یہ کہنا پڑتا ہے:

خالق کا بندہ خُلق کا آقا کہوں تجھے لیکن رضؔا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا

'حدایقِ بخشش' عظمت وشانِ مصطفوی ﷺ کا ایک ایسا سدابہار گل دستہ ہے جس کی ہر کلی خزاں نا آشنا ہے۔ یہ کتاب محبت وعقیدت کی سوغات ہے۔ یہ مدحت ونعت کا لازوال ارمغاں ہے کہ یہ توصیفِ رسول ﷺ کا ہمیشہ زندہ رہنے والا مجموعہ ہے۔ یہ وہ مجموعۂ نعت ہے کہ جس کا ایک ایک شعر دُرِّ تاب دار کی حیثیت رکھتا ہے جس کی ایک ایک نعت اپنی معنی آفرینی، ندرتِ بیان، شوکتِ الفاظ، اندازِ عجز وفروتنی، وفورِ عقیدت اور حسنِ یقین کی بدولت آسمانِ عقیدت پر جگمگانے والے نجمِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلویؒ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے آئینے میں آپ کی صفاتِ حسنہ کی جگمگاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے اس خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھولتے جس نے اپنی رحمتِ کامل سے ایسا جامع الصّفات رسولِ برحق عطا کیا ہے جس کے انوار سے کائنات کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ اس موضوع پر جس قدر بھی لکھا جائے کم ہے۔ ہم اپنے مضمون کا اختتام رضا بریلویؒ کے ان حمدیہ اشعار پر کر رہے ہیں جن میں آپ نے حمدِ باری تعالیٰ بھی بیان کی ہے اور میلادِ مصطفیٰ ﷺ پر بارگاہِ ایزدی میں ہدیۂ امتنان وتشکر بھی ادا کیا ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

یہ تصوراتِ باطل ترے آگے کیا ہیں مشکل
تری قدرتیں ہیں کامل انھیں راست کر دکھایا
میں انھیں شفیع لایا

ماخذ و مراجع

'حدائقِ بخشش'	از حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور
'ختم النبوۃ'	از حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ، مکتبہ نبویہ، لاہور
'جہانِ رضا'	مرتب: فرید احمد چشتی، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور
'امام احمد رضا'	مرتب: خواجہ انجم نعمانی، رضا اکیڈمی، پنڈ دادن خاں، جہلم
'امامِ نعت گویاں'	از سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال
'یادِ اعلیٰ حضرت'	از عبدالحکیم شرف قادری، مجلسِ رضا، واہ کینٹ
'اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی'	از عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری، ادارۂ غوثیہ، مصری شاہ، لاہور
'انوارِ رضا'	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
ماہنامہ 'قاری' امام احمد رضا نمبر	مرتب: قاری محمد میاں مظہری، مٹیا محل، دہلی
'حیاتِ مولانا احمد رضا خاں'	از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ
'الشاہ احمد رضا بریلوی'	از مفتی غلام سرور قادری، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال
'گناہِ بے گناہی'	از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی
'امام احمد رضا اور ردّ بدعات'	از مولانا یٰسین اختر مصباحی، مدنی کتب خانہ، بوہرہ گیٹ، ملتان

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (بھارت)

فاضل بریلوی کے بعض اشعار کی فنی ولسانی توضیحات

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز مختلف علوم وفنون میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ علومِ دینیہ کے علاوہ بعض ایسے علوم وفنون پر بھی آپ کو پورا عبور حاصل تھا جن کے جاننے والے اور سمجھنے والے بھی تقریباً آج ناپید ہو چکے ہیں۔

علومِ دینیہ میں ہمہ وقت بدرجۂ غایت اشتغال وانہماک کے باوجود محض حبِ رسالت اور جوشِ عقیدت کی بنا پر تسکینِ جذبات وحصولِ برکات کے لیے آپ شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ یعنی شاعری نہ تو آپ کا تمغاے امتیاز تھا اور نہ ہی مشغلہ، جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

پیشہ مرا شاعری نہ دعوا مجھ کو ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو

بایں ہمہ جب آپ کے منظوم کلام کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کیا جاتا ہے اور محاسن ومعایبِ سخن کا جائزہ لیا جاتا ہے تو آپ کے اسقام ومعایب سے پاک اور فنی ولسانی اوصاف ومحاسن پر مشتمل کلام کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

لفظی ومعنوی صنائع وبدائع، دینی، شرعی حزم واحتیاط، فنی ولسانی آداب ومستلزمات اور قرآن وحدیث پر مشتمل نعتیہ اور مدحیہ مضامین غایت عقیدت ومحبت کے ساتھ پوری قادرالکلامی اور فنی چابک دستی کے ساتھ نظم کر دینا، آپ کی شاعری کی ممتاز اور نمایاں خصوصیات ہیں۔

اس تمہید کے بعد ملاحظہ فرمائیں امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کی جانب سے شائع ہونے والے سال نامہ 'تجلیاتِ رضا' کے معاون مدیر جناب مولانا صغیر احمد مصباحی صاحب اور دیگر

D:NaatRang-18
File: Dr.Shakeel
Final

ادبی و شعری ذوق رکھنے والے احباب کی جانب سے اعلیٰ حضرت کے بعض اشعار کی طلب کردہ فنی و لسانی توضیحات و تشریحات، مولانا صغیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

(۱) زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو

مناسب سمجھیں تو اہلِ زبان و ادب کے اشعار سے استدلال فرمادیں 'کہ زور برسنا کیا' ہے؟

(۲) غبار بن کر نثار جائیں، کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

(۳) ابنِ زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے بل بے او منکر بے باک یہ زہرا تیرا

بل بے (کلمۂ تحسین) کیا اس کا استعمال اہلِ ادب کے یہاں ملتا ہے؟ بالترتیب جواب ملاحظہ فرمائیں: جواب (۱)

زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو

پہلے مستند اساتذہ کے کلام سے اس نوع کے استعمالات پیش کر رہا ہوں، بعد میں خاص 'زور برسنا' کے تعلق سے کلام اساتذہ سے امثال و نظایر پیش کروں گا:

لوگ جب ذکرِ یار کرتے ہیں دیکھ رہتا ہوں دیر منھ سب کا
(میر)

مصرعِ ثانی میں 'دیکھ رہتا ہوں' 'دیکھتا رہتا ہوں' کی جگہ اور دیر منھ سب کا۔ دیر تک کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

صنم خانے سے اُٹھ، کعبہ گئے ہم کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا
(میر)

مصرعِ اولیٰ 'اُٹھ کعبہ گئے ہم' 'اُٹھ کر' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

پڑھیں گے شعر رو رو لوگ بیٹھے رہے گا دیر تک ماتم ہمارا
(میر)

مصرعِ اولیٰ 'رورو'، 'رورو کر' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

کون آیا ہے برے وقت کسی پاس اے داغ لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آئے ہیں
(داغ)

'کسی پاس'، 'کسی کے پاس' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

جھوم جھوم ایسے بادل آنے لگے پانو توبہ کے لڑکھڑانے لگے

جھوم جھوم، جھوم جھوم کر کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

ہم تو ویران ہو، اس طرح وطن سے نکلے روح جس طرح کسی شخص کے تن سے نکلے
(ذوق)

ویران ہو، ویران ہو کر کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

اس نے مارا رُخِ روشن کی دکھا تاب مجھے چاہیے جائے کفن چادرِ مہ تاب مجھے
(ذوق)

دکھا تاب، دکھا کر تاب کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

کوئی بھی تدبیر جب دیکھی نہیں چلتی ہے، تب میں رقیبِ رُو سیہ سے ذوق مل رہنے لگا

مصرع ثانی میں مل رہنے لگا، مل کر رہنے لگا کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے کر کے میں ضبطِ ہنسی، دیکھوں ہوں ناخن اپنے
(ذوق)

سن سن اپنے، سن سن کر کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

نرگس نے جو نہ دیکھا پھر آنکھ اُٹھا چمن میں کیا جانے کس نے کس نے کیا کرلیا چمن میں
(آتش)

آنکھ اُٹھا، آنکھ اٹھا کر کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

اب آئیے خاص طور پر 'لفظ زور' کے استعمالات ملاحظہ فرمائیے۔ زور مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ (۱) کثرت، زیادتی اور از حد کے مفہوم میں:

یہ زورِ آتشِ رنگِ حنانے گرمی کی تری ہتھیلی کا تل صورت سپید ہوا
(وزیر)

عالمِ مستی میں جرأت پڑھ غزل اک اور بھی زور کیفیت اُٹھاتے ہیں ترے اشعار سے
(جرأت)

(۲) زور (برائے تعجب) قیامت، غضب، بے ڈھب

غیر کو نام ہے سرنامہ مرے نام کا ہے مہرباں زور یہ تم نے ستم ایجاد کیا
(ناسخ)

D:NaatRang-18
File: Dr.Shakeel
Final

(۳) زور بمعنی عجیب وغریب، انوکھا

خاک سر پر ہے، مہر و مہ پامال اک فلک زورِ انقلاب ہوا
(ناسخ)

(۴) زور بہ طور صفت بمعنی خوب، اچھا، عمدہ

یار کا آستاں بتایا ہے زور دل نے مکان پایا ہے
(جرأت)

زور کیفیت اس شراب میں تھی لب پہ رکھتے ہی بس ہوئے بے ہوش
(ممنون)

اب فاضل بریلوی کے مذکورہ شعر میں زور برسنا، بمعنی خوب برسنا۔ زور زور سے برسنا، موسلا دھار برسنا، از حد برسنا کا استعمال از روئے زبان وقواعد بالکل درست ہے۔ کچھ حضرات نے زور برسنا کو کتابت کی غلطی پر محمول کرتے ہوئے روز برسنا، صحیح قرار دیا ہے۔

لیکن زیرِ میزاب کرم کے چھینٹے کے بالمقابل ابرِ رحمت کا زور برسنا یعنی زور زور سے برسنا ہی زیادہ موزوں، بلیغ، معنی خیز اور قرینِ قیاس ہے۔

جواب (۲)

غبار بن کر نثار جائیں، کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں ہمارے
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

حوریوں کا استعمال بجائے حوروں بالکل درست ہے۔ کلامِ اساتذہ سے استناد کے قبل اس کی لغوی تحقیق 'غیاث اللغات' کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں:

حوریوں بواوٴ معروف مزید علیہ حوراں چہ گاہی در آخر لفظ حور یائے زائدہ آرند چنانکہ در ہمیان و ہمیانے (از جواہر الحروف)

کلامِ اساتذہ سے استناد

وہ تو حوریانِ بہشت ہیں، کہ ہر اک فقیر سے شاد ہوں
یہ بتانِ ہند ہیں زاہدو، یہ حریص ہوتے ہیں زر سے خوش
(داغ)

یہ حوریانِ فرنگی، دل و نظر کا حجاب بہشتِ مغربیاں جلو ہائے پا بہ رکاب
(علامہ اقبال)

'حوریاں' فارسی جمع ہے اور 'حوریوں' اردو جمع ہے۔

جواب (۳)

ابنِ زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے بل بے او منکر بے باک یہ زہرا تیرا

لفظ بل بے کا استعمال کلامِ اساتذہ میں بہ کثرت ملتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

بل بے اے آتشِ غم سینے میں مثلِ منقل کثرتِ داغ سے انبار ہے انگاروں کا

بل بے چتون تری معاذ اللہ اُف رے ٹیڑھی نگاہ کیا کہنا
(بے خود دہلوی)

مہروش بل بے ترے حسن جہاں تاب کی تاب رُخ سے گرم آئینہ ہو، آئینہ سے زانو گرم

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گیا اُف رے بے تابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

کھلے ہی جاتے ہیں سب غنچے زہے جوشِ نشاط لوٹے ہی جاتے ہیں بل بے یہ ہنسی کی شدت

بل بے وحشت اب تلک بھی شاخِ آہو کی طرح پیچ کھاتا ہے دھواں، میرے چراغِ گور کا
(ذوق)

چند دیگر احباب کے سوالات

مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا بھایا یہ کیسا آہ! حواسوں نے اختلال کیا

کیا حواسوں کا استعمال از روئے قواعد درست ہے؟

حواس حاسہ کی جمع ہے، اور بلاشبہ اردو میں جمع الجمع کا استعمال درست نہیں ہے۔ جیسے عالم کی جمع علما اور علما کی جمع علماؤں، شاعر کی شعرا اور شعرا کی جمع شعراؤں، طبیب کی جمع اطبا اور اطبا کی جمع اطباؤں، کافر کی جمع کفار اور کفار کی کفاروں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس مسلّمہ قاعدے کے باوجود اعلیٰ حضرت کے شعر میں حواسوں کا استعمال بالکل درست ہے۔ اس پر اعتراض اہلِ زبان کے استعمالات اور لغات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ تائید میں 'فرہنگِ آصفیہ' کے مندرجات ملاحظہ فرمائیں:

D:NaatRang-18
File: Dr.Shakeel
Final

حواسوں پر سے صدقہ دینا (۱) فعلِ متعدی ہوش درست کرنا۔ عقل کی خبر لینا۔ عقل بنوانا۔

جیسے اپنے حواسوں پر صدقہ دو۔ پھر تلاش کرنا۔

کیا اعلیٰ حضرت کے مندرجہ ذیل اشعار میں 'شترگربہ' کا عیب نہیں؟

آنکھ عطا کیجیے، اس میں ضیا دیجیے　　　　جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے　　　　ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

پہلے میں مختلف مستند اور مسلّم الثبوت اساتذہ کے کلام سے وہ اشعار پیش کر رہا ہوں، جن میں 'شترگربہ' کا عیب موجود ہے:

میرے ہونے سے عبث رُکتے ہو　　　　پھر اکیلے بھی تو گھبرائے گا
(خواجہ میر درد)

حسن میں آپ کے ہے شانِ خدا　　　　عشق بازوں کے سجدہ گاہ ہو تم
تم فاتحہ بھی پڑھ چکے، ہم دفن بھی ہوئے　　　　بس خاک میں ملائیے، چلیے سدھاریے
(آتش)

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا　　　　میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(مومن)

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے　　　　تم نے کیوں سونپی ہے، میرے گھر کی دربانی مجھے
(غالب)

مکان دیدہ پسند خاطر اگر نہیں ہے کہ ہوں گے ظاہر
تو شب کو تشریف آپ لاؤ، ہمارے دل میں تمھارا گھر ہے

کیا مدنظر تم کو ہے، یاروں سے تو کہیے　　　　گر منھ سے نہیں کہتے، اشاروں سے تو کہیے
(ذوق)

اب آیئے شترگربہ کے سلسلے میں ایک تحقیقی و تفصیلی بحث ملاحظہ فرمایئے:

اردو شاعری کا وہ دور جو ناسخ سے شروع ہوکر امیر و جلال پر ختم ہوتا ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے اہم حیثیت رکھتا ہے۔ بہت سے قاعدے اسی زمانے میں وضع کیے گئے۔ شاعری کو نئی نئی پابندیوں میں مقید کرنے کا رجحان اسی دور کی پیداوار ہے۔

متروکات کی ساری غیر ضروری بحثیں، تذکیر و تانیث، تلفظ اور غلط و صحیح کے دبستان معیار کے ہنگامے اسی دور کی یادگار ہیں۔ داغ دہلوی کے ابتدائی دور شاعری تک اساتذۂ دہلی کے یہاں

قواعدِ زبان و بیان کے سلسلے میں اساتذۂ لکھنؤ کی طرح سخت گیری نہ تھی اور نہ التزام کا وہ عالم تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ شاعری کے سارے غیر ضروری ضابطے لکھنؤ میں وضع کیے گئے اور ان کی لازمی پابندی پر بھی وہیں زور دیا گیا۔ اساتذۂ دہلی کے یہاں یہ رجحان تقریباً مفقود تھا۔

اخفائے نون و اعلانِ نون، سقوطِ حرفِ علت، تراکیب مہند جیسے قاعدوں کو اساتذۂ دہلی نے قابلِ التفات ہی نہ سمجھا تھا اور متروکات کی فہرستیں بھی یہاں نہیں بنائی گئی تھیں۔

داغ نے البتہ ان ضوابط کی طرف باقاعدہ توجہ کی اور اپنے شاگردوں کے لیے ان پابندیوں کو ضروری قرار دیا۔ وہ تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے لیکن یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ داغ کے یہاں اس رجحان کے فروغ پانے کی وجہ دراصل رام پور سے وابستگی تھی۔ جہاں لکھنوی شعرا کی کثرت تھی اور خود نواب کلب علی خاں والیِ رام پور کو متروکات، تذکیر و تانیث اور اس قسم کے دوسرے مسائل سے خاصی دل چسپی تھی۔ (ملخصاً از 'زبان اور قواعد' رشید حسن خاں)

شترگربہ کا عیب بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ چناں چہ خود داغ اپنے منظوم ہدایت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک مصرع میں ہو تُو، دوسرے مصرع میں تم یہ شتر گربہ ہوا، میں نے اسے ترک کیا

اور جناب امیر مینائی جو داغ کے ہم عصر تھے اور اپنے زمانے کے معروف و مستند استاد تھے۔ اپنے ایک شاگرد حکیم برکم کو تحریر کرتے ہیں۔ بحرلکھنوی (تلمیذ ناسخ) نے جو ایک شعر میں:

اب مجھ سے التیام کی باتیں نہ کیجیے دل تم سے پھٹ گیا، جگر افگار ہوگیا

مصرعِ اولیٰ میں 'کیجیے' کے ساتھ خطاب کیا اور دوسرے مصرع میں 'تم' سے۔ یہ بحر ہی پر موقوف نہیں بلکہ اس زمانے تک اکثر معاصرینِ بحر جن کا شمار اساتذہ میں ہے۔ اس کے تارک نہ تھے۔ ان کے بعد متاخرین نے اس اختلافِ خطاب سے احتراز کیا۔ میں بھی انھیں تارکین میں ہوں۔

امیر مینائی کے یہاں نظم کے علاوہ نثر میں بھی شترگربہ پایا جاتا ہے۔ مکاتیب امیر مینائی سے صرف اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

'یہ لوکاٹ اعلیٰ قسم کے نہ تھے۔ جیسا کہ سہارن پور کے لوکاٹ مشہور ہیں اور تم بھیجا کرتے ہو۔ تاہم آپ کے خلوص و محبت کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔'

D:NaatRang-18
File: Dr.Shakeel
Final

ان تفصیلات سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عہد داغ و امیر تک شترگربہ کا استعمال عام تھا۔ بے تکلف نظم و نثر میں استعمال ہوتا تھا۔ اس سے احتراز لازم نہ تھا۔ اخیر دور داغ و امیر میں لوگوں نے

اس کو عیب سمجھ کر ترک کر دیا اور بعضوں نے ترک نہ کیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی داغ و امیر کے ہم عصر تھے۔ اس وقت تمام اساتذۂ سخن اس کو استعمال کرتے تھے اور اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ بعد میں کچھ اساتذہ نے اصلاحِ زبان و حسنِ زبان کی خاطر اسے ترک کر دیا تھا۔

جس دور میں زبان و بیان امام احمد رضا کے کلام میں اس طرح کے اختلافِ ضمایر و خطاب پر حرف گیری کرنا، شعری محاسن و معایب کو اسی دور کے تناظر میں دیکھنا چاہیے:

قاعدہ یہ ہے کہ ہر دور کے آثارِ حیات
دیکھے جاتے ہیں، اسی دور کی تہذیب کے ساتھ

☆

ڈاکٹر سیّد شمیم احمد گوہر (بھارت)

صنعتِ مجوب کے مسائل اور مولانا احمد رضا بریلویؒ کی شعری عظمت

شاعری میں زبان و بیاں، فکر و نظر اور عروض کے زیرِ تعاون صنعت گری کی حیثیت و اہمیت سب سے زیادہ قابلِ قدر اور باوقار سمجھی جاتی ہے اور اسی کے اشتراک و انضمام سے فکر و فن کے نئے نئے گوشے اور مشکل پسندی کے عناصر سامنے آتے ہیں۔ صنعتوں کا دائرہ بہت وسیع اور کشادہ ہے کوئی بھی شاعری اس کے دخل سے دُور نہیں رہ سکتی خواہ وہ ہلکی پھلکی صنعتوں کا مظہر بنے یا مشکل صنعتوں کا انکشاف کرے۔ ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ کون سی صنعت کس شعر سے وابستہ ہوگئی شاعر کو خود خبر نہیں ہو پاتی اور لاشعوری طور پر شعر میں غیر معمولی وصف شامل ہوجاتا ہے۔ لیکن صنعتوں کے ہجوم میں ایسے صنائع کی تعداد زیادہ ہے جن کا اظہار گہری معلومات اور باخبری کے بغیر ممکن نہیں جن کی بہت سی مثالیں آسانی سے دی جاسکتی ہیں۔

اساتذۂ سخن کے امتیازی وصف کی سب سے بڑی علامت ان کی صنعت نوازی ہے۔ ہر بڑی شاعری صنعتوں ہی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے لیکن جہاں تک صنعتِ تلمیع کا تعلق ہے، یہ اگرچہ کوئی تہ دار اور دشوار صنعت نہیں ہے تاہم اساتذہ نے اس کی طرف کچھ توجہ سے کام نہیں لیا اور تلاشِ بسیار کے باوجود اس کے نمونے مشکل سے مل پاتے ہیں۔ تلمیع اس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک شعر میں دو زبانوں کا استعمال ہو جس کی دو قسمیں ہیں۔ 'مشکوف و مجوب' مکشوف کے لیے ہر شعر میں دو زبانوں کی شرط ہے اور مجوب وہ ہے جس میں دو سے زیادہ زبانیں استعمال کی جائیں۔ 'حدائقِ بخشش' میں مجوب کی جو مثالیں دی ہیں وہ اشعارِ غزل کی نہیں بلکہ اشعارِ قصیدہ کی ہیں اور ہر شعر میں صرف ایک یا دو زبانوں کا اعتبار کرتے ہوئے انھیں مجوب سے وابستہ کیا ہے جب کہ مجوب کے لیے ایک

D:NaatRang-18
File: Shamim
Final

ہی شعر میں دو سے زیادہ زبانوں کی شرط بتائی گئی ہے۔ قصیدہ کے اشعار میں اگرچہ چار زبانوں کو شامل کیا گیا ہے مگر اس بے ترتیب لسانی شمولیت کو اس طور پر قصیدہ و مثنوی کے ساتھ جائز سمجھ لیا جائے تو پھر تین چار کیا بہت سی زبانیں استعمال کی جاسکتی ہیں مگر یہ صنعت محض زبانوں کی نمایش نہیں بلکہ ایک ہی شعر کی حد میں رہ کر چند زبانوں کا اظہار چاہتی ہے یہی قاعدہ قرینِ اصل بھی ہے اور اردو شاعری کے لیے مخصوص بھی۔

حضرت شاہ احمد رضا بریلویؒ نے بھی اسی قاعدے کو اصل جانا اور غزل کی ہیئت میں صنعتِ مجوب کا استعمال کیا۔ اس صنعت کی توضیع وتشکیل اپنی جگہ، مگر عربی و فارسی شاعری چوں کہ اس صنعت سے مستثنیٰ ہے اس عدم تمثیلات کی بنیاد پر یہ زبانیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ صنعتِ مجوب کے حق میں تین چار زبانوں کی شرط اردو شاعری کے لیے مستعار نہیں بلکہ اتفاقیہ طور سے اس کے پیدایشی حق پر صادق آ گئی۔ باقاعدہ جملوں یا فقروں کے زیرِ شرط عربی و فارسی شعرا کے ہاں مجوبی اشعار کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ دونوں اقدام کی لسانی حد بندی ہمیشہ مستحکم رہی لیکن اس کے برعکس اردو کا ایک تعلیم یافتہ شاعر بہ یک وقت کئی زبانوں کو ایک شعر کے ساتھ مربوط و ہم آہنگ کرسکتا ہے۔ کبھی زبانوں کی اصل عبارتوں کے ساتھ اور کبھی زبانوں کی صوتی کیفیات کے تحت جملوں اور فقروں کو اردو کے ساتھ متحد کرسکتا ہے۔ یہی لشکری زبان کی خاصیت ہے، مگر عربی و فارسی یا دیگر زبانیں ایسا نہیں کرسکتیں۔ یہی مجبوری اس ثبوت کا مظہر بنتی ہے کہ غزل وقصیدہ ہو یا مثنوی ورباعی کسی بھی صنف میں عربی و فارسی اساتذۂ سخن کے ہاں مجوب اشعار نہیں ملتے کہ جس کی رعایت سے اردو شاعری کے لیے مجوبی قانون کو وابستہ کیا جاسکے۔ یہی صورتِ حال اس قانون کی ترتیب میں مدد پہنچاتی ہے کہ مجوب کے لیے غزل ہی کے ایک شعر کی شرط ضروری ہے اور غزل ہی کے اشعار میں اس لسانی فن کی قدریں بطورِ خاص نمایاں ہوسکتی ہیں۔ یہاں پر اس صنعت کے پیشِ نظر تعیینِ بحور کے معاملے کو بھی سامنے لانا لازمی امر ہے۔ لہٰذا ضابطے کے تحت اس حق کی طرف جانا بہتر ہوگا کہ مجوب کو تمام چھوٹی بحروں سے مستثنیٰ سمجھا جائے تاکہ بڑی بحروں کی رعایت سے ایک ترتیب کے ساتھ مختلف زبانوں کے لفظوں، جملوں اور فقروں کا بہ آسانی استعمال کیا جاسکے جیسا کہ حضرت رضا بریلویؒ نے اس ہیئت میں کامیاب تجربے کا نایاب نمونہ پیش کیا ہے۔

حضرت رضا کی مجوبی غزل کے پیشِ نظر ممتاز دانش ور اور پروفیسر مطیع الرحمٰن نے اپنی تصنیف 'آئینۂ ویسی' میں جو اشعار نقل کیے ہیں وہ بھی غزل کی ہیئت میں ہیں جس سے یہ ثبوت فراہم

ہوتا ہے کہ یہ صنعت غزل ہی سے وابستہ ہونے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتی ہے، لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ جو احترامِ نبوی ﷺ کے پیشِ نظر دیارِ حبیب میں قدم رکھ کر چلنا بھی سُوءِ ادب سمجھتے ہیں:

عرب کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

فاضل بریلوی کی ایک نعتیہ غزل کا پہلا مصرع عربی و فارسی اور دوسرا مصرع اردو و ہندی میں ہے اور بہت خوب ہے۔ تین اشعار نقل کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں:

اسی انداز کی ایک نعت ایک بنگالی شاعر نے عربی، فارسی، اردو، بنگلہ اور انگریزی ملی جلی زبان میں لکھ کر آقائے مدینہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے جس کے تین اشعار (مشکوک نقل کے ساتھ) نذرِ قارئین ہیں:

یا من لہ روحی فدا نائی بمن گاہے چرا ہوئے جھکی آمار خطا بخشو تو میرے مہ لقا
جیون دھن آمار تومی جان رتنم را عہدمی اے 'لُک آف لووڈیرٹو می' میری یہی ہے التجا
ٹوئنکل ٹوئنکل لائک اسٹاردانتن تمھارے آبدار چندر متن بادن تمھار عارض چو شمس پرھنیا

(ص ۴۴۴، مطبوعہ پٹنہ ۱۹۷۶ء)

اس طرح کے مجوبی اشعار اردو شاعری میں اب بھی بہت کم ملتے ہیں۔ حضرت رضا کے مقابلے میں اشعار مندرجہ بالا میں اگرچہ لسانی ترتیب کے حسن اور معیاری مفاہیم میں کافی کمی ہے تاہم اردو زبان کے ایسے تلمیعی اشعار مجوب کے تقاضے ضرور پورا کرتے ہیں اور مجوب کہلانے کے مستحق ہیں۔ اردو کے اساتذۂ سخن کے ہاں اس انداز کے اشعار غالباً ناپید ہیں جس کے پیشِ نظر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صنعت جو کل تک ویرانے میں پڑی ہوئی تھی جس کا کوئی مستند نمونہ تک موجود نہیں، حضرت رضا نے ازسرِنو تشکیل دے کر نہ صرف نئی روح پھونک دی، نہ صرف بنیادی پیکر تراش دیا بلکہ ایسا نادر و نایاب فن پارہ پیش کیا کہ آج تک اساتذۂ سخن اس کا بدل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ صنعت آسان ہوتے ہوئے بھی لسانی نزاکت و نفاست کی آئینہ دار اور امتزاجی لطافتوں کی ترجمان

ہے۔ چند زبانوں کو ایسے تال میل کے ساتھ ہم آہنگ و مربوط کرنا ہر زبان کی اپنی لچک اور پھبن اور اس کا سحر آگیں لب و لہجہ اس طرح اشعار کے قالب میں ڈھلتا جائے کہ کسی بھی زبان کی شیرینی ماند نہ پڑنے پائے اور باہم لسانی حسن و وصف اُبھر کر سامنے آتا جائے یہی اس صنعت کا سب سے بڑا کمال ہے۔ حضرت رضا نے اردو شاعری میں بہ ہیئتِ غزل مجوب کا پیدایشی نقشہ اور اس کی اصل وضع داری پیش کرتے ہوئے لسانیاتی سنگم کا اَن مول فن پارہ ترتیب دیا ہے جس کا امتزاجی کیف و سرور جذبۂ دل میں ہیجان برپا کرتا ہے اور ہر شعر کا فکری معیار بھی بلندی پر دکھائی دیتا ہے۔ عربی و فارسی اور اردو زبانوں کے اشتراک سے حضرت رضا نے خاصۂ مجوب ثابت کرتے ہوئے ہر مصرعِ اوّل کے عربی و فارسی فقروں کو دو الگ الگ ہم وزن بحروں میں منقسم کرتے ہوئے نہ صرف دو قوافی کا اہتمام کیا بلکہ ہندی کے مصرعِ ثانی کے نصف ارکان کے اختتام پر بھی قافیہ کا بندوبست کیا۔ گویا ہر شعر میں چاروں زبانوں کا استعمال بحروں کی صورت میں کیا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں صنعتِ مجوب کے اس قرینے کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ علمِ بدیع میں اسے 'صنعتِ ترصیع' کہتے ہیں جو سجعِ متوازی کی ایک قسم ہے جس کی مثالیں دیگر بحروں میں تو عام ہیں مگر مجوب میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

الغرض پوری غزل صنعتِ مجوب کا قیمتی مظہر ہونے کے علاوہ عشق و محبت اور وفورِ عقیدت کا آفتاب و ماہتاب بھی ہے۔ لفظ لفظ سے عشقِ رسالت مآب ﷺ کا آبشار بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس غزل نے اگر ایک طرف محفلِ شعر و ادب کو متحیر و ششدر کیا ہے تو دوسری جانب محفلِ میلاد اور بزمِ سماع میں بھی ایک نئی جان ڈالی ہے۔ ہر طرف بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی سنی جاتی ہے۔ غزل کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

لم یات نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

البحر علا و الموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی
(فن اور تنقید)

دبستانِ علم وحکمت سے وابستہ جن شخصیات نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ایک زمانے کو متاثر کیا، ان میں ایک اہم نام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ کے علمی کمالات اور فقہی سرفرازیوں کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایسی نابغۂ روزگار شخصیات صدیوں بعد جنم لیتی ہیں۔ آپ کے تذکرہ نگاروں کے ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ ۷۲ علوم میں کمال رکھتے تھے۔ عالمِ باکمال، فقیہِ لازوال، محدثِ بلند اقبال۔ نکتہ شناس ایسے کہ فکر و تدبر کو ان کے ذہنِ رسا پر ناز آئے، مفسر قرآن اور شارحِ تعلیماتِ مصطفوی ﷺ ایسے کہ زمانہ فرطِ حیرت سے انگلیاں دانتوں میں داب لے۔ دوقومی نظریہ کے پاس دار، شاتمانِ مقامِ رسالت ﷺ کے خلاف برہنہ تلوار، حق وصداقت کی للکار۔ آپ نے تقریر سے زیادہ تصنیف وتالیف کو اپنایا۔ مدرّس، شیخ الحدیث بلکہ بحرالعلوم بن کر برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تعلیمات کے چراغ روشن کر دیے۔ اپنوں نے مانا، اغیار نے عاجز ہو کر آپ کی عظمت کو پہچانا۔ خود تو مناظروں اور تقاریر کی مجالس سجانے سے بچتے رہے کہ جو وقت بھی میسر آتا ہے وہ اشاعت وترویجِ پیغامِ رسول ﷺ میں بسر ہو جائے، مگر اپنے شاگردان، ارادت مندوں، متعلقین اور خوشہ چینوں کی ایسی فقید المثال جمعیت زمانے کو بخشی جن میں سے ہر فرد آپ کی خداداد صلاحیتوں کا ترجمان بن کر زمانے کو متاثر کرتا رہا۔

آپ کا سب سے بڑا افتخار جذبۂ عشقِ رسول ﷺ تھا جس نے ایک طرف تو آپ کے دل کو اس قدر گداز کر رکھا تھا کہ اسمِ حضور ﷺ لبوں پر آتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کے آبگینے برسنے لگتے۔ دوسری طرف اسی عشقِ رسول ﷺ نے آپ کے ذہن وقلم کو گستاخانِ نبوت کے لیے شمشیر بہ کف بنا رکھا تھا۔ اس معاملے میں خود انتہا درجے کے محتاط تھے اور دوسروں سے بھی اسی احتیاط کے

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

متقاضی ہوتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ عالیہ میں جو کہ بذاتِ خود حکمتِ ایمانی کے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں، مقامِ رسالت اور مقامِ نعت گوئی کے حوالے سے بڑے واضح اشارے اور پیغامات ملتے ہیں۔ (راقم اس موضوع پر بھی کام کر رہا ہے) آپ اپنے دور کے ممتاز ترین حکمت آموز تھے۔ کئی والیانِ ریاست کی تمنا ہوتی تھی کہ آپ ان کے دربار سے کسی نہ کسی صورت وابستہ ہو جائیں۔ یہ نہیں تو چند روز ان کو مہمانی کا شرف عطا کر دیں، مگر آپ محبتِ رسول ﷺ میں اس قدر مستغرق تھے کہ نگاہ کسی اور طرف اُٹھتی ہی نہ تھی۔ ان کا یہ شعر محبانِ رسول ﷺ کے لیے پیغامِ حق بھی ہے اور نشانِ منزل بھی:

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

اسی بے کراں جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کا انعام انھیں نعت گوئی کی صورت میں عطا ہوا۔ آپ نے ایک شاعر کی حیثیت سے اپنی نعت گوئی کا سکہ بٹھانے کے لیے نعت نہیں لکھی بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے بجا طور پر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ نعت آپ سے ازخود ہو رہی تھی۔ نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا، نہ مشاعروں کا شوق، نہ کلام چھپوانے کا لپکا۔ معیتِ رسول ﷺ کا سرمدی جذبہ ان کے باطن سے خوش بو بن کر اُبھرا، آپ کے افکار سے ایمانی تب وتاب لی اور دیکھتے ہی دیکھتے زمانے بھر کا ترانۂ شوق بن گیا۔ ان کے دور کی کیا بات کیجیے۔ اب تو ہر دور انھی کی نعت گوئی سے رفعتِ شوق مستعار لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

امام احمد رضا خاںؒ کی نعتیہ شاعری کا حقیقی ماخذ قرآنِ حکیم ہے۔ آپ نے اپنی نعت گوئی کو بلندیٔ اظہار بخشی مگر مقاماتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی روشنی میں۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحابِ ذوق کے لیے شمعِ ہدایت ہے:

> حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔

رضا بریلویؒ نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس کیا ہے۔ ان کا راہ وارِ قلم جب عشق وعقیدت

کی جولان گاہ میں محوِ سفر ہوتا ہے تو ہر گام پر دلوں کے تڑپنے، جذبوں کے مچلنے، تمناؤں کے غنچے چٹکنے کی صدائیں اُبھرتی ہیں مگر حضرت رضا بریلویؒ نے عشق و عقیدت کی انتہائی سربلندیوں پر پہنچ کر بھی آدابِ شریعت اور ادب کے ساتھ احتیاط کو مدِ نظر رکھا ہے۔ کئی بلند پایہ نعت گو شاعر افراط و تفریط کے معاملے میں ٹھوکر کھا گئے، مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے قرآنِ حکیم، سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کو خضرِ راہ بنا کر جب نعت کہی تو ایوانِ نعت جگمگا اُٹھا۔

امام احمد رضا کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک لفظ ذوق و شوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایاتِ مصطفوی ﷺ کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوش بو کو حاصل ہے۔ خوش بو پھول کے باطن حسن کو اُجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ احمد رضا بریلوی اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعۂ نجات تھا۔ احمد رضا خاںؒ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی بارات کس طرح سجاتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرشِ آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون باندھے گا اس کا کلام اتنا ہی زیادہ قبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ اعلیٰ حضرتؒ نے نعتِ مصطفیٰ ﷺ رقم کرتے ہوئے مضامین آفرینی کی سربلندیوں کو چھوتے ہوئے بھی ادب و احترامِ مصطفیٰ ﷺ کو فراموش نہیں کیا کیوں کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس کوچۂ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انھیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا بلکہ دوسرے شعرا کی بھی راہنمائی فرمائی۔ چناں چہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع یہ تھا:

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرتؒ نے سن کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسرا مصرع مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے۔ آپ نے قلم

برداشتہ اصلاح فرمائی:

کب ہیں درختِ حضرتِ والا کے سامنے قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلّٰی کے سامنے

اعلیٰ حضرت کی اس اصلاح سے اطہر ہاپوڑی کی مضمون آفرینی اور رفعتِ تخیل کو چار چاند لگ گئے۔ اب ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے مضمون آفرینی، رفعتِ تخیل اور شوکتِ فکر کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا "نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا، تیرا

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

پریشانی میں نام ان کا دلِ صد چاک سے نکلا اجابت شانہ کرنے آئی گیسوئے توسّل کا

حضرت احمد رضا خاںؒ صفت وثنائے حضورﷺ میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیست نعت کے علاوہ کسی اور طرزِ سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سلطانِ اقالیم دوعالم ہیں۔ افتخارِ آدمؑ و بنی آدم ہیں۔ رحمت پناہ عاصیاں اور چارۂ بے چارگاں ہیں۔ آپ کا دربار وہ دربارِ معلّٰی ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور بوریا نشینوں کو عشق وعقیدت کے نام پر کج کلاہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربارِ معلّٰی سے نسبت حاصل کر کے کسی اور دروازے کی طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ احمد رضاؒ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے:

کروں مدحِ اہلِ دول رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نعت کو ان بلندیوں پر پہنچا دیا کہ زمانے کو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہی بنی۔ نعتِ مصطفیٰ وہ افتخار ہے کہ نعت گو شاعر بے اختیار اس کے احساس سے اپنے جذبات کو وجد میں لے آتا ہے۔ اسی لیے شاہ احمد رضا خاںؒ فرماتے ہیں:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو! کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں قدرت نے ازل سے ابد تک کے تمام محامد و محاسن جمع کر دیے ہیں۔ آپ کے ظاہری و باطنی فضائل عقل و خرد سے ماوریٰ اور آپ کے کمالات ذہنِ انسانی سے کہیں بلند ہیں۔ شاعر کی فکرِ کم تر کمالاتِ مصطفےٰ ﷺ کا احاطہ کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہے مگر بے بس و ناتواں ہو کر اپنی معذوری و مجبوری کا اعتراف کرنے لگتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاںؒ کے قلمِ حقیقت رقم نے حضور نبی کریم ﷺ کے حسنِ ظاہری اور باطنی تجلیات کو جی بھر کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کا یہ خراجِ عقیدت اشعار کا ایک ایسا گل کدہ ہے جس کا ہر پھول سدابہار اور ہر غنچۂ محبتِ رسول ﷺ سے مشک بار ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا ﷺ کے حسنِ صورت کو اس شان سے اپنی شاعری کا اعزاز بنایا ہے کہ اُفقِ شاعری پر عظمت و شانِ مصطفیٰ کے نجومِ تاباں ہر لحظہ نئی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوئے اور اصحابِ نظر کے افکار کو مستنیر کرتے نظر آتے ہیں۔ حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے ان کے چند اشعار دیکھیے:

حسنِ یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

یہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینا مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دلھن پھول

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

خامۂ قدرت کا حسنِ دست کاری واہ وا کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی اُتاری واہ وا
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و مہ اُٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ وا

جب اعلیٰ حضرت بریلویؒ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے حسنِ باطنی اور جمالِ سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا اندازِ بیان دیدنی ہوتا ہے۔ ان کی نگاہوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے تمام خصائص و کمالات گھومنے لگتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ کردار، رفعتِ گفتار، بے پایاں رحمۃ للعالمینی، میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی، گناہ گار اُمت کے لیے حضور کی گریہ و زاری،

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

خطا کاروں کی بخشش کے لیے رحمت شعاری، جُود و کرم کی فراوانی، لطف و عنایات کی فراخ دامانی، اخلاقِ عالیہ کی رفعت، سیرت و کردار کی عظمت، خدا کی اپنے محبوب ﷺ پر بے پایاں عنایت اور حضور نبی کریم ﷺ کا امت کے لیے ہر آن امنڈتا ہوا بحرِ شفاعت، یہ سب خصائص جب احمد رضا خاںؒ کے قلم میں سماتے ہیں تو ان کے خامۂ عنبر فشاں کو نئی توانائی اور ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی و گیرائی عطا ہوتی ہے۔ آپ کے کلام سے چند اشعار نذرِ قارئین ہیں:

تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا　　چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں، یاں اس کے خلاف

مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا　　ایک میں کیا، مِرے عصیاں کی حقیقت کتنی

جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں　　جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں

رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں　　اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا

ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی　　جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل

ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی　　جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات

آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے　　پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے

آنکھ کھولو غم زدو! دیکھو وہ گریاں آئے ہیں
لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے

شاہ احمد رضا خاںؒ کی نعتیہ شاعری کا وہ حصہ دلوں کو بے اختیار گداز آشنا کرتا ہے جب آپ حرمین الشریفین کی جانب سفر کی تیاری طے کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو دیکھنے کی تمنا ہر صاحب ایمان کے دل میں مچلتی ہے اور پھر جب وہ شخصیت اس مبارک سفر پر روانہ ہو رہی ہے جس نے عمر بھر عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا درس دیا ہو، توحیدِ خداوندی کے آداب سکھائے ہوں، احترام و عقیدت رسول ﷺ کی چمک عطا کی ہو۔ دلوں میں شمعِ عشقِ رسول ﷺ جلا کر اجالا کیا ہو۔ جس کی اپنی زندگی عشقِ مصطفوی ﷺ کی تصویر اور محبتِ رسول ﷺ کی عملی تفسیر ہو۔ جس کے شب و روز بیت اللہ کے طواف اور حرمِ نبوی ﷺ کی زیارت کے تصور میں گزرتے ہوں۔ تو پھر اس پر کیف سامانی کا سحاب کس شان سے پرتوفگن ہوگا۔ اس کا تذکرہ بہار آخریں بھی ہے اور روحانی لطف و سرور کا باعث بھی۔ آیئے ہم بھی احمد رضا خاںؒ کی اس کیف سامانی سے چند اشعار کا معنوی حُسن مستعار لے کر دلوں کو شاد کام کرنے کا اہتمام کرتے ہیں:

جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے　　شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرادیے اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

جب آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں تو ان کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا تصور ان سے کس طرح خراجِ عقیدت حاصل کرتا ہے۔ اس کی جھلک ملاحظہ ہو:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

مدینہ منورہ کے بارے میں احترام وعقیدت کا کس شان سے اظہار کرتے ہیں، انداز دیکھیے:

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اور پھر مدینہ منورہ کی گلیوں میں اس عاشقِ رسول ﷺ کے دل پر کیا گزرتا ہے۔ آنکھیں کس طرح اشکوں کی لڑیاں پروتی ہیں۔ انھیں یہاں ہر گام پر سرکارِ دوعالم ﷺ کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف آپ کی بے قراری ہے اور دوسری طرف آقا و مولا کی نوازشوں کا احساس۔ اسی احساس سے سرشار ہوکر مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے ہیں۔ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کرتے کرتے جی نہیں بھرتا، دل مکینِ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کے لیے مچلتا رہا... یہی بے قراری رنگ لائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایاتِ بے کراں سے نوازے گئے۔ اس کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاج دار پھرتے ہیں

پھول کیا دیکھوں! میری آنکھوں میں دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

شاہ احمد رضا خاںؒ کا نعتیہ مجموعہ ''حدائقِ بخشش'' ہے جس کا اوّلین سالِ اشاعت ۱۳۲۵ھ ہے۔ رضا بریلویؒ کے نعتیہ کلام کا ایک دل آویز اور خوب صورت حصہ نعتیہ قصاید پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدۂ نور، قصیدۂ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ قصیدۂ نور میں بطورِ خاص حضور نبی کریم ﷺ کی ولادتِ اقدس کے حوالے سے آپ کی صفاتِ عالیہ کو موضوعِ شاعری بنایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اس قدر جامع اور اثر آفریں ہے کہ بے شمار عشاقِ مصطفےٰ ﷺ اسے وظیفۂ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں:

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

سر جھکاتے ہیں الٰہی! بول بالا نور کا　　　　تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
تُو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا　　　　تیری نسل پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا

''قصیدۂ معراجیہ'' میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفرِ معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذاتِ خود فکر و فن کا شہکار اور کاروانِ نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا ہے۔ یہ قصیدہ تشبیہات، استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے سرمایۂ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جودت و حدتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصاید میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے ہم عصر مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے انھی دنوں معراج النبی پر قصیدہ ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' کہا تھا۔

محسن کاکوروی اپنا قصیدہ سنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاںؒ کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا۔ نمازِ عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو مولانا نے محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لو۔ محسن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ اس عالمانہ و عارفانہ نکات کے حامل اور شاعرانہ کمالات سے لبریز قصیدے کے چند اشعار سے قارئین بھی اپنے گلشنِ ایمان کو بہار در کنار کر لیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

مولانا احمد رضا خاںؒ کا سلام ہر لحاظ سے ادب عالیہ کا ایک حصہ ہے۔ اسے فنِ شاعری کے

حوالے سے دیکھیں یا محبت و عقیدت کے حوالے سے، ثنائے مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں دیکھیں یا الفاظ و تراکیب کی برجستگی کے حوالے سے۔ حسنِ زبان و بیان کے آئینے میں دیکھیں یا شکوہِ تراکیب و استعارات کی جلوہ گری کے پیمانے سے اس کے فنی وشعری محاسن کا جائزہ لیں۔ یہ سلام دلوں کو محبتِ رسول کی دولت عطا کرتا، پتھر دلوں کو روحانی گداز بخشتا اور اپنے مخصوص صوتی آہنگ میں دلوں کے تار چھیڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کوثر و تسنیم کی ڈھلی ہوئی زبان، مشک و عنبر سے بسا ہوا قلم، جمالِ عقیدت سے آباد و سرشار لہجہ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سلام حضور ﷺ کے نورانی سراپا کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے ایک ایک عضو پر عقیدت کی مہک بار پتیاں نچھاور کی گئی ہیں۔ قارئین کے ذوق کی جلا کے لیے چند اشعار پیش ہیں:

شہر یارِ ارم، تاجدارِ حرم نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام

دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

غیر معمولی جذبۂ عشقِ رسول ﷺ علومِ شرعیہ پر مکمل عبور، روحانی سوز و گداز، شدتِ احساس اور خلوصِ جذبات کی ہم آہنگی نے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کو حسنِ تغزل عطا کر دیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نعت گو شاعر میں نظر نہیں آتا۔ آپ وہ پہلے نعت گو شاعر ہیں جنھوں نے نعت کو غزل کا آہنگ اور لہجہ عطا کیا۔ ردیف اور قوافی کے اہتمام سے نعت جیسی پاکیزہ صنف کو غزل پر فوقیت عطا کر دی۔ آپ نے اس عروسِ سخن کو مجازی کی دہلیز سے اُٹھایا۔ شاعری کو غزل کے شبستانِ ہوس سے نکالا اور ایوانِ نعت کے دل کشا ماحول میں اس سے چراغِ ہدیٰ کا کام لیا۔ نعت اس وقت تک حسنِ تغزل سے محروم رہتی ہے جب تک اس میں عشق اپنی انتہا کو نہ چھونے لگے اور سوز و گداز کا پھوٹتا ہوا سرچشمہ آنکھوں سے محبوب کی محبت کے نام پر اشکوں کا خراج نہ لینے لگے۔ حضرت احمد رضا خاںؒ کی نعتیہ شاعری میں تو سوزِ بلالؓ کی تڑپ تھی، عشقِ اویسؓ کی جلوہ گری تھی، رومیؒ و جامیؒ کی تڑپ تھی۔ آپ نے اپنے معاصرین کی نعت گوئی کے مقابلے میں کہ جو زیادہ تر مولود ناموں اور نظم گوئی پر مشتمل تھی ایک نیا راستہ نکالا۔ یہ راستہ وہی تھا جس پر سے سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

میں پہلا کاروانِ نعت گزرا تھا۔ اس کاروانِ نعت کے قدموں سے اُبھرنے والی گرد کے ایک ایک ذرّے نے بے شمار ستارے تخلیق کیے تھے۔ امام احمد رضا خاںؒ نے اپنی عقیدت کی پلکوں سے ان ستاروں کو چنا۔ فیاضیِ قدرت نے ان کی شاعری کو وہ حسنِ تغزل عطا کر دیا کہ ایک زمانہ بیت جانے کے باوجود آپ کا کلام حالات کے ظلمت کدوں میں اسمِ محمد ﷺ کے اُجالے بکھیر رہا ہے۔ حسنِ تغزل کے نام پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا　　حضورِ پاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لائی　　کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا　　ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا
دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا　　سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا　　اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

اہلِ صراط، رُوحِ امیں کو خبر کریں　　جاتی ہے اُمتِ نبوی فرش پر کریں
ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لیے　　آنکھوں میں آئیں، سر پہ رہیں، دل میں گھر کریں

چوں کہ احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ نامور محدث اور علومِ شریعت کے عالمِ کامل تھے۔ تاریخ اور سیرت مصطفوی ﷺ کے روشن ادوار پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اس لیے آپ نے جہاں حسنِ تغزل کی بہار بکھیرتے اپنے آقا و مولا ﷺ کے لامتناہی فیوض و برکات کا تذکرہ کیا ہے وہاں آپ نے اپنے علمی کمالات اور علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے کی بنا پر بہت سے ایسے واقعات اور معجزات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن سے عظمت و شانِ رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ان کی قرآن فہمی اور احادیثِ نبوی ﷺ پر عبور نے انھیں بہت مدد دی ہے۔ بعض نعتیہ اشعار تو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ کا منظوم ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے قرآنی آیات اور احادیث کو اس خوبی سے اپنی نعتوں میں سمویا ہے کہ ہر صاحبِ فکر کو ان کی قدرتِ فن کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بعض نعتوں میں تو عربی کے الفاظ اس طرح جگہ پا گئے ہیں کہ مستقل طور پر انھی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں عربی الفاظ کی آمیزش نے کس طرح ان نعتوں کے حسن کو دوبالا کیا ہے اس کی بہترین مثال ان کی یہ شہرۂ آفاق نعت ہے:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اب چند مثالیں خصائصِ نبوی ﷺ اور معجزات وکمالاتِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے:

تیری مرضی پا گیا، سورج پھرا اُلٹے قدم — تیری انگلی اُٹھ گئی، مہ کا کلیجا چر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا — تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
کیوں جنابِ بوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شیر — جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ بھر گیا

ترے خُلق کو حق نے عظیم کیا تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز — اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے — اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے
ہاں تُو نے ان کو جان انھیں پھیر دی نماز — پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم — اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضاؒ کی حیثیت اس صدی کے نعت گوشعرا میں میرِ کارواں کی ہے۔ آپ کی نعتوں نے فقط آپ کے دور کو نہیں آنے والے ادوار کو بھی متاثر کیا۔ فقہی اور شرعی امور میں آپ سے شدید اختلاف رکھنے والے حضرات بھی جب نعتِ مصطفےٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں تو تمام تر تعصب کے باوجود انھیں بھی ایوانِ نعت کی سب سے سربلند مسند پر حضرت رضا بریلویؒ کو ہی جگہ دینی پڑتی ہے۔ ایک مضمون کو جہاں صفحات کی تنگ دامانی راہوارِ قلم کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہو، بھلا آپ کے تمام تر شعری اوصاف کا کس طور احاطہ کرسکتا ہے۔ آج فاضل بریلویؒ کی اثر آفریں نعت گوئی اپنی تاثر انگیزی کی گرفت کو اس قدر مضبوط کر چکی ہے کہ فقط برصغیر میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں آپ کی شخصیت اور کلام پر تحقیقی کام کا سلسلہ جاری ہے۔ اس ضمن میں شفیق بریلوی کی کتاب ارمغانِ نعت کے حوالے سے کراچی میں ۱۹۷۵ء میں منعقد ہونے والی تعارفی تقریب میں مولانا کوثر نیازی کی یہ رائے خاص اہمیت رکھتی ہے:

> بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خاںؒ جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

D:NaatRang-18
File: Akram-2
Final

تاریخِ نعت گوئی کا مطالعہ جہاں ہمیں امام رضا خاں فاضل بریلویؒ کے شعری کمالات سے آگاہی بخشتا ہے وہاں یہ احساس بھی اُبھرتا ہے کہ احمد رضا خاںؒ کو یہ شعری مقبولیت اور تاریخ میں ہر دل عزیزی کس طور عطا ہوئی۔ اگر ہم اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے آگے بڑھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ فاضل بریلوی کی تمام تر شعری عظمت کا حقیقی سبب ان کی قرآن فہمی ہے۔ آپ قرآنِ حکیم کے مترجم ہی نہیں مفسر بھی تھے۔ زندگی بھر قرآن حکیم کی تجلیات سے ظلمت زدہ دلوں کو منور کرتے رہے۔ قرآن حکیم کے مطالعے نے ہی انھیں کمال درجہ کی احتیاط پسندی سکھائی۔ یہ آپ ہی کا کمال ہے کہ حد درجہ احتیاط پسندی کے باوجود آپ کا کلام قبولیتِ عام کی آخری منازل کو چھو رہا ہے۔ قرآن حکیم سے اکتسابِ فیض کا اعلان یوں کرتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ بے جا سے ہے المنتہ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

قرآن حکیم سے آگے بڑھے تو شریعتِ مصطفوی ﷺ نے دامانِ نور کشادہ کر دیا۔ قرآن حکیم اور قرآنِ ناطق (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) جدا جدا تو نہیں ہیں۔ ایک قرآن تیس پاروں کی صورت میں انوارِ کرم لٹا رہا ہے جب کہ قرآنِ ناطق حضور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا اسی کلامِ مجید کی عملی شرح روشن ہیں۔ فاضل بریلوی نے قرآنِ حکیم اور صاحبِ قرآن ﷺ کی تعلیماتِ قدسیہ سے بھرپور روشنی اور راہنمائی لی اور تمام زندگی اس پر نازاں رہے کہ انھیں نعت نگاری کی بدولت بھی قرآن اور تعلیماتِ حضور ﷺ کو عوام الناس تک پہنچانے کی سعادت عطا ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

آج تمام نعت گو حضرت فاضل بریلویؒ کو ''امام سخن گویاں'' قرار دیتے ہیں۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑ سکی بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحتِ رسول ﷺ کی خاطر ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے تو احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ کے کلامِ بلاغت نظام سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ: مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
کی صورت میں وجد آفریں سلام کی صدائیں اُبھرتی ہیں تو جہاں اصحابِ نظر کی پلکیں عشق وعقیدت کے آنسوؤں سے نم آلود ہو جاتی ہیں وہاں تصورات کے نہاں خانوں میں نعت گو احمد رضا خاںؒ کا جو

روشن سراپا اُبھرتا ہے وہ اس قدر سر بلند اور سرفراز ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور عصرِ حاضر کے نعت گوشعرا کا وجود اپنی تمام تر بلند قامتی کے باوجود اس کے سامنے سرِ عقیدت خم کرتا نظر آتا ہے۔ ہم اس تاریخ ساز نعت گو کے سلام کا آخری شعر نذرِ قارئین کرتے ہوئے اجازت چاہتے ہیں۔ یہ شعر سلام کا مطلع بھی ہے اور میدانِ محشر میں ان کے دل میں مچلنے والا ذوقِ آرزو بھی:

جب کہ خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا!
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

☆

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

اسلوبِ رضا کا بانکپن

اسلوب کے بانکپن یعنی طرزِ ادا کی رنگینی اور طرفگی ہی کے باعث شاعر کے کلام کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے: میر، غالب، داغ، جگر وغیرہ غزل نگاروں کے کلام کی مقبولیت کا راز جس قدر طرزِ ادا کی طرفگی و رنگینی میں نہاں ہے اس قدر ان کی مضمون آفرینی میں نہیں!

فرسودہ سے فرسودہ اور پامال سے پامال مضمون یا خیال کو شاعر اپنے بانکپن سے ایک نئی کیفیت میں بدل دیتا ہے۔ ہاں! یہ واضح رہے کہ غزل میں نعت پاک کی بہ نسبت اسلوب کا بانکپن پیدا کرنا آسان ہے۔ پھر بھی نعت گویانِ اردو نے زبان و بیان کی مہارت اور شعری استعداد کو بروئے کار لاکر نعت پاک میں طرزِ ادا کی طرفگی و رنگینی پیدا کی ہے۔

امام احمد رضا نے بھی اپنے علم وفضل، زبان و بیان کی مہارت، شعری حرکیت اور ان سب پر مستزاد عشقِ نبوی کی حدت و شدت کو بروئے کار لاکر اپنے کلام میں اسلوب کا بانکپن پیدا کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا — دو قدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی — پھر دکھا دے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو
تنگ آئے ہیں دو عالم تری بےتابی سے — چین لینے دے تپِ سینۂ سوزاں ہم کو

رسولِ کونین ﷺ کی خاتمیت پر طرزِ ادا کی رنگینی سے آراستہ یہ شعر دیکھیے:

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی — چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

مندرجہ ذیل شعر دیکھیے کہ امتناع النظیر کے ادق اور مشکل مسئلہ کو حضرت رضا نے طرزِ ادا سے کس قدر آسان اور سریع الفہم بنا دیا ہے:

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

امام احمد رضا اپنے دلی کیفیات اور قلبی واردات کا اظہار طرزِ ادا کی کسی رنگینی اور بانکپن سے کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجیے:

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے | بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے
دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے | ارے تیرا برا، خدا نہ کرے

قافلہ نے سُوے طیبہ کمر آرائی کی | مشکل آسان الٰہی! مری تنہائی کی
لاج رکھ لی طمعِ عفو کے شیدائی کی | میں قرباں مرے آقا بڑی آقائی کی

'کمر آرائی' کی ترکیب کی تقدیس کیا خوب ہے!

یہ کب کی تجھ کو عداوت تھی مجھ سے اے ظالم | چھڑا کے سنگ درِ پاک سر و بال کیا
چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل | اجاڑا خانۂ بے کس بڑا کمال کیا
ترا ستم زدہ آنکھوں نے کیا بگاڑا تھا | یہ کیا سمائی کہ دور ان سے وہ جمال کیا

حسین تشبیہات واستعارات کے ساتھ اسلوب کے بانکپن کی خوبیاں ملاحظہ کریں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمین مشکل ہے اور وصفِ گیسوے رسول میں اشعار کہے گئے ہیں:

کعبۂ جاں کو پنہایا ہے غلافِ مشکیں | اڑ کے آئے ہیں جو ابرو پہ تمھارے گیسو
سلسلہ پا کے شفاعت کا، جھکے پڑتے ہیں | سجدۂ شکر کے، کرتے ہیں اشارے گیسو
مژدہ ہو قبلہ سے گھنگھور گھٹائیں آئیں | ابرووں پر وہ جھکے جھوم کے پیارے گیسو

حضور ﷺ کے اصل تکوین عالم کے مسئلہ پر یہ شعر دیکھیے۔ اسلوب کے بانکپن کے ساتھ امیجری بھی ملاحظہ ہو:

انھیں کی بو مایۂ سمن ہے، انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

مدینۂ امینہ سے عقیدت و وابستگی اور سرکارِ ابد قرار علیہ التحیۃ والثنا کے عشق و وارفتگی پر اسلوب کے بانکپن کا یہ انداز ملاحظہ کریں:

صرصرِ دشتِ مدینہ کا مگر آیا خیال | رشکِ گلشن جو بنا غنچۂ دل وا ہوکر
پائے شہ پر گرے یارب تپشِ مہر سے جب | دلِ بے تاب اُڑے حشر میں پارہ ہوکر

امام احمد رضا اپنے آقا مدنی محبوب علیہ التحیۃ والثنا کے 'عارضِ مبارک'، 'دستِ پاک' اور 'ایڑیوں' کی تعریف متنوع انداز میں اسلوب کے بانکپن کے ساتھ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ 'عارض'،

'ہاتھ' اور 'ایڑیاں' الگ الگ نعتوں کی ردیفیں ہیں اور ان ردیفوں کی وجہ سے زمین مشکل اور سنگلاخ ہوگئی ہے لیکن رضا اپنے شعری استعداد کو بروے کار لاکر اشعار کے حسین گل دستے سجائے ہیں اور قافیہ و ردیف کو شیر و شکر کر دیا ہے:

نارِ دوزخ کو چمن کر دے بہارِ عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہارِ عارض
جیسے قرآن ہے ورد اس گلِ محبوبی کی
یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے وقارِ عارض
مشک بو زلف سے رخ، چہرے سے بالوں میں شعاع
معجزہ ہے حلبِ زلف و تارِ عارض

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں — سنگ ریزے پائے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا — لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

تلمیحات سے آراستہ مندرجہ ذیل اشعار میں اسلوب کا بانکپن ملاحظہ کریں:

۱۔ تاجِ روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں — رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
۲۔ ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا — رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

شعر نمبر۱: اس جانب اشارہ ہے جب شبِ معراج حضور ﷺ کو لینے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے اور حضور کو بیدار کرنے کے لیے اپنی پیشانی سے ان کے تلوے کو مس کیا تھا۔

یہ اس سچائی سے تو امام احمد رضا کے مخالفین کو بھی انکار نہیں ہے کہ وہ عشقِ مصطفیٰ میں سرشار تھے۔ انھوں نے سرکار کے عشق و وارفتگی ہی کو اصل الاصول قرار دے کر حیات کا لمحہ لمحہ قربان کر دیا۔ ان کا دل ایک عاشق کا دل تھا اور ذہن ایک مفکر کا۔ وہ ایک عظیم فقیہ و عالمِ دین نیز متعدد نقلی و عقلی علوم و فنون پر حاوی تھے لیکن ان کے علم و قلم نے ذہن و عقل کی رہنمائی کے بجائے عشق کی رہنمائی میں سفر طے کیا۔ دراصل انھیں علم عین مقامِ دل پر عطا ہوا تھا۔ دنیاوی عشق عقل و خرد کو زائل کر دیتا ہے لیکن یہ وہ عشق ہے جو دنیاوی وقار و فلاح اور اخروی مسرت و کامرانی کی ضمانت ہے۔ یہ عشق قوت و طاقت، عزم و استقلال، خیر و فلاح، علم و فضل، ذہانت و خردمندی کا وسیلہ ہے، یقین کا ترجمان، کائنات کا مسخر اور روحانیت کا سرچشمہ ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہی جان ہے، یہی ایمان ہے:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا — جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سینے جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے
نورِ الٰہ کیا ہے محبت حضور کی جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے
انھیں جانا، انھیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام للّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امام احمد رضا نے اپنی شاعری کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کو اس عشق کا پیغام دیا ہے:

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا
آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

جب ایک عشقِ رسول اور ایک مفکر و دانش ور اپنے آقا مدنی حبیب علیہ التحیۃ والثنا کی مدحت گری کا فریضہ انجام دیتا ہے تو وہ شعری حسن کے بھانت بھانت کے جلوے دکھاتے ہوئے رمزیت میں وضاحت، وضاحت میں رمزیت، تشکیک میں تیقن اور پردۂ استعجاب میں حبیب کی بے مثالی نیز اپنے ذہنی وقلبی کیفیات کا اظہار۔

'کیوں، کس، کیا' وغیرہ استفہامیہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ رضا نے بھی یہ انداز اختیار کیا ہے۔ ان کی کئی نعتیں ایسی ہیں جن کی ردیف ہی استفہامیہ ہے۔ جیسے:

۱۔ پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
۲۔ یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
۳۔ مہر ہے مشغلہ افروز شبستاں کس کا
۴۔ راہ پُر خار ہے کیا ہونا ہے
۵۔ کس کے جلوے کی جھلک ہے، یہ اُجالا کیا ہے....وغیرہ

امام احمد رضا کی استفہام کے پردے میں، یعنی تشکک میں تیقن ہے یعنی رمزیت میں وضاحت جیسے مندرجہ ذیل اشعار میں:

مہر ہے مشعلہ افروز شبستاں کس کا ماہ ہے پرتوۂ شمۂ ایواں کس کا
سنبل آشفتہ ہے کس گل کے غمِ گیسو میں دیدۂ نرگسِ بیمار ہے حیراں کس کا
آفت جانِ عنادل ہے ترا حسن اے گل رنگ اُڑایا ہے یہ اے جانِ گلستاں کس کا

مقطع میں واضح کر دیتے ہیں کہ 'کس کا' سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں:

یا نبی جس کی اماں چاہے رضائے سوختہ ترے دامن کے سوا اور ہے داماں کس کا

محاسبۂ نفس اور اپنی شرمساری پر ایک نعت پاک کے اشعار دیکھیں۔ یہاں یاس وقنوطیت

D:NaatRang-18
File: Dr.A.Naeem
Final

کے بجائے اُمید و رجائیت ہے اور اس طرح تیقن کا بھرپور جلوہ موجود ہے:

راہ پُرخار ہے، کیا ہونا ہے   پاوں افگار ہے، کیا ہونا ہے
تن کی اب کون خبر لے! ہے ہے   دل کا آزار ہے، کیا ہونا ہے
کام زنداں کے کیے اور ہمیں   شوقِ گل زار ہے، کیا ہونا ہے
ہاے اے نیند مسافر تیری   کوچ تیار ہے، کیا ہونا ہے
پار جانا ہے نہیں ملتی ناو   زور پر دھار ہے، کیا ہونا ہے
کل ہے دیدار کا دن اور یہاں   آنکھ بے کار ہے، کیا ہونا ہے

اور یہ شعر دیکھیے اس میں علامتی رنگ جلوہ گر ہے۔ رضا نے آگ کو عشق کی علامت بنایا ہے:

بیچ میں آگ کا دریا حائل   قصد اس پار ہے، کیا ہونا ہے

مقطع میں وضاحت اور تیقن ہے اور امید و اطمینان کا اظہار ہے:

کیوں رضا کڑھتے ہو، ہنستے اُٹھو   جب وہ غفار ہے، کیا ہونا ہے

بحر چھوٹی ہے لیکن اس چھوٹی بحر میں حضرت رضا قدس سرہ نے ایک سے بڑھ کر ایک حسین شعر پیش کیا ہے۔

یہ اشعار زبان کی گھلاوٹ، بندش کی چستی اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نمونے ہیں:

امام احمد رضا نے اپنی رمزیت کی خاطر مکالماتی اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ ایک نعت پاک کے چند اشعار دیکھیں:

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اُجالا کیا ہے   دو قدم چل کے دکھا سرو خراماں ہم کو
بے بسی ہے جو مجھے پرسشِ اعمال کے وقت   دوستو! کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور   ہاں کوئی دیکھو! یہ کیا شور ہے! غوغا کیا ہے!
کون آفت زدہ ہے، کس پہ بلا ٹوٹی ہے   کس مصیبت میں گرفتار ہے، صدمہ کیا ہے
کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجیے مری   کیوں ہے بے تاب، یہ بے چینی کا رونا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے   اس سے پرسش ہے: بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے، دفترِ اعمال ہیں پیش   ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رُسل   بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے   یوں ملائک کو ہو ارشاد: ٹھہرنا! کیا ہے!

لو وہ آیا مرا حامی مرا غم خوارِ اُمم آ گئی جاں تنِ بے جاں میں، یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور اور فرمائیں: 'ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے'
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمھارا کیا ہے
صدقے اس رحم کے، اس سایۂ دامن پہ نثار اپنے بندے کو مصیبت میں بچایا کیا ہے
اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

ردیف... 'کیوں' پر رضا نے دو نعتیں لکھی ہیں۔ انداز استفہامیہ ہے لیکن لفظ... 'کیوں' کی غرض و غایت اس یقین کا اظہار کرتا ہے جو شاعر کو اس کے مصطفوی عشق نے عطا کیا ہے۔ یہ استفہامیہ انداز استدلال کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اشعار دیکھیے:

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں
رخصتِ قافلہ کا شور، غش سے ہمیں اُٹھائے کیوں
سوئے ہیں ان کے سایے میں، کوئی ہمیں جگائے کیوں
راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی
چادرِ ظل ہے ملگجی، زیرِ قدم بچھائے کیوں

کالی داس گپتا رضا نے غالب اور رضا کے ایک ایک شعر کے حوالے سے موازنہ پیش کیا ہے:

غالب: ہاں وہ نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں
رضا پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں

کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں: مولانا نے 'میں' کو 'سے' سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے، نعت اور غزل کو یک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔
('سہو و سراغ'، المیزان کا امام رضا نمبر)

غالب کے طرزِ ادا کا بانکپن تو بہت خوب ہے ہی، لیکن رضا نے نعت میں معانی کے ساتھ اسلوب کے بانکپن کو جس طرح پیش کیا ہے وہ خامۂ رضا کا کمال ہے۔

D:NaatRang-18
File: Dr.A.Naeem
Final

غالب اور رضا کا ایک ایک شعر اور دیکھیے:

غالب: قیدِ حیات و بندِ غم! اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

رضا یادِ حضور کی قسم، غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم، کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

دونوں کے ہاں اسلوب کا بانکپن بہت خوب ہے لیکن غالب کے یہاں قنوطیت ہے اور رضا کے ہاں رجائیت۔ دوسری نعت کے چند اشعار دیکھیے اور اسلوب کا بانکپن ملاحظہ کیجیے:

یادِ وطن ستم کیا، دشتِ حرم سے لائی کیوں بیٹھے بٹھائے بدنصیب، سر پہ بلا بٹھائی کیوں
نامِ مدینہ لے دیا، چلنے لگی نسیم خُلد سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی! کیوں!!
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں نرگسِ مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر، حضور میں ہوا ورنہ مری طرف خوشی، دیکھ کے مسکرائی کیوں

ہر ہر شعر معانی کے ساتھ اسلوب کے بانکپن کا شاہ کار ہے۔

امام احمد رضا... کیوں، کس، کیا وغیرہ جیسے الفاظ تو استعمال کرتے ہیں لیکن ان کی غرض و غایت تیقن ہے۔ جیسے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا 'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
کس کا منھ تکیے! کہاں جائیے! کس سے کہیے! تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تھک کے بیٹھے تو درِ دل پہ تمنائیِ دوست کون سے گھر کا اُجالا نہیں زیبائیِ دوست
مہر کس منھ سے جلو داریِ جاناں کرتا سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائیِ دوست

امام احمد رضا نے استفہامیہ الفاظ نہ استعمال کر کے بھی رمزیت اور استعجاب کا انداز اختیار کیا ہے اور اس انداز میں بھی تیقن اور استدلال کی بھرپور جلوہ گری ہے اور یہی وضاحت میں رمزیت اور رمزیت میں وضاحت... شاعر کا حسن ہے۔

ایک نعت پاک کی ردیف ہے... 'یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں' اس کے چند اشعار دیکھیے:

رُخ دن ہے یا مہرِ سماں! یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں شب زلف یا مشکِ ختا! یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں
ممکن میں یہ قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا! یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبدِ الٰہ اور عالمِ امکاں کے شاہ برزخ ہیں وہ سرِ خدا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں اور ان سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضور کونین ﷺ عبدِ اللہ اور عالمِ امکاں کے شاہ ہیں، عام افرادِ عالم کی طرح نہیں اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور نبی کریم اس کے سرِ کے برزخ!

امام احمد رضا نے یہاں حیرت و تجسّس سے گزرتے ہوئے رمزیت کے پردے میں فصاحت کا جلوہ دکھایا ہے۔ رضا کی ایک نعت پاک 'یوں' ردیف میں ہے۔ مطلع اور چند اشعار:

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے، تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

اس میں تجسّس بھی ہے اور استعجاب بھی۔ امام احمد رضا کی نعت میں معنی آفرینی کے ساتھ طرزِ ادا کا بانکپن بہت خوب ہے اور یہ خامۂ رضا کا کمال ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے اور اس سچائی کا اعتراف کیجیے:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نورِ مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں
دل کو دے نور و داغِ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شقِ ماہ، آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں

حضرت امام احمد رضا نے اسلوب کے بانکپن سے اشعار کے ایسے ایسے گل وسمن کھلائے ہیں جو عقیدہ وعقیدت اور ذوق ووجدان کے چمنستان کو عطر بیزی اور شادابی عطا کرتے ہیں۔

محمد امجد رضا خاں۔ بھارت

رضا بریلوی کی نثریت کے اساسی محرکات

دیکھا جائے تو شاعروں سے علماے ربانیین نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے اور کبھی اسے فن کی حیثیت سے نہیں اپنایا ہے۔ قرآن عظیم نے بھی شاعری کو ماینبغی اور ناموزونیت سے تعبیر کیا اور یہی وجہ ہے کہ معلم کائنات حضور علیہ السلام نے شعر گوئی نہیں فرمائی۔ ربّ العزت فرماتا ہے وما علّمناهُ الشِعر وَما ینبغی لهٗ اور ہم نے حضور کو شعر گوئی پر قدرت نہیں دی اور نہ ان کے لایق یہاں ماینبغی سے دفعِ وہم کے ساتھ اس کی غیر موزونیت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ کوئی خوبی نہ تھی تو ہم نے ان کو نہیں دی بلکہ یہ ان کی شان رفیع کے لایق بھی نہیں مگر اس کے باوجود بعض بعض مواقع پر آپ نے اصلاح فرمائی ہے۔ حضرت کعب بن زبیر اسلمی نے قصیدہ نقشہ میں عرض کیا:

ان الرسول لنار لیستضاء بہٖ　　وصارم من سُیوف الھند مَسلول

تو حضور علیہ نے اصلاح فرمائی کہ نار کی جگہ نور کہو اور سیوف الھند کی جگہ سیوف اللہ

امام شافعی کا یہ شعر بھی اس حقیقت کا ترجمان ہے:

ولو لاالشعر للعلماء یززی　　لکنت الیوم اشعر من لبید

شعر گوئی اگر علما کو لایق ہوتی تو آج میں لبید سے بہتر شاعر ہوتا۔ یعنی شاعری ان کے نزدیک بھی خوبی نہیں نقص ہے جس سے اظہار بیزاری اور پہلوتہی ہی بہتر و اولیٰ ہے۔

شعر اگرچہ ہنرے دیگر است　　شمہ از عیب بہ شعر اندراست

از مدت کہ گہے اندیشہ ہش　　کوش کہ چوں من نہ کنی پیشہ ہش

شعر گوئی اگرچہ ایک ہنر ہے اگر طبیعت اس طرف مائل ہو تو مضائقہ نہیں مگر اسے میری طرح پیشہ نہ بنانا۔

اسی طرح حضرت رضا بریلوی نے بھی اسے تضیعِ اوقات شمار کیا اور یہ اشعار لکھ کر اس سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا:

رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیرِ دیواں سے ہمیشہ صحبتِ اربابِ شعر سے ہوں دُور
نہ اپنے کاموں سے تضیعِ وقت کی فرصت نہ اپنی وضع کے قابل کہ اس میں ہوں مشہور
جبینِ طبع ہے ناسودہ داغ شاگردی غبارِ منتِ اصلاح سے ہے دامن دور
مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے زبان تک اسے لاتا ہوں میں بمدحِ حضور

تاہم نعتیہ شاعری کی بنیاد حضور علیہ السلام کے زمانے ہی میں پڑ چکی تھی اور انھوں نے حضرت کعب بن حسان کو بہ حیثیت مداح نعت گو شاعر بڑی وقعت دی جس سے اس فن کو بڑی تقویت پہنچی نعت وہ صنف سخن ہے جو اسلام کے ساتھ ہی وجود میں آئی اور بالتدریج عروج و کمال کو پہنچتی ہوئی اردو ادب کے افق پر نمودار ہوئی۔ یہی وہ نغمہ ہے جسے محمد عربی کی نسبت کا شرف حاصل ہے اور لوگ اسے بطور فن نہیں بلکہ بطور عبادت اپناتے ہیں۔ نعت گوئی سنتِ الٰہیہ بھی ہے سنتِ صحابہ اور روح کی پاکیزگی کا سامان بھی۔ جب غم فرقت اور اضطراب ہجر حد سے سوا ہوتا ہے تو جذبات و احساسات پیکر بن کر اشعار کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ عشق کی بے زبانی کو زبان مل جاتی اور دل کا درد الفاظ کی سنگت پہ مچلنے لگتا ہے یہی وہ سوز اور قلبی نغمہ ہوتا ہے جسے ثبت دوام اور قبولیت عام کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ جو ہر دل کی کسک اور ہر زخم کی آواز بن جاتی ہے۔ پھر جب بھی وہ سماعت سے ہم آغوش ہوتی ہے تو شیشۂ دل پر محبوب حقیقی کا قوی پیکر نظر آنے لگتا ہے۔

نعت کا ادبی سفر

سب سے پہلے خود ربّ جل و علا نے اپنے محبوب کی توصیف و نعت بیان کی اور اس طرح اس صنف کی بنیاد دستِ قدرت کے ذریعے وجود میں آئی۔ صحابہ کرام کے عہد زرّیں میں اس صنفِ سخن کو بڑا فروغ ملا۔ عربی ادب کی تاریخ میں نعت گو شعرا کا بھی تذکرہ ملتا ہے جس میں سب سے نمایاں حضرت حسان اور کعب رضی اللہ عنہما کی شخصیت ہے۔ آپ کا یہ شعر آپ کے عشقِ رسول اور جذبِ عقیدت کا آئینہ:

واجمل منک لم ترقط عینی وجمد منک لم تلد النساء

اور حضرت کعب بن زبیر کے یہ دو شعر اسی جذبۂ صادق کا مظہر ہے۔

انبت ان رسول اللّٰہ اوعدنی　　والعفو عند رسول اللّیہ ماموں

لاتاخذنی باقوال الوشاۃ ولم　　اذنب وقد کثرت فی الاقاویل

نعت گوئی کی یہ حسین روایت جب عربی سے فارسی میں آئی تو فارسی نعت گوشعرا نے اپنی جودتِ طبع اور ندرتِ فکر سے اس کی جبین میں لطافت و پاکیزگی کی افشاں بھر دی اور اس کے حسنِ بیان میں مزید نکھار پیدا کر دیا۔ ان میں بعض قادر الکلام شاعر وہ بھی تھے جو فکر کی بلندی، تخیل کی گہرائی اور زبان و بیان پر قدرتِ کاملہ کے ساتھ عشقِ حقیقی کا سرمایہ رکھتے تھے اور روحانیت کی دولتِ گراں مایہ بھی۔

جب ہم فارسی نعت گوئی کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ایسے شعرا کی تعداد زیادہ دکھائی پڑتی ہے جو روایت سے ہٹ کر محض عشق اور روحانیت کے جذبے سے متاثر ہو کر شعر کہتے تھے۔ جن میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، مولانا جامی، امیر خسرو، عزت بخاریؒ اور سعدی شیرازی قدسی مشہدی اور عرفی شیرازی علیہم الرحمہ کے اسماگرامی بڑے اہم ہیں۔ یہ چند اشعار ان کی روحانی شاعری کا آئینہ دار ہیں۔

غلام حلقہ بگوشِ رسول ساداتم
زہے نجات نمودن حبیبِ دامایاتم　　(سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ)

گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیمبراں
اما بمعنی بودیٔ سرخیل جملہ انبیا　　(حضرت بختیار کاکیؒ)

ماطالب جدائیم بردین مصطفائیم
بہ در گہش گدائیم سلطانِ ما محمد　　(خواجہ معین الدین چشتیؒ)

صبا بسوئے مدینہ رد کن ازیں دعا گو سلام بہ خواں
بگرد شاہِ مدینہ گردد بصد تضرع پیام بہ خواں　　(حضرت نظام الدینؒ)

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا　　(عزت بخاریؒ)

اس کے بعد نعت کی یہ روایت اردو ادب کے افق پر نمودار ہوتی ہے۔ حضرت بندہ نواز گیسودراز سے لے کر رضا بریلوی تک صنف نعت نے بڑا طویل سفر کیا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی صورت میں کشش، ہیئت میں نکھار اور زبان و بیان میں شیرینی و حلاوت پیدا ہوگئی ہے۔ آج

نعت جس شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اس میں قدیم شاعری کا ہلکا سا بھی عکس نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ ہے کہ صنفِ نعت اردو زبان و ادب کے ساتھ ہی معرض وجود میں آئی اور جوں جوں اردو و ارتقائی منازل طے کرتی رہی، صنفِ نعت سایہ بن کر اس سے چمٹی رہی اس لیے قدیم اردو میں جہاں نثر کے ساتھ نظم میں غزل کا تذکرہ ملتا ہے وہیں ہمیں نعت کی بھی جھلک دکھائی پڑتی ہے۔ اردو زبان کی تعمیر میں خشتِ اوّل کی حیثیت حضرت بند نواز گیسودراز کو حاصل ہے ان کا شعر:

اے محمد جھلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوئے گی سنیں سپور نہ تیرا

اور محمد قلی قطب شاہ کا یہ شعر:

چاند سورج روشنی پایا تمھارے نور تھے آب کوثر کوں شرف ٹھنڈی کے چنی پور تھے

غرض کہ نعت کی موجودہ شکل و معیار اس بلندی پہ کم بند ڈال چکی ہے جہاں عربی اور فارسی میں اس کی جلوہ گاہ تھی۔

ہندوستان میں نعت گو شعرا کا تعین غیر ممکن ہے مگر ایسے شعرا گنتی کے ہیں جنھوں نے صرف نعت ہی کو وسیلہ اظہار بنایا اور اسے ہی اپنا مقصدِ حیات اور گوشۂ آخرت سمجھا اور تاعمر اسی پر کاربند رہے۔ کسی دوسری صنف کو نہ لایقِ اعتنا گردانا اور نہ ان پر طبع آزمائی کی، ان میں بلاشبہ مولانا کافی مراد آبادی حضرت کیف حضرت احمد رضا خاں بریلوی، حضرت حسن بریلوی، محسن کاکوری، امیر مینائی، ضیاء القادری کی شخصیت قابل شمار ہیں۔

نعت گوئی کا سرمایہ

اصناف وسخن میں نعت گوئی سے زیادہ مقدس و محترک اور کوئی صنف نہیں۔ مگر یہ صنف جتنی لطیف و پاکیزہ ہے اتنی ہی نازک اور دشوار گزار بھی ہے۔ یہ اک ایسا پل صراط ہے جس پہ قدم رکھنا عبادت ہے اور توازن قائم رکھتے ہوئے گزر جانا سعادت۔ جب تک اس منزل کے لیے علم و آگہی کا سرمایہ اور شریعت و طریقت کے ساتھ عشق کا مکمل عرفاں نہ ہو اس راہ پہ سفر کرنا توشۂ ایمان کے لیے غارت کا باعث ہے۔ رضا بریلوی فرماتے ہیں:

نعت کہنا تلوار کی دھار پہ چلنا ہے۔ بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تنقیص ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو عرفی نے بھی اپنے شعر میں بیان کیا ہے:

عرفی نہ شتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا　　　آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

یعنی عرفی جلد جلد قدم نہ اٹھا یہ نعت کا میدان ہے صحرا نہیں ہے۔ آہستہ چل کہ تلوار کی دھار پہ قدم رکھ رہا ہے۔

نعت گوئی کا سب سے عظیم سرمایہ عشقِ رسول ہے۔ اگر شاعر کا ذہن اس عشق کے جذبے سے ہم آہنگ نہ ہو وہ نعت نہیں الفاظ کی بازی گری ہے جو کسی زخم خوردہ دل کو اپیل نہیں کرسکتی۔ آج کی نعتیہ شاعری بالعموم روایتی اور سطحیت آمیز ہے جس میں فکر کی گہرائی اور تخیل کی علویت تو ہے مگر چوں کہ عشقِ حقیقی کا فقدان ہے اسی لیے وہ آفاقیت سے بھی محروم ہے۔

اِمام احمد رضا کی نعتیہ شاعری

اس تناظر میں اگر کلام رضا کا جائزہ لیا جائے تو ان کی شاعری بے شمار فنی محاسن کا گنجینہ نظر آتی ہے۔ جس کی مثال حال و ماضی کے شعرا میں مشکل ہی سے ملے۔ امام رضا اپنے جذبِ درِ دل کو عشق رسول کی دیوار میں چننے کا فن اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کا فکری شعور جذبے کی بے ساختگی کو الفاظ کا پیکر دینے میں تتبع سے دوچار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ خود ہی ان کی فکر کو اپنی آغوش میں لے کر اسے آفاقیت سے ہم کنار کردیتا ہے۔ فکر کی رعنائی، تخیل کی بلند پروازی اور لفظ ومعنی کی ہم آہنگی ان کی شاعری کا خاص طرۂ امتیاز ہے جو ان کے پورے دیوان میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ رضا احمد بریلوی نے نعت گوئی کے لیے جو سرمایہ مہیا کیا تھا وہ علمی کروفر، فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، ذہنی وفکری ظرف اور زبان و بیان پہ قدرت کاملہ کی شکل میں ان کے پاس محفوظ تھا۔ عربی اور فارسی کے ساتھ اردو ادب اور ہندی پر بھی ان کی دسترس تھی وہ قرآن و حدیث پر مکمل عبور رکھتے تھے اور سب سے بڑی دولت تو عشقِ رسول کی تھی جو دھڑکن ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ ایک نعت گو شاعر کے لیے اس سے زیادہ سرمایہ اور کیا چاہیے۔

نعتیہ شاعری کی دو نہج ہمارے سامنے ہیں:

ایک روایتی شاعری جو روایت اور عقیدت کے محور پر گردش کرتی ہے۔ دوسری حقیقی شاعری جو عشق و ایمان کے حرف کا طواف کرتی ہے۔ امام رضا کی نعتیہ شاعری دراصل اسی عشق کا ترجمان ہے۔ پورا دیوان پڑھ جائے یہی رنگ ہر نعت اور ہر لفظ میں نظر آئے گا آپ کی اس

تاثراتی شاعری کا احساس اردو ادب کے شعرا اور نقاد کو بھی ہے چناں چہ ڈاکٹر سلام سندیلوی اپنے مقالہ 'مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر' میں لکھتے ہیں:

مگر جہاں تک امام احمد رضا کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی یا روایتی نہیں ہے۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگانِ دین سے عقیدت تھی۔ آپ حبِ رسول میں غرق تھے اس لیے آپ کی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری میں فاصلہ نہیں ہے، بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت۔ شخصیت اور شاعری میں اس قدر ہم آہنگی اردو کے بہت کم شعرا کے یہاں ملے گی۔ ('المیزان'، امام احمد رضا نمبر، ص۴۶۶)

اسی طرح سیّد شان الحق حقی نے امام رضا کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

'میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی مقبولیت اور دل پذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال اور مولانا کے مرتبہ پر دال ہے۔'

('خیابانِ رضا'، ص۶۶)

امام رضا کی ۶۵ سالہ زندگی کا تجزیاتی مطالعہ حیرت انگیز تاثراتی ہے۔ اپنی ان چند سالہ زندگی میں انھوں نے علم و عمل کا جو اثاثہ چھوڑا وہ ان کی تجدیدیت، فقیہانہ طمطراق اور علم کروفر پر گہرا نقش چھوڑ رہا ہے۔ ہزاروں صفحات پہ پھیلے علمی و تحقیقی مقالات سے ان کی مصروفیت بھی عیاں ہے۔ تاہم اتنی مقید اور محصور زندگی کے باوجود ان کا شعری سرمایہ اتنا جامع اور مکمل ہے کہ ہر زاویے سے فن کی کسوٹی پہ پورا اترتا ہے اور کہیں سے کوئی جھول نظر نہیں آتی۔ کمال حیرت ہے کہ عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے 'حدایق بخشش' میں فن کا عرق نچوڑ دیا ہے۔ جو اپنا بدل آپ ہے۔ ان کا دیوان 'حدایق بخشش' نعتیہ دیوان کی بھیڑ میں اپنے تاثر کی اکائی کے بہ نسبت سب میں ممیّز و ممتاز نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کے فکر و خیال میں قدرت کا کرشمہ کارفرما ہو۔ امام رضا کے ان دو اشعار سے ہمارے اس خیال کی تائید بھی ہوتی ہے۔

رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیرِ دیواں سے		ہمیشہ صحبتِ اربابِ شعر سے ہوں دور
مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے		زبان تک اُسے لاتا ہوں میں بمدحِ حضور

اس کے باوجود آپ کو اپنی قادرالکلامی پہ فخر ہے نہ زبان دانی وفنی اجارہ داری پر احساسِ تعلّی۔ آپ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

کس منھ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں　　شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو　　ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

نعت گوئی کے میدان میں صرف ایک شخصیت ایسی ہے جو رضا بریلوی کے معیار پہ پوری اترتی ہے اور ان کا قلم انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے وہ عظیم شخصیت مولانا کافی علیہ الرحمہ کی ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہد اعظم تھے۔ آپ نعت کہتے تھے اور دل کی گہرائی سے کہتے تھے اسی لیے آپ کی شاعری میں صداقت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ امام رضا مولانا کافی شہید کے سوز وگداز اور کمال عشق وعقیدت پر رشک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں　　تاعرش پرواز فکر رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضا　　کافی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

رضا بریلوی چوں کہ ان سے متاثر تھے اور خود اپنی حیثیت سے بھی آگاہ تھے اس لیے ایک رباعی میں انھوں نے مولانا کافی کو نعت گوئی کا سلطان کہا ہے اور خود کو وزیر اعظم:

مہکا ہے میری بوے دہن سے عالم　　ہاں نغمہ شریں بہتر تلخی سے بہم!
کافی سلطانِ نعت گویاں ہے رضا　　ان شاء اللہ میں وزیر اعظم

مگر مولانا کافی اور رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے تنقیدی مطالعے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رضا بریلوی نے محض پیش رو اور بزرگ ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ حسنِ اعتقاد کا یہ بھرم قائم کیا ورنہ واقعہ ان کے یہاں رضا بریلوی کی سی رفعت فکر اور ندرت بیان کا فقدان ہے۔ نظیر لدھیانوی اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

> کافی کی نعت گوئی کا انداز سادہ ہے۔ نہ تخیل کی رفعت ہے نہ بیان کی قدرت ۔ اور مولانا رضا کے کلام زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ تخیل بہت بلند ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت گوئی میں مولانا کا کوئی استاد نہیں ہے۔ انھوں نے کافی کی تعریف اپنا پیش رو ہونے کی وجہ سے کئی جگہ کیا ہے۔　　('کلامِ رضا'، ص۱۴)

رضا بریلوی نے نعت کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور سلامتی سے گزر گئے۔ نہ ان کے

جذبے نے کہیں ٹھوکر کھائی اور نہ کہیں دامن الجھا اور نہ کانٹوں کی جراحت کا شکار ہوئے، جب کہ اس فن میں آپ کا کوئی استاذ نہیں۔ ان کے ایک قطعہ کا یہ شعر:

جبینِ طبع ہے ناسودہ داغ شاگردی غبارِ منتِ اصلاح سے ہے دامن دور

اسی حقیقت کا غماز ہے ہاں آپ نے حضرت حسان کو اپنا رہبر تسلیم کیا ہے اور راہ میں انھی کی اقتدا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے افغان دل زارحدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گرحاجت ہو نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

ایک اور شعر میں عقیدت کے گوہر یوں لٹاتے ہیں:

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب

رضا بریلوی کی شاعری کا محور

ابن سینا نے کہا تھا 'عشق وہ سیلِ رواں ہے جس کے سامنے بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں ٹھہر سکتی اس کی شدت تپش سے وہ کارنامے انجام پاتے ہیں کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔' یہ ایک فطری جذبہ ہے جو عطیہ الٰہی بھی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو مائل پرواز رکھتی ہے اور ہمیشہ بلندی کی راہ دکھاتی ہے۔ اسی باغ میں عالم بہار دنیائے ثبات میں رنگینی اور جسمانی حیات میں حرارت و سرگرمی ہے۔ پھر اگر اس عشق کو اس ذات سے نسبت ہو جو خود وجہ تخلیق کائنات ہو تو اس آتشِ سوزاں اور قوتِ بے کراں کی شدت کا عالم کیا ہوگا؟

رضا بریلوی تبحر عالم اور عبقری فقیہ ہونے کے ساتھ سچے عاشق رسول بھی تھے یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ ان کی کتاب زندگی کے ہر صفحے پر اسی عشق کی داستان مرقوم ہے۔ آپ کو اس ذات ستودہ صفات سے غایت درجہ عشق تھا جس سے رب کائنات بھی محبت کرتا ہے اور یہی وہ قوت اور فطری جذبہ تھا جو آپ کی شاعری کا محرک بنا۔

ہمیں اس موضوع پہ تحقیقی بحث کرنی ہے، نیز ان کی تحریروں اور دانش وروں و محققین کے پھیلے ہوئے شذرات میں یہی تلاش کرنا ہے کہ ان کی شاعری کا محور اور ان کی فکر کا مرکز کیا تھا۔ اگر ہم اس کا سراغ لگالیتے ہیں تو ان کی شاعری میں نشتریت اور تردیدی برق باری کے اساسی محرکات اور اسباب و علل واضح ہوجائیں گے۔ **الفضل ماشهدت به الاعداء** کے مصداق

D:NaatRang-18
File: Amjad
Final

اگر ہم اس حقیقت کو اپنوں کے بجائے مخالفین کے یہاں تلاش کریں تو اس کی اہمیت غیر معمولی اور قطعی الثبوت ہوگی۔ ہم حقایق کے صفحات الٹتے ہیں آپ لفظوں کی تہ میں چھپی صداقت کے عناصر ملاحظہ کرتے جائیں۔

پاکستان کے سابق وزیر مذہبی اموراور مولانا کوثر نیازی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> مخالفین جس بات کو شاہ احمد کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں ان کا عشقِ رسول ہے، ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتویٰ نویسی سے لے کر ترجمۂ قرآن تک اور ترجمۂ قرآن سے لے کر آپ کی شاعری تک ہر جگہ آفتاب و ماہ تاب بن کر ضوفشانی کر رہا ہے۔

اپنے اسی مضمون میں انھوں نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا ہے جسے پڑھ کر 'جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے' والا محاورہ سچ ثابت ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم ومغفور سے لیا ہے۔

کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرماتے:

> مولوی صاحب! مولانا احمد رضا کی بخشش تو انھی فتوؤں کے سبب ہوجائے گی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا 'احمد رضا خاں! تم کو ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انھوں نے توہینِ رسول کی ہے تو ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمھاری بخشش کردی۔
>
> ('مولانا احمد رضا ہمہ جہت شخصیت' ص۲۰)

مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی نظریہ ملاحظہ کریں:

> میرے دل میں احمد رضا کا بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتے ہیں لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتے ہیں کسی اور غرض سے تو نہیں کہتے۔

چند اور دانش وروں کے اقتباسات ملاحظہ کریں:

کراچی یونی ورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی رقم طراز ہیں:

> میں جناب بریلوی کی دینی خدمات کا مداح اور معترف ہوں۔ عشقِ رسول

کا جذبہ رضا کی نثر اور نظم میں ہر جگہ موجود ہے اور چوں کہ اس کی بنیاد جذبے کی صداقت اور موضوع کی لطافت ہے اس لیے اس کا اثر آفریں ہونا قدرتی امر ہے۔ ('خیابانِ رضا'، ص۴۳ ،۷ لاہور)

بلوچستان یونی ورسٹی کے پروفیسر کرار حسین لکھتے ہیں:

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہے مگر اعلیٰ حضرت کا خمیر تین عناصر سے اٹھا تھا علم، عمل اور محبتِ حبیب ﷺ۔

('عالمی جامعات'، ص۶۳)

بہزاد لکھنوی کا عقیدہ ہے:

حضرت عالم باعمل اور فاضلِ بے بدل ہونے کے ساتھ ہی صوفی کامل بھی تھے عاشقِ رسول ایسے کہ ان کی زندگی کی کوئی سانس ذکرِ رسول سے کبھی خالی نہ گزری۔ ('پیغاماتِ یومِ رضا'، ص۴۵)

پروفیسر محمد طاہر فاروقی، صدر شعبۂ اردو، پشاور یونی ورسٹی لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت عشقِ رسول میں ڈوبے ہوئے تھے اور وہی جذبہ ان کی نعت گوئی کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے اس لیے ان کے اشعار میں از دل خیز بر دل ریزد کا صحیح عکس نظر آتا ہے۔ ('حجاز احمد رضا' نمبر، ص۱۲)

اتنے حوالہ جات اور اقتباسات سے یہ بات یقین کے اُجالے میں آجاتی ہے کہ ان کی شاعری کا محور عشقِ رسول تھا اور ان کی فکر اسی عشق کے مرکز کا طواف کرتی تھی۔

'حدایقِ بخشش' اور ردّ عقایدِ باطلہ

اس موضوع پہ کچھ لکھنے سے پہلے ہمیں رضا بریلوی کے زمانے کا جو ایک بحرانی دور تھا جائزہ لینا ہوگا ان کا دور سیاسی غلامی کے ساتھ مسلکی انتشار اور اختلافِ عقاید کا بھی شکار تھا جس سے مذہب کی روح مجروح ہو رہی تھی۔ کہیں امکانِ کذب باری کے شوشے چھوڑے جا رہے تھے۔ کہیں تنقیص انبیا کو شعار بنایا جا رہا تھا۔ نبی کی بے علمی و غیر مختاری پر ثابت کرنے کے لیے زبان وقلم کے اثاثے صرف ہو رہے تھے اور ان کے علم پر شیطان کے علم کو فوقیت دی جا رہی تھی اور کہیں رسول کو اپنے جیسا بشر کہہ کر تقدس رسالت کو پامال کیا جا رہا تھا۔

D:NaatRang-18
File: Amjad
Final

رضا بریلوی کی ان ایمان سوز اور کفری عقاید سے متاثر ہونا فطری اور قدرتی امر تھا ان کا عشقِ رسول آتش فشاں بن گیا اور دل درد و اضطراب کی 'ہُو' موجزن ہوگئی۔ یہی احساسِ کم تری دراصل امام رضا کی شاعری میں طنز و نشتریت کا محرک ہے۔ جس کا عکس 'حدایق بخشش' کے صفحات پر ہمیں ملتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو ان کی نشتریت میں روایت بھی ہے اور واقفیت بھی اس حقیقت سے آنکھ نہیں چرائی جاسکتی کہ قرآن نعت مصطفٰے ہے اور خدا کا کلام ہے۔

مگر اس کے باوجود اس میں نشتریت کا گہرا رنگ پایا جاتا ہے۔ **اشداء علی الکفار** اور **تبت یدا ابی لهب** کی آیات مقدسہ ایسی طنز و جراحت کی مئوید جو کفار و مشرکین پر برق باری کررہی ہے۔ اس لیے آپ نے ایک رباعی میں فرمایا 'قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی'

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سیّدنا حضرت حسان و کعب رضی اللہ عنہم سے فرماتے ہیں 'ان کافروں کی ہجو کرو کیوں کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمھارا شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے۔ ایک دوسری حدیث سے اس کی فرضیت بھی ثابت ہوتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں **اذا ظهرت الفنن وقال البداع ولم یظهر العالم علمه فعلیه لعنة اللّٰه والملئکة والناس اجمعین لا یقبل اللّٰه متبه مرقا ولا عدلا**۔ جب فتنے اور بدمذہبیاں ظاہر ہوں اور عالم اپنا علم نہ ظاہر کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ اللہ نہ اس کا فرض قبول کرتے نہ نفل۔

ان دونوں احادیث اور قرآنی آیات سے اس حقیقت کی عقدہ کشائی ہوجاتی ہے کہ مذہبیت میں نشتریت کا عمل دخل ہے اور اس کا عامل حقیقتاً قرآن کا عامل ہے جو ضروریات دین و مذہب ہے۔ ایک حقیقت اور ملاحظہ کیجیے، مولانا کوثر نیازی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> جب حضرت مولانا احمد رضا خاں کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اطلاع دی۔ مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے، جب دعا کر چکے تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے پوچھا 'وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعا مغفرت کررہے ہیں۔' فرمایا کہ 'مولانا احمد رضا نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے کہ انھیں یقین تھا کہ ہم نے توہینِ رسول کی، اگر وہ یہ

یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔'

('امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت'، ص ۲۱)

غور کیجیے کہ مولانا کوثر نیازی نے رضا بریلوی کے تشدد کو عشقِ رسول کہا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس تشدد کو مدارِ ایمان قرار دیا اور حدیث پاک سے اس کی فرضیت ثابت ہوئی اب اگر دیکھا جائے تو رضا بریلوی کی نشتریت سنتِ الٰہیہ، سنتِ صحابہ، پیرویِ احکام مصطفیٰ ﷺ اور ادائیِ فرض تمام کا مجموعہ نظر آتی ہے جو خوش قسمتی سے عبادت بھی ہے۔

'حدائقِ بخشش' میں ردّ و طنز کا جو اسلوب ملتا ہے اس کے اندر بھی اصلیت کا عنصر نمایاں ہے۔ رضا بریلوی کہیں قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہیں ان کے ہی باطل عقاید و نظریات کو بیان فرما کر ان پر برق باری و شعلہ فشانی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (بھارت)

مولانا احمد رضا قادری کی عربی نعتیہ شاعری
(علماے ازہر کے حوالے سے)

ذکرِ حق کے بعد ذکرِ رسول مقبول ﷺ افضل ترین عبادت ہے اور اس عبادت میں خالق اور مخلوق دونوں برابر کے شریک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ورفعنا لک ذکرک**[☆۱] خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو زندہ اور تابندہ رکھنے کی ضمانت دی ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً**[☆۲] کے ذریعے خود خدا اپنے فرشتوں کو ساتھ لے کر تمام مومنین کو نبی کریم ﷺ پر درود سلام بھیجنے کی ہدایت بھی فرماتا ہے۔ اگر آپ اس آیتِ مبارکہ کا گہرائی سے جائزہ لیں تو 'یصلون' جو حال اور استقبال کے صیغے پر مشتمل ہے یہ مطلب واضح کرتا ہے کہ بغیر کسی زمان و مکان کی قید کے نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا مبارک سلسلہ پیہم جاری ہے۔ بعض علما نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کے تیسوں پارے رسولِ مقبول ﷺ کی مکمل نعت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بندگانِ الٰہی نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں لب کشائی کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھا اور نثر و نظم میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور بلاشبہ نعت نگاری کا یہ مبارک سلسلہ ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔ دنیا کا کوئی ایسا مذہبی اور غیر مذہبی رہنما نہیں جس کی مدح سرائی سرکارِ دوعالم ﷺ سے زیادہ کی گئی ہو۔

اسلام دینِ فطرت ہے وہ انسانی جذبوں کی قدر کرتا ہے اسی لیے اس نے شاعر کی ذہنی صلاحیت کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان شعرا کے ادبی و فکری صلاحیتوں کی پذیرائی کی ہے اور برملا اس نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا۔

ان من البیان سحراً وان من الشعر حکماً[☆۳] (بے شک بیان میں جادو ہے اور بعض شعر میں حکمتیں ہیں)

اسی حکمت و دانائی کی باتیں کرنے کی وجہ سے شاعر کو شاعر کہا گیا ہے کیوں کہ شاعر ایسے اچھوتے خیالات اور نادر افکار کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر پیش کرتا ہے جس کا غیر شاعر تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بقول ابن رشیق قیروانی **وسمی الشاعر شاعراً لانه یشعر بما لا یشعر له غیر منؔ**[۴] شاعر کو اسی ذہنی بالیدگی اور دقت معرفت کی وجہ سے شاعر کہا گیا۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بسا اوقات شعرا جذبات کی روانی میں بہ کر اول فول بکنے لگتے ہیں جس کی اسلام قطعی طور پر اجازت نہیں دیتا اور نہ مہذب معاشرہ ہی ایسے شعر قبول کرتا ہے۔ اس لیے وہ فیصلہ جسے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا لایقِ صد تحسین ہی نہیں بلکہ واجب العمل بھی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں میری موجودگی میں ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شعر کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **ھو کلام فحسنه حسن و قبیحه قبیح**[۵] وہ ایک کلام ہے اگر اچھا ہے تو اچھا اور برا ہے تو برا۔

اللہ کے نبی ﷺ نے اچھے اشعار کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ سنا بھی ہے اور پسند بھی فرمایا ہے اور یہی نہیں بلکہ بارگاہِ ربّ العزت میں شاعر النبی حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار کی حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام سے موئید کرنے کی دعا بھی فرمائی ہے۔

ہر شاعر نے اپنے اپنے انداز میں اپنے محبوب کی مدح سرائی کی ہے۔ کسی نے روئے جاناں کو مہرِ درخشاں، زلف و کاکل کو شبِ دیجور اور گھٹا، ہونٹ کو لعلِ بدخشاں، چشم و ابرو کو محرابِ کعبہ اور نہ جانے شاعرانہ تخیل میں محبوب کو کیا کیا کہا اور استعارات کے ذریعہ اپنے محبوب کی پیکر تراشی کا یہ حسین اور زریں سلسلہ بڑی شدومد کے ساتھ اب بھی جاری ہے۔ مگر قابل مبارک باد ہیں وہ شعرا جو اپنی شاعری سے صرف اپنے ماحول کی عکاسی ہی نہیں کرتے بلکہ فکر کی طہارت، تصور کی نظافت، جذبات کی صدقات اور خیال کی پاکیزگی کے دوش پر سوار ہوکر محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کی شان میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور اس عملِ خیر کے باعث وہ حضرات بارگاہِ الٰہی کے مقرب بندے بن جاتے ہیں۔ ختمیِ مرتبت سرکارِ دوعالم ﷺ جس کی شان 'بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر' کے مصداق ہو اس کی مدحت سرائی کو اپنی مغفرت کا ذریعہ بنایا ہو اور اس کے باعث عاقبت بخیر ہونے کی التجا کی ہو یہ وہی لوگ ہیں جنھیں توفیقِ الٰہی حاصل ہوئی۔ ایسے ہندوستانی شعرا جنھوں نے عربی زبان و ادب میں نعت نگاری کرکے اپنی مومنانہ عقیدت کا خراج

D:NaatRang-18
File: Yahya
Final

پیش کیا، کم ہی ہیں۔ مگر جو لوگ ہیں ان میں عہدِ تیمور کے بلند پایہ ادیب احمر تھانیسری (م۸۲۰ھ) جلیل القدر عالم و بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۱۷۶ھ) حسان الہند حضرت غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) حضرت مولانا عبدالنبی الشامی اور حضرت حبیب الرحمٰن عثمانی (م۱۹۲۹ء) کے علاوہ علاّمہ فضل حق خیرآبادی اور بیسویں صدی کے مشہور عالم دین مولانا شاہ امام احمد رضا قادری کے اسما بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخرالذکر شاعر کے یہاں تو سرکارِ دوعالم ﷺ کا وصف عشق و محبت کے پیکر میں ایسے والہانہ انداز میں ملتا ہے جس کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر لفظوں میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان کا دل حبِ الٰہی کا کعبہ اور محبتِ رسول ﷺ کا ایسا مدینہ تھا جس میں عظمت صحابہ، الفتِ اولیا اور اُمتِ مسلمہ کی صلاح و فلاح سے متعلق پاکیزہ افکار ہمیشہ سرگرمِ طواف رہتے تھے۔ اُنھوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ فنِ نعت گوئی میں جو اشعار ملتے ہیں وہ عشقِ رسالت مآب ﷺ کی واقعی آئینہ دار ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں پیش کیا جانے والا سلام:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام[۶]

جسے مولانا احمد رضا نے لکھا ہے۔ پورے عالمِ اسلام میں بڑے ہی والہانہ انداز میں مجالس اور بعض مساجد میں بعد نمازِ جمعہ اجتماعی طور بھی پڑھا جاتا ہے۔

کسی مخصوص زبان میں نعت کہنے والوں کی ایک لمبی فہرست کتب سوانح مل جاتی ہے۔ مگر ایسی نعت جس میں کئی زبان استعمال کی گئی ہو اور قواعد شعری کے ساتھ غنائیت سے بھی بھرپور ہو اس کی مثال واضح طور پر صرف اور صرف مولانا احمد رضان خاں کے یہاں ہی پائی جاتی ہے۔ ان کی مشہور زمانہ چہارلسانی نعت:

لم یات نظیرک فی نظر، مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کا تاج تورے سر سو ہے، تجھ کو شہ دوسرا جانا[۷]

پاک و ہند کے طول وعرض میں انتہائی والہانہ جذبہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ان کی عظمت و شاعری کے اپنے اور بیگانے سبھی دل سے معترف ہیں۔ افتخار اعظمی باوجود اختلافِ مسلک کے احمد رضا کی نعت گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کا نعتیہ کلام اس پائے کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گوشعرا میں

جگہ دی جانی چاہیے۔[۸]

ان کے مشہورِ زمانہ سلام کا عربی شاعری میں ترجمہ بھی ہوکر انتہائی اہتمام کے ساتھ الدار الثقافیہ قاہرہ سے ۱۹۹۹ء میں 'المنظومة السلامية فی مدح خیر البریة' کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ اس ترجمہ کی سعادت شعبۂ زبان و ادب جامعہ ازہر کے استاذ دکتور حازم محمد احمد محفوظ کو حاصل ہوئی ہے۔ ان کے ان عربی اشعار کی تشریح اور اس پر ایک دقیق مقدمہ دکتور حسین نجیب مصری نے لکھا ہے جن کے نوکِ قلم سے مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' کا عربی ترجمہ طباعت کے مراحل سے گزرکر مستقبل قریب میں منظرِ عام پر آنے والا ہے۔ ذیل میں سلام کے منظوم عربی ترجمہ کے چند بند نقل کیے جارہے ہیں:

سلام علیٰ صفوة الانبیاء نبی الهدیٰ رحمة للسماء
علیه الصلوٰة علیه السلام

سلام ینیر علیٰ بدرهٖ ونفح عطراً علیٰ زهرهٖ
علیه الصلوٰة علیه السلام

سلام علیٰ من سری فی الظلام له فی الجنان رفیع المقام
علیه الصلوٰة علیه السلام

صلاة علیٰ من له عرش زان ومن طیب الارض کالمسک کان
علیه الصلوٰة علیه السلام[۹]

اس طرح مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ سلام کے ۱۷۱ اشعار کو بڑی خوش اسلوبی سے دکتور حازم محفوظ نے عربی زبان و ادب کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس نعتیہ سلام کو بعد نمازِ جمعہ اہتمام کے ساتھ پڑھنے کے پیچھے شاید وہ حدیث مبارک کارفرما ہے جو حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> جمعہ سب سے افضل دن ہے اس دن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجو کیوں کہ اس دن کا درود و سلام بطور خاص مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ صحابہ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء' (بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کررکھا ہے کہ وہ انبیا کے جسم کو گلائے)

D:NaatRang-18
File: Yahya
Final

نعت و سلام کی فضلیت کیا ہے ان تمام تفصیلات سے قطع نظر مولانا احمد رضا قادری کی عربی شاعری میں جو عظمت تھی اسے بھی منظرِ عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ مولانا موصوف خالصتاً شاعر نہیں تھے بلکہ وہ ایک مستند عالمِ دین تھے۔ مذہبِ حق کی نشر و اشاعت ان کی زندگی کا اوّلین مقصد تھا لیکن اس ہمہ جہت مصروفیت کے باوجود بقول ڈاکٹر حامد علی خاں:

'علامہ رضا عشقِ رسول میں مستغرق و سرشار تھے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ آپ نے فخرِ موجودات سرورِ کائنات ﷺ کی نعت اور خداوند عالم کی حمد و ثنا میں وارداتِ قلبی کو نظم کا جامہ نہ پہنایا ہو'[۱۰]

سطور بالا کہ روشنی میں اگر رضا بریلوی کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو برملا اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کی نعتیہ شاعری عشق و محبت اور سوز و گداز کا ایسا الاؤ ہے جہاں عقل و خرد کے غرور کی ساری زنجیریں سوز محبت کی آنچ سے پگھلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس لیے جامعہ ازہر کے سابق عمید کلیۃ الآداب اور رابطہ الادب الحدیث کے صدر نشین استاذ عبدالمنعم خفاجی نے اپنے ایک مقالہ میں ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے عربی و فارسی میں ان کی مہارت کو یکساں طور پر تسلیم کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ نعت رسولِ مقبول ﷺ سے متعلق ہے وہ فرماتے ہیں:

کان شاعراً ملحقاً ینظم الشعر بالاردیة والفارسیة والعربیة ببلاغة وتمیز والکثیر من شعرہٖ فی مدح رسول اللّٰہ ﷺ وفی التصوف[۱۱]

تعصب کی عینک اُتار کر جس نے بھی ان کی شاعری اور صرف شاعری ہی کیا جس فن میں بھی ان کی نگارشات کا کھلے ذہن سے مطالعہ کیا اس میں انھیں محاسن نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اربابِ علم و دانش کا ایک طبقہ بڑی تیزی سے ان کی شخصیت اور علمی کمالات کی تحقیق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ برِّصغیر کی عصری جامعات کے علاوہ اب عرب جامعات میں ان پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ابھی حال ہی میں شیخ رزق مرسی ابوالعباس استاذ **قسم اللغہ العربیہ** جامعہ ازہر کی زیرِ نگرانی ایک طالب نے ایم فل کا مقالہ جمع کیا ہے جس کا عنوان ہے:

'الشیخ احمد رضا خان البریلوی شاعراً عربیاً'

اس مقالہ میں مقالہ نگار نے واضح طور پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ عربی زبان میں نعتیہ شاعری جس شیریں لب و لہجہ اور پسندیدہ اسلوب میں مولانا احمد رضا خاں نے لکھی ہے

اس کی مثال دوسرے عجم شعرا جنھوں نے عربی میں نعتیں لکھی ہیں، نہیں پائی جاتی۔ وہ لکھتے ہیں:

انه کتب الشعر باسلوب عربی عذب لا مثیل له عندادباء العربیة من شعرا العجم☆۱۲

مقالہ نگار کے علاوہ اس مقالہ کے نگراں شیخ رزق مرسی نے بھی ان کی شاعرانہ عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لب و لہجہ کی متانت، زبان و بیان کی چاشنی، جذبہ کی فراوانی، احساس کی ندرت سے ان کی شاعری پوری طرح مملو ہے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں ہمارے اجداد کے ورثہ کی بھرپور نمائندگی کی ہے اور قدیم شعرا کی روش سے انھوں نے سرمو انحراف نہیں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

انه احمد رضا خاں شاعرٌ محیر العقول مکتمل والعاطفة جیاشة والاحساس عین فوارة ولسانه طیع الفاظه تاتیه مستملحة غیر مستکرهة فی اغلب الاحیان متمسک غایة التمسک بتراث اجدادنا العرب مقتف اثر من سلف من الشعراء☆۱۳

پروفیسر محمد رجب بیومی جو مصر کی ادبی حلقوں کی مشہور شخصیت ہیں اور ان کی قلمی نگارشات اکثر الازہر اور ہفت روزہ صوت الازہر میں شائع ہوتے رہتے ہیں، منصورہ نامی شہر میں قائم الازہر یونی ورسٹی کی برانچ 'کلیۃ اللغۃ العربیۃ' کے سابق ڈین بھی رہ چکے ہیں۔ انھوں نے جامعہ ازہر میں مولانا احمد رضا پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالے کا مطالعہ کرنے کے بعد فرطِ مسرت سے فرمایا:

اس (مقالہ نگار) نے اہلِ عرب کو ایسے ورثہ پر مطلع کیا ہے جسے وہ اسے سے پہلے نہیں جانتے تھے۔☆۱۴

اسی طرح کئی ایک مصری ادبا اور اربابِ علم و دانش نے مولانا احمد رضا خاں کی عربی شاعری اور نعتیہ قصائد پر کتب و جرائد میں اپنے زریں خیال کا اظہار کیا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق مولانا موصوف کے عربی اشعار متعدد کتابوں میں چار سو کی تعداد میں پائے جاتے ہیں جس کا بیشتر حصہ حمدِ خدا اور مدحِ رسول مقبول ﷺ پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ان کی عربی نعت نگاری کے تعلق سے کچھ اشعار دیے جارہے ہیں تاکہ نثر نگاری کے علاوہ ان کی شاعری میں بھی عظمت توحید و رسالت کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکے۔

الحمد　للمتوحد　　بجل　اله　المتفرد
وصلوته　دوماً　علی　　خیر　الانام　محمد
والآل　والاصحاب　هم　　ماوای　عند　الشدائد
وبمن　اتی　بکلامهٖ　　وبمن　هدیٰ　وبمن　هدی
وبطیبة　وبمن　حوت　　وبمنبر　و　بمسجد
وبکل　من　وجد　الرضا
من　عند　رب　واحدٍ[☆۱۵]

ترجمہ:

۱۔ خدائے یکتا کی حمد و ثنا ہے۔ وہ اپنے جلال میں یکہ و یگانہ ہے۔

۲۔ تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان سرکارِ دوعالم ﷺ پر خدا کی رحمت ہمیشہ نازل ہوتی رہے۔

۳۔ اور ان کے آل و اصحاب پر جو مصائب کے وقت بہترین پناہ گاہ ہیں۔

۴۔ بارگاہِ الٰہی میں وہ میرا وسیلہ ہیں جو اللہ کے کلام کو لائے جنھوں نے راہِ راست کی طرف رہ نمائی کی اور جن کے ذریعہ مخلوق کو ہدایت ملی۔

۵۔ میں مدینہ طیبہ، مہاجرین و انصار، منبر سرکار ابد اقرار اور مسجدِ نبوی ﷺ کے وسیلے سے اللہ کے تقرب کا طالب ہوں۔

۶۔ رضا ہر ایسے برگزیدہ انسان سے متوسل ہے جو اپنے پروردگار کی جانب خوشنودی حاصل کر چکا ہے۔ جو شخص تمام عمر سرکارِ دوعالم ﷺ کے دامنِ کرم سے وابستہ رہا اور ان کے کردار و عمل کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے رہا بلاشبہ اسی کے لیے دارین کی سعادتیں ہیں۔ اپنی اس خواہش کا اظہار مولانا احمد رضا نے درج ذیل اشعار میں کیا ہے:

رسول اللّٰہ انت المستجار　　فلااخشی الاعادی کیف جاروا
بفضلک ان نرجیٰ عن قریبٍ
تمزق کید هم والقموم باروا

ترجمہ:

۱۔ اللہ کے رسول آپ پناہ گاہ ہیں، لہٰذا میں دشمنوں سے ذرا بھی خائف نہیں کہ وہ کس طرح

ظلم وستم ڈھائیں۔

۲۔ آپ کے لطف و کرم سے مجھے اُمید ہے کہ آپ جلد ہی دشمنوں کے مکر وفریب کے دام کو چاک کردیں گے اور دشمنوں کا گروہ ہلاک ہوجائے گا۔

مولانا احمد رضا خاں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذات گرامی ہی کو سب سے اہم سہارا قرار دیا انھیں سے امداد اور اعانت کی درخواست کی ہے۔

رسول اللّٰہ انت بعثت فینا کریماً رحمة حصناً حصینا

تخوفنی العدی کیداً متیناً اجرنی یا امان الخائفینا

وکل خیر من عطاء المصطفیٰ صلی علیہ اللّٰہ مع من یصطفیٰ

اللّٰہ یعطی والحبیب قائم صلی علیہ القادة الاکارم

مانال خیر من سواہ نائل کل اول ایرجی بغیر نائل

منہ الرجامنہ العطامنہ المدد

فی الدین والدنیا والاخری للابد

ترجمہ:

ا۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں کریم و رحیم اور حصن حصین بنا کر مبعوث کیے گئے۔

۲۔ اے خوف زدہ اشخاص کے مجسم امن و امان! دشمن اپنے مکر وفریب سے مجھے خائف بنا رہے ہیں اس لیے آپ مجھے پناہ دیجیے اور میری حفاظت فرمایئے۔

۳۔ ہر قسم کی نعمت اور بھلائی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ دیگر منتخب اشخاص کے ساتھ رحمت نازل فرمائے۔

۴۔ خدا عطا کرتا ہے اور حبیب خدا تقسیم فرماتے ہیں اقوام کے معزز اور مکرم سردار آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔

۵۔ جسے جو ملا ہے وہ صرف آپ ہی کے واسطے سے ملا ہے یہ امر بالکل یقینی ہے کہ سیّدکونین ﷺ کے سوا کسی سے بھی بخشش کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

۶۔ آپ سے ہی اُمید ہے اور آپ ہی کی طرف سے جودو عطا ہے اور دین و دنیا اور آخرت کی زندگی میں آپ ہی سے مدد کا طالب ہوں۔

D:NaatRang-18
File: Yahya
Final

وہ لوگ جو خدا سے غافل اور اس کی عظمت سے بے خبر ہیں۔ دنیا کے شرپسندوں کے

چنگل میں پھنس کر انھیں کی روٹیوں کے ٹکڑوں کے ہمیشہ دست نگر رہتے ہیں انھیں متنبہ کرتے ہوئے مولانا احمد رضا کہتے ہیں:

اسلم عز بوجه اللّٰه منهم — فان معاذه الركن الشديد
ولذ برسولهٖ فلياذة الحق — وعاهده من اللّٰه العهود
على المولىٰ من الاعلىٰ صلوٰة — تفيض فستفيض بها العبيد
على الوالى من العالى سلام — يجود فيجتدى منه العبود
صلوٰة لاتحد و لا تعد — ول اتفنىٰ وان فنيت ابود
سلام لا يمن ول ايُمانىٰ — ولا يبلىٰ متىٰ بليت عهود
رسول اللّٰه! انت منالرجاء — وفضلك واسع وجداک جود

حبيب اللّٰه من تقربهٖ حفظاً
فكل كريهة عند بعيد

ترجمہ:

۱۔ اے مسلم! شریروں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آ کیوں کہ اس کی پناہ نہایت مضبوط سہارا اور مستحکم سکون ہے۔

۲۔ اور اللہ کے رسول کی پناہ لے کیوں کہ ان کی پناہ حق اور درست ہے اور ان کی پناہ سے اللہ کے وعدے مربوط اور وابستہ ہیں۔

۳۔ ہمارے آقا سرورِ کون و مکان پر رب اعلیٰ کی رحمت کا ایسا فیضان ہو جس سے ہم سب ان کے غلام فیض یاب ہوسکیں۔

۴۔ ہمارے والی اور حاکم پر اللہ تعالیٰ سلامتی کی بخشش فرمائے اور اس کے سبب غلام اس بخشش سے مستفید ہوں۔

۵۔ آپ پر خدا کی ایسی رحمت نازل جو شمار سے بالاتر اور احاطۂ عدد سے خارج ہو اور یہ سلسلہ یوں ہی تاقیام قیامت جاری رہے۔

۶۔ آپ پر ختم نہ ہونے والا اور مؤخر نہ ہونے والا سلام نازل ہو اور خواہ کتنے زمانے ہی کیوں نہ گزر جائیں مگر اس میں کہنہ پن نہ پایا جائے۔

۷۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہماری اُمیدوں کے مرکز ہیں آپ کا فضل و کرم وسیع ہے اور

آپ ﷺ کی سخاوت حقیقی سخاوت ہے۔

۸۔ جس شخص کی حفاظت کے لیے اللہ کے حبیب ﷺ اس سے قریب ہوں تو اس سے ہر مصیبت دور ہے اور وہ عافیت میں ہے۔

مراجع

☆۱۔'سورۃ الشرح'، آیت۴

☆۲۔'الاحزاب' آیت۵۶

☆۳۔'سنن ابی داؤد شریف'، جلد۲، ص۶۸۴

☆۴۔'العمدہ: ابن رشیق القیر وانی الجز الاوّل'، ص۹

☆۵۔'مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الآداب)'، الفصل الثالث، ص۴۱۰

☆۶۔'حدایقِ بخشش'، حصہ دوم، ص۳۶، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۷ء

☆۷۔'حدایق بخشش'، حصہ اوّل، ص۲۱

☆۸۔'دائرۃ المعارف الاسلامیۃ'، جلد۱۰، ص ۲۸۱ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

☆۹۔'المنظومۃ السلامیۃ'، دکتور حازم محفوظ، ۱۰۹ مطبوعہ الدار الثقافیۃ للنشر قاہرہ ۱۹۹۹ء

☆۱۰۔'انوار رضا'، لاہور، ص۵۳۳

☆۱۱۔'الکتاب التذکاری مولانا احمد رضا'، دکتور حازم محفوظ، مطبوعہ قاہرہ

☆۱۲۔'الکتاب التذکاری مولانا احمد رضا'، ص۵۰

☆۱۳۔'الکتاب التذکاری مولانا احمد رضا'، ص۶۱

☆۱۴۔'ماہ نامہ معارف رضا'، کراچی، ص۱۰، جنوری ۲۰۰۱ء

☆۱۵۔'بساتین الغفران حازم محفوظ'، لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۵۸، ۵۹

شمشاد حسین رضوی (بھارت)

امام احمد رضا کے عربی قصاید کا تجزیاتی مطالعہ

حضرت سیّدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی جملہ علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے، ان کی تصنیفات و تالیفات ان کی علمی وفنی قابلیت خداداد صلاحیت اور گہری معلومات پر شاہد عدل ہیں۔ وہ ایک قادر الکلام صاحب طرز شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں داخلیت، شدت جذبات اور گہرے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں خارجیہ مضامین فطری مناظر و مظاہر کی بہترین عکاسی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری کا لب ولہجہ، طرز ادا اور اسلوب کلام انوکھا اور خوب تر ہے۔ اس میں حقایق و بصائر اور واقعیت کی ترجمانی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں اثر پذیری اور سحر انگیزی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری کا عام اور نمایاں رجحان عشقِ صادق اور جذبۂ بے لوث ہے۔ مولانا محمد احمد مصباحی امام رضا فاضل بریلوی کی شاعری کی امتیازی خصوصیات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> واکثر شعره فی المدیح النبوی ولیس ذالک الاعمیق صلة بالنبیﷺ وتمکن حبه الکریم علی سوداء قلبه مکان لایکادیمک مافی ضمیره من عواطف الحب ودواعی التعظیم والاجلال فتشکل صورة الشعر ومع ذالک لایوجد فی ای بیت له غلّو ولا تقمیر ولا ای لفظ مما لا یحسن استعماله فی خضرة النبی الکریم علیه افضل الصلوٰة واکرم التسلیم۔
>
> (قصید تان رالعتان ص)

ترجمہ: امام احمد رضا فاضل بریلوی کے زیادہ تر اشعار مدحِ نبوی میں ہیں۔ یہ صرف حضورﷺ کے ساتھ ان کی گہری عقیدت اور دل کے نقطۂ سیاہ میں عشق کے جاگزیں ہونے کے سبب ہے۔ وہ نہ روک سکتے تھے اپنے قلبی واردات اور جذباتِ دل کے ظاہر ہونے کے باوجود اس بے قابو کے ان کے کسی شعر میں افراط وتفریط نہیں اور نہ ہی ان کے کلام میں کوئی غیر مستحسن لفظ کلام میں استعمال ہوا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کے مطالعہ سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاعری کے غالب رجحانات اور نمایاں اشارات کا پتا چلتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ان کی شاعری میں عشق ومحبت کی شدت اور بارگاہِ رسالت سے گہری عقیدت پائی جاتی ہے۔

۲۔ وہ اپنے قلبی جذبات اور کیفیات عشق کو نہیں روک سکتے تھے۔

۳۔ یہی جذباتِ دل شعر کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

۴۔ ان کے کسی شعر میں بے جا مبالغہ آرائی اور غلوئے محبت نہیں پائی جاتی۔

ان کی شاعری کا کوئی لفظ بارگاہِ رسالت کے آداب کے خلاف نہیں ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاعری۔ اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ 'حدائقِ بخشش' ان کی اردو شاعری کا مجموعہ ہے۔ جو الفت وعقیدت، عشق ومحبت، شوکت الفاظ، رفعتِ تخیل، نازک خیالی، شدتِ جذبات اور گہری داخلیت کا حسین مرقع ہے۔ ان کی عربی شاعری کا اب تک کوئی دیوان شائع نہیں ہوا۔ بلکہ ان کی شاعری بکھرے ہوئے انداز میں پائی جاتی ہے۔ اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان و ادب میں ان کا کیا مقام ہے؟ وہ اس ادب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ فصاحت و بلاغت، معانی و بدائع ان کی شاعری میں ملتی ہے۔ یہ قصیدہ تان رائعتان، ان کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔ جس میں عربی زبان و ادب کی لطافت و نزاکت اور صفات معانی پائی جاتی ہیں۔ 'قصیدہ تان رائعتان' میں صرف دو قصیدے ہیں جو حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کی شان میں کہے گئے ہیں۔ ان دونوں قصیدوں میں ادبیت پورے طور پر پائی جاتی ہے۔ فصاحت و بلاغت، تشبیہات و استعارات، رمز و کنایات۔ زبان بیان کی حلاوت، لفظوں اور جملوں کے درمیان طبعی مناسبت اور اتار چڑھاؤ قدیم شاعری کی یاد تازہ کردیتی ہے۔ کھنڈرات، خیموں اور چراگاہوں میں امرالقیس کے جذبات عشق کے اظہار کو مانند

کردیتی ہے۔لب ولہجہ میں شگفتگی اور طرز ادا کی ندرت ان قصاید کو بامِ عروج تک پہنچادیتی ہے۔

عربی قصاید اور پس منظر

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور شاعروں، ادیبوں نثر نگاروں کی طرح دربار سے منسلک نہ تھے۔ اور نہ ہی ان کے دل میں دولت وثروت، عیش وعشرت اور شہرت کی ہوس تھی۔ وہ نہایت ہی مخلص تھے اور خلوص و وفا جن کی زندگی کا نصب العین تھا بے جا تعریف اور جھوٹی شہرت سے وہ دُور تھے آج تک انھوں نے کسی نواب یا امیر کی شان میں قصیدہ نہیں کہا، کیوں کہ وہ سودا یا ذوق نہ تھے۔ بلکہ عاشقِ رسول اور عارف باللہ تھے عقیدت شناسی، صداقت شعاری ان کا منصب تھا۔

امام احمد رضا سے نواب نانپارہ کی شان میں مدحیہ قصیدہ کہنے کی درخواست کی گئی تو جواب ملا:

کروں مدحِ اہلِ دُول رضا! پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

امام احمد رضا فاضل بریلوی چوں کہ علامہ فضلِ رسول کے معاصرین میں نہ تھے۔ مگر تاریخ کے صفحات اور ان کی تصنیفات تو ان کی نظر میں تھیں۔ امام احمد رضا نے محسوس کیا کہ علامہ فضل رسول بدایونی پچھلے دنوں میں علم وفن، فکر ونظر، فقہ وتدبر کے پُرجوش سمندر تھے اور شعور و ادراک کے تلاطم خیز موج تھے،فہم وفراست کے درِ نایاب تھے۔ ان کی زندگی زہد و ورع خوف و رجا، تقویٰ و پرہیزگاری سے عبارت تھی صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی حیات مستعار میں چاند کی چاندنی، ستاروں کا بانکپن پایا جاتا تھا۔ وہ اہلِ ایماں اور اربابِ ذوق وعرفاں کے لیے ریشم و پرنیاں سے زیادہ نرم و نازک تھے اور گم راہ و بد دین اعداے اسلام کے لیے شمشیرِ برہنہ تھے۔ تو امام احمد رضا اور ان کے کارہاے نمایاں کو حبذا کہے بغیر نہ رہ سکے علامہ فضل کو ارباب علم و دانش 'سیف اللہ المسلول' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کس قدر پُرکشش تھی اور اس میں کیسی جاذبیت تھی اس کا اندازہ علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی اس عبارت سے ہوتا ہے کہ

وبعد طلعت الرسالة التی ضغها صفها مولانا اسمیدع الاورع الاروع البارع المتبرع الضارع المتفرع الشارع المتضرع ذوالمناقب الثواقب الجلیله والانظار الثواقب الدقیقه الجامع

بین العلوم العقلیه والنقلیه معارف الشریعة الحقیقة. طلاع الثنا یا والنجاد ذاتع الصب فی انجاد الحق وفل قرنٍ طلع من النجد فی الاغوار والانجاد، العریف الغریف العطریف الصفی الحفی مولانا المولیٰ فضل الرسول القادری الحنفی متع اللّٰه المومنین بطول بقاته. (المعتقد المنتقد ص ا)

ترجمہ: بعد حمد وصلوٰۃ کے میں نے مطالعہ کیا اس رسالے کا جسے تصنیف و تالیف کیا ایک ایسے عالم نے جو بڑے شریف، بڑے متقی، بڑے ہوشیار، کامل علم میں، بڑے منکسرالمزاج، بڑے متشرع، صاحبِ مناقبِ جلیلہ انظار دقیقہ، جامع علومِ عقلیہ و نقلیہ معارفِ شریعیہ و طریقیہ، بڑی مشقت کے برداشت کرنے والے حق کے معاملات میں شہرت یافتہ جس نے شکست دی اس سینگ کو جو نجد سے طلوع بڑی معرفت والے علم دوست، خالص مہربانی لایق و فایق مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قادری اللہ تعالیٰ نفع دے ان کی بقائے حیات سے۔

مذکورہ بالا عبارت میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے علامہ فضلِ رسول بدایونی کے بارے میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان میں حق وصداقت پائی جاتی ہے۔ نیز اس سے علامہ فضلِ رسول بدایونی کے دیدہ زیب اور پُرکشش شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ موصوف کی جو علمی و دینی خدمات تاریخِ ہند کے صفحات میں محفوظ ہیں اُنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جرأت و بہادری، حق گوئی و بے باکی، اعلانِ حق وصداقت اور وہابیت کے خلاف مورچہ بندی اُن کے کارہاے نمایاں ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اگرچہ اُن کے ہم ناظروں میں نہ تھے۔ مگر اُن کے علمی وتہذیبی خدمات سے متاثر تھے۔ یہی تاثرات و جذبات اُن کے عربی قصاید کے پس منظر ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے علامہ فضلِ رسول بدایونی کی شان میں قصیدہ لکھ کر، ایک ادیب اور ایک شاعر اور ایک سماجی کارکن کی ذمہ دارانہ حیثیت کا اظہار کیا ہے اور انصاف و دیانت کا کام کیا ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شاعر یا ادیب سماج و معاشرے میں پائے جانے والے عکوس نہ تار کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ نیز امام احمد رضا نے عربی قصیدوں میں علامہ فضل رسول بدایونی کی علمی شان و وقار اور فنی خدمات کا اعتراف کرکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

کہ اخلاف اپنے مستقبل یا حال کو اُس وقت تک تاب ناک نہیں بنا سکتے ہیں جب تک کہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو اُجاگر نہ کریں۔ مگر افسوس علامہ فضل رسول بدایونی کے موجودہ اخلاف و اذناب پر کہ وہ اپنے اسلاف کی روایات کو برقرار نہ رکھ سکے اور نہ ہی اُن کی علمی وفنی اور تہذیبی خدمات کو اُجاگر کرسکے۔ قربان جایئے امام احمد رضا فاضل بریلوی پر کہ اُنھوں نے علامہ موصوف کی عبقری شخصیت کو جانا پہچانا اور اپنے قصاید کے ذریعے اُن کی شخصیت اور گونا گوں خوبی و کمالات کو متعارف کرانے کی بھی کوشش کی۔ ان قصاید سے جہاں علامہ موصوف کی شخصیت اور خدمات کی وضاحت ہوتی ہے وہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ادبی خدمات، علمی وفنی کمالات، قدرتِ کلام، ندرتِ فکر اور وسعتِ خیال و معانی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے جو بھی قصیدے کہے ہیں رسمی یا تقلیدی لب و لہجے میں نہیں بلکہ اپنے جدتِ طبع سے اُن میں چار چاند لگادیے ہیں اور فنی قصیدہ گوئی کو بامِ عروج تک پہنچادیا ہے۔

اردو ادب اور قصاید

اردو تنقید و تاریخ میں قصیدہ کی جو اہمیت ہے اسے ہم نظر انداز نہیں کرسکتے کیوں کہ قصاید کے ذریعہ اردو ادب اور اردو زبان میں وسعت اور تنوع پیدا ہوا۔ اردو شاعری میں ایک نئی صنف کا اضافہ ہوا علمی اور فنی مصطلحات کو استعمال کرنے کا ایک سنہرا موقع نصیب ہوا۔ اردو زبان میں قصیدہ کا وجود فارسی ادب کے زیرِ اثر ہوا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قصیدہ گوئی کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ عربی قصیدوں کا ذکر نہ کیا جائے کیوں کہ قصیدے کی اوّلین روایات عربی ادب میں ہی ملتی ہیں یہی اصل اور ماخذ ہے۔ عربی ادب میں بھی عہد جاہلی کے قصیدوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ عربی قصاید میں اس دور کے حالات کیفیات سماجی معاشرتی زندگی کے اثرات کی جھلک ملتی ہے۔ شجاعت و بہادری، جرأت و بے باکی حق وصداقت، فطرت اور مظاہر فطرت کی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے قصاید کا مطالعہ کرلیجیے۔ ان میں عہد جاہلی کی شاعری کے خصوصیات و امتیازات پائے جاتے ہیں تاریخ وتنقید کے اوراق شاہدِ عدل ہیں کہ فن قصیدہ گوئی میں مندرجہ ذیل عناصر پائے جاتے ہیں۔ جیسے:

(۱) تشبیب درتشبیب (۲) مدح یا ذم (۳) گریز (۴) خاتمہ

امام احمد رضا کے قصیدوں میں یہ چاروں اجزا پائے جاتے ہیں انھیں اجزا کے توسط

سے ہم ان کے ایک قصیدے کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے اس تجزیاتی مطالعہ سے یہ واضح ہوگا کہ علامہ فضلِ رسول کیا تھے اور امام احمد رضا کی شخصیت کیسی تھی اور وہ کس خوبی و کمال کے مالک تھے۔

امام احمد رضا اور تشبیب

قصیدہ کی تمہید کا دوسرا نام تشبیب ہے۔ اس میں عشق و محبت کے مضامین باندھے جاتے ہیں اس کے الفاظ میٹھے ہوتے ہیں۔ اندازِ بیاں طربیہ ہوتا ہے۔ جس سے فرحت و انبساط کا ایک جہانِ تازہ تبسم ریز ہوتا ہے۔ تشبیب کے مضامین محدود نہیں بلکہ اس کا دامن بہت زیادہ وسیع ہے۔ فطرت مظاہر فطرت، قدرت کے آثار وعکوس، برسات کی بہاریں (پرکھارت) صبح و شام کی دل کش فضائیں گلشن کی دلآویزی، کلیوں کا تبسم، شبنم کے قطروں کی نظافت، تصورِ جاناں، سروقامت، یعنی یہ سب موضوعات تشبیب میں پائے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کی تشبیب میں یہ ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمہیدی شاعری میں تنوع، وسعت، اور ندرتِ فکر وفن پائی جاتی ہے۔ عشق کے یہ اشعار کس قدر سحر انگیز ہیں ملاحظہ کیجیے:

۱. کارن الحمام علی شجون البان　　یا ما اُمیلح ذکر بیض البان

۲. تبکی دما وتقول فی اسجاعها　　الله یضحک سن من ابکانی

۳. ولقد درنی من ذاق ذوق صبابة　　ان اللحون مشیرة الاکنان

ترجمہ: (۱) درخت بان کی شاخوں پر کبوتر فریاد کے روپ میں کہہ رہا تھا۔
کس قدر نمکین ہے مقامِ بان کے حسیناؤں کا ذکر۔

(۲) وہ خون کے آنسو رو رہا تھا اور اپنے نغموں میں کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ اسے خوش رکھے جو مجھے رُلا رہا ہے۔

(۳) یقیناً اس نے جان لیا جو ذوقِ عشق سے دوچار ہے کہ خوش آوازیں دل کے پوشیدہ جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔

ان اشعار کو پڑھیے۔ اور اس کے معنیاتی نظام پر غور کیجیے تو ہزاروں کمالات عیاں ہوتے ہوئے محسوس ہوں گے اور جمالیات کا ایسا نقشِ رنگین اُجاگر ہوگا کہ طبیعت عش عش کر اُٹھے گی۔ ان اشعار میں عہدِ جاہلی کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور جاہلی ادب کے نقش و نگار مسکراتے

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ کیوں کہ ان اشعار میں 'حمام' سے مراد صرف پرندہ نہیں ہے بلکہ بطور علامت استعمال ہوا ہے۔ جو محبوب اور محبّ کے درمیان ہرکارے کا کام کررہا ہے۔ یہ صرف خاص عربی ادب کی تہذیب ہے۔ ابن بابک نے بھی اپنے ایک شعر میں لفظ 'حمام' کا ذکر کیا ہے۔

حمامته جرعی حومة الجندلی اسجعی

فانت مسمع من سعاد و بمرایٍ

اے پتھریلی اور ریگستانی علاقہ کے کبوتر خوش الحانی کر، کیوں کہ تو ایسی جگہ ہے جہاں میرا محبوب سعاد تجھے دیکھ رہا ہے اور سن بھی رہا ہے۔

امام احمد رضا کے مطلع تشبیب اور ابن بابک کے شعر کی شعری فضا ایک سی ہے اور وہ ہے سنسان اور سناٹے کی فضا، خلوت اور تنہائی جہاں صرف 'حمام' کی خوش الحانی پائی جاتی ہے اور کچھ بھی نہیں اس قسم کی تنہائی کس قدر دل فریب اور لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس شخص کو ہوگا جو عشق اور اس کی سوزش سے واقف ہو۔ دونوں شعروں میں فضا میں 'حمام' بطور علامت لایا گیا ہے۔ رازداں کی حیثیت سے یا پھر پیغام رساں کی حیثیت سے دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ تو دونوں شعری فضا میں کچھ امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں اور دونوں میں حمام کچھ انفرادی شان بھی رکھتا ہے۔ جیسے:

(۱) ابن بابک کا حمام غیر متحرک ریگستانی علاقہ میں ہے اور خاموش ہے۔ شاعر اسے نغمہ ریزی کی تلقین کررہا ہے۔ مگر اسے یہ تلقین کیوں دی جارہی ہے۔ ابن بابک کے حمام کو معلوم نہیں اسے اس جمالیاتی پہلو کا علم نہیں۔ صرف ابن بابک اس حمام کو پسندیدہ اور محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے کیوں کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں سعاد اسے دیکھ رہی ہے۔ شعر کی یہ فضا غیر متحرک اور جامد ہے۔

(۲) امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مطلع تشبیب کی شعری فضا متحرک اور ارتقا پذیر ہے یاس انگیز اور نشاط آمیز بھی ہے کیوں کہ مطلع کے اک مصرع سے یاس وحسرت اور رنج وغم کی فضا تیار ہوتی تو دوسرے مصرع میں اظہار تعجب اور حسیناؤں کے ذکر سے نشاطیہ پہلو نکلتا ہے ان دونوں متضاد کیفیات سے جو معتدل کیفیات تیار ہوگی وہی شعری فضا ہے۔ جو ابن بابک کی شعری فضا سے الگ ہے مگر یہ امتیاز صرف جزوی طور پر ہے اور وہ ہے معنوی،

ورنہ ظاہری طور پر دونوں کے فضاؤں میں اشتراک ہے امام احمد رضا کا 'حمام' مخدوش اور کھنڈر علاقہ میں نہیں ہے۔ بلکہ سبزہ زار اور ہرے بھرے علاقہ میں ہے۔ عام درختوں پر نہیں ہے۔ بلکہ اس درخت کی شاخوں پر ہے جس سے محبوب کے قد کو تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ 'حمام' صرف ایک کبوتر نہیں بلکہ حسن و جمال سے لطف لینے والا اور جمالیات سے اپنے آپ کو مدہوش کرنے والا ہے۔ حسن شناس اور عشق نواز بھی ہے اس حمام کے انتخاب اور بطور علامت استعمال کرنے سے امام احمد رضا کی شخصیت کا جو پرتو عیاں ہوتا ہے، اس پر دل قربان ہونے اور اپنے آپ کو نثار کرنے کو تیار ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے مطلع تشبیب میں جس 'حمام' کا ذکر کیا ہے وہ شعور و دانش رکھتا ہے کیوں کہ وہ حسیناؤں کے ذکر کو نمکین بنا رہا ہے اور اس پر اظہار تعجب بھی کر رہا ہے۔ محبوب کے فراق میں خون کے آنسو بھی رو رہا ہے۔ اور اپنے محبوب کو دعائیں بھی دیتا ہے۔ کیا کوئی غیر شعور کہہ سکتا ہے! نہیں ہرگز نہیں۔ امام احمد رضا کا 'حمام' کس قدر ہوشیار اور ذی شعور ہے۔ اللہ اس کی کیا عظمت ہے؟

کیا حمام کی خوش آویزی اس کا نغمہ و ترنم ایک بے کار سی چیز ہے؟ نہیں ہوش مندوں اور دانش وروں کے لیے بے کار نہیں بلکہ کام کی چیز ہے۔ کیوں کہ یہ خوش الحانی دل کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اور قلب و جگر میں اضطراب کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے اسی تجربہ کا اظہار امام احمد رضا نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

ولقد دریٰ من ذاق ذوق صبابة
ان اللحون مشیرة الاکنان!

کبوتر کی فریاد اور اس کی خوش الحانی سے امام احمد رضا کے دل میں عشق و محبت کے سوتے بیدار ہوتے ہیں۔ اور محبوب کی ادائیں، عشوہ طرازیاں اور اس کے حسن و جمال کی کیفیت سے امام احمد رضا فاضل بریلوی مست ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ دور و تڑپ، اضطراب و بے قراری و خلش کی سی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے۔ محبوب کے حسنِ تصور اور ان کی یاد میں امام احمد رضا کی کیا کیفیت ہے؟ مندرجہ ذیل شعروں سے ظاہر و باہر ہے:

۱. بانت وما لانت فبانت لوعتی! یاخیبتی فی البصر والکتمان
۲. راحت ازمة راحتی من راحتی وکذاک! کل مودع الاخدان

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

۳. وما مضمضت عینی بنوح مذمضمة وكذاك كل مفارق النحلان

۴. سامت نوادی ثم تعط الثمن یایتھا طرف بلا اثمان

ترجمہ: (۱) محبوب سے جدائی ہوگئی۔ نرم دل ہونے کے باعث میری سوزشِ عشق واضح ہوگئی ہائے میری ناکامی! عشق کے چھپانے اور صبر میں۔

(۲) میری آسائش کا لگام میرے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ ایسا ہی ہر اس شخص کا حال ہوتا ہے جو اپنے محبوب کو رخصت کرے۔

(۳) جب محبوبہ جدا ہوتی مجھے کسی کروٹ نیند نہیں آتی ایسا ہی ہوتا ہے ہر اس شخص کا حال جو اپنے دوستوں کو جدا کرے۔

(۴) میری محبوبہ نے دل کی قیمت لگائی، مگر اس نے نہیں دی۔ کاش قیمت لگائے بغیر میرے دل کو وہ لے لیتی۔

امام احمد رضا عشق و محبت میں بے قرار و مضطرب ہورہے ہیں، تکلیفیں برداشت کررہے ہیں، رنج و محن اور حزن و ملال سے دوچار ہورہے ہیں اس کے باوجود اپنے محبوب کے متعلق وہ نیک خواہشات رکھتے ہیں وہ اپنے محبوب کو بے مروت و بے وفا سے تعبیر نہیں کرتے بلکہ ان کے لیے سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیے:

لاتجز المیعاد ولکن لم اکن

لاعیبھا کلا وما ھو شافی

ترجمہ: وہ وعدہ وفا نہیں کرتی اس کے باوجود میں انھیں عیب یا الزام نہیں لگاتا کیوں کہ یہ میری شان نہیں ہے محبوب کو بے وفا اور بے مروت نہ کہنا ان کے کمالِ عشق اور خلوص محبت کی دلیل ہے۔ عشقِ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ بعینہٖ ان کا حمام بھی انھیں جذبات و تاثرات کی ترجمانی کرتا ہے امام احمد رضا اور ان کے حمام کے جذبات میں یکسانیت پائے جانے کے سبب ذہن کے پردے میں جن جلوۂ رنگین کا تصور ابھرتا ہے۔ وہ لطف انگیز اور سحر آمیز بھی ہے۔

امام احمد رضا کی تشبیب میں جس محبوب کا تصور ملتا ہے وہ کس قدر خوب صورت اور حسین ان کی ادا۔ عشوہ انداز کس انوکھی شان کا ہے؟ اس کے قد زیبا میں کس قسم کی لچک پائی جاتی ہے اس کو جاننے کے لیے مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ کیجیے:

تمشی تغشاھا الصبافکا نھا!! عضن سوی مائد متھان

باحسن غصن فيه من كل الجنىٰ عنب وعناب به سلوان
واللوز فيه المفور والتفاح وار رطب ولا تسئل عن الرمان

ترجمہ: (۱) وہ جب چلتی ہے تو صبا انھیں اس طرح ڈھانک لیتی ہے گویا
وہ ایسی ڈالی نظر آتی ہے جو سیدھی مائل اور لچک دار ہو اور جھومتی ہو۔
(۲) وہ سب سے زیادہ حسین ڈالی ہے جس میں ہر قسم کے میوہ جات ہیں
جس میں انگور اور عناب ہیں جو مفرحِ قلب ہیں۔
(۳) اس میں بادام بھی ہے جس میں کام یابی ہے اور تازہ کھجور ہے مت
پوچھیے انار کے متعلق۔

ان اشعار میں مظاہر فطرت کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ محبوب کی چال کو جھومتی شاخوں سے تشبیہ دینا اور محبوب کے قدِ زیبا میں ہر قسم کے میوہ جات کی وضاحت کرنے سے محبوب کی خوش رنگی میں چار چاند لگ جاتا ہے اور اس سے اس کی شخصیت میں انوکھی شان پیدا ہوئی ہے۔ میں نے اب تک جتنے قصیدوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے تشبیب کے اشعار میں حسن و کمال کا وہ بانکپن خلوص و پیار کی چاشنی نہیں ملتی ہے۔ جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تشبیب میں ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے عشق کا جذبہ پاک اور پاکیزہ ہے۔ وہ طہارت قلب اور پاکیزگیِ نفس سے کام لیتے ہیں اور دل کے عشق و ولا میں یہ بات نہیں ہے۔ امراء القیس ہوں یا خاقانی، سودا ہوں یا ذوق ہر ایک سے ان کی تشبیب الگ تھلک ہے۔ جس طرح امام احمد رضا کا عشق پاک اور صاف ستھرا ہے اسی طرح آپ کی معشوق لیلیٰ و شیریں سے الگ انسان سے جدا ہے۔ امام احمد رضا خود اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ

ازمان فاقت بيدان عشيقنى بزمانها فاقت على ازمان
ياساديٰ اعتبها لاتعتبوا مارمت الاثم فى الاسدان
سحرتنى العينا بلحظة طرفها من لى برقية ساحر قتان
ولت وما والت فوالت عبرتى لم لاهيكم اذا لجيب جفانى

ترجمہ: (۱) زمان حسن و جمال میں فایق تھی۔ مگر میرا معشوق اس کے
زمانے میں بھی اس پر فایق تھا۔
(۲) زن خوش چشم نے اپنی دُزدیدہ نگاہی سے مجھے مسحور کر دیا۔ کون ہے

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

میرا مساوی کسی جادوگر اور فتنہ انگیز کے افسون میں۔

(۳) اے محبوب کے چوکھٹ کے خدام! تم عیب نہ لگاؤ۔ میں نے نہیں قصد کیا مگر ان ہر دوں کے بوسہ لینا کا۔

(۴) اس نے اظہارِ محبت نہ کی بلکہ برگشتہ ہوگئی۔ بس میری آنکھوں سے اشک پیہم رواں ہوگئے، میں کیوں نہ پریشان ہوجاؤں کہ محبوب نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ امام احمد رضا کسی ایسے معشوق کے اسیرِ گیسو ہیں جو اپنے زمانے میں یکتا اور درّنایاب تھے جو حسن و جمال میں سب سے جدا شان رکھتے تھے۔ وہ معشوق کیسا تھا، اس کی کیا عظمت تھی، کیا شان رکھتا تھا؟ اسے امام احمد رضا کا عشق ہی سمجھ سکتا ہے۔ محبوب جانیں یا محبّ، کسی تیسرے فرد کا اس میں دخل نہیں۔ ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا معشوق کی جدائی میں مصائب و آلام برداشت کرتے رہے۔ راتوں جاگتے رہے، مگر انھیں کچھ نہ کہا۔ ان کی شان میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے ان کے طبع نازک پر گرانی محسوس ہو۔ آہ کیا عشق ہے کیا اُلفت وعقیدت ہے، اس مصائب سے وہ گھبرائے نہیں اور نہ ہی دامنِ دل کو اپنے ہاتھوں سے جانے دیا بلکہ اس یاس انگیز گھروں میں بھی انھوں نے اعتماد و یقین کے چراغ کو جلائے رکھا اور پُرعزم حوصلہ سے کام لیا۔ بلند حوصلہ تو دیکھیے، امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ

یااھل سھل اسھلوا بخیامکم ذروا خالاحزان الاحزان

فوامحنتی احدابثلثة کائن امضی کذا اومت او تلقانی

ترجمہ: (۱) اے اہل بادیہ اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ اور مصیبت والوں کو دشت زمین چھوڑ دو۔

(۲) پس اے میری محنت و مشقت ان تینوں میں سے ایک ہوگا کہ اس میں اس طرح گزر جاؤں گا یا میں مرجاؤں یا وہ مجھ سے ملاقات کرے۔

یہ اشعار عشق و محبت کی داستان کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ ان تینوں کے علاوہ اور کیا ہوگا اس سے انداز ہوتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی اس تشبیب میں اس طریقۂ کار کو اپنایا ہے اور مفکرانہ خیالات سے اسے مزین کیا ہے نیز اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ انھوں نے عشق کی وادی میں کبھی بے راہ روی سے کام نہیں لیا بلکہ منصوبہ بندی طریقہ سے

چل رہے تھے جو ہوشیار اور دانش مند طبقہ کی روش ہے کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ 'بے راہ روی سے منزل کا بُعد بڑھتا ہے۔'

غلط روی سے منازل کا بُعد بڑھتا ہے
مسافرو! روشِ کارواں بدل ڈالو!

تشبیب در تشبیب

کبھی کبھی قصیدہ نگار ایک ہی قصیدہ میں دو تشبیبوں کا ذکر کرتا ہے۔ کبھی عشقیہ تشبیب سے بہاریہ کی طرف گریز کیا جاتا ہے اور کبھی بہاریہ سے عشقیہ کی طرف۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی اپنے اس قصیدہ میں دو تشبیب سے کام لیا ہے اوّل تشبیب میں عشق مجازی اور معشوق مجازی کے اوصاف کا ذکر ہے مگر ثانی میں اوّل کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میرے تشبیب اوّل میں اگرچہ عشق مجازی ہے مگر وہ پاک اور صاف وشستہ ہے میں نجد کا قیس ضرور ہوں مگر ایسے نجد کا جس میں ہر قسم کی پاکیزگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ میری لیلیٰ اس دنیاوی لیلیٰ سے الگ ہے غور وفکر کی رات اور تنقید و تجزیہ ہی میری لیلیٰ ہے۔ میں ایسے لوگوں میں شب باشی کرتا ہوں جو سب کے سب جذبہ بے لوث سے معمور ہوتے ہیں اور غور وفکر فقہ و تدبر ان کی فطرت ہوتی ہے۔ یہ ایسی خوب صورت اور دل کشی توضیعی تشبیب ہے جس پر ہر فن کی ساری رعنائی اور تاب نا کی قربان ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

انا قیس نجد فیه نزهة جنةٍ		هی جنة من جنة لجنان
لیلالی لیل کنت فیه منادما		لعرائس عربٍ حللن جنانی
اسکن قلبی اذسکن وبت فی		نعم ارنشاقٍ لما ورق لسان
حتی اذا صبحت سعد اقیل لی		اجبیت لیلک قلتُ بل احیانی

ترجمہ: (۱) میں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں میری جنت کی سی پاکیزگی ہے اور یہی تمام لوگوں کے جنوں کی ڈھال ہے۔
(۲) میری لیلیٰ ایسی رات ہے جس میں، میں ہم نشین ان دولہوں کے ساتھ تھا جو شوہر دوست تھیں اور وہ میرے دل میں اُتر گئیں۔
(۳) میرے دل کو سکون کیا اس لیے وہ ساکن ہوا اور میں نے رات

گزاری بہترین اور خوش گوار زبان ولب کے ساتھ۔
(۴) حتیٰ کہ جب میں نیک بختی اور خوش نصیبی سے صبح کی تو مجھ سے کہا گیا تم نے اپنی رات کو زندہ رکھا میں نے جواب دیا بلکہ اس نے مجھے زندہ رکھا۔

مذکورہ بالا اشعار میں امام احمد رضا (قیس) نجد لیلیٰ اور لب و زبان جیسے لفظوں کا استعمال کیا ہے یہ الفاظ اپنے لغوی یا معانی متداولہ میں استعمال نہیں ہوئے ہیں۔ کیوں کہ یہ معانی نہایت محدود ہیں۔ اور اشعار میں استعمال ہونے کے لایق نہیں۔ امام احمد رضا نے ان معانی میں تصرف کیا ہے اور اسے جدید پہنائیوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ جدید پہنائیاں ان کے لغوی اور متداولہ معانی سے زیادہ وسیع ہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ وہ لفظوں کے رمز و شناس میں تھے اور اپنی شاعری میں زبان کو برائے سائنس نہیں بلکہ برائے تخلیق جذبہ استعمال کرتے تھے۔

اعلمتُ ماذاالنجد نجد تعلم   واللیل لیلیٰ الفکر و المعانی
لیل اذا رخی ستار ظلامه!   رفع الستاره عن نجومِ معانی

ترجمہ: (۱) کیا تم نے جانا کہ نجد کیا ہے حصول علم کا نجد ہے اور جو رات میری لیلیٰ وہ غور وفکر تحقیق و تدقیق کی رات ہے۔
(۲) رات نے جب اپنی تاریکی کے پردے کو چھوڑا تو اٹھایا دیا پردوں کو معانی کے ستاروں سے۔ یہ دونوں شعر تو کل تشبیب کا ماحصل ہے جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے امام احمد رضا کو صرف علم وفن اور غور وفکر اور عمقِ نظر سے مطلب تھا۔ اس میں وہ قیس بھی تھے اور نجد کے باشندے بھی تھے۔ غور وفکر کی رات ان کے لیے لیلی تھی اس کے علاوہ کسی اور معاملات سے انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

امام احمد رضا اور گریز

قصیدے کا دوسرا اہم جز گریز ہے جس میں قصیدہ نگار کی ہوشیاری اور چابک دستی ظاہر ہوتی ہے۔ گریز کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن رشیق نے لکھا ہے کہ

اذا الخروج انما هو ان تخرج من نسیب الی مدح او غیره بلطف تحیل

گریز تشبیب سے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف بہترین حیلے سے نکل جانا ہے۔

(العمدہ جلد اوّل ۱۵۶)

ارباب اردو ادب سے مخفی نہیں کہ گریز میں ندرت اور انوکھا پن ہونا چاہیے اور اگر یہ نہ ہو تو ساری تشبیب کرکری ہوجاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ تشبیب کے حسن و قبح کا انحصار مطلع اور گریز کے حسن و قبح پر ہے۔ امام احمد رضا کا مطلع تشبیب تو بڑا زور دار ہے اور پُر جوش بھی ہے لیکن گریز کی کیا کیفیت ہے۔ اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے جب تک اس کی وضاحت نہ کی جائے گی تشبیب حسن و خوبی کا صحیح معنی میں اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے عربی قصیدوں میں گریز کا استعمال کیا ہے اول تشبیب سے تشبیب کی طرف اور دوم تشبیب سے مدح کی طرف ان دو گریزوں میں الحاق و انضمام کی کیفیت نہیں بلکہ ادغام کی نوعیت پائی جاتی ہے۔ اور ادغام کی ان دو گریزوں میں الحاق و انضمام کی کیفیت نہیں بلکہ ادغام کی نوعیت پائی جاتی ہے۔ اور ادغام کی یہی صورت و نوعیت کو کام یاب بناتی ہے امام احمد رضا کے گریز میں کیسی ندرت، کیا ندرت ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل شعروں سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

مہ یارضا یا ابن الکرام الاتقیاء　　یأغرس دوح العلم و الاتقانِ

دع عنک ھذ الست اھل بطالة　　والنھض الی ما کنت فیه تضابی

للہ درک یانصیح ندیمه　　القضتنی من غفلة الوسنانِ

ترجمہ: (۱) بازآ اے رضا اے فرزندِ اہلِ تعلیم و اتقا۔ اے درختانِ علم و اتفاق کے نونہال۔

(۲) چھوڑو اُسے کہ تم بے ہودہ گو میں سے نہیں اور کھڑے ہوجا اس کے لیے جسے تم برداشت کرسکو۔

(۳) تیری خوبی اللہ کے لیے ہے۔ اے ناصح دوست کہ تُو نے مجھے بیدار کردیا۔

یہ گریز کے اشعار ہیں جس توسط سے امام احمد رضا تشبیب اول سے تشبیب دوم کی طرف رجوع کررہے ہیں۔ مگر یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ آپ رجوع کررہے ہیں۔ جب تک کہ دقتِ نظر سے کام نہ لیا جائے دوسرے گریز کا بھی یہی حال ہے کہ اس کے ذریعہ تشبیب سے مدح کی طرف امام احمد رضا رجوع ہوتے ہیں۔ انداز کی ندرت تو دیکھیے کہ

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

مالی واللدمیات من درر علی　　　سررٍ ولست بعابد الاوثانِ
مالی وللغزل المهیج فلااکن　　　غزلً ولم ار مرتع الغزلانِ
ماکان هذا دیدنی لکنه　　　تشبیب شعرِ لادو الشیانِ
اذما منی ولا انا من　　　اذ جبت مدح رحلة لاوالیٰ

ترجمہ: (۱) مجھے کیا تعلق موتیوں کے ان مورتیوں سے جو تخت پر براجمان ہوں۔ اور میں بتوں کی پرستش کرنے والا نہیں۔
(۲) مجھے کیا نسبت بھڑکتی غزالوں سے، نہ میں عشق باز مرد ہوں اور نہ ہی میں نے غزالوں کی چراگاہوں کو دیکھا ہے۔
(۳) یہ میری شان نہیں ہے لیکن یہ شعر کی تمہید ہے نہ کہ جوانوں کا کھیل۔
(۴) نہ کھیل مجھ سے نہ میں کھیل سے، میں تو اس کی تعریف کرنے آیا ہوں جو عالم مرجعِ خلایق ہیں۔

امام احمد رضا کے گریز کے اشعار دو موسموں کے درمیان نقطۂ آغاز یا دو حرکت مستقیمہ کے درمیان وقفۂ سکون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس گریز کی یہ نوعیت ہوگی وہ نہایت ہی اہم اور کام یاب ہوگا۔

امام احمد رضا اور مدح

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مدحیہ میں کیا معیار ہے؟ اولاً اس کی وضاحت ضروری ہے کیوں کہ عام طور پر اردو اور فارسی قصیدہ گو حضرات نے مدحیہ شاعری میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے اور اپنے محبوب کی تعریف و توصیف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دیے ہیں۔ اصلیت سے انھیں کوئی واسطہ نہیں تھا۔ مگر امام احمد رضا کا نظریہ الگ ہے۔ انھوں نے اب تک کسی کی تعریف میں اس قسم کا رویہ نہیں اپنایا ہے، بلکہ انھوں نے مناسب وقت میں صحیح تعریف کی ہے کیوں کہ وہ اس راز سے واقف تھے کہ:

مبالغہ ادب کی جانب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مبالغہ حدود و معقول سے تجاوز نہ کرے اگر حد سے تجاوز کر گیا تو یہی اہم ترین نقص ہوجاتا ہے ہر شے اپنی جگہ پر اپنے حدود کے اندر بھی معلوم ہوتی ہے۔

کجیِ عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگسی جادو کے لیے
(اردو شاعری پر ایک نظر ۲۴۲)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے عربی قصیدے میں علامہ فضل رسول کی مدح میں جو بھی اشعار کہے ہیں ان میں اولاً مبالغہ نہیں ہے بلکہ اصلیت پر مبنی ہے ثانیاً اگر مبالغہ ہے تو حدود معقول میں ہے اس سے متجاوز نہیں۔ کیوں کہ وہ نہایت ہی پاک طینت اور نیک سیرت انسان تھے۔ وہ نہ تو اپنی تعریف سے خوش ہوتے اور نہ دوسروں کی تعریف کرنے سے انھیں صلہ و انعام کی طمع تھی۔ ہاں حق کے اعتراف میں وہ پیش پیش تھے۔ مندرجہ ذیل شعروں میں اصلیت اور حق و صداقت پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

علماً علیماً عالماً علامة — فضل الرسول الفاضل الربانی
رضع المکارم فی صباه وحق اذ — رتبه ظور المجد فی الاحضان
حتی تربی زاکبا متزکیاً! — یدبر علی الامثال والاقران
خضعت له العناق من اعناقهم — خذرت له الاعیان من اعیان
عبد المجید فجائه فضل الرسول — لِ مهنأً بالفضل والرجحان

ترجمہ: (۱) فضلِ رسول عالم علامہ اور فاضل ربانی ہیں۔
(۲) انھوں نے اخلاق کریمانہ کا دودھ پیا اپنے بچپن میں۔ اور یہ حقیقت ہے شرافت و بزرگی کی ہرنیوں نے اپنی گود میں ان کی پرورش کی۔
(۳) یہاں تک کہ انھوں نے نشوونما نیک صالح اور خوش عیش ہوکر اور تمام امثال و اقران پر فایق ہوگئے۔
(۴) جھک گئیں ان کے لیے عمدہ لوگوں کی گردنیں اور تمام اشراف لوگ ان کی فروتنی کرنے لگے۔
(۵) عبدالمجید کے ان کے پاس فضل رسول آئے۔ فضل اور بزرگی کی مبارک باد دیتے ہوئے ان اشعار میں امام احمد رضا نے علامہ فضل رسول بدایونی کی تعلیم و تربیت سے بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان شخصیت و سیرت کی تعمیر کن کن ہاتھوں سے ہوئی ہے۔

D:NaatRang-18
File: ShamShad
Final

امام احمد رضا کے ان مدحیہ اشعار میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے بلکہ انھوں نے جو بھی کہا ہے وہ حق اور درست ہے، ان کے علم وفن، ذہن کی پرواز اور رفعتِ تخیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا رمت علم القلب فهو مناره　　　　والمبصرون بهم هدى العمانى

او علم تاويل القرآن نياله　　　　من آية فى الشرح والازكان

او علم اسناد الحديث وتمنه　　　　فالبحر زخار بدون عدان

ترجمہ: (۱) اگر تم علم قلب کا ارادہ کرو پس وہ اس کا منارہ ہے اور ان کی طرف دیکھنے والے ایسے جیسے اندھوں کی رہنمائی کی جارہی ہے۔

(۲) اگر علم تاویل قرآن کا قصد کرو تو وہ ماہر و کامل ہیں شرح وتفہیم میں۔

(۳) اور اگر اسنادِ حدیث اور متنِ حدیث کے علم کا ارادہ کرو تو وہ موج مارتا سمندر ہیں بغیر ساحل کے۔

قصیدہ کا خاتمہ

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے عربی قصیدے کے آخر میں درجہ بدرجہ تمام بزرگوں سے استعانت کی درخواست کی ہے اور ان سے طلبِ فیض کیا ہے انھیں تمام بزرگوں کے فیوض و برکات نے امام احمد رضا کو اعلیٰ حضرت اور منصب تجدید کے مقام پر فائز کردیا۔ آج بھی ان کے کارنامے اس قدر روشن و تاب ناک ہیں کہ ان سے روشنی اور ہدایت طلب کی جاسکتی ہے ان کے نقشِ قدم طالبِ حق وصداقت کے لیے روشن منارے ہیں اور تشنگانِ علوم وفنون کے لیے آبِ حیات ہیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں بھی بزرگوں اور خاص کر امام احمد رضا کی تصنیفات سے کسبِ فیض کی توفیق عطا فرمائے! آمین

ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)

فاضل بریلویؒ کا شعری وژن

گلشنِ مدینہ کے تصوّر میں مہکنا، شب کے پچھلے پہر اشکِ مسلسل کے جھرنوں کا گرنا، کشتِ دیدہ و دل میں بادِ بہاری کا چلنا، دُرودوں کی تتلیوں کا سلاموں کی رم جھموں میں شاخ در شاخ خوش بوے اسمِ محمد ﷺ سے ربطِ خاص رکھنا، چشمِ تمنا کا طوافِ گنبدِ خضرا میں مصروف رہنا، اسمِ گرامی کو چوم کر قلم کا وجد میں آنا، شمعِ رسالت کے پروانوں کا شبِ تنہائی کے لمحاتِ منتظر میں عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی سرشاریوں سے ہم کنار ہونے کا شرفِ عظیم حاصل کرنا، کیفِ حضوری میں ڈوبی ہوئی ساعتِ عجز کا رقص میں آنا، دُرود و سلام کی وادیِ پُر بہار میں تخیل کا افق در افق دیوانہ وار اُڑتے ہی رہنا، فضاے نعت میں سانس لینے کے اعزازِ لازوال پر بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجا لانا اور حُبِّ رسول ﷺ کی متاعِ عزیز کو عنوانِ زندگی بنا کر خاکِ درِ حضور ﷺ سے پیرہنِ آرزو بنانا ہر کسی کے مقدر میں کہاں، طوقِ غلامی ہر گردن کی زینت کب بنا ہے، کشکولِ گدائی ہر کسی کے ہاتھ میں کب سجتا ہے، یہ اعزاز تو عطاے ربِّ قدیم ہے، یہ سعادت تو محض توفیق خداوندی سے ملتی ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ کی اُمّت میں پیدا کیا گیا، اپنے بختِ رسا کی بلائیں کیوں نہ لیں کہ ہم جاں نثاروں کو آقاے محتشم ﷺ کے حلقۂ غلامی میں رکھا گیا۔ رونے والی آنکھ عطا کر کے ہمیں ثناے محمد ﷺ کے مذہبِ جلیلہ سے نوازا گیا... لوح و قلم اپنے مجبتِ ہمایوں پہ مسرور ہوں، کلکِ مدحت ثنا کی وادیوں میں گم ہوجائے اور نعت کے تمام حروف دست بستہ درِ اقدس ﷺ کی حاضری سے مشرف ہوں اور خدا اور اس کے ملائکہ کے میزبان ہوکر مکینِ گنبدِ خضرا ﷺ پر دُرود و سلام بھیجیں اور اسی دُرود و سلام کو پیکرِ شعری عطا کر کے توصیفِ مصطفےٰ ﷺ کے چراغ جلائیں۔

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

نبی آخرالزماں حضورِ رحمتِ عالم ﷺ کے محامد و محاسن کا بیان سنتِ انبیا ہی نہیں سنتِ ربّ

ذوالجلال بھی ہے، تمام الہامی صحائف کے اوراق نبی مکرم ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ سنا رہے ہیں، ان کتبِ سما کا ایک ایک لفظ صبحِ میلاد کی تابانیوں سے جگمگا رہا ہے، قرآنِ حکیم سمیت تمام آسمانی کتب میں میلادِ انبیا کا تذکرہ موجود ہے، پیدائشِ انبیا کے ایام پر سلام بھیجا گیا ہے۔

ہدایتِ آسمانی کی آخری دستاویز قرآن مجید فرقانِ حمید حضور ﷺ کی ایک نعتِ مسلسل ہی تو ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اخلاقِ محمدی ﷺ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ حیاتِ مصطفیٰ ﷺ آیاتِ ربانی ہی کی عملی تفسیر کا نام ہے۔ درود بر رسولِ اوّل و آخر ﷺ ایک ایسا عمل ہے جس میں اللہ ربُّ العزت بھی اپنے بندوں اور ملائکہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے، اسی دُرود وسلام کے شعری پیکر کو نعت کہتے ہیں، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ ہونے کا اعزاز حاصل ہے، ان جلیل القدر صحابہؓ نے نعتِ سیّدالمرسلین ﷺ سے دفاعِ مصطفیٰ ﷺ کا کام بھی لیا اور دشمنانِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے مخالفین کی شعری حوالے سے بھی مذمت کی، قلم کے محاذ پر دادِ شجاعت دینا جہاد ہے، یہ جہاد آج بھی جاری ہے اور کل بھی جاری رہے گا۔ جزیرۃ العرب کے ثقافتی اور ادبی پسِ منظر میں نعت کے شعرا نے دین کی ترویج اور دین کے فروغ کے لیے مؤثر کردار ادا کیا۔ برِ صغیر میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ نے نعتِ حضور ﷺ کے اسی اساسی رویّے کو اپنایا، جنگِ آزادی کے بعد برطانوی استعمار نے اسلامیانِ ہند کو مناظروں کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی، حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس ﷺ کو مباحث کا موضوع بنا دیا گیا تھا، نور بشر اور حاضر ناظر جیسے اختلاقی مسائل کو ہوا دے کر اسلام کے عظیم الشان فکری، نظری اور عملی نظام کو منہدم کرنے کی سازش کی جا رہی تھی، ہندو راج اس سازش میں برابر شریک تھا، اغیار مسلمان کی سادہ لوحی کا تماشا دیکھ رہے تھے اقبالؒ کے الفاظ میں ابلیس کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا   روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

برہمنی سامراج بھی اسی مدحِ محمد ﷺ کے خلاف صف آرا ہو رہا تھا، برِ صغیر کی فضا میں نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں، ہندو سامراج اسلامیانِ ہند سے اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام لینے کی تاک میں تھا اسلام دشمن تحریکوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے   مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد اسلامیانِ ہند کو ابتلا و آزمائش کے جس دور سے گزرنا پڑا

تھا وہ ہندو اور انگریز کی نہ ختم ہونے والی سازشوں کی ایک الگ داستان ہے، علماے حق کو کالے پانی کی سزائیں سنائی گئیں۔ لیکن یہ وہی عہدِ بے امان ہے جس میں قدرت نے اسلامیانِ ہند کی فکری رہ نمائی کے لیے ایسے نابغانِ عصر پیدا کیے جنھوں نے ہر محاذ پر عزم وعمل کے ان گنت چراغ روشن کیے اور اسلامیانِ ہند کو قعرِ مذلت سے نکالنے کی بھرپور جدوجہد کی جو بالآخر قیامِ پاکستان کی صورت میں ظہور پزیر ہوئی۔ عشقِ مصطفےٰ ﷺ کے چراغ صبحِ آزادی کے پیام بر بن گئے۔ ان نابغانِ عصر میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کا نام کئی حوالوں سے سرفہرست دکھائی دیتا ہے دوقومی نظریے کی عملی تفسیر سیاسی بیداریوں کے موسم میں مِنارۂ نور بن گئی۔

فاضل بریلویؒ دیوانہ وار میدانِ عمل میں کود پڑے اور برطانوی استعمار اور برہمنی سامراج کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے قلم کے محاذ پر سینہ سپر ہوگئے، کانگریس کی گود میں بیٹھ کر حکومتِ الٰہیہ کے خواب دیکھنے والے 'زعما' کو آئینہ دکھایا۔ اعلیٰ حضرتؒ دیکھ رہے تھے کہ اگر عشق کی آگ بجھ گئی تو عالمِ اسلام راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوکر غیر مؤثر ہوجائے گا، اس کی ثقافتی اکائی بکھر جائے گی اور اس کا تہذیبی وجود تک ختم ہوجائے گا ایک اور 'مغلِ اعظم' ہمارے ذہنوں پر دینِ الٰہی مسلط کردے گا، جرمِ ضعیفی کے اندھیرے پہلے ہی مسلم اُمّہ کے ملی اثاثوں کو نیلام گھر کی زینت بنا چکے تھے، نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی سرپرستی کرکے طاغوتی طاقتیں جوگھناؤنا کھیل کھیل رہی تھیں اس کی سنگینی کا ادراک علما اور مشائخ کو تھا اور وہ کفر کی تکذیب میں پیش پیش بھی تھے۔ بنارس کانفرنس کے مثبت اثرات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے کہ اگر قائداعظمؒ بھی مطالبۂ پاکستان سے دست بردار ہوجائیں تب بھی علما مشائخ تحریکِ پاکستان کو اپنے منطقی انجام تک پہنچا کر رہیں گے۔ برطانوی سامراج اور برہمنی استعمار نے سیاسی، ثقافتی اور مجلسی سطح پر جو فضا تیار کر رکھی تھی اس کا ردِعمل تحریکِ پاکستان کی صورت میں سامنے آچکا تھا، اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں غلط فہمیوں، فکری مغالطوں اور علمی لغزشوں کے معاندانہ سلسلے کا آغاز ہوچکا تھا۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ نے نعتِ حضور ﷺ کے ذریعے دین کی بقا اور سلامتی کے احساس کو ایک زندہ تحریک بنادیا، دفاعِ پیغمبر ﷺ دفاعِ اسلام ہے، فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری نے شعوری اور لاشعوری سطح پر اسلامیانِ ہند کی نظری اور فکری رہ نمائی کا فریضہ سرانجام دیا، عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا سفر اور تحریکِ پاکستان کا سفر دو مختلف چیزیں نہیں، پاکستان اسلامی تشخص کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ اس حوالے سے فاضل بریلویؒ کی نعت گوئی نے اجتہادی کارنامہ سرانجام دیا، دیکھتے ہی دیکھتے برِصغیر کی فضا: مصطفےٰ جانِ

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

رحمت پہ لاکھوں سلام سے گونجنے لگی اور دلوں کی کشتِ ویراں میں بادِ بہاری چلنے لگی، ہر شاخِ آرزو کا دامن صلِ علیٰ کے سرمدی پھولوں سے بھر گیا۔

'حدایقِ بخشش' فاضل بریلویؒ کے شہرہ آفاق نعتیہ دیوان کا نام ہے، ان کے مذکورہ سلام کو جو پزیرائی عوامی سطح پر حاصل ہوئی وہ اُردو زبان میں کسی دوسری شعری تخلیق کو حاصل نہیں ہوسکی۔ 'حدایقِ بخشش' کی پہلی نعت کا پہلا شعر ہی آقاے مکرم ﷺ کے درِعطا پر سائلانِ کرم کو مژدۂ رحمت سنا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے درِاقدس پر دامن پھیلانے والا کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا، مرادوں کے سکے اس کے کشکولِ آرزو میں ضرور ڈالے جاتے ہیں۔ ہادیِ برحق ﷺ کا درِرحمت آج بھی کھلا ہے، یہاں حشر تک نور کا باڑا بٹتا رہے گا۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا   نہیں، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

گویا ہر عہد کے متلاشیانِ حق کو یہ تاکید کی جارہی ہے کہ جھک جاؤ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پر، یہ تاکید عین منشاے ایزدی کے مطابق ہے کہ اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو تو میرے حبیب ﷺ کی بارگاہِ ادب میں حاضر ہوجاؤ اور یہ کہ اگر تمھیں امن وسکون کی تلاش ہے تو حضور ﷺ کی چوکھٹ پر حرفِ سوال بن کر کھڑے ہوجاؤ۔ فاضل بریلویؒ کی نعت کا یہ اساسی رویہ 'حدایقِ بخشش' کے ورق ورق پر رجائیت کے سورج آویزاں کررہا ہے۔ ان کا نعتیہ آہنگ عطاے مصطفیٰ ﷺ کی صداے ذی وقار سے گونج رہا ہے اور اعتماد و اعتبار کے نئے ضابطے تحریر کررہا ہے۔ نبیِ محتشم ﷺ کی رحمتِ بے پایاں ہم گنہ گاروں کی تلاش میں رہتی ہے اور حضور ﷺ کا دریاے رحمت خود پیاسوں کی جستجو میں رہتا ہے۔ نبیِ اوّل و آخر ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کی طرف ہم غلامانِ رسولِ ہاشمی ﷺ کو متوجہ کیا جارہا ہے، ہمیں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی بلندیوں کو حیطۂ شعور میں لانے کا سبق دیا جارہا ہے۔ اللہ ربّ العزت قرآن میں اپنے بندوں کو آدابِ مصطفیٰ ﷺ سکھا رہا ہے، خبردار! تمھاری آواز میرے نبی ﷺ کی صداے مقدسہ سے پست رہے، آقاے دوجہاں کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں: محبوب ﷺ اگر تو چاہے تو ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جائے اور جہاں تو جائے یہ تیرے ساتھ جائیں؟

خداے بزرگ و برتر قدم قدم پر اپنے محبوب ﷺ کی دل جوئی فرماتا ہے۔ محبوب ﷺ آپ دل گیر نہ ہوں ہم جسے چاہیں ہدایت دیں جسے چاہیں نہ دیں، محبوب ﷺ آپ دل میلا نہ کریں، محبوب ﷺ! ہم نے تمھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، میں عطا کرنے والا

ہوں اور تو میری نعمتوں کو میری مخلوقات میں تقسیم کرنے کے منصب پر رونق افروز ہے۔

فاضل بریلویؒ کی نعت قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فکر و نظر کے دامن میں روشنی کے پھول سجاتی نظر آتی ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

پیغمبرِ امن ﷺ کے دامنِ عافیت کی کسے تلاش نہیں؟ ماہِ عرب ﷺ کی کالی کملی ہی تو ہم عاصیوں کی پردہ پوشی کرے گی۔ فاضل بریلویؒ کس شاعرانہ مہارت اور مومنانہ فراست سے اس مضمون کو پیرہنِ شعر عطا کر رہے ہیں:

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں، یاں اس کے خلاف تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

فاضل بریلویؒ کے نعتیہ کلام کو اپنے دور کے سماجی، سیاسی، تاریخی اور جذباتی پس منظر میں نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔ اُس پُرآشوب دور کی تاریخ خود بخود مرتب ہوتی چلی جائے گی۔ کوزے میں دریا کو بند کرنے کا محاورہ تو ہم نے سن رکھا ہے لیکن قطرے میں سمندر کو بند کرنے کی مثال فاضل بریلویؒ کے نعتیہ کلام میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ تہذیبی تناظر میں فاضل بریلویؒ کے کلام کو دیکھا جائے تو قاری رعنائیِ خیال کی ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، فاضل بریلویؒ کے ہاں جو فنی باریکیاں ہیں، ایمائیت کا جو ایک جہان آباد ہے، زبان کی جو لطافتیں ہیں، ان پہلوؤں پر اربابِ نقد و نظر کو یکسوئی سے برسوں کام کرنا ہوگا، معانی کا بے کراں سمندر قاری کے ذہن کو آغوشِ تفہیم میں لے لیتا ہے۔ سنجیدگی اور متانت کی فضا روح و دل پر محیط ہوجاتی ہے۔

فخرِ آقا میں رضؔا اور بھی اک نظمِ رفیع چل لکھا لائیں ثناخوانوں میں چہرہ تیرا

فاضل بریلویؒ کا آقائے مکرم ﷺ کے ثناخوانوں میں کیا مقام ہے اس کا فیصلہ یقیناً وقت دے چکا ہے۔ وقت کی عدالت کا فیصلہ کسی نام نہاد نقاد کی توثیق کا محتاج نہیں ہوتا۔

تخیل کی بلند پروازی فاضل بریلویؒ کے نعتیہ آہنگ کا ایک اور وصفِ جمیل ہے، خیال حلقۂ احترام ہی میں دست بستہ دکھائی نہیں دیتا بلکہ ان کی ڈکشن کا ہر لفظ باوضو ہوکر ہونٹوں پر مدحتِ مصطفےٰ ﷺ کے گلاب سجاتا نظر آتا ہے۔ جذبات نگاری ان کی نعتیہ شاعری کے قصرِ تخلیق کا بنیادی پتھر ہے جس پر عظیم الشان نعت محل تعمیر کیا گیا ہے، شاعر کا کمال یہ ہے کہ ان کے جذبات حدِ اعتدال سے نہیں بڑھتے بلکہ سراسر تصویرِ عجز بن کر درِ حضور ﷺ پر سر جھکائے بازیابی کے منتظر رہتے ہیں، جذبے بھی بارگاہِ نبوی ﷺ میں آہستہ سانس لینے کا شعور رکھتے ہیں، فاضل بریلویؒ کے شعری وژن

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

میں ادب و احترام کی چاندنی ہر طرف پُرفشاں ہے۔

الٰہی! منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا

شاعر اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ محبتِ رسول ﷺ تمناؤں کی فصیل پر کرنوں کے پھول سجائے رہتی ہے یقینِ کامل کے چراغ قدم قدم پر لَو دے رہے ہیں، تاج دارِ عرب و عجم ﷺ کا دیوانہ اپنے گناہوں پر شرم سار ضرور ہے لیکن بے یقینی کی ایک شکن بھی اُس کے ماتھے پر نمودار نہیں ہوتی، وہ کسی مرحلے پر بھی خوف زدہ نہیں ہوتا، گھبراہٹ کی کوئی چیز اُس کے قریب نہیں پھٹکتی، اُسے یقین ہے کہ آقائے محتشم ﷺ کا درِ عطا ہر وقت کھلا ہے۔

رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن اُن کی رحمت کا

اُن ﷺ کے دامانِ کرم ہی سے تو وابستگی کا نور ملتا ہے۔ شجر سے پیوستہ رہ کر ہی تو شامِ ہجر کا موسم کٹتا ہے۔ کیا بے ساختہ پن ہے۔ الفاظ کا جیسے نزول ہو رہا ہے تصنع یا بناوٹ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں، محبتِ رسول ﷺ میں ملاوٹ اور ریاکاری کا تصوّر بھی کفر کی سرحدوں تک لے جاتا ہے، یہ بے ساختہ پن فاضل بریلویؒ کو منفرد لہجہ عطا کرتا ہے اور آوازوں کے جنگل میں ان کی آواز کو پہچاننے میں ذرا سی بھی مشکل پیش نہیں آتی، یہ وہ لہجہ ہے جو شاعر کے نعتیہ آہنگ کو حضوری کی لذتوں سے مخمور کر جاتا ہے۔ اس بے ساختہ پن کی ایک اور مثال دیکھیے:

سائلو! دامن سخی کا تھام لو کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

زبان و بیان کی یہ نزاکت اپنی مثال آپ ہے، اعلیٰ حضرت کی سوچ کا ہر دائرہ آقائے مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے گرد مؤدت کے پھول سجاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے شعور نے جب آنکھ کھولی تو برطانوی استعمار اپنی پوری عسکری قوت کے ساتھ تاجِ دہلی پر مسلط ہو چکا تھا۔ جنگِ آزادی کا سارا نزلہ اسلامیانِ ہند پر گرا دیا گیا تھا۔ چانکیہ کی اولاد اپنی روایتی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر ملکی حکمرانوں کے چرنوں میں بیٹھی ماتھا رگڑ رہی تھی۔ کفر و الحاد کی آندھیاں زور و شور سے چل رہی تھیں۔ ذہنوں میں ابہام و تشکیک کے کانٹے بوئے جا رہے تھے۔ برہمنی سامراج اور برطانوی استعمار مسلمانانِ ہند کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے، نت نئے فتنوں کو ہوا دی جا رہی تھی۔ فکری مغالطوں کا طومار باندھا جا رہا تھا۔ برطانوی سرکار کی سرپرستی میں مشنری ادارے برِصغیر کے طول و عرض میں غیر ملکی حکمرانوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں

کے حوالے سے تقویت پہنچا رہے تھے۔ رفاہِ عامہ کی آڑ میں اسلامیانِ ہند کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا۔ خود مسلمانوں میں فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی تھی۔ انگریز حکمران حضور ﷺ کی اُمت کو مزید خانوں میں تقسیم کر رہے تھے، کانگریس الگ اپنی گود میں قوم پرست مہمانوں کو 'پناہ' دے رہی تھی۔ اس اندوہ ناک صورتِ حال میں اور فکری بانجھ پن کے موسمِ ناروا میں مولانا حالی بجا طور پر مکینِ گنبدِ خضرا کی بارگاہ میں مصروفِ التجا تھے، نعت کا ہر شعر حالی کا احسان مند ہے کہ اُس نے نعتیہ ادب کو اتنا عظیم شعر دیا:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے　　　اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اس شعر کے حوالے سے مولانا الطاف حسین حالی نے نعت میں باقاعدہ استغاثے کی بنیاد رکھی، ہم دیکھتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں کی نعت بھی حالی کے اس حصارِ التجا سے باہر نہیں آسکی اور نہ وہ اپنے اس اعزاز سے کبھی دست بردار ہونے کا تصور ہی کر سکے گا، آنے والی ہر صدی کی نعت حضور ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرنے کے بعد آقائے محتشم ﷺ کی نظرِ کرم کی ملتجی رہے گی۔ فاضل بریلویؒ کی آواز اُبھری:

البحر علا والموج طغےٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا

فاضل بریلویؒ کے ہاں استغاثے کا رنگ نمایاں ہے۔ اُن کی شاعری آج بھی درِ حضور ﷺ پر دامن پھیلائے اُمیدِ کرم کے پھول کھلا رہی ہے۔ ان کی نعت کا یہ حوالہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس ﷺ سے شروع ہو کر حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو جاتا ہے پرشکستہ لحات میں نظریں سوئے مدینہ اُٹھ جاتی ہیں اور شاعر جھولی پھیلا کر درِ اقدس ﷺ پر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

نگاہِ کائنات اُس شہرِ خنک کے در و بام کا آج بھی طواف کر رہی ہے جہاں گنبدِ خضرا اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے، جہاں صبح و شام ملائکہ کا ہجوم رہتا ہے جہاں ہر روز سردارِ انبیا کا دربارِ پُر انوار سجتا ہے، جہاں ہوائیں دُرود پڑھتی ہیں اور خوش بوئیں سلاموں کے چراغ ہتھیلیوں پر لیے ہوئے اُن مخمور راستوں پر زائرینِ مدینہ کی پزیرائی کے لیے کھڑی رہتی ہیں، عشاقِ مصطفےٰ ﷺ کو اپنے آقا ﷺ کے شہرِ بے مثال سے جدائی کا تصور بھی تڑپا دیتا ہے، فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری بھی مواجہہ شریف میں عرضِ تمنا کے پھول لیے تصویرِ ادب بن کر کھڑی ہے، کیا تڑپ سی تڑپ ہے۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے　　　تم نہیں چلتے رضا، سارا تو سامان گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے اُن کے در پر پڑ رہو　　　قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا

مدینہ منورّہ سے جدائی کا تصور بساطِ تاسف پر فراق و ہجر کے نئے نئے گل بوٹے بناتا ہے، حضوری کی کیفیتیں سمٹتی ہیں تو شاعر کا قلم خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

مدینہ چھوڑ کر ویرانہ ہند کا چھایا　　　یہ کیسا ہاے حواسوں نے اختلال کیا

درِ حضورﷺ سے جدا ہوتے وقت کشکولِ التجا آنسوؤں سے بھر جاتا ہے، فضا سسکیوں اور ہچکیوں سے معمور ہوجاتی ہے جیسے بال و پر نوچ کر دستِ قضا نے شاعر کو ہجر کے قفس میں ڈال دیا ہو، جیسے فراق کے موسم نے ابھی سے اُسے اپنی گرفتِ ناروا میں لے لیا ہو، جیسے نہ ابھی شاعر نے روئے گل دیکھا، نہ ابھی بوئے گل سونگھی اور نہ ابھی چمن کی بہاریں لوٹیں کہ موسمِ خزاں نے آن لیا، اُس شہرِ بے مثال سے جدائی کا سانحہ شاعر برداشت نہیں کر پاتا اُسے ہر طرف یاس و حسرت کے پھول کھلے دکھائی دیتے ہیں شاعر اپنے معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر گڑگڑانے لگتا ہے:

الٰہی سن لے رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے　　　سگانِ کوچہ میں چہرہ مرا بحال کیا

سگانِ کوچہ میں کسی کا چہرہ بحال ہوجائے تو اُس کے لبوں پر کلماتِ تشکر و امتنان کا ہجوم کیوں نہ اُمڈ آئے۔ سگانِ کوچہ یار میں اپنے چہرے کو دیکھنا کتنا بڑا اعزاز ہے اس کا اندازہ ظاہر بیں لوگ لگا ہی نہیں سکتے صرف لفظی ترجمہ کر کے دین کی روح کو سمجھنے والے احباب اس اعزاز کے ادراک سے بھی محروم رہتے ہیں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ نبیِ آخرالزماں ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر پلکوں پہ چراغ سے کیوں جلنے لگتے ہیں، آنکھوں میں ساون بھادوں کا موسم کیوں اُتر آتا ہے، اعلیٰ حضرت کا یہ وہ اعزازِ لازوال ہے جسے اپنی تمام تر خوش عقیدگی کے باوجود بھی اُن سے نہیں چھینا جاسکتا، اعلیٰ حضرت کی فکر کے خودساختی شارحین اکثر اعلیٰ حضرت کو سگِ رسول ہونے کے اعزاز سے محروم کر کے اپنی سادگی اور لاعلمی کا مظاہرہ کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حضرت کا ایک شعر ہے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا　　　تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

لفظ کتّے کو کِتے میں تبدیل کر کے سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے اعلیٰ حضرت کے احترام کو ردائے تحفظ دی ہے حالاں کہ سگِ درِ حضورﷺ ہونا ہی اعلیٰ حضرت کا اعزاز ہے، اعلیٰ حضرت کے خودساختہ 'ہم درد' انھیں اس اعزازِ لازوال سے کیوں محروم کردینا چاہتے ہیں، کم از کم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی، یہ منطق بڑی عجیب ہے کہ اعلیٰ حضرت خود تو اپنی ذات کو سگانِ کوچہ اقدس ﷺ میں شمار کرسکتے ہیں لیکن ہم احتراماً ایسا نہیں کرسکتے، یہ کیسی وفاداری ہے، یہ کیسی جاں نثاری ہے، یہ

کیسی وابستگی ہے؟ اعلیٰ حضرت کا سب کچھ تو اُن کے آقا مولا ﷺ ہی ہیں، آؤ سگانِ کوے پیمبر ﷺ سے دوستی کا ہنر سیکھیں، آؤ حضور ﷺ کی غلامی کا پٹکا اپنے گلے میں ڈال کر اور احترامِ رسول ﷺ کا عمامہ اپنے سروں پر سجا کر درِ حضور ﷺ پر شرفِ حاضری سے مشرف ہوں، یہی اعلیٰ حضرت کی شاعری کا مرکزی نقطہ ہے اور یہی ان کے علمی سفر کی معراج ہے، شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری جب حج یا عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو منہاج القرآن کے اکثر طلبہ لکھ کر انھیں اپنے جذبات سے آگاہ کرتے ہیں کہ جب آقاے مکرم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہو تو نام لے کر ہمارا سلام عرض کیجیے گا۔ ایک دفعہ ایک طالب علم نے پروفیسر صاحب کو کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ کر دیا کہ جب مقدر جاگے شہرِ حضور ﷺ میں داخلے کا اعزاز ملے تو اِدھر اُدھر نظر دوڑائیے گا، اگر کوئی کتا حضور ﷺ کی گلیوں میں پھرتا نظر آجائے تو اُسے میرا نام لے کر پکار لیجیے گا، شمعِ رسالت کے پروانو! اس معصوم آرزو کی عملی تفسیر بن جاؤ۔ سگانِ کوچۂ مصطفیٰ ﷺ میں اپنا چہرہ بحال کرالو۔

عہدِ رسالت مآب ﷺ کے شعراے نعت سے دفاعِ رسول کا کام بھی لینا ہے بلکہ صحابہؓ کی نعت کا مقصدِ وحید ہی دفاعِ رسول ﷺ ہے۔ بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی، یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین اور جزیرۃ العرب کی تمام اسلام دشمن قوتیں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا راستہ روکنے کے لیے اپنے تمام مادی وسائل کے ساتھ صف آرا ہو رہی تھیں۔ شعراے دربارِ مصطفیٰ ﷺ نے دشمنانِ اسلام کی مذمت میں بھی اشعار کہے اور ان کے بے بنیاد مخالفانہ پروپیگنڈے کی شعری سطح پر بھی بھرپور تردید کی، فاضل بریلویؒ بھی دفاعِ مصطفیٰ ﷺ میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور حضور ﷺ کے دشمنوں پر برقِ رعد بن کر گرتے ہیں، کسی مصلحت کو پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیتے اس لیے کہ پارۂ ناں کو اپنا دین نہیں سمجھتے، شاہانِ وقت کے در پر جبیں سائی ان کے مسلکِ عشق میں سرے سے شامل ہی نہیں:

اف رے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر — بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا

منکرینِ نبیِ آخر الزماں ﷺ روزِ محشر کس منہ سے شفاعتِ حضور ﷺ کے طلب گار ہوں گے، قیامت کا دن رسولِ اوّل و آخر ﷺ کے اختیارات کا عملی نفاذ کا دن ہے، یہ دن تاج دارِ کائنات ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کے ظہور کا دن ہے۔ فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری کا ایک ایک لفظ باوضو ہو کر ثناے حبیبِ کبریا ﷺ میں مصروف ہے، آنسوؤں کے کتنے ہی قلزم درِ اقدس پر بہہ

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

رہے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ فاضل بریلویؒ منکرینِ شانِ رسالت کے لیے شمشیرِ بے نیام ہیں، وہ کبھی مقامِ رسالت کا تحفظ کرتے دکھائی دیتے ہیں کبھی اختیارات مصطفےٰ ﷺ کے مخالفین کے ساتھ پنجہ آزمائی کرتے نظر آتے ہیں، کبھی ختمِ نبوت کے ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے سربکف نکلتے ہیں اور کبھی تصرفاتِ حضور ﷺ کے منکرین کے خلاف صف آرائی کرتے ہیں، عقاید کی واضحیت نے ان کے شعری سفر کو آئینوں کی طرح شفاف بنا دیا ہے، منافقت اور ریاکاری کے پرندوں کو ان کی اقلیمِ سخن میں پر مارنے کی بھی اجازت نہیں۔ منکرینِ رسول بھول جاتے ہیں کہ آقا علیہ السلام کے سرِ اقدس پر ہی تاجِ لولاک سجایا گیا ہے، یہ کائناتِ رنگ و بو صدقہ ہے حضور ﷺ کے قدموں کا، فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں:

محمد برائے جنابِ الٰہی　　　جنابِ الٰہی برائے محمد
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا　　　بڑھی ناز سے جب دُعائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم　　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

فاضل بریلویؒ کا یہ نعتیہ آہنگ جدید اُردو نعت کو بھی کئی حوالوں سے سندِ جواز عطا کرتا ہے، روایت کا تسلسل برقرار نہ رہے تو فنی ارتقا بھی رُک جاتا ہے اور تخلیقی صلاحیتوں کو زنگ سا لگ جاتا ہے، جدید اُردو نعت بھی اپنے روشن ماضی کی امین و پاس دار ہے، فاضل بریلویؒ کی تخلیقی اور فنی نمود کا ذائقہ اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں کہی جانے والی نعت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، 'مصطفےٰ جانِ رحمت' کی شگفتگی اور تازگی آج بھی جوں کی توں برقرار ہے۔ اس عظیم سلام پر فرسودگی اور بوسیدگی کا سایہ بھی نہیں پڑنے پایا۔ آج سے کوئی چالیس سال قبل جناح ہال سیالکوٹ میں بچوں کی ایک تقریب کے دوران شمس حیدر کے ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا تھا کہ مجھے اپنے آبا سے وراثت میں دو چیزیں ملی ہیں: ایک حُبّ رسول ﷺ اور دوسری پاکستان کے ذرّے ذرّے سے محبت، یہی دو محبتیں مری پہچان ہیں یہی دو محبتیں میری شناخت ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کا سلام 'مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' اور پاکستان کا قومی ترانہ سنتے سنتے عمرِ رواں بیت جائے، حاضرین پر اس جواب کا یقیناً خوش گوار اثر مرتب ہوا تھا۔

جدید اُردو نعت کا بادبان وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ مضامینِ نو کا ایک سیلِ بے کراں ہے جو نئی نعت کے بحرِ توصیف میں موجزن ہے۔ بعض لوگ نعت کو جدید و قدیم کے حوالے سے نہیں دیکھتے مثلاً میرے عزیز دوست سیّد آفتاب احمد نقوی شہید کا موقف یہ تھا کہ نعت

نعت ہوتی ہے اسے جدید و قدیم کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ میں ڈاکٹر شہید سے کہا کرتا تھا کہ یقیناً نعت نعت ہی ہوتی ہے اور اسے نعت ہی ہونا چاہیے لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ شاعر اپنے گرد و پیش سے آنکھیں بند کرلے، ادبِ عالیہ کے پسِ منظر میں اپنے عہد کی تاریخ ہی نہیں جغرافیہ بھی دکھائی دیتا ہے، جمالیاتی قدروں کی پاس داری کا معاملہ الگ ہے، کیا حفیظ تائب کی (کہی) نعت اپنے لغت، مضامین، سوچ اور اظہار کے حوالے سے فاضل بریلویؒ کی (کہی) نعت سے مختلف نہیں؟ کیا اکیسویں صدی کے انسان کے مسائل و مصایب انیسویں صدی کے انسان کے مسائل و مصایب سے مختلف نہیں؟ کیا دو صدیاں گزر جانے کے بعد ذہنی اور فکری سطح پر کوئی تبدیلی بھی رونما نہیں ہوئی؟ کیا شعر کا ثقافتی منظرنامہ قدروں کی شکست و ریخت کا عینی شاہد نہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں نہیں اور یقیناً نفی میں نہیں تو پھر قدیم و جدید کی تقسیم بھی بالکل جائز ہے اور فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اگر آج فاضل بریلویؒ زندہ ہوتے تو ان کی (کہی) نعت عصرِ نو کے تمام مسائل و مصایب کا بھی ضرور احاطہ کرتی، ان کی (کہی) نعت یقیناً کئی حوالوں سے 'حدایقِ بخشش' میں درج نعتیہ کلام سے مختلف ہوتی، زمانی اور مکانی فاصلے فن کے ارتقائی مراحل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، ان کے حیطۂ اثر کا انکار ممکن ہی نہیں، کرامت علی شہیدی، محسن کاکوری، علامہ اقبالؒ، احسان دانش، حفیظ جالندھری، احمد ندیم قاسمی، حافظ مظہرالدین، عبدالعزیز خالد، ابوالخیر کشفی، عاصی کرنالی، خالد احمد، اقبال کوثر، راجا رشید محمود، ریاض مجید اور صبیح رحمانی کی (کہی) نعت میں ثقافتی، تہذیبی، مجلسی، عمرانی، فکری اور عصری حوالوں سے کچھ تو فرق ہوگا، فن کوئی جامد شے تو نہیں حضرت علیؓ کے ایک قول کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہ دو جو تم نے حاصل کی تھی اس لیے کہ تمھارا زمانہ اور تھا اور تمھارے بچوں کا زمانہ اور ہے، یہ ترقی پسندانہ رویہ تو آج کا کوئی 'روشن خیال' مفکر بھی پیش کرنے کی کم کم ہی جرأت کرسکے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی تخلیق کار بھی اپنے عہد کے اجتماعی رویوں کو نظرانداز کرکے تخلیقِ حسن کے تخلیقی عمل سے نہیں گزر سکتا، یہ ممکن ہی نہیں کہ شاعر کا سماجی شعور شعوری یا لاشعوری سطح پر اس کے فن کا حصہ نہ بنے یہی حال فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری کا بھی ہے۔ اپنا اور اپنے عہد کا حوالہ دیتے وقت وہ خواہ مخواہ احساسِ کم تری کا شکار نہیں ہوتے بلکہ ایک بڑے تخلیق کار کی طرح وقت کا ہر چیلنج قبول کرتے ہیں، قدم قدم پر اعتماد کے چراغ روشن کرتے دکھائی دیتے ہیں، کسی مرحلہ پر بھی ان کے پاے استقلال میں لغزش نہیں آنے پاتی، معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرنا ان کی سرشت ہی میں شامل نہیں۔

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

آج کا نعت نگار حضورﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے اپنی اور اپنے عہد کی پہچان کا آرزو مند ہے کبھی وہ اپنے ذاتی دکھوں کے حوالے سے آقائے رحیم و کریم کے درِ عطا پر پلکوں سے دستک دیتا ہے اور کبھی اپنے عہد کے اجتماعی مسائل کے حوالے سے نبیِ رحمتﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض گزارتا ہے اس لیے جدید اُردو نعت شاعر کی اپنی ذات کے کئی حوالوں سے اعتماد و اعتبار کے نئے مفاہیم کی آئینہ دار بن گئی ہے۔ بعض لوگ اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ نعت تو حضورﷺ کی توصیف و ثنا کا نام ہے۔ اس میں شاعر کی 'میں' کہاں سے آ گئی۔ اس اعتراض کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ مسائل و مصایب کی آگ میں جلتا ہوا انسان شہرِ خنک کی شاداب ہواؤں کا دامن نہیں ڈھونڈے گا تو اور کیا کرے گا؟ وہ کشکولِ آرزو میں حروفِ التجا سجا کر اپنے سخی کے در پر صدا نہیں لگائے گا تو اور کہاں جائے گا کہ اللہ تک رسائی کا ہر راستہ بھی تو دہلیزِ مصطفےٰﷺ کو چوم کر آگے بڑھتا ہے، شہرِ حضورﷺ میں چھوٹے سے گھر کی تمنا بھی اسی سلسلے کی ایک دل آویز کڑی ہے اس نکتے کی مزید وضاحت بھی کی جاسکتی ہے لیکن طوالت کا خوف دامن گیر ہے، خوش گوار حیرت ہوتی ہے کہ فاضل بریلویؒ کے نعتیہ وژن میں بھی اپنی ذات کا حوالہ بڑے بھرپور انداز میں آیا ہے اور یہ حوالہ انتہائی عجز و انکسار سے جمالیاتی قدروں کی پاس داری کے منصبِ جلیلہ پر رونق افروز نظر آتا ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم　　　　جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

میں یادِ شہ میں رو دوں، عنادل کریں ہجوم　　　　ہر اشکِ لالہ فام پہ ہو احتمالِ گل

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی　　　　اب عمل پوچھتے ہیں، ہائے نکمّا تیرا

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دُور نہیں　　　　کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا　　　　تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ بے خبر

انسان انفرادی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے رحمتِ حضورﷺ کا متلاشی اور طلب گار ہے، ان حوالوں سے ہر زاویہ جدید اُردو نعت میں ضرور آئے گا، یہ نعت کے فنی ارتقا کا تقاضا بھی ہے، تیزی سے بدلتے ہوئے ثقافتی اور مجلسی پس منظر کی بنیادی ضرورت بھی ہے۔ یہ 'میں' کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں، پیغمبرﷺ اور اُمتی کے درمیان ایک مجلسی رابطہ ہے، پروانے شمع پر نہیں گریں گے تو اور کہاں جائیں گے؟ ہر عہد کی نعت کسی نہ کسی حوالے سے ذاتی اور اجتماعی دکھوں کے اظہار کا وسیلہ بنتی رہی ہے، اُمتِ مسلمہ جس قدر وقت کے دباؤ کا شکار ہوگی یہ حوالہ اتنی ہی شدت کے ساتھ اُبھرے گا

کیوں کہ مکینِ گنبدِ خضرا سے رشتۂ غلامی از سرِ نو استوار کیے بغیر ہمیں کہیں اور جائے پناہ نہیں مل سکتی، فاضل بریلویؒ کی (کہی) نعت بھی اس حوالے کے فطری بہاؤ سے اغماض نہیں برتتی۔

جب تخلیق کے سوتے خشک ہونے لگتے ہیں، جب ذوقِ شعر غمِ روزگار کی گرفت میں آ کر سسکنے لگتا ہے اور جب آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہونے کے اعزاز سے محروم ہونے لگتی ہیں تو میں 'حدائقِ بخشش' کے چشمۂ آبِ حیات سے روح کی تشنگی کا مداوا کرتا ہوں:

کس کے جلوے کی جھلک ہے، یہ اُجالا کیا ہے ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

جوں جوں آگے بڑھتا ہوں قفلِ جمود ٹوٹنے لگتے ہیں۔ حشر کا دن ہے، نفسانفسی کا عالم ہے، ایک شخص فرشتوں کے گھیرے میں ہے، وہ مڑ مڑ کر کسی کی راہ دیکھ رہا ہے، کسی کے نام کی دہائی دے رہا ہے، اِدھر سے شافعِ محشر حضور رحمتِ عالم ﷺ کا گزر ہوتا ہے، نبیِ رحمت ﷺ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ یہ شور کیسا ہے؟ کون مصیبت میں گرفتار ہے، فرشتے عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! ایک مجرم ہے آپ ﷺ کے نام کی دہائی دے رہا ہے، حضورِ رحمتِ عالم ﷺ فرماتے ہیں: چلو چل کر دیکھتے ہیں کیا ماجرا ہے؟ یہاں فاضل بریلویؒ کا قلم ورق پر روشن ستارے رقم کرنے لگتا ہے:

کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو ہم بھی تو آ کے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے

ان کی آواز پہ کر اُٹھوں میں بے ساختہ شور اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے

فرشتو! خبردار مجھے اب ہاتھ نہ لگانا، وہ دیکھو! میرے حامی، میرے غم خوار آقا ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ اس موقع پر بے ساختہ پیر نصیرالدین نصیر کا یہ مصرع ہونٹوں پر مچل اٹھتا ہے:

دیکھے تو مجھ کو نارِ جہنم لگا کے ہاتھ

اور اعلیٰ حضرت کے شہرۂ آفاق سلام کا یہ شعر کتابِ تفہیم کے نئے ورق الٹنے لگتا ہے:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں، کشتِ دیدہ و دل میں بادِ بہاری چلنے لگتی ہے، ہونٹوں پر اسمِ محمد ﷺ کے گلاب رت جگوں کا موسم سمیٹ لیتے ہیں اور شہرِ سخن کے بند دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں، ایک عرصہ تک میں سمجھتا رہا کہ یہ اشعار فاضل بریلویؒ کے تخیل کا تمثیلی روپ ہیں لیکن ایک دن اس مضمون کی حدیث میری نظر سے گزری تو میں چونک پڑا۔ فاضل بریلویؒ قرآن و سنت سے استدلال کرتے وقت کس احتیاط سے کام لیا کرتے تھے، واقعی نعت کہنا دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ جیسے محتاط لوگ ہی اونٹوں پر کجاوے ڈالنے کا حق

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

رکھتے ہیں، ملکِ سخن کی شاہی انھی پر ختم ہوتی ہے۔ فاضل بریلویؒ کی (کہی) نعت کے اَن گنت رنگ لمحۂ موجود کی فضائے نعت میں بھی آباد ہیں، خیمۂ شعر کی طنابیں زمین ہی میں نہیں آسمان میں بھی پیوست ہیں، ثنائے حضورﷺ کو حرفِ زوال سے آشنا ہی نہیں ہونے دیا گیا۔

تخیل کی بلند پروازی، جذبات و واقعات نگاری اور وارداتِ قلبی کی پیکر تراشی کے عناصر فاضل بریلویؒ کے نعتیہ کلام کو انفرادیت کا رنگ عطا کرتے ہیں، ندرتِ بیان نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ نکتہ آفرینی سے اثر پذیری تک خودسپردگی کے ان گنت مناظر تخلیق ہوتے نظر آتے ہیں۔ منظرکشی اس قدر مکمل ہے کہ جزئیات تک روزِ روشن کی طرح روشن ہیں۔

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں　　　آقا حضور، اپنے کرم پر نظر کریں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا　　　رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
وہ سُوے لالہ زار پھرتے ہیں　　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات　　　ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی
لے رضاؔ، سب چلے مدینے کو　　　میں نہ جاؤں، ارے خدا نہ کرے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا　　　خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے
خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا، تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ　　　تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیمِ بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

میں اک محتاجِ بے وقعت گدا تیرے سگِ در کا
تری سرکار والا ہے ترا دربار عالی ہے

شفاعت کرے حشر میں جو رضاؔ کی　　　سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　　یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

زمینی حقایق کا ادراک نہ ہو تو آسمانی حقایق کا شعور بھی حاصل نہیں ہوتا، فاضل بریلویؒ کی (کہی) نعت کا ایک ایک شعر کیفِ سرمدی کے آبِ مقدس میں ڈوبا ہوا ہے، وادیِ تخیل میں بادِ بہاری نہ چلے تو شعر نہیں ہوتا، فاضل بریلویؒ کے چمن زارِ نعت میں یہ بادِ بہاری مسلسل چل رہی ہے، عوامی سطح پر جو عظیم الشان پزیرائی ان کے نعتیہ کلام کو ملی ہے وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔

اسلوب اتنا دل کش کہ حرف حرف لَو دے رہا ہے، برجستگی کہ اپنے نقطۂ کمال کو چھو رہی ہے، زبان و بیان کی نزاکتوں کا کیا کہنا، الفاظ کا چناؤ بہت ہی سوچ سمجھ کر کرتے ہیں، آپ نے سچ مچ قریۂ نعت میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہادیے ہیں، زبان و بیان کی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ سلاست، روانی اور اثر پزیری عوامی سطح پر قبولِ عام کی سند سے سرفراز ہورہی ہے۔ فاضل بریلویؒ کے ہاں محاورات کا استعمال مثالی ہے۔ مفاہیم کی ایک نئی دنیا آباد ہے، تراکیب کی بندش اپنی مثال آپ ہے، ندرتِ فکر کے کیا کہنے، اُردو غزل کی ایمائیت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کلام رضا میں جلوہ گر ہے اپنی تمام تر نازک خیالی کے باوجود ادب و احترام کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا۔ فاضل بریلویؒ نے شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں کے حصار میں غزل کے رچاو اور بہاو کو مقید کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے، فاضل بریلویؒ نے ہر مرحلے پر اپنے اس نقطۂ نظر کی پاس داری کی ہے کہ نعتِ حضور ﷺ لکھنا نہایت مشکل ہے لیکن نعت گوئی کو آسان سمجھ لیا گیا ہے، نعت کہنا دو دھاری تلوار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے، مختصر یہ کہ فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری تازہ ہوا کا ایک جھونکا ہے، آپ کا نعتیہ مجموعۂ کلام 'حدایقِ بخشش' ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ ایک صدی گزر جانے کے بعد فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام کی تازگی جوں کی توں برقرار ہے۔ آنے والے زمانوں کی نعتیہ شاعری بھی فاضل بریلویؒ کے ذخیرۂ شعر سے اکتسابِ شعور کرکے اس تازگی اور شادابی کو لمحاتِ جبر کی گرفت سے محفوظ رکھے گی، آنے والی ہر صدی نعت کی صدی ہے تو نعت کے حوالے سے یہ فاضل بریلویؒ کی بھی صدی ہے کہ ان کی فضائے شعر میں موسمِ ناروا کی گرم ہواؤں کا چلنا ممکن ہی نہیں یہاں دائماً گنبدِ خضرا کی ہریالی خیمہ زن ہے۔

D:NaatRang-18
File: Riyas-Husain
Final

رشید وارثی (کراچی)

کلامِ رضاؔ میں مناقبِ اہلِ بیت اطہار (علیہم السلام) کی جلوہ گری

مدحتِ سرکارِ دوعالم ﷺ کے حوالے سے گزشتہ تیس برسوں کے دوران راقم الحروف نے اسلامی ادب کا جو ذمہ دارانہ مطالعہ کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نعت گوئی کے مقاصد میں سرِفہرست یہ مقصد ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے مقدس مقاصد کے فروغ و استحکام کے لیے خلوصِ دل اور جاں نثاری کے ساتھ جناب رسالت مآب ﷺ کی تائید وحمایت کی جائے۔ ہر زمانے میں اسلام کے بارے میں ظاہر پرستوں کی جانب سے جو بے یقینی پھیلائی جاتی رہی ہے اور تیغ عشقِ رسول سے اس کی جس طرح سرکوبی کی جاتی رہی ہے، یہ سلسلہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے ذریعے جاری و ساری رہنا چاہیے تاکہ مؤثر و دل نشین اور مدلل کلام کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کے دل میں جذبۂ عشقِ رسول کو بیدار کرکے ان میں بلند حوصلگی، باہمی ایثار و مروّت، محبت، اخوت اور شجاعت و جواں مردی کے اوصاف پیدا ہوں اور مسلمان اپنے آقا، صاحبِ خلقِ عظیم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو اپنا کر اقوامِ عالم میں ایک بلند مقام حاصل کرسکیں۔

نعت نگاری کا دوسرا ارفع، اعلیٰ اور اہم ترین مقصد ذاتِ محبوبِ خدا ﷺ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے۔ یہی وہ مقصد ہے کہ جس میں اسلامی معاشرے کے ہر فرد کی شخصیت سازی اور فوز و فلاح کا سامان مضمر ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آں سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ اقدس کی تعریف وتوصیف کے ساتھ ساتھ آپ کے مبارک قبیلے بنی ہاشم، آپ ﷺ کے آبا و اجداد، آپ کی آلِ پاک علیہم السلام، آپ کے خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ہوسکے تو صحابۂ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی مدح و توصیف

کے بیان کو بھی نعتیہ اشعار کے ذیل میں شامل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ متعدد احادیث اور نعت گو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تعمل سے ہمیں اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا 'اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لیے کہ وہ اپنی رحمت سے تمھیں رزق اور اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو۔' (ترمذی شریف) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ 'میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوط پکڑے رہے اور اس پر عامل رہے تو میرے بعد کبھی گم راہ نہیں ہوگے اور یہ دو چیزیں وہ ہیں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ یعنی خدا کی کتاب ایک رسّی کے مانند ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلائی گئی ہے اور دوسری چیز میری عترت ہے میرے اہلِ بیت میں سے۔ خدا کی کتاب اور میری عترت قیامت کے دن ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر آئیں گی۔ پس تم دیکھو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔' (مشکوٰۃ شریف) لہٰذا ہمیں اسوۂ سرکارِ دوعالم ﷺ کی پیروی میں آپ ﷺ کے اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام سے والہانہ محبت رکھنی چاہیے۔

فتحِ مکہ سے پہلے قریش کے بعض شریر افراد قبائلی عصبیت اور بغض و عناد کی بنا پر سیّد خیرالانام ﷺ کے حسب و نسب کو چھپاتے تھے۔ حضرت ربیعہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انصار کے چند افراد نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ آپ کی قوم کی زبانی ہم یہ سنتے ہیں کہ محمد ﷺ کی حالت وصفت ایسے ہے جیسے کھجور (جیسا کہ عظیم الشان درخت) ویران و بنجر زمین میں پیدا ہوجائے اور کوڑا کرکٹ والی جگہ پر۔ یہ سن کر سیّد عالم ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا 'غور سے سن لو جب اللہ ربّ العزت نے مخلوق کو پیدا فرما کر دو حصوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہتر جماعت میں منتقل فرمایا۔ پھر ان دو جماعتوں کو تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہتر جماعت میں ظاہر فرمایا۔ پھر ان کو قبائل و شعوب میں ڈھالا تو مجھے ان میں سب سے بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا۔ لہٰذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی، گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر اور افضل ہوں۔ (الوفا)

D:NaatRang-18
File: Rasheed
Final

رسول اکرم ﷺ کی رضائے پاک حاصل کرنے کے لیے صحابی شعرائے کرام اپنے

رجزیہ اور فخریہ اشعار میں حضور اکرم ﷺ کی توصیف کے ساتھ آپ کے مبارک قبیلے بنی ہاشم کی بھی فضیلت بیان کرتے تھے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار:

(۱) فما زال فی الاسلام من آل هاشم

دعائم عز لایزلن و مفخر

ترجمہ: آلِ ہاشم کے قابلِ فخر اور عز و وقار کے غیر فانی عظیم ستون اسلام میں ہمیشہ کے لیے شامل ہیں۔

(۲) هم حبل الاسلام و الناس حولهم

رضام الی طود یروق و یقهر

ترجمہ: یہ بنو ہاشم اسلام کا پہاڑ اور دیگر مسلمان ان کے گرد ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے پتھروں کا ڈھیر۔ ایک ایسا پہاڑ جس کے مقابلے میں ہو جو بہرصورت بلند و غالب رہتا ہے۔

(۳) ترجمہ: یہ بنو ہاشم چہروں والے سردار ہیں جن میں حضرت جعفرؓ اور ان کے بھائی حضرت علیؓ (جیسی شخصیتیں ہیں) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان ہی میں سے احمد مختار ہیں اور حضرت حمزہؓ اور عباسؓ بھی ان ہی میں سے ہیں۔ پھر انھی میں سے حضرت عقیلؓ جیسی ہستی بھی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ: یہ بنی ہاشم ایک ایسی تر لکڑی ہیں کہ جہاں سے بھی چاہیں ان سے زندگی کا پانی نچوڑ لیں۔ (یعنی ان کا کوئی بھی فرد ہو وہ صاحبِ فیض اور صاحبِ رُشد و ہدایت ہے)

(۴) ترجمہ: ان بنی ہاشم ہی کے ذریعے سے ہر تنگ و تاریک میدانِ جنگ میں جہاں سے لوگوں کا نکلنا بھی دشوار ہو، ہر قسم کی شدت توڑی جا سکتی ہے۔ یہ اولیاء اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت ان ہی میں اُتاری ہے۔ پھر یہ کہ کتاب مقدس (قرآن کریم) بھی انھی میں موجود ہے۔ (سیرت ابنِ ہشام)

اسی طرح جنگِ موتہ کے موقع پر حضرت کعبؓ بن مالک کے یہ اشعار دیکھیے:

(۱) ترجمہ: جعفرؓ وہ سردار تھے جن کی بنیاد بلندی، اُلفت و سرداری و قیادت کے اعتبار سے بنی ہاشم سے اُٹھی تھی، جس کی نقل نہیں کی جاسکتی۔

(۲) ترجمہ: یہ وہ بنی ہاشم ہیں جن کے ذریعے معبودِ حقیقی نے اپنے بندوں کو سنبھالا ہے اور یہ وہ

بنی ہاشم ہیں جن میں آسمان سے نازل ہونے والی کتاب آئی ہے۔

(۳) ترجمہ: عزت و شرافت کے لحاظ سے تمام انسانی گروہوں پر انھیں فضیلت حاصل ہے اور ان کی فراست و تدبر نے جاہلوں کے جہل پر پردہ ڈال دیا ہے۔

(۴) ترجمہ: یہ روشن چہرے والے ہیں، جس وقت زمانہ قحط سالی کا عذر کرتا ہے، ان کے فیاض ہاتھ داد و دہش کرتے نظر آتے ہیں۔

(۵) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے ان کی سیرت و اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور انھی کی سعی و کوشش سے نبی مرسل ﷺ کو اعانت پہنچائی گئی ہے۔ اس طرح بنی ہاشم کی فضیلت کے بیان میں صحابہ کرام کے کثیر تعداد میں اشعار موجود ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی محبت و تعظیم اور حقوق شناس مسلمانوں کے دینی فرائض میں سے ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا درحقیقت حضور ﷺ کی محبت ہی کے زیرِ اثر ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی ۲۳رویں آیت **قل لا اسئلکم علیه اجرا** کی تفسیر میں ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ! آپ کے قرابت داروں سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (مظہری)۔

حضور ﷺ سے محبت رکھنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ کا محبوب و مقرب اور دوست ہوجاتا ہے اور اس محبت سے اس کو کمالِ ایمان کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ صاحبِ 'تفسیر مظہری' لکھتے ہیں، **مودت فی القربیٰ** کی یہی تفسیر زیادہ ہے کہ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقربا، میرے اہلِ بیت اور میری اولاد سے محبت کرو۔ رسول اللہ ﷺ تو آخری نبی تھے آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہ تھا آپ کے بعد فرضِ تبلیغ کو ادا کرنے والے علمائے اُمت ہی ہیں۔ علمائے ظاہر ہوں یا علمائے باطن (یعنی فقہا اور محدثین ہوں یا آئمۂ تصوف) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اسی لیے حکم دیا ہے کہ آپ اُمت کو اپنے اہلِ بیت سے محبت رکھنے کی تبلیغ کریں کیوں کہ امام المسلمین حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) اور آئمہ اہلِ بیت جو آپ کی نسل میں سے ہوئے (یعنی بارہ امام) کمالاتِ ولایت کے قطب تھے۔ ('تفسیرِ مظہری'، ص۳۲۳/۱۰)... یہی بات ہے کہ اکثر مشائخ کے سلسلے آئمۂ اہلِ بیت تک پہنچ کر ختم ہوجاتے ہیں۔

صاحبِ 'تفسیر مظہری' آیندہ آیت کے لفظ نائبون کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ 'اس سے

مراد جناب رسالت مآب ﷺ، آپ کی آل اور نائبوں کی محبت ہے'...آلِ رسول یعنی مشائخِ طریقت سے محبت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبتِ رسول میں ترقی سے محبتِ خدا میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اور ازدیادِ محبت ہی سے حضور ﷺ کی تائید و نصرت کے حکم کی بہ حسن و خوبی تعمیل ہوتی ہے جو مقاصدِ نعت کی اصل ہے۔

رسولِ کریم ﷺ مسلمانوں کی فلاح کے بہت خواہاں تھے۔ چناں چہ انھیں اپنی آلِ پاک سے محبت کی عملی ترغیب بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش، 'کشف المحجوب' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک روز میں پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے حسین (علیہ السلام) کو اپنی پشت (مبارک) پر بٹھا رکھا ہے اور ایک رسّی اپنے دہن مبارک میں لے رکھی ہے جس کا دوسرا سرا حسین (علیہ السلام) نے تھام رکھا تھا اور یوں وہ حضور ﷺ کو لیے پھر رہے تھے اور آں حضرت ﷺ گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا اے حسین! تمھاری سواری بہت اچھی ہے! اس پر رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، 'اے عمر! سوار بھی تو بہت ہی اچھا ہے۔' اس طرح آپ نے امام حسین علیہ السلام کی فضیلت کی جانب رغبت دلائی۔

رسول اکرم ﷺ کے اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی محبت کی برکات اور آپ کی رضاے پاک کے حصول کے لیے آپ کے محبّین صحابہ کرام، اولیاے کرام اور علماے اُمت کا یہ عمل رہا ہے کہ وہ اپنے نعتیہ کلام میں رسول اکرم ﷺ کی آلِ پاک کی شان میں بھی اشعار شامل کرتے تھے۔ چناں چہ ان ہی امایدین کی اتباع میں ہندوستان کے علماے حق کا بھی ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ ان علمائے حق میں دیگر علمائے کبار خصوصاً حضرت شاہ نیاز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے۔

فدوی نے فاضل بریلوی قدس سرہ کے نعتیہ دیوان 'حدایقِ بخشش' کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد ۱۹۹۲ء (۱۴۱۲ھ) میں ان کے کلام میں مناقب اہلِ بیت علیہم السلام کا جائزہ لے کر ان کے خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے 'رودِ بخشش' کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی تھی۔ اسی انتخاب سے ماخوذ زیرِنظر مقالہ کسی صراحت اور تبصرے کے بغیر ہدیہ قارئین ہے:

درمنقبت حضرت علیؓ:

السلام اے احمدت صہر و برادر آمدہ　　حمزہ سردارِ شہیداں عمِ اکبر آمدہ

السلام اے (علیؓ ابن ابی طالب) کہ احمد مجتبیٰ ﷺ آپ کے خسر اور بھائی (بن کر) تشریف لائے اور سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے چچا (بن کر) تشریف لائے۔

جعفرے کومی پرد صبح و مسا با قدسیاں باتو ہم مسکن بہ بطنِ پاک مادر آمدہ

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رات دن (جنت میں) فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہیں، وہ آپ کے ساتھ بطنِ مادر میں رہے (آپ کے سگے بھائی بن کر تشریف لائے)

بنتِ احمد رونقِ کاشانہ و بانوئے تو گوشت و خونِ تو ملجش شیر وشکر آمدہ

حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی صاحب زادیؓ (خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا) آپ کے گھر کی رونق اور آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ آپ کا گوشت اور خون ان (نبی اکرم ﷺ) کے جسمِ اقدس کے گوشت و خون میں شیر و شکر ہوگیا ہے۔

ہر دو ریحانِ نبی گل ہا توازن گل زمیں بہر گل چینت زمینِ باغِ برتر آمدہ

نبی کریم ﷺ کے دونوں پھول (حضرت امام حسن اور امام حسین علیہ السلام) آپ کے صحنِ چمن کے پھول ہیں۔ آپ کی گل چینی کے لیے بہترین صحنِ چمن ملا ہے۔

می چمیدی گلبنا در باغ اسلام و ہنوز غنچہ ات نشگفت و نے نخلے دگر برآمدہ

اے شاخِ گل تو باغِ اسلام میں لچک رہی ہے اور ابھی تک (تیرے غنچوں جیسا) کوئی غنچہ نہیں کھلا اور نہ کوئی (ایسا) درخت پیدا ہوا۔

نرم نرم از بزم دامن چیدہ رفتہ بادِ تند یاعلی چوں بر زبانِ شمعِ مضطر آمدہ

جب (تند ہوا سے گھبرا کر) بے قرار شمع کی زبان پر 'یاعلیؑ' آتا ہے (تو) ہوا اپنا دامن سمیٹے بزم سے آہستہ آہستہ گزرتی ہے (اور شمع بجھنے سے محفوظ رہتی ہے)

ماہِ تاباں گومتاب و مہرِ رخشاں گو مرخش باختر تا خاور اسمت نور گستر آمدہ

خواہ روشن چاند چاندنی نہ پھیلائے (نہ چمکے) اور آفتاب درخشاں روشنی نہ

پھیلائے لیکن مشرق سے مغرب تک آپ کے اسمِ مبارک نے نور پھیلایا ہوا ہے۔

حلِ مشکل کن بروئے من درِ رحمت کشا اے بنام تو مسلّم فتحِ خیبر آمدہ

اے (فاتح خیبر) فتحِ خیبر آپ ہی کے لیے مسلّم ہوئی۔ میری بھی مشکل حل کیجیے اور مجھ پر رحمت کا دروازہ کھول دیجیے۔

مرحبا اے قاتل مرحب امیر الاشجعیں در ظلالِ ذوالفقارت شورِ محشر آمدہ

اے (یہودیوں کے سب سے بڑے پہلوان) مرحب کو قتل کرنے والے مرحبا، اے بہادری میں کمال رکھنے والوں کے امیر آپ کی ذوالفقار کے سائے تلے شور قیامت پیدا ہوتا ہے۔

سینہ ام را مشرقستان کن بنورِ معرفت اے کہ نام سایہ ات خورشید خاور آمدہ

میرے سینے کو نورِ معرفت کا خزینہ بنا دیجیے۔ اے (میرے آقا) آپ کے سائے کا نام ہی خورشید درخشاں ہے (آپ کا سایہ بھی اتنا درخشاں اور منور ہے کہ اس کو آفتابِ مشرق کہا جاتا ہے)

کے رسد مولیٰ بمہر تابناکت نجمِ شام گو بنورِ صحبت اوہم صبح انور آمدہ

اے میرے مولیٰ آپ کے تاب ناک سورج کو شام کا ستارا کب پہنچ سکتا ہے، اگرچہ آپ کی صحبت کے نور نے اسے صبحِ انور (کی طرح منور) بنا دیا ہے۔

ناصبی را بغض تو سوئے جہنم رہ نمود رافضی از حب کاذب در سقر در آمدہ

ناصبی (فرقہ) کو آپ کا بغض جہنم میں لے جائے گا (اور) رافضی (آپ سے) جھوٹی محبت کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

من زحق میخواہم اے خورشیدِ حق آں مہر تو کز ضیایش عالمِ ایماں منور آمدہ

(امیر المومنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب) میں حق تعالیٰ سے آپ کی محبت چاہتا ہوں کیوں کہ اس (محبت) کی روشنی سے ایمان کی دنیا منور ہوگئی ہے۔

بہرا ستر چادرِ مہتاب و ایں زریں پرند نا پذیرائے گلیمِ بخت قنبر آمدہ

چادرِ مہتاب (چاندنی) اور یہ زریں پرندہ (چاند) بھی آپ کے غلام قنبر

کی تقدیر کی کملی پہ لگانے کے لیے بھی نا قابلِ قبول ہے۔ (آپ کے غلام قنبر کی قسمت چاند اور اس کی چاندنی سے بھی زیادہ چمک رہی ہے)

تشنہ کامِ خود رضائے خستہ را ہم جرعہ　　شکر آں نعمت کہ نامت شاہِ کوثر آمدہ

(اے امیرالمومنین) اپنے تشنہ کام رضائے خستہ (جاں) کو بھی ایک گھونٹ اس نعمت کے شکر میں عطا کیجیے کہ آپ کا نام شاہِ کوثر ہے۔

مرتضٰی شیرِ خدا مرحب کشا خیبر کشا　　سرورِ لشکر کشا، مشکل کشا امداد کن

اے (علی) مرتضٰی (رضی اللہ تعالیٰ عنک) اے شیرِ خدا، اے مرحب کے قتل کرنے والے فاتحِ خیبر، اے لشکرکشی کرنے والے سردار آپ مشکل کشا ہیں، میری مدد فرمایئے۔

حیدرا اژدر درا ضر غام ہائل منظرا　　شہرِ عرفاں را درا روشن دُرا امداد کن

اے حیدرِ کرار! اژدہے کو پھاڑ دینے والے پُرہیبت نظر آنے والے شیر، اے شہرِ عرفاں کے دروازے، اے گوہرِ تاب دار میری مدد فرمایئے۔

ضیغما غیظ و غما زیغ و فتن را راغما　　پہلوانِ حق امیر لافتیٰ امداد کن

اے پُرجلال و ہیبت ناک شیر، اے کج روی اور فتنوں کو مٹا دینے والے (مردِ جری) اے حق کے پہلوان، اے لافتیٰ ('لافتیٰ الاعلیٰ' لقب رکھنے والے) سرادر (جواں مردوں کے سردار) میری مدد فرمایئے۔

اے خدا را تیغ دائے اندام احمد را سپر　　یاعلی یا بوالحسن یا بوالعلےٰ امداد کن

اے اللہ تعالیٰ کی تلوار اور احمد (مجتبیٰ ﷺ) کے جسم مبارک کی ڈھال، اے علی، اے ابوالحسن اے ابوالعلےٰ (بلندیوں کے حامل)، میری مدد فرمایئے۔

یا یداللہ یا قوی یا زور بازوئے نبی　　من ز پا افتادم اے دستِ خدا امداد کن

اے یداللہ (اللہ تعالیٰ کے ہاتھ)، اے طاقت ور، اے نبی اکرم ﷺ کے زورِ بازو، میں بے سہارا ہوں، اے دستِ خدا میری مدد فرمایئے۔

اے نگارِ راز دارِ قصرِ اللہ انتجیٰ　　اے بہارِ لالہ زارِ انما امداد کن

اے اللہ تعالیٰ کے محبوب آپ عرشِ الٰہی کے محرمِ راز ہیں، اے نتیجہ بخش، اے آیت (مبارکہ 'انما یرید اللہ' آیۂ تطہیر) انما' کے گلشن کی بہار، میری

D:NaatRang-18
File: Rasheed
Final

مدد فرمائیے۔

اے تنت را جامہ پر زر جلوۂ باری عبا اے سرت را تاج گوہر ھل اتی امداد کن

اے (مرتضیٰ) آپ کے جسم مبارک کا زریں لباس (دراصل) اللہ تعالیٰ کے جلوے کی عبا ہے۔ آپ کے سرِ اقدس کا تاج گوہرِ ھل اتیٰ ہے، میری مدد فرمائیے۔

اے رخت را غازۂ تطہیر و اذہاب نجس اے لبت را مایۂ فصل القضا امداد کن

اے (ابوتراب) آپ کے چہرے کا غازہ (آیۂ) تطہیر اور ہر گندگی سے پاک ہے۔ اے (علیؓ) مقدمات کا فیصلہ آپ کے لبوں کا سرمایہ ہے، میری مدد فرمائیے۔

اے بحیات و حریر ایمن ز شمس و زمہریر اے ترا فردوس مشتاقِ لقا امداد کن

اے (شیرِ خدا) آپ ہر لباس میں دھوپ کی شدت اور سردی سے محفوظ رہتے ہیں۔ اے (حضرت علیؓ) فردوس آپ کے دیدار کی مشتاق رہتی ہے، میری مدد فرمائیے۔

اے بحضرت روز حسرت رو بہ نصرت جانِ سوز شکر ایں نصرت بیک نظرت مرا امداد کن

اے حضرت قیامت کے دن یہ جانِ پُرسوز آپ کی امداد کی منتظر ہوگی۔ آپ اس شادمانی کے شکر میں اپنی ایک نگاہِ کرم سے میری امداد فرمائیں۔

یا طلیق الوجہ فی یومِ عبوسِ قمطریر یا بہیج القلب فی یوم الاسیٰ امداد کن

اے قیامت کے سخت اور تلخ دن (بھی) بخندہ پیشانی رہنے والے اور اسے وحشت ناک دن (روزِ محشر) میں شگفتہ دل اور شاد کام رہنے والے، میری مدد فرمائیے۔

اے وقاہم ربہم امنت ز شرِ مستطیر مجرمم میجویم از کیفر وقا امداد کن

اے وہ ہستی کہ (اللہ تعالیٰ کا فرمان) وقاہم ربہم (یعنی ان کا رب انھیں محفوظ رکھے گا) جس کے لیے عام شر سے باعثِ امن ہے۔ میں مجرم ہوں اور (اپنی بدعملی کے) مآل سے آپ کی پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیے۔

اے تنت در راہِ مولیٰ خاک وجانت عرش پاک بو تراب اے خاکیان را پیشوا امداد کن

اے کہ آپ کا جسم پاک راہِ مولیٰ میں خاک ہے اور آپ کی جان عرش پاک ہے۔ اے ابوتراب اے تمام خاکیوں (اولادِ آدم کے پیشوا) میری مدد فرمائیے۔

اے شبِ ہجرت بجائے مصطفیٰ برلخت خواب اے دم شدت فدائے مصطفیٰ امداد کن

اے ہجرت کی رات محمد مصطفیٰ ﷺ کی جگہ (بستر پر) سونے والے اور اے سخت مشکل میں مصطفیٰ ﷺ پر اپنی جان فدا کرنے والے، میری مدد فرمائیے۔

اے عدو کفر و نصب و رفض و تفضیل و خروج اے علوئے سنت و دینِ ہدیٰ امداد کن

کفر، نصب، رفض، تفضیل اور خروج کی اے سخت مخالفت کرنے والے، اے سنت اور دینِ ہدایت کی عظمت، میری مدد فرمائیے۔

شمعِ بزم و تیغ رزم و کوہِ عزم و کانِ حزم اے کہ کذوا ے فزوں تر از کذا امداد کن

شمعِ محفل اور جنگ کی تلوار اور عزم کے پہاڑ اور برداشت کی کان، اے ان صفات والے اور ان اعلیٰ صفات سے بھی افضل، میری مدد فرمائیے۔

یا شہیدِ کربلا یا دافع کرب و بلا گل رُخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کن

اے شہیدِ کربلا، اے سختی اور مصیبت کو دُور کرنے والے، اے پھول جیسی صورت والے، (جبرئیل علیہ السلام) کے لائے ہوئے سرخ لباس پہننے والے (شہنشاہِ کونین کے) شہزادے، مدد فرمائیے۔

اے حسین اے مصطفیٰ را راحتِ جاں نورِ عین راحتِ جاں نورِ عینم دہ بیا امداد کن

اے حسین (علیہ السلام) اے محمد مصطفیٰ ﷺ کی راحتِ جاں اور آنکھوں کے نور، آپ مجھے بھی راحتِ جاں اور آنکھوں کا نور عطا فرمائیے، آئیے مدد فرمائیے۔

اے ز حسنِ خَلق و حسنِ خُلقِ احمد نسخہ سینہ تا پا شکل محبوبِ خدا امداد کن

اے (امام حسین) آپ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں احمد مجتبیٰ ﷺ سے مشابہ ہیں، آپ سینہ اقدس تا پائے مبارک تک محبوبِ خدا ﷺ کے ہم شکل ہیں۔ میری مدد فرمائیے۔

D:NaatRang-18
File: Rasheed
Final

جانِ حُسن، ایمانِ حُسن و کانِ حُسنِ ایشان حُسن　　اے جمالت لمعِ شمعِ من رایٰ امداد کن

آپ حُسن کی جان ہیں، حُسن کا ایمان ہیں، حُسن کی کان اور حُسن کی شان ہیں۔ آپ کا جمال من رایٰ (حدیث شریف کہ جس نے مجھے دیکھا، اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا) کی شمع کی لو ہے۔ (میری) مدد فرمایئے۔

جانِ زہرا و شہیدِ زہر را زور و ظہیر　　زہرتِ ازہارِ تسلیم و رضا امداد کن

آپ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی جان اور شہیدِ زہر (حضرت امام حسن علیہ السلام) کے زورِ بازو اور حمایتی ہیں۔ اے تسلیم و رضا کے پھولوں کی خوش بو! میری مدد فرمایئے۔

اے بواقع بیکسانِ دہر را زیبا کسے　　وے بظاہر بیکسِ دشتِ جفا امداد کن

اے وہ (ذات کہ جو) حقیقت میں دنیا کے بے کسوں کا سہارا ہے اور بظاہر دشتِ جفا (میدانِ کربلا) کے بے کس ہیں، میری مدد فرمایئے۔

اے گلویت گہ لبانِ مصطفےٰ را بوسہ گاہ　　گہ لب تیغ لعیں، یا حسرتا امداد کن

اے (امامِ عالی مقام) آپ کا حلق مبارک جو کبھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ہونٹوں کی بوسہ گاہ رہا ہے۔ ہزار افسوس کہ (وہی حلق مبارک) کبھی ملعون (قاتل) کی تلوار کی آماجگاہ بنا۔ مدد فرمایئے۔

اے تن تو گہ سوار شہسوار عرشِ ناز　　گہ چناں پامال خیلِ اشقیا امداد کن

اے (امام عالی مقام) آپ کا جسم مبارک کبھی عرشِ ناز کے شہسوار (آسمانوں کی رفعتوں کو عبور کرنے والے شہسوار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے مقدس جسم کا سوار بنا اور کبھی بدبختوں کے گھوڑوں کے سموں سے پامال ہوا، میری مدد فرمایئے۔

اے دل و جاں ہا فدائے تشنہ کام ہائے تو　　اے لبت شرحِ رضینا بالقضا امداد کن

اے (امامِ عالی مقام) آپ کی مسلسل تشنہ لبی پر (مخلوقِ خدا کے) دل و جان فدا ہوں، آپ کے (خشک) ہونٹ، رضینا بالقضا' (ہم قضائے الٰہی پر راضی ہیں) کی شرح ہیں، (میری) مدد فرمایئے۔

اے کہ سوزت خان مانِ آب را آتش زدے گر نبودے گریۂ ارض و سما امداد کن

اے (گل بستانِ رسول) آپ کا سوز (دل) خان مان آب (سمندروں اور دریاؤں کے پانی) کو آگ لگا دیتا۔ اگر زمین و آسمان اس (سوزِ دل پر) اشک نہ بہاتے۔ میری مدد فرمائیے۔

ہے چہ بحر و تشنگی کوثر لب و ایں تشنگی خاک بر فرق فرات از لب مرا امداد کن

ہائے کیا سمندر ہے (امام کا ظرف) اور کیا گرمی کی شدت ہے، کوثر جیسے ہونٹ ہیں اور یہ تشنگی۔ ساحل سے دریاے فرات کے سر پر خاک پڑے (دریاے فرات اس غم میں اپنے سر پر خاک ڈالے) میری مدد فرمائیے۔

ابر گو ہرگز مبار و نہر گو ہرگز مریز خود لبت تسنیم و فیضت حبذا امداد کن

خواہ بادل بالکل نہ برسے اور خواہ نہر قطعی نہ چھلکے (تو ابھی کچھ فرق نہیں پڑے گا) آپ کے لب ہاے مبارک بذاتِ خود (کوثر و) تسنیم ہیں اور آپ کے فیض کا تو کہنا ہی کیا ہے، میری مدد فرمائیے۔

امام اہلِ سنت و الجماعت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کو خداوند کریم نے علم و ادراک اور فہمِ ذکا کی جو غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی اس کا کسی حد تک اندازہ آپ کے نادر ترین فتاویٰ سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ اور آپ کی آلِ اطہار علیہم السلام سے آپ کی والہانہ محبت و عقیدت شبِ ظلمت میں روشنی کی کرن کی صورت چشمِ ظاہر سے بھی کبھی پوشیدہ و مستور نہ رہ سکی۔ جس کے فیضان سے آپ ایک عظیم اور نابغۂ روزگار فقیہ ہونے کے ساتھ دریائے معرفت کے بھی شناور تھے جس کا اندازہ آپ کے معمولات و ملفوظات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک طرف آپ اپنے عہد میں ردِّ شیعیت، رافضیت، ناصبیت اور خارجیت کے سب سے بڑے علم بردار تھے تو دوسری جانب حبِّ اہلِ بیت اور آلِ اطہار علیہم السلام سے سرشار اور ان کے حقیقی جاں نثار تھے۔

وہ ایک طویل فتویٰ پر مشتمل اپنی نادرِ روزگار کتاب 'الامن والعلیٰ' میں رقم طراز ہیں:

سیّدنا علی المرتضیٰ مشکل کشا کرم اللہ وجہہ والاسنیٰ کی نسبت اُمتِ مرحومہ کا جو اعتقاد ہے وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت مذکورہ مقدمہ سے ظاہر ہے کہ حضرت امیر اور آپ کی زریت طاہرہ کو تمام اُمت پیروں اور

مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتی ہے...
اور خود امام وہابیہ (صراطِ مستقیم میں) کہتا تھا۔ حضرت مرتضٰی کے مبارک
زمانے سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت، غوثیت، ابدالیت و
دیگر مدارجِ ولایت سب آپ کے واسطے سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز
بادشاہوں کی سلطنت اور امرا کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل
ہے اور یہ حقیقت عالمِ ملکوت کے سیاحوں پر مخفی ہیں۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک (سورۂ ہود کی آیت ۱۷ میں مولا علی کرم اللہ وجہہ) کو شاہد کہنے کی قوی وجہ یہ ہے کہ آپ تمام کمالات ولایت کے مرکزی نقطہ تھے۔ اور قطبِ ولایت تھے۔ تمام اولیا بلکہ تمام صحابہ (رضی اللہ عنہم) بھی مقامِ ولایت ہیں، آپ کے پیچھے اور تابع ہیں۔ خلفاے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) ضرور آپ سے افضل تھے۔ مگر ان کی فضیلت کی وجہ دوسری ہے، جس کی تشریح حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات کے آخر میں کی ہے۔ (تفسیرِ مظہری، جلد ششم)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جب حضرت امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا دور تمام ہوا، یہ عظیم الشان
مرتبہ ترتیب وار حسنین رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوا اور ان کے بعد 'بارہ
اماموں' میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا۔ ان
بزرگوں کے زمانے میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس
کسی کو فیض ہدایت پہنچتا رہا، ان بزرگوں کے واسطے سے ہی پہنچتا رہا۔
حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (قدس سرہ) کی نوبت آ پہنچی اور
منصب مذکورہ اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا... اس راستے میں تمام
اقطاب و نجبا کے فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ (قدس سرہ) کے وسیلہ شریف
سے مفہوم ہوتا ہے۔ (مکتوب ۱۲۳۔ جلد ثالث)

اس تمہید کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وہ اشعار ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں جو آئمہ، اہلِ بیتِ اطہار علیہ السلام اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ کی منقبت اور استغاثہ پر

مشتمل ہے:

باقیِ اسیاد یا سجاد یا شاہِ جواد — خضر ارشاد آدمِ آلِ عبا امداد کن

ایک خاندان سادات کی یادگار اے (امام زین العابدینؓ) سجاد، اے عطا و بخشش کرنے والے بادشاہ، اے خضرِ ہدایت، اے آلِ عبا (پنج تن پاک) کی باقی نشانی (جس سے پنج تن پاک کی نسل باقی رہی) میری مدد فرمائیے۔

اے بقیدِ ظلم و صد قیدی ز بندِ غم کشا — اے تہِ بیداد و کانِ دادہا امداد کن

اے (امام) آپ خود تو ظلم کی قید میں رہے اور سیکڑوں قیدیوں کو قیدِ غم سے رہائی دلوائی۔ آپ خود تو حالتِ مظلومیت میں رہے (دوسروں کے لیے) فریاد رسی کا مرکز ومنبع رہے، میری مدد فرمائیے۔

باقرا یا عالمِ سادات یا بحر العلوم — از علومِ خود بدفعِ جہل ما امداد کن

اے امام باقر (محمد بن علی بن حسین) علیہ السلام، اے خاندان سادات کے عالم، اے تمام علوم کے سمندر، اپنے علوم سے ہماری جہالت کو دفع کرکے، ہماری مدد فرمائیے۔

جعفرِ صادق بحق ناطق بحق واثق توئی — بہرِ حق مارا طریقِ حق نما امداد کن

اے امام جعفر صادق! حق کی حمایت میں بولنے والے اور حق پر یقین کامل رکھنے والے آپ ہی تو ہیں۔ خدا کے لیے ہمیں راہِ حق دکھلائیے (اور) ہماری مدد فرمائیے۔

شانِ علما کانِ علما جانِ علما السلام — موسیٰ کاظم جہاں ناظم مرا امداد کن

السلام (اے امام موسیٰ کاظمؓ) عالموں کی شان، عالموں کی کان (آپ کے در سے علما درس لے کر نکلتے ہیں) آپ عالموں کی جان ہیں اے امام موسیٰ (علیہ السلام) اے جہاں کے ناظم، مدد فرمائیے۔

اے ترا زیں از عبادت و ز توزیں عابداں — بہرآں بے زینت از زین و صفا امداد کن

اے امام! عبادت آپ کی زینت ہے اور آپ کی ذات عابدوں کی زینت ہے۔ آپ اپنی زینت اور صفائے باطن سے اس بے زینت

(شاعر) کی مدد فرمائیے۔

ضامن ثامن رضاؔ برمن نگاہے از رضا　　　خشم را شایانم و گویم رضا امداد کن

اے امام ضامن رضا (علیہ السلام) مجھ پر اپنی رضا سے نگاہ (کرم) کیجیے۔ بے شک میں عتاب (ہی پانے) کے لائق ہوں (لیکن) رضاؔ یہ عرض کرتا ہے کہ میری مدد فرمائیے۔

نوٹ:اس کے بعد سلسلہ قادریہ کے شجرہ طریقت کے لحاظ سے باقی بزرگانِ دین سے استمداد ہے۔

تشنہ لب ترا دامنو! مژدہ کہ ہیں　　　ساقی نہر لبن مولا علیؓ
باغباں اللہ، گلبن مصطفیٰؐ　　　عندلیبِ نغمہ زن مولا علیؓ
علی امام، علی ملتجا، علی مولا　　　سقر میں جائے جو چھوڑے شہا! ترا دامن
علیِ مرتضیٰ تو ہے، وصیِ مصطفیٰ تو ہے　　　مرا حاجت روا تُو ہے مرا مشکل کشا تُو ہے
یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو　　　جب پڑے مشکل، شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو
مشکلیں حل کر، شہِ مشکل کشا کے واسطے　　　کر بلائیں رد، شہیدِ کربلا کے واسطے
اس نے لقبِ خاکِ شہنشاہ سے پایا　　　جو حیدرِ کرار ہے، مولا ہے ہمارا
درِ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوش آب ہوں　　　یعنی ترابِ رہ گزرِ بوترابؓ ہوں
مولیٰ علیؓ نے واری تری نیند پر نماز　　　اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
وہ کیا جانے گا فضلِ مرتضیٰ کو　　　جو تیرے فضل کا جاہل ہے یاغوث
بہرِ تسلیمِ علیؓ میداں میں　　　سر جھکے رہتے ہیں تلواروں کے
اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار اصحابؓ حضور　　　نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تُو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا
ایک سینے تک مشابہ، اک وہاں سے پاؤں تک　　　حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے سیما نور کا
ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں　　　کیجیے رضاؔ کو حشر میں خنداں مثالِ گل
اتنا عجب بلندیِ جنت پہ کس لیے　　　دیکھا نہیں کہ بھیک یہ کس اونچے گھر کی ہے
معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین　　　اس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنینؓ
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے　　　آدھے سے حسنؓ بنے ہیں آدھے سے حسینؓ
کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی　　　زہراؓ ہے کلی جس میں حسینؓ اور حسنؓ پھول

دست گیرِ ہر دو عالم کر دیا حسنینؑ کو اے میں قرباں، جانِ جاں! انگشت کیا لی ہاتھ میں

جب کہ اہلِ بیتؑ دے آلِ محمد کے لیے کر شہیدِ عشق حمزہؓ پیشوا کے واسطے

ابنِ زہرا کو مبارک ہو عروسِ قدرت قادری پائیں تصدق، مرے دولھا! تیرا

نبوی مینہ، علوی فصل، بتولی گلشن حسنی پھول، حسینی ہے مہکنا تیرا

نبوی ظل، علوی برج، بتولی منزل حسنی چاند، حسینی ہے اُجالا تیرا

نبوی خور، علوی کوہ، بتولی معدن حسنی لعل، حسینی ہے تجلا تیرا

یہ تیری چمپئی رنگت حسینیؑ حسنؑ کے چاند صبح دل ہے یا غوث

بارگاہِ مرتضویؑ میں

مرتضٰی شیرِ حق اشجع الاشجعیں ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسلِ صفا وجہِ وصلِ خدا بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

بارگاہِ خاتونِ جنتؑ میں

اُس بتولِ جگر پارۂ مصطفٰے حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے اُس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیّدہ زاہرہ، طیبہ طاہرہ جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

بارگاہِ حسنیؑ میں

وہ حسن مجتبٰی سیّد الاسخیا راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اوجِ مہرِ ہدیٰ، موجِ بحرِ ندیٰ روحِ روحِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

D:NaatRang-18
File: Rasheed
Final

بارگاہِ حسینیؑ میں

شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

اس شہیدِ بلا شاہِ گلگوں قبا　　بے کسِ دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام
دُرِ دُرجِ نجف، مہرِ برجِ شرف　　رنگ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

تمام آلِ پاک کی بارگاہ میں

پار ہائے صحف غنچہ ہائے قدس　　اہلِ بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے　　اُس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر　　اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اور جتنے ہیں شہزادے اُس شاہ کے　　اُن سب اہلِ مکانت پہ لاکھوں سلام
اُن کی بالا شرافت پہ اعلیٰ درود　　اُن کی والا سیادت پہ لاکھوں سلام
اُن کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں　　شیر غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام
اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود　　اُن کے ہروقت وحالت پہ لاکھوں سلام

محبت اہلِ بیت علیہم السلام سے معطر فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے اشعار کو ایک طرف تو صاحبِ دل اور خوش عقیدہ علمائے کرام اور اہلِ قلم کی جانب سے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے اور ان کی برکت سے ہندوستان اور دیگر بلادِ عرب و عجم میں مولانا موصوف ایک سچے عاشقِ رسول کی حیثیت سے پہچانے گئے اور ان کے معتقدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ لیکن دوسری جانب بعض علمائے سوء کی جانب سے ان پر دیگر الزامات کے ساتھ یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسے شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے اہلِ سنت کو نقصان پہنچانے کے لیے بطورِ تقیہ سنی ہونا ظاہر کیا تھا (مجموعہ رسائل) اور اس دعویٰ پر دلیل یہ دی گئی ہے کہ ان کے اجداد علیہم الرحمۃ کے نام شیعوں جیسے تھے مثلاً:

احمد رضا خان ابن نقی علی خان ابن رضا علی خان ابن کاظم علی خان۔

حالاں کہ اس زمانے میں اہلِ سنت و الجماعت اور غیر شیعہ خاندانوں میں بھی ایسے نام رکھے جاتے تھے مثلاً اہلِ حدیث عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے والد کا نام نواب حسن خان، دادا کا نام نواب علی حسنین خان، بیٹے کا نام امیر علی خان اور نورالحسن خان تھا۔ اسی طرح دیوبندی مکتبہ فکر کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب اور ان کے والد مولوی ذوالفقار علی سہارن پوری، مولوی اشرف علی تھانوی صاحب، مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب جیسی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

اس میلان خارجیت کو کیا کہا جائے کہ جسے محبّ آلِ اطہر دیکھا اسے رافضی یا شیعہ مشہور کر دیا۔ گویا سنی عالم کی پہچان یہ سمجھی جانے لگی کہ اس کے نام کے ساتھ صدیقی، فاروقی، عثمانی یا پھر کوئی عجمی لاحقہ ضروری ہو۔ اس کے برعکس مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی محض سیّد ہونے کی بنا پر رافضیت کا الزام دینے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ جب کہ اہلِ سنت و جماعت کا تو امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں سے سچی محبت اور عقیدہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح اس نئے دور کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ خارجیت کے پروپیگنڈے سے متاثر بعض اہلِ سنت حضرات اور اہلِ قلم آئمہ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کو شیعہ کے بارہ امام کہنے اور لکھنے لگے ہیں جو ایک بے بنیاد بات ہے کیوں کہ یہ آئمہ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام اہلِ سنت کے حقیقی عقاید کے مطابق بھی مسلم روحانی پیشوا ہیں اور اہلِ سنت کے زیادہ تر سلسلے ان ہی مقدس ہستیوں پر ختم ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریر سرمۂ چشمِ بصیرت ہے:

> نیز پچھلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظمؒ اور امام رضاؒ تمام اہلِ سنت کے مقتدر اور پیشوا ہوئے ہیں کہ اہلِ سنت کے علمائے کبار مثلاً زہریؒ، ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے آئمہ تصوف مثلاً معروف کرخیؒ وغیرہ نے ان حضرات سے کسبِ فیض کیا ہے اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلے کو سلسلۃ الذہب قرار دیا ہے اور اہلِ سنت کے محدثین نے ان بزرگوں سے اکثر فنون خصوصاً تفسیر و سلوک میں احادیث کے دفتروں کے دفتر روایت کیے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

اسی طرح اہلِ حدیث کے معروف عالم اور کتب احادیث کے مترجم نواب وحید الزماںؒ لکھتے ہیں:

> اہلِ حدیث شیعہ علی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت سے محبت و موالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:
> (۱) کتب اللہ　　　(۲) میری عترت اور اہلِ بیت

D:NaatRang-18
File: Rasheed
Final

اور اہلِ حدیث قیاسی مسائل میں اہلِ بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہلِ بیت یہ ہیں: حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ اور قیامت تک ہونے والی ان کی اولاد۔ (ہدیۃ المہدی)

ہندوستان کے عظیم فقیہ اور استاذِ نعت گویان مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' اہلِ سنت کے حقیقی عقاید اور عشقِ صادق کا ترجمان ہے۔ یہ دیوان ۱۳۲۵ ہجری میں طبع ہوکر منظرِ عام پر آیا اور اس کی پہلے دو جلدیں شائع ہوئیں۔ جس کے کافی عرصے کے بعد (باقیاتِ رضا) 'حدائقِ بخشش' جلد سوم شائع ہوئی۔ ان تینوں جلدوں میں اعلیٰ حضرت کا نعتیہ منقبتیہ اور دیگر متفرق کلام شامل ہے۔ مگر 'حدائقِ بخشش' کے فنی جائزہ سے اس کی زبان دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کا سنگم معلوم ہوتی ہے جیسے ایک تیسرے دبستان یعنی 'دبستانِ دہلی' کی نشان دہی ہوتی ہے اور حقیقت میں شہرِ بریلی دہلی اور لکھنؤ کے درمیان واقع ہے۔ لہٰذا آپ کی شاعری میں دونوں دبستانوں کا رنگ نمایاں ہونا کوئی حیران کن بات نہیں۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی نعتیہ منقبتیہ اور غزلیہ شاعری میں صحتِ زبان کی تمام تر جلوہ آرائیاں نمایاں ہیں۔ صحتِ زبان کی طرح صحتِ عقاید، صحتِ روایات اور صحتِ مضامین ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔

ان کی مذہبی شاعری کے تجزیاتی مطالعے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہوتی ہے کہ عشقِ صادق کی حرارت، نفسِ مضمون سے گہرے لگاؤ اور سچی لگن کے بغیر محض علمی وجاہت اور مہارتِ سخن کے زور پر ایک اعلیٰ درجے کی نعتیہ شاعری جنم نہیں لے سکتی کیوں کہ اس قسم کی اعلیٰ شاعری علم وفن اور تدبر وتفکر کے دوش بدوش شاعر کے عشقِ صادق کی ایسی روح پرور حرارت کی مقتضی ہے جس کی اساس اس یقینِ کامل پر ہو کہ ذاتِ ممدوح کردگار ﷺ اور ان کی آلِ اطہار علیہم السلام بلاقیدِ زمان ومکان وسعت دارین میں اپنی مثال آپ ہیں۔

بیدؔم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنسا، حسین و حسن مصطفیٰ، علی

چناں چہ جب تک کسی شخص کے رگ وپے میں جناب محبوبِ کردگار ﷺ، آپ کی آلِ اطہار علیہم السلام اور جاں نثار صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سچی محبت کی حرارت کارفرما نہ ہو اس کی

نعتیہ شاعری اور منقبت نگاری دوسروں کو نہ تو مسحور و متاثر کرسکتی ہے اور نہ اس میں قابلِ ذکر شگفتگی و دل آویزی پیدا ہوسکتی ہے جس کا مصداق یہ شعر ہے:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

مدحتِ سرکارِ دوعالم ﷺ میں شامل آپ کی اہلِ بیت اطہار اور آلِ پاک علیہم السلام کے مناقب کی رعنائیاں جس حسنِ بیان اور وارفتگی عشق کے ساتھ مولانا احمد رضا فاضل بریلویؒ کے کلام میں کثرت سے نظر آتی ہیں ان کی مثال حضرت شاہ نیاز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کہیں اور شاذ شاذ ہی نظر آتی ہیں۔

زیرِنظر مضمون میں شامل مولانا موصوف علیہ الرحمۃ کے فارسی کلام سے منتخب کردہ مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی منقبت بارگاہِ حیدری اور بارگاہِ حسینی میں استغاثہ کے جو اشعار پیش کیے گئے ہیں وہ اوّل سے آخر تک وارداتِ عشقِ صادق اور رفعت معانی کے ساتھ ساتھ علمِ بیان اور صنائع و بدائع کی نادر و لاجواب، رعنائیوں سے مزین ہیں۔ خصوصاً صنعت مراعاۃ النظیر، صنعت تلمیح، حسن تعلیل، صفت تضاد تنسیق الصفات، نادر تشبیہات اور استعارات، تجنیس ناقص، شبہ اشتقاق، لف ونشر، حسنِ طلب اور تجنیس کامل کی لائقِ تحسین مثالیں مضمر ہیں۔ اسی طرح مناقبِ اہلِ بیت اطہار علیہم السلام میں ان کے منتخب اردو اشعار میں تشبیہات کی سادگی اور نکھار، چست بندشیں، برمحل توصیفی الفاظ کے در و بست، شاعرانہ نکتہ سنجی، وارفتگی و سرشاری، نفیس اور متاثرین کن طرزِ ادا، رعنائیِ فکر، خیال کی شادابی اور گرمیِ عشق کی نکہت سے بھی ایک ماہرِفن مدحت نگار کے عالمانہ اور ایمان افروز اندازِ فکر کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

عزیز احسن (کراچی)

کلامِ رضا میں مناقبِ صحابۂ کرام اور امہات المومنین

سیّد المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرک معاشرے میں مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ گیا۔ لیکن ایسے کڑے وقت میں بھی اللہ کے نیک بندوں نے نہ صرف اللہ کے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قبول کیا بلکہ ہر قسم کی قربانی دے کر دینِ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے یہاں تک کے پورے حجاز میں دینِ اسلام غالب آ گیا۔ نبی ﷺ کے وہ تمام ساتھی صحابۂ کرام کے لقب سے ملقب ہوئے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ مقدس جماعت ہی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد، نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی تحفیظ، تدوین اور تبلیغ کی ذمہ دار ٹھہری اور اللہ کی اس منتخب جماعت نے اسلام کی اس نہج پر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا جس نہج پر اللہ ربّ العزت اور اللہ کے آخری نبی ﷺ نے چاہا تھا۔ آج دنیا میں تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان آباد ہیں اور سب کے سب صحابۂ کرامؓ کی محنت سے مسلمان ہوئے ہیں اس لیے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے والے تمام مسلمان صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہیں۔ اور اسی لیے شعرائے کرام بھی اپنی شاعری کو اصحابِ نبی ﷺ کے ذکر سے وقیع بناتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے مدحِ رسول ﷺ ہی سے اپنی شعری کائنات میں روشنی پیدا کی۔ اس لیے انھوں نے اللہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ کے ذکر کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کے جاں نثاروں کا ذکر بھی اپنے شعری عمل میں شامل کیا۔ سنت اللہ کا ذکر میں نے سورۂ فتح کی آیت کی روشنی میں کیا ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ان کے ساتھیوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معه... الخ۔ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں... (فتح: ۲۹)

اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذکر پر براہِ راست گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصراً صحابۂ کرام کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی فضیلتوں کے چند حوالے قرآنِ کریم سے نقل کردیں تاکہ امامِ اہلِ سنت کے اشعار میں آنے والے تلمیحاتی اشاروں کی تفہیم میں کوئی دشواری نہ رہے۔

سورۂ یوسف کی آیت: ۱۰۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قل هذه سبیلی ادعوا الی اللّٰه، قف علیٰ بصیرة انا ومن اتبعنی

''(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ یہ (توحید اور آخرت کی تیاری کی دعوت) میرا راستہ ہے میں (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی دلیل پر قائم ہوں اور وہ لوگ بھی جو میرے پیرو ہیں)۔''

اس آیتِ مقدسہ میں 'من اتبعنی' سے مراد صحابۂ کرام کی مقدس جماعت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ''صحابہؓ راہِ ہدایت پر تھے، معدنِ علم تھے، کنزِ ایمان تھے اور اللہ کا لشکر تھے۔'' حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، ''جو سنت پر چلنا چاہے وہ مردوں کے طریقے پر چلے۔ صحابہؓ کا گروہ اس امت میں سب سے زیادہ پاک باطن گروہ تھا، جن کا علم گہرا تھا اور بناوٹ بالکل نہ تھی۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت اور اپنے دین کی اشاعت کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا۔ وہ راہِ مستقیم پر گامزن تھے۔ تم لوگ انھیں کے اخلاق اور زندگی کے طریقوں کو اختیار کرو اور انھیں سے مشابہت پیدا کرو۔''☆۱

سورۂ توبہ کی آیت: ۱۰۰ میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان. رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری تحتیها الانهر خٰلدین فیها ابد، ذلک الفوز العظیم۔ اور مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں) سب سے آگے اور مقدم ہیں (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہوا یعنی ان کی اطاعت کو اللہ نے قبول کرلیا اور ان کے اعمال کو پسند فرمالیا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے یعنی اللہ کا رب اور مالک ہونا اور اسلام کا ان کے لیے دین ہونا اور محمد ﷺ کا رسول و نبی ہونا

انھوں نے اپنے دلوں سے پسند کرلیا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی اور اسلام کی اور محمد ﷺ کی محبت ڈال دی اور جو دنیوی و اخروی نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں ان پر وہ راضی ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔☆[۲]

درجِ بالا آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی پیروی کرنے میں سبقت لے جانے والے لوگوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ان نفوسِ قدسیہ کی پُرخلوص اتباع کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرما دی۔ تفسیرِ مظہری میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی نے اسی آیت کی تفسیر میں وہ مشہور حدیث بھی نقل کی ہے جس میں رسول ﷺ نے فرمایا (**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم**) ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے، ہدایت یاب ہو گے۔ مصنف علام نے آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۷ کا ترجمہ کرتے ہوئے روشن چہرے والے لوگوں کو اہلِ سنت فرمایا ہے۔☆[۳] اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ روئے زمین پر یہی طبقہ ایسا ہے جو اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرنے میں عملِ صحابہ کرامؓ، تابعینِ کرام اور اتباعِ تابعین کرام رحمہم اللہ کا عملی نمونہ پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اور بعد کی کسی بھی تحریک کے زیرِ اثر ان نفوسِ قدسیہ پر زبانِ طعن دراز کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ کیوں کہ اس طبقے کے سامنے قرآن و سنت کا مکمل معیار ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت: امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون۔ رسول اللہ ﷺ اور مومن ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں) میں المومنون سے مراد وہی مومن ہیں جو اس زمانے میں موجود تھے یعنی صحابہؓ۔ باقی وہ اہل السنہ والجماعت جن کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کی طرح ہو ان کا شمول صحابہ کے ساتھ (ذیلی طور پر) ہوجائے گا۔ صاحبِ تفسیر مظہر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ترمذی کی وہ معروف حدیث نقل فرمائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کے تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجانے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور ایک فرقے کے سوا سب کو ناری فرمایا تھا۔ پھر صحابہ کرامؓ کے استفسار پر ناجی (نجات پانے والا) فرقے کی نشان دہی اس طرح فرمائی تھی، ''جو اس طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔''☆[۴] علامہ کوکب نورانی نے اپنی تصنیف 'نعت اور آدابِ نعت' میں لکھا ہے، مسلکِ حق صرف اہل سنت و جماعت ہی ہے اور 'اہلِ سنت و

جماعت' اصحابِ نبوی ﷺ کا لقب تھا۔'' سیّدنا علی اوسط امام زین العابدینؓ کا قول بھی علامہ کوکب نے امام سخاوی اور جناب زکریا کاندھلوی کی کتب کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی رو سے اہلِ سنت کی نشانی ہے 'بہت درود پڑھنے والے۔'[۵☆]

مدحِ رسول ﷺ بھی چوں کہ درود شریف ہی کی ایک صورت ہے اس لیے اصنافِ شاعری میں اس متبرک صنف کو اپنانے والے شعرا کی اکثریت اہل سنت والجماعت کے مسلک ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ امام اہل سنت حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی شعری کائنات میں صرف اور صرف مدحتِ رسول ﷺ ہی کی گونج پیدا کی ہے، اس لیے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح سنت اللہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے صحابۂ کرامؓ کا ذکر بھی جا بجا کیا ہے تاکہ محمد ﷺ کے اسوۂ اطہر، آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اسوۂ مبارک اور تعلیمات پر اللہ و رسول اللہ ﷺ کی کامل پسندیدگی کے لیے جو عملی نمونہ درکار ہے، وہ بھی صحابۂ کرام کی جماعت کے ذکر سے اجاگر کیا جاسکے اور اسلام پر عمل کرنے والوں کی جلائی ہوئی مشعل دست بدست قیامت تک روشن ہوتی چلی جائے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرتؒ اپنے مسلک کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

اہل سنت کا بیڑا پار اصحابِ حضور نجم ہے اور ناؤ ہے عترت رسول اللّٰہکی

ایک موقع پر سنی مسلمان کے وصال کے حوالے سے ایک نیک تمنا دعا بن کر زبانِ قلم پر آئی:

واسطہ پیارے کا! ایسا ہو کہ جو سنی مرے یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

ایک جگہ فرماتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

چوں کہ اہلِ تسنن ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں اس لیے حضراتِ ائمہ کو بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، امامِ حنیفؒ چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

اصحاب النبی ﷺ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو امامِ اہلِ سنت نے چشمِ تصور سے دیکھا اور حدیثِ انجم (اصحابی کالنجوم) یاد کرکے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس محفل کا

D:NaatRang-18
File: aziz ahsan
Final

نقشہ کھینچا تو انھیں ہر طرف نور ہی نور نظر آیا، فرماتے ہیں:

انجمن والے ہیں انجم، بزمِ حلقہ نور کا چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا

نعت نگاری میں اسوۂ صحابہ کا دھیان آئے تو حضرت حسان بن ثابتؓ کا ذکر لازمی ہوجاتا ہے کہ انھیں ہی یہ فضیلت حاصل رہی ہے کہ حضورﷺ نے ان کی شاعری سننے کے لیے ان کو منبر پر بیٹھنے کی ہدایت فرمائی اور ان کے لیے آقا ﷺ نے دعا بھی فرمائی۔ اس لیے تمام نعت گو شعرا بالعموم اور امام اہلِ سنت بالخصوص حضرت حسانؓ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانؓ عرب

اسی زمین میں خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر کہا ہے۔ اس شعر میں عجمی مسلمانوں اور عہدِ صحابۂ کرامؓ سے اب تک کے عرب مسلمانوں کا جذبۂ اتباعِ رسول ﷺ بھی منعکس ہوتا ہے اور علمِ بدیع کی کچھ صنعتیں بھی آ گئی ہیں:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

اس شعر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علم بدیع کی صنعتیں مثلاً تجنیسِ تام، صنعت شبہ اشتقاق اور صنعتِ تضاد بھی یک جا ہیں اور شعر میں روانی اور فصاحتِ بیان بھی قائم ہے.... صنعتِ تجنیس تام دونوں جگہ 'بے دام' کے الفاظ کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ 'بے دام' ایک جگہ 'بن مول' کے معنی دے رہا ہے اور دوسری جگہ ''بغیر جال'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح 'بندے' اور 'بندی' میں شبہ اشتقاق ہے کیوں کہ یہ دونوں الفاظ بظاہر ایک ہی مادے سے مشتق معلوم ہوتے ہیں لیکن اصلاً ایسا ہے نہیں۔ بندے بندہ عبد) 'غلام' اور بندی (قید و بند) 'قیدی'۔ عجم اور عرب میں صنعتِ تضاد کا ظہور ہوا ہے۔☆[۲۶]

اس شعر کی معنوی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضورﷺ کی پیروی کے جذبے کو زمان و مکان کی قید سے آزاد، ہر عہد کا جذبۂ محرکہ بتایا گیا ہے اور اب یہ سچائی ابدالآباد تک اپنی قوت آپ منواتی رہے گی۔

اہلِ سنت و جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمتوں کے قائل ہیں اور نبیِ کریم ﷺ کی اولاد امجاد سے بھی تولائی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں اس لیے ان کے اشعار میں برجستہ ان مقدس ہستیوں کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مولیٰ گلبن رحمت زہراؓ سبطینؓ اس کی کلیاں پھول صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ حیدرؓ ہر اک اس کی شاخ

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا ہو مبارک! تم کو ذوالنورینؓ جوڑا نور کا

ان اشعار میں اعلیٰ حضرت نے ریاضِ نبوی ﷺ میں کھلنے والے غنچوں اور پھولوں کے ساتھ ساتھ پودوں اور شاخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضورِ انور ﷺ کو نور فرما کر قرآنِ کریم کی آیت 'قد جآء کم من اللّٰہ نور و کتب مبین' (مائدہ: ۱۵) [بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (ذاتِ محمدی ﷺ) اور روشن اور واضح کتاب (قرآنِ کریم) آچکی ہے]۔ کی طرف تلمیحاتی اشارہ بھی کردیا ہے۔ پھر نورِ ہدایت کو آپ ﷺ کی نسلِ پاک میں بھی منعکس دکھایا ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے 'ذالنورین' ہونے کا شرف بھی واضح طور پر مذکور فرمایا ہے کہ آپؓ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے سیّد الکونین ﷺ کی دو صاحب زادیاں آئی تھیں۔ حضرت سیّدہ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ، غزوۂ بدر میں شرکت نہیں فرما سکے تھے لیکن حضور ﷺ نے اپنی لختِ جگر سیّدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے انھیں مدینے میں رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ ''تمھارے لیے اس آدمی کا اجر وثواب اور مالِ غنیمت میں حصہ ہے جس نے اس غزوہ میں شرکت کی۔''☆۷

حضرت سیّدہ رقیہؓ کی رحلت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کردیا اور فرمایا، ''اگر میرے سو (۱۰۰) بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو عثمان (رضی اللہ عنہ) کے حبالۂ عقد میں دے دیتا۔''☆۸

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردارِ دو جہاں اے مرتضیٰؓ! عتیقؓ! و عمر! کو خبر نہ ہو

اس شعر کی تفہیم میں مجھے دقت کا سامنا تھا کہ میری رہنمائی کے لیے حضرت علامہ کوکب نورانی نے کراچی سے مجھے 'جامع الاحادیث' کے متعلقہ صفحے کی فوٹو نقل ارسال فرما دی۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ (آمین)۔ حدیث شریف: ''امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ اور عمرؓ سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں، تمام آسمان والوں اور زمین والوں سے بہتر ہیں، سوا انبیا و مرسلین کے۔ اے علیؓ! تم ان دونوں کو اس کی خبر نہ دینا۔'' امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا، ''اس کے معنی یہ ہیں کہ اے علی (رضی اللہ عنہ)! تم ان سے نہ کہنا بلکہ ہم خود فرمائیں گے تا کہ ان کی مسرت زیادہ ہو۔''☆۹

D:NaatRang-18
File: aziz ahsan
Final

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاعری میں مسلکِ اہلِ سنت کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری با آسانی اعدائے اسلام کی پھیلائی ہوئی غلط باتوں سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی آگہی اس کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے بدگمان نہیں ہونے دیتی اور اس کے ایمان کی حفاظت کا سامان ہوجاتا ہے:

ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل		ابوبکرؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ ہے

اس شعر میں تلمیحی اشارہ قرآنِ کریم کی آیت کی طرف ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے اصحاب النبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے، 'رحماء بینھم' (فتح: ۲۹) ''آپس میں مہربان ہیں۔' اس آیت کے ہوتے کسی مزید دلیل کی ضرورت تو رہتی نہیں ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے شعر کی صداقت کی گواہی ہمیں تاریخ کی معروضی (Objective) ورق گردانی سے بھی مل جاتی ہے۔ ان گروہوں سے متعلق اعلیٰ حضرت کے اشعار درج کرتا ہوں جن کی حضرت علیؓ کی کاذب محبت یا صریحاً بغض کی وجہ سے خود حضرت علیؓ نے انھیں رد فرما دیا تھا۔

پہلے یہ دیکھتے چلیے کہ حضرت رضا بریلوی کی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے الفت کس درجے کی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

دُرِ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوشاب ہوں		یعنی ترابِ رہ گزرِ بوترابؓ ہوں
دُرِ درجِ نجف، مہرِ برجِ شرف		رنگِ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰؓ شیرِ حق اشجع الاشجعین		ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصلِ نسلِ صفا، وجہِ وصلِ خدا		بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار سے رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حبِ علیؓ کا بھرپور اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امامِ اہل سنت کی حبِ علیؓ میں نہ تو روافض کی سی افراط ہے، نہ ناصبیوں اور خارجیوں والی تفریط یعنی اعلیٰ حضرت کی محبتِ علیؓ عین اس مسلک کے مطابق ہے جو مسلکِ حقِ اہلِ سنت والجماعت ہے۔

اب وہ اشعار ملاحظہ فرمایئے جن میں ان فرقوں کا ذکر ہے جو غیر معتدل حبِ علیؓ یا خلافِ حقیقت علیؓ کی مخالفت کا شکار ہوئے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج		چار می رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن		پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام
ناصبی را بغضِ تو سوئے جہنم رہ نمود رافضی از حبِ کاذب در سقر درآمدہ
اے عدوئے کفر ونصب ورفض وتفضیل وخروج اے علوے سنت و دینِ ہدیٰ امداد کن!
(حضرت علیؓ)

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصب (عداوت علیؓ)، رفض (کاذب حبِ علیؓ اور بغض صحابۂ کرامؓ)، تفضیل (حضرت علیؓ کو تین خلفاے راشدین پر فضیلت دینا)، خروج (حضرت علیؓ سے واقعۂ تحکیم میں مخالفت کرنے والے) سب کے سب حدِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہونے کے باعث نا قابلِ قبول ہیں۔ کیوں کہ ان تمام رویوں کو خود حضرت علیؓ نے رد فرما دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے خوارج سے جنگ کی اور ان کا صفایا کردیا اور روافض کے لیے فرمایا، ''میری محبت میں حد سے گزرنے والا، زیادتی کرنے والا ہلاک ہوجائے گا۔'' آقائے نامدارِ محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''علیؓ کی محبت اور ابوبکرؓ وعمرؓ کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا۔'' تفسیر مظہری میں سورۂ حشر کی آیت نمبر۱۰ (بعد کو آنے والے ان اگلوں کے لیے (دعا کرتے ہیں اور) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے لیے کینہ نہ پیدا کردینا۔ اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق، رحیم ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد والوں سے مراد فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے اور قیامت تک آنے والے مومن مراد ہیں پھر ابن ابی لیلیٰ کا قول لکھا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ پھر ایک واقعہ فصول (اثنا عشری فرقے کی کتاب) سے نقل کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ خلفاے ثلاثہؓ پر نکتہ چینی کر رہے تھے تو حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے والذین... (الایہ)، (سورۂ حشر آیت:۱۰)۔ اس کے بعد صحیفۂ کاملہ سے حضرت امام زین العابدینؓ کی ایک طویل دعا درج کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں، ''اے اللہ! اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہؓ کی پیروی کرنے والے ہوں اور کہتے ہوں، ربنا اغفرلنا... (الایہ) (اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے

تھے...الخ)[۱۰] اسی تناظر میں حضرت علیؓ کو ان تمام مسالک کا دشمن بتایا ہے۔

چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری ازل سے جاری ہے۔ اس لیے اعدائے اسلام اپنی سازشوں میں کسی حد تک ان مقدس ہستیوں کے درمیان اختلاف کی داستانیں گھڑنے اور ان کو ہوا دینے میں کامیاب ہوگئے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ وہ آپس میں مہربان ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اپنی داڑھیوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو، کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گم راہی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مستدرک حاکم، مسند دارمی اور مسند احمد)[۱۱] یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے علما اور مفکرین و دانشور، نیز شعرا جہاں اصحابِ کرامؓ کا ذکرِ جمیل کرتے ہیں انھیں آئینۂ تاریخ پر دشمنانِ اسلام کی ڈالی ہوئی گرد صاف کرنے کے لیے یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ آپس میں شیر وشکر تھے۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پس منظر میں یہ کہا تھا:

ترے چاروں ہمدم ہیں یک جان و یک دل

اس ضمن میں خلفاے ثلاثہ کے بارے میں صرف حضرت علیؓ کی رائے ملاحظہ فرما لیجیے، مؤلف کتاب، امیرالمومنین سیّدنا علیؓ نے شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد چہارم، مطبوعہ تہران کے حوالے سے سیّدنا علیؓ کے مکتوب کے چند جملے نقل کیے ہیں جو شیخینؓ کی عظمت کی گواہی کے لیے کافی ہیں۔ سیّدنا علیؓ سیّدنا امیر معاویہؓ کو لکھتے ہیں، اور اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تو نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ تھے اور پھر اس خلیفہ کے بعد عمر الفاروقؓ تھے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم! ان دونوں کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے اور ان کی موت اسلام کے لیے ایک بہت بڑا زخم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے اور ان کے اعمال کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔''[۱۲]

اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف سیرت عثمانؓ میں قیس بن عبادؓ کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے جنگِ جمل کے روز سیّدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ... ''لوگ میرے پاس میری بیعت کرنے کے لیے آئے لیکن میرا نفس ابا کرتا تھا، بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جو ایک ایسے شخص کے قتل کی مرتکب ہوئی ہے جس کے بارے

میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اور مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس حالت میں بیعت لوں جب کہ عثمانؓ زمین میں دفن ہوئے بغیر شہید ہوئے پڑے ہوں۔''☆۱۳

سب سے زیادہ جس مسئلے کو ہوا دی گئی ہے، وہ خلافِ علیؓ بلافصل والا مسئلہ ہے جس کے جمہور علما، صلحا اور صحابہ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ کبھی قائل نہیں رہے۔ کیوں کہ خلافت کا مسئلہ تو آں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حدودِ یثرب (جسے ہجرت نبوی علیٰ صاحبہا کے طفیل مدینۃ النبی ﷺ کہلانے کا شرف ملا) میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے ہی اپنے طرزِ عمل سے طے فرما دیا تھا۔ طبرانی نے مسجد قبا کی تعمیر کے حوالے سے جو روایت کی ہے الحمدللہ اس پر کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ مسجدِ قبا کی تعمیر کے لیے نبی ﷺ کریم ﷺ نے اہلِ قبا سے فرمایا:

یا اہلِ قبا...اے قبا کے لوگو!

ائتونی باحجر من هذال حرة... پتھروں کے اس ڈھیر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔

فجمعت عنده احجار کثیرة... سب نے آپ ﷺ کے پاس بہت سے پتھر جمع کر دیے۔

و معه غنزله له... اس وقت آپ کے پاس (نیزہ نما) لکڑی تھی۔

فخط قبلتهم... آپ نے سمتِ قبلہ کی نشان دہی فرمائی۔

فاخذ حجرا فوضعه... پھر سب سے پہلے خود ایک پتھر اٹھایا اور اسے تعمیر کے لیے رکھا۔

ثم قال یاابوبکرؓ خذ حجر افضعه حجری... پھر ابوبکرؓ سے فرمایا ایک پتھر اٹھا کر میرے پتھر کے برابر رکھو!

ثم قابل یاعمر خذ حج افضعه الیٰ جانب حجر ابوبکرؓ... پھر عمرؓ سے فرمایا: ایک پتھر اٹھاؤ اور اسے ابوبکرؓ کے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔

ثم قال یا عثمانؓ خذ حجرا فضعه الیٰ جنب حجر عمرؓ... پھر عثمان سے کہا: اے عثمان تم پتھر اٹھاؤ اور عمرؓ کے پہلو میں رکھ دو۔

ثم قال یا علیؓ خذ حجر افضعه الیٰ جنب عمرؓ... پھر فرمایا علیؓ! تم بھی پتھر اٹھاؤ اور اسے عمرؓ کے پتھر کے برابر رکھ دو۔

ثم التفت الی الناس لیضع کل رجل حجرة حیث احب علیٰ ذلک الخط... پھر تمام لوگوں سے متوجہ ہوکر فرمایا تم سب ان خطوط پر جہاں چاہے پتھر رکھ دو۔☆۱۴

D:NaatRang-18
File: aziz ahsan
Final

یہ واقعہ ہے اسلام میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والی مسجد، مسجدِ قبا کا، جس کی تعمیر پہلے ہی دن سے مقبولِ بارگاہِ ربّ العزت ہوچکی تھی اور جس کے بارے میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا تھا، ''المسجد اسس علی التقوی من اول یوم... (الایہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر ۱۰۸) دراصل، مسجد کی تعمیر کے ضمن میں اُمتِ مسلمہ کی تعلیم کے لیے حضراتِ صحابۂ کرامؓ کی فضیلتوں کا ادراک کروانا بھی مقصود تھا۔اسی لیے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیاوی میں وصال سے صرف چار روز قبل عشا کی نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا جنھوں نے حضور ﷺ کے پردہ فرمانے تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔ ان نمازوں میں حضرت علیؓ بھی مقتدی تھے۔☆[۱۵] اس سے ایک سال قبل ۹ ہجری میں حضور نبی کریم ﷺ نے حج کی فرضیت کے پہلے سال حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور سورۂ برأت کی ابتدائی آیات کے ابلاغ کے لیے حضرت علیؓ کو مکہ مکرمہ کی طرف بھجوایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا: امیر ہو یا مامور؟ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا تھا، 'مامور ہوں۔'☆[۱۶]

حضرت علیؓ نے ایک لمحے کو بھی خود کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھا تھا ورنہ وہ حضرت عباسؓ عمِ رسول اللہ ﷺ کے اصرار پر یہ نہ فرماتے، ''بخدا اگر ہم آپ ﷺ سے اس بابت (خلافت کے) دریافت کریں اور آپ ﷺ نے ہمیں منع کردیا تو آپ ﷺ کے بعد ہمیں لوگ کبھی خلیفہ نہ بنائیں گے۔ بخدا میں تو یہ بات آپ ﷺ سے نہیں پوچھتا۔''☆[۱۷]

پیر طریقت حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں 'نہج البلاغہ' کا ایک طویل اقتباس نقل فرمایا ہے جو حضرت عمرؓ کے جنگِ عراق میں بنفس نفیس شرکت کرنے کے سوال پر حضرت علیؓ کے خطبے پر مبنی ہے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو چکی کے قطب کی طرح مرکز پر رہنے کا مشورہ دیا اور فرمایا ''ہم (مہاجرینِ اوّلین) منجانب اللہ وعدۂ نصرت دیے گئے ہیں۔'' سیّد پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد کی روشنی میں سورۂ نور کی آیت، ''وعداللّٰہ الذین آمنوا منکم... الی الآخرہ... (نور:۵۵) ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو باایمان ہیں اور اعمالِ صالح کرتے ہیں کہ البتہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ کرے گا۔'' کا حوالہ دیا ہے۔ مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں، ''استخلاف، یعنی خلیفہ بنانے کو حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ یستخلفن کی

نسبت ضمیر ھم کی جانب یعنی جملہ مہاجرین اوّلین کی طرف[۱۸] پیر صاحب آگے فرماتے ہیں، ''تو آیۂ استخلاف کا مطلب یہ ہوا کہ میں حاضرین سورۂ نور میں سے بعض کو زمین میں دین مرتضیٰ عند اللہ کے قائم کرنے کی قدرت عطا کروں گا کہ وہ لوگ خداداد تصرف و سلطنت، عدالت و تہذیب کی رو سے ادیانِ باطلہ اور شرکِ مطلق کو جس کے من جملہ اقسام ہوا پرستی بھی ہے، بیخ و بن سے اکھاڑ دیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ جن کو میں خلافت اور تمکین دینِ اسلام اور بے غمی اور توحید عطا کروں گا، یہ لوگ ہوا پرست نہ ہوں گے اور کسی شے کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔ حق سبحانہ تعالیٰ احکم الحاکمین و اصدق الصادقین، خلفاے اربعہ کو ہوا پرستی کے دھبے سے پاک اور بری فرماتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسے لوگ جن کا مزکی اور بری کنندہ خود علام الغیوب ہو، کیا وہ اس درجے کے متعصب، ظالم اور ہوا پرست ہو سکتے ہیں؟... ہرگز ہرگز نہیں[۱۹]

یہ ہیں چند تاریخی حقایق جن کی روشنی میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام کے تلمیحاتی اشاروں اور احوالِ اصحاب النبی المحترم ﷺ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اب درجِ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج چار می رکن ملت پہ لاکھوں سلام

یہاں اعلیٰ حضرت نے دوسرے خلفاے راشدین کے ذکر کے علی الرغم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے بالخصوص ''چار می رکنِ ملت'' (خلافت کے چوتھے ستون) محض فاسد عقاید کے ابطال کی غرض سے ہی کہا ہے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ جس کی بلبل ہیں۔ ترا سروِ سہی اس گلبن خوبی کی ڈالی ہے:

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی چار می رکن ملت پہ لاکھوں سلام
عتیقؓ و وصیؓ، غنیؓ و علیؓ ثنا کی زباں تمھارے لیے شیخینؓ ادھر نثارِ غنیؓ و علیؓ ادھر
غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمال میں

اعلیٰ حضرت کی شاعری میں جو مقام ان کے سلام کو حاصل ہے، وہ ان کے دوسرے کلام کو حاصل نہیں۔ ہر شاعر کے کلام میں شاہکار شعری مرقعے کم کم ہی ہوتے ہیں۔ نعت کی دنیا میں کسی کلام کی مقبولیت کا معیار عمومی شاعری کے معیارِ قبول عام سے مختلف ہوتا ہے۔ نعت کی قبولیت کی ہوائیں مدینے کی طرف سے چلتی ہیں۔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کی قبولیت محتاجِ تعارف نہیں۔ اس سلام میں بھی اعلیٰ حضرت نے اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو

نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس شعری شاہ کار میں انھوں نے خروج، رفض، نصب اور تفضیلی رویوں سے برأت کا اعلان فرماتے ہوئے، اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک اجاگر کیا ہے، ''الصحابه کلهم عدول'' (صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں)۔[۲۰]

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں — شیرِ غران سطوت پہ لاکھوں سلام
ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام — پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس
اہلِ بیت نبوت پہ لاکھوں سلام — وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں سیّد الشہدا حضرت امیر حمزہؓ، تمام اصحابِ کرامؓ، اہلِ بیتِ نبوت، بدر کے تین سو تیرہ شریک اصحاب، احد میں شامل جاں نثارانِ رسول ﷺ کے ساتھ ان تمام اصحابؓ پر بھی لاکھوں سلام بھیجے گئے ہیں جن کی بیعت کرنے کی ادا خود خالقِ کائنات کو پسند آئی، اسی لیے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کا نام دیا گیا، ''لقد رضی اللّٰه عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة۔ (الایہ) (بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے)۔ آخری شعر میں ان خوش نصیب اصحابؓ کا ذکر ہے جن کو دنیا میں جنت کی بشارت ملی تھی۔ ان اصحاب میں چاروں خلفاے راشدین کے علاوہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے اسماے گرامی شامل ہیں۔

حضرت رضا نے خلفاے راشدینؓ کا تذکرہ بالخصوص ایک سے زیادہ اشعار میں کیا ہے:

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا — اوحد کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ — عز و شانِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل — ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں، سیّد المتقیں — چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

امامِ اہلِ سنت نے اہلِ اسلام کی ماؤں کو بھی بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، میں یہاں رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اشعار کا حوالہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے کہ امت کی تمام مائیں حضور ﷺ کی صحابیات کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق — بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں آیۂ قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے کہ ''انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا۔'' اے اہلِ بیت نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے تم سے ناپاکی دور کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اور تم کو پاک صاف ستھرا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔'' یہ آیۂ کریمہ امہات المومنین کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ اس لیے امام اہلِ سنت نے یہاں اس آیت کی طرف تلمیحی اشارہ کیا ہے۔ لیکن حدیث کی رو سے بھی کچھ لوگ اہلِ بیت میں شمار کیے گئے ہیں، مثلاً (۱) جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ بنی ہاشم، بنی عباسؓ، اولادِ علی، جعفرؓ، عقیلؓ، حارثؓ کی اولاد۔ (۲) آپ ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے۔ (۳) آپ ﷺ کے گھر میں آنے جانے والے جیسے زید بن حارثہؓ، اسامہؓ بن زیدؓ وغیرہم۔☆۲۱

جلوہ گیان بیت الشرف پر درود پردگیان عفت پہ لاکھوں سلام

اس شرف والے گھر میں جلوہ آرا پاک دامن طاہر ومطہر پردہ دار خواتین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی پردہ داری پر لاکھوں سلام ہوں۔ واضح رہے کہ امت کی عام مستورات حجاب اور چادر اوڑھ کر اجنبی مردوں کے سامنے آسکتی ہیں لیکن امت کی مائیں اس حالت میں بھی مردوں کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔☆۲۲

سیما پہلی ماں کہف امن و اماں حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
منزل من قصب لانصب لاصخب ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ذکرِ جمیل ہے۔ جو پہلی ماں ہیں اور جن کے بطن سے حضور ﷺ کی اولادیں ہوئیں۔ چار صاحب زادیاں حضرت زینبؓ (زوجہ حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ)، حضرت رقیہؓ وحضرت امِ کلثومؓ، (ازواج) حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت فاطمہؓ (زوجہ حضرت علیؓ) اور صاحب زادے حضرت قاسمؓ، عبداللہ، طاہر وغیرہم۔ ان پر اللہ کی طرف سے سلام آیا اور جن کے لیے جنت میں ایک موتی کا گھر ہے جس میں شور ہے نہ کوئی تکلیف۔☆۲۳

بنتِ صدیق آرام جانِ نبی اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام
جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اوپر تہمت لگی اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں آپؓ کی برأت

D:NaatRang-18
File: aziz ahsan
Final

کا اعلان فرما دیا اور آپؓ کے دولت کدے میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتے تھے:

شمع تابانِ کاشانۂ اجتہاد مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہادی نظائر کی طرف اشارہ ہے:

وہ عمرؓ جس کے اعدا پہ شیدا سقر اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا، ''جس نے عمرؓ سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے عمرؓ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔'' اس حدیث کی روشنی میں ہی اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ عمرؓ کے دشمن پر 'سقر' (جہنم) عاشق ہے۔

زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام

درِ منثور قرآں کی سلک بھی زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

یہ تمام اشعار حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ کی منقبت میں ہیں۔ آپؓ کے مثل زہد و تقویٰ، فیاضی اور سخاوت و دریا دلی کا ذکر ہے کہ اسلام پر اپنی دولت نچھار کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ہی قرآنِ کریم کی ایک قرأت اور ایک طرزِ کتابت پر امت کو جمع کیا اور جامع القرآن کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو قمیص ہدایت اور خلافت کی پہنائی تھی، اس کو آپؓ نے مفسدین کے جبر کے باوجود نہیں اتارا اور شہادت قبول فرمائی، آپؓ نے جنت کا لباس زیبِ تن کیا اور اس طرح اپنے آقا و مولیٰ رسولِ اکرم ﷺ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عثمانؓ! ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص (قمیص، جبۂ خلافت) پہنائے تو اگر لوگ تم سے اس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم ان کی وجہ سے اس کو مت اتارنا۔'' (ترمذی) اور ابن ماجہ☆[۲۴] سلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت کے اشعار اسی مضمون میں پہلے درج کیے جاچکے ہیں۔

اس سلام کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کے سراپا مبارک

اور آپ ﷺ کی تعلیماتِ مقدسہ کو شعری متن بنایا اور اہتماماً صحابۂ کرامؓ، ازواجِ مطہرات، اولادِ امجاد وعترتِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اہلِ سنت والجماعت کے ہر مکتبۂ فکر اور فقہی مذہب کے بانی حضرات اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ اولیاے امت کی خدمت میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں، نیز فرمایا:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

اس طرح امام اہلِ سنت نے اپنی شاعری کا canvas قرآنی تعلیمات اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا کے زمانی اور مکانی پھیلاؤ سے ہم کنار کردیا ہے اور حبِ رسالت کے دائرۂ نور کو عہدِ نبوی سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے قلوب تک وسعت دے دی ہے، یوں ماہِ اسوۂ رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست روشنی حاصل کرنے والے ستاروں سے صراطِ ہدایت دیکھنے والی جماعت کی ہر عہد میں موجودگی کا احساس دلا کر دینِ متین کی ابدیت اور عشقِ سرکارِ ابد قرار ﷺ کا استمرار ادبی سطح پر روشن تر کردیا ہے۔

کیوں، جنابِ بوہریرہؓ! تھا وہ کیسا جامِ شیر جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ بھر گیا

اس شعر میں نبی اکرم ﷺ کے معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحابِ صفہ کے لیے حضور ﷺ کے گھر کا ایک پیالہ دودھ ۷۰ آدمیوں کے لیے نہ صرف کافی ہوگیا تھا بلکہ بھوک کی شدت کے باوجود وہ اتنے سیر ہوگئے تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی مزید ایک گھونٹ کی گنجائش اپنے شکم میں نہیں پائی۔ اصحابِ صفہؓ کی ناز برداریوں کا بھی یہ عجیب پہلو ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے چند اشعار بلاتبصرہ نقل کرتا ہوں:

شیخینؓ ادھر نثار غنیؓ و علیؓ ادھر غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمال گل

مولیٰ علیؓ نے واری تری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیقؓ بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

ہاں تو نے ان کو جان انھیں پھیر دی نماز پر وہ تو کرچکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

سعدین کا قران ہے پہلوے ماہ میں جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے

میں نے اختصار کے خیال سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے صرف چند الماس چن کی معنوی لمعات سے استفادہ کیا ہے۔

نعت حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے قلبی لگاؤ کا

D:NaatRang-18
File: aziz ahsan
Final

اشاریہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے مخلصین ملت سے عقیدت کا ملفوظی اظہار بھی (ہمارے عہد تک آتے آتے اظہارِ عقیدت بیشتر ملفوظی ہی رہ گیا ہے)۔ شاعری کی دنیا میں لفظ کی حرمت اپنی جگہ لیکن نبی المحترم ﷺ کے تمام اصحابؓ نے حضور ﷺ کی سچی اور پکی پیروی کو ہی معیارِ مدحت بنایا تھا۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ملفوظی مدحِ رسول ﷺ کے نمونے بھی سامنے رکھے اور ان نفوسِ قدسیہ کی اتباعِ سیّد الکونین ﷺ کے نقوش بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری عمل (Poetic Work) میں قلبِ مومن کی دھڑکن بھی سنائی دیتی ہے اور ایمانی حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جذبے کی صداقت بھی ضوریز ہے اور عقیدے اور عقیدت کے امتزاج کی جاوداں درخشندگی بھی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مدح رسول ﷺ میں اتباعِ رسول ﷺ کا ذکر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو صراطِ عمل دکھانے کے لیے سلسلبیلِ نور کا حکم رکھتا ہے۔ فیضیؔ نے اس خوش بختی پر اللہ ربّ العزت کا شکر ادا کیا ہے کہ وہ (فیضی) پیروِ اصحابِ رسول ﷺ ہے۔ میں اپنی بات فیضی کے اسی شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں:

صد شکر کہ ما پیروِ اصحابِ رسولیمؐ
در شرع دگر راہنما را نشناسیم

حوالے اور حواشی

☆۱۔ تفسیر مظہر، جلد ششم، صفحہ ۱۴۹، ناشر خزینۂ علم و ادب، لاہور
☆۲۔ ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۷۲۔۲۷۴
☆۳۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۲۳۲
☆۴۔ ایضاً جلد ۔۔۔ ص ۱۰۹
☆۵۔ نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی، مہر منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)، کراچی، ص ۹۸، نعت رنگ شمارہ: ۱۱
☆۶۔ علمِ بدیع سے میری واقفیت واجبی سی ہے، اس ضمن میں حدائقِ بخشش کا مقدمہ تر قیمہ شمس بریلوی اور ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی کی کتاب ''مقدمۃ الکلام عروض و قافیہ'' ملاحظہ فرمایئے...... (عزیز احسن)
☆۷۔ سیرِ عثمان غنیؓ، حکیم محمود احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۱۱۷۔۱۱۸ (بحوالہ صحیح بخاری)۔
☆۸۔ ایضاً ص ۱۱۷
☆۹۔ ''جامع الاحادیث'' مع افاداتِ مجددِ اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ، جلد رابع، مرکز اہلِ سنت برکاتِ رضا، پور بندر (گجرات)۔
☆۱۰۔ تفسیر مظہری، جلد گیارہ، ص ۲۵۱
☆۱۱۔ امیر المومنین سیّدنا علیؓ، حکیم محمد احمد ظفر، تخلیقات، لاہور، ص ۲۵۷
☆۱۲۔ ایضاً ۱۸۲

☆۱۳۔ سیرتِ عثمان غنیؓ، محولہ ۷، ص ۴۹۴
☆۱۴۔ بحوالہ نقوش "رسول ﷺ نمبر"، ص ۳۳۴، (ہشتم)
☆۱۵۔ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۶۲۷
☆۱۶۔ ایضاً، ۵۹۲
☆۱۷۔ تجرید بخاری شریف، قرآن محل، کراچی، جلد دوم، ص ۳۳۵
☆۱۸۔ تصفیہ مابین سنی و شیعہ، ص ۲، ۳، سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، بار دوم، گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد، ۱۹۹۳ء
☆۱۹۔ ایضاً، ص ۶، ۷
☆۲۰۔ امیر المومنین سیّدنا علی، ص ۴۱۴
☆۲۱۔ آیۂ تطہیر کے حوالے سے تفسیر مظہری، جلد نہم، ص ۲۵۶، ۲۵۷ نیز کتاب مطلب ہائے سخن رضا، ۳۵۷، ملاحظہ ہوں۔
☆۲۲۔ سخن رضا مطلب ہائے حدائقِ بخشش، مولانا صوفی محمد اول قادری رضوی سنبھلی، ص ۳۵۸
☆۲۳۔ ایضاً ۳۶۰
☆۲۴۔ ایضاً، ص ۳۷۳

پروفیسر قیصر نجفی (کراچی)

رضا بریلوی... بابِ تحیر کھولنے والا نعت گو شاعر

عربی زبان اپنی گوناگوں لسانی خصوصیات کی بنا پر دنیا کی اہم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اضافی بلکہ امتیازی خوبی یہ ہے کہ اسے خداے تعالیٰ نے اپنے کلام کے لیے انتخاب فرمایا۔ ہر چند دیگر آسمانی کتابیں اور صحیفے دوسری زبانوں میں ہیں، گویا بعض دوسری زبانیں بھی اللہ کی پسندیدہ رہی ہیں، تاہم عربی زبان کی اہمیت مسلم ہے۔ ایک تو اس زبان میں نازل ہونے والی کتاب منسوخ نہیں ہوئی ہے، دوسرے اس میں پیش کیا جانے والا کلام ایک 'چیلنج' کی حیثیت رکھتا ہے۔ سورۂ کوثر کا واقعہ اس تناظر میں ایک واضح مثال ہے۔ عربی زبان میں بہ یک وقت تفصیل و تصریح کا حسن بھی ہے اور ایجاز و اختصار کا جمال بھی۔ خصوصاً رمز و ایما میں اس اس زبان کا جواب نہیں ہے۔ بین السطور اظہارِ مدعا کی جتنی اس زبان میں صلاحیت ہے، وہ شاید ہی کسی اور زبان میں ہو۔ قرآن حکیم کی متعدد ایسی آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں اظہاریت میں وضاحت و صراحت کے بجاے رمزیت و ایمائیت کو ترجیح دی گئی ہے، اور یہی وہ مقامات ہیں، جہاں فکر و تدبر کو ناگزیر ٹھہرایا گیا ہے۔

قرآنِ مجید کا مختصر ترین الفاظ میں یہ تعارف ہے کہ یہ کتاب رب تعالیٰ کے احکامات سے عبارت ہے، البتہ ان احکامات کا کہیں واضح اور واشگاف الفاظ میں اعلان ہے اور کہیں اشارے کنایے اور تمثال و علامت کے ذریعے اظہار ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہر حکم بجا لانے کے لیے صادر ہوا ہے، جس کی عدم تعمیل یا عدولی جواب طلب ہے اور تعمیل و بجا آوری صلہ و جزا کی مستحق ہے۔ لیکن جواب طلبی کے خوف سے یا صلہ و جزا کے لالچ میں قادر مطلق کے احکامات ماننا ہمارے خیال میں قابلِ رشک نہیں ہے۔ غالب نے درجِ ذیل شعر میں

شاید ہمارے ہی موقف کی تائید کی ہے:

طاعت میں، تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ　　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

اس آیت میں رب العزت نے نہایت صاف اور غیرمبہم الفاظ میں سرکارﷺ پر درود بھیجنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور اس حکم کی مزید وضاحت اپنی اور ملائکہ کی مثالیں دے کر کی ہے۔ یعنی یہ وہ حکم ہے جس پر عمل کرنے کی ناگزیریت کی شدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انسانوں سے پہلے اس حکم کو رب العالمین نے خود پر اور اپنے فرشتوں پر بھی لاگو کر رکھا تھا۔ ہمارے خیال میں سرکارﷺ پر درود بھیجنے کا عمل نعت کی سب سے احسن صورت ہونے کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کا بنیادی محرک بھی ہے۔ اس تمام گفتگو سے ایک یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ نظم و نثر کی کسی بھی ہیئت میں نعت کی صورت گری کرنا گویا خدا کے حکم کی اطاعت کرنا ہے اور بلاشبہ اللہ کے کسی بھی حکم کی اطاعت، عبادت کا درجہ رکھتی ہے جب کہ عبادات کی انجام دہی حقوق اللہ کی ادائیگی کے زمرے میں آتی ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں فخر ومباہات کا اظہار ہمیشہ محلِ نظر رہا ہے۔افسوس کہ یہ بات نعت کے حوالے سے مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض شعرا نعت گوئی کو نہ صرف نام ونمود کا ذریعہ بنالیتے ہیں بلکہ اسے مادّی مفادات کے حصول کے لیے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ البتہ بعض ایسے شعرائے نعت بھی ہیں جو نعت گوئی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق گردان کر اسے عبادت تصور کرتے ہیں اور اس عبادت میں ان کا اخلاص قابلِ رشک ہے، اس حوالے سے حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کی مثال دی جاسکتی ہے۔

بعض انسان غیرمعمولی ہوتے ہیں اور اپنے دائرۂ عمل میں ابوابِ تحیر کھولنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مولانا احمد رضا بریلوی ایسے ہی انسانوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ وہ ایک عالمِ اجل اور شاعرِ بے بدل تھے۔ انھوں نے اپنی تمام تر علمی و ادبی صلاحیتوں کو حمد، نعت اور منقبت کے لیے وقف کر رکھا تھا جب کہ یہ تینوں اصنافِ سخن فکر ونظر کی انتہا درجے کی اصابت وصلابت کی متقاضی ہیں اور ہم بہ صد مسرت اعتراف کرتے ہیں کہ مولانا فکری ونظری اعتبار سے نہایت صائب رجحانات کے حامل تھے۔ کہنے کو تو ایک زمانہ حمد ونعت بھی کہہ رہا ہے اور سلام ومنقبت

بھی۔ لیکن ان اصناف کی حقیقی روح سے کون کس حد تک واقف ہے، یہ ایک الگ بحث ہے، جس کا یہ محل نہیں ہے۔ کیوں کہ زیرِ نظر مضمون کی غایت اولیٰ مولانا احمد رضا بریلوی کے نعتیہ مجموعے 'حدایق بخشش' کا تجزیہ ہے جو مدحیہ شاعری کا ایک معیار بن کر سامنے آیا ہے—

ہر چند مولانا اپنے عہد کی برگزیدہ ترین ہستیوں میں سے ایک تھے اور ان کی شخصیت کے ایک سے زیادہ پہلو لایقِ اعتنا تھے مگر ایک مداحِ ممدوحِ خدا کی حیثیت سے ان کی انفرادیت مسلم ہے۔ وہ ایک ایسے ثناخوانِ رسولِ مقبول ہیں جن کی ثناخوانی کا ہر رخ قصیدۂ سرکار ﷺ کلامِ مجید سے مربوط و ہم آہنگ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی نعتیہ فکر رسول شناسی کی وہ کلید ہے جو حضور پرنور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے متعلق تمام قرآنی اسرار و رموز کے قفل کھولتی ہے اور یہ ایک ایسی امتیازی شان ہے جو انھیں نہ صرف اپنے معاصرین بلکہ بعد میں آنے والے نعت گو شعرا پر بھی تقدم و فضیلت کا سزاوار ٹھہراتی ہے۔ یقیناً یہ اسلوب شاعرِ رسول حضرتِ حسانؓ کا تھا اور شاید اسی اسلوب کی بدولت مولانا کو سگِ حسانِ عرب کہلانے کی تشویق ہوئی:

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب

اردو نعت اردو شاعری کی ہم عمر ہے۔ جب سے اردو شعر کہا جا رہا ہے، نعت بھی کہی جارہی ہے مگر معدودے چند نعت گو شعرا ایسے ہیں جنھیں اربابِ نقد و نظر نے درخورِ اعتنا سمجھا ہے۔ ہمارے خیال میں حالی، اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کے بعد جس شاعر کے کلام پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے، وہ مولانا احمد رضا بریلوی ہیں۔ ہر چند ان کی نعت گوئی پر لکھنے والے قلم کاروں میں سے بیشتر ان کے معتقدین کے زمرے میں آتے ہیں، تاہم ہمیں یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں ہے کہ ان معتقدین میں اہلِ علم اور صاحب الرائے قلم کار بھی شامل ہیں— ہماری نظروں سے ایسی تحریریں بھی گزری ہیں جن میں مولانا کی نعتیہ شاعری کے بعض پہلوؤں کو نشانۂ ہدف بنایا گیا ہے، لیکن ان تمام پہلوؤں کا تعلق علم و فن سے زیادہ اعتقادات و عقاید سے ہے۔ ایسی تنقید کو ہم تحسین کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ البتہ جہاں تک ان کے کلام کی موضوعیت، معروضیت، رمزیت، غنائیت اور قدرتِ زبان و بیان کا تعلق ہے تو اہلِ علم کو تسلیم ہے کہ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مولانا کو بھی اپنی سخن وری کے ترفع کا بجاطور پر احساس تھا۔ ممکن ہے کوئی اسے شاعرانہ تعلّی پر محمول کرے، مگر ہم حقیقت بیانی قرار دیتے ہیں:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

آیئے ملکِ سخن کے اس تاجور کی شاہی کا ان کی اقلیمِ نعت 'حدایقِ بخشش' کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں۔ 'حدایقِ بخشش' بہ ظاہر نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے، مگر اس میں منقبت کے بھی عمدہ نمونے شامل ہیں۔ خاص کر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب قابلِ ذکر ہیں۔ اس مجموعے کی ایک تخصیص یہ ہے کہ اسے فارسی زبان میں کہی گئی نعتیہ منقبتی منظومات سے بھی آراستہ کیا گیا ہے اور دیگر کلام کی طرح ان میں بھی فکر وفن کے نقش ہائے رنگا رنگ کی بہ درجۂ اتم جلوہ گری ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر دو اصنافِ سخن میں ان کے آداب کے دائرے میں رہ کر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ خصوصاً نعت گوئی میں حمد اور نعت کی حدِ فاصل کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مولانا کا قرآن فہمی میں پایہ بہت بلند تھا، دوسرے علمِ حدیث پر انھیں دسترس حاصل تھی جب کہ تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ خدا و بندہ اور خالق ومخلوق کے ازلی و ابدی فرق کا بہت سے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ شعور رکھتے تھے، یہی سبب ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی مدح وثنا میں وہ کہیں بھی دیوانگیِ فکر کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض شعرا حضور ﷺ سے اپنے جذباتی لگاؤ اور وابستگی کے اظہار میں افراط وتفریط کی اس سطح پر پہنچ جاتے ہیں جہاں حمد ونعت کا معنوی فرق مٹ جاتا ہے، جب کہ دوسری طرف بعض شعرا اس حد تک حزم واحتیاط سے کام لیتے ہیں کہ تخفیف مقامِ رسالت کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن مولانا احمد رضا بریلوی جیسے فاضل مداح سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاں صورتِ حال یکسر مختلف ہے۔ ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ اگر وہ حمد میں نعت کا یا نعت میں حمد کا پہلو بھی نکالتے ہیں، تو خدا و بندہ اور خالق ومخلوق کے احساس کو مزید اجاگر کر دیتے ہیں:

یہی عرض ہے خالقِ ارض و سما، وہ رسول ہیں تیرے، میں بندہ ترا
مجھے ان کے جوار میں دے وہ جگہ کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب   یعنی محبوب و محبّ میں نہیں تیرا میرا

محمد برائے جنابِ الٰہی   جنابِ الٰہی برائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اگر ہم مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی کو تحفظ ناموسِ رسالت کی ایک کامگار کاوش کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ انھوں نے اپنے کلام میں بیک وقت مقامِ رسالت کا عرفان بھی بخشا ہے اور ان لوگوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے جو کسی بھی حوالے سے تنقیصِ رسالت کے مرتکب

ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کو اپنی سطحِ بشریت پر لاکر بزعمِ خود اللہ کے مقرب بنتے ہیں۔ مولانا کی محمد شناسی کا ذریعۂ قرآن ہے۔

ان کی نعت گوئی کی اساس اس آگہی پر رکھی ہے جو انھوں نے کتاب دانائی اور نسخۂ علم و حکمت سے حاصل کی ہے۔ یہ ان کی قرآن فہمی کا ثمرہ ہے کہ انھوں نے سرورِ کائنات کے جتنے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں، وہ ان صفات و خصوصیات کی تفسیر و تعبیر ہیں، جن کے واصف خدائے بزرگ و برتر ہیں۔ فی زمانہ حضورِ اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کے حوالے سے بحث و تمحیص کے در کھولنے کا رجحان عام ہے جس کے اصل محرک نجدی ہیں۔ یہ لوگ سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک خبر رساں یا پیغام بر سمجھتے ہیں، جو اپنی نجی زندگی میں بعینہٖ ان کی طرح کا ایک بندہ بشر تھا۔ وہ آں حضرت ﷺ کے ان خصائص کو ماننے سے گریزاں ہیں جو بشری پیکر میں ہونے کے باوصف خالق نے انھیں عطا کیے۔ نجدی رسولِ خدا ﷺ کو اپنی قوم قبیلے کا فرد گردان کر ان کے فوق الانسان ہونے کے امتیاز و شرف سے جس کم ظرفی سے صرفِ نظر کرتے ہیں، اس کی طرف مولانا نے کس دردمندی سے اشارہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی　　　　نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

خدا نے اپنے حبیب کو رحیم بھی کہا ہے اور رؤف بھی، علیم بھی کہا ہے اور علی بھی۔ حتیٰ کہ ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا ہے۔ اسی پر بس نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے سرکار کی ذاتِ گرامی کی یہاں تک تخصیص کردی ہے کہ ان کے قول کو اپنا قول، ان کے فعل کو اپنا فعل تسلیم کیا ہے۔ دنیا میں کون ایسا انسان ہے جس کو اللہ جل شانہ نے اپنی بعض صفات میں خود ہی شریک ٹھہرایا ہو اور اس کی ذات و شخصیت کو اتنی اہمیت دی ہو کہ قرآنِ حکیم میں اس کے شہر، قول اور جان کی قسم کھائی ہو:

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم.

ترجمہ: تمھارے پاس خود تم سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمھاری تکلیف بہت شاق گزری، تمھاری بھلائی کا وہ مشتاق ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

وما رمیت از رمیت ولکن اللہ رمیٰ.

ترجمہ: (اے میرے محبوب) کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔

لا اقسم بھٰذا البلد، وانت حل بھذا البلد.

ترجمہ: مجھے اس شہرِ مکہ کی قسم ہے، اس لیے کہ اے محبوب تو اس میں تشریف فرما ہے۔

وقیلہ یارب ان ھؤلآ قوم لایمون

ترجمہ: مجھے رسول(ﷺ) کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

لعمرک انھم لسفی سکرتھم یعمھون.

ترجمہ: (اے میرے محبوب) مجھے تیری جان کی قسم، یہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے متذکرہ بالا کلامِ الٰہی کے نور سے اپنے ابیات کو یوں منور کیا ہے:

وہ نامی کہ نامِ خدا نام تیرا رؤف و رحیم و علیم و علی ہے

وہ خدا نے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

'حدایقِ بخشش' میں نعتیہ مضامین و موضوعات کم از گلشنِ کشمیر نہیں۔ مولانا ایک صاحبِ عقل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ دل انسان بھی تھے اور عشقِ رسول ﷺ میں سرتا پا ڈوبے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے افکار و خیالات میں پاسبانیِ عقل کا بھی احساس ہوتا ہے اور دل کو تنہا چھوڑ دینے کا تاثر بھی ملتا ہے۔ البتہ نہ تو ان کی عقلی موشگافیاں بے قرینہ ہیں اور نہ ہی دلی وارداتیں بے سلیقہ ہیں۔ ہر فکر اور ہر خیال کسی نہ کسی سیاق سے مربوط ہے اور جس کی پرتیں کھولنے سے معارفِ قرآن، رموزِ حدیث وسنت، حقایقِ تاریخ اور جذباتِ عشقِ نبی ﷺ بالتصریح سامنے آجاتے ہیں:

ورفعنا لک و ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا
میرے سیاف کے خنجر سے تجھے باک نہیں چیر کر دیکھے کوئی آہ کلیجا تیرا
مومن ان کا کیا ہوا، اللہ اس کا ہوگیا کافر ان سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا
انت فیہم نے عدو کو بھی لیا دامن میں عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

D:NaatRang-18
File: Bab-e-Tahiyyur
Final

یاد گیسو ذکر حق سے آہ کر　　　دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا
ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں　　　واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت گوئی ان کی قدرتِ زبان کے شواہد بھی پیش کرتی ہے بلکہ زبان و بیان کے محاسن کی ان کے ہاں متحیر کن حد تک ارزانی ہے۔ شعری صنعتوں کے استعمال پر تو ان کی استادانہ گرفت ہے۔ ہمارے خیال میں شاید ہی ایسی کوئی صنعت ہوگی جس کے حسنِ استعمال کا نمونہ ان کے کلام میں موجود نہ ہو۔ ان کی جن صنعتوں اور محاسنِ شعری نے ہمارے ذہن و دل پر دیرپا اثر چھوڑا ہے، وہ درجِ ذیل ہیں:

۱۔مراعات النظیر، ۲۔صنعت تجنیس، ۳۔صنعت تضاد، ۴۔صنعت تلمیح، ۵۔الفاظ جمع، ۶۔تکرارِ لفظی، ۷۔لف ونشر، ۸۔موسیقیت، ۹۔محاورہ بندی، ۱۰۔ایجاز و اختصار، ۱۱۔ندرت و استحکامِ ردیف۔

لطف کی بات یہ ہے کہ محاسنِ شعری کی نمود میں مولانا کی شعوری کاوشیں کارفرما نہیں ہیں بلکہ تمام محاسن نے زبان و بیان پر ان کی بے پناہ قدرت کے باعث از خود نمو پائی ہے۔ اہلِ علم درج ذیل مثالوں کی روشنی میں شعری محاسن کے معیار و مرتبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں:

مراعات النظیر

ڈالیاں جھومتی ہیں رقص خوشی جوش پہ ہے　　　بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا　　　طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب

صنعتِ تجنیس

ابن زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے　　　بل بے اے منکر بے باک یہ زہرا تیرا

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

اے مدعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے　　　اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

تضاد

یہی ہے اصل عالم مادۂ ایجاد خلقت کا　　　یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا
دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم　　　دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

باعطا تم، شاہ تم، مختار تم بے نوا ہم، زار ہم، ناچار ہم

تلمیح

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص یوسفستاں ہے ہر اِک گوشۂ کنعانِ عرب

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

تکرارِ لفظی

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ ہر مہ مہِ بہار ہو ہر سال سالِ گل

ہے انھی کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

درِّ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوشاب ہوں یعنی تراب رہ گزرِ بوتراب ہوں

موسیقیت

اس میں زمزم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زمزم کی طرح کم کم نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں کسی کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہیں، وہ بیاں ہے جس میں بیاں نہیں

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روزِ جزا
دی ان کی رحمت نے صدا : یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

محاورہ بندی

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی تاروں نے ہزار دانت پیسے

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے گر ان کی رسائی ہے تو بات بن آئی ہے

ہُوا یہ آخر کہ ایک بجرا تموجِ بحرِ ہُو میں ابھرا
دنا کی گودی میں ان کو لے کر فنا نے لنگر اٹھا دیے ہیں

لف ونشر

دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی ہیں دُرِ عدن، لعلِ یمن مشک ختن، پھول

ندرت و استحکامِ ردیف

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج　　جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں
پوچھتے کیا ہو، عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں　　کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
بہرِ حق اے بحرِ رحمت اک نگاہ لطف بار　　تا بہ کے بے آب تڑپیں ماہیانِ سوختہ

ایجاز و اختصار

چاند شق ہوں، پیڑ بولیں، جانور سجدہ کریں　　بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

مولانا احمد رضا بریلوی کی قادر الکلامی صرف اردو تک ہی محدود نہیں ہے۔ فارسی، عربی اور ہندی پر بھی انھیں مکمل عبور حاصل ہے۔ شعر میں فارسی ہندی کی آمیزش کی روایت حضرت امیر خسروؒ سے چلی ہے۔ مولانا نے اس روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا ہے بلکہ اس میں انفرادیت بھی قائم کی ہے۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق نعت عربی، فارسی اور ہندی کا ایک نہایت خوب صورت امتزاج پیش کرتی ہے۔ اس نعت کی رواں بحر، غنائیت اور لفظیات کی ملائمت ذہن و قلب و روح کو بیک وقت مسخر کرتے ہیں۔ مولانا اس اچھوتے اور نرالے اسلوب شعر کے خود ہی موجد ہیں اور خود ہی خاتم۔

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دو سرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

'حدائقِ بخشش' میں یوں تو متعدد قابلِ ذکر منظومات ہیں لیکن نعتیہ سلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' خاصے کی چیز ہے۔ یہ سلام نعت گوئی کی ایک ایسی طرزِ نو سے متعارف کراتا ہے جس میں خیال، جذبہ اور لفظیات ایک اکائی بن کر کیف زا اور وجد آفرین کیفیات طاری کردیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں مولانا احمد رضا بریلوی اور کچھ بھی نہ لکھتے تو یہ سلام ان کی بخشش کے لیے کافی تھا:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہر چرخِ نبوت پہ روشن درود گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر نائب دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاج دارِ حرم نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام

'حدایقِ بخشش' میں لسان و عروض کے کچھ سہو بھی ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ادبی دیانت داری کا تقاضا ہے کہ ان کی بھی نشان دہی کردی جائے۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے اکثر اشعار میں 'پاؤں' کا لفظ بروزن 'فعلن' استعمال کیا ہے جب کہ اسے 'فعل' کے وزن پر باندھا جاتا ہے۔

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

'نظر' عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے پہلے دو حروف 'ن' اور 'ظ' بالفتح ہیں۔ مولانا نے درج ذیل شعر میں حرف 'ظ' بالجزم باندھا ہے۔ جس سے مصرع ساقط الوزن ہوگیا ہے۔

وہی نظر شہ میں زرنکو جو ہو ان کے عشق کے روبرو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے

ایک اور شعر میں انھوں نے عربی لفظ 'صفت' کی 'ف' کو ساکن کردیا ہے، حالاں کہ وہ بالفتح ہے۔

جسے تیری صفت نعال سے ملے دو نوالے نوال سے
وہ بنا کہ اس کے اگال سے بھری سلطنت کا اگال ہے

یہ شعر شاید کتابت کے تیر کا شکار ہوگیا ہے۔ ہمارے خیال میں مولانا نے 'نعال' جمع کے بجائے 'نعل' واحد استعمال کیا ہوگا۔

اسی طرح یہ شعر بھی شاید کتابت کے تیر سے مجروح ہوا ہے۔ مولانا نے 'ہوگیا' کے بجائے 'ہوگا' باندھا ہوگا۔

سنتا ہوں عشقِ شاہ میں دل ہوگیا خوں فشاں یارب یہ مژدہ سچ ہو مبارک ہو فالِ گل

پروفیسر ڈاکٹر غفور شاہ قاسم (میاں والی)

نایاب ہیں ہم

برصغیر پاک و ہند کا بشریاتی مطالعہ(Anthroplogical Study) اور نفسیاتی تجزیہ (Psycho Analysis) کیا جائے تو یہ ایمان افروز حقیقت واضح طور پر سامنے آئے گی کہ ادب، احترام، عقیدت اور ارادت یہاں کے لوگوں کے مزاج، افتاد اور اجتماعی لاشعور کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ برصغیر کے تمام نعت گو شعرا نے اسی طغیانِ عقیدت کو پوری سرشاری سے صنفِ نعت کے پیکر میں سمو دیا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ محسنِ انسانیت ﷺ سے محبت ہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جو اطاعتِ رسول ﷺ کا محرک بن جاتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو برصغیر میں دینِ مصطفوی ﷺ کی ترویج اور اشاعت میں اس صنفِ سخن نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔صنفِ نعت کا بالاستیعاب جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے نعت گو شعرا کی لکھی نعتوں کے ہر لفظ، ہر مصرع اور ہر شعر میں ذاتِ بابرکات ﷺ سے بے پایاں عقیدت اور گہری محبت کا ایمان پرور اظہار اور وجد آفریں تذکرہ موجود ہے۔ ریشم لفظ بننے والے اور زرِحرف اس دلآویز صنف کی نذر کردینے والے روشنی چکاں شعرا کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن بلامبالغہ اس فہرست میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (مولانا احمد رضا خاں) کا نام سب سے ممتاز اور نمایاں ہے۔ برصغیر کی نعتیہ شاعری میں وہ ایک رجحان ساز شاعر کی حیثیت سے زندۂ جاوید رہیں گے، انھوں نے برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ کے باطنی جذبات کو اپنی قلبی کیفیات سے ہم آہنگ اور مربوط کر کے صنفِ نعت کو نئے تخلیقی امکانات سے روشناس کرایا۔ انھوں نے اپنا سارا کمالِ فن نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا۔قلبی تطہیر، ذہنی طہارت، ایمان افروزی، مؤثر اظہار اور اعلیٰ معیار کی بدولت یہ نعتیں، نعتیہ ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنی ذات میں ایک پوری کائنات،نعت کا ایک

مکمل دبستان، ایک منفرد مکتبۂ فکر اور ایک زندہ تحریک تھے۔

بلا مبالغہ وہ کاروانِ نعت کے سالارِ اعظم، فکری امام اور روحانی مقتدا قرار دیے جاسکتے ہیں۔ عقیدت کے جذبات سے مملو اُن کی لکھی نعتیں، اُن کے شعری اختصاص کی مظہر ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ جذبۂ عشقِ رسول کے مختلف گوشے اور متنوع زاویے نہایت روانی اور برجستگی کے ساتھ اُن کی لکھی نعتوں میں سمٹتے چلے آئے ہیں۔ اگر ان نعتوں کا مطالعہ اُن کے اپنے پُرآشوب زمانے کے تناظر میں کیا جائے تو ان کی معنویت اور مؤثریت مزید نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے۔ جس دور میں انھوں نے اپنے اور برصغیر کے تمام مسلمانوں کے محبت بھرے جذبات کو نعتیہ قالب میں ڈھالنے کا آغاز کیا اُس دور میں سیاسی ابتری، معاشرتی بے چینی اور سیاسی اضطراب نقطۂ عروج کو چھو رہا تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی بیشتر قومی اور ملی تحریکوں نے اسی دور میں اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ان قومی اور ملّی تحریکوں کے پسِ پردہ دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری بھی ایک بڑے مؤثر عامل کے طور پر موجود رہی ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ کی نعتیہ شاعری جس دورِ ابتلا کی نمائندگی کا فریضہ سرانجام دیتی نظر آتی ہے، وہ دورِ تسکین اور توکل سے گزر کر بیدار کرنے اور متحرک کردینے کی منزل میں داخل ہوگیا تھا۔ اس دور کی نعتیہ شاعری میں جہاں، ماضی کی طرف مراجعت کا رویہ نمایاں ہے۔ وہیں حال پر غور وفکر اور مستقبل بینی کے رجحانات بھی نمایاں ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اسی دور میں آپ کی نعتیہ شاعری کو عوامی سطح پر پذیرائی ملی۔ آپ کی لکھی نعتیں منبر اور محراب کی زینت بنیں اور نعت خوانوں کی نوکِ زباں پر آئیں۔ آپ کی لکھی نعتوں کے ثمرات اور حاصلات یہ ہیں کہ آپ نے برصغیر کے ہر مسلمان کو حضورِ اکرم ﷺ کے درِ عطا سے وابستہ کردیا اور آپ ﷺ سے غلامی کے رشتوں کو استوار کردیا۔

تین جلدو پر مشتمل اعلیٰ حضرت کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''حدائقِ بخشش'' نہ صرف فکری اور موضوعاتی سطح پر خاصے کی چیز ہے بلکہ فنی حوالے سے بھی اس کا کوئی جواب نہیں۔ خیالات کی گہرائی اور گیرائی، وسعت اور پھیلاؤ، زبان کی روانی اور سلاست، تشبیہات و استعارات، لفظی و معنوی صنائع و بدائع ہر حوالے سے ''حدائقِ بخشش'' فن کا معجزہ اور سرچشمۂ فیض ہے۔ اُن کا یہ مجموعۂ کلام اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی زبان پر بھی اُن کے کامل عبور اور دسترس کی ناقابلِ تردید مثال ہے۔ مولانا کی پروازِ تخیل رفعتِ فکر اور قدرتِ کلام اُن کی لکھی نعت کے ہر شعر سے عیاں ہے۔ اُن کی نعت عشق محبت کا ترانہ ہے۔ علم اور فن کے جس معیار پر بھی اس کا تجزیہ کیا

جائے بلا مبالغہ یہ ہر معیار پر پوری اُترے گی۔ مفہوم اور معنی، زبان و بیان، فکر وفن، تاثیر اور تاثر کے حوالے سے جو گراں قدر نعتیہ ادب آپ نے تخلیق کیا ہے، اُس کا احاطہ کرنے کے لیے ایک مختصر تحریر کسی صورت کی کفایت نہیں کرتی۔

ممدوحِ کائنات ﷺ کے شمائل و فضائل کے بیشتر پہلوؤں کا آپ نے اپنی لکھی نعتوں میں احاطہ کرلینے کی کوشش کی ہے۔

راجا رشید محمود نے آپ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ:

> احمد رضا بریلویؒ نے سنگلاخ زمینوں میں مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے وہ پھول کھلائے ہیں، مفاہیم و معانی کے وہ باب وا کیے ہیں اور سادگی و پُرکاری کی وہ میناکاری کی ہے کہ ذوق اش اش کر اٹھتا ہے اور وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔ اُن کے ہاں فکر کی گہرائی ہے، جذبوں کی سچائی ہے، محاسن کی فراوانی ہے۔ انھوں نے قلب کی واردات کو صوت و آہنگ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجایش نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ برصغیر پاک و ہند کے سب سے مقبول اور محبوب نعت گو شاعر ہیں۔ اس خطے کا کوئی ایک بھی نعت خواں ایسا نہیں ہوگا جسے آپ کا نعتیہ کلام اور سلام ازبر نہیں ہوگا۔ اُن کے کلام کی نغمگی، غنائیت، موسیقیت اور ترنم، نعت خوانوں کے حافظے میں محفوظ ہوجانے کی صفت سے متصف ہے۔ یوں تو اُن کے کلام کا فکری اور فنی تجزیہ کرتے ہوئے بہت سی موزوں مثالیں دی جاسکتی ہیں لیکن اس تحریر میں ہم اُن کے کچھ شعروں کے حوالے سے سراپا نگاری کی خوبی کو اجاگر کرنا چاہیں گے۔ شعر دیکھیے:

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول　　لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی　　ہیں دُرِّ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول

آپ دیکھیں گے کہ عقیدت و محبت کے اس بحرِ بے کراں میں ادب و احترام کا دامن ہاتھوں سے کہیں بھی نہیں چھوٹا۔ آپؒ کو اس کائنات میں جو حسن و خوبی دکھائی دیتی ہے، آپ اسے سرکارِ مدینہ ﷺ کے حسن و جمال کا فیضان خیال کرتے ہیں۔ ہم آپ کی لکھی ہوئی نعتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ آپ کی بے پایاں عقیدت اور گہری محبت کا بحرِ اظہار صنفِ نعت کے کناروں میں سمٹ نہیں پاتا۔ آپ اپنی لکھی نعتوں کو دل کی آواز، اپنا سرمایۂ ایمان

اور ذریعۂ نجاتِ اُخروی خیال کرتے ہیں۔ اور اسی جذبے نے آپ کے نام اور کام کو ابدیت آشنا کردیا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری کا احاطہ کرتے ہوئے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

> کسی ایک نعت گو شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی، عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک مؤثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔

دنیاے عرب سے دیارِ عجم تک پھیلی نعتیہ شاعری کی تاریخ میں ایک نام جو سب سے بڑا حوالہ ہے، وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام ہی ہے۔ آپ کی پیدایش سے کئی سال پہلے شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ محسن کاکوروی نے اس آرزو کا اظہار کیا تھا کہ:

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی ۔۔۔ نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

اپنے حوالے سے ان کی یہ آرزو اور تمنا بارآور ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، لیکن ان کی یہ دعا امامِ نعت گویاں احمد رضا خاں بریلویؒ کی صورت میں ضرور پوری ہوگئی۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت نے اپنے آپ کو تمام عمر ثنائے خواجہ ﷺ کے لیے وقف کیے رکھا۔ آپ کی شخصیت کے لیے یہی اعزاز و افتخار کافی ہے۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ احمد رضا خاں بریلویؒ کی شعری اور نثری تخلیقات کا اُفقی اور عمودی تجزیہ کیا جائے۔ رضا شناسی / رضا فہمی کو عام کیا جائے تاکہ ملتِ اسلامیہ عصری آشوب سے نجات حاصل کرسکے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کے حوالے سے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے، انھیں یہاں اقتباس کرنا نہایت برمحل ہوگا۔ رقم طراز ہیں:

> مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علمی، دینی، اصلاحی، سیاسی اور معاشرتی کارہاے نمایاں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ ایک مضمون میں ممکن نہیں۔ اور پھر یہ فردِ واحد کے بس کی بات بھی نہیں کہ وہ مولانا کے آثارِ قلم کا مکمل

sub: naat rang
File:ghafoor
Final

طور پر احاطہ کر سکے، یہ تو اداروں کا کام ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا نثری اور شعری اثاثہ (Geometrically) یعنی (2, 4, 8, 16, 32, 64) کے انداز سے پھیلتا چلا گیا ہے جب کہ ان کی تفہیم اور تحسین کا کام (Mathematically) یعنی (1, 2, 3, 4, 5, 6, 7, 8) کی ترتیب سے سرانجام دیا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر کام کا فکری اور فنی تجزیہ صاحبانِ نقد و تحقیق پر دائمی قرض کی صورت موجود ہے۔ ان جیسی کثیر المطالعہ، کثیر التصانیف اور کثیر الجہات شخصیت (جو کہ اپنی ذات میں قاموس العلوم کی حیثیت رکھتی ہے) کو از سرِ نو دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ مصرع انھی کے بارے میں کہا تھا کہ:

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

☆

ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی (عارف والا)

مولانا احمد رضا خاں کی میلاد نگاری

مولانا احمد رضا خاں ۱۴/جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اُنھوں نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے حاصل کی۔ حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی کے دستِ مبارک پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ پیرومرشد نے انھیں سلاسل کی اجازت و خلافت عطا کی۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں پہلی بار حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مرتبہ ۱۳۲۳ھ میں اس سعادت سے نوازے گئے۔ ۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی میں وفات پائی۔ مولانا موصوف معقولات و منقولات کے فاضل اور اپنے دور کے عظیم عبقری تھے۔ ان کا ترجمہ قرآن مجید میں 'کنز الایمان' اُردو تراجم میں اپنی مثال آپ ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی اُردو، فارسی اور عربی زبانوں کے انشا پرداز، خطیب، واعظ، مناظر، فقیہہ، محدث، مفکر، مفسر، مصنف اور مولف تھے۔ شاعری میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے تقریباً تمام علوم میں علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

'تجلی الیقین مع تمہید ایمان' ان کا میلاد نامہ ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۸۸۵ء ہے۔ اور ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میلاد نامے میں آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی ﷺ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ سیّدالمرسلین اور خاتم النّبیین ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کی ولادت مقدسہ سے لے کر فتح مکہ تک کے تمام حالات و فضائل پوری وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میلاد نبی کریم ﷺ سے متعلق بھی تمام احادیث و آیات جمع کی گئی ہیں۔ اس میلاد نامے میں چار باب ہیں اور ہر باب کا نام ہیکل تجویز کیا گیا ہے۔

ہیکل اوّل میں آیاتِ جلیلہ ہیکل دوم میں احادیث جمیلہ کا بیان ہے۔ ہیکل دوم کی تابش اوّل میں چند وحی ربانی، تابش دوم میں ارشاداتِ عالیہ نبی کریم ﷺ تابش سوم اور طرقِ

روایات حدیث تابش چہارم میں صحابہ کبارؓ کے آثار و اخبار اور اقوال علمائے کتب سابقہ مرقوم ہیں۔ ان سب روایات کو معتبر مستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اور حاشیہ میں ان تمام کتابوں کی وضاحت کردی گئی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے میلادِ نبوی ﷺ کے بیان میں نثر کے علاوہ اپنی میلادیہ ونعتیہ شاعری میں بھی جابجا اس موضوع کے حوالے سے کبھی نہ بجھ سکنے والے چراغ روشن کیے ہیں۔ محافل میلاد میں مولانا احمد رضا خاں کا قصیدہ نور ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور اس کے سینتالیس (۴۷) مطلع ہیں۔ صنائع بدائع، روزمرہ ومحاورات، زورِ بیاں و برجستگی اور سلاست و روانی اس قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ قصیدے کے مختلف اشعار:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا — سر جھکاتے ہیں، الٰہی بول بالا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اُٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے — حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(۱) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ دوم شبیر برادرز اُردو بازار۔ لاہور ۱۹۸۸ء، ص۲۔۳

مولانا احمد رضا خاں نے نبی کریم ﷺ کے میلادِ اقدس کا جشن مناتے ہوئے اپنے اسی متذکرہ بالا قصیدہ میں ایک لحاظ سے قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین کی تفسیر بیان کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سراپا مطہرہ کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا — دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا
مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا — او سیاہ کارو! مبارک ہو قبالہ نور کا
آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینا نور کا — مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
شمعِ دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
وضع واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا — یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
سرمگیں آنکھیں حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال — ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص — کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

(۲) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص ۳۔۴

میلادِ مصطفوی ﷺ کے پاکیزہ اور مقدس موضوع پر سخن آزمائی کرتے ہوئے شاعر کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی عظیم شخصیت بھی ہوتی ہے۔ آدم سے لے کر بے شمار انبیا نے نبی کریم ﷺ کے نام اقدس کے وسیلے سے اپنے درپیش مصائب و آلام سے رہائی پائی۔ مولانا احمد رضا خاں اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کنز مکتومِ ازل میں درِّ مکنونِ خدا ہو
سب سے اوّل سب سے آخر ابتدا ہو انتہا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم اصل مقصودِ ہدیٰ ہو
سب بشارت کی اذاں تھے تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے تم موخر مبتدا ہو
قربِ حق کی منزلیں تھے تم سفر کا منتہا ہو
سب تمھارے آگے شافع تم حضورِ کبریا ہو

(۳) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص ۳۔۴

شاعر میلادِ النبی ﷺ کا چرچا کرنا اور اس کی اس قدر دھوم مچانا چاہتے کہ فرش سے لے کر عرش تک غلغلے بلند ہوجائیں اور وہ اس سلسلہ میں کسی مصلحت گوشی کے روادار نہیں ہیں۔ میلاد کے تذکار کو عام کرنے کے لیے مدحت سرائی کا انداز دیکھیے:

آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا کی دھوم مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

(۴) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ اوّل، ص ۵۶

نبی کریم ﷺ کی بشارت ایک یہودی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا۔ یہ ستارہ نبی کی پیدائش پر طلوع ہوتا ہے اور اب انبیا میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ ان سعادتوں کے حوالے سے مولانا احمد رضا خاں یوں مدحت سرا ہیں:

بزم آخر کا شمعِ فروزاں ہوا نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس　　　　ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں　　　　شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے　　　　ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی

(۵) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ اول ص۴۹۔۵۰

رضا بریلوی نے میلادِ مصطفوی ﷺ کے بیان میں شریعت کے تقاضوں کی پاس داری کی تو اسے شہرت دوام اور قبولیت عام نصیب ہوئی۔ اُنھوں نے میلادالنبی ﷺ کا جہاں بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں ان کی شعری انفرادیت اور ندرت خیال، دل کش انداز سے جھلکتی ہے۔ میلاد کے دن کی عظمت و جلالت کے اظہار میں بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں:

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا　　　　تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا　　　　تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

(۶) 'حدائق بخشش' کامل، حصہ اول ص ۱۷

رضا بریلوی کا قصیدہ معراجیہ ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں قربِ الٰہی زمان و مکاں اور اطراف و حدود کے تعینات اور معراج کے مشاہدات رسالت مآب ﷺ کا مترنم اور نشاطیہ آہنگ میں بیان ہے۔ اس میں روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی ان کی جودت و جدت طبع کی آئینہ دار ہیں۔ چند شعر درج ذیل ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہماں لیے ہوئے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے
تجلّی حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر، کھڑے سلامی کے واسطے تھے
یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا، نکھار ہر شے کا ہورہا تھا
نجوم و افلاک، جام و مینا، اُجالتے تھے، کھنگالتے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت اُبھارتے تھے

(۲) 'حدایق بخشش' کامل، حصہ دوم، ص۸۶ تا ۹۱

میلاد میں ادب و احترام سے کھڑے ہوکر سلام پڑھنا اس مقدس محفل کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔ میلاد نگاروں اور باکمال شعرا نے سلام لکھتے وقت اظہارِ عقیدت و محبت کی صحیح ترجمانی کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں اور ان سلاموں میں بعض تو اس قدر زبان زد خاص و عام ہوگئے ہیں کہ قریباً ہر ذی شعور ان سے بخوبی واقف ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا سلام اُردو زبان کا سب سے زیادہ مقبول سلام ہے۔ یہ سلام ۱۶۷ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کو اتنی شہرت ملی ہے کہ میلاد کی محفلوں، نعت خوانی کے علاوہ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والی مساجد میں تمام اہم تقریبات پر بالخصوص اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد بالعموم اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں کے مشتمل برسراپائے اطہر میں نبی کریم ﷺ سے عقیدت و محبت اور شیفتگی و وابستگی کی شدت کا اظہار، زورِ بیاں میں علمی وجاہت، مثنوی کی سی روانی اور قصیدوں کا سا شکوہ، ان کی شعری استعداد اور فنی مہارت کا بین ثبوت ہیں۔ سلام کا ہر شعر موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا سراپا اور عہدِ طفولیت سے لے کر عہدِ نبوت تک کا نقشہ ایسے دل پذیر انداز میں کھینچا ہے کہ آپ ﷺ کی پوری سیرتِ مقدسہ سامنے آجاتی ہے۔ سلام کے چند مشہور شعر ملاحظہ ہوں:

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی — ان بھووٗں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا — اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود — اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود — ختم دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رفعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

D:NaatRang-18
File: Muzafar
Final

(۸) 'حدائق بخشش' (مرتبہ: شمس بریلوی) ص۴۳۲۔۴۵۳۔۴۵۴

پہلے شعر میں جانِ رحمت اور شمع بزمِ ہدایت کی ترکیبیں اسرار و معانی کے خزانے ہیں، چھٹے شعر میں فتحِ باب نبوت اور ختم دورِ رسالت کے الفاظ سے نبوت و رسالت کی پوری تاریخ واضح طور پر بیان کردی ہے۔ ساتویں شعر میں نائب دست قدرت ہونے کے ثبوت میں رجعت شمس اور شق القمر کے مشہور معجزات کی نشان دہی کرکے حجت تمام کردی ہے۔ درج ذیل اشعار میں سراپائے مبارک کی چند جھلکیاں زورِ بیان کے ساتھ دیکھیے:

قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت　　ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
(سایۂ رحمت)

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں　　اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
(قدِ مبارک)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں　　اس سرِتاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام
(فرق اقدس)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا　　لکۂ ابر رافت پہ لاکھوں سلام
(گیسوئے مُبارک)

لخت لختِ دلِ ہر جگہ چاک سے　　شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام
(شانہ مبارک)

لیلۃ القدر میں مطلع الفجرِ حق　　مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(مانگ)

(۹) 'حدائق بخشش' (مرتبہ: شمس بریلوی) متفرق صفحات ۴۳۲ تا ۴۴۶

مولانا کفایت علی کافی اور کئی دیگر میلاد نگاروں نے اس کی تقلید میں سلام لکھے ہیں۔ کافی کے سلام میں بھی مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا رنگِ شاعری جھلکتا ہے۔ اُنھوں نے بھی نبی کریم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

خاص محبوب خدا ختمِ رسالت پر سلام　　عین رحمت شافعِ روزِ قیامت پر سلام

مبتدا صلِ علیٰ چینِ جبینِ باصفا　　نور کی دریاے امواجِ لطافت پر سلام

چشم پر ابرو بعینہ مدہے سورہ صاد کا　　دونوں ابروئے مُبارک کی شہادت پر سلام

مصحفِ رخسار حضرت مظہرِ انوارِ غیب روے قدسی مطلعِ صبحِ صداقت پر سلام

(۱۰) دیوانی کافی (مولانا کفایت علی کافی) ص۳۲

مولانا کافی کے سلام میں قافیہ وموضوع کی یک سانیت کے باوجود تقابلی جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا سلام فکری وفنی لحاظ سے کہیں زیادہ موثر ہے جس میں اسرارِ معرفت کے لاتعداد گہرے گراں مایہ بہے چلے آرہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے قصیدہ میلادیہ 'معراجیہ اور سلام کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے نظم ونثر کے شاہ کاروں میں سوزِ عشق ومحبت اوج کمال پر ہے جو ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے اُنھوں نے پیش کیے ہیں۔ ان کے محرکات وعوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات و باطنی رجحانات پر مشتمل ہے۔ مولانا کے اس جذبہ صادق کے بارے میں نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

> احمد رضا خاں بریلوی کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے، وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں۔

(ماہنامہ 'ترجمانِ اہلِ سنت'، کراچی، نومبر۔دسمبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۸)

حافظ احسان الحق نے اپنے حج وزیارت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> مدینہ منورہ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا سلام وہاں کی محافل میلاد میں بڑی عقیدت سے پڑھا اور سُنا جاتا ہے۔

(ماہ نامہ 'رضائے مصطفےٰ ﷺ' گوجرانوالہ، اپریل ۱۹۱۷ء، ص۳)

مولانا احمد رضا خاں کی میلادیہ ونعتیہ توصیف رسول ﷺ کا ہمیشہ زندہ رہنے والا مجموعہ ہے۔

(ماہ نامہ 'کنزالایمان' لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص۴)

ان کے اشعار میں شوکت الفاظ 'معنی آفرینی، ندرتِ بیان، عجز وفروتنی اور وفورِ عقیدت کی جگمگاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے واردات قلبی کو شعر کی زبان بخشی ہے اور ان جذبات کے اظہار کی بے ساختگی بھی جابجا نظر آتی ہے۔

D:NaatRang-18
File: Muzafar
Final

مولانا احمد رضا خاں کی ایک تقریر جو میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ہے، 'المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ' کے نام سے دوبار چھپی ہے۔ اس میں مولانا نے نبی کریم ﷺ کے میلاد کے حالات و واقعات مدلل اور مفصل انداز سے بیان کیے ہیں۔ آخر میں سلام دیا گیا ہے۔ اس تقریر کی اشاعت سیّد ایوب علی رضوی کی فرمائش پر ہوئی۔ اس کی ضخامت ۳۲ صفحات ہے۔

'المیلاد والنبویہ فی الالفاظ الرضویہ' (احمد رضا خاں بریلوی) مرکزی رضوی کتب خانہ، تاج پورہ، لاہور

پروفیسر محمد فیروز شاہ (میاں والی)

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی نعتیہ شاعری

نعت... درِ حبیب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے!

عشقِ رسول ﷺ کے پھول جن دلوں میں کھلتے ہیں ان کے لبوں پر سدابہار حرفوں کا نکھار جاگ اُٹھتا ہے۔ اور ان کے ذہنوں اور لفظوں میں جاوداں جذبوں کی مہک بکھرنے لگتی ہے۔ سچی چاہتوں کی خوش بو سے مملو ایک باوضو آرزو جن کے ارادوں اور عملوں میں پرفشاں ہوتی ہے، ان کی پروازِ فکر عرش کی رفعتوں کو چھونے لگتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ سرکارِ کائنات ﷺ سے والہانہ وابستگیوں کی عطائیں ہیں کہ فرش نشینوں کو عرش کے مکینوں کا ہم پلہ بنا دیتی ہیں بلکہ عشق و عقیدت کی یہ گلاب رُتیں فرشیوں کو عرشیوں سے برتر ثابت کر دیتی ہیں۔ جب آقائے کائنات ﷺ کعبؓ بن زہیر کو اپنی ردائے مبارک عطا فرماتے ہیں یا جب منبرِ رسول ﷺ حسان بن ثابتؓ کی نعتوں سے گونجتا ہے تو ایک زمانہ بلکہ ہر زمانہ ان کا فسانہ خواں ہوجاتا ہے کہ لاریب جو اُن ﷺ کے غلام ہوجاتے ہیں وہ زمانے کے امام ہوجاتے ہیں... جن کے در سے روشنی کی خیرات ملتی ہے اور جس دربار سے خوش بو کو نکھار ملتا ہے۔ موسموں کو اذنِ بہار عطا ہوتا ہے اور جس سرکار سے انسانیت کو شرف و وقار ملتا ہے۔ اس کی توصیف و تعریف ہر کسی کے بس کی بات بھی نہیں... بے شک... ''یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے... یہ بڑے نصیب کی بات ہے''۔ جن کے نصیب کو نعت گوئی کی سعادت نصیب ہوتی ہے ان کا نصیبہ کھل جاتا ہے... ہاں! مگر یہ اذنِ سرکار ﷺ کے بغیر ممکن نہیں کہ نعت لکھی جاتی ہی نہیں جب تلک آرزو بھی نہ ہو باوضو... عقیدہ جب عقیدت کے زم زم سے وضو کرتا ہے تو محبت کا قرینہ نعت کے خزینہ تک رسائی کا راستہ روشن کر دیتا ہے اور نگاہیں سبز گنبد کی ابدالآباد روشنی سے شاد ہو اٹھتی ہیں۔ یہ رسائی عشق کی توانائی سے کمک لے کر

جاوداں دانائی کی سرمدی بستیوں سے آشنائی کا راز آشکارا کر دیتی ہے... یہی وہ مقامِ اولیٰ ہے جہاں دلوں میں دھڑکتے راز جاودانی کے اعزاز سے سرفراز ہوتے ہیں اور قلمِ صادق محبتوں کا علم بن جاتا ہے اور عشق کی روشنی میں گندھی روشنائی میں ڈوب کر اُبھرتا ہے تو سینۂ قرطاس پر نور و سرور کی کہکشاں آراستہ کر دیتا ہے۔ لفظ خوش بو دینے لگتے ہیں اور جذبے فجر کے سہانے اجر کی طرح اندھیرے آنگنوں میں تازہ کارکرنوں کی سوغاتیں بانٹنے لگتے ہیں... یہ عشق کے کرشمے ہیں جو فقط اہلِ دل کا مقدر بنتے ہیں... درِ محبوب ﷺ پر پلکوں سے دستک دینے کی سعادت سے بڑھ کر اور بشارت کیا ہوتی ہے یہ اور بات کہ نویدِ سعید نصیب کس کو ہوتی ہے... یقیناً فقط اہلِ نصیب کو۔ اور نصیب سچی نسبتوں سے بنا کرتا ہے۔ نسبتیں بڑی لجپال ہوتی ہیں۔ خود سے وابستہ لوگوں اور لمحوں کو مرنے نہیں دیتیں... امر کر دیتی ہیں... آقائے دوجہاں ﷺ کی غلامی سے منسوب ہو کر لفظ لمحے اور لوگ زمانے بلکہ زمانوں کے محبوب ہوگئے... برس ہا برس گزر گئے لیکن مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی کی نعت گوئی کے چرچے ایک عالم کی زبان پر اب بھی ہیں اور عشقِ رسول ﷺ کی لجپال روایتوں کے صدقے ابد تک اس اعزازے اُن کا نام سرفراز رہے گا کہ حضرت حسانؓ کی پیروی کرنے والے ہر خوش بخت کو تاابد یہ پایۂ تخت مقدر ہوگا! ڈاکٹر ابواللیث صدیقی 'لکھنؤ کا دبستانِ شاعری' میں لکھتے ہیں:

نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار ملے گی بھی یا نہیں۔ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اُڑنے والے کا مقام یہ ہونا چاہیے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے۔ (ص۴۹۷)

ڈاکٹر صاحب کی بات بالکل درست مگر یہ کامیابی عشقِ صادق کی ہم رکابی کے بغیر ممکن نہیں... آسمانوں اور اُڑانوں کی قوت و صلاحیت جولانیِ عشق اور اس کے صلے میں درِ محبوب ﷺ سے اذنِ باریابی کی بدولت ہی ممکن ہے اور اسی لیے میں عشقِ رسول ﷺ کو کائنات کی سب سے بڑی دولت گردانتا ہوں۔ مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی ثروتِ عشق سے مالا مال تھے اس لیے ان کی نعتوں میں صدائے حسانؓ کی عظیم الشان بازگشت ملتی ہے:

توشہ میں غم و عشق کا ساماں بس ہے — افغاں دلِ زارِ حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو — نقشِ قدم حضرت حسانؓ بس ہے

اور بلاشبہ یہ حضرت حسانؓ کے نقشِ قدم کو سرمۂ چشم اور روشنائیِ قلم بنا لینے ہی کا ثمرِ شیرینی تھا کہ

آپؒ نے بجا طور پر تحدیثِ نعمت کے لیے کہا:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو، سکّے بٹھا دیے ہیں

اس حقیقت میں شک کی گنجائش ہی نہیں کہ ان کے 'بٹھائے ہوئے سکّے' اب تا قیامت سکّہ رائج الوقت رہیں گے۔ زیرِنظر تحریر میں اعلیٰ حضرتؒ کی نعتیہ شاعری کی ممتاز خصوصیات کے حوالے سے اُجالے رقم کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔

عشقِ رسول ﷺ آپؒ کی شاعری اور زندگی کا لازمہ تھا۔ آپؒ نے عشق کی سرشاریوں سے زندگی کو تابندگی اور پائندگی سے ہم کنار کر دیا۔ یہی آپؒ کی نعتیہ شاعری کا جوازِ امتیاز بھی ٹھہرا:

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

صبا ہے مجھے صرصرِ دشت طیبہ اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا حضورِ خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
کروں مدحِ اہلِ دول رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

عشق کے سرمست موسموں میں پائے محبوب پر سر رکھ کر زندگی قربان کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ محبوب کی یاد سے آباد دل کوئے محبوب سے آتی صرصر کو بھی صبا سمجھتے ہیں اور اس کے پیزاروں سے جھڑنے والے ذرّۂ خاک کو برترِ افلاک جانتے ہیں... کہ مدحِ محبوب ان کی حیاتِ فانی کے لیے نسخۂ جاودانی ہے اور یہ سرمدی راز اعلیٰ حضرت کے نعتیہ اشعار میں اعزاز کی طرح سرفراز ہے! شاعری رنگِ تغزل سے حسن و خوبی پاتی ہے۔ رمز و ایمائیت اور خوب روئیِ الفاظ مصرعوں اور شعروں کو دلوں میں اُترنے کی راہ دکھاتے ہیں۔ یہ شعری کلید تخلیقی عمل کی دنیا میں کامرانی کی نوید عطا کرتی ہے... اعلیٰ حضرتؒ کا کمالِ فن یہ ہے کہ انھوں نے تقاضائے نعت... ادب و احترام... کو مدِنظر رکھتے ہوئے بھی رنگِ تغزل کو زندہ تر کیا ہے:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینا　　مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دلھن پھول
یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں ہم کو　　پھر دکھا دے وہ رُخِ مہرِ فروزاں ہم کو

جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا! ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

ان کے نثار، کوئی کیسے ہی رنج میں ہو　　جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں　　تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
نصیبِ دوستاں گران کے در پر موت آتی ہے　　خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

انھی کی بو مایۂ سمن ہے انھی کا جلوہ چمن چمن ہے
انھی سے گلشن مہک رہے ہیں انھی کی رنگت گلاب میں ہے
وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے
وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

سلاست و روانی تخلیقی جولانی کا اہم وصف ہے۔کمالِ فن کی معتبر گواہی ہے۔ علامہ سیماب اکبرآبادی نے اپنے ایک خطبے میں کہا تھا،''شاعری جوئے رواں کی مثل ہے۔ الفاظ کی خوب صورت بندش ایسی ہونی چاہیے کہ پڑھنے سننے والوں کو سلاستِ زباں اور حسنِ بیاں کی تاثیر اپنی گرفت میں لے لے۔''...اگرچہ ایسی شاعری کم ہی نظر آتی ہے عموماً تو کلام موزوں پر شعوری گرفت کے کرشمے ہی دکھائے جاتے ہیں اور یہ کہ شعر کی راسیں اپنے ہاتھ میں رکھنے کے جنون میں شعرائے کرام شستگی اور روانی ایسے اعلیٰ اوصاف سے لاپروا رہتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ رواں زباں تاثیر و تاثر کے آسماں پر چاند کی طرح چمکتی ہے اور اس کی چاندنی دلوں کے آنگنوں میں اُترتی چلی جاتی ہے اور پھر صنفِ نعت میں تو یہ خوبی سراسر عطا ہوا کرتی ہے۔عشقِ رسول ﷺ کی وابستگی جس قدر مضبوط و مربوط ہوگی اتنا ہی نعتیہ شاعری دلوں سے دلوں تک سفر کرتے

جذبوں کو زبان دینے میں مہارت و سلاست کی سفیر ہوگی۔ مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی کی لکھی نعتیں میرے موقف کی واضح ترین دلیلیں ہیں۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا و والا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رُسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
میرے کریم سے گر، قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں
رشکِ قمر ہوں رنگِ رُخِ آفتاب ہوں ذرّہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان! سہرا نور کا تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانا نور کا

سرکارِ دوجہاں کی روشن رعنائیوں سے مستنیر ہوکر انسانیت بقعۂ نور بن گئی۔ دم توڑتی اخلاقی قدروں کا زوال ایک زندہ و سربلند تہذیب کے جمال سے ہم کنار ہوکر لازوال ہوگیا۔ خزاں کا تسلط ختم ہوا، بہاروں کے قافلے اُترنے لگے۔ روشنیوں اور رنگوں سے کائنات آباد ہونے لگی۔ تمدن کے اطوار سرفرازِ حیات کے انوار سے سرشار ہوگئے۔ نفرتیں محبتوں میں بدل گئیں۔ شرفِ آدمیّت عکس پذیر ہوا اور آسمان نے زمین کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے اپنے آفتاب و ماہتاب کی تمام صباحتیں دھرتی پر اُتار دیں۔ آقائے کائنات ﷺ نے زندگی کو ابدیت اور سرمدیت کی تابندگی عطا فرمائی تو زمانہ بلکہ زمانے ان کے ترانے گانے لگے۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی نعتیہ شاعری ہم عصر آگہی کے اسی نور و سرور سے مملو ہوکر چار دانگِ عالم میں خوش بو بانٹنے لگی۔ خوش بو میں بھی ایک روشنی ہوتی ہے اور روشنی کی اپنی ایک خوش بو ہوتی ہے۔ آج دنیا ایک معطر نور کے سرور میں مسرور اس نعتیہ شاعری سے مسحور ہو رہی ہے یہ عشقِ رسول ﷺ کا فیضان ہے۔ نادر تشبیہات و استعارات، سہلِ ممتنع، تلمیحات، محاکات اور منظر نگاری کی ایسی شان دار مثالیں ان کی شاعری میں جابجا بکھری ملتی ہیں جنھوں نے اسے شعری قیادت کے منصبِ عظمیٰ پر فائز کر دیا۔ صدقِ عشق ایسی ہی کامرانیاں عطا کیا کرتا ہے جن کی شادمانیاں دوام لمحوں کی جاودانیاں بن جایا کرتی ہیں:

ہے لبِ عیسیٰؑ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا

D:NaatRang-18
File: Feroz
Final

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے، ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جس سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل، یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے　　اسے بوکرترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں　　ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند　　سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر　　ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا
برقِ انگشتِ نبی ﷺ چمکی تھی اس پر اک بار　　آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا　　تم سا نہیں غم گسار آقا ﷺ!
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوے قمیص　　یوسفتاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا
در و دیں صورتِ ہالہ محیط ماہِ طیبہ ہیں
برستا اُمتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے
ابرِ نیساں مومنوں کو، تیغِ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں

اور پھر... بے پناہ حسنِ معانی کی آماج گاہ یہ شعر دیکھیے کہ جس میں اعلیٰ حضرتؒ کے تخلیقی کمال اور عشق کے جمال کی خوب صورت آمیخت سے کیسے دل نواز افکار عکس پذیر ہوئے ہیں:

حسنِ یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

صنعت تضاد کا شاہکار اپنے اندر معنویت کا ایک بے کراں سمندر آباد کیے ہوئے ہے۔

''وہاں کٹنے کا عمل ہے جو لاشعوری اور بے اختیاری ہے اور یہاں سر کٹانے کا رویہ ہے جو ارادتاً اور تمام تر محبت کے وفور سے ظہور پاتا ہے۔ اُدھر فقط انگلیوں کے لہولہو ہونے کا ذکر ہے اِدھر سر کٹا کر زندگی بھر کے نذرانے پیش کرنے کی سعادت ہے... شہادت کی بشارت ہے۔ اُس طرف حسن کو دیکھ کر حواس گم ہونے کی کیفیت تھی اس جانب فقط نام پر بھی جانیں لٹا دینے کا مقام آیا ہے۔ عظمتِ محبت کی کیسی بے مثال مثالیں ہیں کہ جو اس ایک ہی شعر میں بیان کر دی گئی ہیں۔''

(ماخوذ از 'حدائقِ بخشش') میں سمجھتا ہوں صرف یہی ایک شعر ہی کئی دواوین پر برتری کا پرِ سرخاب

رکھتا ہے اور مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی کی تو پوری شاعری ایسے جمیل اشعار کے تاثر سے مہکتی ہے۔ دراصل یہ رفعتِ فکر و شعر عطیۂ عشقِ رسول ﷺ ہیں بلکہ یہ سند ہے درِ محبوب ﷺ پر مقبول ہوجانے کی... اور جہانِ تخلیق میں ایسی زندۂ جاوید تصدیق اہلِ عشق ہی کو نصیب ہوا کرتی ہے اور اعلیٰ حضرتؒ تو امامِ عاشقانِ رسول ﷺ تھے!

رباعی کسی شاعر کا فنی تکملہ ہوا کرتی ہے۔ مہارتِ فن کی اشارت رباعی کی عبارت میں بین السطور چمکتی ہے تو شاعر تخلیقِ فن کے لمحوں سے سرخ رو ہو اُٹھتا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی رباعیاں نعتِ محبوب ﷺ کے کیف سے تخلیقی توانائیاں پاتی ہیں تو حرفوں میں سندر صبحوں کا جمال نکھر آتا ہے۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

زمانۂ قدیم میں خطِ توام رائج عام تھا۔ محبوب کو نامۂ محبت بھیجتے ہوئے کاغذ کے دو مختلف ٹکڑوں پر آدھے الفاظ اِدھر... آدھے اُدھر لکھے جاتے... پھر انھیں ملا کر پڑھا جاتا تو مفہوم مکمل ہوتا... اس منظر کو چشمِ تصور میں بیدار رکھیے اور یہ رباعی پڑھیے...!

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین اس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنینؓ
تمثیل نے اس سائے کے دو حصے کیے آدھے سے حسنؓ بنے ہیں آدھے سے حسینؓ!

حضرت حسنینؓ سرورِ دو جہاں ﷺ کے شبیہ و سراپا مبارک کا عکسِ حسیں تھے۔ اس حوالے سے حسنِ حضور ﷺ کے سرور کا شیدائی شاعر کس پُر اثر اسلوب میں ذکرِ محبوب ﷺ کر رہا ہے... یہ کسی اہلِ دل سے پوچھیے... یا پھر اعلیٰ حضرتؒ کی نعتیہ شاعری کے ایک اور اہم وصف شدتِ احساس اور خلوص و صداقت کو دھیان میں لا کر ان اشعار کا سچا گیان حاصل کیجیے جن کا ایک ایک حرف اور ایک اک مصرع اہلِ عشق کے لیے نصابِ زیست ثابت ہو رہا ہے۔

ممتاز نقاد اور محقق ڈاکٹر سلام سندیلوی 'انوارِ رضا' میں شامل اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں:

(زیرِ عنوان 'امام احمد رضاؒ کی مذہبی شاعری میں صداقت و خلوص')

ادب اور شاعری میں خلوص، اصلیت اور صداقت کی بڑی اہمیت ہے۔ امام احمد رضاؒ صاحب کی شاعری رسمی اور روایتی نہیں ہے... آپؒ حبِ رسول ﷺ میں غرق تھے۔ اس لیے آپ کی مذہبی شاعری میں صداقت موجود ہے۔

D:NaatRang-18
File: Feroz
Final

اسی طرح مقدمہ ''ارمغانِ حرم'' میں افتخار اعظمی لکھتے ہیں:

اُن (اعلیٰ حضرتؒ) کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ میں سمجھتا ہوں اخلاص و محبت کے احساس پر اساس رکھتا ہے۔ یہ وہ اساسی اثاثہ ہے جس نے اعلیٰ حضرتؒ کے لمحاتِ تخلیق کو ثروت مند کیا ہے۔ صادق عشق کی بوقلمونیاں ایک سچے شاعر اور عشق نصیب عالم کے اثرِ خامہ سے نوائے سروش بن کر پُرفشاں ہوتی ہیں تو ایسے عمدہ اشعار وجود میں آتے ہیں۔

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں　　　مانگتے تاج دار پھرتے ہیں
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے　　　غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری　　　فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تُو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہ ایسی پرتاثیر شاعری ہے جو دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے۔ اس کارنامۂ عظمیٰ میں جہاں ایک طرف فنی خلوص اور شدتِ احساس اور کمالِ فن اپنے اثرات دکھاتے ہیں وہاں دوسری جانب... بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں... سب سے اہم سبب مولانا احمد رضا خاںؒ کی وہ والہانہ وابستگی اور قلبی شیفتگی کے ثمراتِ شیریں ہیں جو درِ محبوب ﷺ سے مؤثر اور معتبر ترین اسلوب کی صورت میں انھیں عطا ہوئے ہیں... بے طلب محبتیں یوں ہی صلے عطا کیا کرتی ہیں... جن کی کمک سے تخلیقی حوصلے سربلند ارادے اور سرفراز ولولے بن کر حیاتِ تازہ کے انداز میں سدابہار زیست کا آغاز کرتے ہیں... جس طرح عشقِ رسول ﷺ کے ضمن میں مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی کا اسمِ گرامی ایک باوقار اعتبار کا مقامِ اولیٰ حاصل کرچکا ہے اسی طرح ان کی نعتیہ شاعری نے انھیں شعرا کی صفِ اوّل میں لا کھڑا کیا ہے اور ان کی شعری حیات کے تعین میں ان تمام خصوصیات کو مجتمع کر دیا ہے جو سخن کاری کی بادِ بہاری کی سفیر ہیں... بندش الفاظ کا حسن... زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کی جو خوب صورت روایت ان کے لمحاتِ سخن میں آراستہ ہوتی ہے، بے مثال ہے۔

شمعِ یادِ رُخِ جاناں نہ بجھے　　　خاک ہوجائیں بھڑکنے والے
صفِ ماتم اُٹھے، خالی ہو زنداں، ٹوٹیں زنجیریں　　　گنہ گارو! چلو مولا نے در کھولا ہے جنت کا
لب واہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں　　　کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں　　　آبِ کوثر کی سیاحت کیجیے
ان کے حسنِ باملاحت پر نثار　　　شیرۂ جاں کی حلاوت کیجیے

شاعری اپنی اصل میں مسرت اندوزی کا اہم سرچشمہ ہے۔ مجھے یاد آرہا ہے ایسی بات لون جائی نس نے کی تھی اور ہوریس نے شاعری کا مطلوب ومقصود لطف و راحت پہنچانا اور اصلاح کرنا قرار دیا تھا۔ ورڈزورتھ نے بھی اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے حق و صداقت کی تلاش وجستجو اور دریافت کو فنِ شاعری کا مدعا ومنتہا ٹھہرایا تھا اور اسی لیے اسے جملہ علوم وفنون کی روحِ لطیف بھی گردانتا تھا مگر سر فلپ سڈنی نے بڑے پتے کی بات کی جب اس عالم آب وگل کو مس قرار دیتے ہوئے شعرا کو اسے کندن بنا دینے والا بتلایا تھا لیکن مجھے اس ضمن میں سب سے اہم اور جامع تعریف مولانا شبلی نعمانی کی نظر آئی، جنھوں نے شاعری کو دل گدازی اور متخیلہ کی قوتِ پرواز کی امین قرار دیا اور اس واسطے سے انھوں نے شاعری کو ایک جہانِ دگر کی سیر کرانے کا منصب سونپا تھا... اب یہ جہانِ دگر کیا ہے؟ جو ہمیں کھلی آنکھوں نظر نہیں آتا اس کے اپنے کچھ رموز ہیں۔ شاعری اسی رمز آشنائی کا نام ہے اور سب سے بڑا اور اہم بھید یہ ہے کہ خدا نے یہ کائنات محبوبِ خدا ﷺ کی خاطر پیدا کی اور اس کے نام کے پرچم کو ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا... اب جو شعرائے کرام اس بھید کو پاگئے انھوں نے عشقِ رسول ﷺ سے منسوب عقیدتوں کو محبوب اسلوب کے طشت میں سجا کر پیش کردیا۔ ان کے لیے یہ راز باعثِ اعزاز بن گیا اور ان کی شاعری روحانی کیف وسرور کی خوش بو عام کرنے لگی۔ محسنِ انسانیت ﷺ کی توصیف بیان کرتی یہ شاعری مس خام کو کندن بنانے کے ہنر سے آراستہ ہے۔ روحِ انسانی کو جاوداں شادمانی عطا کرنے کا سلیقہ رکھتی ہے اور قلب ونظر کو ایسا لطف و انبساط عطا کرتی ہے کہ روح تک شاد ہو اُٹھتی ہے... مگر اس تخلیقی عملِ کیمیا گری کے لیے بنیادی نسخہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی دھنک رنگ رفعت و عظمت اور بوقلمونی کو قرینۂ اظہار دینے کی صلاحیت سے مرتب ہوا ہے۔

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن، وہ پھول گل زار نور کے تھے

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا! عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

D:NaatRang-18
File: Feroz
Final

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے　　سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

خالق بے مثل و بے مثال ہے اس نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو یکتائے روزگار بنایا...
مضمون آفرینی اور نکتہ سنجی فنِ شعر میں کامیابی کی کنجی سمجھی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی شاعری میں یہ دونوں خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں:

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

اے خارِ طیبہ! دیکھ کے، دامن نہ بھیگ جائے　　یوں دل میں آ، کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
پھول کیا دیکھوں! میری آنکھوں میں　　دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
زہے عزت و اعتلائے محمد　　کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

ہم ہیں ان کے، وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم ترے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا　　مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا　　خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اور مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی نے جس حقیقتِ کاملہ پر ختمِ سخن کیا درحقیقت وہیں سے ہر سخن آغاز ہوتا ہے بلکہ کائنات بھر کی ابتدا و انتہا کا مدعا وہی ہے۔ وہ جس کے تبسم سے گلوں نے مسکرانا سیکھا، جس کے تکلم سے زباں کو اظہار کا قرینہ عطا کیا، جس کی مروّت نے انسانوں میں محبت کا شہد بانٹا، جس کی آواز نے منزل نصیبی کا راز عام کیا، جس کے لحن میں صدق بولتا اور جس کے اطوار میں انوار بھرا چاند روشنی کے بھید کھولتا تھا، جس نے خزاں زدہ چمن کو اذنِ بہار بخشا۔ جس کی محبت نواز طبیعت کی چاشنی نے نفرتوں کو محبتوں سے شکست فاش دینے کا طور سکھلایا، جس کی عظمتوں نے زمانوں، جہانوں اور آسمانوں تک پر راج کیا اور جس کے ذکر کا چرچا خالق و مالکِ کائنات نے حیات و کائنات بھر کا منشور بنا دیا... زندگی کا دستور بنا دیا... اسی عظیم ہستی کی محبتوں

سے مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی نے اپنے ہر لحۂ سخن گوئی میں روشنی لی تو ان کی شاعری میں بھی نغمگی، ترنم ریزی اور حلاوت کی وہی صفاتِ عالیہ رنگ بکھیرنے لگیں جو ممدوحِ عالمﷺ کی ذاتِ والا صفات کی منور نسبتوں سے معطر ہیں:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم، اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

زمین و زماں تمھارے لیے، مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے، بنے دو جہاں تمھارے لیے

مانگیں گے مانگے جائیں گے منھ مانگی پائیں گے سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دلھن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمھارے لیے

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کے خود گل
کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا
گلِ قدس لہلہایا!

جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

مولانا شبلی نعمانی نے ''شعرالعجم'' اور مولانا الطاف حسین حالی نے 'مقدمہ شعر و شاعری' میں قدرے مختلف الفاظ میں ایک ہی بات پر سب سے زیادہ زور دیا اور وہ ہے شاعری اور کلام موزوں کے مابین امتیاز کی ضرورت... قادرالکلامی فقط دبنگ لہجہ اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال پر قدرت رکھنے سے عبارت نہیں یہ اس کے برعکس دل میں اُتر جانے والے شعر کہنے کی صلاحیت کا نام ہے جو وہبی ہے اکتسابی ہرگز نہیں... اور صاحبانِ نقد و نظر کی رائے ہے کہ شاعر کی قدرتِ کلام کا اندازہ دشوار زمینوں میں طبع آزمائی اور تخلیقی توانائی کی دانائی اور سچائی کے ساتھ استعمال سے ہوا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہاں انفرادیتِ قافیہ و ردیف کے ساتھ ساتھ مشکل زمینوں میں سخن سنجی کی صلاحیت بہار کے اوّلین گلاب کی کیفیت لے کر آتی ہے۔

جس کو قرصِ مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو ان کے خوانِ جود سے ہے ایک نانِ سوختہ

کیا ٹھیک ہو رُخِ نبویﷺ پر مثالِ گل پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

D:NaatRang-18
File: Feroz
Final

عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں　　　عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

رُخ دن ہے یا مہر سما، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشکِ خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا　　　کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ　　　کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

شاعری کو خواجہ حیدر علی آتش نے جب کارِ مرصع ساز قرار دیتے ہوئے لفظوں کے ماہرانہ تخلیقی استعمال کو ہیرے موتی انگوٹھیوں میں جڑنے سے مشابہ بتلایا تھا تو یقیناً ان کے ذہن میں بھی تخلیقِ شعر کی کٹھنائیوں کو محنتِ شاقہ کی گواہیوں کا ہم سفر بنانے کا منظر موجود رہا ہوگا۔ اس میں کسے شک ہے کہ کشتِ سخن کی سیرابی سیروں تنِ شاعر کا لہو کرتا ہے تب کسی پُر اثر مصرع کی خوش بو لہراتی ہے۔ شاعری کی لہلہاتی فصلیں تراکیب و استعارات اور محاورات کے ماہرانہ استعمال کا کمال حاصل کر لینے ہی سے وجود میں آیا کرتی ہیں۔ محاورے زبان و بیان کا حسن بڑھاتے ہیں اور شاعری کی آن بان میں اضافہ کرتے ہیں مگر جنھوں نے اپنی جان بھی سرکارِ دوجہاں ﷺ کے قدموں میں رکھ دی ہو، ان کے لیے کون سی مشکل سدِراہ بن سکتی ہے۔ چناں چہ دیکھیے کہ اعلیٰ حضرتؒ کے ہاں محاورات کا استعمال کیسے باکمال انداز میں سامنے آیا ہے۔

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اُڑنے لگی　　　بڑھ گئی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا　　　تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا　　　تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گل زار
کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب

مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ نابغۂ عصر تھے۔ ہر شعبۂ حیات میں ان کی قیادت کی روشنیاں منزلوں کی نشان دہی کرتی ملتی ہیں۔ شاعری میں بھی ان کا قلم فقط اسی دنیا کی رہبری کا فریضہ سرانجام دینے کے علاوہ حیاتِ آئندہ کی طرف بھی جہت نمائی کرتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ زندگی یہاں کی زندگی نہیں، زندگی تو وہاں کی زندگی ہے جہاں اسے موت نہیں... آقائے دوجہاں ﷺ کی نعت مبارک لکھتے ہوئے اعلیٰ حضرتؒ حیات بعدالممات کے موضوعات بھی آشکار کرتے ہیں:

یاالٰہی! گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن　　　دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

اللہ! کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

کھڑے ہیں منکیر نکیر سر پر نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور

بتا دو آ کر مرے پیغمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

ایک آفاقی صداقت یہ ہے کہ محبت کرنے والوں کی باتیں اور موضوعات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ (...روس کے سابق صدر بورس یلسن نے بھی اپنی خودنوشت میں اسے دہرایا ہے) اعلیٰ حضرتؒ محبتِ رسول ﷺ کی اعلیٰ روایات کے امین ہیں ان پر بھی کتب تحریر ہوئیں، ہوتی رہیں گی مگر مختصراً یہی ہے کہ عشقِ صادق تحریر میں تازہ کار صبحوں کی تنویر پیدا کر دیتا ہے اور شاعر کا کلام درِ محبوب ﷺ پر ایسا سلام پیش کرتا ہے جس کی گونج صدیوں کی امانت بن جاتی ہے!!!

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں، ہاں رضا!

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

D:NaatRang-18
File: Feroz
Final

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبد (نیویارک)

نعتیہ ادب اور اس کی ترویج میں مولانا احمد رضا بریلویؒ کا مقام

اِنا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون   ورفعنا لک ذکرک

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص، جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اللہ ربّ العزت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلویؒ کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ عالم و معلمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نام ور ادبی شخصیت اور صاحبِ دیوان نعت گو تھے۔ نعتیہ ادب آپ کی خدمات کا معترف ہے کہ نعت گوئی اور نعت خوانی کی تحریک آپ کے دم سے اور آپ کے زیرِ سایہ برِصغیر ہندوپاک میں ایک اہتمام کے ساتھ چلی اور پروان چڑھی اور اس کے اثرات تاحال نمایاں ہیں۔ جوں جوں زمانہ فنِ نعت گوئی اور نعتیہ ادب سے مزید روشناس ہوتا چلا جائے گا، اس پہ اعلیٰ حضرت کی خدمات کے مزید دَر وَا ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت کا کلام اپنی سلاست، معنوی گہرائی، مضمون آفرینی، شگفتہ بیانی، تمثیل نگاری اور فنی پختگی کے باعث ادبی دنیا میں اپنا مقام قائم کر چکا ہے۔ نعت کے فروغ اور نعتیہ ادب کی ترویج میں امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کا بڑا ہاتھ ہے۔ جب موضوعِ سخن ایسا ایمان افروز ہو، سخن ور اُس موضوع کے مرکزی کردار کے والہانہ عشق میں مبتلا ہو اور اس سخن ور کو قادرِ مطلق صاحبِ صلاحیت بنا دے تو پھر نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اعلیٰ حضرت کی مقبولیت سے عیاں ہے۔ آپ کے کلام میں وہ گہرہائے کم یاب سجے جڑے ہیں کہ یہ کلام ہر قاری اور سامع کو اُس کے دلی احساسات سے ملا دیتا ہے۔ میں کہوں گا کہ اگر سب چھوڑ کر صرف اعلیٰ حضرت کے نام سے مشہورِ زمانہ سلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کو ہی لے لیا جائے تو فقط یہی ایک کارنامہ ایسا ہے جس کے اثرات تحریکِ نعت و ذکرِ مصطفیٰ پر نمایاں ہیں اور جس کے باعث اعلیٰ حضرت کا نام پائندہ رہے گا

یہ اُس قادرِ مطلق، خالقِ کائنات کا کرمِ خاص ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کچھ کو اپنی خاص نعمت سے نوازتے ہوئے، اُن کے سینوں میں اپنے کلام کو مزین و محفوظ فرما دیتا ہے۔ یہ

خصوصی سعادت اُس کے فرمان کے عین مطابق ہے کہ ''ہم نے اس ذکر مبارک کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ہم اُن حضرات کو حافظِ قرآن کی حیثیت سے پہچانتے ہیں مگر حکیم الامّت علامہ اقبال انھیں ''قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن'' کا رُتبہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ربّ العزت کا ایک کرمِ خاص یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کچھ کو اپنے فرمان ''ورفعنا لک ذکرک : اے محمدﷺ) ہم نے تمھارے لیے تمھارے ذکرِ (مبارک) کو بلند فرمایا'' کے مطابق ذکر و بیانِ مصطفیٰ کی رفعت کے کام کے لیے چن لیتا ہے اور یہ اُن کی پہچان بن جاتی ہے۔ میری نظر میں مولانا حضرت احمد رضا فاضل بریلویؒ انھی خوش قسمت شخصیات میں سے ایک ہیں۔ مدحتِ محبوبِ خدا میں کہا ہوا ان کا کلام عوام و خواص میں اس قدر مقبول اور آج بھی برسرِ زبان زدِ عام ہے کہ آج دنیاے اُردو کا کوئی ایسا کونا نہیں ہے جہاں اس کی گونج نہ سنائی دیتی ہو۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے کا کہا ہوا یہ کلام ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے آئے دن عشق و محبت اور مدحتِ سرکارِ دوعالمﷺ کے ایسے دریا پھوٹتے ہیں کہ کروڑوں تشنگانِ حُبِّ رسولﷺ کی پیاسیں سیراب ہوتی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نعتیہ ادب کی ترویج میں اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلویؒ کا مقام کیا ہے اور نعتیہ صنف سخن کو مقبول عام کرنے میں ان کے کلام نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت ایسے قادرالکلام شاعر تھے کہ اظہارِ خیال اور زبان و بیان میں وہ اپنے ہم عصر شعرا میں نہایت نام ور مانے جاتے تھے۔ نعت کی صنف کو جو فروغ و وقار آپ کے کلام اور حوالے سے دَر آیا اور جو شان و مقبولیت اسے آپ کے دور میں حاصل ہوئی اُس کی مثال نہیں ملتی۔ اس مینارِ نور کی روشنی نے نہ صرف بریلی شریف کو منوّر کیا بلکہ یہ روشنی تمام برِصغیر ہند میں پھیلی اور یہاں سے منعکس ہوتی ہوئی دنیاے اُردو کے باقی گوشوں پہ بھی چھا گئی۔ اُردو زبان کی تاریخ میں یہ دور ایسا تھا جب اُردو زبان اپنا الگ ادبی تشخص بخوبی قائم کرچکی تھی اور اس زبان پہ فارسی اور عربی کا اثر ابھی کافی گہرا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو چوں کہ ان دونوں زبانوں پہ بھی خاصا عبور حاصل تھا لہٰذا اُنھوں نے متقدمین اور اساتذہ کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے مقبول بحروں میں عشق و محبت میں ڈوب کر مدحت محبوبِ خدا میں گل فشانی کی۔ اُن کے کلام کو اللہ ربّ العزت نے وہ اعجاز بخشا کہ عشاقانِ رسالت مآبﷺ کے دلوں میں گھر کرتا گیا اور عندلیبانِ گلستانِ رسولﷺ نے اُسے مساجد، درس گاہوں اور دیگر اسلامی مکاتب اور مراکز میں لحنِ داؤدی سے سرشار کیفیات میں

D:NaatRang-18
File: Dr.A.Rehman
Final

عوام الناس تک پہنچانا شروع کیا۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ ایک سچے، باعمل اور باصلاحیت مسلمان تھے۔ دینِ اسلام کے لیے آپ کی اور آپ کے خانوادے کی خدمات اور مسلمانانِ ہند میں اس خانوادے کا مقام نہایت معتبر اور قابلِ احترام ہے۔ آپ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کو پہچانتے تھے اور اسے جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ اس عقیدے کی تبلیغ آپ کے لیے فرض کا درجہ رکھتی تھی اور آپ نے اس فریضے کو بخوبی نبھایا۔ آپ کی تقاریر، آپ کی نثر اور آپ کی شاعری میں اس عقیدے کی تبلیغ اور تشہیر کا اعلیٰ ترین نمونہ نظر آتا ہے۔

کسی بات یا کسی پیغام کے کارگر ہونے کے لیے بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ وہ:

(i) سننے والے کی سمجھ میں آجائے، یعنی آسان اور سادہ زبان میں ہو۔

(ii) حقیقت یعنی سچ محسوس ہو

(iii) کہنے والا معتبر شخصیت کا حامل ہو اور خود اس پیغام پر عمل کرتا ہو۔

(iv) پیغام ایسا ہو کہ سننے والے کے دل و دماغ پہ اثر کرے اور اس کے انسانی فطری اندرونی جذبات سے ہم آہنگ ہو۔

(v) پیغام کسی انسانی فطری تقاضے یا ضرورت کو پورا کرے اور سننے والا خود اس کی ضرورت محسوس کرے۔

آیئے اب ان لوازمات کے پیشِ نظر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کے کلام پر غور کریں۔

زبان کی سادگی/ سہل نگاری

اعلیٰ حضرت کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انتہائی سادہ اور عام فہم الفاظ میں اتنی گہرائی اور فکرانگیز بات کہہ گئے کہ سننے والے نے فوراً مفہوم کو پالیا اور پیغام کی شعریت سے بھی لطف اندوز ہوا۔ یہ بات میں درج ذیل اشعار سے واضح کرتا ہوں:

۱: واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا		'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

۲: خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم		خدا چاہتا ہے رضائے محمد

۳: اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں		مانگتے تاج دار پھرتے ہیں

۴: سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی		سب سے بالا و والا ہمارا نبی

پہلے شعر میں جہاں نہایت سادگی کے ساتھ سرکار دوعالم ﷺ کی شانِ کریمی کا اظہار ان سادہ الفاظ میں کیا جارہا ہے کہ ان کا مانگنے والا کبھی 'نہیں' کا لفظ سنتا ہی نہیں، وہاں شعریت اور معنی آفرینی کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے لیے اس سے جامع شعر شاید ہی کسی نے کہا ہو۔ اس شعر میں اعلیٰ حضرت نے سننے والے پہ وہ کیفیت طاری کردی ہے گویا وہ بہ حضورِ سرورِ کائنات ﷺ شاداں کھڑا ہے اور عنایات حاصل کرنے کے بعد اعترافاً آپ ﷺ کی مدح سرائی میں مصروف ہے۔ دوسرے شعر میں گو معنی کسی حد تک ہر ایک کو بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں مگر پیغام میں جذبۂ ایمان اور معنی کی گہرائی ایسے انداز میں سمودی گئی ہے کہ ہر عاشقِ رسول اور نظر رکھنے والا مومن اک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جہاں وہ مسجدِ قبلتین کے اس منظر کو دیکھنے لگ جاتا ہے جب اللہ ربّ العزت نے حضور ﷺ کی مرضی کے پیشِ نظر اور ان کی بار بار اُٹھنے والی التجائیہ نظروں کو دیکھ کر تحویلِ قبلہ کا حکم دیا تھا۔ تیسرا شعر تو گویا سادگی اور شعریت کی انتہا ہے کہ اس میں اعلیٰ حضرت نے مسلکِ اہلِ سنت کے اس عقیدے کو کھل کر بیان کردیا کہ اصل میں قاسمِ لطف و عطا میرے اور آپ کے آقا و مولیٰ ﷺ ہی ہیں اور دنیا میں کوئی کتنا ہی صاحبِ ثروت اور جاہ و جلال والا ہی کیوں نہ ہو، اسے بھی عنایاتِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ ہی کے ذریعے اور آپ ﷺ ہی کی غلامی کو اختیار کرنا ہوگا۔ جب تک مانگنے والا حضور ﷺ کی اتباع کا قائل نہیں ہوتا، اسے خدا کی خوشنودی اور حضوری (قربت) حاصل نہیں ہوسکتی۔

فنی رفعت اور پختگی کا یہ عالم ہے کہ اکثر اشعار اس معیار کے ہیں کہ اپنے محاسن اور تمثیلات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ مثال ملاحظہ ہو:

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں		تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں		در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

واقعۂ معراج کی جس طرح اعلیٰ حضرت نے 'حدایقِ بخشش' میں شامل اپنی اس طویل نظم (درتہنیت شادیٔ اسراٰ) میں منظرکشی کی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ اُن کی بلند خیالی، وسعتِ مطالعہ اور مضمون آفرینی کا عمدہ نمونہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چلا وہ سروِ چماں خراماں، نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی، وہ کب کے سب ایں و آں سے گزر چکے تھے
یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت، خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمھاری خاطر کشادہ ہیں، جو کلیم پر بند راستے تھے

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

پیغام کی صداقت/حق گوئی

ظاہری بات ہے کہ عبادتِ خداوندی اور طاعت واتباعِ رسول ﷺ کا پیغام برحق ہے اور اس میں کسی مومن کو شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔ اس پیغام کو اپنے کلام کے ذریعے عام کرنے کا جو ڈھب اعلیٰ حضرت نے اپنایا وہ اتنا پر کشش اور چونکا دینے والا ہے کہ سننے والے کو متحیر اور مسحر کر لیتا ہے۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا　　ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلم دان گیا

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر　　امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے　　صاحب کوثر، شہِ جُود و سخا کا ساتھ ہو
پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے　　آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی　　سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولیٰ کا پیار ہمارا نبی　　دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی
غم زدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے　　بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

معتبر اور باعمل سخن ور

اس میں کوئی گفتگو نہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنی شخصیت اور کردار میں ایک عمدہ نمونہ تھے۔ وہ ہر شعر اپنے عقیدے کی بنا پر مکمل سرشاری کے جذبے سے کہتے تھے۔ ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے'' کے مصداق اُن کا کلام اُن کے دل کی آواز تھا لہٰذا مؤثر رہا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر کرم و انعام ہمیں حضورِ اکرم ﷺ کے توسط سے اور ان کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ وہ محبتِ رسول ﷺ کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں اور اسی محبت کو دل میں جاگزیں کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سرکارِ دوجہاں ﷺ کے شہر مدینہ سے محبت اس ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔ وہ ہر اس چیز سے محبت کے قائل ہیں جو ذاتِ محمدی ﷺ سے کسی طور پر منسوب ہو۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے　　مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے
تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

اُنھوں نے جو کچھ کہا وہی ان کا عقیدہ اور ایمان تھا۔ کبھی لگی لپٹی نہ کی:

کروں مدح اہلِ دول رضا! پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں
حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضؔا
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے
رہے گا یوں ہی اِن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے

بات دل و دماغ پہ اثر کرے اور فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہو

اعلیٰ حضرت کا کلام اتنا پُر اثر ہے کہ فوراً دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے بھی کہ اسے جس منطقی انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ کوئی صاحبِ علم اور صاحبِ نظر ہی کرسکتا ہے۔ فرمودۂ مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق اور سرورِ کونین ﷺ کے ارشادات کا تقدس کا تذکرہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

میں نثار تیرے کلام پہ، ملی یوں کسی کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
ترے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منھ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں
وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل، یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

D:NaatRang-18
File: Dr.A.Rehman
Final

بات کسی ضرورت اور تقاضے کو پورا کرے

مدحتِ مصطفیٰ ﷺ ہر مومن مرد اور عورت پر فرض ہے کہ اللہ ربّ العزت نے ہمیں اپنے محبوب پہ درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ لوازمات و آدابِ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ سکھانے کے ساتھ ساتھ اس عمل پہ بہ آسانی کاربند ہونے کے ذریعے مہیا کرنا بھی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کلام نے ہماری رہبری ہی نہیں فرمائی بلکہ اس راہ میں ہماری دست گیری بھی فرمائی۔ آپ کا کہا ہوا سلام 'مصطفے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ کون سی ایسی مذہبی محفل یا تقریب ہے جو اس سلام سے مستفیض نہیں ہوئی۔ اس سلام کے من جملہ ۱۶۸ اشعار میں اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلویؒ نے سرورِ کائنات ﷺ کے جسمِ اقدس اور آپ ﷺ کی ہر ادا کے اوصاف اس محبت اور تکریم کے ساتھ منظوم کیے ہیں کہ ہر شعر لافانی ہوگیا ہے۔ اس سلام میں حُبِّ مصطفیٰ ﷺ کا پیغام اس سادہ اور عام فہم زبان میں ایسی بحر میں دیا گیا ہے کہ ہر پڑھنے والا اسے بہ آسانی مترنم انداز سے پڑھ لیتا ہے۔ اُردو زبان کے بڑے بڑے شعرا نے اس سلام کی بحر میں اور اس ردیف کو استعمال کر کے سلام کے شعر کہے ہیں۔ اس سلام کا مقطع کمالِ فن کا نادر نمونہ ہے کہ دو اشعار پہ مشتمل ہے۔ ملاحظہ ہو:

کاش محشر میں جب اُن کی آمد ہو اور بھیجیں سب اُن کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں، 'ہاں رضاؔ' مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

یہ دعائیہ مقطع کچھ اس انداز سے روزِ محشر کی منظرکشی کرتا ہے کہ پڑھنے والے کی نظر کے سامنے مخلوق کا جمِ غفیر آقاے دوجہاں ﷺ کو میدانِ محشر میں آتے ہوئے دیکھ کر آپ پہ درود و سلام بھیجتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور عین اُس وقت مخصوص خدمت گزار فرشتے اعلیٰ حضرت کی طرف متوجہ ہوکر اُن کی تائید میں اور اُن کے ساتھ مل کر آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ یعنی یہ دُعا فرمائی جارہی ہے کہ اللہ کرے ایسا ہو کہ حشر کے دن جب سرورِ کائنات ﷺ کی میدانِ محشر میں تشریف آوری ہو، قدسی مجھے آقاے دوجہاں پہ درود و سلام بھیجنے کو کہیں اور جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کہہ کر یہ سعادت حاصل کرسکوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھیں اس سلام سے کتنا پیار تھا۔

آپ کے نعتیہ کلام کی تراکیب اور مضمون آفرینی سے متاثر ہوکر کئی نعت گو حضرات نے چمن زارِ مدحتِ مصطفیٰ میں گل افشانی کی کوشش کی ہے خود راقم الحروف کی ایک ادنیٰ کاوش سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے جو اعلیٰ حضرت کی مشہورِ زمانہ نعت 'نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا' سے

متاثر ہو کر کہے گئے ہیں:

بن گئی بات، پس و پیش کا امکان گیا　　اُن کی رحمت ہے کہ اندیشۂ میزان گیا
کوئی اس آنکھ کے اُٹھنے کی ادا تو دیکھے　　منھ سے نکلی بھی نہ تھی بات، خدا مان گیا
عؔبد اُس ذات کی عظمت کو خدا ہی جانے　　وہ تقدس ہے کہ گستاخ کا ایمان گیا

اعلیٰ حضرت کے کلام نے برصغیر کے مسلمانوں کو نہ صرف اس کارِ خیر کی طرف راغب کیا بلکہ اس پہ چلنا آسان بھی کر دیا۔ آپ کے گھرانے سے اُردو نعت کو کافی کچھ ملا۔ آپ کے خاندان اور دیگر افراد کے علاوہ آپ کے صاحب زادگان مولانا حامد رضا خان اور مولانا مصطفیٰ رضا خان نوری بریلوی بھی اس تحریک کو لے کر آگے بڑھے اور یہ سلسلۂ فیض جاری ہے۔ ان کی پروردہ تحریکِ نعت ایک عملِ جاریہ کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

الغرض، اعلیٰ حضرت کی ذاتی زندگی میں شغفِ نعت، اُن کی نعت گوئی، ان کا کلام، اُن کی تعلیمات میں اس عقیدہ کی باارادہ تدریس و تشہیر، یہ سب عوامل ایسے ہیں جنھوں نے نعتیہ ادب کی آب یاری کی۔ پھر مسبّب الاسباب نے یوں بھی کیا کہ اعلیٰ حضرت کے کلام کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی جیسے خوش الحان نعت خوان بھی عطا کر دیے جو مبلغِ دین بھی تھے اور جن کے وعظ سننے کے لیے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے۔ دورانِ وعظ، موضوعاتی اشعار کا مترنم برمحل استعمال ایک ایسا اثر رکھتا ہے کہ سامعین عرصۂ دراز تک ایک خاص کیف میں رہتے ہیں۔ بایں ہمہ، یہ کہنا درست ہوگا کہ تحریکِ نعت اور نعتیہ ادب پہ اعلیٰ حضرت کے بہت احسانات ہیں اور اس حوالے سے اعلیٰ حضرت کا نام تا ابد زندہ و جاوید رہے گا۔

صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی (اٹک)

امام احمد رضا کی سراپا نگاری

سراپا نگاری سے مراد نعتیہ شاعری میں آپ ﷺ کے اعضائے مبارک کی جمال آفرینیاں بیان کرنا ہے۔ نعت گو شعرا نے اپنے اپنے انداز میں حضور سیّد عالم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ کسی نے مکمل سراپائے سرکار بیان کرنے کی سعی کی ہے تو کسی نے ضمنی طور پر نعتیہ غزلوں میں آپ ﷺ کے کسی نہ کسی عضو مبارک کی خصوصیت بیان کی ہے اور اپنی شاعرانہ فن کاریوں کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا شمار بھی ایسے ہی مقتدر شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے سراپائے سرکار بیان کرتے وقت جہاں جمالِ مصطفیٰ بیان کرنے والی روایات کو سامنے رکھا ہے وہیں اپنی پاکیزہ فکر اور ندرتِ خیال سے الفاظ و تراکیب کو دُرہائے بے بہا کی صورت عطا فرمائی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنے مشہور زمانہ سلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' میں شعر نمبر ۳۱ سے شعر نمبر ۸۱ تک سراپائے سرکار بیان کیا ہے اور نہ صرف اعضائے مبارک کی خوب صورتی بیان کی ہے بلکہ ہر عضو پر سلام بھی بھیجا ہے۔ دنیائے نعت میں اس جیسا سراپا کسی نعت گو نے بیان نہیں کیا۔ حضرت امام احمد رضا رسول اللہ ﷺ کو گل پاک منبت کہہ کر اپنے سراپا کا آغاز کرتے ہیں۔

جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

قد مبارک، جمال صورت مبارک، سر مبارک اور گیسو مبارک کا بیان ملاحظہ ہو:

قدِ بے سایہ کے سایۂ رحمت — ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں — اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

وصف جس کا ہے آئینۂ حق نما اس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام
وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام

مانگ مبارک، کان مبارک، جبین مبارک، ابرو مبارک اور نگاہِ مبارک کا بیان ملاحظہ ہو:

لیلۃ القدر میں مطلع الفجرِ حق مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
معنیِ قدِ رایٰ مقصدِ ماطغیٰ نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

سراپا کے جس جس شعر کو بھی پڑھتے جایئے اس کا اپنا ہی ایک کیف اور اثر ہے۔ سراپا کے درج بالا اشعار اور بقیہ اشعار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی قرآن و حدیث اور کتبِ سیرت پر کتنی گہری نظر ہے۔ سراپا بیان کرتے وقت آپ کے سامنے ہر وہ روایت رہی ہے جس میں کسی نہ کسی عضو رسول کا ذکر موجود ہے۔ آپ نے کثرت سے وہی الفاظ وتراکیب اختیار کی ہیں جو روایات واخبار میں وارد ہیں۔

سلام سے ہٹ کر بھی امام احمد رضا کی دیگر نعتوں میں سراپا کا بیانِ ذیشان ملتا ہے۔ جہاں آپ نے اپنی شاعرانہ پختہ کاری کا واضح ثبوت فراہم کرنے کے ساتھ عشق رسول کا جو جہان آپ کے اندر آباد تھا اس کی بھی سیر کرائی ہے:

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم وہ ملیحِ دل آرا ہمارا نبی
گل زارِ قدس کا گلِ رنگیں کہوں تجھے درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں اے جانِ جاں! میں جانِ تجلا کہوں تجھے

ایک طویل نعت جس کی ردیف ''پھول'' ہے سراپا کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

D:NaatRang-18
File: Abul Hasan
Final

سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دندان ولب و زلف و رخِ شہ کے فدائی ہیں درِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن، پھول

حضورﷺ کے رخِ انور کے بیان کے لیے شعرا نے قرآنی تلمیحات والضحیٰ اور والشمس والقمر کا کثرت سے استعمال کیا ہے اور اپنے اشعار میں نئے نئے مضمون نکالے ہیں۔ امام محدث بریلوی نے ان کلمات کی تشریح کچھ اس انداز سے کی ہے:

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نورِ فزا کی قسم
قسم شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
وصفِ رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپﷺ چہرۂ اقدس کے لحاظ سے سب سے زیادہ حسین ہیں اور اخلاق میں بھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: آپ کا چہرہ خوش منظر تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپﷺ کے چہرۂ اقدس کا حسن و جمال سب سے بڑھ کر اور رنگ سب سے زیادہ روشن تھا، حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضورﷺ کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور رخشندگی تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے آپﷺ سے بڑھ کر حسین کسی کو نہیں پایا۔ درج بالا روایات و آثار کے تناظر میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
لک بدرٌ فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

رخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی رہ گیا بوسہ وہی نقشِ کفِ پا ہوکر
کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
جنت ہے ان کے جلوے سے جویائے رنگ و بو اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل
ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص کہیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

رخِ پُرنور کے ذکرِ باسُرور کے بعد زلفِ معنبر اور گیسوئے اطہر کا بیان ملاحظہ ہو:

بزم ثنائے زلف میں میری عروسِ فکر کو ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر دان ہے
مشک بو کوچہ یہ کس پھول کا جھارا ان سے حوریں عنبر سارا ہوئے سارے گیسو
دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے تا مطلعِ فجر یعنی نزدیک ہیں عارض کے تمہارے گیسو
بھینی خوش بو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمھارے گیسو

رخِ روشن، زلفِ معنبر، قامت، رخسار، ابرو، مژگانِ مبارک اور لب وچشم کا بیان ملاحظہ ہو:

شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب میں
سنبل، نرگس، گل، پنکھڑیاں، قدرت کی کیا پھولی شاخ
وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل! یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
جلی ہے سوزِ جگر سے جاں تک ہے طالبِ جلوۂ مبارک
دکھا دو وہ لب کہ آبِ حیواں کا لطف جن کے خطاب میں ہے

شب لحیہ و شارب ہے رخ روشن دن گیسو و شبِ قدر براتِ مومن
مژگاں کی صفیں چار ہیں دو ابرو ہیں والفجر کے پہلو میں لیا عشر

امام احمد رضا نے اپنی ایک نعت جس کی ردیف ''عارض'' میں عجیب عجیب مضمون پیدا کیے ہیں، مدحِ عارض میں دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

نارِ دوزخ کو چمن کردے بہارِ عارض ظلمتِ حشر کو دن کردے نہارِ عارض
میں تو کیا چیز ہوں خود صاحبِ قرآں کو شہا لاکھ مصحف سے پسند آئی بہارِ عارض

حضرت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے رخسار نہایت ہی چمک دار تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے رخسار سفید تھے، سیّدنا علیؓ اور ہند بن ابی ہالہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے رخساروں میں اُبھار نہیں تھا۔ مختلف اقوالِ صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک نہایت خوب صورت، سفید سرخی مائل، نرم اور دل کش تھے اور ان میں اُبھار بھی نہ تھا جو خوب صورتی میں مانع ہو، اب اعلیٰ حضرات کے اشعار ملاحظہ ہوں کس قدر مبنی بر حقیقت ہیں:

D:NaatRang-18
File: Abul Hasan
Final

چاند سے منھ پہ تاباں درخشاں درود نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
ان کے خد کی سہولت پہ لاکھوں درود ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام

درج بالا سراپا کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے سراپا نگاری میں کس قدر احتیاط برتی ہے اور کس درجہ حقیقت کو پیشِ نظر رکھا ہے اور سراپا نگاری کا انداز بھی کیسا منفرد اپنایا ہے۔

غلام مصطفیٰ قادری رضوی (بھارت)

کلامِ رضا میں حسن و جمالِ مصطفوی کے نرالے تذکرے

معدنِ خصائصِ کاملہ، ربیعِ فصل دوراں، کاشفِ سرمکنون، خازنِ علم مخزون، امامِ جماعتِ انبیا، سرورِ بنی آدم، روح و روانِ عالم، تاجدارِ دوعالم، سیّدِ جہاں رسولِ کونین ارواحنا فداہ ﷺ کو خالقِ کائنات جل مجدہ نے جن فضائل و کمالات سے مالامال فرمایا ہے ذہنِ انسانی سے بہت بلند ہیں جن کو بیان کرنے کے لیے چودہ سو برس سے عشاقِ باکمال کتابیں لکھتے رہے، زبان ولسان کا استعمال کرتے رہے، دنیا کے کسی نبی، مصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں جتنی آپ ﷺ کی بے مثال خوبیوں اور اداؤں پر لکھی گئی ہیں۔ بے شمار اعلیٰ مراتب و منازل پر فائز لوگوں نے رحمتِ دوجہاں ﷺ کی شان و رفعت بلند کرنے کے لیے اپنی زندگیاں، اپنی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال اور پھر وسائل وقف کیے ہیں کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، مداحانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

کس کس خوبی کو بیان کیا جائے۔ کس پہلو کو احاطۂ تحریر میں لایا جائے، کس فضیلت پر خامہ فرسائی کی جائے وہ ہر خوبی میں بے مثال ہیں۔ قلم کی سیاہی جواب دے سکتی ہے، کاغذ و قرطاس ہاتھ جوڑنے لگ جائیں گے مگر کمالاتِ مصطفوی کو کما حقہ بیان نہیں کیا جاسکتا، بڑے بڑے عشاق بھی کمالات و اوصافِ نبوی کو بیان کرتے کرتے آخر یہی کہہ اُٹھے:

لایمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر

مگر آیئے خواجۂ اعظم ﷺ کے بے شمار مداحوں اور ثناخوانوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرنے کی نیت اور اس عظیم المرتبت بارگاہ سے فیضِ خصوصی حاصل کرنے کی اُمید پر کمالات و خصائصِ رسالت

مآب ﷺ سے ایک ممتاز اور بے مثال کمال و وصف یعنی 'حسن و جمالِ مصطفویٰ' کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری　　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس وصفِ بےنظیر کے تذکرے بھی اہلِ ایمان و ایقان نے بڑے نرالے انداز میں کیے ہیں اور اس سلسلے میں کتابوں کا بھی خاصا شمار ہے۔ کیوں نہ ہو کہ خالقِ حسن و جمال نے اپنے محبوبِ پاک، صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے حسنِ کامل کا مظہر بنایا ہے، باطنی کمالات و درجات کے ساتھ ساتھ حسنِ ظاہری میں بھی آپ نے بے مثل و مثال نظر آئے، ہر حسن و جمال آپ کے در کی خیرات ہے، حسن و جمال جہاں آرا کو کون صحیح معنی میں بیان کرسکتا ہے۔ سنیے اس محبوبِ جمیل کا رب خود یوں بیان فرماتا ہے:

والضحی واللیل اذا سجیٰ

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت بھی ملاحظہ فرمایئے اور پھر اس پر مفسرینِ کرام کی عشق و اُلفت بھری تشریحات بھی پڑھیے، دل و نگاہ ضرور ان کلمات سے روشن و منور ہوں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یکاد زیتھا یضی ولولم تمسه، نار نور علی نور یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء (النور:۳۵)

قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔　　　　(کنزالایمان)

اس آیتِ کریمہ کے تحت شیخ لفطویہ یوں رقم طراز ہیں:

ھذا مثل ضربة اللّٰہ لنبیه علیه الصلاة والسلام یقول یکاد منظرہ یدل علیٰ نبوته و ان لم یسل قرانا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اگر قرآن کی تلاوت نہ بھی کرتے پھر بھی آپ کا چہرۂ اقدس آپ کی نبوت پر دال تھا۔　　　　('حجۃ اللہ علی العالمین'، ص ۶۷۵)

علامہ آلوسی 'روح المعانی' میں فرماتے ہیں:

یکاد زیت صلوات اللّٰہ و سلامه علیه لصفائه وذکائه ولولم یمسه القرآن۔

اگر نورِ قرآن آپ کو مس نہ بھی کرتا تب بھی آپ ﷺ اپنی پاکیزگی اور کمالِ حسن کی وجہ سے جگمگا اُٹھتے۔ ('تفسیر روح المعانی' پ ۸)

مندرجہ بالا اقوالِ مقدسہ سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ حسن و جمالِ مصطفوی ﷺ بھی دلیلِ نبوت تھا۔

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

کس کس آیت کو پیش کیا جائے جس سے جمالِ رُخِ زیبا، گیسوئے معنبر اور چشمِ منور کا بیان خوش بوئیں بکھیر رہا ہے کئی ایک آیات ہیں اور پھر ان کی تفاسیر میں حضراتِ مفسرین نے جو موتی پروئے ہیں ان کو دیکھ اور پڑھ کر محبّ ساختہ پکار اُٹھتا ہے: تجھ کو دیکھا تو مصور کا قلم یاد آیا

محبوب جس قدر عظیم ہوگا اس کی عظمت کے چرچے اور تذکرے بھی اتنے ہی دل کش اور حسین انداز میں کیے جائیں گے، اس کی اداؤں اور خوبیوں کو اتنی ہی بلندی اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے گا اور پھر جو محبوبِ خدا و خلقِ خدا ہو اس کے جمالِ جہاں آرا کو بیان کرنے کے لیے ہر ایک، دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

عہدِ رسالت سے لے کر تادمِ تحریر ثناخوانانِ رسولِ اعظم ﷺ نے اپنے آقا و مولیٰ کے حسن و جمال کو صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ حسنِ بے داغ پر نثار ہونے کی تمنائیں اور آرزوئیں ان کے نہاں خانۂ دل میں مچلتی رہتی ہیں اپنے محبوب و ممدوح کے رُخِ زیبا، سراپائے اقدس اور جبینِ تاباں کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف سے اپنے عشق و محبت کی بزمیں بطریقِ احسن سجائی ہیں۔

تربیتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں رہ کر گوہرِ تاب دار ہونے والے جاں نثار صحابہ نے تو جمالِ مصطفوی کو اتنے حسین پیرایے میں بیان کیا ہے کہ دل و نگاہ مسرور و شاداں ہو جاتے ہیں اور لب فرطِ محبت میں ان کے کلمات کو بوسہ دینے کو بے قرار رہتے ہیں۔ ذرا یارِ غارِ مصطفیٰ، اصدق الصادقین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہ جملے تو ملاحظہ فرمائیے جو عشق و عقیدت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر آپ نے کہے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور دائرۂ قمر کے مانند تھا

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

چاند کے نورانی جسم سے مشابہت یا ہالۂ قمر سے تشبیہ کا صریح اشارہ آپ کے چہرۂ انور

کے اس نور کی طرف ہے جو انوار و اضوا کی شکل میں بہ منزلۂ ہالہ احاطہ کیے ہوئے ہے یہ تشبیہ آپ کے رُخ انور کے کمالِ ضیا اور اس کی عظمت و ہیبت و جلال کا طریقۂ اظہار ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے نظر و مشاہدہ میں کیا چیز آتی ہے اور اس تشبیہ سے مشاہدہ کرنے والے کی نظر میں حضور اکرم ﷺ کا جمال و جلال کیسے ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ یہ آنکھوں کو سیراب کرتا اور دل کو نورِ عظمت و محبت سے بھرتا ہے۔

اور اُس عاشقِ رسول کے جمالِ جہاں آرا کو بیان کرنے والے جملے تو ملاحظہ فرمایئے جس کا نام زبان پر آتے ہیں مشامِ جاں معطر ہو جاتے ہیں جس کا پورا وجود عشق و محبتِ رسول کا آئینہ دار تھا خود زبانِ رسالت علیہ التحیۃ والثنا نے جن کی روح القدس کے ذریعے تائید کی دعا کی، یعنی محبّ رسول عاشقِ صادق حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

و احسن منک لم ترقط عینی و اجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

یارسول اللہ ﷺ! میری آنکھ نے آپ سا حسین و جمیل اور کوئی نہیں دیکھا کیوں کہ آپ سا حسین و جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ ایسے پیدا کیے گئے ہیں جیسا آپ چاہتے تھے۔

اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عقیدت و محبت میں اس طرح گویا ہوئے:

مارأیت شیئا احسن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

رسول اکرم ﷺ سے زیادہ حسین و بہتر میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

ذرا مذکورہ بالا الفاظ پر غور کیجیے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مارأیت شیئا فرمایا، یہ نہیں فرمایا مارأیت انسانا و رجلا (کسی انسان یا مرد کو نہیں دیکھا) کیوں کہ پہلے والے جملے میں مبالغہ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خوبیِ حسن ہر چیز پر فائق تھی اور انھوں نے فرمایا کہ چہرۂ انور ایسا روشن و تاباں تھا گویا آفتاب آپ کے رُخِ انور میں تیر رہا تھا۔

تا شب نیست روز ہستی زاد آفتابے چو تو ندارد یاد
(مدارج النبوۃ ۱/۱۱)

حضرت مولاے کائنات علی مرتضیٰ رضی المولیٰ عنہ فرماتے ہیں:

آپ کا چہرۂ اقدس خوش منظر تھا اور آپ کا نسب مبارک اعلیٰ اور آواز حسین تھی۔

اور ملاحظہ فرماتے چلیے حسن و جمالِ مصطفوی پر عشاقانِ باکمال کے محبت بھرے جملے...

زوجۂ رسول سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

آپ کے چہرۂ اقدس کا حسن و جمال سب سے بڑھ کر اور رنگ سب سے روشن تھا۔

حضرت اُم معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

حضورِ اقدس ﷺ کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔

(سبل الہدی ۲/۵۶، شرح سلامِ رضا)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس پیکرِ حسن و جمال کی محبت و عشق میں سرشار ہو کر کیا خوب فرمایا کہ ایک مرتبہ جب چودھویں رات کا چاند پُر بہار میں کھلا ہوا تھا میں چودھویں رات کے چاند کے جمال کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضورِ اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں میں نے چاند کے چہرے سے نظر ہٹا کر حضورِ اقدس ﷺ کے چہرۂ پُر نور ڈالی پھر میں نے حضورِ اقدس کے چہرۂ اقدس پر نظر ہٹا کر چاند کے چہرے پر ڈالی پھر چاند کے چہرے سے نظر ہٹا کر حضورِ اقدس کے چہرۂ اقدس پر ڈالی، اس طرح میں نے چند مرتبہ کیا۔ بار بار کے تجزیے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضورِ اقدس ﷺ کا چہرۂ اقدس چاند سے بھی زیادہ روشن اور منور ہے کیوں کہ چاند کے چہرے میں سیاہ دھبّا ہے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کا چہرۂ پُر انوار صاف اور درخشاں ہے:

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پُتلا نور کا ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

(عرفانِ رضا ۱/۵۱۶)

محبوبِ رب کے حسن و جمال کا کیا کہنا عاشقوں نے کبھی آفتاب سے تشبیہ دی اور کبھی ماہتاب سے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورِ اکرم ﷺ کا رُوئے روشن صفائی و تابانی میں شمشیر کے مانند تھا؟ فرمایا: نہیں، بلکہ چاند کے مانند تھا۔ کیوں کہ شمشیر کی تشبیہ میں گولائی مفقود ہے اس لیے انھوں نے چاند سے تشبیہ دی کہ چاند میں چمک دمک بھی ہے اور گولائی بھی۔

اور صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ آفتاب و ماہ تاب کے مانند تھا یعنی مستدیر اور گولائی میں اگرچہ ماہ تاب کے مقابلے میں آفتاب میں چمک دمک زیادہ ہے لیکن ماہ تاب میں جو ملاحت ہے وہ آفتاب میں نہیں۔ اور ملاحت ایسی خوبی ہے جو دیکھنے

D:NaatRang-18
File: Gulam Mustafa
Final

میں پُر لطف اور دل نشیں ہے جس کا ذوقِ سلیم ہی ادراک کرسکتا ہے۔ (مدارج النبوۃ ۱/۱۱)

حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چاند اور سورج سے تشبیہ بلکہ ان سے بھی زیادہ حسین و جمیل کہنے والے عاشقوں کے واقعات بیان کیے جائیں تو صفحات کے صفحات بھر جائیں۔ خدا ان عاشقوں کے بحرِ عشق والفت کی ایک بوند ہمیں بھی عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ دیکھیے عاشقِ صادق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا سراستلناروجهه کانه قطعة قمر۔

رسولِ معظم ﷺ کی پیشانی مبارک پر جب شکن پڑتی تو آپ کا چہرۂ انور پارۂ قمر کے مانند چمکنے لگتا۔

عشاق اور مشتاقانِ دید ہمیشہ جمالِ جہاں آرا کے مشاہدے میں ایامِ بیض کی راتوں میں مشرف رہتے تھے اور اس مشاہدے سے وہ کبھی غافل اور فارغ نہ ہوتے تھے کیوں کہ دیدارِ نقد ہے اور ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ہے کہ مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم عظیم بزرگ معظم اور مفخم تھے گویا آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کے مانند روشن وتاباں تھا۔

جمالِ مصطفوی کو خورشید و آفتاب کے مقابلے میں چاند سے تشبیہ دینے کی ترجیح میں اہلِ سیر فرماتے ہیں کہ:

چاند اپنے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت بخشتا ہے اور اس کے مشاہدے سے دل کو انس ولذت حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی طرف نظر کرنا ممکن ہے بخلافِ آفتاب کے کہ وہ آنکھوں کو خیرہ کرتا اور دل کو ذوق نہیں پہنچاتا ہے۔　　　　　(حوالہ سابق)

کہاں تک ذکر کیا جائے: بعد از خدا بزرگ توئی جس کی ذات ہو، اس کے سراپا اور حسن و جمال کو کون کما حقہ بیان کرسکتا ہے۔ اُم المومنین محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہے کہ:

میں سحری کے وقت سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی چراغ کی روشنی میں اسے بہت تلاش کی نہیں ملی، اتنے میں حضورِ اقدس ﷺ تشریف لائے آپ کے چہرۂ انور کی روشنی سے پورا کمرہ روشن ہوگیا اور اس روشنی میں، میں

نے اپنی سوئی دیکھ لی۔　(خصائصِ کبریٰ ۱/۱۵۹)

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے　　　شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو (محبت و عقیدت سے) عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنانِ مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اور بعض لوگ ان کو دیکھ کر مر جاتے تھے مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی ایسی حالت نہیں ہوئی۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا 'میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اگر آشکار ہو جائے تو لوگوں کا حال اس بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔

('دُرّ الثمین فی مبشراتِ النبی الامین' ص ۷)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضورِ اقدس ﷺ کا پورا حسن و جمال ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا اگر آپ کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی طاقت نہیں رکھتیں۔　(زرقانی شریف)

وہ حسن جس کے آگے وادیِ خیال میں پیدا ہونے والی حسن و جمال کی تمام تر رعنائیاں ماند پڑ جائیں کون بیان کر سکتا ہے۔ اس نورانی چہرۂ اقدس کا حسن و جمال کس بیان میں آسکتا ہے۔ مگر آیئے کچھ دیر امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عشق و عقیدت بھرے اشعارِ نعت ملاحظہ کریں جن میں اس وصفِ محبوبِ کبریا کو بڑے احسن طریقے سے بیان کیا گیا ہے والہانہ عقیدت و محبت کے انداز ایک ایک مصرع سے لگایا جا سکتا ہے فریفتگی و شیفتگی کی بھی عمدہ مثال دیکھنے کو ملے گی۔ نیز اس اعتراض کا بھی جواب ملے گا جو مخالفین و معاندین نے بڑی بے باکی کے ساتھ کیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے سیرتِ رسول پر کوئی کتاب نہیں لکھی جب کہ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مجددی مظہری قبلہ دام ظلہ تو یہاں تک رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا کا قلم زندگی بھر سیرۃ النبی ﷺ پر چلتا رہا۔ انھوں نے سیرت کے ایک ایک گوشے پر مستقل رسالے تصنیف فرمائے اور وہ تحقیق فرمائی جو کتبِ سیرت میں نظر نہیں آتی۔　('رہبر و رہنما' ص ۷)

D:NaatRang-18
File: Gulam Mustafa
Final

اور حسنِ مصطفوی کا ذکرِ حسن امام احمد رضا نے کتنے والہانہ عقیدت کے سمندر میں ڈوب کر کیا اس کا اندازہ تو ان کے نعتیہ دیوان سے بخوبی ہوگا، مگر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

> امام احمد رضا صاحب اپنے محبوبِ دل آرا کی محبت میں ڈوبتے ہیں اور اس کے حسنِ دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں، جیسے آنکھیں برس رہی ہیں، جیسے سینے پھک رہے ہوں، جیسے چشمے اُبل رہے ہوں، جیسے فوارے چل رہے ہوں، جیسے گھٹائیں چھا رہی ہوں، جیسے پھوار پڑ رہی ہو، جیسے مینھ برس رہا ہو، جیسے جھرنے چل رہے ہوں، جیسے دریا بہ رہے ہوں، جیسے صبا چل رہی ہو، جیسے پھول کھل رہے ہوں، جیسے خوش بو مہک رہی ہو، جیسے تارے چمک رہے ہوں، جیسے کہکشاں دمک رہی ہو، جیسے آفاق پھیل رہے ہوں، جیسے دنیا سمٹ رہی ہو، جیسے زمین سے اُٹھ رہے ہوں، جیسے فضاؤں میں بلند ہو رہے ہوں اور جیسے ان کے نور کی خیرات لوٹ رہے ہوں جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں رضا بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات...

امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی حبِ رسول میں صرف کی اپنے محبوب کی ہر ہر ادا پر جاں فدا کردی ان کے اعضاے جسمانی پر اپنے مشہور زمانہ سلام میں محبت و عشق بھرے انداز میں پُرلطف روشنی ڈالی تو جس کی روح کا چین چہرۂ والضحیٰ ہو جس کے لب پر لحہ لحہ ذکرِ حبیبِ پاک اور تذکارِ محبوبِ پاک ہو جب وہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کی کیفیتوں کا ذکر چھیڑے تو پھر عالم کیا ہوگا۔

سنیے سنیے کیا عرض کرتے ہیں:

حسن تیرا سا نہ دیکھ نہ سنا کہتے ہیں اگلے زمانے والے

اور جس حسنِ بے مثال کو متقدمین نے خراج پیش کیا ہو، اس پر متاخرین کا یہ شیدائی کیوں نہ قربان ہو۔ ذرا والہانہ انداز تو دیکھیے:

حسنِ بے داغ کے صدقے جاؤں یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

عشاقِ مصطفیٰ یعنی جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کئی ایک مثالیں گزشتہ سطور میں پیش کی گئیں جن میں حسنِ مصطفوی کو بے نظیر قرار دیا گیا۔ اپنے انھی سرکاروں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ

عاشقِ صادق (امام احمد رضا) بھی محبوبِ جاناں کی شانِ حسن کو بیان کرتے ہوئے عرض گزار ہے:

لم یاتِ نظیرک فی نظری مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو، ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اپنے آقائے کریم کے حسن و جمال، خدوخال، زلف و رُخ و رخسار کی والہانہ انداز میں کتنے حسین الفاظ میں مدحت کی ہے ذرا بحرِ عشق میں غوطہ زن ہو کر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دولتِ درد اور متاعِ عشق کوئی معمولی چیز نہیں کہ جس کی حفاظت سے ہم غافل ہو جائیں اس سے محرومی کا تلخ ذائقہ ہم یورپ سے پوچھیں جس کے پاس سب کچھ ہے مگر اپنے آپ نہیں بچا دل رہ گیا مگر دھڑکن نام کو نہیں۔ امام احمد رضا نے اسی درد کو محسوس کیا اور دنیوی بادشاہوں کے بجائے کائنات کے شہنشاہ کا عشق اپنے سوزِ دروں میں جاگزیں کیا جس کی تپش سے اپنے سینے کو آشنا کیا جس کے گداز سے اپنے آپ کو شناسا کیا۔ یہ عشقِ مصطفوی علیہ التحیۃ الثنا کی کیفیت ہی تھی عشقِ رسول علیہ السلام ہی کا ذوق تھا والہانہ پن ہی تھا شیفتگی اور گداختگی ہی تھی کہ جب مصطفیٰ جانِ رحمت کا ذکر چھڑ جاتا تو یہ بے مثال عاشق تڑپ اُٹھتا اور والہانہ عقیدت و احترام میں نعتوں پر نعتیں لکھ جاتا جن میں رُخِ حبیب کا ذکر بھی ہوتا اور لبِ مصطفیٰ کا تذکرہ بھی دست و قدمِ اقدس کا بیان بھی ہوتا اور خورد و نوشِ حبیب کے جلوے بھی۔ اور ان سب پر بھاری ان کا اندازِ ادب و تعظیم ہوتا۔ تبھی تو زندگی کا ماحصل قرار دینے کے بعد اپنی قبر میں بھی یہی آرزو لے کر گئے:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　　اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

مگر سرِ دست حسنِ مصطفوی پر امام احمد رضا کی عقیدت مندانہ کیفیت موضوعِ سخن ہے اس لیے اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی:

بادِ رحمت سنک سنک جائے　　　وادیِ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات حسنِ احمد کی　　　غنچۂ دل چٹک چٹک جائے

امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں کاروانِ نعت گوئی کے سالارِ اوّل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا رہبر و رہنما مانا ہے، فرماتے ہیں:

D:NaatRang-18
File: Gulam Mustafa
Final

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے　　　افغانِ دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو　　　نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے چہرۂ حبیب ملاحظہ فرمانے کے بعد بحرِ عشق میں ڈوب کر کہا تھا: **و احسن منک لم ترقط عینی.... (الخ)**

امام احمد رضا آپ کے طریقے پر چلتے ہوئے جذباتِ عشق میں یوں گویا ہوئے:

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا　　　تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا　　　ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

حسنِ حضور پر پروفیسر مسعود صاحب خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایسا حسین و جمیل چہرہ کہ بس دیکھا کیجیے دیکھنے والوں نے ایسا حسین نہ دیکھا، سننے والوں نے ایسا حسین نہ سنا، ایسا حسین چہرہ کہ جس کے حسن و جمال پر دیکھنے والوں نے ایمان نچھاور کر دیے۔ دل فدا کر دیے، جانیں قربان کر دیں، اللہ اللہ کشش کا عالم، سارے عالم کے دل کھنچنے لگے۔ پیاری پیاری ادائیں، سبحان اللہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، جانے کو دل نہیں چاہتا، ہیبت و جلال کا یہ عالم کہ شاہوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم　　　شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

حسنِ بے مثال کا عالم یہ تھا کہ زبان کو عالم حیرت میں یہ کہنا پڑا: **لم ار قبله و لابعده** (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۷) ایسا حسین اور جمیل تو نہ ان سے قبل دیکھا گیا اور نہ ان کے بعد۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

تیرا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

بقول علامہ اشرف صاحب:

لوگوں کے نزدیک شمس و قمر، ستارگانِ فلک، گل ہائے رنگارنگ سبزہ زاروں، رواں دواں نہروں اور ان کے اردگرد ہرے بھرے درختوں کی قطاروں کا حسن بڑا اہم ہے آیئے محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکارِ عشق سے پوچھیں کہ یہ سب کس کے حسنِ تمام کا پرتو ہیں۔

امام احمد رضا نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رُخِ زیبا تو کیا آپ کے دستِ انور کی انگلی مبارک کی رعنائی کی بھی چاند پر فوقیت بیان کی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ:

جب چاند نبی مکرم ﷺ کی انگلی کی تجلیات کے سامنے مغلوب ہوگیا تو آپ

کے چہرے کے حسنِ بے حجاب کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار آج تک سینہء مہ میں ہے نشانِ سوختہ

اور آپ ﷺ کی ذات سے چاند کی عقیدت و ارادت کا حال یہ ہے کہ آپ کی جبیں تو جبیں رہی وہ تو آپ ﷺ کے نقشِ قدم کو بوسہ دینا بھی سعادت سمجھتا ہے۔ بقولِ رضا بریلوی:

رُخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہوکر

امام احمد رضا کا پورا نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' عظمت و کمالاتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پُر ہے مگر بارگاہِ حسن و جمال و عظمت و کمال میں اپنے دلِ نیاز مند کی طرف سے عقیدت و محبت کے پھول کس پیارے انداز میں پیش کر رہے ہیں وہ ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں:

عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

ماہِ مدینہ اپنی تجلی عطا کرے یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دو پہر کی ہے

برادرِ امام احمد رضا علامہ حسن بریلوی صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ فرمایا ہے:

تیرہ دل کو جلوۂ ماہِ عرب درکار ہے چودھویں کے چاند تیری چاندنی اچھی نہیں

مذکورہ شعر بہت عمدہ ہے مگر سنیے امام رضا بریلوی نے کیا خوب کہا:

خورشید تھا کس زور پر، کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رُخ ہوا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وصفِ رُخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

یہ جو مہر و مہ میں ہے اطلاق آتا نور کا بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

سیّدنا حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے مثال حسن و جمال عطا فرمایا تھا جس کے رُخِ زیبا کو دیکھ کر مصر کی عورتیں عالمِ حیرت میں محو ہوکر اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں۔ مگر سنیے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں:

زلیخا کی سہیلیاں اگر آپ کی حسین جبیں کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دل کاٹ بیٹھتیں۔

حسنِ یوسف پہ کٹی مصر میں انگشتِ زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

D:NaatRang-18
File: Gulam Mustafa
Final

کلامِ رضاؔ کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

تضامین برکلامِ رضاؒ

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی

جز تیرے ہے نہ کوئی ہوا خواہ، لے خبر
نفسِ لعیں ہے دشمن و بدخواہ، لے خبر
آفت میں ہے ترا سگِ درگاہ، لے خبر
''اے شافعِ امم شہِ ذی جاہ، لے خبر
للہ لے خبر مری للہ، لے خبر''

کہنا خدا کے واسطے طیبہ میں کوئی جا
آنکھوں میں پھر رہا ہے مصیبت کا سامنا
نیرنگیاں دکھاتی ہے بدلی ہوئی ہوا
''دریا کا جوش ناؤ نہ بیڑا نہ ناخدا
میں ڈوبا، تُو کہاں ہے مرے شاہ، لے خبر''

اس بے کسی کے وقت میں درکار ہے مدد
مانا زمانے بھر میں نہیں کوئی مجھ سا بد
مرقد کا خوف اور نہ عصیاں کی کوئی حد
''منزل کڑی ہے رات اندھیرے میں نا بلد
اے خضر لے خبر مری، اے ماہ! لے خبر''

اللہ رے اضطراب کہ دم ہے گھٹا ہوا
پیغام بر بناتا ہوں میں تجھ کو اے صبا
کرنا یہ میری عرض درِ مصطفیٰ پہ جا

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

''پہنچے پہنچنے والے تو منزل مگر شہا!
ان کی جو تھک کے بیٹھے سرِ راہ، لے خبر''

شیطاں اُدھر بدی پہ اِدھر نفس میں غریب
دونوں کے بیچ میں ہے مرا حالِ دل عجیب
ڈر ہے کہ سو نہ جائے چمکتا ہوا نصیب
''جنگل درندوں کا ہے، مَیں بے یار، شب قریب
گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ، لے خبر''

مجرم ہوں، مجھ کو اپنے گناہوں سے ہے ہراس
شرمندگی سے چور ہوں، ٹوٹی ہوئی ہے آس
پہلو میں دل کہاں، ہیں مرے باختہ حواس
''منزل نئی، عزیز جدا، لوگ ناشناس
ٹوٹا ہے کوہِ غم، مَیں پرِکاہ، لے خبر''

مرقد میں رہ گیا ہے اکیلا کوئی غریب
بارِ گناہ لاد کے لایا ہے بدنصیب
منکر نکیر کی گھڑی آ پہنچی ہے قریب
''وہ سختیاں سوال کی، وہ صورتیں مہیب
اے غم زدوں کے حال سے آگاہ، لے خبر''

محبوبِ حق ہے، تُو نے مراتب وہ پائے ہیں
ہاں تیرے در پہ شاہ و گدا سر جھکائے ہیں
شانِ کرم نے سیکڑوں جلتے بجائے ہیں
''مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ، لے خبر''

پیارے تجھی کو غم کی کہانی سنائیں گے
سو بار مانگنے درِ اقدس پہ آئیں گے
بگڑی ہوئی: حضور کرم سے بنائیں گے

"اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ، لے خبر"

بادِ صبا خیال رہے یہ تجھے ضرور
سرکارِ دو جہاں سے یہ کہنا کہ اے حضور
پاؤں میں کانٹے، سوکھی زباں، دل ہے ناصبور
"پُرخار راہ، برہنہ پا، تشنہ، آب دور
مولیٰ پڑی ہے آفتِ جاں کاہ، لے خبر"

قاسمؔ زباں کو روک کہ ہے یہ ادب کی جا
دنیا میں آج جس کا ہے جھنڈا گڑا ہوا
کر غور ایسا شخص یہ کہتا ہے برملا
"مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضاؔ
تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ، لے خبر"

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی

مرتے دم ایمان کی پیاری فضا کا ساتھ ہو
شمع ءِ لولاکِ نورِ کبریا کا ساتھ ہو
قبر میں اور حشر میں تیری رضا کا ساتھ ہو
''یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل، شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو''

بھول جاؤں تیری اُلفت میں ہر اِک تکلیف کو
جھیل جاؤں تیری رحمت سے ہر اِک تکلیف کو
جیتے جی آرام سمجھوں میں ہر اِک تکلیف کو
''یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدار حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو''

جز گناہوں کے، نہیں اعمال میں کچھ کائنات
سن لیا ہے نام تیرا میں نے حل المشکلات
میں وہ مجرم ہوں کہ مجھ کو کچھ نہ بن آئے گی بات
''یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منھ کی صبحِ جاں‌فزا کا ساتھ ہو''

کیسی طاعت ہے یہ دنیا کی محبت میں اسیر
خاک پڑ جائے ذرا جرموں پہ اے روشن ضمیر
لو لگائے ہے کسی کی شانِ رحمت پر فقیر
''یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو''

حشر میں مجرم ترے تسکین پائیں پیاس سے
مخزنِ جود و عطا گھبرا نہ جائیں پیاس سے
تشنگی غالب ہو جب وہ منھ بنائیں پیاس سے
''یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو''

دل کو پہنچائے نہ گرمی بے سبب خورشیدِ حشر
اور اونچا چمکے میرے سر سے رب خورشیدِ حشر
اے خدا آئے سوا نیزے پہ جب خورشیدِ حشر
''یاالٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیّدِ بے سایہ کے ظلِّ لوا کا ساتھ ہو''

روح ٹھنڈک پائے اور دل کو نہ ہو رنج و محن
تیری رحمت آڑے آئے اس جگہ اے ذوالمنن
آتشِ عصیاں سے جب جلنے لگیں یہ جان و تن
''یاالٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو''

روزِ محشر جب عمل میزان میں تلنے لگیں
پردۂ رحمت کے پردے جس گھڑی کھلنے لگیں
سارے افرادِ معاصی فیض سے دُھلنے لگیں
''یاالٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق، ستارِ خطا کا ساتھ ہو''

سر بہ سر مجرم ہوں کس کو شک ہے اپنے جرم میں
پھنس گیا ہوں بے طرح اے شانِ رحمت جرم میں
واسطہ پیارے کا رُسوا ہوں نہ میں اس جرم میں
''یاالٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دُعا کا ساتھ ہو''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

نامۂ اعمال عصیاں جب مجھے آنکھیں دکھائے
یاالٰہی تیری ستاری مری بگڑی بنائے
دست گیری کے لیے شانِ کرم اس وقت آئے
''یاالٰہی جب حسابِ خندۂ بے جا رُلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجےٰ کا ساتھ ہو''

خود سری میں سر اُٹھائیں جب مری بے باکیاں
صدقۂ محبوب دب جائیں مری بے باکیاں
عفو کے پانی سے دُھل جائیں مری بے باکیاں
''یاالٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو''

روزِ محشر جب کہ ہو نزدیک راہِ پلِ صراط
آپ کے صدقے میں طے ہو ٹھیک راہِ پل صراط
دھار سے تلوار کی باریک راہِ پل صراط
''یاالٰہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو''

نفسِ رہزن کی نہ ہر تدبیر پر چلنا پڑے
اس سے بہتر ہے کسی شمشیر پر چلنا پڑے
صبر کا حصہ ملے تقدیر پر چلنا پڑے
''یاالٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِ سلّم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو''

حبِ دنیا چھوڑ کر میں تیرے در پر آ پڑوں
روز افزوں ہو، ترقی ہو، عطا صبر و سکوں
خوبیِ تقدیر سے مولیٰ نہ میں خالی پھروں
''یاالٰہی جو دُعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمیں ربنا کا ساتھ ہو''

بارِ عصیاں سے نہ دب کر یہ کوئی سختی اُٹھائے
مدحتِ محبوب کا اتنا صلہ محشر میں پائے
اُس کے دامن سے بندھا قاسمؔ نہ پیچھے چھوٹ جائے
''یاالٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

پروفیسر سیّد شاہ طلحہ رضوی برقؔ

ہاں رب کی طلب پہ شبِ اسریٰ اس شان سے عرشِ علا جانا
فرمایشِ حضرتِ موسیٰ پر کئی بار وہاں آنا جانا
ہے شاہِ رسل احسان ترا، رودادِ سفر فرما جانا
''لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا''

مصباح ظلم اے شمعِ ہدیٰ فاق الرسلا فضلا و علا
محبوسِ نحوست کب سے ہوں،کوئی رستہ نہ اب تک مجھ پہ کھلا
ہر سمت سے یورش کفر کی ہے، ایمان کا حافظ اب ہے خدا
''البحر علا والموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا''

میں بندۂ عاجز، زار و زبوں، نے پیر فقیر، رشی نہ منی
افسوس کہ اپنے ہی ہاتھوں سے پوشاک سیاہ عمل ہے بنی
میں ہجر کے غم کا مارا ہوں، فریاد مری نہ کسی نے سنی
''یاشمس نظرت الی لیلیٰ چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا''

ازکی النسب اعلیٰ الحسب تری ذات ہے وہ بے مثل و بدل
ظلمت کدۂ دنیا میں ہوا، روشن جو ضیاے حق کا کنول
ایمان کی شمعیں جل اٹھیں، کیا چمکا لباس حسنِ عمل
''لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ، زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل، رحمت کی بھرن برسا جانا''

کنز الکرم مولی النعم جنت نہ رہے کیوں زیرِ قدم
تیرے نام کی برکت سے شاہا، کافور ہوئی شبِ رنج و الم
اے نور سراپا، رحمتِ حق، کوثر کے امیں، فخرِ آدم
''انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا''

فمحمدنا ھو سیدنا اسی نام سے میرے دل کی چمک
افلاک کی قندیلیں روشن، گل ہاے چمن میں رنگ، مہک
وہ وجہِ نمودِ ہستی ہیں، وہ باعثِ کن فیکوں بے شک
یاقافلتی زیدی اجلک رحمے برحسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

سعت الشجر، نطق الحجر شدلات و ھبل زیر قدمت
تابانیِ ماہ چہار دہم شرماسی گئی زانوار رخت
فرقت میں تری گھٹ گھٹ کے مری کچھ اور بھئی جر جر حالت
واھا لسو یعان ذھبت آں عہد حضور بار گہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

شیطان کا جادو سر جو چڑھا دل میں اترا دنیا کا فسوں
ہر چار طرف دیدم مسدود اے وائے کہ راہ نجات اکنوں
شرمندۂ عصیاں گریاں ہے کیے سر کو در اقدس پہ نگوں
''القلب شج والھم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کا سے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا

مفقود نہیں مری آتش دل نہ یہ سوزِ درونِ جگر عنقا
سینے کے لہو کی سرخی سے ہے صبح و مسا تو خجل شفقا
کیا حسرتِ ایماں لے کے گیا دنیا سے بنِ نوفل ورقا
''الروح فداک فزد حرفا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا، یہ جان بھی پیارے جلا جانا

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

کہتا ہے یہی ہر اہلِ قلم ہے ہوش یہ پڑھ کے دنگ مرا
وہ شاہِ سخن تھے شایاں تھا لکھتے جو اسے ''ارژنگ'' مرا
اس کوہِ گرانِ علم کے عجز نے برق چھڑایا زنگ مرا
بس خانۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

سیّد نصیر الدین نصیر گولڑوی

دل کے آنگن میں یہ اک چاند سا اُترا کیا ہے
موج زن آنکھوں میں یہ نور کا دریا کیا ہے
ماجرا کیاہے یہ آخر یہ معما کیا ہے
"کس کے جلوے کی جھلک ہے، یہ اُجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے"

زائرِ گنبدِ خضریٰ، تجھے اب فکر ہے کیا
سامنے وہ بھی میں، اللہ کا در بھی ہے کھلا
چپ نہ رہ، کھول زباں، دامنِ مقصد پھیلا
"مانگ من مانتی، منھ مانگی مرادیں لے گا
نہ یہاں ناں ہے، نہ منگتا سے یہ کہنا، کیا ہے؟"

عرصۂ حشر میں ناسازیِ احوال کے وقت
دل کی دیوار میں اُٹھتے ہوئے بھونچال کے وقت
لمن الملک کی آوازِ پُر اِجلال کے وقت
"بے بسی ہو مجھے جب پرسشِ اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں، اُس وقت تمنا کیا ہے"

بات اُمت کی جب اللہ سے منوائیں حضور
جس گھڑی مسندِ محمود پہ آجائیں حضور
جب گنہ گاروں کو سرکار میں بلوائیں حضور
"کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو، یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے"

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

خود نگر ہے، نہ وہ گستاخ، نہ وہ ظالم ہے
بدعقیدہ ہے نہ وہ چرب زباں عالم ہے
نسلِ خدام سے منسوب کوئی خادم ہے
''یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اُس سے پرسش ہے: بتا تُو نے کِیا کیا کیا ہے''

رُوبرو داورِ محشر کے ہے اک عصیاں کیش
ہے اُدھر مالکِ کل اور اِدھر یہ درویش
معصیت کار، خطاوار، گنہ بیش از بیش
''سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہے پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے''

نوحہ زن ہے دلِ برباد کہ یا شاہِ رُسل
اب کہاں جائے یہ ناشاد کہ یا شاہِ رُسل
وقتِ امداد ہے، امداد! کہ یا شاہِ رُسل
''آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رُسل
بندہ بے کس ہے شہا! رحم میں وقفہ کیا ہے''

ہے عنایت، جو میں مصروفِ ثنا ہوتا ہوں
ورنہ اوقات مری کیا ہے، میں کیا ہوتا ہوں
غم تو بس یہ ہے کہ محرومِ نوا ہوتا ہوں
''اب کوئی دم میں گرفتارِ بلا ہوتا ہوں
آپ آجائیں تو کیا خوف ہے، کھٹکا کیا ہے''

عرصۂ حشر میں تھا بیم و رجا کا عالم
سخت مشکل میں گھری تھی مری جانِ پُرغم
ہاتھ میں تھامے ہوئے حمدِ الٰہی کا علم
''لو! وہ آیا مرا حامی، مرا غم خوارِ اُمم
آگئی جاں تنِ بے جاں میں، یہ آنا کیا ہے''

یوں مرے سر سے بلا خوف کی ٹالیں سرور
حشر کی بھیڑ میں چپکے سے بلا لیں سرور
پہلے قدموں میں ذرا دیر بٹھا لیں سرور
''پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمائیں ہٹو! اس پہ تقاضا کیا ہے''

ہمیں کہتے ہیں ملک، طبقۂ معصوم ہیں ہم
بلکہ قرآں میں اسی نام سے موسوم ہیں ہم
مگر اس پر بھی نہ حاکم ہیں، نہ مخدوم ہیں ہم
''چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں، محکوم ہیں ہم
حکمِ والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے''

جب چلے حشر کے میدان میں اُمت کی سپاہ
سرورِ جیش ہو وہ مطلعِ کونین کا ماہ
اہلِ بیت اور صحابہ بھی رواں ہوں ہم راہ
''یہ سماں دیکھ کے محشر میں اُٹھے شور کہ واہ
چشمِ بددُور ہو، کیا شان ہے، رُتبہ کیا ہے''

باغِ جنت ترے تطہیر کے گلشن پہ نثار
آبِ تسنیم ترے پاؤں کے دھوون پہ نثار
حسنِ یوسفؑ کی ادائیں تری چتون پہ نثار
''صدقے اس رحم کے، اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے''

تیرے اشعار میں ہے عشقِ نبی کی مہکار
نعت کے باغ میں آئی ہے ترے دم سے بہار
تجھے کرتا ہے نصیرؔ اہلِ ولایت میں شمار
''اے رضاؔ! جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ! ترا کہنا کیا ہے''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

ڈاکٹر ہلال جعفری

اللہ اللہ! تری شان، یہ رتبہ تیرا
موجزن دہر میں ہے بحر عطایا تیرا
سب امیروں میں غریبوں میں ہے چرچا تیرا
"واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں، سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا"

کاش پہنچوں جو ترے روضۂ اقدس کے قریب
میری قسمت بھی بدل جائے، سنور جائے نصیب
جالیاں تھام کے روضے کی کہوں والا مجیب
"میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا"

تیرے جلووں سے منور ہوئے چاروں اطراف
ختم ہیں ذاتِ مقدس پہ تری کل اوصاف
ہے زمانے سے نرالی تری شانِ الطاف
"چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا"

جانے والو! مرے آقا سے یہ کہنا احوال
کہ تری قوم ہوئی جاتی ہے آقا پامال
گو، بُروں سے بھی برے ہیں مگر اے نیک خصال
"تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا"

ہوں سیہ کار نہ کھل جائے حقیقت میری
اپنے دامن میں چھپا فردِ ندامت میری
رحمتِ خاص ذرا دیکھ عقیدت میری
''تجھ سے در، در سے ہے سگ، سگ سے ہے نسبت میری
میری گردن میں پڑا دور کا پٹا تیرا''

مجھ سے پوچھے کوئی آقا تری رحمت کیا ہے
تیرے اکرام ہیں کیا، تیری عنایت کیا ہے
تیرے قربان، مجھے فکرِ قیامت کیا ہے
''تیرے آگے مرے عصیاں کی حقیقت کیا ہے
مجھ سے سو لاکھوں کو کافی ہے اشارہ تیرا''

آرزو ہے کہ شہِ کون و مکاں والا سمیع
یہ ہلالؔ آپ کا ہو اور ہو فردوسِ بقیع
اے شہِ ختمِ رسل اے ہمہ اوصاف رفیع
''تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اُس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

ڈاکٹر ہلال جعفری

نور کی دہلیز پر حاضر ہے منگتا نور کا
مانگتا ہے والیِ بطحا سے ٹکڑا نور کا
جھانکتا ہے آسمانوں سے اجالا نور کا
''صبح طیبہ میں ہوئی، بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارہ نور کا''

عندلیبانِ چمن کے لب پہ نغمہ نور کا
مسکرایا شاخِ طوبیٰ پر شگوفہ نور کا
گلشنِ فردوس میں چٹکا ہے غنچہ نور کا
''باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور''

گویا پرکارِ ازل نے کھینچا نقشہ نور کا
اک یتیمِ آمنہؓ لایا ہے مژدہ نور کا
ہے حلیمہ تیرے گھر کا کونا کونا نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

ان کی محرابِ حرم کا پردہ پردہ نور کا
ان کی اِک اِک رہ گزر کا ذرّہ ذرّہ نور کا
جلوہ گاہِ لم یزل ہے اُن کا حجرہ نور کا
''ان کے قصرِ قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا
سدرہ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا''

تیرے بام و در کو دھوتا ہے اجالا نور کا
تیری مسند نور کی مسند پہ تکیہ نور کا
تیری کملی نور کی تیرا سراپا نور کا
''تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارہ نور کا''

تیرے در کی بھیک کا اک ایک ذرّہ نور کا
دور سے کاسا بہ کف آیا ہے منگتا نور کا
تو ہے داتا نور کا تیرا خزانہ نور کا
''میں گدا تو بادشہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا، دے ڈال صدقہ نور کا''

تو حریمِ نور تیرے گھر کا نقشہ نور کا
تو ستونِ عرش تیرا قدِ بالا نور کا
تیری ایڑی نور کی ہے تیرا تلوا نور کا
''تیری ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
رُخ ہے قبلہ نور کا، ابرو ہے کعبہ نور کا''

جامۂ اطہر پہ وہ پیوند رکھا نور کا
وادیِ اسریٰ پہ لہرایا عمامہ نور کا
گویا قرطاسِ نبوت پہ ہے نقطہ نور کا
''پشت پر ڈھلکا سرِ انور پہ شملہ نور کا
دیکھ موسیٰ طُور سے اترا صحیفہ نور کا''

اِک یتیمِ آمنہ کے گرد ہالہ نور کا
چاند تارے جس سے لیتے ہیں اجالا نور کا
ہر گدا ہر بادشہ لیتا ہے صدقہ نور کا
''تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

صاحبِ واللیل تیرا جلوہ جلوہ نور کا
زلف نوری، آنکھ نوری، حصہ حصہ نور کا
نور کی چتون ہے چتون کا اشارہ نور کا
''بینیِ پُرنور پر افشاں ہے بکہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا''

عرصۂ محشر میں جب لہرایا طرہ نور کا
اور بخشش کے لیے باندھا ہے پٹا نور کا
ساری کملی نور کی کملی کا سایہ نور کا
''مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا
لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا''

اللہ اللہ چہرۂ انور پہ ہالہ نور کا
سورۂ والشّمس پڑھتی ہے وظیفہ نور کا
بن گیا تلووں کا دھوون قطرہ قطرہ نور کا
''آبِ زر بنتا ہے عارض کا پسینا نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا''

جنبشِ مشاطۂ رحمت نمونہ نور کا
کاکلِ پیچاں کا ہر حلقہ ہے حلقہ نور کا
زلفِ عنبر نور کی زلفوں کا شانہ نور کا
''پیچ کرتا ہے غلط ہونے کو لمعہ نور کا
گردِ سر پھرنے کو بنتا ہے عمامہ نور کا''

نور کی سرکار سے اٹھتا ہے پردہ نور کا
چہرۂ پُرنور سے سرکا ہے برقعہ نور کا
سورۂ والنجم پڑھتی ہے وظیفہ نور کا
''ہیبتِ عارض سے تھراتا ہے شعلہ نور کا
کفشِ پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا''

تو چراغِ نور ہے تو ہے سراپا نور کا
رشکِ خورشیدِ فلک ہے ذرہ ذرہ نور کا
تو متاعِ نور ہے تجھ سے ہے رتبہ نور کا
''تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا ترے سجدہ سے سیما نور کا''

سلکِ دندانِ مبارک ہے خزینہ نور کا
مرحبا ہے پنجۂ مژگاں کا جلوہ نور کا
ریشِ اقدس کی ادا گویا ہے سبزہ نور کا
''تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا''

کیا تجمل کیا تقدس کیا عمامہ نور کا
عطر برساتا ہے راہوں میں شمامہ نور کا
گاتی ہیں فردوس کی حوریں ترانہ نور
''کیا بنا نامِ خدا اسریٰ کا دولھا نور کا
سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا''

پھر زمانہ صائقہ بر دوش آیا نور کا
پھر کوئی موسیٰ بجائے گا ترانہ نور کا
پھر ادھر ہر گام پر ہوگا دوگانا نور کا
''بزمِ وحدت میں مزہ ہوگا دوبالا نور کا
ملنے شمعِ طُور سے جاتا ہے اِکّا نور کا''

مطربِ فطرت نے پھر چھیڑا ہے نغمہ نور کا
وجد بھی تھا وجد میں سن کر فسانہ نور کا
رقص میں ہے نوکِ مژگاں پر ستارہ نور کا
''وصفِ رُخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

طُور والوں سے کوئی پوچھے معما نور کا
چشمِ موسیٰ بھی نہ کر پائی نظارہ نور کا
برق تھی، بجلی تھی یا تھا کوئی شعلہ نور کا
''دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا
من رأیٰ کیسا؟ یہ آئینہ دکھایا نور کا''

رات کی تاریکیوں میں مسکرانا نور کا
دہر پر ثابت ہوا بن کر منارہ نور کا
روزِ روشن کی طرح روشن ہے دعویٰ نور کا
''صبح کردی کفر کی، سچا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا''

اجلے اجلے پیرہن اُمڈا ہے دریا نور کا
پھوٹی رحمت کی کرن اُمڈا ہے دریا نور کا
رحمتیں ہیں موجزن اُمڈا ہے دریا نور کا
''پڑتی ہے نوری بھرن اُمڈا ہے دریا نور کا
سر جھکا اے کشتِ کفر آتا ہے اہلا نور کا''

خوانِ رحمت سے عطا ہوتا ہے ٹکڑا نور کا
جس کو دیکھو مانتا پھرتا ہے صدقہ نور کا
جس کو بھی دیکھو نظر آتا ہے منگتا نور کا
''جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا''

اللہ اللہ ہے رواں بحرِ عطایا نور کا
دامنِ مقصد کو پھیلا، مانگ صدقہ نور کا
بھر لے کشکولِ تمنا بن کے منگتا نور کا
''بھیک لے سرکار سے، لا جلد کاسہ نور کا
ماہِ نو طیبہ میں بٹتا ہے وظیفہ نور کا''

قریہ قریہ نور کا ہے چپہ چپہ نور کا
پتی پتی نور کی ہے غنچہ غنچہ نور کا
اے کہ تیرے باغ کا ہے ذرہ ذرہ نور کا
''تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا''

بعدِ مردن بھی رہا میّت پہ سایہ نور کا
ارضِ بطحا نے دیا ہے وہ لبادہ نور کا
حشر میں گویا بھرم رکھے گا پردہ نور کا
''نزع میں لوٹے گا خاکِ در پہ شیدا نور کا
مر کے اوڑھے گی عروسِ جاں دوپٹا نور کا''

دل خزینہ نور کا دل میں خزینہ نور کا
دوش پر رحمت کی چادر، تن پہ کرتا نور کا
آنکھ سرمہ ہے حیا کا، سر پہ پٹکا نور کا
''نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا''

کس کے رُوئے نور سے سرکا ہے پردہ نور کا
کس کے ابرو پر ہلال اترا ہے کاسہ نور کا
کس حریمِ قدس سے برسا اجالا نور کا
''کس کے پردے نے کیا آئینہ اندھا نور کا
مانگتا پھرتا ہے آنکھیں ہر نگینہ نور کا''

کھو گیا ٹکڑوں کی صورت بن کے ٹکڑا نور کا
اب کہاں وہ طلعتیں کیسا ہیولہ نور کا
اب کہاں وہ رونقیں کیسا اجالا نور کا
''اب کہاں وہ تابشیں کیسا وہ تڑکا نور کا
مہر نے چھپ کر کیا خاصا دھندلکا نور کا''

نور سے پُرنور ہے نوری طریقہ نور کا
دستِ قدرت کی ہے پُرکاری سلیقہ نور کا
آپ محمل، آپ محفل، آپ پردہ نور کا
''انجمن والے ہیں انجم بزمِ حلقہ نور کا
چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا''

مرحبا صلِ علیٰ ہر جا ہے قبلہ نور کا
عرش سارا نور کا سارا احاطہ نور کا
صاحبِ طٰہٰ جہاں ہیں، ہے وہ ٹکڑا نور کا
''قبرِ انور کہیے یا قصرِ معلیٰ نور کا
چرخِ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا''

جس کی چلمن نور کی جس گھر کا گوشہ نور کا
جس کا محمل نور کا ہے جس کا ناقہ نور کا
سو حجاباتِ تقدس میں ہے چہرہ نور کا
''آنکھ مل سکتی نہیں در پر ہے پہرا نور کا
تاب ہے! بے حکم پَر مارے پرندہ نور کا''

جس کے ابرو کی ادا ہے یہ کمانِ نو ہلال
جس کی خوشبو سے معطر ہے جہانِ لازوال
ناقہ و آہوئے صحرائے مدینہ کا کمال
''سرمگیں آنکھیں حریمِ حق کا وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جس کا رمنا نور کا''

واہ وا کونین تیرے زیرِ پا ہے واہ واہ
واہ وا ہے نور کی بنیاد تیری گردِ راہ
اے شبِ اسریٰ کے راہی اے شہِ عالم پناہ
''دیدِ نقشِ سُم کو نکلی سات پردوں سے نگاہ
پتلیاں بولیں چلو آیا تماشا نور کا''

صاحبِ سدرہ پر و پر لے کے آئے چار چاند
لیلیٔ اسریٰ نے ماتھے پر سجائے چار چاند
اشہبِ معراج کے صدقے لگائے چار چاند
"عکسِ سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زرِ گردوں پہ سکہ نور کا"

گو ہلالِ شب مذاقِ فن سے کوسوں دور ہے
کاسۂ تضمین پھر بھی نور سے معمور ہے
تیری طرزِ فکر پر چشمِ رضا بھرپور ہے
"اے رضا یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا"

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

بشیر حسین ناظم

پیکرِ نور و شمیم، مظہرِ منان گیا مطلعِ بدرِ کرم، منّتِ دیّان گیا
اے خوشا ساتھ لیے محضرِ غفران گیا ''نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا''

علم و دانش ہوئے مفقود مرا گیان گیا نالۂ شب کی رسائی گئی، ایقان گیا
المدد شاہِ حرم ہاتھ سے عرفان گیا ''لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
میرے مولا مرے آقا ترے قربان گیا''

چشم رویت مری، انوار کی شیدا ہی رہی ڈھونڈتی جلوۂ محبوبِ دل آرا ہی رہی
عینِ جاں کرتی پئے دید تقاضا ہی رہی ''آہ وہ آنکھ کہ ناکامِ تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پُر ارمان گیا''

لطفِ منظارِ عنایات سے کیا دور رہا دہر میں مجمعِ اخیار میں مشہور رہا
خوش مقدر ہی ترے وصف پہ مامور رہا ''دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا''

اُن کے مستوں نے ہمیشہ ہی رکھا خیر سے کام جنسِ احسان لٹائی نہ رکھا بیر سے کام
کعبۂ عشق میں بیٹھے نہ رکھا دیر سے کام ''انھیں جانا انھیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا''

تم کو مرغوب شہِ دیںؐ کی محبت نہ سہی کامِ دل کے لیے الفت کی حلاوت نہ سہی
مجمعِ حشر میں درکار شفاعت نہ سہی ''اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا''

آج گلہائے نوازش کی سبد مانگ اُن سے آج ہی جامِ کرم، عبدِ صمد مانگ اُن سے
"آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے آج ہی بخشش و غفراں کی سند مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا"

خود کو تو کر کے رہا نذرِ تعقب آخر تیرا مقدور رہا حق سے تجنب آخر
"اُف رے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر تجھ کو لے ڈوبا ترا شوقِ تذبذب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا"

ساحلِ شوق پہ الفت کے سفینے پہنچے جن کو بلوایا بصد لطفِ نبیؐ نے، پہنچے
"جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے بلدۂ نور میں ناظمؔ سے کمینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا! سارا تو سامان گیا!"

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

بشیر حسین ناظم

قصرِ دل کا اجالا ہمارا نبیؐ
رحمتِ حق تعالیٰ ہمارا نبیؐ
ہر کرم کا حوالہ ہمارا نبیؐ
''سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ''

آمنہؓ کا دُلارا ہمارا نبیؐ
عرشِ رافت کا تارا ہمارا نبیؐ
انبیا میں نیارا ہمارا نبیؐ
''اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبیؐ
دونوں عالم کا دُولھا ہمارا نبیؐ''

تاجِ وصف و ثنا جس کے سر پر سجا
ہے وہی سیّدِ اصفیا، انبیا
سب سے آ کر کہا جس نے حرفِ بلیٰ
''بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا
نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبیؐ''

جس سے تاباں ہوئے نجم و بدر و شموس
جس نے سب کو دیے رفعتوں کے دروس
جس کے زیرِ نگیں ترک و تاجیک و طوس
''جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبیؐ''

جس کو حق سے ملیں عظمتیں رفعتیں
جس نے تقسیم کیں خلق میں بخششیں
جس سے جگ کو ملیں راحتیں، فرحتیں
''بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبیؐ''

جس کی ہر بات ہے قند و شہد و نبات
عقل سے ہیں ورا جس کی جملہ صفات
جو ہے اصلِ جہاں جوہرِ کائنات
''جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبیؐ''

ہم تھے مسرور سب، دیو تھے بند، یاں
تھیں ہماری فلک پر، برومندیاں
ہر طرف تھیں زمانے میں خوش خندیاں
''عرش و کرسی کی تھیں آئینہ بندیاں
سُوئے حق جب سدھارا ہمارا نبیؐ''

وہ بلائیں گے محشر میں غفراں کی مل ہوں گے محروم رحمت عتی و عُتُل
آئے گی میرے کانوں میں آوازِ قل ''خلق سے اولیا، اولیا سے رُسُل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبیؐ''

جو حسینِ جہاں ہے جمیل الشیم جو مراحم کی جاں ہے شفیع الامم
نام جس کا ہے لوحِ رواں پر رقم ''حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیحِ دلآرا ہمارا نبیؐ''

یادِ محبوب جس قلب سے دور ہو ایسا ہر قلب مثبور و مقہور ہو
گاو و خر کی محبت سے معمور ہو ''ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو
نمکیں حسن والا ہمارا نبیؐ''

جس کی ذاتِ گرامی ہے حق کی دلیل جس کے اجداد ہیں سب شریف و اصیل
جس کے احفاد جملہ نجیب و نبیل ''جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبیؐ''

ہے یہ اعلانِ اعبادِ ربِ جلی رشکِ فردوس ہے مصطفیٰ کی گلی
دل کی آواز ہے سب کے دل کو لگی ''جیسے سب کا خدا ایک ہے، ویسے ہی
اِن کا، اُن کا، تمھارا، ہمارا نبیؐ''

بات ہوتی رہی حسنِ تقویم کی فاش ہوتا رہا ہر نشانِ خفی
قدرت اپنے شئونات سے نہ رُکی ''قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبیؐ''

آنکھ فرقت میں بہنے کو منھ چاہیے کشتی عشق کھینے کو منھ چاہیے
وہ تو دیتے ہیں لینے کو منھ چاہیے ''کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبیؐ''

اپنی جا سے اہلّہ ہلے چھپ گئے اپنی قسمت کے کرتے گلے چھپ گئے
چاند، تاروں سے اکثر ملے چھپ گئے ''کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبیؐ''

کوئی رشکِ صباحت کوئی گل عذار کوئی مہرِ وجاہت شہِ ذی وقار
اپنے احیان میں تھے سبھی شہریار ''ملکِ کونین میں انبیا تاج دار
تاج داروں کا آقا ہمارا نبیؐ''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

نورِ یزداں سُلالہ ہے جس کا وہ ہے — نام ارفع و اعلیٰ ہے جس کا وہ ہے
ذکر والا و بالا ہے جس کا وہ ہے — ”لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبیؐ“

سب جہانوں کا ملجا سمجھیے جسے — سارے جلووں کا جلوہ سمجھیے جسے
سارے سچوں کا سچا سمجھیے جسے — ”سارے اچھوں سے اچھا سمجھیے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبیؐ“

شہریاروں کا آقا سمجھیے جسے — مستمندوں کا مولا سمجھیے جسے
شب ایموں کا ماوا سمجھیے جسے — ”سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے
ہے اُس اونچے سے اونچا ہمارا نبیؐ“

کیوں کہوں خلق سے آئے امداد کو — کیوں پکاروں تمھیں خلق کے رہبرو
ہا و ہو یوں ہی کیوں کر کروں دوستو — ”انبیا سے کروں عرض کیوں مالکو
کیا نبی ہے ہمارا تمھارا نبیؐ“

جس نے جلوے دکھائے اثر کے وہ ہے — جس نے بدلے طبائع بشر کے وہ ہے
جس نے میٹھے کیے دل ثمر کے وہ ہے — ”جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبیؐ“

بلبلانِ گلِ عشق چہکا کیے — سب مہک والے گلشن میں مہکا کیے
سب دمک والے عالم میں دمکا کیے — ”سب چمک والے اُجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبیؐ“

جن کے جلووں سے روشن ہے امروز و غد — جس کی توصیف ہے بخششوں کی سند
جس سے تازہ رہے وردِ حق کی سبد — ”جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبیؐ“

وردِ صلِ علیٰ خوب کیجے کہ ہے — جام و کاسِ عنایات پیجے کہ ہے
چاکِ عصیاں کو بخشش سے سیجے کہ ہے — ”غم زدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبیؐ“

☆

بشیر حسین ناظم

دو جہاں کے نگار پھرتے ہیں بن کے رحمت شعار پھرتے ہیں
ہر طرف جلوہ بار پھرتے ہیں "وہ سُوے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں"

روتے زار و قطار پھرتے ہیں بے مرام و مہار پھرتے ہیں
بلکہ مثلِ حمار پھرتے ہیں "جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں"

دھوکے اخلاف کو دیے ہم نے اکل و مل کے مزے لیے ہم نے
جام ہائے خطا پیے ہم نے "آہ کل عیش تو کیے ہم نے
آج وہ بے قرار پھرتے ہیں"

خنداں خنداں کھرے سہاگوں پر نازاں نازاں حسین بھاگوں پر
اُن کے لطف و کرم کے لاگوں پر "اُن کے ایما سے دونوں باگوں پر
خیلِ لیل و نہار پھرتے ہیں"

کوشک ذی وقار پر قدسی گنبدِ نور بار پر قدسی
اس کے قرب و جوار پر قدسی "ہر چراغِ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں"

رحمتوں سے گھرا ہوں میں جس میں نورِ حق دیکھتا ہوں میں جس میں
خاک بن کر رہا ہوں میں جس میں "اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاج دار پھرتے ہیں"

بوے ریحان کیا نظر آئے نورِ رحمٰن کیا نظر آئے
روحِ عرفان کیا نظر آئے "جان ہیں جان کیا نظر آئے
کیوں عدو گردِ غار پھرتے ہیں"

بُعد پھرتا ہے میری آہوں میں　　　کھو گیا ہوں حسین راہوں میں
منظرِ عشق ہے نگاہوں میں　　　"پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں"

نجم ایشاں ہے کیسی رفعت پر　　　جان قربان اُن کی قسمت پر
دل نچھاور ہو اُن کی عادت پر　　　"لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر
لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں"

کیا خطا کار کیا ورع پارے　　　کیا شہنشاہ کیا نخسب ہارے
ایستادہ ادب سے ہیں سارے　　　"ورد یاں بولتے ہیں ہرکارے
پہرہ دیتے سوار پھرتے ہیں"

نے قلندر، نہ کیقباد ہیں ہم　　　مؤتمن، مومنِ معاد ہیں ہم
آپؐ کی مِدحت سے شاد ہیں ہم　　　"رکھیے جیسے ہیں خانہ زاد ہیں ہم
مول کے عیب دار پھرتے ہیں"

حسنِ منظر مواجہہ سا کہاں　　　جلوے فردوس کے یہیں ہیں عیاں
ایسا لگتا ہے بس یہیں ہے جناں　　　"ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں"

شرک سے پہلے یار، پانی پُن　　　یمنِ عشق و خرد سے مرشد چن
ہاں لگا لے مری صلا پہ اُذن　　　"بائیں رستے نہ جا مسافر سن
مال ہے راہ مار پھرتے ہیں"

نفس سے سخت رن ہے رات آئی　　　ساعت ریب و زن ہے رات آئی
وقت ایماں شکن ہے رات آئی　　　"جاگ سنسان بن ہے رات آئی
گرگ بہرِ شکار پھرتے ہیں"

تجھ سے بہتر کئی ہیں اہلِ صفا　　　پیکرانِ ولا و مہر و صفا
داد خواہانِ کرب و جور و بلا　　　"کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں"

مولانا بدرالقادری

جلوۂ لوح و قلم طلعت و رعنائی دوست
روئے انجم ہے مگر غازۂ زیبائی دوست
خالقِ کون و مکاں بھی ہے تمنائی دوست
جو بنوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست
خُلد کا نام لے بلبل شیدائی دوست

گشتگانِ نگہ دہر نہ مایوس شوید!
گر حیات ابدی در دو جہاں می طلبید
لائی ہے خُلد مدینہ سے صبا آج نوید
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمرِ جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست

نورِ خلق سے ہوا نورِ محمد کا ظہور
اس لیے کون و مکاں کرتے ہیں تعظیمِ نور
سرنگوں چرخِ چہارم پہ ہے بیت معمور
شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

حسن کی بارگہِ ناز میں کیا دیکھا
بن کے بسمل کسی خنجر کا تماشا دیکھا
عقل کو پیشِ جنوں ٹیکتے گھٹنا دیکھا
تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی داری ہوئی دارائی دوست

سرِ بلندوں کی بلندی سے بلند ان کا وقار
بدر ہے سارا جہاں صدقۂ نعلِ سرکار
کیوں نہ ہو آپ ہیں محبوبِ خدائے غفار
طُور پہ کوئی کوئی چرخ کوئی عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

زوجۂ پاکِ مزمل و ابطحی ﷺ

(اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ صاحب بریلوی کے ایک بیت کی تضمین)

عزیز احسن

ماہِ صدق و صفا کی حسیں روشنی جس کے ماتھے کا جھومر صداقت بنی
رسم تصدیق جس کے پدر سے چلی جس کو ورثے میں تسلیم کی خو ملی
چاندنی جس کی رویت سے شرما گئی میری ماں! عائشہؓ! علم کی منتہی
دیں یں جس کی امومت سے جاں پڑ گئی روایوں میں ہمیشہ نمایاں وہی!
جس نے پھیلائی خوش بو احادیث کی اور بخشی شبوں کو عجب روشنی
جس نے اوصاف مہرِ رسالت سبھی پیشِ اُمت رکھے، تھے خفی یا جلی
تا کہ ہو اسوہِ پاک کی پیروی اتباعِ نبی ہی کرے ہر گھڑی
کوئی نادار ہو اُمتی یا غنی ایسی ماں جس کی سیرت مثالی رہی!
جس کی عزت امر عظمتیں دائمی! جس کے صدقے تمیم کی رخصت ملی
جس کی عفت کی رب نے گواہی بھی دی! ساری اُمت کی ماؤں میں جو فرد تھی
جس کو نسواں پہ حاصل ہوئی برتری اہلِ بیت مطہر میں ممتاز بھی

زوجۂ پاک مزمل و ابطحیٰ
''بنتِ صدیقؓ، آرامِ جانِ نبی
اُس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلامؑ

سیّد نصیر الدین نصیر گولڑوی

صاحبِ تاجِ عزت پہ لاکھوں سلام
واقفِ رازِ فطرت پہ لاکھوں سلام
قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام
"مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام"

جس کو بے چین رکھتا تھا اُمت کا غم
نیک و بد پر رہا، جس کا یکساں کرم
وہ حبیبِ خدا، وہ شفیعِ اُمم
"شہریارِ اِرَم، تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام"

سرورِ دو جہاں، شاہِ جن و بشر
جس کی چوکھٹ پہ جھکتے ہیں شاہوں کے سر
عبدِ خالق، مگر خلق کا تاجور
"صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام"

وہ خداوندِ اقلیمِ جود و سخا
ہادیِ انس و جاں، شاہ ہر دوسرا
سر بر آوردۂ حلقۂ انبیا
"جس کے زیرِ لِوا آدم و من سوا
اُس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام"

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

عہدِ طفلی میں وہ دلبرانہ چلن
دلستاں خامشی، معجزانہ سخن
حسن میں دل کشی، چال میں بانکپن
"اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن
اُس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام"

سُرمگیں آنکھ مازاغ کی رازداں
حلقۂ زلف، اُمت کا دارالاماں
ہاتھ فیاض، عقدہ کشا انگلیاں
"پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام"

نور افشاں ہوا جب وہ بطحیٰ کا چاند
دیکھنے آئے سب، رُوئے زیبا کا چاند
آسماں پر پڑا ماند دنیا کا چاند
"جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام"

جس گھڑی یاد بابِ حرم آگیا
سوزِ فرقت سے آنکھوں میں نم آگیا
موج میں جب وہ عیسیٰ حشم آگیا
"جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام"

رنجِ تنہائی، تنہا سے پوچھے کوئی
دردِ شبیرؓ، زہراؓ سے پوچھے کوئی
تہ میں کیا ہے، یہ دریا سے پوچھے کوئی
"کس کو دیکھا، یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام"

جس کی تقدیس کا رنگ گہرا رہا
جس کے در پر فرشتوں کا پہرا رہا
مغفرت کی سند جس کا چہرہ رہا
''جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام''

بندگی، جس کے صدقے ٹھکانے لگے
جس کے دیکھے خدا یاد آنے لگے
جس سے روتے ہوئے مسکرانے لگے
''جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام''

رُوے روشن پہ پڑتی نظر کی قسم
آمنہؓ کے چمکتے قمر کی قسم
مجھ کو سرکار کے سنگِ در کی قسم
''کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام''

جس کا حامی خداوندِ عالم رہا
فتح کا جس کے ہاتھوں میں پرچم رہا
جس کا رُتبہ جہاں میں مسلّم رہا
''جس کے آگے سرِ سروراں خم رہا
اُس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام''

جس کے آگے سلاطینِ عالم جھکیں
جس کے اک بول پر اہلِ دل مر مٹیں
جس کی تعمیلِ ارشاد قدسی کریں
''وہ زباں جس کو سب 'کن' کی کنجی کہیں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام''

D:NaatRang-18
File: tazmeen-F
Final

وقتِ دیدار، چشمِ تماشا جھکی
دیکھ کر جلوہ گر، موجِ دریا جھکی
جس کی آمد پہ دیوارِ کسریٰ جھکی
''جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
اُن بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام''

خیرِ دنیا نہیں، خیرِ عقبیٰ نہیں
اُس کے دستِ تصرف میں کیا کیا نہیں
جس کی طاقت کا کوئی ٹھکانا نہیں
''جس کو بارِ دوعالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام''

کون ہے وہ، کرم جس پہ اُن کا نہیں
سب کے ہیں: صرف میرے ہی آقا نہیں
ایک میں ہی غلام اُن کا تنہا نہیں
''ایک میرا ہی رحمت پہ دعوا نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام''

خواجہ تاشِ نصیرِ ثنا خواں، رضاؒ
وہ بریلی کے احمد رضا خاں رضا
لا کے صف میں مجھے اُن کے درباں، رضا
''مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''

کلامِ رضؔا کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کہے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیرخواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظرثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک و شبہ یا غیرحقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تا کہ اتفاق رائے بذریعہ افہام و تفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔
چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔
دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

رضاؔ کی زباں تمھارے لیے

''اعلیٰ حضرت'' کا لقب جانے کتنی شخصیات کے لیے بولا اور لکھا گیا مگر اس لقب نے آبرو اور مقبولیت پائی تو تاج دارِ بریلی کی نسبت سے پائی۔ دنیا بھر کے اہلِ ایمان میں مشہور و معرف اور مقبول و محترم اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ و رضی عنہ کو عرب و عجم کے علما و مشائخ نے چودھویں صدی میں مجددِ دین و ملت مانا۔ اپنے نام ''احمد رضا'' کے اعداد کی مناسبت سے اتنی ہی کتابیں تحریر کرنے والے اعلیٰ حضرت نے اپنی دنیوی حیات، حضور خاتم النّبیین سیّدنا ''احمد''ﷺ کی ''رضا'' جوئی اور انھی کی غلامی میں بسر کی۔ وہ ''عبدالمصطفیٰ'' ہونا ہی اپنا اعزاز و افتخار جانتے تھے۔ اپنے عہد کے ''حضرات'' میں ''اعلیٰ'' ثابت ہونے والے فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے اسلامیانِ ہند کے دورِ غلامی میں 65 برس کا عرصۂ زیست کچھ اس آب و تاب سے بسر کیا کہ کسی کالج یا یونی ورسٹی میں جاکر وہاں کے مروّجہ نصاب کی تکمیل نہیں کی لیکن آج دنیا کی متعدد جامعات میں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات اور تحریرات و تحقیقات سے اکتسابِ آگہی کرنے والے اسنادِ فضیلتِ علم حاصل کررہے ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ کو علوم و معارف کا سرچشمہ مان کر انھی سے فیض یاب ہونے والے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے 55 سے زائد علوم وفنون میں وہ سرمایہ یادگار بنایا کہ صدیوں میں کسی ایک شخص کے حوالے سے اس کی مثال کم ہی ہوگی۔ وہ اعلیٰ حضرت بریلوی جنھوں نے اپنی زندگی میں خطباتِ جمعہ کے علاوہ سو تقاریر بھی شاید ہی کی ہوں، گزشتہ اسّی (80) برس میں ان پر لاکھوں تقاریر ہوئی ہیں اور مقررین نے ان کے ذکر کے بغیر کم ہی گفتگو کی ہوگی۔ ان کے نام اور کام سے اہلِ علم نے خود کو معتبر بنایا ہے۔ دینی جامعات اور ادارے جتنے ان کی نسبت سے قائم ہوئے، وہ بھی ایک

مثال ہیں۔ ان کے بارے میں لکھی جانے والی تحریریں بھی اس قدر ہیں کہ ان کی فہرست بھی ضخیم کتاب ہوجائے۔ ان کے وابستگان کا ایک تسلسل متعدد گھرانوں میں نسل در نسل ہے اور یہ سب کیوں نہ ہو کہ وہ میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے سچے محبوب، ان کے مداح اور انھی کی سیرت مطہرہ کے آئینہ دار تھے۔ نبی کریم ﷺ ہی سے ان کا تمام تر انتساب رہا۔ اسی کا فیضان انھیں سمتوں میں مرجع خلائق بنائے ہوئے ہے۔

کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کے مدیر محترم نے ایک شمارہ، اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام اور نعت شریف کی خدمت کے تذکار پر مخصوص کرنے کا عزم کیا، مجھے بہت خوشی ہوئی۔ نعت رنگ کے مدیر و مرتب جناب سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی نے اس شمارے کے لیے مجھ سے بھی ایک مضمون چاہا۔ وہ اب تک نعت رنگ کے سترہ (17) شمارے پیش کر چکے ہیں اور نعت گوئی کے باب میں تنقید و تحقیق کے حوالے سے ان کا کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' خود ایک اہم حوالہ ہوگیا ہے۔ نعت رنگ کے مندرجات پر میرے لکھے ہوئے طویل خطوط نعت رنگ ہی میں نہیں، کتابی شکل میں بھی دو مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ اس مرتبہ انھوں نے مضمون کا تقاضا کیا۔ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خان مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اور کلام کی سماعت سے میری زندگی کے مہ و سال پُر ہیں۔ ان کے افکار اور تعلیمات و تحریرات سے اکتسابِ آگہی کا سلسلہ شاید ہی کبھی تھمے کیوں کہ کتاب و سنّت کی صحیح ترجمانی ہی ان کا امتیاز اور وصفِ جمیل ہے۔ اور یہ بھی کہ میرے پیارے رسولِ کریم ﷺ کے باب میں وہ بہت حساس ہیں، ان کی نسبتوں کے لیے وہ سراپا سپاس ہیں۔ انھوں نے ایک ہزار سے زائد کتب تحریر فرمانے کے علاوہ شاعری بھی کی۔ میرے ربّ کریم جل مجدہ کی ان پر یہ عطائے خاص ہی تھی کہ وہ تحقیق و تصنیف میں مگن رہے اور نثر کے ساتھ نظم میں بھی قرآن و سنّت ہی کی ترجمانی فرمائی۔ اردو نعتیہ شاعری میں انھیں جو مرتبت اور مقبولیت عطا ہوئی وہ یوں کسی اور کا حصہ نہیں۔ نعت گوئی کے حوالے سے بھی زبان و بیان اور اُردو کے نعتیہ ادب کو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر ناز رہے گا۔ نعت گوئی کے باب میں ان کا سکّہ ایسا بیٹھا ہے کہ وہ ملکِ سخن کی شاہی کرتے نظر آتے ہیں۔ کلام الامام امام الکلام کا مقولہ ایسی ہی ہستیوں کے کلام پر صادق آتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی علمی مرتبت اور دینی فضیلت کا کسے اعتراف نہیں! انھیں صرف محدث، مفسر، فقیہ، مفتی اور مدرس و معلم لکھنا کم ہوگا کہ وہ جانے کتنے مفسرین و

محدثین اور فقہا و متکلمین کے جلیل القدر استاد و امام نظر آتے ہیں۔ انھیں مبدءِ فیض نے جن خصوصیات سے نوازا، وہ قابلِ رشک ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایسی عبقری شخصیات سے بغض و حسد اور عناد رکھنے والے بھی خود ان کے عہد میں اور ان کے بعد بھی رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے ساتھ تو اس حوالے سے کچھ زیادہ ہی تشدد دیکھا گیا ہے۔ گزشتہ نصف صدی کا احوال دیکھیں تو ہر باطل نے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں اپنا بغض و عناد ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مخالفین کی مساجد و مدارس، ان کے اساتذہ و طلبا، ان کی تحریر و تقریر، ان کی خلوت و جلوت، اور ہر تنظیم و تحریک کا گویا ''نصب العین'' ہی اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کی مخالفت و معاندت رہا۔

تاریخ گواہ ہے کہ حق اور اہلِ حق کو سازشوں اور شرارتوں سے وقتی طور پر دبایا تو گیا لیکن مٹایا نہ جاسکا۔ مخالفین کی انتہا پسندی اور تشدد نے ''دہشت گردی'' سے بھی کام لیا، ان کی یلغار اور یورش یہاں تک بڑھی کہ انھوں نے صحیح العقیدہ اہلِ سنّت و جماعت کو ''بریلوی'' اور ''رضا خانی'' کہہ کر ایک اختلافی اور نیا گروہ بتانے کے جتن کیے۔ بریلوی اور رضا خانی کے الفاظ سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے (نعوذ باللّٰہ) کوئی نیا مذہب اور فرقہ بنایا ہے۔ مخالفین کی ان سازشوں کے جواب میں اہلِ حق نے حقائق واضح کرنے میں اپنی ہمتیں لگادیں۔ واضح رہے کہ خود مخالفین کی تحریروں میں یہ اعتراف موجود ہے کہ بریلی اور بدایوں کے علمائے کرام وہ طبقہ ہیں جو قرونِ اُولیٰ کے اہلِ ایمان کی روش پر سختی سے کاربند ہیں۔

امریکا میں دو عمارتوں کے ڈھے جانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے لاتعلقی ظاہر کرنے میں جو صورت احوال درپیش ہے، اس سے اندازہ کیا جائے کہ خود مجرم اور ظالم ہی کس طرح حق اور اہلِ حق کے خلاف ذہن سازی کے جتن کرتا ہے۔ مجرم کو بے نقاب نہ کیا جائے تو ماحول اور معاشرے سے آلودگی دور نہیں ہوتی۔ فٹ بال کے کھیل کے ماہرین کہتے ہیں: مدافعانہ کھیل میں کامیابی نہیں ہوتی، جیتنا ہو تو جارحانہ کھیل کھیلو۔

اعلیٰ حضرت اور صحیح العقیدہ اہلِ سنّت کے مخالفین نے ''جارحیت'' کی یہ پالیسی ایمان و عقائد کے باب میں اپنالی اور حق اور حقیقت کو پسِ پشت ڈالنے بلکہ فراموش کردینے ہی میں اپنی ''بقا'' ٹھہرالی۔

کیا ستم ہے کہ خود کو مسلمان کہلانے والے جانے کتنوں کا ''روزینہ'' یہی ٹھہرا ہے کہ وہ ''غیروں'' کو روشنی دکھانے کی بجائے مسلمانوں ہی کو اندھیروں سے صرف وابستہ کرنا ہی نہیں بلکہ مانوس بھی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس فعل کو وہ ''کارِ خیر و ثواب'' گردانتے ہیں۔ کاش کہ وہ جانتے کہ ''دانائی کا سرچشمہ خوفِ الٰہی ہے''، انھیں اپنے قول و فعل کا ایک دن جواب دہ ہونا ہے، دنیا میں حق سے رُوگردانی انھیں اس دن کسی منفعت کا حق دار نہیں بنائے گی۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کی یہ مذموم سازشیں دین و ایمان کے باب میں خود ان کے اپنے سنگین جرموں کو لوگوں سے اوجھل کرنے اور رکھنے کے لیے تھیں، انھوں نے اہلِ حق کو ''مشرک و بدعتی'' قرار دینے اور ان پر شدید بہتان لگانے سے بھی اجتناب نہیں کیا، ان کا اصل مقصد یہی تھا کہ اہلِ حق کو لوگوں میں اتنا معترضہ اور متنازع بنا دیا جائے کہ لوگ اہلِ حق کی حق گوئی پر اعتبار نہ کریں۔ ان مخالفین کو اس مذموم کھیل کے لیے خاصا وقت مل گیا۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ان کی علمی کاوشوں او رتحریری سرمائے کی اشاعت جس اہتمام سے فوری طور پر ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوسکی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فرزندان اور خلفا نے بہت کارہائے نمایاں انجام دیے، کروڑوں افراد ان سے وابستہ ہوئے لیکن انھیں ''ترجیحات'' پر فوری توجہ دینے کی مہلت خود عقیدت مندوں ہی کی یلغار نے نہ دی۔ طباعت و اشاعت ہی کیا، قلمی مخطوطات کی حفاظت اور ترتیب و تدوین بھی صحیح طرح نہ ہوسکی۔ علاوہ ازیں اس دَور میں سرزمین ہند میں جاری تحریکوں کی وجہ سے ماحول ایسا کشیدہ اور سیاست اتنی پے چیدہ رہی کہ لوگ خاصے برس اسی کشاکش میں مشغول رہے۔ پھر قیامِ پاکستان کا مرحلہ آیا اور بھارت سے بیش تر مسلمان نقل مکانی (ہجرت) کرکے پاکستان آئے تو اپنا تمام مال و اسباب ساتھ نہ لاسکے۔ پاکستان پہنچ جانے والوں کو کتنا عرصہ یہاں دشواریوں اور شدید مسائل کا سامنا کرنے میں گزرا، ایسے میں جب کہ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ آسان نہ تھا، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جانے کتنے مسودات اور کتابیں حالات کی سنگینی کے بھینٹ چڑھی ہوں گی۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کی اکثریت نے اس وقفے کا بھرپور استعمال کیا۔ ایک طرف ان لوگوں کی اکثریت نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت میں نمایاں کردار ادا کرکے ''فرنگیوں'' کی ''گڈ بک'' میں اپنا اندراج کروایا اور مالی و دنیوی منفعت کو ترجیح دی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ہندوؤں سے اپنا گٹھ جوڑ بھی رکھا اور اُن کی خوب حمایت کی۔ انھیں

مساجد میں لاکر منبرِ رسول پر بٹھانے سے بھی نہیں جھجکے اور ان میں کچھ وہ بھی تھے جو یہ تک کہہ گئے کہ نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو ''گاندھی'' نبی ہوتا۔ (معاذ اللّٰہ)۔ ''مکالمۃ الصدرین'' اور ''تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء'' کتابوں میں تفصیلی حقائق درج ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد انھی لوگوں نے یہاں سیاست اور مذہب پر اپنی اجارہ داری رکھنا چاہی، وسائل کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کی تکمیل کو ہر طرح انھوں نے ترجیح دی اور خود کو ''پریشر گروپس'' میں نمایاں رکھا۔ دو رُخی طرزِ عمل انھیں مرغوب ہے۔ ہر عہدِ حکومت میں اپنے کچھ افراد کو یہ لوگ حزب اقتدار کے ساتھ وابستہ رکھتے ہیں اور باقی حزب اختلاف میں رہتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل سے ان کا مطلوب و مقصود واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ عقائد و ایمان کے باب میں بھی ان لوگوں کے ہاں یہی دو رُخی نظر آتی ہے۔ جو قول و فعل ان کے بڑے اور یہ خود کہیں اور کریں، وہ تو نہ صرف جائز بلکہ بہتر و افضل شمار ہو اور وہی کوئی اور کہے اور کرے تو اسے ''مشرک و بدعتی'' کہنا بھی انھی کا وتیرہ ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مخالفین نے معاشرے میں دھند گہری کرنے اور رکھنے کا عمل اس وقفے میں بڑی شد و مد سے جاری رکھا، ان کی طرف سے جارحیت کے اس تسلسل میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف اور انھیں نقصان پہنچانے والے اثرات ہی ظاہر ہوئے۔ مسلم معاشرے کو آپس میں الجھانا اور لڑوانا ہی دشمنانِ اسلام کی سازش تھا اور یہ لوگ انھی کے آلۂ کار بنے۔

اہلِ حق نے شروع میں تو مخالفین کے لگائے ہوئے الزامات کے جواب پر توجہ رکھی۔ گزشتہ ربع صدی میں ''اہلِ ایمان'' نے دنیا کو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی دینی و علمی خدمات سے رُوشناس کرانے کی مدبرانہ پالیسی اپنا کر سمتوں میں حقائق کا اتنا اجالا کر دیا کہ مخالفین کی ساری چالیں اور سازشیں خود ان کے اپنے لیے رسوائی اور پریشانی کا باعث ہوگئیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ حق اور حقیقت کو فراموش کر دینے سے کبھی فوز و فلاح نہیں ملتی۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کی اپنی تصانیف سے ان کے مخالفین فی الواقع کوئی بات کتاب و سنّت سے متصادم یا متضاد تو ثابت نہ کرسکے، البتہ اب کچھ لوگوں نے اپنے علم و فہم میں عدم توازن اور نقص کی وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے منظوم کلام میں سے چند اشعار کو ہدفِ اعتراض بنانے کی جسارت ضرور کی۔ مَیں نے مناسب یہی خیال کیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کہے ہوئے وہ نعتیہ اشعار جنھیں معترضہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے انھیں حقائق سے ہم آئینہ کرتے ہوئے اعتراضات کا جواب پیش کروں۔ اس طرح ان تمام نعت گویان

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

کی طمانیت کا بھی سامان ہوگا جو نعت شریف کہتے ہوئے یہی چاہتے ہیں کہ ان سے کوئی بات خلافِ واقعہ اور غلط سرزد نہ ہو۔

قارئین پر واضح رہے کہ اس فقیر کی یہ تحریر اپنے معصوم و مقدس اور سب سے اولیٰ و اعلیٰ نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس اور عظمت و مرتبت سے دفاع کے لیے ہے۔ معترضین نے اعتراض بظاہر کلامِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کچھ اشعار پر کیے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اعتراض تو میرے پیارے نبی پاک ﷺ پر کیے گئے ہیں کیوں کہ معترضین نے میرے رسولِ کریم ﷺ کی وہ شانِ عظمت و عصمت نہیں مانی جو اللّٰہ کریم جلّ شانہ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو عطا فرمائی اور اس کا بیان ہر دَور میں اخیارِ امت نے حصولِ برکت و سعادت اور اظہار و احقاقِ حق کے لیے کیا۔

مجھے بہت کرب کا سامنا ہوتا ہے جب خود کو عالم و فاضل اور معلم و مبلغ لکھنے اور کہلانے والے یہ کہتے لکھتے ہیں کہ: ''بڑے بڑے عالموں فاضلوں کو بھی توحید خالص کا شعور نہیں اور ان کی تحریریں عبد و معبود کے فرقِ مراتب کے صحیح اسلامی تصور و تعبیر سے خالی ہیں۔'' اور ایسا کہنے لکھنے والے اپنے اس ''دعوے'' کے حوالے سے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے نعتیہ کلام سے بھی وہ اشعار پیش کر دیتے ہیں جو بے غبار ہیں۔

دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ایسے لوگ خود کو ''علامہ اور پروفیسر وغیرہ'' کہلا کر بھی عدل و انصاف نہیں کرتے۔ دوسری یہ کہ انھیں شخصی یا مسلکی تعصب اور عناد کی وجہ سے حقایق قبول نہیں۔

واضح رہے کہ بحمدہ تعالیٰ مجھے کسی فی الواقع غلطی کو نہ ماننے کی غلطی سے کوئی شغف نہیں اور نہ ہی کسی صحیح بات کو غلط کہنے کی ڈھٹائی اور ضد کا کوئی شوق ہے۔ بہت قلق ہوتا ہے کہ لوگ اس دھند اور غبار کو دُور نہیں کرتے جو خود ان کی اپنی فہم و بصر کو آلودہ کیے ہوئے ہے۔ وہ لوگ جو خود پر روشنی کو راہ نہیں دیتے یاد رکھیں کہ ان کا خود کو تاریکی میں رکھنا انھیں علم و عرفان اور حق سے دُور کرتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کی خوبی یہی بتائی ہے کہ وہ اندھیرے سے اجالے کی طرف لاتے ہیں۔ تاریکیوں کی طرف لے جانا ہرگز اہلِ ایمان کا کام نہیں۔

مخالفین کے ''اکابر علما'' جنھیں یہ افراد ان میں بغیر ان اوصاف کے ہوتے ہوئے بھی ''مطاع الکل، حکیم الامت، غوث اعظم، مربیٔ خلایق، شیخ الکل، قبلۂ حاجات، سرچشمۂ احسان، قبلہ و کعبۂ دینی و ایمانی، قاسم العلوم والخیرات، رحمۃ للعالمین، نورِ مجسم، مشکل کشا، حاجت رَوا، مصلحِ اعظم،

دست گیر دست گیراں، کامل الصفات، غوث العباد، میزبانِ خلق، مدارِ رشد و ہدایت، شاہِ دین و دنیا، آبروئے بزمِ امکاں، علیِ وقت، گنجِ فضل، رہبرِ اعظم، حُسینِ ثانی، مرشد الآفاق، ہادیِ عالم'' جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے خود اپنے ہی عقیدے اور فتوے بھی بھول جاتے ہیں، ان کے ان بڑوں نے تو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر وہ اعتراض نہیں کیے جو یہ لوگ کررہے ہیں لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ اعتراض کرنے والے یہ لوگ ضرور بغض وعناد رکھتے ہیں یا اپنے علم وفہم میں نقص رکھتے ہیں اور اپنے اکابر کی بھی تنقیص وتضحیک کرتے ہیں حالاں کہ اپنے انھی ''اکابر'' کا تحفظ انھیں دین اور حقائق سے زیادہ مطلوب اور عزیز ہے۔ یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ مخالفین کے ان بڑوں تک اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی تحریریں اور شاعری نہیں پہنچی بلکہ ان کے ان بڑوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللّٰہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے ان کے بارے میں جو تاثرات بیان کیے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں، ان میں سے کچھ اقتباس اس فقیر نے اپنی کتاب ''سفید و سیاہ'' میں نقل کیے ہیں۔ معترضین ومخالفین اپنا اور اپنے بڑوں کا فرق اور طرز و طریق ان کی اور اپنی تحریروں کے آئینے میں خود ہی ملاحظہ فرمالیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے نعتیہ کلام میں معترضہ بتائے جانے والے اشعار کو حقائق سے ہم آئینہ کرنے سے پہلے یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اپنا بیان نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو، وہ فرماتے ہیں۔

''ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ
قرآن سے مَیں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ''

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے واضح فرمادیا کہ انھوں نے قرآنِ کریم سے نعت گوئی سیکھی ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایسا بیان وہی کرسکتا ہے اور اُسی ہستی سے صحیح مانا جاسکتا ہے جس کا سینہ اللّٰہ تعالیٰ نے اسلام وایمان کے لیے کھول دیا ہو اور اسے قرآن کریم کی صحیح فہم کی سعادت حاصل ہو۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو ان کے عہد میں اور ان کے بعد بھی عرب وعجم کے علمائے حق نے مجدد اعظم اور امام اہلِ سنّت مانا ہے۔ ان کا یہ بیان احوال واقعی ہی کی ترجمانی ہے۔ کنزالایمان کے نام سے ان کا کیا ہُوا ترجمۂ قرآن لاکھوں کی تعداد میں شائع ہُوا

ہے۔ اس ترجمے کے بارے میں یہ روایت بھی کتابوں میں درج ہے کہ آیت پڑھی جاتی اور وہ اُردو ترجمہ لکھوا دیتے۔ اسے کیا کہیئے کہ اس ترجمے کو پڑھ کر معتبر تفاسیر قرآن سے مکمل تائید ہی ملی اور اندازہ ہُوا کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ترجمہ تو زبانی لکھوایا مگر ہر آیت قرآنی کے ترجمے ہی میں بیان کا مفہوم بھی واضح کر دیا اور یہ قابلیت قرآنِ کریم میں بہت فکر و تدبر کے بغیر ممکن نہیں۔ آیتِ قرآنی پڑھ کر تمام تفاسیر کو دیکھنا پھر صحیح مفہوم کو اخذ کرنا اور اس پر مطمئن ہوکر لکھنا بھی کارنامہ شمار ہوگا مگر اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے حضرات میں واقعی ''اعلیٰ حضرت'' ثابت ہورہے ہیں کہ فوری طور پر جو ترجمہ لکھوارہے ہیں نہ صرف اس پر وہ مطمئن ہیں بلکہ وہ ترجمہ اپنے محاسن میں نہایت عمدہ ہے۔ یہ ان کی خدا داد ذہانت اور خدا داد قوتِ حافظہ ہی تھی کہ انھیں ایک بار مطالعے کے بعد عبارت بلفظہ یاد رہتی اور وہ اسے اپنے عمدہ حافظے ہی سے نقل کردیتے۔ یہ خوبی بھی کیا کم ہے کہ ایک ماہ میں مکمل قرآن کریم حفظ کرلیا۔

اب یہ بھی دیکھا جائے کہ جس شخص کو بفضلہٖ تعالیٰ اتنا استحضار ہو کہ وہ قرآنِ کریم کی آیت صرف سن کر فی الفور صحیح ترجمہ و مفہوم لکھوارہا ہے تو اس کی نعت گوئی میں احکامِ شریعت کا ملحوظ نہ ہونا کیسے گمان کیا جائے؟

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ یقیناً ''معصوم'' نہیں تھے لیکن یہ فضل الٰہی اور فیضانِ مصطفوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہی ہے کہ ''بے جا'' سے ان کا کلام محفوظ ہو، وہ خود بھی اس کو اللہ کریم جل شانہ کا احسان بتارہے ہیں۔

اس کے باوجود کہا جائے کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، خطا و نسیان کی گنجایش ہے تو مجھے اس سے انکار نہیں مگر فی الواقع خطا کو خطا شمار کیا جائے جو خطا نہیں اسے خطا گرداننے کا جتن نہ کیا جائے۔

نعت گوئی کے بارے میں اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ ہی کا یہ ارشاد بھی لکھا گیا ہے کہ: ''اور حقیقۃً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے، بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔''

(ص ۴۶، الملفوظ، حصہ دوم، مطبوعہ بریلی)

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک اور بیان ملاحظہ ہو۔

''توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہ بر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو نقش قدم حضرت حساں بس ہے''

قرآنِ کریم سے نعت گوئی سیکھنے اور نعت گوئی میں دونوں جانب سخت حد بندی کی بات کرنے والی اپنے عہد کی سب سے بڑی علمی شخصیت کی نعتیہ شاعری اُردو میں اپنی مثال آپ ہے۔ علمی تبحر اور عربی فارسی اُردو ہندی پر یکساں مثالی مہارت کی بدولت انھیں لفظ و قافیے سوچنے نہیں پڑتے بلکہ ان کا تخیل جس سطح پر پرواز کرتا ہے اسے لفظوں میں کسی طور بیان کردینا ان کا کمال ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کا استحضار ان کی نعت گوئی کو ان تمام شاعروں میں ممتاز کرتا ہے جو کسی طور شعر کہنا تو جانتے ہیں لیکن دینی علمی استعداد میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مقابل کوئی درجہ نہیں رکھتے۔

جی تو چاہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کلام بلاغت نظام کے مجموعے سے کچھ اشعار اپنے بیان کی تائید میں نقل کروں لیکن ہر شعر کے محاسن کا بیان طویل ہوجائے گا اور میں اس مضمون کا موضوع منتخب کر چکا ہوں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ خاصہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیش تر کتب کے نام ''تاریخی'' تجویز کیا کرتے تھے۔ ان ناموں کے حروف کے اعداد و شمار کیے جائیں تو کتاب کا سنِ تالیف و اشاعت از خود معلوم ہوجاتا ہے۔ ان کے مجموعہ کلام کا تاریخی نام ''حدایق بخشش'' ہے۔ یعنی یہ مجموعہ 1325ھ میں پہلی مرتبہ طبع ہُوا۔

اس مجموعہ کلام ''حدایق بخشش'' کے دو ہی حصے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے وصال کے کچھ برس بعد ان کے ایک معتقد و محبّ مولانا محبوب علی خاں نے اپنی دانست اور کوشش سے غیر مطبوعہ وہ کلام جمع کیا جو اعلیٰ حضرت کا بتایا گیا۔ اس مجموعے کا نام ''باقیاتِ رضا'' رکھنے کی بجائے انھوں نے اس کا نام بھی حدایق بخشش ہی رکھ دیا اور اسے از خود اس کا ''حصہ سوم'' قرار دے دیا۔ یہ ان کی خود اپنی ہی کارگزاری تھی۔ غیر مطبوعہ کلام کے اس مجموعے کی اشاعت کو لگ بھگ تین دہائیاں گزرنے کے بعد اس میں درج ایک قصیدے میں سے تین اشعار کا بیان ام المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا سے منسوب کیا گیا اور ان اشعار کو حضرت ام المومنین کی شانِ اقدس کی گستاخی و اہانت قرار دیا گیا۔ معترضین کی طرف سے

کچھ برس پہلے جنوبی افریکا سے شائع ہونے والے کتابچے ''جوہانس برگ سے بریلی'' میں یہی اعتراض درج تھا اور اس کتابچے میں مولانا محبوب علی خاں کی شائع کردہ حدایق بخشش حصہ سوم کے اس صفحے کا عکس بھی شامل تھا جس صفحے پر قصیدے کے وہ معترضہ بتائے گئے اشعار ہیں۔ ''جوہانس برگ سے بریلی'' کتابچوں کے تین حصے مطبوعہ مجھے وہاں کے احباب نے دیے تھے۔ ''وائٹ اینڈ بلیک'' کے نام سے انگریزی میں اور ''سفید و سیاہ'' کے نام سے اُردو میں یہ فقیر ان کتابچوں کے مندرجات کا جواب پندرہ برس پہلے تحریر کرچکا ہے۔ حدایق بخشش حصہ سوم پر کیے جانے والے اس اعتراض کا جواب اپنی اسی کتاب ''سفید و سیاہ'' سے ملخصاً یہاں نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

''امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ ایک ہزار سے زائد کتابوں کے مصنف، 55 سے زائد مختلف علوم و فنون پر کامل دست گاہ رکھنے والے، نابغۂ عصر شخصیت ہونے کے ساتھ، باکمال شاعر بھی تھے۔ انھوں نے جملہ علوم و فنون سے دین کی خدمت کی۔ ان کی شاعری اپنوں بے گانوں میں بہت مقبول ہے۔ ان کے شعری مجموعے کا نام ''حدایق بخشش'' ہے جس کے دو مستند حصے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے ایک عقیدت مند مولانا محمد محبوب علی خان صاحب نے احباب کے تعاون سے اعلیٰ حضرت کا غیر مطبوعہ کلام جمع کیا۔ مختلف شہروں اور بعید و قریب مقامات میں جس کسی کے پاس کوئی غیر مطبوعہ تحریر تھی، وہ حاصل کرنے کی سعی کی گئی، تاہم اس غیر مطبوعہ کلام کے بارے میں پورے یقین سے یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ فی الواقع یہ تمام، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہی کا کلام ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مستند کلام وہی ہے جو، ان کی موجودی میں دو حصوں میں شائع ہُوا۔ تیسرے حصے (باقیاتِ رضا) میں شامل کلام کی تمام ذمہ داری مولانا محبوب علی خاں صاحب کی تھی مگر افسوس کہ وہ خود تحقیق و تصدیق نہ کرنے کے ساتھ ساتھ، خود پُروف ریڈنگ (مسودہ بینی) بھی نہ کرسکے، مزید برآں یہ کہ تقسیم سے قبل ہندوستان میں چھاپے خانے (پرنٹنگ پریس) مسلمانوں کی ملکیت میں نہ ہونے کے برابر تھے، جیسا کہ اب بھی غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا احوال ہے۔ غیر مسلم چھاپے خانے والے نے بھی کچھ خیال نہیں کیا اور غلط ترتیب سے کچھ اشعار شائع ہوگئے، احباب کا کہنا تھا کہ یہ یقیناً شر پسندوں کی شرارت ہے۔ چناں چہ مولانا محبوب علی خان نے بغیر کسی تاخیر کے، احوالِ واقعی کی تشہیر کی اور توبہ نامہ شائع کرکے پورے ملک میں مشتہر کیا، پوسٹرز، پمفلٹس، اخبارات اور فتاویٰ کی صورت میں مولانا محبوب علی خان

کی طرف سے تفصیل اور توبہ نامہ شائع ہوتے ہی یہ اعتراض ختم ہوگیا۔

مولانا محبوب علی خان جنھوں نے کلامِ اعلیٰ حضرت کا تیسرا حصہ مرتب کیا تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ ''کاتب اور نابھہ اسٹیم پریس کے مالک دونوں بدمذہب تھے۔ انھوں نے کاتب اور پریس والے کو بتادیا تھا کہ یہ قصیدہ پورا دست یاب نہیں ہُوا اور یہ اشعار مسلسل نہیں ہیں یعنی یہ ترتیب وار نہیں ہیں۔ (اشعار کا مضمون الگ الگ ہے)۔ لہٰذا یہ اشعار اکٹھے شائع نہیں کیے جائیں گے اور لفظ ''علیحدہ'' جلی قلم سے ان اشعار سے پہلے لکھا جائے گا اور یہ اشعار، قصیدہ میں جس ترتیب کے ساتھ لگائے جائیں گے، وہ بھی بتادی، مگر کاتب اور پریس والے نے قصداً یا سہواً اس تاکید کا خیال نہیں رکھا۔ کتابت کی طباعت کے بعد بار بار فقیر (محبوب علی خان) اپنی توبہ شائع کرچکا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ اور رسول اللّٰہ ﷺ فقیر کی توبہ قبول فرمائیں اور سُنّی مسلمان بھائی بھی اللّٰہ و رسول کے لیے مجھے معاف فرمائیں۔''

قارئینِ کرام! توجہ فرمایئے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد ان کے غیر مطبوعہ و غیر مصدّقہ کلام کی کتابت میں ایک غلطی واقع ہوئی۔ غلطی کرنے والے کی طرف سے پوسٹرز، پمفلٹس، اخبارات و فتووں کی صورت میں توبہ نامے شائع کیے جاتے ہیں، کیوں کہ غلطی کا اسے شدید احساس ہے، وہ اپنی اَنا کا مسئلہ کھڑا نہیں کرتا، تاویلوں یا وضاحتوں کے ذریعے غلط بات کو درست ثابت نہیں کرتا، بلکہ غلطی کا اعتراف کرکے توبہ نامہ شائع کرتا ہے۔ اس کے توبہ نامے کی اشاعت کے بعد اپنوں بے گانوں کا اعتراض ختم ہوجاتا ہے، مگر دوسری طرف جنوبی افریکا میں مقیم مخالفین کا حال بھی دیکھیے۔ ''جوہانس برگ سے بریلی'' ص 7 پارٹ 2 پر حدایق بخشش حصہ سوم کے ص 37 کا عکس موجود ہے۔ جسے ان مخالفین نے شاید فخریہ طور پر شائع کیا ہے، مگر یہ لوگ بصارت سے بھی کام نہیں لے سکے۔ اس مطبوعہ عکس میں لفظ ''علیحدہ'' جلی قلم سے موجود ہے اور جن دو شعروں پر جوہانس برگ سے بریلی کے مصنف کو اعتراض ہے، ان کے بعد بھی، ان دو شعروں کو باقی اشعار سے الگ کرنے کے لیے ''خط'' کھنچا ہوا ہے۔

اسے قدرت کا کرشمہ کہیے کہ جوہانس برگ سے بریلی، پارٹ 2 ص 7 پر ''حدایق بخشش'' حصہ سوم کے ص 37 کا عکس چھاپ کر جنوبی افریکا کے ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی جگ ہنسائی کا اہتمام کرلیا اوران ہی کے ذریعے مولانا محبوب علی خان کے بیان کی تصدیق بھی ہوگئی۔

33، 34 سال کے بعد جنوبی افریکا میں ان اشعار کے حوالے سے اعلیٰ حضرت فاضلِ

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

بریلوی پر، یہ مخالفین شاید یہ سوچ کر پھر اعتراض کررہے ہیں کہ ہندوستان میں 1955ء میں، اس معاملے میں جو کچھ ہُوا، اس کی تفصیل جنوبی افریکا والوں کو کہاں معلوم ہوگی اور کون تحقیق کرتا پھرے گا؟ لہٰذا یہ لوگ اعلیٰ حضرت کے خلاف رائے عامہ قائم کرنے میں کام یاب ہوجائیں گے۔

یہ لوگ اگر عدل و انصاف کے اصول وقواعد کو مانتے ہیں تو یہ بتائیں کہ حقائق جاننے کے بعد کیا اعتراض کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ اگر نہیں تو، ان کو امامِ اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی پر اعتراض کی بجائے خود اپنی شدید غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے اور کسی مسلمان پر تہمت و بہتان لگانے کا عذاب مول نہیں لینا چاہئے۔''

(ص 117 تا 121، سفید و سیاہ، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1989ء)

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام پر ایک اور اعتراض اور اس کا جواب بھی اپنی اسی کتاب سفید و سیاہ سے ملخصاً نقل کررہا ہوں، ملاحظہ ہو:

''جوہانس برگ سے بریلی، پارٹ 2 ص 10 میں اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ پر ایک اور اعتراض ان کے مخالفین کی جہالت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اپنے منظوم کلام میں حضرت محبوبِ سبحانی، شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی سرکار غوثِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے مناقب، شاعری کی کئی اصناف میں کہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے حضرت غوثِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے نام کے حروف کی، حروف تہجی کے اعتبار سے اور اس کے علاوہ بھی بہت سی رباعیاں کہی ہیں۔ ایک رباعی میں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے نام ''عبدالقادر'' کے حروف کے لطائف کا بیان حُسنِ عقیدت و محبت سے کیا ہے۔ (حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے نام، عبدالقادر کا چوتھا اور ساتواں حرف ''الف'' ہے اور آخری حرف ''ر'' ہے اور اسی حرف کو، اس نام میں انجام سے تعبیر کیا ہے۔) اس رباعی کے صرف دو مصرعوں کا عکس، جوہانس برگ سے بریلی کے مصنف نے شائع کیا ہے۔ اگر وہ دیانت دار ہوتا تو پوری رباعی کا عکس شائع کرتا، لیکن اسے معلوم تھا کہ پوری رباعی کا عکس، شائع کرنے کی صورت میں، اہلِ علم جان لیں گے کہ ''جوہانس برگ سے بریلی'' کے مصنف کا اعتراض محض اس کی اپنی جہالت اور اعلیٰ حضرت سے بے بنیاد دشمنی ہی ہے۔ یہاں قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دیوبند کے بڑے بڑے علما کا یہ بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے منظوم کلام کی سطر سطر، عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہے۔ دیوبند کے کسی بڑے عالم کو اعلیٰ حضرت بریلوی

کے کلام میں کوئی نقص نہیں ملا، انھوں نے ہرگز کوئی اعتراض نہیں کیا ''جوہانس برگ سے بریلی'' کتابچے کا مصنف، شاید تمام علمائے دیوبند سے زیادہ بڑا عالم ہے اور شاید، اپنے اسی ''زیادہ'' علم و فہم کی وجہ سے اپنے بڑوں کی رسوائی کا سامان کررہا ہے۔

قارئین کرام: اعلیٰ حضرت بریلوی کی وہ مکمل (فارسی) رباعی ملاحظہ فرمائیں جس کے صرف دو مصرعے نقل کرکے ''جوہانس برگ سے بریلی'' کے مصنف نے اعلیٰ حضرت بریلوی پر شدید بہتان باندھا ہے۔

بر وَحدتِ اُو رابع عبدالقادر   یک شاہد و دو سابع عبدالقادر
انجام وَے آغازِ رسالت باشد   اینک گو ہم تابع عبدالقادر

اس رباعی کا ترجمہ یہ ہے کہ، اللّٰہ تعالیٰ کی وَحدت پر (حضرت غوثِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کے نام) عبدالقادر کا چوتھا حرف ''الف'' شاہد ہے اور اس نام عبدالقادر کا ساتواں حرف ''الف'' دوسرا شاہد ہے۔ عبدالقادر نام کا انجام (آخر) ''ر'' کے حرف پر ہوتا ہے جو لفظ ''رسالت'' کا پہلا حرف ہے، تو یہ کہو کہ اس نام عبدالقادر کی خوبی یہ ہے کہ یہ نکات، مبارک نام ''عبدالقادر'' کے تابع ہیں، اس مبارک اور پیارے نام سے مستفاد ہیں۔

یوں بھی حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی اس رباعی کے آخری دو مصرعوں میں یہ فرمارہے ہیں کہ حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللّٰہ عنہ، اللّٰہ کے ولیوں کے سردار ہیں، جہاں سیّدنا غوث پاک رضی اللّٰہ عنہ کے مقام کی ولایت کی انتہا ہے وہاں سے اللّٰہ سبحانہ کے نبیوں (علیہم السلام) کے مقام رسالت کی ابتدا ہوتی ہے۔

جوہانس برگ سے بریلی کے بددیانت مصنف نے اپنی جہالت وسفالت کی بنیاد پر اس رباعی کے آخری دو مصرعوں کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''شیخ عبدالقادر کے بعد پھر سے رسالت کا آغاز ہوگا اور وہ نیا رسول بھی شیخ عبدالقادر کا تابع ہوگا'' اس اعتراض کے جواب میں (عربی کا) مشہور مقولہ دُہراؤں گا کہ ''جسے فقہ نہیں آتی وہ فقہ کی کتاب کا مصنف بن بیٹھا'' یہ مخالفین کی بدقسمتی اور شامتِ اعمال ہے کہ وہ اہلِ سنّت کے امام، اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کا کلام سمجھنے کی لیاقت وصلاحیت ہی نہیں رکھتے اور اپنی جہالت کے باوجود، اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی پر اعتراض کرتے اور بہتان لگاتے ہیں اور اس طرح خود اپنی رسوائی کا اہتمام کرتے ہیں۔ دراصل اس رباعی کے پہلے شعر (دو مصرعوں) کا مطلب ان مخالفین کو سمجھ نہیں آتا، اس لیے وہ دوسرے شعر کا اپنی طرف سے غلط

مطلب و مفہوم گڑھ کے، عقیدہ ختمِ نبوت کے سچے محافظ، اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور عذاب کماتے ہیں۔

جوہانس برگ سے بریلی کے مصنف نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت بریلوی چوں کہ ''قادری'' کہلاتے ہیں۔ اس لیے وہ شیخ عبدالقادر کے تابع ہیں، اس طرح اعلیٰ حضرت خود کو ''نبی'' کہہ رہے ہیں۔'' یہ بلاشبہ اعلیٰ حضرت بریلوی پر بہتان ہے، جوہانس برگ سے بریلی کے مصنف اور اس کے حامی، اس بہتان طرازی کی سزا، ان شاء اللہ ضرور پائیں گے۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ پر شدید بہتان لگانے والے یہ لوگ ذرا کھلی آنکھوں سے اعلیٰ حضرت بریلوی کا ختمِ نبوت کے بارے میں عقیدہ و فتویٰ ملاحظہ فرمائیں، جو اعلیٰ حضرت بریلوی نے اپنی کتاب ''**جزا للّٰہ عد وہ بابائہ ختم النبوۃ**'' میں تحریر فرمایا۔

وہ فرماتے ہیں ''اللّٰہ عزّ وجل سچا اور اس کا کلام سچا۔ مسلمان پر جس طرح **لا الٰہ اِلّا اللّٰہ** ماننا، **اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ کو اَحد، صَمد، لاشریک لہ**، جاننا فرض اول و مناط ایمان ہے، یوں ہی محمد رسول اللّٰہ ﷺ کو خاتم النّبیین ماننا، ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزئے ایقان ہے، وَلٰکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیین نص قطعی قرآن ہے۔ اس کا منکر نہ منکر بلکہ شبہ کرنے والا نہ شک کہ ادنیٰ ضعیف احتمال خفیف سے تو ہم خلاف رکھنے والا، **قطعاً اجماعاً ملعون، مخلد فی النیران** ہے، نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے، وہ بھی کافر، جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے، وہ بھی کافر......'' (ص 6، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور)

اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللّٰہ عنہ کے خود اپنے قلم سے ''ختمِ نبوت'' کے موضوع پر کئی کتابوں اور واضح فتوی کے باوجود، جوہانس برگ سے بریلی کے مصنف کا اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللّٰہ عنہ پر بہتان لگانا، بلاشبہ سنگین ظلم ہے۔'' (سفید و سیاہ، ص 161 تا 164)

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام میں سے جو اشعار ان لوگوں کے نزدیک ''عبد و معبود کے فرق مراتب اور انس و محبت کے صحیح اسلامی تصور و تعبیر سے خالی ہیں'' وہ بھی ملاحظہ ہوں:

"1- فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پر اڑتا ہے پھریرا تیرا
2- آسماں خوان زمین خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
3- میری تقدیر بری ہے تو بھلی کر دے کہ ہے محو اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا
4- مَیں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا
5- ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ میرا ہے وہ کام گار آقا
6- وہی نور حق وہی ظل رب ہے انھیں کا سب ہے انھیں سے سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
7- وہی لامکاں کہ مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
8- سرعرش پر ہے تیری گزر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
9- واللّٰہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے اتنا بھی تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے
10- خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے
11- عالم علم دو عالم ہیں حضور آپ سے کیا عرض حاجت کیجیے
12- جن و بشر سلام کو حاضر ہیں، السلام یہ بارگاہ مالک جن و بشر کی ہے
13- سب خشک و تر سلام کو حاضر ہیں، السلام یہ بارگاہ مالک ہر خشک و تر کی ہے
14- عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
15- محبوب و محبّ کی ملک ہے ایک کونین ہیں مال مصطفائیؐ"

ان اشعار کو لکھنے کے بعد معترضین کے اعتراض انھی کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں، وہ لکھتے ہیں:

"ان اشعار کے معانی و مطالب کا اگر خلاصہ کیا جائے تو کچھ اس طرح ہوگا کہ:

☆ رسولِ کریم ﷺ زمین، آسمان، عرش، فرش، ہر خشک تر اور سب جن و بشر، غرضے کہ خدا کی ساری خدائی کے مالک و حاکم ہیں۔ (دیکھیے شعر نمبر 1 تا 7 اور 12 تا 15)

☆ دونوں جہاں کے ہر خفی و جلی کا آپ کو علم ہے یعنی آپ عالم الغیب بھی ہیں۔ (شعر: 8 تا 11)

☆ آپ سب کی فریاد سنتے اور فریاد رَسی فرماتے ہیں۔(شعر:9)

☆ زمین، آسمان آپ کے دسترخوان ہیں، گویا ساری دنیا کو آپ ہی رزق دیتے ہیں۔ (شعر:2)

☆ تقدیر کا بدلنا اور محو و اثبات کے دفتر (یعنی لوح محفوظ) میں کتر بیونت بھی آپ کے اختیار میں ہے۔(شعر:3)'' (چراغ نوا،ص 10 تا 13،مطبوعہ مرکز مطالعات فارسی، علی گڑھ)

اپنی فہم کے مطابق اخذ کیے ہوئے یہ اعتراض لکھ کر معترضین نے قرآنی آیات پیش کی ہیں۔ بہتر ہوتا کہ یہ لوگ انھی آیات کی وہ تفاسیر خود ملاحظہ کر لیتے جو معترضین ہی کے ''بڑوں'' نے لکھی ہیں لیکن یہ کام بھی میرے ہی ذمے ٹھہرا ہے، سو ملاحظہ ہو:

قرآنِ کریم میں ہے: **افتومنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض۔(البقرۃ:85)**

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی ''تو کیا کتاب کے بعض پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے؟'' معترضین اسی کے عامل نظر آتے ہیں۔ چناں چہ ملاحظہ ہو:

اپنے اعتراضات پیش کرتے ہوئے معترضین لکھتے ہیں: ''خان صاحب کی پروازِ خیال کا عالم آپ نے دیکھا، اب ذرا قرآن پاک کی چند آیات پر بھی نظر ڈال لیجیے۔''

کیا ان معترضین نے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کی پروازِ خیال تک رسائی پائی؟ اعلیٰ حضرت تو اپنے خیال کو قرآن و حدیث اور شریعت و سنّت کا پابند رکھتے ہیں، ناقابل تردید دلائل و براہین کا انبار لگادیتے ہیں اور اپنی پروازِ خیال کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کے معترضین و مخالفین نے کبھی یہ ''سعادت'' حاصل کی کہ وہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے عقائد ان کی اپنی تحریروں سے جانتے؟ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے صرف نعتیہ کلام ہی نہیں لکھا حالاں کہ ان کی کہی ہوئی ہر نعت میں قرآن و حدیث ہی کی ترجمانی ہے اور اس کی تفصیل ان کی تحریروں میں اس قدر واضح ہے کہ اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر ناواقفی کے باوجود اعتراض کرنا ہی مخالفین کو مرغوب ہے۔ ان معترضین کو تو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کی کتب کے عربی نام بھی صحیح اِملا و اعراب کے ساتھ شاید ہی پڑھنے آتے ہوں گے، قرآنِ کریم کی آیات کا ترجمہ کرنا بھی جنھیں صحیح نہیں آتا وہ اس ''پروازِ خیال'' پر معترض ہو رہے ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو حاصل تھی۔ واضح رہے کہ خود جناب اشرف علی تھانوی افاضات یومیہ، ص 446/ 7 میں لکھتے ہیں کہ: ''قرآنِ کریم کے سمجھنے کے لیے 14 علوم میں متبحر ہونے کی ضرورت ہے مَیں تو

غیر متبحر کو اگرچہ وہ درسیات سے فارغ مولوی ہی کیوں نہ ہو، لوگوں کے سامنے ترجمۂ قرآن بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔'' ان معترضین نے پہلی آیت یہ نقل کی ہے:

''(1) لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

(ترجمہ بھی وہ لکھتے ہیں) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی (اللّٰہ) کا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کے حکم کے بغیر اس سے کسی کی سفارش بھی کر سکے۔ (البقرہ: 255)''

اس آیت کا ترجمہ وتفسیر جناب اشرف علی تھانوی سے ملاحظہ ہو:

''اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔''

تھانوی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''ف قیامت میں انبیا و اولیا گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے وہ اول حق تعالیٰ کی مرضی پالیں گے جب شفاعت کریں گے۔'' (بیان القرآن، ص 86، مطبوعہ تاج کمپنی، فروری 1959ء)

قرآنِ کریم کی اس آیت نے واضح کیا کہ اللّٰہ کریم جلّ شانہ کی اجازت ہی سے کوئی شفاعت کر سکے گا اور تھانوی صاحب نے صاف لکھا کہ انبیا و اولیائے کرام اجازت پا کر شفاعت فرمائیں گے۔ اجازت کے حوالے سے قرآنِ کریم کا بیان ملاحظہ ہو:

یومئذ لا تنفع الشفاعة الامن اذن له الرحمن ورضی له قولا. (طہٰ: 109)

تھانوی صاحب ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے واسطے اللّٰہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو۔''

حاشیہ میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں ''اس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو (انبیا وصلحا کی سفارش نفع دے گی) کہ جس (کی سفارش کرنے) کے واسطے اللّٰہ تعالیٰ نے (شافعین) کو اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے (شافع) کا بولنا پسند کر لیا ہو......'' (ص 630، بیان القرآن) واضح رہے کہ قوسین میں درج الفاظ بھی تھانوی صاحب ہی کے ہیں۔

سورۂ مریم میں ہے: **لایملکون الشفاعة الامن اتخذ عند الرحمن عهدا** (87)

ترجمہ از تھانوی صاحب: ''کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمان کے پاس اجازت لے لی ہے۔'' حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس (سے) اجازت لے لی ہے (وہ انبیا وصلحا ہیں اور اجازت خاص ہے

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

مومنین کے ساتھ۔)'' (بیان القرآن، ص 615)

تھانوی صاحب کے استاد جناب محمود حسن دیوبندی اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا ہے رحمٰن سے وعدہ۔'' اور جناب شبیر احمد عثمانی حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''یعنی جن کو اللّٰہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ دیا مثلاً ملائکہ، انبیا، صالحین وغیرھم وہ ہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے۔ (ص 403)

ان دو آیات نے واضح کردیا کہ شفاعت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ چناں چہ رسولِ کریم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں: **اعطیت الشفاعة**، مجھے شفاعت عطا کردی گئی ہے۔
(مشکوۃ: 5747، ابن ابی شیبہ: 31633، صحیح ابن حبان: 6364)

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اذن کب کا مل چکا اب تو حضور ہم غریبوں کی شفاعت کیجیے

چاہا تھا کہ ''شفاعت'' سے متعلق ''اربعین'' (چالیس احادیث) یہاں نقل کردوں لیکن یہ تحریر ایک مضمون کی بجائے پوری کتاب ہوجائے گا تاہم مختصراً ''شفاعت'' کا بیان ضروری سمجھتا ہوں تا کہ جنھیں اس کے بارے میں صحیح آگہی نہیں ان پر مسئلہ واضح ہوجائے۔ کیوں کہ بیان، نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا ہے۔

''شفاعت'' کے معنی سفارش کے ہیں اور یہ دنیا میں کئی طرح کی ہوتی ہے لیکن جس مسئلہ شفاعت کا بیان ہے وہ دو قسم کی ہے۔ گناہوں کی بخشش اور مرتبے و درجے کی بلندی کے لیے۔ بارگاہ الٰہی میں شفاعت کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی کو اللّٰہ تعالیٰ کی جناب میں سینہ زوری یا اس کے ارادہ و اختیار میں کسی طور مزاحمت یا تصرف یا اس کی قدرت میں کسی خلل کی تاب ہے۔ ضروری ہے کہ شفاعت کی حقیقت کو سمجھا جائے۔

شفیع: سفارش کرنے والا۔ **مشفوع لہ**: جس کے لیے سفارش کی جائے۔

مستشفع الیه: جس کی طرف سفارش کی جائے۔ **شفاعت**: سفارش۔

ایک شخص (شفیع، سفارش کرنے والا) کسی دوسرے شخص (مستشفع الیہ، جس کی طرف سفارش کی جائے) کی جناب میں کسی کی سفارش کرتا ہے تو وہ دوسرا شخص اس پہلے شخص کی سفارش اس لیے قبول کرلیتا ہے کہ اس پہلے شخص کو کسی وجہ سے دوسرے شخص کی جناب میں عزت و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ اس نے سفارش کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں خاص قرب سے نوازا ہے اور اپنے

وابستگان کے درمیان اسے عزت و امتیاز بخشتا ہے۔ ان عزتوں اور کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام ماتحت لوگوں کی ترقی مناصب کے علاوہ جرائم اور کوتاہیوں کی معافی کے لیے اس کو بات کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کی درخواست قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش کی پذیرائی کی جاتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس معزز شفیع کی سفارش نہ ماننے سے وہ دل گرفتہ اور کبیدہ خاطر ہوگا اور اس کی رنجیدگی سے مستشفع الیہ کو رنج یا کوئی نقصان پہنچے گا۔ بلکہ اس معزز شفیع سفارشی کی پذیرائی اس لیے ہوتی ہے کہ مستشفع الیہ نے اپنی بارگاہ میں اس شخص کو جو عزت و منزلت دی ہے، اس شخص کی بات نہ ماننا اس بندہ پروری اور عزت افزائی کے منافی ہوگا۔ ایسی سفارش کو ''شفاعتِ وجاہت'' کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ شفاعت کے معنی سفارش اور وجاہت کے معنی لحاظ اور عزت کے ہیں، ایسا نہیں سوچا جاسکتا کہ جس کے حضور سفارش کی گئی ہے وہ شفیع کی بات ماننے پر مجبور یا اس کی سفارش قبول کرنے کا پابند ہے یا اسے سفارشی کی ناخوشی سے خطرہ یا سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں کسی نقصان کا خوف ہو۔ کیوں کہ نقصان کے ڈر سے سفارش ماننا تو اپنے نقصان کو دور کرنا ہے۔ اسے تو اطاعت کہنا چاہیے نہ کہ قبولِ شفاعت۔ کوئی بادشاہ اپنے مصاحبوں میں سے شفقت و عنایت کرتے ہوئے کسی کو ایسے اور ایسے مرتبہ و مقام سے نوازتا ہے کہ وہ اس بادشاہ کے حضور لوگوں کی عرض حاجات اور خطا کاروں کی معافی چاہنے کی بات کرے اور بادشاہ اس شخص کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اس کی سفارش قبول کرلے تو یہ اس شخص پر بادشاہ کے خصوصی انعام و اکرام کا اظہار ہوگا۔

قرآنِ کریم میں ہے: وجیھا فی الدنیا والاخرۃ (آل عمران: 45)

ترجمہ از جناب تھانوی: ''باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں۔'' (ص 113)

وکان عند اللّٰہ وجیھا (احزاب: 69)

ترجمہ از جناب تھانوی: ''اور وہ اللّٰہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔'' (ص 836)

ہمارے رسولِ کریم ﷺ بلاشبہ بارگاہ ایزدی میں سب سے زیادہ معزز و مکرم اور جملہ مخلوق میں سب سے افضل ترین ہستی ہیں انھیں جو مرتبت و فضیلت اور عزت و کرامت بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے کسی مخلوق کو اس میں ہم سَری حاصل نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

آپ درگاہ خدا میں ہیں وجیہ ہاں شفاعت بالوجاہت کیجیے

شفاعتِ وجاہت کے بعد شفاعتِ محبت کو سمجھا جائے۔
مستشفع الیہ کو شفیع سے محبت ہو اور محبت کا تقاضا محبوب کی ہر طرح خوشی و دل جوئی ہے، محبّ نہیں پسند کرتا کہ اس کے محبوب کی دل شکنی ہو یا محبوب کو رنجیدہ و آزردہ کیا جائے۔ وہ غایت محبت کی وجہ سے محبوب کی فرمائش اور سفارش قبول کرتا ہے۔ سفارش قبول کرنے میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ سفارش کی عدم پذیرائی کی صورت میں سفارش کرنے والا غضب وغصہ یا صدمہ وایذا کا باعث بنے گا یا کسی طرح مستشفع الیہ کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے بلکہ محبوب کی دل داری ہی محبت کا تقاضا ہے اور محبت یہی کہتی ہے کہ محبوب کو خوش کیا جائے۔ اس حوالے سے احادیث قدسی ہم پر واضح کرتی ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو کتنا نوازتا ہے۔ ایک ارشاد میں ہے کہ کتنے گرد آلود بالوں والے جن کے پاس دو بوسیدہ چادروں کے سوا کچھ نہ ہو اور جنھیں اہمیت نہ دی جاتی ہو ایسے ہیں کہ اگر وہ اللّٰہ تعالیٰ کی قسم (کسی بات پر) اٹھالیں تو اللّٰہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پورا کردے گا۔
(میلاد النبی ﷺ، ص 132، از جناب تھانوی، مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ: **وان سالنی لا عطینه** (بخاری شریف: 6520)
اللّٰہ تعالیٰ سب کا خالق و مالکِ حقیقی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں کوئی شرکت یا تابِ مزاحمت نہیں ہے۔ کوئی کسی طرح اس کا شریک یا ساجھی نہیں ہے نہ ہی اس کو کسی کی کوئی حاجت یا ضرورت ہے۔ اس کا فضل واحسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں بعض کو بعض پر درجات و مراتب اور فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور جنھیں اپنی بارگاہِ قدس کا مقرب بنایا ہے انھیں خاص شان اور مقبولیت ومحبوبیت عطا کی ہے، انھیں مخلوق میں ممتاز وافضل کیا ہے۔ اللّٰہ کریم جلّ شانہ اپنے فضل وکرم سے ان کی سفارش کی پذیرائی فرماتا ہے، ان کی فرمائش پوری کرتا ہے، انھیں اجازت عطا فرماتا ہے کہ وہ مقربین اس کی بارگاہ میں اپنے وابستگان کے لیے دفع عذاب، رفع درجات اور عفو ومغفرت کی سفارش کریں۔ ان محبوب ومقبول اور مقرب لوگوں کو بارگاہ الٰہی میں جو عزت و وجاہت اور محبوبیت ومقبولیت حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ سے ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

حق تمھیں فرماچکا اپنا حبیب		اب شفاعت بالمحبت کیجیے

بہت ہی اختصار کے ساتھ شفاعت کا مسئلہ اس فقیر نے یہاں درج کیا ہے، اس

موضوع پر علمائے اہلِ سنّت کی مستقل تصانیف ہیں، تفصیل کے لیے ان کا مطالعہ کیا جائے۔

صحیح العقیدہ اہلِ ایمان اہلِ سنّت و جماعت یہ موقف اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ جلّ شانہ کا ہر کمال ذاتی و حقیقی ہے اور مخلوق میں جس کسی کو جو کمال حاصل ہے وہ اللّٰہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے اسی لیے اسے عطائی کہتے ہیں۔ اللّٰہ کریم جلّ شانہ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اپنی بارگاہ کے مقربین کو اس نے عام مخلوم کی نسبت جن خصوصیات سے نوازا ہے اس کا انکار بلاشبہ اللّٰہ تعالیٰ کی شانِ عطا کا انکار ہوگا۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ تو 1856ء میں پیدا ہوئے اور 1921ء میں وصال فرمایا۔ سن 11 ہجری سے 1272 ہجری تک امت مسلمہ میں جو علمائے ربّانی ہوئے، انھوں نے کتنی تحریریں یادگار بنائیں وہ دیکھی جائیں۔ اصحابِ نبوی کے بعد تابعین میں سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللّٰہ عنہ کا کہا ہُوا قصیدہ، سیّدنا امام محمد بن ادریس شافعی، سیّدنا امام مالک بن انس اور سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللّٰہ عنہم کے ارشادات اور تحریریں دیکھیے، مفسرین، محدثین، فقہا، متکلمین اور سیرت نگاروں، مؤرخوں کی وہ کتابیں جو آج ہمارا بہترین علمی سرمایہ ہیں ذرا انھیں دیکھیے، ان سب میں ہمیں واضح طور پر وہی باتیں نظر آتی ہیں جن کی ترجمانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے چودھویں صدی ہجری میں فرمائی۔ امام غزالی، امام رازی، امام بوصیری، امام ابوالقاسم سُہیلی، امام نووی، محبّ طبری، امام ابن عساکر، امام عسقلانی، امام قسطلانی، امام شعرانی، شیخ سعدی، مولانا روم، امام سیوطی، مجدد الفِ ثانی اور شیخِ محقق رضی اللّٰہ عنہم جیسی ہستیاں نثر و نظم میں قرآن و سنّت کی ترجمانی کرتے ہوئے عربی فارسی میں جو لکھ رہی ہیں اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ نے اُردو میں ان کی ترجمانی کی ہے۔ کیا یہ ہستیاں عبد و معبود کے فرقِ مراتب سے آگاہ نہیں تھیں؟ کیا ان سب کی تحریریں عبد و معبود کے فرقِ مراتب کے صحیح اسلامی تصور و تعبیر سے خالی ہیں؟

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ نے کسی تحریر میں نبی کریم ﷺ کو ''عالم الغیب'' ہرگز ہرگز نہیں فرمایا، نہ ہی انھوں نے نبی کریم ﷺ کے لیے یہ فرمایا ہے کہ وہ خود سے کوئی علم یا بالذات کوئی کمال رکھتے تھے بلکہ یہی فرماتے ہیں کہ اللّٰہ کریم جل شانہ نے نبی کریم ﷺ کو علم غیب اور کمالات سے نوازا، ان کا عقیدہ خود ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو: فرماتے ہیں: ''افسوس کہ ان (معترضین) کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

حادث، وہ نا مخلوق یہ مخلوق، وہ نا مقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقا یہ جائز الفنا، وہ ممتنع الغیر یہ ممکن التبدل، ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمالِ شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون کو۔'' مزید فرماتے ہیں: ''اگر تمام اہلِ علم اگلے پچھلوں سب کے علوم جمع کیے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے۔'' (خالص الاعتقاد)

معترضین غور فرمائیں کہ کیا اس قدر واضح بیان کے بھی بعد بھی کسی اعتراض کی گنجایش رہتی ہے؟

معترضین نے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے کچھ نعتیہ اشعار پر اعتراض کرتے ہوئے یہ قرآنی آیات پیش کی ہیں:

''قُلْ لا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ (ترجمہ) آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اپنی ذات کے لیے بھی نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں ہے، مگر جو اللّٰہ چاہے اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو اپنے لیے بہت سی خیر جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔ (الاعراف: 188)

قُل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا باللّٰہ (ترجمہ) (اے محمد) آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللّٰہ کے سوا کوئی بھی غیب کا جاننے والا نہیں ہے۔'

(النمل: 65)''

معترضین نے سورۂ الاعراف کی آیت نمبر 188 نقل ضرور کی لیکن اسے پڑھا اور سمجھا نہیں، اس آیت میں ''الا ماشاء اللّٰہ'' کے الفاظ پر انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ ''مگر جو اللّٰہ چاہے'' ہی کے الفاظ سے ترجمہ کرتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھ نہ سکے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی مشیت، اللّٰہ کی عطا اور اللّٰہ کریم جلّ شانہ کی اجازت کے بغیر اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ اور تمام اہلِ سنّت کسی میں کوئی کمال، قوت، اختیار وغیرہ ہرگز نہیں مانتے اور یہ آیت بھی یہی واضح کر رہی ہے کہ ''خود سے'' اور ''ذاتی طور پر'' کوئی علم اور کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں، جو کمال بھی حاصل ہے وہ اللّٰہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کی عطا سے ہے۔

چناں چہ جناب شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت جو لکھتے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہو: ''اس آیت میں بتلایا گیا ہے کوئی بندہ خود کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر ''اختیار مستقل'' رکھتا ہے نہ ''علم محیط'' سیّد الانبیا صلعم (ﷺ) جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کنجیوں کے امین

بنائے گئے تھے۔ ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں مگر جس قدر اللّٰہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔''

(ص 225، حاشیۂ قرآن)

قرآنِ کریم کی صحیح فہم ہونا بلاشبہ بہت سعادت ہے لیکن وہ لوگ جو اپنی فہم کو قرآن کے تابع کرنے کی بجائے قرآن کے مفہوم کو اپنی فہم کے تابع رکھنا چاہتے ہیں وہ اپنے لیے کیا ذخیرہ کر رہے ہیں، وہ خود سوچ لیں۔

قرآنِ کریم کی کچھ آیات میں نفی کا بیان ہے تو کچھ میں اثبات کا بیان ہے۔ ہر دو نفی و اثبات کی آیات کا ماننا ضروری ہوگا۔ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کے بعض کو ماننا اور قرآن کے بعض کا انکار یقیناً اہلِ ایمان کا کام نہیں۔

جن آیات میں ''نفی'' کا بیان ہے وہ بھی حق ہے اور جن آیات میں ''اثبات'' کا بیان ہے وہ بھی حق ہے۔ نفی کا بیان واضح کرتا ہے کہ ذاتی اور حقیقی طور پر اللّٰہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے سوا ذاتی اور حقیقی طور پر کوئی اور نہیں جانتا۔ اثبات کا بیان واضح کرتا ہے کہ مخلوق میں جو کوئی جانتا ہے اور جس قدر جانتا ہے وہ اللّٰہ تعالیٰ کی عطا سے جانتا ہے۔ سمجھنے کے لیے دیکھیے۔ سورۂ یونس کی آیت نمبر 65 میں ہے: ان العزة للّٰه جميعا.

یہ آیت بتاتی ہے کہ ساری عزت صرف اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ صرف یہی آیت لکھی جائے اور کہا جائے کہ اللّٰہ کے سوا کسی کی کوئی عزت نہیں۔ کسی کو عزت مآب، معزز، مکرم نہ جانا جائے تو کیا یہ قرآن فہمی ہوگی؟

قرآن ہی میں وتعز من تشاء کے الفاظ ہیں۔ قرآن ہی میں ہے:

وللّٰه العزة ولرسوله وللمومنين ولكن المنافقين لا يعلمون. (المنافقون: 8)

قرآن ہی نے بتادیا کہ ذاتی اور حقیقی طور پر عزت صرف اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ہے اور مخلوق میں اللّٰہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور عزت اللّٰہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

مخالفین نے ''علم غیب'' کی نفی کی دو آیات نقل کیں لیکن قرآن ہی سے اثبات کی آیات نقل نہیں کیں۔ ظاہری بات ہے کہ ان آیات کو نقل کر دینے سے ان کا موقف غلط ثابت ہوتا اور مخالفین اپنے موقف ہی کو اہم جانتے ہیں خواہ قرآن کی تکذیب ہی ان سے کیوں نہ سرزد ہو۔ (معاذ اللّٰہ)

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

قرآنِ کریم میں ہے: **وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء** (آل عمران: 179)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور اللّٰہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللّٰہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔'' (ص 94)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور اللّٰہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے ولیکن ہاں جس کو خود چاہیں اور وہ اللّٰہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو منتخب فرماتے ہیں۔''
(ص 149۔150، بیان القرآن)

: ''وہ (اللّٰہ) اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی، انبیا علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔'' (حاشیہ قرآن، ص 95، از جناب شبیر احمد عثمانی)

قرآنِ کریم میں ہے: **علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول** (الجن: 27)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کرلیا کسی رسول کو۔'' (ص 744)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔'' (ص 1103)

قرآنِ کریم میں ہے:

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما (النساء: 113)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللّٰہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔'' (ص 124) حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''اس میں خطاب ہے رسول علیہ الصلوۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے ان خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ کی عظمت شان اور عصمت کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللّٰہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔'' (ص 124) عثمانی صاحب مزید فرماتے ہیں: ''آپ (ﷺ) کو اتنے بے شمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔''
(ص 226، حاشیۂ قرآن)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔'' (ص 206، بیان القرآن)

قرآنِ کریم میں ہے: وما هو على الغيب بضنين (التکویر: 24)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں۔'' (ص764)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور یہ پیغمبر مخفی باتوں پر بخل کرنے والے بھی نہیں۔'' (ص 1127، بیان القرآن)

''یہ پیغمبر (ﷺ) ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے، یا اللہ کے اسما و صفات سے، یا احکام شرعیہ سے، یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے، یا جنت و دوزخ کے احوال سے، یا واقعات بعد الموت اور ان (غیب کی) چیزوں کے بتلانے میں (یہ پیغمبر ﷺ) ذرا بخل نہیں کرتا۔''

(حاشیہ قرآن، ص 764، از جناب شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور، 1355ھ)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''حق تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرمایا اور یہ علم ان کے دل میں بلا واسطۂ کلام القا کر دیا کیوں کہ بدون اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیوں کر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام و احوال بتاؤ لیکن انھوں نے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم و حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد حضرت آدم (علیہ السلام) سے جو تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا تو فر فر سب امور ملائکہ کو بتا دیے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدم (علیہ السلام) کے احاطۂ علمی پر عش عش کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں...... فائدہ اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھیے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم ہیں مگر علم میں چوں کہ انسان سے کم ہیں اس لیے مرتبۂ خلافت

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

انسان ہی کو عطا ہُوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کرلیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کیوں کہ عبادت تو خاصۂ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفتِ اعلیٰ ہے اس لیے قابلِ خلافت یہی ہوئے کیوں کہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔'' (ص:8، حاشیۂ قرآن)

معترضین سے عرض ہے کہ وہ اپنے شبیر احمد صاحب عثمانی کی اس تفسیر میں غور فرمائیں اور عبد و معبود کے فرقِ مراتب کا صحیح اسلامی تصور واضح فرمائیں۔ ایک شخص اس تفسیر میں پہلی بات یہ پڑھتا ہے کہ بغیر واسطۂ کلام، اللّٰہ تعالیٰ کسی مخلوق کے دل میں علم ڈال دیتا ہے۔ پھر اسی تفسیر میں وہ شخص یہ بھی پڑھتا ہے کہ ''فر فر سب امور بتانے والے'' تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن اللّٰہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ: ''کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں''۔ یعنی فر فر بتایا حضرت آدم علیہ السلام نے لیکن جاننے کی صفت اللّٰہ تعالیٰ کے لیے بیان ہوئی۔ پھر اسی تفسیر میں یہ بھی واضح ہے کہ ''علم'' اللّٰہ تعالیٰ کی صفتِ اعلیٰ ہے اور خلیفہ میں مستخلف عنہ کے کمال کا ہونا ضروری ہے۔ خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور مستخلف عنہ اللّٰہ تعالیٰ ہے۔

جو سوال اس شخص کے ذہن میں اس تفسیر کے پڑھنے سے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے جو علم حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں القا فرمایا وہ حضرت آدم علیہ السلام کے حواس اور عقل سے مخفی تھا یا نہیں؟ (شبیر احمد صاحب عثمانی نے الذین یومنون بالغیب کے تحت لکھا ہے: یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں۔)'' (حاشیۂ قرآن، ص: 3)

کیا وہ علم غیب ہی تھا؟ اگر وہ علم غیب تھا تو یقیناً حضرت آدم علیہ السلام کو وہ عطا ہُوا کیوں کہ وہ خود سے اسے ہرگز نہیں جانتے تھے۔ ماننا پڑے گا کہ اللّٰہ تعالیٰ جسے چاہے جتنا چاہے علمِ غیب عطا فرماتا ہے اور بغیر واسطۂ کلام بھی عطا فرماتا ہے۔ فرفر سب امور بتائے حضرت آدم علیہ السلام نے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بتانا دراصل اللّٰہ تعالیٰ ہی کا بتانا ہے یوں یہ بات واضح ہوگئی کہ منھ اللّٰہ تعالیٰ کے پیارے کا ہوتا ہے مگر اس پر خدا تعالیٰ بولتا ہے۔ مستخلف عنہ (جس نے خلیفہ بنایا) اللّٰہ تعالیٰ ہے اور خلیفہ، نبی ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ کا عطا کیا ہُوا کمال اس کے نبی میں ماننا کیا عبد و معبود کے فرقِ مراتب کو ختم کرنا اور بھولنا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے رسولِ کریم ﷺ افضل و اعلیٰ ہیں، وہ اللّٰہ کریم جلّ شانہ کے خلیفۂ اعظم اور مخلوق میں سب سے معظم و مکرم اور رب تعالیٰ کے محبوب کریم ہیں، ان کے لیے اللّٰہ تعالیٰ کی خاص عطا ماننا کیا عبد و معبود کے فرقِ مراتب کو مٹانا ہے؟

شبیر احمد صاحب عثمانی ص 473 پر لکھتے ہیں: ''مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلعم (ﷺ) ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کردیے۔'' (حاشیۂ قرآن)

''حفظ الایمان (مصنفہ جناب اشرف علی تھانوی) میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو علم غیب بعطاء الٰہی حاصل ہے۔''

(توضیح البیان، ص 13، از جناب مرتضی حسن دربھنگی)

''کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے، اس میں رسل کی شرکت ہوگئی کیوں کہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں، اس کا علم ذاتی ہونا اور اس کا محیط بالکل ہونا۔ یہاں (رسولوں میں) ذاتی اس لیے نہیں کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں، پس یہ بالمعنی الاعم غیب ہے نہ کہ بالمعنی الاخص۔''

(ص 150، بیان القرآن، از جناب تھانوی، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

تھانوی صاحب فرماتے ہیں: ''سنا ہے کہ وہ (سُنّی بریلوی علماء) علم غیب کو جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت تو کرتے ہیں مگر علم باری تعالیٰ کی طرح علم محیط نہیں ثابت کرتے بلکہ ان (کے علم غیب) کی حد مانتے ہیں الی ان یدخل الجنة الجنة واھل النار النار. (اہلِ جنت کے جنت میں اور اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے تک)۔ اگر یہ صحیح ہے تو (ایسا ماننے سے) شرک ثابت بھی نہیں ہوتا۔ کیوں کہ صفت خاص باری تعالیٰ علم محیط ہے، علم محدود نہیں۔ تو اب ہم میں اور ان (سُنّی بریلوی علماء) میں خلاف ایک امر میں ممکن رہا کہ وہ واقع ہوا یا نہیں؟ یعنی یہ علم الی مایدخل الجنة الجنة واھل النار النار، حضور (ﷺ) کو دیا گیا یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ (یہ علم غیب) دیا جانا فی نفسہ ممکن ہے مگر وقوع اس کا شریعت سے کہیں ثابت نہیں اور وہ (سُنّی بریلوی) کہتے ہیں، ثابت بھی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تمام دلیلیں اس وقوع کی جو وہ (سُنّی بریلوی) پیش کرتے ہیں ناتمام ہیں اور ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتیں، تو زائد سے زائد الزام، ان (سُنّی بریلوی علماء) پر یہ رہا کہ انھوں نے ایسی بات کو مان لیا جو شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اور یہ شان مبتدع کی ہے نہ کافر کی۔'' (قصص الاکابر، ص 253۔ مطبوعہ لاہور)

''لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیا و اولیا کو نہیں ہوتا، مَیں (حاجی امداد اللہ) کہتا ہوں کہ اہلِ حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبیات کا ان کو ہوتا ہے۔''

(شمائم امدادیہ، دوم ص 115، امداد المشتاق، ص 76، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون، 1929ء)

''قرآن مجید میں ایک سے زیادہ جگہ پر فرمایا گیا ہے کہ ''الغیب'' کا علم حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، ...... لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی میں ہے کہ اپنے رسولوں میں جسے چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے مطلع فرماتا ہے...... اب سوال یہی ہے کہ غیر اللہ کو غیب کا علم جو عطا ہوتا ہے اس پر بھی ''علم الغیب'' کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت والا (محمد قاسم نانوتوی) نے ارقام فرمایا ہے کہ...... پس غیر اللہ کی طرف علم غیب کو منسوب کرنے کا یہ مطلب کوئی نہیں سمجھتا کہ بالذات غیب کا علم ان کو حاصل ہے بلکہ یہی سمجھتے ہیں کہ غیب کے اس علم سے حق تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا ہے۔'' (سوانح قاسمی، ص 58، از جناب مناظر احسن گیلانی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

''مردوں کو زندہ کرنا، اکمہ و ابرص (اندھے و برص والے) وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا، غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کھلے معجزے ہیں''

(حاشیہ قرآن، ص 17، از جناب شبیر احمد عثمانی)

انڈیا میں ''مرکز اہلِ سنّت برکات رضا'' کے نام سے پور بندر، گجرات کے علاقے میں قائم ادارے نے ''جامع الاحادیث'' کے عنوان سے چھ جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کی جلد چہارم کے ص 386 سے 417ء تک علم غیب کے مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ نے احادیث نبوی اور ادلہ شرعیہ سے اپنا موقف واضح کیا ہے۔

میرے والد گرامی مجدد مسلکِ اہلِ سنّت خطیبِ اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ نے اپنی شاہ کار تالیف ''ذکرِ جمیل'' میں ''علم غیب'' کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ مناسب خیال کرتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی ''نعت شریف'' کے اس بیان کو ملخصاً یہاں نقل کردوں۔ عربی عبارات کا صرف ترجمہ نقل کر رہا ہوں تفصیل کے لیے ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی سے مطبوعہ کتاب ذکرِ جمیل دیکھ لی جائے۔ ملاحظہ ہو:

''چوں کہ آج کل بہت سے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ علم غیب مصطفیٰ ﷺ کا مسئلہ بھی باعثِ نزاع بنا ہوا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت دیانت داری کے ساتھ اس مسئلہ کو مختصر طور پر بیان کردیا جائے، تاکہ مسلمانوں کو مسئلہ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور سینہ اقدس کے علوم کا بھی اندازہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

1) وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ. (البقرۃ: 255)　　اور وہ نہیں احاطہ کرسکتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے: یعنی وہ اس کے علم غیب میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر کہ وہ چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: یعنی جن کو اللّٰہ تعالیٰ اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے وہ انبیا و رسل ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا ان کی نبوت کی دلیل ہو جیسا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا پس نہیں مسلط فرماتا ہے اپنے غیب خاص پر کسی ایک کو بھی سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر کبیر میں ہے: اللّٰہ کے اطلاع دینے کے بغیر کوئی غیب نہیں جانتا اللّٰہ نے اپنے بعض انبیا کو بعض علمِ غیب عطا فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا جاننے والا غیب کا پس اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ کے خاص علم میں سے کوئی خود بخود نہیں جان سکتا مگر جس کے لیے جتنا وہ چاہے۔

2) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.(آل عمران:179)

اور اللّٰہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمھیں غیب پر مطلع کر دے۔ ہاں اللّٰہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے: اور اللّٰہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تم میں سے کسی کو علم غیب دے دے اور دلوں کے کفر و ایمان پر مطلع کر دے۔ ہاں اس منصبِ جلیل اور اپنی پیغام بری کے لیے اللّٰہ جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے تو اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیبوں کی اس کو خبر دے دیتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: لیکن اللّٰہ مصطفےٰ و مختار بنالیتا ہے رسولوں میں سے جس کو چاہے تو پھر اس کو اپنے غیب میں سے جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر کبیر میں ہے: پس غیب کی باتوں کا جان لینا بطریق اعلام یہ انبیاء کرام کی خصوصیتوں میں سے ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر جمل میں ہے: معنے یہ ہیں کہ اللّٰہ اپنے رسولوں میں سے جس کو مجتبےٰ و مصطفےٰ بنالیتا ہے تو اس کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے: ہاں اللّٰہ جس کو مجتبےٰ و مختار بنا لیتا ہے تو

اس کو اپنے غیب کی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کو منافقین کے حال سے مطلع فرمایا۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے: بلاشبہ وہ رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت مخالفین کے سردار جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہُوا کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔'' (ص 95)

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے صراحۃً ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنا بعض علمِ غیب عطا فرماتا ہے۔

3) وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النسا:113)	اور (اللّٰہ) نے سکھادیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللّٰہ کا فضل عظیم ہے۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: یعنی احکام اور امورِ دین اور کہا گیا ہے کہ آپ کو سکھادیا اس علم غیب میں سے جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو امورِ مخفیہ، دلوں کے راز، منافقین کے احوال اور ان کی مکاریوں کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے: یعنی احکام اور علمِ غیب سکھادیا۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے: اور سکھادیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے یعنی علم غیب۔

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا۔

4) اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَان۔ (الرحمٰن: 1 تا 4)	رحمٰن نے (اپنے محبوب کو) قرآن سکھایا۔ پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اس کو بیان۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے: اللّٰہ نے انسان یعنی محمد علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا سب سکھادیا۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں

اور بیان سے مراد جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا۔ سب اللّٰہ نے ان کو سکھا دیا کیوں کہ آپ کو اوّلین و آخرین اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر حسینی میں ہے: کہ وہ علم ماکان وما یکون ہے یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اللّٰہ سبحانہ نے معراج کی رات آپ کو عطا فرما دیا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے: اور کہا گیا ہے کہ وہ انسانِ کامل محمد ﷺ ہیں اور بیان سے مراد وہ علم ہے جو ہو چکا اور جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ ان کو سکھا دیا گیا ہے۔

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا اللّٰہ تعالیٰ نے سب حضور اکرم ﷺ کو سکھا دیا۔

(5) عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: 27)

جاننے والا ہے غیب کا، تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن اور تفسیر بغوی میں ہے: یعنی جس کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے چن لیتا ہے تو اس پر جتنا چاہتا ہے غیب ظاہر فرماتا ہے تاکہ اس کا غیبی خبریں دینا اس کی نبوت کی دلیل ہو جائے پس یہ (علم غیب) نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے: کہ اللّٰہ تعالیٰ اس علم غیب پر جو اس کے ساتھ مختص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب اس کے ساتھ خاص نہیں ہے اس پر غیر رسول (اولیاء) کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے: یعنی جس رسول کو برگزیدہ کر لیتا ہے تو اس پر اپنے غیبوں سے جس قدر چاہتا ہے اظہار فرماتا ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر عزیزی میں ہے: جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور باری تعالیٰ کے تکوینی و تشریعی احکام جو ہر روز و ہر شریعت میں جاری ہیں اور جیسے اللّٰہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے تفصیلی حقائق اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں۔ پس وہ اپنے اس خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو پسند کر لے، اور وہ رسول ہوتا ہے خواہ جنسِ ملائکہ سے ہو اور خواہ جنسِ بشر سے جیسے حضرت محمد

مصطفےٰ ﷺ۔ پھر اس پر اپنے خاص غیبوں سے بعضے غیوب اظہار فرماتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنا خاص علم غیب عطا فرماتا ہے۔

(6) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ (التکویر: 24)　　اور یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے: اللّٰہ فرماتا ہے کہ میرے نبی کے پاس علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمھیں سکھاتے اور خبریں دیتے ہیں اور اس کو چھپاتے نہیں۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: اللّٰہ فرماتا ہے کہ اس نبی کے پاس علمِ غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے اور تمھیں اس کی خبر دیتے ہیں۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر بغوی میں ہے: اللّٰہ فرماتا ہے کہ اس نبی کے پاس علمِ غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمھیں سکھاتے اور خبر دیتے ہیں۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت مخالفین کے سردار جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللّٰہ کے اسما و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اُجرت مانگتا ہے پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہوسکتا ہے۔'' (ص 764)

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ حضور ﷺ علم غیب جانتے ہیں اور اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ اپنے غلاموں کو بھی سکھاتے اور بتاتے ہیں۔

(7) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (النحل: 89)　　اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

(8) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (انعام: 38)　　ہم نے اس کتاب میں کوئی شے اٹھا نہ رکھی

(9) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ. (یوسف: 111)　　یہ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل ہے۔

ان تین آیتوں سے ثابت ہُوا کہ قرآن میں ہر شے کا روشن بیان ہے اور وہ بھی تفصیلی اسی لیے حضرت مجاہد اور ابن سراقہ رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں: کہ تمام عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا بیان قرآن میں نہ ہو۔ (الاتقان، 126/2)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن میں ہر شے کا روشن اور تفصیلی بیان ہے تو مذہب اہلِ سنّت و جماعت میں شئے ہر موجود کو کہتے ہیں اور موجودات میں مکتوباتِ قلم ومکنوناتِ لوحِ محفوظ بھی داخل ہیں تو قرآنِ عظیم کا تبیان علوم لوح وقلم کو بھی شامل ہُوا، اب یہ بھی قرآن ہی سے پوچھیے کہ لوحِ محفوظ میں کیا ہے؟ قرآن فرماتا ہے:

(10) کُلُّ صَغِیۡرٍ وَّ کَبِیۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ (القمر:53)
ہر چھوٹی اور بڑی چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

(11) لَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ. (الانعام:59)
کوئی دانہ ایسا نہیں جو زمین کی اندھیریوں میں ہو اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لوحِ محفوظ میں ہے۔

(12) وَلَا اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَا اَکۡبَرَ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ. (یونس:61)
اور ذرّہ سے چھوٹی اور بڑی کوئی ایسی چیز نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو۔

(13) وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ۔ (یٰس:12)
اور ہم نے ہر شے کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کر رکھا ہے۔

ان چار آیتوں سے ثابت ہُوا کہ روزِ اول سے روزِ آخر تک جو کچھ ہُوا اور جو کچھ ہوگا، تمام لوحِ محفوظ میں لکھا ہے اس کا روشن اور تفصیلی بیان قرآنِ پاک میں ہے اور جو کچھ قرآنِ پاک میں ہے اس کا کامل علم اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا تو بلاشبہ آپ ﷺ ما کان وما یکون کے عالم ہوئے۔

بعض کم فہم لوگ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ میں کلام کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں، کہ کل شیء سے مراد بعض چیزیں ہیں اور دلیل میں ہُد ہُد کا قول وَاُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ پیش کرکے کہا کرتے ہیں کہ بلقیس کو ہر چیز کہاں دی گئی تھی۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا اس وقت وجود بھی نہیں تھا بعد میں ایجاد ہوئیں لہٰذا ثابت ہُوا کہ کل شیء سے بھی بعض مراد ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی بعض مراد ہے۔

ایسے لوگوں پر سخت افسوس ہے جو تدبر سے کام نہیں لیتے اور آیاتِ الٰہی کا مفہوم غلط سمجھ کر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

ان کو اس میں غور کرنا چاہیے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہُد ہُد کا یہ قول نقل فرمایا ہے، خود اس نے یہ خبر نہیں دی ہے چناں چہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہُد ہُد نے آکر حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْ ءٍ وَّلَھَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ (النمل:23)	مَیں نے ایک عورت کو پایا جو لوگوں پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر چیز میں سے مِلا ہے اور اس کا عرش (تخت) عظیم ہے۔

کسی ایک پرندہ کا اپنی سمجھ و استعداد کے مطابق کل شیٔ کہنا، اور کجا اللّٰہ تعالیٰ کا کل شیٔ فرمانا کیا ایک برابر ہے ؎　　　چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک؟

ملکۂ بلقیس کا مال و متاع ملک و سل نت کی تمام چیزیں ہُد ہُد کا کُل شیٔ ہے، اللّٰہ تعالیٰ کا کُل شیٔ نہیں، اس میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ہُد ہُد کے عرشِ عظیم اور اللّٰہ تعالیٰ کے عرش عظیم میں ہے۔ ملکۂ بلقیس کا اَسّی گز یا سَتّر گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تخت ہُد ہُد کے نزدیک عرشِ عظیم ہے اور اللّٰہ تعالیٰ کے نزدیک عرشِ عظیم وہ ہے جس کی عظمت و وسعت کا اندازہ اس عبارت سے کیجیے:

''عرش کا عظیم ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آفتاب زمین سے ڈیڑھ سو حصہ سے بھی بڑا ہے اور آسمان میں کتنی ذرا سی جگہ میں موجود ہے۔ پس آسمان کتنا بڑا ہُوا پھر دوسرا اس سے بڑا اور تیسرا اس سے، وعلی ہذا القیاس ساتواں کس قدر بڑا ہوگا، اور سب آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑی ڈھال میں سات درہم ڈال دیے جائیں پھر کرسی عرش کے سامنے ایسی ہی چھوٹی ہے۔ اس سے عرش کا اندازہ کرلیا جائے اہلِ رصد جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں، مرکزِ عالم سے اس کے مقعر تک حسبِ نقل رُوح المعانی تین کروڑ پینتیس لاکھ چوبیس ہزار چھ سو نو فرسنگ کا فاصلہ ہے اور فرسنگ تین کوس کا ہوتا ہے، تو فاصلہ مذکور دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سو ستائیس کوس کا ہُوا۔ یہ اس دائرہ س ح مقعر کا نصف قطر ہُوا۔ اس سے سطح مقعر کی عظمت کا اندازہ کرنا چاہیے اور محدّب تک کا فاصلہ اہلِ رصد کو معلوم نہیں ہُوا حالاں کہ اہلِ ہیئت یہ ثابت نہیں کرسکے کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ عرش سے اوپر کوئی جسم نہیں پس اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی چیز ہے تو عرش اس سے بھی اوپر ہوگا۔ تو اس کی عظمت کا کیا حساب ہوسکتا

ہے۔'' (بیان القرآن، زیر آیت، **لقد جاء کم رسول من انفسکم**)

ثابت ہُوا کہ جس طرح ہُد ہُد کے عرشِ عظیم اور اللّٰہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم میں بے انتہا فرق ہے اسی طرح ہُد ہُد کے کل شیٔ اور اللّٰہ تعالیٰ کے کل شیٔ میں فرق ہے۔ حسبِ ذیل آیات میں اللّٰہ تعالیٰ کے کل شیٔ کا جلوہ دیکھیے، فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْ ءٍ قَدِیْر۔ (البقرہ:20)	بلاشبہ اللّٰہ ہر چیز پر قادر ہے۔
اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْ ءٍ مُّحِیْط۔ (فصلت:54)	خبردار بلاشبہ وہ ہر شے کو محیط ہے۔
وَهُوَ بِكُلِّ شَیْ ءٍ عَلِیْم۔ (الحدید:3)	اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔
وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْ ءٍ. (الانعام:164)	وہ ہر شے کا رب ہے۔
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْ ءٍ. (الزمر:62)	اللّٰہ ہر شے کا خالق ہے۔
وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْ ءٍ عِلْمًا. (الطلاق:12)	اور بے شک اللّٰہ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔
فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْ ءٍ۔ (یٰس:83)	پاک ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہر شے کا قبضہ ہے۔

اب اللّٰہ تعالیٰ کے ''کل شیٔ'' میں غور فرمایئے اور بعض کا مفہوم لیتے ہوئے بتایئے کہ وہ کون سی شے ہے جس کا وہ خالق، جس کو وہ محیط، جس کا اس کو علم، جس پر اس کو قدرت اور جس کا وہ رب نہیں؟

جب ان آیات میں کل شیٔ سے مراد کل شیٔ ہی ہے، بعض نہیں۔ تو اسی طرح اللّٰہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْ ءٍ سے مراد بھی کل شیٔ ہی ہے بعض نہیں۔ جب قرآن میں کل شیٔ کا روشن بیان ہے اور حضور ﷺ قرآن کے اکمل عالم تو بلاشبہ کل شیٔ کے عالم ہوئے۔

رہا بعض مفسرین کا بعض علمِ غیب فرمانا تو وہ اللّٰہ تعالیٰ کے علم غیب کا بعض ہے یعنی اللّٰہ تعالیٰ نے اپنا بعض علم غیب عطا فرمایا۔ منکرین ومخالفین والا بعض نہیں، ان کا تو بعض نہیں بلکہ بغض ہے جس کا بیان ابھی چند سطور کے بعد آئے گا۔ اللّٰہ تعالیٰ کا بعض، کل شیٔ اور تمام مخلوقات کے علم سے بھی بہت بڑا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت خضر وموسیٰ علیہما السلام کے سامنے ایک چڑیا نے دریا میں سے اپنی چونچ بھری تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے

کہا کہ میرا، تمھارا اور تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اتنا ہی ہے جتنا کہ دریا کے پانی کے سامنے اس چڑیا کی چونچ میں پانی ہے۔

اسی لیے علمائے عظام نے کل شئ کو بھی لامتناہی قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تو غیر متناہی بے حد و حساب ہے۔

اب ذرا لگے ہاتھ مخالفین و منکرین کا بھی بعض علم غیب ملاحظہ فرمالیجیے۔ چناں چہ ایک شخص جناب اشرف علی تھانوی سے پوچھتا ہے کہ: ''زید کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں، بالذات اس معنی کہ عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سِوا کوئی نہیں ہوسکتا اور بواسطہ اس معنی کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے، زید کا یہ عقیدہ کیسا ہے؟'' بلفظہ۔

اس کے جواب میں تھانوی صاحب اپنے رسالہ ''حفظ الایمان'' کے صفحہ 7 پر فرماتے ہیں: ''پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔'' بلفظہ

اگر چہ اس ناپاک عبارت کا مفہوم بالکل واضح ہے لیکن پھر بھی مختصر سی تشریح کر دی جاتی ہے تا کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ خط کشیدہ الفاظ تھانوی صاحب کے ہیں۔ فرماتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟

اس میں تھانوی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں کل علم غیب اور بعض علمِ غیب پہلی قسم کل علم غیب کا حضور ﷺ کے لیے ثابت ہونا عقلاً و نقلاً باطل ٹھہرایا، چناں چہ آگے چل کر فرماتے ہیں اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے، اب رہ گئی دوسری قسم یعنی بعض علم غیب تو اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ اس کو انھوں نے تسلیم تو کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں کیوں کہ ایسا علم غیب جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کو ہے ایسا تو زید و عمرو یعنی عام آدمیوں کو بلکہ ہر صبی و مجنون یعنی تمام نابالغ

بچوں اور تمام پاگلوں کو بلکہ جمیع حیوانات و بہائم یعنی تمام حیوانوں اور تمام چار پاؤں کو بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ یعنی چوں کہ ہر شخص کو کسی پوشیدہ چیز کا علم ہوتا ہے لہٰذا اس کا علم نبی اکرم ﷺ جیسا ہوگیا، تو جس طرح زید نبی اکرم ﷺ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ سب کے متعلق یہی عقیدہ رکھے اور سب کو عالم الغیب کہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی عبارت پر اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے کفر کا فتویٰ دیا اور عرب و عجم کے علمائے اہلِ سنّت نے اس فتوے کی تصدیق کی اسی وجہ سے یہ لوگ ان کو اور ان کے معتقدین کو ہر ممکن نقصان پہنچانے اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اے کاش یہ لوگ حضور سیّد الانبیا والمرسلین، خاتم النّبیین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، حبیب کبریا باعث ارض و سما، عالم ماکان وما یکون حضرت احمد مجتبےٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و عظمت کو سامنے رکھ کر تھانوی صاحب کے ان الفاظ میں غور کرتے:

''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔''

بلاشبہ اس ناپاک عبارت میں حضور سیّد عالم ﷺ کی صریح توہین ہے اور آپ کی توہین صریح کفر ہے۔

جناب تھانوی صاحب کے معتقدین کہتے ہیں کہ ''یہ عبارت بالکل بے غبار ہے اس میں صریح توہین تو کیا توہین کا شائبہ تک نہیں ہے، تم سمجھے نہیں ہو، وہ تو حکیم الامت تھے ان کی بات سمجھنا کوئی معمولی بات ہے وغیرہ وغیرہ۔'' یعنی یہ جواب ہوگیا۔

ان لوگوں کی خدمت میں نہایت ادب سے التماس ہے کہ اگر واقعی تمھارے نزدیک یہ عبارت بالکل بے غبار ہے اور اس میں توہین کا شائبہ تک نہیں ہے تو ازراہِ کرم عباراتِ ذیل پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم

کے لیے بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔

پھر یہ کہ کسی بہت بڑے دیوبندی عالم کی ذات پر علم کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل علم۔ اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں اس دیوبندی عالم کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو ہر گدھے ہر کتے ہر سؤر اور ہر الّو کو بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ کسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ذات پر حکومت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حکومت سے مراد بعض حصص زمین پر حکومت ہے یا کل زمین پر۔ اگر بعض پر حکومت مراد ہے تو اس میں مجسٹریٹ صاحب ہی کی کیا تخصیص ہے ایسی حکومت تو ہر چوہے کو اپنے سوراخ پر، ہر لومڑی کو اپنے بھَٹ پر بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔

تھانوی صاحب کے معتقدین بتائیں کہ ان عبارات میں اس بہت بڑے عالم اور مجسٹریٹ صاحب کی توہین ہے یا نہیں، اگر ہے اور واقعی ہے تو تھانوی صاحب کی اسی قسم کی عبارات میں حضور سیّد عالم ﷺ کی توہین ہے یا نہیں، اور آپ کی توہین کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

اگر توہین نہیں ہے تو ازراہِ کرم ان عبارات پر پانچ مستند غیر جانبدار منصف مزاج علمائے کرام اور پانچ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان کے دستخط کروادیں اور وہ لکھ دیں کہ ان عبارات میں بہت بڑے عالم صاحب اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی کوئی توہین نہیں ہے، حقیقت واضح ہوجائے گی۔ **وما علینا الا البلغ**

قارئین حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے التماس ہے کہ ہمیں جناب تھانوی صاحب سے کوئی ذاتی عداوت وعناد نہیں ہے چوں کہ حضور سیّد عالم ﷺ کی عزت وعظمت کا مسئلہ تھا لہٰذا یہ چند سطور لکھ دیں، آپ ﷺ کی توقیر ہم پر واجب ہے اور ہمارے نام اللّٰہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (التوبہ:23)

اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔

(دوسرے مقام پر فرمایا)

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (المجادلہ 22)

تو نہ پائے گا انھیں جو ایمان لاتے ہیں اللّٰہ اور قیامت کے دن پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنھوں نے اللّٰہ و رسول کی مخالفت کی چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللّٰہ نے ایمان نقش کردیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اللّٰہ ان سے راضی اور وہ اللّٰہ سے راضی یہی لوگ اللّٰہ والے ہیں سُن لو بلاشبہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے صراحۃً ثابت ہوا کہ مومن ان لوگوں سے کبھی دوستی نہ کرے گا جو ایمان پر کفر پسند کریں اور اللّٰہ و رسول کی جناب میں گستاخیاں کریں یا ان کی مخالفت کریں، خواہ وہ کتنے ہی قریبی یا عزیز یا محبوب کیوں نہ ہوں اور پھر اگر ان کی گستاخی، ان کے کفر پر مطلع ہو کر بھی ان سے محبت یا دل میں ان کی عظمت رکھے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ ظالم ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (الکہف:65)

اور ہم نے اس (خضر) کو اپنا علم لدنی عطا کیا

اس آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللّٰہ ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: کہ وہ مرد (خضر علیہ السلام) غیب جانتے تھے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے: (وہ علم لدنی جو اللّٰہ نے ان کو سکھایا) وہ

علمِ غیب ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے: وہ علمِ لدنی غیبوں کا علم ہے۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے: یعنی وہ علمِ باطن ہے جو الہام کیا گیا۔

اسی آیۂ کریمہ کے تحت تفسیر مدارک علی الخازن میں ہے: یعنی ان کو غیب کی خبریں عطا فرمائی گئی ہیں۔

اس آیۂ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علمِ غیب عطا فرمایا تھا۔ ان آیات اور تفاسیر سے ثابت ہُوا کہ اللّٰہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفے ﷺ کو بے شمار علوم غیبیہ عطا فرمائے، آپ کا سینۂ اقدس علومِ غیبیہ کا خزینہ تھا۔

رہیں وہ آیاتِ مبارکہ جن سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، مثلاً

لَا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔ (النمل:65 انعام:59)

کہ زمین و آسمان میں اللّٰہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں انھیں اللّٰہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان سے بالذات علم غیب یعنی ذاتی طور پر بغیر اللّٰہ تعالیٰ کے بتائے جاننا مراد ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی غیب نہیں جان سکتا۔ جو شخص کسی غیر خدا کے لیے بالذات علم غیب مانے وہ کافر ہے۔

اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں مثلاً بعض آیات سے علمِ غیب کا اثبات اور بعض سے نفی ثابت ہوتی ہے اگر آیاتِ نفی پر ایمان لاکر آیات اثبات کا انکار کیا جائے تو یہ کفر ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔ (البقرہ:85)

تو کیا تم کتاب الٰہی کے بعض حصے پر ایمان لاتے اور بعض سے کفر کرتے ہو تو جو تم میں سے ایسا کرے اس کی کیا سزا ہے سوا اس کے کہ دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اور اگر آیاتِ نفی و اثبات پر ایمان لا کر ذاتی علم اور عطائی علم کی تفریق نہ کی جائے بلکہ ایک ہی قسم کا علم غیب مانا جائے تو قرآن میں تناقض ماننا پڑتا ہے اور قرآن میں تناقض محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (النساء:82)

اگر یہ کتاب غیر خدا کی ہوتی تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

حق یہی ہے کہ آیات نفی و اثبات دونوں پر ایمان لایا جائے اور تطبیق یوں دی جائے کہ نفی بھی حق اور اثبات بھی حق۔ نفی ہے علم غیب ذاتی کی یعنی بغیر عطائے الٰہی کوئی نہیں جانتا اور اثبات ہے علم غیب عطائی کا کہ اللہ کی عطا سے اس کے حبیبِ لبیب حضرت احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ علمِ غیب جانتے تھے۔ لہٰذا جو علم غیب عطائی کا منکر ہو وہ بوجہ انکار آیات قطعاً کافر ہے کیوں کہ مومن کسی آیۂ کریمہ کا انکار نہیں کرتا بلکہ سارے قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔

احادیث مبارکہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مَیں نے اپنے رب عزّ وجل کو احسن صورت میں دیکھا۔ رب نے فرمایا (اے محمد) ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں؟ مَیں نے عرض کی مولا! تو ہی خوب جانتا ہے حضور نے فرمایا، پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ مَیں نے اس کے وصولِ فیض کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہوگیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں تھیں اور حضور نے اس کے حال کے مناسب یہ آیت تلاوت فرمائی وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ یعنی ایسے ہی دکھاتے ہیں ہم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے تا کہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔

(مشکوۃ:ص69)

حضرت ملاّ علی قاری علیہ رحمۃ الباری اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مافی السمٰوٰت سے آسمانوں بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام کائنات کا علم مراد ہے جیسا کہ قصۂ معراج سے مستفاد ہے اور ارض بمعنی جنس ہے یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں میں بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں وہ سب حضور ﷺ کو معلوم ہوگئیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ثور و حوت کی خبر دینا جن پر سب زمینیں ہیں اس کو مفید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے اور ان کو ان کے لیے کشف فرمادیا اور فرمایا حضور علیہ السلام نے مجھ پر اللہ نے غیبوں کے دروازے کھول دیے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا پس جانا میں نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ عبارت ہے تمام علوم جزوی وکلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کی۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ص 1/333)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ہم میں قیام فرما کر سب مخلوقات کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی تمام خبریں دیں۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔
(بخاری شریف، مشکوۃ شریف، ص 506)

حضرت عَمر و بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے ہمیں ہر اس چیز کی خبر دے دی جو ہو چکی اور جو (قیامت تک) ہونے والی تھی ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔　　　　　　　　　　(مسلم شریف، ص 2/390)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے ہم میں قیام فرما کر کسی چیز کو نہ چھوڑا (بلکہ) قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ سب بیان کر دیا۔ جسے یاد رہا یاد رہا جو بھول گیا بھول گیا۔ (مسلم شریف، ص 2/390)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے ہم سے اس حال میں مفارقت فرمائی کہ کوئی پرند ایسا نہیں جو اپنے بازو کو ہلائے مگر آپ نے ہم سے اس کا بھی ذکر فرمادیا۔ (مسند احمد، طبرانی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نہیں چھوڑا حضور ﷺ نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک کہ جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہمیں اس کا نام اور اس کے قبیلے کا نام بھی بتا دیا۔ (مشکوۃ، ص 463)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا ایک بکریاں چَرانے والے کی طرف آیا اور اس نے بکریوں میں سے ایک بکری لے لی۔ چرواہے نے اسے تلاش کیا یہاں تک کہ اس سے وہ بکری چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ وہ بھیڑیا اپنے مخصوص انداز میں ایک ٹیلہ پر جا بیٹھا اور اس نے اپنی دُم اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لی اور کہنے لگا کہ (اے

چرواہے) تو نے مجھ سے ایسے رزق کے چھین لینے کا قصد کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا۔

چرواہا بولا خدا کی قسم آپ کی طرح عجیب حال میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا اس سے زیادہ عجیب حال اس مقدس انسان کا ہے جو کھجوروں کے علاقے میں دو پہاڑوں کے درمیان یعنی مدینہ منورہ میں تمھیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہے جو ہو چکیں اور جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی یہودی تھا وہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور آپ کی خدمت میں اس نے یہ واقعہ پیش کیا اور مسلمان ہوگیا۔ حضور ﷺ نے اس خبر کی تصدیق فرمائی۔ (مشکوٰۃ، ص 541)

سبحان اللہ! یہودی لوگ تو بھیڑیوں کی زبان سے حضور ﷺ کے علم غیب ما کان و ما یکون کا بیان سن کر ایمان لے آئیں اور اس زمانہ کے مسلمان کہلانے والے قرآن و حدیث کے دلائل سُن کر بھی علم غیب کو نہ مانیں تو کس قدر افسوس ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ تمھیں اگلوں کی گزری ہوئی خبریں اور تمھارے بعد دنیا و آخرت میں ہونے والی سب کی سب خبریں دیتے ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

علامہ خازن تفسیر خازن پارہ 4 زیر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری تمام امت اپنی اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو انھوں نے استہزا کیا اور کہنے لگے محمد کا یہ گمان ہے کہ وہ ان لوگوں کے کفر و ایمان کی بھی خبر رکھتا ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے اور ہم تو اس کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ ہمیں پہچانتا بھی نہیں ہے یہ بات حضور پُر نور ﷺ تک پہنچی تو حضور منبرِ اطہر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا کہ ان قوموں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعنہ کرتی ہیں، اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کسی چیز کے متعلق جو بھی تم مجھ سے پوچھو گے مَیں تمھیں اس کی خبر دوں گا۔ (تفسیر خازن، ص 1/305)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم تم ہم سے کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھو گے مگر ہم یہاں کھڑے ہی اس کی خبر دیں گے۔

(بخاری، ص 1/77، مسلم، ص 2/263)

حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے بار بار فرمایا، پوچھو، پوچھو! بعضوں نے چند سوالات کیے۔ حضور نے جواب دیا اور حضورﷺ بہت جوش میں تھے۔ چناں چہ سب لوگ رونے لگ گئے۔ حضرت عمر فاروق گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور کہا۔ رَضِینَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ(ﷺ) نَبِیًّا وَّ رَسُوْلاً پھر حضورﷺ خاموش ہو گئے۔

ان احادیث کے الفاظ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ سے ثابت ہوا کہ کوئی شے بھی حضورﷺ کے علم سے خارج نہیں کیوں کہ شے نکرہ ہے اور نکرہ حیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ کتب اصول میں مبرہن ہے۔

ان صحیح احادیث سے صراحۃً ثابت ہوا کہ حضورﷺ کو مخلوق کی ابتدا سے لے کر دخولِ جنت و نار تک کا سارا تفصیلی علم حاصل تھا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ جو کچھ بیان ہُوا ہرگز ہرگز حضورﷺ کے سینۂ اقدس کا پورا علم نہیں بلکہ حضورﷺ کے علم سے ایک تھوڑا سا حصہ ہے۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللّٰہ علیہ قصیدۂ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَھَا　　　　وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیک وسلم) بے شک دنیا و آخرت آپ کی بخشش سے ہیں اور لوحِ محفوظ اور قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ (قصیدہ بردہ شریف)

اسی شعر کے تحت امام ملا علی قاری شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں: اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دریاؤں میں سے ایک نہر اور آپ کے علم کی سطروں میں سے ایک حرف ہے۔

علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللّٰہ علیہ فتوحاتِ احمدیہ میں فرماتے ہیں: اور آپﷺ کا علم تمام جہانوں جن و انس اور ملائکہ کے علوم کو گھیرے ہوئے ہے کیوں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر مطلع فرمایا اور اگلوں پچھلوں کا علم اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب سکھا دیا۔

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ میں فرماتے ہیں: بلاشبہ تمام انبیائے کرام نے حضورﷺ کے اس کرم میں سے جو تیز بارش کی طرح ہے مانگا اور لیا کیوں کہ آپ فیض دینے والے اور تمام انبیائے کرام فیض لینے والے ہیں اللّٰہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی روح کو پیدا فرمایا اور اس میں تمام انبیا اور ما کان و ما یکون کے علوم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا تو انھوں نے اپنے علوم آپ سے لیے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: بلاشبہ آپ ﷺ کے صحابۂ کرام میں یہ مشہور و معروف تھا کہ آپ کو غیبوں پر اطلاع ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص 7/255)

علامہ زرقانی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: اور بلاشبہ متواتر احادیث اور ان کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ کو غیب پر اطلاع ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص 7/198)

علامہ احمد بن محمد صاوی رحمۃ اللّٰہ علیہ اپنی تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں: جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللّٰہ ﷺ دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ اللّٰہ نے آپ کو جمیع غیوب جو دنیا و آخرت میں ثابت ہونے والے تھے سکھادیے آپ ان کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ وہ ہیں بہ عین یقین۔ (ص 2/104)

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: جو علم غیب اللّٰہ سبحانہ کے ساتھ خاص ہے اس پر اللّٰہ اپنے خاص رسولوں کو مطلع فرمادیتا ہے۔ (مکتوبات شریف، ص 1/310)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں آپ نے اللّٰہ کی شانوں اور اس کے احکام اور اس کی صفات اور اس کے اسما و افعال و آثار اور جمیع علوم اول و آخر ظاہر و باطن کا احاطہ فرمالیا ہے اور وفوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہوئے۔ آپ پر افضل صلوت اور اکمل واتم تحیات ہوں۔ (مدارج النبوۃ، ص 3)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: اس لیے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو تمام عالم پر مطلع فرمایا تو آپ نے اولین و آخرین کا علم اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا تھا سب جان لیا۔ (شرح ام القری، خالص الاعتقاد، ص 3)

علامہ شنوانی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: بلاشبہ وارد ہُوا کہ اللّٰہ تعالیٰ نبی ﷺ کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ آپ کو تمام اشیا کا علم عطا نہ فرمادیا۔ (جمع النہایہ، خالص الاعتقاد، ص 50)

علومِ خمسہ: قیامت کب آئے گی مینھ کب، کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے۔ کل کیا ہوگا اور فلاں کہاں مرے گا۔ ان پانچوں علوم کے متعلق علامہ احمد ابن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ بے شک ہمارے نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان پانچوں علوم پر بھی آپ کو مطلع کیا گیا لیکن ان کے چھپانے کا حکم ہُوا۔ (تفسیر صاوی، ص 3/244)

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

علامہ ملا احمد جیون رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: اور تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ان پانچوں علوم

کا اگرچہ اللّٰہ کے سوا کوئی مالک نہیں لیکن یہ جائز ہے کہ اللّٰہ اپنے محبوں اور ولیوں میں سے جس کو چاہے سکھادے۔ اللّٰہ تعالیٰ کے اس قول کے قرینہ سے کہ اللّٰہ جاننے والا اور خبر دینے والا ہے اور خبیر بمعنی مخبر ہے۔　　　　(تفسیرات احمدیہ، ص 397)

سیّدی امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: اور آپ ﷺ کو کل شیٔ کا علم دیا گیا ہے حتیٰ کہ رُوح اور ان پانچ غیبوں کا بھی جن کا بیان آیۃ انّ اللّٰہ عندہٗ علم السّاعۃ میں ہے۔ (کشف الغمہ، ص 2/57)

حافظ الحدیث سیّدی احمد مالکی غوث الزمان سیّد شریف عبدالعزیز حسنی رحمۃ اللّٰہ علیہما سے راوی ہیں: یہ پانچوں غیب جو آیۂ شریفہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز حضور ﷺ پر مخفی نہیں اور یہ کیوں کر مخفی رہیں جب کہ آپ کی امت کے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں حالاں کہ ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے پھر غوث کا کیا کہنا پھر آپ ﷺ کا کیا کہنا جو اولین و آخرین کے سردار اور ہر چیز کے سبب اور ہر شے انھیں سے ہے۔

علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصید بُردہ شریف میں فرماتے ہیں: نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان پانچوں غیبوں کا علم بھی دے دیا۔

حافظ الحدیث علامہ احمد سلجما سی فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے شیخ غوثِ زماں حضرت سیّد عبدالعزیز دباغ رضی اللّٰہ عنہ سے پوچھا:

کہ علما ظاہر محدثین وغیرہ مسئلہ علوم خمسہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ علما کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ کو ان کا علم تھا دوسرا انکار کرتا ہے اس میں حق کیا ہے؟ فرمایا رضی اللّٰہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ غیب کیوں کر مخفی رہ سکتے ہیں حالاں کہ آپ کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہل تصرف ہیں (کہ عالم میں تصرف کرتے ہیں) وہ تصرف نہیں کرسکتے جب تک ان پانچوں غیوب کو نہ جان لیں۔　　　　(الابریز شریف، ص 283)

حضرت مولوی معنوی قدس سرہٗ العزیز دفتر ثالث مثنوی شریف میں موزہ و عقاب کی حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود　　　　دل دراں لحظہ بحق مشغول بود

اگر چہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ہر غیب دکھادیا مگر اس وقت میرا قلب مبارک مشاہدۂ جمال حق میں مستغرق و مشغول تھا۔

امام ملاعلی قاری رحمۃ اللّٰہ علیہ شیخ ابوعبداللّٰہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقی مقامات پاکر جب صفت روحانی تک پہنچتا ہے تو اسے علمِ غیب حاصل ہوجاتا ہے۔
(مرقاۃ شرح مشکوۃ)

حضرت شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی مجھ پر رسول اللّٰہ ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے فائض ہُوا کہ بندہ کیوں کر اپنی جگہ سے مقام قدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شے اس پر روشن ہوجاتی ہے جیسا کہ واقعۂ معراج میں آپ نے اس مقام سے خبر دی۔
(فیوض الحرمین، ص 59)

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں: عارف مقامِ حق تک کھنچ کر بارگاہِ قرب میں ہوتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہوجاتی ہے۔ (فیوض الحرمین، ص 61)

انھی شاہ صاحب نے ولی فرد کے خصائص سے لکھا کہ وہ تمام نشاۂ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے پھر لکھا کہ یہ استیلأ انبیا علیہم السلام میں تو ظاہر ہے۔

رہے غیر انبیا ان میں وراثت انبیا کے منصب ہیں جیسے مجدد ہونا، قطب ہونا اور ہر علم و حال کی حقیقت کو پہنچ جانا۔ (فیوض الحرمین، ص 93)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی ایک عبارت آنکھوں کے بیان اور ایک اسی سینۂ اقدس کے بیان میں گزر چکی ہے جس میں انھوں نے حضور ﷺ کے علم غیب کے متعلق لکھا اور اعتراف کیا ہے۔ یہ تیسری عبارت اولیاے کرام کی شان میں ہے فرماتے ہیں: یعنی لوحِ محفوظ پر مطلع ہونا اسے دیکھنا اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا بھی بعض اولیا سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (تفسیر عزیزی سورۂ جن)

حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیا و اولیا کو نہیں ہوتا مَیں کہتا ہوں کہ اہلِ حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبیات کا ان کو ہوتا ہے اصل میں یہ علم حق ہے۔ (شمائم امدادیہ، ص 115، امداد المشتاق، ص 76)

جناب محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں: علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللّٰہ ﷺ میں مجتمع ہیں۔ (تحذیر الناس، ص 4)

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

یہی نانوتوی صاحب دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: جناب سرورِ کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات ہر چند بشر تھے مگر خیر البشر خدا کے منظورِ نظر تھے۔ خداوند کریم نے اپنے سب

کمالوں سے حصہ کامل ان کو عنایت فرمایا تھا منجملہ کمالاتِ علم جو اول درجے کا کمال ہے اپنے ہی علم میں سے ان کو مرحمت کیا چناں چہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی اس دعوے کے لیے دلیل کامل ہے اس صورت میں آپ کا علم وہ خدا ہی کا علم ہوا اور آپ کا کہا وہ خدا ہی کا کہا نکلا۔ (فیوض قاسمیہ، ص 42)

جناب حسین احمد اجودھیا باشی جن کو مدنی بھی کہتے ہیں، فرماتے ہیں: علم احکام و شرائع و علم ذات و صفات و افعال جناب باری عزّ اسمہ و اسرار حقانی کونیہ وغیرہ وغیرہ میں حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ رتبہ ہے کہ نہ کسی مخلوق کو نصیب ہُوا اور نہ ہوگا اور ماسوا اس کے جتنا کمالات ہیں سب میں بعد خدا وندِ اکرم عزّ اسمہ، مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ کا ہے کوئی مخلوق آپ کے ہم پلہ علوم و دیگر کمالات میں نہیں۔ (الشہاب الثاقب، ص 67)

مسئلہ علمِ غیب کے متعلق یہ مختصر سا مضمون ہدیہ ناظرین ہے، امید ہے کہ اس سے ان شاء اللہ بہت کچھ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔"

(ذکر جمیل، ص 302 تا 332، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ ماہ نامہ استقامت، کان پور، انڈیا کے مفتی اعظم نمبر شمارہ مئی 1983ء میں درج ہے، ملاحظہ ہو:

"حضرت نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی (رحمۃ اللہ علیہ) کے عرس میں شرکت کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے تو کوچہ چیلان میں قیام کیا۔ وہاں ایک بدعقیدہ شخص آپ سے علم غیب کے مسئلے پر الجھ پڑا۔ صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے مؤدبانہ گزارش کی: "حضور یہ کج بحث ہیں ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔" مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا: "یہ اس وقت تمھارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے متعلق تمھیں کوئی سخت بات نہ کہنا چاہیے۔" مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سُنی ہی نہیں اس لیے اثر بھی قبول نہیں کیا، یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں اور وہ بھی اَن سُنی کردی جاتی ہیں، آج میں ان کی باتیں توجہ سے سنوں گا، حاضرین بھی خاموشی سے سُنیں۔ مولوی سعید الدین انبالوی نے سَوا گھنٹے تک یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضور اکرم ﷺ کو علم غیب نہیں تھا۔ جب وہ تھک کر خاموش ہوگئے تو آپ نے فرمایا: "اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کرلو۔" مولوی صاحب پھر

جوشِ تقریر میں آگئے اور پھر آدھے گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا: ''پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو علم غیب نہیں تھا۔'' تم اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کرلو۔

(حضرت مفتی اعظم نے فرمایا): ''حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللّٰہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا تھا، آپ اس کے رد میں وہ سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ سکتے تھے، اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں۔''

مولوی صاحب نے برہم ہوکر کہا کہ ''مَیں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں، مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہوگے۔''

آپ نے بڑے تحمّل سے کہا: ''مولوی صاحب! بیوہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟''

''مَیں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا''، مولوی صاحب نے تیز آواز میں کہا۔

(مفتی اعظم نے فرمایا): ''اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا، میرے چند سوالات سُن تو لو۔ مَیں نے ڈیڑھ پونے دو گھنٹے تک تمھارے دلائل سُنے ہیں۔''

آپ کی بات سن کر مولوی صاحب بادلِ ناخواستہ خاموش ہوگئے تو آپ نے دوسرا سوال کیا۔ کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہوجانا جائز ہے؟ کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہوکر اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑا جاسکتا ہے؟ کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لے کر حج...... '' ابھی آپ نے اپنا سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر قدم پکڑتے ہوئے کہا: بس کیجیے حضرت مسئلہ حل ہوگیا۔ یہ بات آج میری سمجھ میں آگئی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم (ﷺ) کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہیے ورنہ منافقین، مسلمانوں کی تنظیم کو تباہ و برباد کردیتے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتادی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا تو بارگاہِ علیم سے سرورِ کائنات ﷺ پر کیا کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے۔ مولوی صاحب اسی وقت تائب ہوکر مفتی اعظم سے بیعت ہوگئے۔'' (ص203 تا 206)

رسولِ کریم ﷺ کی نعت شریف میں اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں دُرود

معترضین نے ایک آیت یہ نقل کی ہے: ''له مقاليد السموت والارض (الزمر:63) (وہ ترجمہ لکھتے ہیں): آسمانوں اور زمین کی کنجیاں صرف اسی کے پاس ہیں۔''

بیان القرآن میں جناب اشرف علی تھانوی یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی۔'' جناب شبیر احمد عثمانی حاشیہ قرآن میں لکھتے ہیں: ''مطلب یہ کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہی ان میں سے جس خزانے کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے۔ کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس وعقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے......'' (ص: 174)

بخاری اور مسلم میں ہے، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: **انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض۔** (مسلم: 5976)

دوسری روایت میں ہے: **اتیت خزائن الارض فوضع فی یدیّ۔** (بخاری ومسلم)

مسند احمد میں ہے: حضرت عبداللّٰہ ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: **اوتیت مفاتیح کل شیٔ**. یہ روایت طبرانی اور خصائص کبری میں بھی ہے۔

معترضین ذرا غور فرمائیں: کسی محفل میں بانیٔ محفل یہ اعلان کرے کہ شرکائے محفل میں عربی جاننے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ اسی محفل میں ایک شخص اٹھے اور اپنی عربی دانی کا نہایت عمدہ اور واضح مظاہرہ کردے تو بانیٔ محفل پر اعتراض ہوجائے گا کہ اس کا اعلان نادرست تھا۔ معترضین سے عرض ہے کہ یہ مثال صرف سمجھنے کے لیے ہے، وہ بتائیں کہ رسولِ کریم ﷺ کے ان صحیح ارشادات کو وہ کیا کہیں گے؟ بات وہی درست ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ جلّ شانہ ہی کی عطا سے رسولِ کریم ﷺ کو کمالات و اختیارات حاصل ہیں یہی اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ اور تمام اہلِ سنّت کا موقف ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: بیان القرآن میں خود معترضین کے تھانوی صاحب نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیان میں لکھا ہے: ''ہم نے ہَوا کو ان کے تابع کردیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ (جانا) چاہتے نرمی سے چلتی (کہ اس سے گھوڑوں سے استغنا ہوگیا) اور جنّات کو بھی ان کا تابع کردیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لیے غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنّات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (غالباً جو خدمات مفوضہ سے گریز یا اس میں کوتاہی کرتا ہو اس کو قید کی سزا ہوتی ہوگی کما قال ابن کثیر پس ان جنّات سے آدمیوں سے جن میں سوار بھی آگئے استغنا ہوگیا اور سب سلاطین کو ان سے پست اور مغلوب کردیا اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں (یعنی جتنا سامان ہم

نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو خازن و حارس نہیں بنایا جاتا جیسا دوسرے ملوک خزائن ملکیہ کے مالک نہیں ہوتے ناظم ہوتے ہیں بلکہ تم کو مالک ہی بنادیا ہے مالکانہ تصرفات کے مختار ہوتو اس سے حقوق واجبہ کے ترک میں تخییر لازم نہیں آتی) اور (علاوہ اس سامان کے جو دنیا میں ان کو عطا ہوا تھا) ان کے لیے ہمارے یہاں (خاص) قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی ہے (جس کا ثمرہ پورے طور سے آخرت میں ظاہر ہوگا)۔'' (ص 889)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کردیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔'' (ص 591، حاشیہ قرآن مطبوعہ بجنور)

معترضین اس بات پر بضد ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بفضلہٖ تعالیٰ کوئی علم غیب، اختیار، قدرت و طاقت، کوئی خصوصیات اور فضل و کمال حاصل نہیں تھا، وہ مالک و مختار نہیں تھے، وہ فریاد رسی نہیں کرسکتے تھے۔ (معاذ اللّٰہ)۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سیکڑوں ارشادات اور واقعات جو اصحابِ نبوی (رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین) کے حوالے سے احادیث کی اور دیگر مستند کتابوں میں درج ہیں، انھیں کیا کہا جائے؟ معترضین شاید یہ جانتے ہوں کہ انکار حدیث یا اہانت حدیث کتنا سنگین جرم ہے۔

ان معترضین نے حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن میں شاید نہیں دیکھا، جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبۂ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہُوا۔ ان کا ''روح اللّٰہ'' سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا تعالیٰ کے حکم سے افاضۂ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کرلینا، اس میں باذن اللّٰہ روح حیات پھونکنا، مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللّٰہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنادینا، حتی کہ مردہ لاشہ میں باذن اللّٰہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملاکر آپ کا آسمان پر اٹھالیا جانا اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت و اصول سے آپ کے اور

روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے۔ ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں، ان کے علل و اسرار کا احاطہ اسی علام الغیوب کو ہے۔ ان ہی امتیازات کو علما کی اصطلاح میں ''فضائل جزئیہ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔'' (ص 163، حاشیۂ قرآن)

:''خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح (عیسی علیہ السلام) پر کمالات ملکیہ و روحیہ کا غلبہ تھا، اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے لیکن اگر بشر کو ملک پر فضیلت حاصل ہے اور اگر ابوالبشر کو مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ (جو عبارت ہے مجموعہ کمالات روحانیہ و جسمانیہ سے) اعلیٰ درجہ پر ہوں گے اس کو حضرت مسیح سے افضل ماننا پڑے گا اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلعم (ﷺ) کی ہے۔'' (ص 72، حاشیۂ قرآن)

مزید لکھتے ہیں: ''آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے شروع ہی سے متنبہ کردیا کہ جب ایک مٹی کا پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرندہ بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور ''روح القدس'' کے نفخہ سے پیدا ہوا، یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہوجائیں، اگر وہ اس موطن کون و فساد سے الگ ہوکر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے تو کیا استبعاد ہے۔'' (ص 74، حاشیہ قرآن)

معترضین نے اپنے جناب اسمٰعیل دہلوی کی کتاب ''صراط مستقیم'' بھی شاید نہیں پڑھی، وہ غیر انبیا کے لیے جو کچھ لکھتے ہیں ذرا وہ بھی ملاحظہ ہو: ''اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند و ایں کبار اولی الایدی والابصار رامی رسد کہ تمامی کائنات را بسوئے خود نسبت نمایند مثلاً ایشاں رامی رسد کہ بگویند کہ از عرش تا فرش سلطنت ما است۔'' (ترجمہ: اس اعلیٰ رتبے اور اس منصب (ولایت) کے لوگ عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کا اختیار کامل رکھتے ہیں، ماذون مطلق (کھلی قطعی اجازت دیے گئے ہیں) ہیں، ان بڑی قدرت اور علم والوں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کائنات کو اپنی طرف نسبت کریں، مثلاً یہ (اولیاء) کہیں کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے، تو ان کو ایسا کہنے کا حق ہے۔) (صراط مستقیم، ص 101، از جناب اسماعیل دہلوی)۔ معترضین کے یہی امام اسماعیل دہلوی پھلتی صاحب فرماتے ہیں۔ ''و نیز سالک ایں سلوک را باید کہ در ادائے حقوق انبیا و اولیا بلکہ سائر مومنین و تعظیم ایشاں کوشش بلیغ کند کہ ہمہ ایشاں ساعی و شافع وے شوند وسعی و شفاعت انبیا و اولیا پُر ظاہر

است"...... "وقومے دیگر در عرضِ حاجات و استحلال مشکلات وطلب مرغوبات و استرداد مکروہات وسعی در شفاعات بنا بر استحکام علاقہ عبودیت و اظہار حاجت کہ شعار بندگی است و بنا بر رحمت بر اہلِ اضطراب ذوالحاجات چالاک وسرگرم می باشند" ...... "وہم چنیں قوم ثانی را بنظر ظہور مقتضیات علاقہ عبودیت وحصول مقام و سالت فی مابین الرب و خلقہ در وصول فیوض غیبیہ بجمہور ناس بسبب سعی ایشاں در شفاعات بر قوم اول فضیلتے کہ ہست بر ہیچ یکے از عقلا پوشیدہ نیست۔" (صراطِ مستقیم (فارسی)، ص138، 162، 163 مطبوعہ در مطبع مجتبائی، دہلی، 1308ھ ص245، 277,278 صراط مستقیم مترجم مطبوعہ سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، 1956ء)۔ ترجمہ (نیز اس سلوک کے سالک کو چاہیے کہ انبیا اور اولیا بلکہ تمام مومنین کے حقول اور "تعظیم" کے ادا کرنے میں انتہائی کوشش کرے کہ وہ سب اس (سالک) کے واسطے "کوشش اور (سفارش) شفاعت" کرنے والے ہیں اور "انبیا و اولیا کی کوشش اور (سفارش) شفاعت" تو نہایت ظاہر ہے...... اور (دوسری قوم) دوسرا طبقہ عرض حاجات وحل مشکلات (مشکل کشائی) وطلب مرغوبات و دفع مکروہات اور شفاعات (سفارشات) میں سعی و کوشش کرنے میں بنا بر استحکام علاقہ عبودیت و اظہار حاجت کے جو بندہ ہونے کا شعار ہے اور اہل اضطراب اور حاجت مندوں پر رحمت (مہربانی) کرنے کے لیے چست و چالاک اور سرگرم ہوتا ہے ...... اور اسی طرح دوسرے طبقے (قوم ثانی) کے لیے عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں اور "ان کو ربّ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ ہونے کا مقام حاصل ہے" اور ان کی "سعی اور شفاعات" سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے ہیں اس لحاظ سے دوسرے طبقے کو پہلے طبقہ پر فضیلت حاصل ہے جو کسی بھی عاصل سے پوشیدہ نہیں۔)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: "اور بعضے خاص اولیاء اللّٰہ جن کو اللّٰہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت اور ارشاد کے واسطے پیدا کیا ہے ان کو اس حالت (برزخ) میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوتا ہے اور اس طرف متوجہ ہونے سے ان کے استغراق میں کمال وسعت مدارک کے سبب کچھ خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ استغراق کے متوجہ ہونے کو منع بھی نہیں کرتا اور بہت سے لوگ باطنی کمالوں کو ان ہی سے حاصل کرتے ہیں اور حاجت مند اور غرض والے اپنے اڑے کاموں کی کشادگی کا سبب ان سے پوچھتے ہیں اور ان کے کہنے پر چلنے سے اپنا مطلب پاتے ہیں اور ان کا حال اس وقت میں اس مصرع کے مضمون پر گواہی دیتا ہے۔

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

(تفسیر عزیزی، ص 178 / 4)

کتاب ''تذکرۃ الرشید'' میں جناب رشید احمد گنگوہی کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''آپ (گنگوہی) دنیا سے تشریف لے گئے مگر آپ کے تصرفات عالم میں اپنا کام برابر کررہے ہیں...... اور تصرفات کا دارومدار چوں کہ متصرف شیخ کے قلب کی قوت اور روحانی طاقت پر ہے اس لیے بعض اہل اللہ کے تصرفات اس درجہ بڑھ گئے ہیں کہ جو افہام اس مضمون سے بالکل بے بہرہ ہیں ان کو یقین آنا بھی محال ہے اور بات بھی درست ہے جو شخص حواس خمسہ کے علاوہ اس اندرونی چھٹے حاسہ سے آگاہ ہی نہیں وہ اس کے تصرفات کو کیا جانے۔'' (ص 2/151)

خود گنگوہی صاحب فرماتے ہیں: ''تصرفات و کراماتِ اولیاء اللہ بعد ممات بحالِ خود باقی می ماند بلکہ در ولایت بعد موت ترقی می شود حدیثے کہ ابنِ عبدالبر نقل کردہ شاہد است۔'' (اولیاء اللہ کی کرامات اور ان کے تصرفات، ان کی وفات کے بعد بھی اسی طرح باقی رہتے ہیں، بلکہ ولایت میں وفات کے بعد ترقی ہوجاتی ہے، اس کی گواہی ابن عبدالبر کی نقل کی ہوئی حدیث سے ہوتی ہے)۔ (تذکرۃ الرشید، ص 2/252، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

معترضین مزید ملاحظہ فرمائیں: جناب محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب ''قصائد قاسمی'' کے ''قصیدۂ بہاریہ درنعت رسول ﷺ'' میں کہتے ہیں۔

''بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت — نہ جانا کون ہے کچھ کسی نے جز ستار
ثنا کر اس کی اگر حق سے کچھ لیا چاہے — تو اس سے کہہ اگر اللہ سے ہے کچھ درکار
مربی مہ و خود ذرے تیرے کوچہ کے — معلم الملکوت آپ کا سگ دربار
جو دیکھیں اتنے کمالوں پہ تیری یکتائی — رہے کسی کو نہ وحدت وجود کا انکار
گرفت ہو تو تیرے ایک بندہ ہونے میں — جو ہوسکے تو خدائی کا ایک تیری انکار
خدا تیرا تو خدا کا حبیب اور محبوب — خدا ہے آپ کا عاشق تم اس کے عاشقِ زار
جہان کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار
پہنچ سکا تیرے رتبہ تلک نہ کوئی نبی — ہوے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار
سوا خدا کے بھلا تجھ کو کیا کوئی جانے — تو شمس نور ہے شپر نمط اولوالابصار
طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی — بجا ہے کہئے اگر تم کو مبدالاثار
فلک پہ عیسی و ادریس ہیں تو خیر سہی — زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد مختار

رجاؤ خوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ
جو تو ہی ہاتھ لگائے تو ہوے بیڑا پار
فلک پر سب سہی پر ہے نہ ثانی احمد
زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار
چراغ عقل ہے گل اس کے نور کے آگے
زبان کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار
تو آئینہ ہے کمالات کبریائی کا
وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمھارا آخر کار
یہ ہے اجابت حق کو تیری کا دعا کا لحاظ
قضا مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار
خدا تیرا تو جہان کا ہے واجب الطاعۃ
جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار
قضا کو تیری یہ خاطر مگر تجھے وہ ہے
قضاء حق سے نیاز اور نیاز کا اقرار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت و جود کی زنہار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار
تیرے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرہ طاعت
گناہ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار
یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں
کیے ہیں میں نے اکھٹے گناہ کے انبار''

(ص 4 تا 7 مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، 1309ھ)

جناب اشرف علی تھانوی کے استاد اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس جناب محمود حسن دیوبندی لکھتے ہیں: ''آپ (ﷺ) اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں۔ جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم، اگر کوئی صاحب پوچھیں گے اور فہیم ہوں گے تو شاید ہم اس بات کو آشکارا بھی کر دیں القصہ آپ (ﷺ) اصل میں مالک ہیں۔'' (ص 9، ادلۂ کاملہ، مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند ضلع سہارن پور)

وہ مزید لکھتے ہیں: ''علتِ ملک قبضہ تامہ ہے...... حاکم من وجہ قبضہ نائب خدا ہے چناں چہ اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم اس پر شاہد ہے...... اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ بے قبضہ ملک نہیں کیوں کہ اول ملک اسی سے پیدا ہوتی ہے۔'' (ص 11)

جناب اشرف علی تھانوی کی مرتبہ کتاب ''قربات عنداللّٰہ وصلوات الرسول'' (مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور) میں تھانوی صاحب کے ان استاد کے لیے شجرہ میں یہ شعر درج ہے۔

''فبسیّدی مولائ محمودٍ حسن ممدوح اھل الحمد والاحسان'' (ص:210)

''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب علیہ الصلوۃ والسلام من اللہ القریب المجیب''، مطبوعہ دارالاشاعت، دیو بند کے ص 193 میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''ھذا وقد ملّک الدنیا باجمعھا　　　　　فردہ الزھد عنھا وھو مقتدر

یہ حالت اس پر تھی کہ آپ (ﷺ) تمام دنیا کے مالک تھے لیکن زہد نے آپ (ﷺ) کو دنیا سے باز رکھا باوجود اس کے کہ آپ (ﷺ) مقدور رکھتے تھے۔''

جناب محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب ''آب حیات'' (مطبوعہ مطبع قدیمی دہلی، 1936ء) کے ص 186 میں لکھتے ہیں: ''دوسرے رتبہ میں رسول اللہ صلعم (ﷺ) کی مالکیت سمجھئے کیوں کہ اول تو رسول اللہ صلعم (ﷺ) محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں...... رسول اللہ ﷺ کا مالک ارواح مومنین ہونا...... پھر جب آپ کی ملک اوروں کی ملک سے اقوی ہوئی...... بحکم وساطت عروض وجود روحانی ارواح مومنین جب مملوک رسول اللہ ﷺ ہوئیں تو ثمرات ان کے یعنی حرکات ارادیہ اپنے آپ مملوک رسول اللہ ﷺ ہوں گی۔''

معترضین کو ان کے اپنے ہی تھانوی صاحب کی کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' دیکھنے کا ''شرف'' بھی شاید نہیں ملا۔ ''یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا'' کا جواب بھی وہ انھی سے ملاحظہ فرمائیں: تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''معنی اتصال و اتحاد۔ جاننا چاہیے کہ اتصال و اتحاد تین معنی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ایک معنی لغوی کہ دو چیزوں کی ذات کا ذاتاً بجاناً ایک ہوجانا یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال عقلی و نقلی ہے اور قائل ہونا اس کا الحاد زندقہ ہے۔ دوسرے معنی اصطلاحی جس کو عینیت کہتے ہیں یعنی ایک شے کا متبوع اور محتاج الیہ و موقوف علیہ ہونا اور دوسرے کا محتاج و تابع و موقوف ہونا ایسا علاقہ تمام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے جیسا ایک جگہ اس کی مفصل بحث آچکی ہے۔ تیسرے معنی عرفی یعنی محبت و محبوبیت کا تعلق خاص دو شخصوں میں ہونا، یہ علاقہ خاص مقبولانِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے۔'' (ص173، مطبوعہ سجاد پبلشرز، لاہور 1960ء)

جناب محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں: ''کوئی صفت کسی موصوف میں بالذات ہوتی ہے اور کسی موصوف میں بالعرض۔'' (ص 6)۔ مزید لکھتے ہیں: ''چوں کہ مالک حقیقی خداوند کریم ہے سوا اس کے جو مالک ہے مالک مجازی اعنی ایک ملک مستعار پروردگار کی طرف سے حاصل ہے تو اس صورت میں خلافت نکلے گی چناں چہ انی جاعل فی الارض خلیفہ جو جمیع انحاء خلافت کو شامل ہے خلافت ملک ہو یا خلافت حکم وغیرہ اس خلافت

ملک اموال کی طرف جو ایک نحو خاص کی خلافت ہے اشارہ بھی موجود ہے واللّٰہ اعلم اور یہ ظاہر ہے کہ خلیفہ کسی کا وہی ہوتا ہے جو اس کا کام کرسکے۔" (ص18)

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے بارے میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ محقق کو روزانہ نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی تھی، وہ صاحبِ حضوری تھے۔ (افاضات یومیہ، ص 6، حصہ 7)۔ وہ شیخِ محقق فرماتے ہیں: "آں حضرت (ﷺ) متولی امور مملکت الٰہیہ و گماشتۂ درگاہ عزت بود کہ تمامہ امور احکام کون و مکان بوے مفوض بود کدام دائرہ مملکت واسع تر از دائرہ مملکت و سلطنت وے بود ﷺ۔" (اشعۃ اللمعات، ص 644/ 1)

(ترجمہ) آں حضرت ﷺ مملکت الٰہیہ کے متولی اور درگاہ عزت باری تعالیٰ سے اس پر مقرر تھے کہ کون و مکان کے تمام امور واحکام کے سپرد کردیے گئے تھے۔ کسی کا دائرہ مملکت آپ ﷺ کے دائرہ مملکت و سلطنت سے وسیع ہوسکتا ہے؟ اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں: "و قدرت و سلطنت وے ﷺ زیادہ بران بود، ملک و ملکوت جن و انس تمامۂ عوالم بہ تقدیر تصرف الٰہی عزوجل در محیط قدرت و تصرف وے بود۔" (اشعۃ اللمعات، ص 432/1، مطبوعہ نول کشور، 1935ء)

(ترجمہ) اور قدرت و سلطنت آپ ﷺ کی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہیں بڑھ کر تھی اللّٰہ تعالیٰ کی تقدیر و تصرف سے ملک و ملکوت، جن و انس اور تمام جہان آپ ﷺ کے قدرت و تصرف کے احاطے میں ہیں۔

"الشفاء بتعریف حقوق المصطفی" للقاضی عیاض رحمۃ اللّٰہ علیہ میں ہے: "من لم یرولایۃ الرسول علیہ فی جمیع الاحوال، ویر نفسہ فی ملکہ ﷺ لایذوق حلاوۃ سنتہ۔" (ص 272، مطبوعہ دارالحدیث، القاہرہ) جو تمام احوال میں رسولِ کریم ﷺ کو اپنا والی اور خود کو نبی کریم ﷺ کی مِلک نہ جانے وہ ان کی سنت کی حلاوت (مٹھاس، لذت) سے ہرگز خبردار (فیض یاب) نہ ہوگا۔

اور نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت) کے ص418/ 4 میں ہے: "الولایۃ بکسر الواو وفتحھا بمعنی نفوذ حکمہ و سلطانہ حتی کانہ مملوک لہ۔" ولایت واوَ کی زیر اور زبر کے ساتھ اس معنی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم اور ان کی بادشاہی کو خود پر نافذ کرلے یہاں تک کہ خود کو ان کی مِلک مانے۔

"گل زارِ معرفت" (مطبوعہ مجتبائی دہلی، 1328ھ) میں جناب حضرت حاجی امداد اللّٰہ

فرماتے ہیں:

''اچھا ہوں یا برا ہوں غرض ہوں جو کچھ ہوں — پر ہوں تمھارا تم میرے مختار یارسول
کیا ڈر ہے اس کو لشکر عصیان و جرم سے — تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یارسول''

مزید فرماتے ہیں:

''جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کے ہاتھوں — بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یارسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہوکر — میری کشتی کنارہ پر لگاؤ یارسول اللہ
شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم — تمھیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یارسول اللہ
خدا عاشق تمھارا اور ہو محبوب تم اس کے — ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یارسول اللہ''

مزید ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''آپ کے بخشش و انعام کی کچھ حد ہی نہیں — ہے قلیل آپ کا بس اور کی تکثیر عبث
نور احمد سے منور ہے دو عالم دیکھو — دیکھتے ہو جو مہ و خورشید کی تنویر عبث
آپ کے عتبۂ عالی کا بیان ہو کس سے — عرش کی اس کے مقابل میں ہے توقیر عبث

عرش بریں پر آپ ہیں زیر زمیں ہوں میں — ملنا کہاں سے ہو کہ کہیں تم کہیں ہوں میں''

(ص:6، 7، 12، 14)

''مثنوی تحفۃ العشاق'' (مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حامد و محمود ممدوح خدا — احمد مرسل محمد مصطفیٰ
بے وسیلوں کا وسیلہ ہے وہی — بلکہ ساروں کا وسیلہ ہے وہی
روشنی عرش نور لامکاں — شمع بزم عالم کون و مکاں
راحت و روح روانِ کائنات — زندگانی پرور جان حیات
باعث ایجاد عالم ہے وہی — موجب بنیاد آدم ہے وہی
گر نہ ہوتا پیدا وہ شاہ نکو — یہ نہ ہوتا وہ نہ ہوتا مَیں نہ تو
ہے وہ سرمایہ وجود کائنات — دونوں عالم سے ہے مقصود اس کی ذات
ہے وہ بے شک میوۂ نخل وجود — اول و آخر وہی اصل وجود

ہے یہ سب اس کے لیے اے نیک بخت واسطے پھل کے ہی بوتے ہیں درخت
گرچہ آخر ہے ثمر اول شجر کب شجر ہوتا نہ ہوتا گر ثمر
جب ثمر سے یہ شجر ظاہر ہُوا پس ثمر ہی اول و آخر ہُوا
میوہ کو سبقت ہوئی جب باغ پر ہے وہ اول وہی آخر سر بسر
ہے وہی شاہ جہاں سب اس کے خیل ہے وہی مقصد کل باقی طفیل
پڑھ تو امداد اس پر صلوٰت و سلام آل اور اصحاب پر اس کی تمام"

(ص:5)

"غذائے روح" میں حاجی صاحب فرماتے ہیں:

"کس سے ہووے نعت ختم المرسلیں جز بذات پاک رب العالمین
ذات احمد ہے وہ بحر بے کراں جس کا اک قطرہ ہے یہ کون و مکاں
ذات پاک احمد ہے والشّمس الضحیٰ جس کے یہ ذرّے ہیں سارے اولیاء
ہے سزوار اس کو تاج سروری زیب اسے ہے خلعت پیغمبری
سرور عالم محمد شاہ دیں پیشوائے اوّلین و آخرین
حکم ان کا ہے جہاں میں سربسر وہ یہاں آئے ہیں سب سے پیش تر
ذات پاک ان کی نہ پیدا ہوتی گر ہوتے کب ارض و سما جن و بشر
اس پہ پڑھ امداد تو لاکھوں صلوۃ تجھ کو ہے جس کی شفاعت سے نجات"

(ص2)

"جہاد اکبر مع نالۂ امداد غریب" (مطبوعہ راشد کمپنی، دیو بند) میں حاجی صاحب فرماتے ہیں:

"محمد ہے ممدوح ذات خدا محمد کا ہو وصف کس سے ادا
محمد سا مخلوق میں کون ہے اسی کا طفیل ہے یہاں جَون ہے
نہ پیدا ہوتا اگر احمد کا نور نہ ہوتا دو عالم کا ہر گز ظہور
محمد خلاصہ ہے کونین کا محمد وسیلہ ہے دارین کا
محمد کی طاعت جہاں پر ہے فرض محمد کی طاعت سے جا دل کا مرض
پڑے کفر اور شرک میں ہم تھے سب محمد سے ملی ہم کو راہ رب
گرفتار تھے نفس شیطان کے ساتھ محمد نے دی ہم کو ان سے نجات

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

محمد کی طاعت کر آٹھوں پہر　　　کہ تا وصل سے حق کے ہو بہرہ ور
محبت محمد کی رکھ جان میں　　　محمد محمد کہہ ہر آن میں
محمد کی الفت سے اور چاہ سے　　　ملے گا تو امداد اللہ سے''
(ص 3 تا 4)

مزید فرماتے ہیں:

''اے رسول کبریا فریاد ہے　　　یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل　　　اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
قید غم سے اب چھڑادیجے مجھے　　　یا شہ ہر دو سرا فریاد ہے''

مزید ملاحظہ ہو: عنوان ہے: ''مناجات دیگر حضرت سرور عالم ﷺ''

''سب دیکھو نور محمد کا سب بیچ ظہور محمد کا　　　جبریل مقرب خادم ہے سب جا مشہور محمد کا
جس مسجد میں میں سنتا ہوں تو ہے مذکور محمد کا　　　نا ہے کسی پیغمبر کا جو ہے مقدور محمد کا
وہ منشاء سب اسما کا ہے وہ مصدر سب اشیا کا　　　وہ سر ظہور و خفا کا ہے سب دیکھو نور محمد کا
کہیں غوث ابدال کہایا ہے کہیں قطب بھی نام دَھرایا ہے　　　کہیں دین امام کہایا ہے سب دیکھو نور محمد کا''
(ص 22)

مزید فرماتے ہیں:

''محمد کی مرضی ہے مرضی خدا کی　　　خدا کی رضا ہے رضائے محمد
نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے　　　ہوا ہے سب کچھ برائے محمد''
(ص 23)

معترضین نے کلامِ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے جن اشعار پر اعتراض کیا ہے ان اشعار کو لکھ کر کچھ قرآنی آیات نقل کی ہیں اور جس لہجے میں ان آیات کا ترجمہ کیا ہے اور ان سے جو استدلال پیش کیا ہے انھی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''1- له مافی السموت ومافی الارض من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه (ترجمہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی (اللہ) کا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کے حکم کے بغیر اس سے کسی کی سفارش بھی کر سکے۔ (البقرۃ: 255)

2- لیس لک من الامر شیء او یتوب علیهم او یعذبهم ظالمون (ترجمہ) (اے

محمد) آپ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے اور چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔ (آل عمران: 128)

-3 قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللّٰہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء (ترجمہ) آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اپنی ذات کے لیے بھی نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں ہے، مگر جو اللّٰہ چاہے اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو اپنے لیے بہت سی خیر جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔ (الاعراف: 188)

-4 افانت تسمع الصم ولو کانوا لایعقلون (ترجمہ) کیا آپ (اے محمد) بہروں کو سنا سکتے ہیں خواہ وہ بے عقل ہوں؟ (یونس: 42)

-5 افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون (ترجمہ) کیا آپ (اے محمد) اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں جب کہ وہ نابینا ہوں؟ (یونس: 43)

-6 ولا تقولن لشای ء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشآء اللّٰہ (ترجمہ) کسی بھی چیز کے بارے میں آپ ہرگز یہ نہ کہیے کہ کل میں یہ کام کروں گا مگر یہ کہ اللّٰہ چاہے۔ (الکہف: 23)

-7 قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللّٰہ (ترجمہ) (اے محمد) آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللّٰہ کے سوا کوئی بھی غیب کا جاننے والا نہیں ہے۔ (النمل: 65)

-8 انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعآء (ترجمہ) (اے محمد) بے شک نہ آپ مردوں کو کچھ سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ (النمل: 80)

-9 وما انت بھدی العمی عن ضللتھم (ترجمہ) اور آپ راہ سے بھٹکتے ہوئے اندھوں کو کچھ نہیں دکھا سکتے۔ (النمل: 61)

-10 قل للّٰہ الشفاعۃ جمیعا لہ ملک السموت والارض (ترجمہ) آپ کہہ دیجیے کہ شفاعت کی اجازت دینے کے جملہ اختیارات صرف خدا کو ہیں، آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک وہی ہے۔ (الزمر: 43)

-11 لہ مقالید السموت والارض (ترجمہ) آسمانوں اور زمین کی کنجیاں صرف اسی کے پاس ہیں۔ (الزمر: 63)

-12 ان اللّٰہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور (ترجمہ) بے شک اللّٰہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے۔ آپ قبر والوں کو کچھ نہیں سنا سکتے ہیں۔ (فاطر: 22)

13- **یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک** (ترجمہ) اے نبی آپ اس چیز کو اپنے لیے حرام کرتے ہیں جس کو اللّٰہ نے آپ کے لیے حلال فرمایا ہے؟ (التحریم: 1)"

معترضین نے قرآنی آیات پیش کر کے جو لکھا ہے، وہ بھی ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"قرآن پاک کی ان آیتوں سے مندرجہ نکات واضح ہوتے ہیں۔

1- خالق کائنات نے نبی کریم کو افضل الانبیاء اور خاتم النّبیین بنا کر پوری دنیا کی ہدایت اور تبلیغ رسالت کی ذمہ داری تفویض کرنے کے باوجود بھی، اپنی حاکمیت، مالکیت اور اپنی خدائی کے کسی ادنی سے بھی معاملہ میں آپ کو کیا کسی کو بھی اپنا شریک وسہیم نہیں بنایا ہے اور قضا وقدر اور اپنی مخلوقات میں سے کسی کے بھی نفع وضرر کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔ (دیکھیے آیت 1، 2، 11)

2- خاص ہدایت و رہبری کے معاملے میں بھی ہدایت دینے کا کام خود اپنے اختیار میں رکھا ہے اور آپ پر صرف تبلیغ احکام کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ (آیت: 5، 9)

3- حد یہ ہے کہ آپ کو یہ قوت بھی نہیں دی گئی کہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکیں یا اندھوں کو راہ دکھا سکیں یہ سب امور خدا نے خاص اپنے اختیار میں رکھے ہیں۔ (آیت: 58، 9، 11)

4- کسی کے حق میں شفاعت وسفارش کے لیے بھی اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور اجازت کی شرط لگا دی ہے۔ بلا اذن و اجازت کسی کو کسی کی شفاعت کا اختیار نہیں دیا گیا ہے (6)۔ (آیت: 1، 10)

5- خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی حضور کو مالک نہیں بنایا گیا۔ بلکہ آپ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ سارے نبیوں کا سردار بھی یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ (آیت: 3)

6- کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا حق یا اختیار آپ کو نہیں دیا گیا۔ (آیت: 13)

7- کسی کام کا دوسرے دن کرنے کے ارادہ کرنے کے بعد اس کو زبان پر لانے کے لیے سختی کے ساتھ فرمایا گیا کہ "ان شاء الله" کی شرط ضروری ہے۔ (آیت: 6)

8- دو ٹوک الفاظ میں قرآن یہ اعلان کرتا ہے اور کراتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے (چاہے وہ کوئی عام انسان ہو اور چاہے تمام انبیا کے سردار ہوں) (آیت: 3، 7)

یہاں خان صاحب کا دعویٰ ایک بار پھر یاد کرلیجیے (قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی) اور پھر غور فرمایئے کہ: (الف) قرآن کہتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو خود اپنی ذات کو بھی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں دیا گیا، کسی کو ہدایت دینے، حلال کو حرام کرنے، بہروں کو اپنی آواز سنانے، اندھوں کو راہ دکھانے کی قدرت بھی آپ کو حاصل نہیں، خدا کی اجازت اور حکم کے بغیر کسی کو شفاعت کا بھی استحقاق آپ نہیں رکھتے۔ تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت خدا کی اور صرف خدا کی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ مگر خانصاحب فرماتے ہیں کہ زمین، آسمان، عرش، فرش، ہر خشک وتر کا اور تمام جن و بشر کے آپ مالک ہیں۔

(ب) قرآن بار بار کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے یہی نہیں بلکہ خود رسول پاک سے قرآن یہ اعلان کراتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ پکار کر کہہ دو کہ ''میں عالم الغیب نہیں ہوں''۔ مگر خان صاحب کا عقیدہ ہے کہ آپ کو دونوں جہاں کے ہر خفی وجلی کا علم (یعنی علم غیب) حاصل ہے یہاں تک کہ انسانوں کے دل کی خواہشوں کو بھی آپ بیان کئے بغیر ہی جان لیتے ہیں۔

(ج) قرآن کہتا ہے کہ پوری کائنات کا خالق، مالک، حاکم اور رازق خدا اور صرف خدا ہے، تمام موجودات کی تمام ضرورتیں صرف وہی پوری کرتا ہے اور سب کو روزی دیتا ہے۔

مگر خان صاحب زمین سے آسمان تک کی ساری چیزوں کا لٹانے والا رسول کو سمجھتے ہیں اور خدا کے ملک پر آپ کا قبضہ بتاتے ہیں۔

(د) قرآن کہتا ہے کہ قضا و قدر کے تمام امور فقط خدا کے اختیار میں ہیں اور تمام کائنات پر تسلط، تصرف، تغیر کا حق خدا کو اور صرف خدا کو ہے۔ کسی دوسرے کو مجال دم زدن نہیں ہے مگر خان صاحب تقدیری معاملات میں ردو بدل کے حقوق بھی اپنی طرف سے حضور کو دے رہے ہیں۔

اب جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے متعلق آپ خود غور کر کے اپنی رائے قائم کرلیجیے...... اور...... مجھے بتایئے کہ ''قرآن سے نعت گوئی سیکھنا'' اسی کو کہتے ہیں کہ جو بات بھی کہی جائے قرآنی معانی و مفاہیم کے خلاف کہی جائے؟ جب ''قرآن سے نعت گوئی سیکھنے'' کا دعویٰ کرنے والے اتنے بڑے ''عالم، فقیہ، مفتی'' اور ''مجدد دین وملت'' نے ''عشق رسول کا بہانہ تراش کر ''نعت رسول'' کے نام پر اپنے ''حدایق بخشش'' میں ایسے گل کھلائے ہیں تو اسلامیات سے نابلد اور جاہل شاعروں سے کیسی نعتیہ شاعری کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔''

(چراغ نوا، ص 12 تا 16، مطبوعہ مرکز مطالعات فارسی، علی گڑھ، 2000ء)

چراغ نوا کے ص 56 پر نہایت رکیک اور سوقیانہ انداز میں یہ عبارت بھی درج ہے کہ:''اس مجدد دین وملت نے خدا اور رسول (ﷺ) کی محبت کو عام انسانوں اور بازاری لوگوں کے ''معاشقے'' پر قیاس کرلیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خان صاحب ہرگز یہ نہ کہتے کہ۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　　یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا''

معترضین نے اپنی سرشت کے مطابق جس قدر اور جیسے الزام جن لفظوں میں ان سے ہوسکے وہ انھوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ پر لگائے۔ میری اس تحریر کے مندرجات میں خود معترضین کے ''بڑوں'' کے جس قدر بیان پیش کئے گئے ہیں ان سے ہر ذی علم وفہم بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ آج جو لوگ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام پر اعتراض کررہے ہیں وہ اعتراض ان معترضین کے محض تعصب، عناد اور جہالت کے آئینہ دار ہیں ورنہ معترضین اپنے ان بڑوں پر اسی لہجے اور اسی انداز میں ایسے ہی الفاظ سے زبان وقلم دراز کیوں نہیں کرتے؟

جناب اشرف علی تھانوی اور جناب شبیر احمد عثمانی نے قرآنی آیات ہی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے نبی کو علم غیب عطا فرمایا، شفاعت کی اجازت دے دی اور نبی کو مالک ومختار بنایا۔ جناب محمد قاسم نانوتوی اور تھانوی صاحب کے استاد جناب محمود حسن دیوبندی نے واضح لکھا کہ نبی کریم ﷺ اصل میں مالک ہیں۔ خود تھانوی صاحب ہی کی تحریر میں ''بازاری لوگوں کے معاشقے پر قیاس'' کا جواب واضح طور پر ہے۔ تفسیر عزیزی اور تذکرۃ الرشید کتاب کے اقتباسات میں تصرفات کا بیان کتنا واضح ہے۔ جناب اسمٰعیل دہلوی تو اولیاء اللّٰہ کے لیے عرش تا فرش حکومت بیان کررہے ہیں۔ معترضین کے اعتراضات کے جواب میں حضرت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی اور جناب محمد قاسم نانوتوی کے کہے ہوئے نعتیہ اشعار میں تو کچھ اس قدر واضح بیان ہے کہ معترضین کو دم لینے کی گنجائش نہیں رہتی۔ معترضین کے اکابر ہی کی تحریروں سے کچھ اقتباس مزید ملاحظہ ہوں:

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:''......مولانا (روم رحمۃ اللّٰہ علیہ) فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں۔

بے عنایات حق وخاصان حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق''

(الافاضات الیومیہ، ملفوظ نمبر 827، ص 515، حصہ چہارم، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

اسی کتاب کے حصہ ششم میں ملفوظ نمبر 367 میں ہے:''(تھانوی) نے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اکثر غیر مقلدوں میں یہی ایک بات بری ہے وہ بدگمانی ہے اسی

کی بدولت بدزبانی ہوتی ہے لیکن بعض میں تدین اور انصاف بھی ہوتا ہے۔ لکھنو سے ایک غیر مقلد عالم یہاں پر آئے تھے غالباً دو تین روز یہاں پر قیام کیا، تھے سمجھ دار۔ ایک روز انھوں نے مجھ سے سوال کیا کہ سماع موتی کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے اس لیے کہ نص انکار کررہی ہے۔ قرآن پاک میں ہے **انک لاتسمع الموتی**۔ مَیں نے کہا کہ یہی آیت سماع کو ثابت کررہی ہے اس لیے کہ بالاتفاق اس (آیت) میں کفار کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ کا سماع حسی مشاہد ہے صرف سماع قبول منفی ہے پس یہی حالت مشبہ بہ کی ہوگی کہ سماع حسی ثابت اور سماع قبول منفی۔ چناں چہ ظاہر ہے کہ مُردے سماع مواعظ سے منتفع نہیں ہوتے تو اس آیت سے نفی سماع پر دلالت کہاں ہوئی؟"

(ص 229، الافاضات الیومیہ، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون، 1940ء)

جناب قاری محمد طیب کہتے ہیں کہ: "ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی مسلک ہے کہ سماع موتٰی ثابت ہے۔" (سوانح قاسمی، ص 33)

اس حوالے سے "ولی اللٰہی" کہلانے والے تھانوی صاحب اور ان کے قائل و قابل حضرات کے لیے حضرت شاہ ولی اللّٰہ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتوی پیش کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

"سوال: انسان کا ادراک وشعور بعد موت کے باقی رہتا ہے اور جو شخص زیارت کے لیے جاوے اس کو میت پہچانتا ہو اور اس کا سلام و کلام سنتا ہے یا نہیں؟

جواب: انسان کا ادراک بعد موت کے باقی رہتا ہے اس امر میں شرع شریف اور قواعد فلسفی میں اتفاق ہے لیکن شرعِ شریف میں عذاب قبر و تنعیم قبر متواتر طور پر ثابت ہے اور اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر طویل چاہیے۔ اس امر کی تحقیق کے لیے کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور جو تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی ہے اور دیگر کتب احادیث دیکھنا چاہیے اور کتب علم کلام میں عذاب قبر ثابت کیا گیا ہے حتی کہ بعضے متکلمین کے نزدیک منکرینِ عذاب قبر کافر ہیں اور عذاب و تنعیم بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہوسکتا اور ادراک وشعور موتی کا احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ زیارت قبور اور میت کو سلام کے بارے میں اور میت سے کلام کرنے کے بیان میں ہے مثلاً ثابت ہے کہ موتی سے کہنا چاہیے **انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا ان شاء اللّٰہ بکم للاحقون** یعنی تم لوگ ہم لوگوں سے پہلے جانے والوں سے ہو اور ہم لوگ

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

تم لوگوں کے بعد ہیں اور ان شاء اللہ تم لوگوں سے ہم لوگ ملنے والے ہیں اور بخاری و مسلم میں روایت موجود ہے کہ آں حضرت ﷺ نے شہداے بدر☆ کے ساتھ خطاب فرمایا **ھل وجد تم ما وعد ربکم حقا** کیا پائی تم لوگوں نے وہ چیز جس کے لیے تم لوگوں کے پروردگار نے وعدہ کیا تھا سچا تو صحابہ نے عرض کیا یا **رسول اللہ اتتکلم من اجسادٍ لیس فیھا روحٌ** یعنی یارسول اللہ آپ کلام فرماتے ہیں ان اجساد سے کہ ان میں روح نہیں تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا **ما انتم باسمع منھم ولکنھم لا یجیبون** یعنی تم لوگ ان لوگوں سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ لوگ جواب نہیں دے سکتے اور قرآن مجید میں ہے **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ** یعنی اور نہ گمان کیجیے ان لوگوں کو کہ قتل کئے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک ان کو روزی دی جاتی ہے وہ لوگ خوش ہیں اس چیز سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو دیا۔ حاصل کلام اگر ان کا ادراک وشعور اموات کا کفر نہ ہوتو اس کے الحاد ہونے میں کچھ شبہ بھی نہیں اور قواعد فلسفیہ سے ثابت ہے کہ روح اس بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور شعور و ادراک بھی باقی رہتا ہے اور لذت روحانی بھی رہ جاتی ہے اور اس امر پر فلاسفہ کا اتفاق ہے صرف جالینوس کا اختلاف ہے اور اسی وجہ سے جالینوس کو فلاسفہ میں شمار نہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ تحلیل ہوا کرتا ہے اور روح کی ہمیشہ ترقی وشعور وادراک میں ہوتی رہتی ہے تو مفارقت بدن کی ادراک وشعور کے سلب میں کیا تاثیر کرسکتی ہے۔"

(سرورِعزیزی اردو ترجمہ، فتاویٰ عزیزی، ص224 / 1، مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور، 1914ء)

کتاب "افاضاتِ یومیہ" کے ص205 ج 4 پر ہے: "ایک سلسلہ گفتگو میں (تھانوی صاحب نے) فرمایا کہ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ ہمارے ہیں اس لیے ہم کو حضور (ﷺ) کی شان انوکھی نہیں معلوم ہوتی مگر جب دوسرے مذاہب کے آدمی غور کرکے دیکھتے ہیں تو ان کو حضور (ﷺ) کے حالات پر بڑا تعجب ہوتا ہے اور واقعی ہیں بھی عجیب حالات اور کیسے نہ ہوں آخر مامور من اللہ ہیں اور خاتم نبوت ہیں عالم کی آفرینش کے سبب آپ (ﷺ) ہی ہیں سب کچھ آپ (ﷺ) ہی کی ذات مبارک کے لیے پیدا کیا گیا اور آپ ہی کی شان یہ ہے ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

☆۔"مقتولین بدر" کے ساتھ یہ خطاب تھا۔ مترجم یا کاتب نے غلطی سے "شہداء بدر" کے ساتھ خطاب لکھ دیا ہے۔ (کوکب غفرلہ)

اسی کتاب کے حصہ ہفتم کے صفحہ 423 میں ملفوظ نمبر 315 میں ہے: ''(تھانوی صاحب نے فرمایا) اسی طرح نصوص کے اندر بعض مغیبات کے متعلق یہ ثابت ہے کہ ان کا علم حضورﷺ کو بھی ہے اور ایسے علم کی نسبت حضور (ﷺ) کی طرف جائز ہے مگر باوجود اس کے حضور(ﷺ) کے متعلق نصوص میں عالم الغیب کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ لہٰذا عالم الغیب کے لفظ کا استعمال صرف حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہوا اور مخلوق کے لیے اس لفظ کا استعمال ناجائز ہوا کیوں کہ مخلوق کے لیے اس لفظ کے استعمال کرنے میں ایہام ہے جیسے ایہام کی وجہ سے مخلوق کے لیے رزاق کا استعمال ناجائز ہوا تھا۔ اسی طرح مخلوق کے لیے لفظ عالم الغیب کا استعمال بھی بوجہ ایہام ناجائز ہوگا۔ اسی طرح گو باپ کو بیٹے کے مال سے منتفع تو ہونا جائز ہے مگر اس انتفاع کی وجہ سے یہ جائز نہیں کہ بیٹا اپنے باپ کو برخوردار یعنی منتفع لکھنا شروع کردے حالاں کہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے مگر باوجود اس کے پھر جو بیٹے کے لیے یہ ناجائز ہے کہ وہ باپ کو برخوردار کہے تو اس کی وجہ وہی ایہام ہے، باپ کی بے ادبی کا اور اس ایہام کی وجہ یہ ہے کہ برخوردار کا لفظ عرفاً بیٹے کے لیے مخصوص ہے اس لیے باپ کے لیے اس لفظ کا استعمال کرنا بے ادبی ہے۔''

(مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون، 1941ء)

جناب شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں: ''کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں، نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہوسکتا ہے۔ اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں، ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کردیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمادیا، یا غیب کی خبر دے دی۔ لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر ''عالم الغیب'' یا ''فلان یعلم الغیب'' کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیوں کہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں، اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں گو لغۃً صحیح ہوں۔'' (ص 496، حاشیہ قرآن)

بوادر النوادر (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور۔ 1985ء) کے ص532 پر جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''اس کی شرعی مثال ایسی ہے کہ یہ تو کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرمادیا۔ مگر ان انبیاء کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں کہ صفت کے درجہ میں یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اسی طرح یہاں یہ کہنا تو جائز ہوگا کہ اولیا کو بعض کمالات نبوت

حق تعالیٰ نے عطا فرمادیے مگر ان اولیاء کو نبی کہنا جائز نہ ہوگا۔"

تھانوی صاحب فرماتے ہیں: "اول تو مجھ میں قوت باطنی ہے نہیں ہاں قوت بطنی تو ہے دونوں وقت پیٹ بھر کر کھالیا لیکن مَیں کہتا ہوں کہ اگر قوت باطنی ہوتی بھی تو بھی مَیں اس سے کام نہ لیتا اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں، مجال تھی کہ ابولہب اور ابوجہل ایمان سے رہ جاتے اگر حضور (ﷺ) قوتِ باطنی سے کام لیتے۔" (افاضات یومیہ، ص 291، حصہ چہارم، ملفوظ نمبر 506، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

افاضات یومیہ حصہ ششم کے ملفوظ 378 ص 236، مطبوعہ تھانہ بھون) میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "حضور (ﷺ) سے بڑھ کر کس کی توجہ اور تصرف ہوسکتا تھا اگر اس سے کام لیا جاتا تو حضور (ﷺ) کی ایک نظر میں عالم کا عالم زیر و زبر ہوجاتا اور دنیا میں ایک کافر بھی نظر نہ آتا سب کے سب مسلمان اور ایمان والے ہی ہوتے مگر حضور (ﷺ) تو کوئی کام بدون اذن کے نہ کرتے تھے جس جگہ جس قوت کے استعمال کا حکم دیا جاتا حضور (ﷺ) نے اسی قوت سے کام لیا"۔

"اور رسول اللہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں۔"

(ص 27، حاشیہ قرآن از جناب شبیر احمد عثمانی)

"البتہ وہ (انبیاء سابقین) خاص قوم کے لیے ہادی تھے آپ (ﷺ) دنیا کی ہر قوم کے لیے (ہادی) ہیں۔" (ص،323، حاشیہ قرآن)

البدائع (مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور) کے ص 502 پر جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: "تمام عالمین کے لیے ہادی بن کر آپ (ﷺ) ہی مبعوث ہوئے ہیں۔"

جناب ذوالفقار علی دیوبندی کی کتاب "عطر الوردہ فی شرح البردہ"

(مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، 1315ء) سے بھی کچھ اقتباس ملاحظہ ہوں:

معترضین نے جناب ذوالفقار علی دیوبندی کی کتاب "عطر الوردہ" کا عربی خطبہ پڑھا ہوتا اور اس کتاب کے ص 106 پر ان کے لکھے ہوئے عربی نعتیہ اشعار پڑھ لیے ہوتے تو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام پر اعتراض کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ اس کتاب عطر الوردہ میں سے صرف چند جملے وہ نقل کررہا ہوں جو امام بوصیری علیہ الرحمہ کے اشعار کا ترجمہ نہیں بلکہ شرح میں جناب ذوالفقار علی دیوبندی نے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ خود دنیا کا وجود ان کے طفیل سے ہے پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ دنیا

کی ضرورتیں ان کو مجبور کریں۔ یعنی دنیا ان کی محتاج ہے اور وہ محتاج الیہ۔" (ص 20)

"ان کی ماموراتِ اور منہیات قابل نسخ نہیں۔ (ص 21)

"جملہ انبیا آپ (ﷺ) کے فیض کے طالب اور اس سے مستفید ہیں۔" (ص22)

"الغرض آپ کے علم وحکم سب سے فائق ہیں۔" (ص 23)

"جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے آں حضرت صلعم (ﷺ) سے پوچھا کہ اول مخلوق کون ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اول تیرے نبی کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور کو پھیلایا اور اس سے لوح وقلم وعرش وکرسی وملک وملکوت وعالم وآدم پیدا کیا۔"

:"حقیقت حسن جو آپ (ﷺ) میں ہے اس کے حصص اور اجزا نہیں کیے گیے بلکہ وہ تمام وکمال اولاً وبالذات آپ ہی کی ذات شریف میں منحصر ہے اور اوروں پر اس کا سایہ محض و پرتوہ ہے۔

آں چہ اسباب جمال ست رخ خوب ترا ہمہ بروجہ کمال است کمالا یخفی"

(ص 24)

"آپ (ﷺ) کی ذات برکات کی طرف جو خوبیاں باستشنائے مرتبۂ الوہیت تو چاہے منسوب کرو وہ سب قابل تسلیم ہوں گی اور آپ کی قدر عظیم کی طرف جو بڑائیاں تو چاہے نسبت کر وہ سب صحیح ہوں گی۔" (ص 25)

"بندہ مترجم عرض کرتا ہے کہ احیائے اموات سے بمراتب بڑھ کر جناب سرور کائنات علیہ الف الف تحیات وتسلیمات سے معجزے بکرات ومرات ظہور میں آئے ہیں یعنی کلام کرنا حجر و شجر کا آں حضرت (ﷺ) سے جو بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مردہ میں تو زندہ ہونے کی لیاقت بلحاظ ایام حیات موجود تھی وہ اگر زندہ ہوجاوے تو چنداں جائے تعجب نہیں مگر حجر وشجر کا بولنا اور بولانا اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے جن کو حیات ظاہر سے کبھی مناسبت ہی نہیں ہوئی۔" (ص 26)

"آپ کے کمالات کی حد اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔" (ص 27)

"آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ اول ماخلق اللہ نوری و قال اللہ تعالیٰ مخاطبا لآدم علیہ السلام لولاہ ما خلقتک وورد ایضا لو لاک لما خلقت الافلاک۔" (ص 28)

"جناب رسالت مآب ہر مستفیض کو اس کے کمالات ظاہر و باطن میں بدرجۂ کمال پہنچا

دیتی ہیں اور بشر کو ملائکہ سے افضل بنادیتے ہیں۔" (ص 29)

"احوال عالم کو کیا نسبت ہوسکتی ہے اس ذات مقدس کے کمالات سے جس کا وجود آپ کا طفیلی ہے۔" (ص 30)

"تحقیق ہے کہ موضع مرقد شریف تمام اجزائے زمین سے بلکہ کعبہ معظّمہ اور عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔" (ص 31)

"کے ملک کردی بہ پیش آدم خاکی سجود　　نور تو در وے نبودے گرودیعت اے ہدی
از بہار لطف تو سرسبز باغ کائنات　　وز نسیم فیض تو شاداب تر روض الصفا"

"جب آپ شکم مادر سے جدا ہوے تو آپ نے اول خدا وند تعالیٰ شانہ کو سجدہ کیا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے سر اپنا اٹھایا اور لاالٰہ الا اللّٰہ انی رسول اللّٰہ فرمایا۔" (ص 32)

"جناب امیر (حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہ) سے لوگوں نے سبب کمال حفظ وفہم کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب مَیں نے حضرت (ﷺ) کو غسل دیا تو ایک پانی کا قطرہ آپ کے چشم مبارک پر رہ گیا تھا سو مجھ کو گوارا نہ ہوا کہ اس کو زمین پر گرادوں اس لیے میں نے اس کو پی لیا یہ میرے کمال حفظ وفہم کا سبب ہے۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" (ص 33)

"خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی خدمت کے لیے جملہ اشیا عالم علوی یا سفلی حاضر تھیں اور آپ کے ہر طرح تابع فرمان۔" (ص 48)

"آپ نے انگشت مبارک سے قمر کی طرف اشارہ کیا اور فوراً اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔" (ص 49)

"آپ نے فرمایا اے سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس نے عرض کیا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چناں چہ جب ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن غنیمت میں آئے تو حضرت امیر المؤمنین عمر (رضی اللّٰہ عنہ) نے وہ کنگن حسب فرمودہ رسول اللّٰہ ﷺ سراقہ مذکور کے ہاتھوں میں پہنائے۔"

(ص 56)

"دفع مصائب وجلب منافع امت مرحومہ کو توسل شریف حاصل ہوتا ہے۔" (ص 57)

"آپ جیسا مرشد کامل ومخبر صادق ورحمۃ للعالمین نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا پس ہر عاقل کو لازم ہے کہ آپ کے وجود باجود کو غنیمت عظمیٰ سمجھے اور اس کی بابت خداوند تعالیٰ کا ہر دم شکر

کرے۔'' (ص 67)

''وللّٰہ درالقائل ۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند   نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند
نہ ہر گو ہرے درۃ التاج شد   نہ ہر مرسلے اہل معراج شد''

(ص 70)

''(بدر میں) مشرکین مقتولین کے نسبت آپ نے فرمایا کہ ان کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دو سو سب ڈالی گئیں...... جب ان کو چاہ میں ڈال چکے تو وہاں جناب سرورِ کائنات آ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے کنوے والو تم اپنے نبی کے بڑے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور اور لوگوں نے میری تصدیق کی پھر نام بنام ان لوگوں خطاب کیا کہ تم نے جو وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا سچا دیکھا۔ مَیں نے جو مجھ سے ایزد سبحانہ نے وعدہ کیا تھا سچا پایا۔ اس پر حضرت کے اصحاب نے عرض کیا کہ یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیک وسلم) کیا آپ مُردوں سے گفتگو فرماتے ہیں آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تم میری گفتگو ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو مگر وہ طاقتِ جواب نہیں رکھتے۔''

(ص 84)

''اسی روز قتادہ بن النعمان کی آنکھ خانہ چشم سے نکل پڑی پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو وہاں رکھ دیا اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے عمدہ ہوگئی۔'' (ص 89)

''جب آپ نے غار سے نکلنے کا ارادہ کیا تو...... حضرت طلحہ بیٹھ گئے اور آپ ان پر قدم مبارک رکھ کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔'' (ص 90)

''وللّٰہ درالقائل ۔   چوں تو داریم بمعنی ہمہ داریم و ہمہ'' (ص 93)

''امام نووی نے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ حضرت سفینہ آں حضرت (ﷺ) کے آزاد کردہ غلام کو جہاد روم میں کافروں نے گرفتار کر لیا تھا وہ وہاں سے کسی طرح بھاگے راہ میں ان کا راستہ ایک شیر نے روک لیا انھوں نے شیر سے کہا کہ اے ابوالحارث مَیں خادمِ رسول اللّٰہ ﷺ ہوں کہ لشکر اسلام میں جانا چاہتا ہوں چناں چہ شیر آگے آگے ہولیا اور لشکر اسلام میں ان کو پہنچا دیا۔ ایسا ہی حضرت عبداللّٰہ ابن عمر (رضی اللّٰہ عنہما) نے بحالت سفر ایک جگہ ازدحام مرد مان دیکھا اور اس کا سبب پوچھا لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک شیر ہے جس کے سبب یہاں کی راہ بند ہے اور اس نے بہت سے آدمی ہلاک کر دیے ہیں۔ یہ سن کر آپ سواری سے اترے اور شیر کے پاس جا کر اور اس کا

کان مڑور کر کہا کہ تو لوگوں کو مت ستا اور یہاں ہی بیشہ میں رہا کر۔ وہ شیر سر جھکا کر اپنے بن میں چلا گیا۔" (ص 96)

: نہ آپ ہوتے نہ دنیا و آخرت پیدا ہوتی قال اللّٰہ تعالیٰ لولاک لما اظہرت الربوبیۃ ولولاک لما خلقت الافلاک. (ص 103)

"صلوا علی الغوث الشفیع المرتجی　　　صلوا علی روح النبی المصطفی
صلوا علیہ وسلوا تسلیما

قولو لہ یا کھف عبدک مدنف　　　بالروح من فرط الصبابۃ متلف
وعلی فوات حضور کم متاسف　　　ویقول وھو علی المنیۃ مشرف
صلوا علیہ وسلوا تسلیما" (ص 107، عطر الوردہ)

حضرت ابوعبداللہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاحظہ ہو۔

"خلاف پیمبر کسی رہ گزید　　　کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا　　　تو ان رفت جزدر پی مصطفیٰ
کریم السجایا جمیل الشیم　　　نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشوای سبیل　　　امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوری خواجۂ بعث و نشر　　　امام الہدی صدر دیوان حشر
کلیمی کہ چرخ فلک طور اوست　　　ہمہ نورہا پر تو نور اوست
شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریم　　　نسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم
یتیمی کہ ناکردہ قرآن درست　　　کتب خانۂ چند ملت بشست
چو عزمش بر آہیخت شمشیر بیم　　　بہ معجز میانِ قمر زد دونیم
چو صیتش در افواہ دنیا فتاد　　　تزلزل در ایوان کسرے فتاد
بہ "لا" قامت "لات" بشکست خرد　　　بہ اعزاز دین آب "عُزّیٰ" ببرد
نہ ازلات و عزّیٰ برآورد گرد　　　کہ توریت و انجیل منسوخ کرد
شبی برنشست از فلک برگزشت　　　بہ تمکین و جاہ از ملک درگزشت
چنان گرم درتیہ قربت براند　　　کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام　　　کہ ای حاملِ وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی — عنانم زصحبت چرا تافتی؟
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروی بالم نماند
اگر یک سرموی برتر پرم — فروغِ تجلّی بسوزد پرم
نماند بہ عصیان کی درگرو — کہ دارد چنین سیّدی پیش رو
چہ نعتِ پسندیدہ گویم ترا؟ — علیک السلام ای نبی الوری
درودِ مَلک بر روانِ توباد — برا صحاب وبر پیروانِ توباد
نخستین ابوبکر پیر مُرید — عمر پنجہ برپیچ دیو مَرید
خردمند عثمان شب زندہ دار — چہارم علی شاہ دُلدل سوار
خدایا بہ حق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامان آلِ رسول
چہ کم گردد ای صدرِ فرخندہ پی — زقدر رفیعت بہ درگاہ حی
کہ باشند مشتی گدایان خیل — بہ مہمان دارالسلامت طفیل
خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد — زمین بوس قدر تو جبریل کرد
بلند آسمان پیش قدرت خجل — تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گِل
تو اصل وجود آمدی از نخست — دگر ہرچہ موجود شد فرع تست
ندانم کدامین سخن گویمت — کہ والا تری زانچہ من گویمت
تورا عزّ لولاک تمکین بس ست — ثنای تو طٰہ و یٰس بس ست
چہ و صفت کند سعدی ناتمام — علیک الصلوٰۃ ای نبی السلام"

(بوستانِ سعدی، ص 11 تا 13، مطبوعہ تہران)

مخالفین نے تیرہ آیاتِ قرآنی پیش کیں اور ان آیات سے جو استدلال چاہا اسے خود ان کے اپنے بڑوں سے بھی کوئی تائید نہیں ملی۔ اس تحریر میں جواباً چالیس آیات قرآنی پیش کر رہا ہوں، ان شاء اللّٰہ اس کے بعد چالیس احادیث پیش کروں گا اور ان سب کے بیان میں خود مخالفین سے اسی موقف کی تائید ہوگی جو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت رسول میں پیش کیا ہے۔

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

آیاتِ قرآنی

1- ولو انھم رضوا ما اتھم اللّٰہ ورسولہ وقالو حسبنا اللّٰہ سیوتینا اللّٰہ من فضلہ

ورسوله (توبہ:59)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوجاتے اسی پر جو دیا ان کو اللّٰہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللّٰہ وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔'' (ص: 253) اسی صفحے پر حاشیہ میں شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: ''اور جو ظاہری و باطنی دولت خدا و رسول ﷺ کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو۔''

(حمائل شریف مترجم ومحشی، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور، 1355ھ)

جناب اشرف علی تھانوی یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ان کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ ان کو اللّٰہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہم کو اللّٰہ کافی ہے آئندہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسول (ﷺ) دیں گے۔''

(ص403، بیان القرآن)

2- **ومانقموا الا ان اغنھم اللّٰہ ورسوله من فضله** (توبہ: 74)

ترجمہ از جناب محمود حسن: ''اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولت مند کردیا ان کو اللّٰہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے اپنے فضل سے۔'' (ص: 257)

3- **وسیری اللّٰہ عملکم ورسوله** (توبہ: 94) (ترجمہ) اور ابھی دیکھے گا اللّٰہ تمھارے کام اور اس کا رسول۔'' (ص: 261)

4- **واعلموا ان فیکم رسول اللّٰہ** (الحجرات: 7)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور جان رکھو تم میں رسول اللّٰہ ہیں۔'' (بیان القرآن)

5- **واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللّٰہ** (المنافقون: 5)

ترجمہ از جناب محمود حسن: ''اور جب کہیے ان کو آؤ معاف کرادے تم کو رسول اللّٰہ کا۔'' حاشیہ میں عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''آؤ رسول اللّٰہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اللّٰہ سے اپنا قصور معاف کرالو، حضور کے استغفار کی برکت سے حق تعالیٰ تمھاری خطا معاف فرمادے گا۔'' (ص: 719)

6- **انا اعطینک الکوثر** (الکوثر: 1)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔'' اور حاشیہ میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں اور اس خیر کثیر میں وہ حوض بھی داخل ہے جو اس نام سے مشہور ہے۔''　　(بیان القرآن، ص 1157)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''کوثر کے معنی ''خیر کثیر'' کے ہیں یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری...... اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسّی و معنوی نعمتیں داخل ہیں۔'' (ص788، حاشیۂ قرآن، مطبوعہ بجنور)

7- **ویکون الرسول علیکم شھیدا** (بقرہ:143)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیو بندی: ''اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔'' حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمھارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلے میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیے جاؤ اور محمد رسول اللّٰہ ﷺ تمھاری عدالت وصداقت کی گواہی دیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوی کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی اس وقت آپ (ﷺ) کی امت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللّٰہ ﷺ جو اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے۔'' (ص27، حاشیۂ قرآن، مطبوعہ بجنور)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''اور ہووے گا یہ رسول تمھارے لیے گواہ...... کیوں کہ رسول بسبب نور نبوت کے ہر شخص کی دیانت اور امانت کا درجہ بخوبی جانتا ہے کہ کس درجہ تک نور ایمان ان کا پہنچا ہے اور کون سا امر یعنی پردہ ترقی سے مانع ہوا ہے اسی لیے جو مناقب کہ صحابہ کرام اور بعض تابعین اور امام مہدی وغیرہ حاضرین و غائبین کے بیان فرمائے ہیں اور جو معائب حاضرین و غائبین کے فرماے ہیں وہ سب واجب الیقین ہیں ...... معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ رسول گواہ ہے تمھارے لیے اس طور پر کہ واقف ہے تمھارے احوال پر۔''

(ص850، 853 / 2، تفسیر عزیزی مترجم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

8۔ **یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا. وداعیاً الی اللّٰہ باذنہ وسراجا منیرا** (احزاب:45، 46)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللّٰہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔'' حاشیہ میں تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''(حضور ﷺ کو خطاب ہے کہ) اے نبی (صلی اللّٰہ علیک وسلم) (آپ مثتے چند

معترضین کے طعن سے مغموم نہ ہوں اگر یہ سفہاء آپ کو نہ جانیں تو کیا ہوا ہم نے تو ان بڑی بڑی نعمتوں اور رحمتوں کا جو کہ خطاب مومنین میں مذکورہ ہوئی ہیں آپ ہی کو واسطہ بنایا ہے اور آپ کے مخالفین کی سزا کے لیے خود آپ کا بیان کافی قرار دیا گیا ہے کہ ان کے مقابلہ میں آپ سے ثبوت نہ لیا جاوے گا پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ مقبول و محبوب ہیں چناں چہ) ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (قیامت کے روز امت کے اعتبار سے خود سرکاری) گواہ ہوں گے (کہ آپ کے بیان کے موافق ان کا فیصلہ ہوگا **کما قال انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم** اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کا اکرام اور علو شان ہے اس علو شان کا تو قیامت کے روز ظہور ہوگا) اور (دنیا میں جو آپ کی صفات کمال ظاہر ہیں...... (کہ آپ کی ہر حالت طالبان انوار کے لیے سرمایۂ ہدایت ہے پس قیامت میں ان مومنین پر جو کچھ رحمت ہوگی وہ آپ ہی کی ان صفات بشیر و نذیر و داعی و سراج منیر کے واسطہ سے ہے...... ف احقر کے نزدیک چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے پھر سہل الحصول ہے پھر اس سے نور حاصل کرنے میں اکتساب اور قصد کو بھی دخل ہے پھر صحیح المزاج و صحیح البدن آدمی کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں پھر اس میں شان انیس ہونے کی بھی ہے اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے اور بعض نے **سراجا منیرا** سے آفتاب مراد لیا ہے کہ **قولہ تعالیٰ وجعل فیھا سراجا** اھ **ولکل وجھۃ ربط** اوپر من جملہ انواع جلالت شان نبوی کے من جملہ اعظم مقاصد سورت ہے۔"

(بیان القرآن، ص 829)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: "پہلے جو فرمایا تھا کہ اللّٰہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورہ "نوح" میں فرمایا "**وجعل القمر فیھن نور او جعل الشمس سراجا**" (اللّٰہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہوگئیں۔" (ص 550، حاشیہ قرآن)

9- **انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم** (مزمل: 15)

ترجمہ از اشرف علی تھانوی: ''بے شک ہم نے تمھارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دیں گے۔'' (ص 1105)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''ہم نے بھیجا تمھاری طرف رسول بتلانے والا تمھاری باتوں کا۔'' حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی یہ پیغمبر اللہ کے ہاں گواہی دے گا کہ کس نے اس کا کہنا مانا اور کس نے نہیں مانا تھا۔'' (ص 746)

10- یا ایھالناس قد جاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا (النساء: 174)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اے لوگو یقیناً تمھارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے۔'' حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اے (تمام) لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک (کافی) دلیل آچکی ہے (وہ ذات مبارک ہے رسول اللہ ﷺ کی) اور ہم نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے (وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتلایا جائے وہ سب حق ہے)۔''
(بیان القرآن، ص 217)

11- فلنولینک قبلۃ ترضھا (البقرہ: 144)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے۔'' حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اور یہ طرز مسرت انگیز اس مقام کے کہ اس میں ایک حکم کی بنا آپ کی رضا پر بیان کی گئی ہے زیادہ مناسب ہے۔ (مراد یہ ہے کہ من جملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم اور یہ مراد نہیں کہ یہاں کوئی دوسرا حکم مذکور ہے)۔ حاصل اس حکمت کا یہ ہوا کہ ہم کو آپ کی خوشی منظور تھی اور آپ کی خوشی کعبہ کے قبلہ مقرر ہونے میں دیکھی اس لیے اسی کو قبلہ مقرر کردیا۔'' (ص 46)

12۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ. ولسوف یعطیک ربک فترضی (ضحیٰ:45)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔'' حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی آپ ﷺ کی پچھلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقا کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا جب کہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و

اکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔ یعنی ناراض اور بیزار ہوکر چھوڑ دینا کیسا، ابھی تو تیرا رب تجھ کو (دنیا و آخرت میں) اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہوجائے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ محمد راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (ﷺ)۔'' (ص 778، حاشیہ قرآن)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''چناں چہ **وللاخرۃ خیر لک من الاولی** اور بے شک پچھلی ہر حالت بہتر ہے تیرے واسطے اگلی معاملت سے یہاں تک کہ تیری بشریت اصلا نہ رہے گی اور نورحق کا غلبہ ہمیشہ تجھ پر رہا کرے گا اور اگر آخرت کو بعد الموت کے احوال پر خیال کریں تو بھی بجا ہے آخرت کے دن آں حضرت ﷺ کی سرداری کا مرتبہ اور ان کی طرف سارے عالم کا رجوع لانا اور ان کی مبارک ذات کے چشمے سے بخشش اور فیض الٰہی کا جاری ہونا نہایت زور شور اور اوج موج میں ہوگا یہاں تک کہ قیامت کے دن سب اگلے پچھلے لوگ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے اور ان کے جھنڈے کے تلے چھاؤں میں آرام پاویں گے اور ان کے حوض کوثر کے پانی سے سیراب ہوں گے اور مراتب اور مکانات بانٹ دینا ان ہی سے ہوگا یعنی جس کو جس لائق دیکھیں گے ویسے اس کو مرتبے اور منزلیں تقسیم کردیں گے اور **ربک** کے لفظ میں آں حضرت ﷺ کو بڑی تسلی ہے یعنی کہاں ہوسکتا ہے کہ جس خاوند (خداوند) نے تم کو اس مرتبے سے پرورش کیا ہو اور اپنی طرح بطرح کی تربیتیں تمھارے حق میں عنایت فرمائی ہوں اس حد تک کہ اپنے نور کی تجلی بے واسطہ اور بے وسیلہ کسی مرشد اور پیغمبر کے تمھاری روح مبارک پر نازل کی ہو وہ تم کو چھوڑے اور جدا کرے یہ بات مجازی خاوندوں سے بھی بعید ہے چناں چہ مشہور ہے کہ اپنے نوازے اور سرفراز کیے ہوئے کو گرایا نہ چاہیے تو اس حقیقی خاوند کی کیا بات کہ جو ہر چیز کے پیدا ہونے کے پیش تر اس کے حوصلے اور اس کے عمل سمجھ بوجھ کر ہر ایک کو کسی مرتبہ اور منصب سے مختار اور مخصوص کرتا ہے...... **ولسوف یعطیک ربک فترضی** یعنی اور بے شک اور دیوے گا تجھ کو پروردگار تیرا اس قدر کہ تو راضی ہوگا اور اس سے تیری استعداد اور حوصلے کا جام بھرپور ہوجاوے گا اور کچھ آرزو اور خواہش باقی نہ رہے گی اور یہ وعدہ نہایت وسعت اور فراخی رکھتا ہے خصوصاً وہ مخاطب یعنی وہ پیغمبر جن کو وعدہ دیا ہے ایسے پیغمبر عالی شان ہیں ان کے حوصلے اور استعداد پر نظر کرکے دیکھا چاہیے کہ کس قدر اور کیسا کیا اتنی بخششیں اور عنایتیں ان کو دی جاویں گی تا محظوظ اور خوشنود ہوویں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول

اکرم ﷺ اصحابوں سے بولے کہ میں ہر گز راضی نہیں ہونے کا جب تک کہ اپنی امت سے ایک ایک آدمی کو بہشت میں داخل نہ کروں گا اور اس جناب رسالت مآب کے حق میں ان کی روح مبارک پیدا ہونے کی ابتداء سے بہشت میں داخل ہونے تک جو جوالٰہی بخششیں اور عنایتیں عطا ہوئی ہیں اور ہوتی ہیں اور ہوویں گی سو قیاس کے احاطے سے اور بیان کرنے کی حد سے باہر ہیں ان میں سے کچھ مجمل اور خلاصہ بیان کرنے میں آتا ہے سمجھا چاہیے کہ جب کوئی کسی کو اپنے وسیلے رکھنے والوں سے اپنا پیارا اور محبوب کرتا ہے تو اس کو بہت چیزوں سے پوشاک میں سواری میں بیٹھنے کی جگہ میں اور اس سوا اور احوال میں ممتاز فرماتا ہے تا اُس کا پیارا اپنا اور محبوبیت خاص و عام کی نظر میں جلوہ گر ہو جاوے اور آں حضرت ﷺ کو جو خصوصیتیں جناب اقدس الٰہی سے حاصل ہوئی ہیں سو دو قسم کی ہیں۔ پہلی وہ ہے جس میں پیغمبر بھی شریک ہیں لیکن آں حضرت ﷺ کو وہ نعمت سب سے آگے اور ان سب سے زیادہ دی ہے اس سبب سے ان کو سب سے ممتاز فرمایا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ان ہی کو مخصوص ہے اور خاصہ ان ہی کا ہے دوسرے کسی کو اس میں شراکت اور بہرہ نہیں اور یہاں مختصر کرنے کے سبب ان دونوں قسموں سے باہم ملا کے کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں تا کہ اس آیت کے معنی بہت اچھی طرح سے سننے والوں کے ذہن میں گزریں اور دل نشین ہوویں ان خصوصیتوں سے جو رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک میں تھیں ایک یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا دیکھتے تھے جیسے روبرو اور رات کے وقت اور اندھیرے میں ایسا دیکھتے تھے جیسا دن کو اور روشنی میں اور آں حضرت ﷺ کے منھ مبارک کا لعاب کھاری پانی کو میٹھا کرتا تھا اور شیر خورے بچوں کو اپنے منھ کے لعاب سے ایک قطرہ چکھاتے تھے تو وہ بچے سارا دن پیٹ بھرے رہتے تھے دن بھر دودھ طلب نہ کرتے تھے چناں چہ عاشورے کے دن اہل بیت کے بچوں سے تجربہ ہوا ہے اور آں حضرت ﷺ کی بغلیں سفید رنگ اجلی شفاف تھیں ان میں اصلا بال کا نام نہ تھا اور آں حضرت ﷺ کی آواز اتنی دور جاتی تھی جو اوروں کی آواز اس کے دسویں حصے تک نہ جاتی تھی اور آپ کی آواز اتنی دور سے سنتے تھے جو اوروں کی آواز اس پلّے سے نہ سن سکتے تھے اور آں حضرت ﷺ کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور دل جاگتا رہتا تھا اور آں حضرت ﷺ کو ساری عمر میں جمھائی نہ آئی اور کبھی احتلام نہ ہوا اور ان کے بدن مبارک کا پسینہ مشک سے بہت خوش بو دار تھا یہاں تک کہ اگر کسی راستے سے تشریف لے جاتے تو لوگ ان کے پسینے کی خوش بو کے سبب سے جو اس ہوا میں پھیل رہتی تھی معلوم کرتے تھے کہ آں حضرت ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں

اور کسی آدمی نے ان کے جھاڑے (بول و براز) کو زمین پر نہ دیکھا تھا زمین پھٹ کر نگل لیتی تھی اور اس جگہ سے مشک کی خوش بو نکلتی تھی اور آں حضرت ﷺ تولد کے وقت ختنہ کیے ہوئے ناف کٹے ہوئے اور پاک صاف کہ اصلا ان کے بدن مبارک پر پلیدی کا اثر نہ تھا پیدا ہوئے اور زمین پر سجدہ کرتے ہوئے اور اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے آئے اور ان کے تولد کے وقت ایک نور چمکا اور ایسی روشنی ہوئی جو ان کی ماں کو اس روشنی کے سبب سے شام کے شہر نظر آئے اور فرشتے ان کا جھولا جھلاتے تھے اور چاند ان کے ساتھ بچپن کے وقت جھولے میں باتیں کرتا تھا اور جب اس کو اشارہ کرتے تو ان کی طرف جھکتا تھا اور بارہا جھولے میں جھولتے کلام کیا ہے اور بادل ان پر ہمیشہ دھوپ کے وقت سایہ کرتا تھا اور اگر جھاڑ (درخت) کے تلے آتے جھاڑ کا سایہ ان کی طرف متوجہ ہوتا تھا اور ان کا سایہ زمین پر گرتا نہ تھا اور ان کی پوشاک پر مکھی نہ بیٹھی تھی اور اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وہ جانور آپ کی سواری کی مدت تک لید اور پیشاب نہ کرتا تھا اور عالم ارواح میں جو اول پیدا ہوا سو آپ تھے اور پہلے جس نے الست بربکم کے جواب میں بلٰی کہا سو بھی آپ تھے اور معراج اور براق کی سواری بھی مخصوص آپ کو تھی اور آسمان پر جانا اور قاب قوسین تک پہنچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا اور فرشتوں کو ان کی فوج اور سپاہ بنانا کہ لشکر کی طرح ان کے ہمراہ ہو کر لڑے یہ بھی خاصہ ان ہی کا ہے اور چاند کا دو ٹکڑے کرنا اور دوسرے عجائب معجزے بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اور قیامت کے دن جتنا ان کو ملے گا اتنا کسی اور کو نہ ملے گا اور جو پہلے قبر سے اٹھے گا سو بھی آپ ہوں گے اور جو پہلے بے ہوشی سے ہشیار ہوگا سو بھی آپ ہوں گے اور ان ہی کو حشر میں براق پر لاویں گے اور ستر ہزار فرشتے ان کے چوگرد ہوں گے اور ان ہی کو عرش عظیم کے داہنی طرف کرسی پر بٹھائیں گے اور مقام محمود سے مشرف کریں گے اور لواء الحمد یعنی الحمد کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیویں گے حضرت آدم اور ان کی تمام اولاد اس جھنڈے کے تلے ہوں گے اور سارے انبیاء اپنی امتوں سمیت ان ہی کے پیچھے چلیں گے اور پروردگار کا دیدار دیکھنا پہلے ان ہی سے شروع ہوگا اور ان ہی کو شفاعت عظمٰی سے مخصوص کریں گے اور پلِ صراط پر جو پہلے گزر کرے گا سو آپ ہی ہوں گے اور محشر کے ساری خلائق کو حکم ہوگا کہ اپنی آنکھیں بند کر لو تا ان کی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پل صراط سے تشریف لے جاویں اور پہلے جو بہشت کا دروازہ کھولے گا سو آپ ہوں گے اور ان ہی کو قیامت کے وسیلے کے مرتبے سے مشرف کریں گے اور وہ وسیلہ ایک ایسا نہایت بلند مرتبہ ہے جو مخلوقات سے کسی کو میسر نہ ہوا اور اس

کی حقیقت یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ قیامت کے دن جناب الٰہی سے قرب و منزلت میں ایسے ہوں گے جیسے وزیر بادشاہ سے اور آں حضرت ﷺ سب شریعتوں میں جن چیزوں سے مخصوص ہیں سو بہت ہیں ان کی گنتی طول وطویل ہے ان میں سے یہ ہے کہ ان کو کافروں کی غنیمت کا مال حلال کیا، اور ان کے واسطے زمین کو مسجد بنادیا یعنی جس جگہ چاہیں نماز پڑھیں اور ان کے واسطے زمین کی مٹی کو پاک کرنے والی کیا اور پانچ وقتوں کی نماز اور وضو اس طریق سے اور اذان، اقامت اور سورۂ الحمد اور آمین اور جمعہ کا روز اور قبولیت کی ساعت جو جمعہ کے روز میں ہے اور رمضان شریف اور شب قدر کی برکتیں کہ یہ سب ان ہی کے واسطے مخصوص ہیں اور یہ خصوصیتیں دریافت کرنے کو ظاہر نظر پہنچتی ہے اور آپ کی وے خصوصیتیں جو باطنی مراتب کے بموجب ہیں اور وہ انوار اور وہ تجلیات جو روز بروز بڑھتے اور زیادہ ہوجاتے جاتے ہیں اور وہ احوالات اور مقامات جو ان کے امتیوں کو ان کی پیروی اور فرماں برداری کرنے کے طفیل حاصل ہوئے اور ہوتے ہیں اور قیامت تک حاصل ہوں گے اور وہ علوم اور عرفان جو ان کو عطا ہوئے ہیں سو بے انتہا ہیں اور اس ولسوف کی آیت میں، ان سب چیزوں کا اشارہ ہے یعنی یہ سب نعمتیں ملیں گی اس واسطے عطا کو خاص نہ کیا یعنی یہ کچھ اور اتنا کچھ نہ فرمایا۔'' (تفسیر عزیزی مترجم، ص 358 تا 363 / 4)

13- سورہ الم نشرح

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''جو نعمتیں کہ حق تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو عنایت فرمائی ہیں دو قسم کی نعمتیں ہیں جو ظاہر آپ میں پائی جاتی تھیں اور سب عام و خاص ان کو جانتے تھے اور دیکھتے تھے۔ اور دوسری قسم کی نعمتیں ایسی تھیں کہ عوام کی نظر سے بلکہ خواص کی نظر سے بھی پوشیدہ تھیں سو ان دونوں قسموں کی نعمتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا ضرور تھا اسی واسطے حق تعالیٰ نے اول قسم کو والضحیٰ میں اور دوسری قسم کو اس سورۃ میں بیان فرمایا تاکہ کسی طرح کا اس بات میں شبہ اور دھوکا باقی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ وے نعمتیں کے آں حضرت ﷺ کے واسطے خاص تھیں ان کی دو قسمیں تھیں پہلی وہ قسم جو آپ کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری قسم وہ جو آپ کے باطن سے علاقہ رکھتی تھی سو سورۂ والضحیٰ میں پہلی قسم کا بیان منظور ہوا اور اس سورۃ میں دوسری قسم کا تو گویا ایک سورۃ آں حضرت ﷺ کے خصوصیات ظاہری کے بیان میں ہے اور دوسری سورۃ آں حضرت ﷺ کے خصوصیات باطنی کے شمار میں ہے اور ظاہر اور باطن میں جو فرق ہے سو اظہر من الشمس ہے اور اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب بعضے مفسروں نے ایسا بیان کیا ہے کہ ایک

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

دن رسول اکرم ﷺ نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کا مرتبہ بخشا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیمی کے خلعت سے نوازا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا لوہا اور پہاڑوں کو فرماں بردار کر کے ممتاز کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں اور آدمیوں کی سلطنت دے کر اور آگ اور ہوا کو ان کا فرمان بردار کر کے سرفراز کیا میرے واسطے کون سی چیز خاص کی تو نے؟ اس سوال کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل کی اور ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال معراج کے ہونے سے پہلے ہوا ہو، اِس واسطے کے بعد معراج کے ایسی نعمتیں مخصوص جناب رسالت مآب ﷺ کو عنایت ہوئیں کہ کسی نبی کو انبیاؤں سے عشر عشیر اس کا حاصل نہ ہوا تھا اور سورۂ الم نشرح کے نکتوں (یعنی باریک باتوں کے) سے ایک یہ بھی ہے کہ آں حضرت ﷺ کو حق تعالیٰ نے یہ مرتبہ یعنی شرح صدر کا بدون طلب کرنے کے عنایت فرمایا اور موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کو باوجود طلب کرنے کے جناب الٰہی سے کہ رب اشرح لی صدری تو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا بموجب ہندی مصرع کے ع بن مانگے موتی ملیں مانگے نہ ملے نہ بھیک۔ چناں چہ اس قصے سے جو ان سے اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام سے واقع ہوا تھا یعنی داڑھی کا کھینچنا بڑے بھائی کی یہ بات ظاہر ہے جو اپنے مقام پر مفصل بیان ہوگا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جو کام حق تعالیٰ کی عنایت سے بے چاہے اور بے درخواست آدمی کے ہوتا ہے اس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اس کام سے جو آدمی کے طلب کرنے سے ہوتا ہے اور اس سورۃ کا نام سورۂ الم نشرح اس واسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ کا مضمون کلام محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصل اور جڑ پر قرار واقعی دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ اس کمال کی حقیقت یہی ہے کہ آں حضرت ﷺ کا صدر معنوی جس کی تفصیل آگے آتی ہے کشادہ اور وسیع ہو کہ تجلیات الٰہی کی روشنیوں سے پُر ہوجاوے۔" 　(تفسیر عزیزی مترجم، ص 375 تا 376 / 4)

مزید فرماتے ہیں: "علی الخصوص شرح صدر مصطفوی کو کہ کسی بشر کو ممکن نہیں ہے کہ قرار واقعی اس کو دریافت کرسکے اس واسطے کہ آپ کے کمال کا مرتبہ کہ نبوت کا خاتمہ ہے کسی کو حاصل نہیں ہے تو آپ کے مرتبے کی پہچان بھی کسی کو حاصل نہ ہوگی۔ ولنعم ماقیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے۔ قطعہ:

یاصاحب الجمال ویا سیّد البشر　　　　من وجھک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ　　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی اے صاحب جمال اور اے سردار آدمیوں کے تیرے چہرۂ روشن سے تحقیق روشن ہوا ہے چاند۔ نہیں ممکن ہے تعریف کرنا جیسا کہ لائق ہے ان کے۔ بعد خدا کے بزرگ تو ہی ہے قصہ کوتاہ"۔ (تفسیر عزیزی مترجم، ص 378 / 4)

''ورفعنا لک ذکرک

اور بلند کیا ہم نے تیرے واسطے کو ذکر تیرا یعنی جب ان مرتبوں کے کمالوں کی جمعیت تجھ کو حاصل ہوئی کہ اُلوہیت کے مرتبے کا ظل اور سایہ ٹھہرا اور اس جمعیت کے ساتھ منفرد اور طاق ہوا تو اب تیرا ذکر حق تعالیٰ کو ذکر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ اللّٰہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے یا کہتے ہیں کہ اللّٰہ اور رسول کا ایسا حکم ہے کہ اس کی فرماں برداری واجب ہے اور اسی پر اور باتیں قیاس کرلیا چاہیے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آں حضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے ذکر کو کس طرح سے بلند کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ تمھارے ذکر کو حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے نزدیک کیا ہے اذان میں اور تکبیر میں اور التحیات میں اور خطبے میں اور کلمہ طیب میں اور کلمہ شہادت میں اور فرماں برداری کے کام میں جیسے کہ **اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول** اور گناہ کی حرمت میں جیسے کہ **ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خلدین فیھا ابدا** اب جاننا چاہیے کہ جس جگہ ذکر حق تعالیٰ کا ہے اس جگہ رسول اللّٰہ کا بھی ذکر ہے"۔ (تفسیری عزیزی مترجم، ص 389 / 4)

جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم وحلم سے) کشادہ نہیں کردیا (یعنی علم بھی وسیع عطا فرمایا)...... اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا (یعنی اکثر جگہ شریعت میں اللّٰہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک مقرون کیا گیا ہے **کذا فی الدر المنثور مرفوعا قال اللّٰہ تعالیٰ اذا ذکرت ذکرت معی** جیسے خطبہ میں تشہد میں نماز میں اور اللّٰہ کے نام کی رفعت اور شہرت ظاہر ہے پس جو اس کے قرین ہوگا رفعت وشہرت میں وہ بھی تابع ہوگا۔" (ص 1145، بیان القرآن)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی پیغمبروں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے۔ دنیا میں تمام سمجھ دار انسان نہایت عزت ووقعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ اذان، اقامت، خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللّٰہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے اور خدا نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرماں برداری کی تاکید کی ہے۔"

(ص779، حاشیۂ قرآن)

14- وتعز روہ و توقروہ (الفتح:9)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔'' حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اوپر جن نعمتوں کا مسلمانوں پر ذکر تھا چوں کہ معطی حقیقی ان کا حق تعالیٰ ہے اور واسطہ عطا جناب رسول اللہ ﷺ ہیں، آگے اللہ و رسول کے حقوق کا اور ان حقوق کے بجا لانے والوں کی فضیلت کا اور نہ بجا لانے والوں کی مذمت کا بیان ہے۔ (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو (اعمال امت پر قیامت کے دن) گواہی دینے والا (عموماً) اور (دنیا میں خصوصاً مسلمانوں کے لیے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لیے) ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے (اور اے مسلمانو ہم نے ان کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے) تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔'' (ص 986، بیان القرآن)

15- النبی اولی بالمومنین من انفسھم (احزاب:6)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''نبی (ﷺ) مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔'' (ص 816، بیان القرآن)

جناب محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں: ''آیۃ کریمہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم کی کل تین تفسیریں ہیں۔ ایک اقرب الی المومنین من انفسھم. دوسری احب الی المومنین من انفسھم. تیسری اولی بالتصرف فی المومنین من انفسھم.''

(آب حیات، ص 127، مطبوعہ مطبع قدیمی، دہلی، 1355ھ)

اس سے پہلے صفحہ 126 پر لکھتے ہیں: ''اقربیت مذکورہ اس بات کو مقتضی ہے کہ حضرت سرور عالم صلعم (ﷺ) بہ نسبت ارواح مومنین اولی بالتصرف من انفسھم ہوں اس لیے کہ تصرف کے لیے مالکیت ضرور ہے اور بوجہ اقربیت مذکورہ اور امور انتزاعیہ مسطورہ رسول اللہ صلعم (ﷺ) مالک ارواح ہوں گے ارواح خود اپنی مالک نہ ہوں گی۔''

''معتقدان دین اسلام کو اس میں تامل نہ ہوگا کہ ہر نوع کے علوم میں خصوصاً معرفت ذات وصفات وتجلیات وعلوم اسرار شریعت وطریقت ومبداء ومعاد میں رسول اللہ صلعم (ﷺ) کا وہ رتبہ ہے کہ دیدۂ وہم وخیال اہل کمال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا چہ جائے کہ آپ ان علوم سے مبرا ومعرا ہوں۔'' (ص 124)

''اولی کے صلہ میں اس آیت میں لفظ من انفسھم واقع ہے اور من انفسھم کی ضمیر مومنین

کی طرف راجع ہے تو اب یہ معنی ہوئے کہ رسول اللہ صلعم (ﷺ) مومنین کی نسبت ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" (ص 84)

"النبی اولی بالمومنین من انفسھم جس کے معنی یہ ہیں کہ نبی زیادہ نزدیک ہے مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے اعنی ان کی جانیں ان سے اتنی نزدیک نہیں جتنا نبی ان سے نزدیک ہے اصل معنی اولی کے اقرب ہیں اور جس کسی نے احب اور اولی بالتصرف اس کی تفسیر میں کہا ہے وہ اس کے مخالف نہیں اور اس قسم کی اقربیت کو احبیت اور اولی بالتصرف ہونا لازم ہے علت محبوبیت اور اولویت تصرف یہی اقربیت ہے۔" (ص 58)

یہی نانوتوی صاحب اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیوں کہ اولی بمعنی اقرب ہے اور اگر بمعنی احب یا اولی بالتصرف ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی کیوں کہ احبیت اور اولویت بالتصرف کے لیے اقربیت تو وجہ ہوسکتی ہے پر بالعکس نہیں ہوسکتا۔"

(ص 10، مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند)

جناب شبیر احمد عثانی لکھتے ہیں: "مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بنا بریں مومن (من حیث ھو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیش تر اس کو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے...... پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: کہ نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے دے تو فرض ہوجائے۔"

(ص 542۔543، حاشیہ قرآن)

16- وما کان لمومن ولامومنة اذاقضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسوله فقد ضل ضللا مبینا (احزاب: 36)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو ان کے اس کام میں

کوئی اختیار رہے گا اور جو شخص اللّٰہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔"
حاشیہ میں لکھتے ہیں: "گو وہ دنیا ہی کی بات کیوں نہ ہو...... یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ خواہ کریں یا نہ کریں بلکہ عمل ہی کرنا واجب ہوتا ہے اور جو شخص (بعد حکم و جوبی کے) اللّٰہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔　　(ص 827، بیان القرآن)

17- من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ　　(النساء: 80)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: "جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللّٰہ کا۔"
حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: "آپ کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا وہ بے شک ہمارا تابع دار ہے۔" (ص 116)

18- فلاوربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء: 65)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیو بندی: "سو قسم ہے تمھارے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں۔ اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے۔ پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے۔" حاشیہ میں عثمانی صاحب لکھتے ہیں: "یعنی منافق لوگ کس بے ہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بے ہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ مان لیں گے کہ تمھارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمھارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کرلیں گے اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہوسکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔"

(ص 113، حاشیہ قرآن)

19- وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم (توبہ: 103)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیو بندی: "اور دعا دے ان کو بے شک تیری دعا ان کے لیے تسکین ہے۔" حاشیہ میں جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: "صدقہ کرنے والوں کو حضور دعائیں دیتے تھے جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی۔ اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ

لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کے لیے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ ''صلوٰۃ'' کا استعمال نہ کرے جو حضور کا مخصوص حق تھا۔'' (ص 263، حاشیہ قرآن)

20- **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآء وک فاستغفروالله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما** (النساء: 64)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور اگر وہ لوگ جس وقت انھوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللّٰہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللّٰہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔'' (ص 113)

جناب محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں: ''کیوں کہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیوں کہ ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی مقصود ہے کہ آپ (ﷺ) قبر میں زندہ ہوں اور اگر اہل عصر ہی کے ساتھ یہ فضیلت مخصوص تھی تو آیۃ **النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم** کے دونوں جملے جدی جدی (جدا جدا) آپ (ﷺ) کی حیات پر ایسی دلالت کرتے ہیں کہ ان شاء اللّٰہ قرآن کے ماننے والوں کو تو گنجائش انکار رہتی نہیں۔'' (آب حیات، ص 40)

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: ''اور جاؤک (آپ کے پاس آتے) یہ عام ہے خواہ حیات میں ہو یا بعد الممات ہو۔'' (میلاد النبی ﷺ، ص 145)

21- **ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث** (الاعراف: 157)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ (ص 351)

22- **ولايحرمون ماحرم الله ورسوله** (توبہ: 29)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے۔'' (ص 394)

''اسلام اور عقلیات'' (مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور، 1977ء) کے ص 94 پر جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''**عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ما امرتكم به فخذوه وما نهيتكم عنه فانتهو** (ابن ماجہ جلد 1) یعنی فرمایا جناب رسول اللّٰہ ﷺ نے کہ جس

بات میں تم کو حکم دوں اس کو کرو اور جس بات سے منع کروں اس سے باز رہو...... یہ اوامر و نواہی علاوہ تصریحات قرآنی کے ہیں۔

حدیث جو بہت صریح ہے **عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول اللہ ﷺ قال: یوشک الرجل متکئا علی اریکته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول: بیننا وبینکم کتاب اللہ عزوجل، فما وجدنا فیه من حلال استحللناہ، وما وجدنا فیه من حرام حرمناہ، الاوان ماحرم رسول اللہ ﷺ مثل ما حرم اللہ**☆ (رواہ ابن ماجہ) مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے کہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی اپنی مسند پر اکڑ کر بیٹھا ہُوا ہو اور اس کے سامنے میری کوئی حدیث بھی جاوے تو وہ یوں کہنے لگے کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ (قرآن) موجود ہے۔ ہم جو چیز اس میں حلال پائیں گے اس کو حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اس کو حرام سمجھیں گے۔ آگاہ ہونا چاہیے کہ جس چیز کو اللہ کے رسول (ﷺ) نے حرام کیا وہ بھی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے۔"

کتاب "فضائل حج" (مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی) میں جناب محمد زکریا کاندھلوی حدیث نقل کرتے ہیں: "حضور (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کے دونوں جانب جو کنکریلی زمین ہے اس کے درمیانی حصہ کو مَیں حرام قرار دیتا ہوں...... جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرلے گا مَیں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ بنوں گا۔
ف اس حدیث شریف میں کئی مضمون ہیں اور ہر مضمون بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوا ہے۔ اول یہ ہے کہ مَیں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ مدینہ منورہ کے دونوں جانب پتھریلی زمین ہے ان دونوں کے درمیانی حصے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مدینہ اور اس کے قریب کی زمین کو حرام قرار دیتا ہوں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے حضور (ﷺ) کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جبل عیر اور جبلِ ثور کے درمیانی حصہ کو حرام قرار دیتا ہوں...... حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جگہ محترم اور حرم کے حکم میں ہے نہ اس جگہ شکار کیا جائے نہ یہاں کا خودرَو گھاس کاٹا جائے جیسا کہ مکہ مکرمہ کے حرم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں ایسے ہی حضور اکرم ﷺ نے یہاں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔"

☆۔ تھانوی صاحب کی مطبوعہ کتاب میں اس حدیث کی کتابت درست نہیں تھی، اس فقیر نے اس حدیث کے صحیح متن کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ میں اس حدیث کا نمبر 12 ہے۔ (کوکب غفرلہ)

''سفارشی یا گواہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''بعض روایات میں ''یا'' کے بجائے ''اور'' کا لفظ آیا ہے کہ مَیں ان کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ اس روایت کے مطابق سب کے لیے دونوں چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ سفارش اور شہادت جو ان حضرات کے لیے ہوگی وہ عام مومنین کے لیے سفارش اور شہادت کے علاوہ خصوصی ہوگی جو اہلِ مدینہ کے اعزاز و اکرام پر دلالت کرتی ہے......'' (ص 211، 216)

23۔ وان لک لاجرا غیر ممنون. وانک لعلی خلق عظیم (القلم: 3، 4)

(ترجمہ از محمود حسن) اور تیرے واسطے بدلا ہے، بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر۔ حاشیہ میں شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے لیے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کر ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی ...... ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کو حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجمالی عقیدہ کے تسلیم کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے، آپ غم گین نہ ہوں۔ ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے اس کا بے انتہا اجر وثواب آپ کو یقیناً ملنے والا ہے ...... پھر جس کا مرتبہ اللّٰہ کے ہاں اتنا بڑا ہو اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پروا ہونی چاہیے ...... اللّٰہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جاسکتا ہے...... آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تصویر۔ قرآن جس نیکی جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً مورجود، اور جس بدی وزشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بے زار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پاتی۔ (ص: 732، مطبوعہ بجنور) اسی صفحے پر عثمانی صاحب لکھتے ہیں جس ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے، اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہوسکتا ہے...... (ص: 732)۔ معترضین سے عرض ہے کہ ''تفسیر عزیزی'' مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی میں سورۂ نون والقلم کی ابتدائی آیات کی تفسیر

ضرور ملاحظہ کریں۔

24- عسی ان ینفعنا (یوسف:21)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''کیا عجب ہے کہ ہمارے کام آوے۔'' حاشیہ: ''جیسا پروردہ لوگ اپنے کام آیا کرتے ہیں۔'' (ص 479، بیان القرآن)

25- عسی ان ینفعنا (القصص:9)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے۔''

26- والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس (البقرہ:164)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور جہازوں میں جو کہ سمندروں میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر۔'' (ص 51، بیان القرآن)

27- والانعام خلقها لکم فیها دف ء ومنافع ومنها تاکلون (النحل:5)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمھارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔'' حاشیہ: ''چناں چہ بعضے جانوروں کی کھال کا پوستین اور بال کا کمبل بنتا ہے، کسی کا دودھ پیا جاتا ہے، کسی پر سوار ہوتے ہیں کوئی ہل میں چلایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔'' (ص 533)

28- ولکم فیها منافع کثیرة ومنها تاکلون (المومنون:21)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''اور تمھارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کہاتے بھی ہو۔'' حاشیہ: ''کہ ان کے بال اور اُون کام آتی ہے، بار برداری کے قابل ہیں......طور کی تخصیص زیتون کے ساتھ بوجہ کثرت منافع کے ہے۔'' (ص673، بیان القرآن)

29- ولهم فیها منافع ومشارب افلا یشکرون (یٰس:73)

ترجمہ از جناب تھانوی: ''اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے۔'' حاشیہ: ''ان کے کام میں لانے سے کام دیتے ہیں، بال کھال ہڈی وغیرہ مختلف طریقوں سے استعمال میں آتے ہیں ......'' (ص 869، بیان القرآن)

30- ولکم فیها منافع ولتبلغوا علیها حاجة فی صدورکم (مومن:80)

ترجمہ از جناب تھانوی: ''اور تمھارے لیے ان میں اور بھی بہت فائدے ہیں اور تا کہ تم

ان پر اپنے مطلب تک پہنچو جو تمھارے دلوں میں ہے۔" حاشیہ: "جیسے کسی سے ملنے جانا تجارت کے لیے جانا وغیرہ وغیرہ۔" (ص 921، بیان القرآن)

31- وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس (الحدید: 25)

ترجمہ از جناب تھانوی: "اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔" حاشیہ: "تا کہ اس کے ذریعہ سے عالم کا انتظام رہے کہ ڈر سے بہت سی بے انتظامیاں بند ہو جاتی ہیں ...... اکثر آلات میں لوہے کا خرچ ہے۔ لوہا جہاد میں بھی کام آتا ہے تو یہ بھی اخروی نفع ہوا۔" (ص 1041، بیان القرآن)

32- لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا (النساء: 11)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: "تم پورے طور پر نہیں جان سکتے کہ ان میں کا کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک ہے۔" حاشیہ میں لکھتے ہیں: "ف دنیوی نفع مثلا یہ کہ فلاں وارث ہماری خوب خدمت کرے گا اکثر اوقات وہ دغا دے جاتا ہے اور دوسرا شخص مخلص حسبۃً للّٰہ یا محبت کی وجہ سے زیادہ خدمت کیا کرتا ہے۔ اور اخروی نفع یہ کہ ہم کو یہ ثواب بخشا کرے گا یا آخرت میں شفاعت کرے گا ......" (ص 162 بیان القرآن)

33- واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض (الرعد: 17)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: "اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہے وہ دنیا میں رہتی ہے۔" حاشیہ میں لکھتے ہیں: "اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہے وہ دنیا میں (نفع رسانی کے ساتھ) رہتی ہے۔" (ص 503، بیان القرآن)

34- وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھر۔ وسخرلکم الشمس والقمر دآئبین وسخر لکم الیل والنھار (ابراہیم: 32، 33)

ترجمہ از جناب تھانوی: "اور تمھارے نفع کے واسطے کشتی کو مسخر بنایا تا کہ وہ خدا کے حکم سے دریا میں چلے اور تمھارے نفع کے واسطے نہروں کو مسخر بنایا اور تمھارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں اور تمھارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا۔ (ص 519، بیان القرآن)

35- وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا (النحل: 14)

(ترجمہ) "اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر بنایا تا کہ اس میں سے تازہ تازہ

گوشت کھاؤ۔''   (ص 534، بیان القرآن)

36- **الم تر ان اللّٰہ سخر لکم مافی الارض** (الحج:65)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو۔'' (ص 667، بیان القرآن)

37- **اللّٰہ الذی سخرلکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون. وسخرلکم مافی السموت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون.**   (الجاثیہ:12۔13)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اللّٰہ وہ ہے جس نے بس میں کردیا تمھارے دریا کو کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے اور تا کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تا کہ تم حق مانو اور کام میں لگایا تمھارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں۔'' (ص 648)

38- **وسخر نامع داود الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین. وعلمنہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فھل انتم شاکرون. ولسلیمن الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی برکنا فیھا وکنا بکل شئ علمین. ومن الشیطن من یغوصون لہ ویعملون عملا دون ذلک وکنا لھم حفظین** (الانبیاء: 79 تا 82)

ترجمہ از جناب تھانوی: ''اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور کرنے والے ہم تھے۔ اور ہم نے ان کو زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھلائی تا کہ وہ تم کو ایک دوسرے کی زد سے بچائے سو تم شکر کرو گے بھی۔ اور ہم نے سلیمان کا زور کی ہَوا کو تابع بنایا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں اور بعضے بعضے شیطان (جن) ایسے تھے کہ سلیمان کے لیے غوطے لگاتے تھے اور وہ اور اور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے۔'' (ص 646، 647، بیان القرآن)

39- **فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخآء حیث اصاب. والشیطین کل بناء وغواص. واخرین مقرنین فی الاصفاد. ھذا عطاؤنا فامنن اوامسک بغیر حساب** (صٓ: 36 تا 39)

ترجمہ از جناب اشرف علی تھانوی: ''سو ہم نے ہَوا کو ان کے تابع کردیا تاکہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کردیا یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور موتی وغیرہ کے لیے غوطہ خوروں کو بھی۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (اور ہم نے یہ سامان دے کر ارشاد فرمایا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے سو خواہ (کسی کو) دو یا نہ دو تم سے کچھ دار و گیر نہیں۔'' (بیان القرآن، ص 888)

حاشیہ از جناب شبیر احمد عثمانی: ''یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لیے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔'' (ص 591)

''حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں لوہے کو موم کی طرح نرم کردیا۔ بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اس کی زرہیں فروخت کرتے ...... حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا۔ ہَوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہَوا کو ان کے لیے مسخر کردیا تھا، ایک مہینا کی مسافت ہَوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی...... بہت سے جن جنھیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے معمولی قلیوں اور خدمت گاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے...... بڑے بڑے محل مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے...... تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض و تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔'' (ص 556)

جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''یعنی بعض پتھروں سے بڑا نفع پہنچتا ہے کہ انہار اور پانی بکثرت ان سے جاری ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے پانی کم نکلتا ہے اور اول قسم کی نسبت نفع کم ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے کسی کو نفع نہ پہنچے مگر خود ان میں ایک اثر اور تاثر تو موجود ہے......''
(ص 15، حاشیۂ قرآن)

: ''عالم کی تمام چیزیں اسی لیے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے متمتع ہوکر خالق جل وعلا کی عبادت، فرماں برداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔ اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کے لیے پیدا ہوئی ہیں۔'' (ص 199، حاشیۂ قرآن)

40- وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (الحشر: 7)

ترجمہ از جناب محمود حسن دیوبندی: ''اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔''

حاشیہ از جناب شبیر احمد عثمانی: ''جو ملے لے لو۔ جس سے روکا جائے رک جاؤ اور اسی طرح اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی کی پابندی رکھو۔'' (ص 709) اور تھانوی صاحب بیان القرآن میں لکھتے ہیں: ''اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال و احکام میں بھی۔'' (ص 1052) اور ص 1051 پر لکھتے ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے پس وہ جس طرح چاہے دشمنوں کو مغلوب کرے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دے۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''اور آں حضرت ﷺ کی بخشش اور داد و دہش مانگنے والوں پر یہاں تک تھی کہ کبھی لا یعنی نہیں آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلی چناں چہ صحیح بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ سے کسی نے کوئی چیز کا سوال نہ کیا کہ آپ نے اس کے جواب میں لا فرمایا ہو جیسا کہ فرزدق شاعر اس مضمون کو مبالغے کے طور اس شعر میں نظم کر کے کہتا ہے۔

ماقال لا قط الا فی تشہدہ　　　لولا التشہد کانت لاؤہ نعم

(ترجمہ) نہ بولے لا کبھی ہرگز مگر اپنے تشہد میں　　　تشہد گر نہ ہوتا تو وہ لا ان کا نعم ہوتا''

(تفسیر عزیزی، ص 372 / 4)

''الشہاب الثاقب'' (مطبوعہ راشد کمپنی، دیوبند) کے ص 47 پر جناب حسین احمد ٹانڈوی (مدنی) صدر مدرس دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: ''یہ جملہ حضرات (اکابر دیوبند) ذات حضور پُر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ و میزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو اور کسی قسم کی، ان سب میں آپ (ﷺ) کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ غرض کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیاں ہے یہی معنی **لولاک لما خلقت الافلاک** اور **اول ما خلق اللّٰہ نوری** اور **انا نبی الانبیاء** وغیرہ کے ہیں اس احسان و انعام عام میں جملہ عالم شریک ہے۔''

ص 54 پر لکھتے ہیں: ''یہ جملہ حضرات ذاتِ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود افضل الخلائق و خاتم النبیین ماننے کے آپ کو جملہ کمالات کے لیے اہلِ عالم کے واسطے واسطہ مانتے ہیں یعنی جملہ کمالات خلائق علمی ہوں یا عملی، نبوت ہو یا رسالت، صدیقیت ہو شہادت، سخاوت ہو یا

شجاعت، علم ہو یا مروت، فتوت ہو یا وقار وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذات والا صفات جناب باری تعالیٰ عز شانہ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا جیسے کہ آفتاب سے نور قمر میں آیا اور قمر سے نور ہزاروں آئینوں میں بلکہ وجود جو کہ اصل جملہ کمالات کی ہے اس کی نسبت بھی ان حضرات (اکابر دیوبند) کا یہی عقیدہ ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''کمالات روحیہ میں کوئی شخص حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل اور مقارب ہو ہی نہیں سکتا اور نہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور در حقیقت کمالات تو کمالات روحی ہی ہیں جیسا کہ حقیقت انسان روح ہے اور یہ جسم خاکی تو قالب اور غلاف آدمی ہے۔ مدار فضائل کا عقلاء کے نزدیک انھیں کمالات روحی پر ہے جسمی پر نہیں۔ پس اعتبار جسم اطہر کے اگرچہ آپ (ﷺ) اولاد آدم اور بنی آدم ہیں لیکن باعتبار روح کے آپ سب کے امام اور باپ ہیں باوجود اس کے بہ نسبت حضرت علیہ السلام کے جملہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو کمالات جسمیہ میں بھی خلائق میں یکتائی تھی اور ہے۔'' (ص54،55)

:''یہ حضرات (دیوبند) فرماتے ہیں کہ علم احکام وشرائع وعلم ذات وصفات وافعال جناب باری عزاسمہ واسرار حقانی کونیہ وغیرہ وغیرہ میں حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ رتبہ ہے کہ نہ کسی مخلوق کو نصیب ہُوا اور نہ ہوگا۔ علم اور ماسوا اس کے جتنے کمالات ہیں سب میں بعد خداوندکریم عزاسمہ مرتبہ حضور علیہ السلام کا ہے علوم اولین وآخرین سے آپ مالا مال فرمائے گئے ہیں کوئی بشر کوئی مَلک کوئی مخلوق آپ کے ہم پلہ اور دیگر کمالات میں نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ آپ سے افضل ہو۔'' (ص67)

مزید لکھتے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام جیسے افضل ترین خلائق اور اشرف مخلوقات ہیں ایسے ہی ان کے علوم بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے مطابق واقع کے صحیح صحیح ہیں اور کیوں کر نہ ہو آخر نبوت بھی تو کمالات علمی میں سے ہے ...... پھر حضرت رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام تو اس کلام میں مرکز ہیں جملہ کمالات انبیاء علیہم السلام کے واسطے ذات والا صفات حضور علیہ الصلوۃ والسلام منبع اور واسطہ ہورہی ہے پس جو کچھ فیوضات کمالات علمیہ کے انبیاء عظام اور اولیاء کرام پر ہوتے ہیں وہ سب آپ (ﷺ) میں اولاً بالذات عطیہ ہوئے اور دوسروں میں ثانیاً وبالعرض پس آپ مصداق اعطی علم الاولین والاخرین اور اعلم الخلائق قاطبۃ ہوئے کوئی ادنی شخص بھی حضور علیہ السلام کے اعلم الخلائق قاطبۃ بالذات والصفات وافعالہ تعالیٰ اور حکم واسرار وکلیات کونیہ وغیرہ ہونے میں شک

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

نہیں کرسکتا چہ جائے کہ اس کے خلاف کا منعقد ہو۔" (ص 90)

واضح طور پر وہ لکھتے ہیں: "حضرت رسول مقبول علیہ السلام کے علم کمالی کو اگر کوئی شخص ذاتی قرار دے گا بے شک بوجہ مشارکت بصفۃ اللّٰہ تعالیٰ مشرک ہوگا اور اگر غیر ذاتی بلکہ با عطاء اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعتقاد کرے گا ہرگز مشرک نہ ہوگا۔" (ص 94)

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

"اس شبہ کا جواب کہ تقدیر کس طرح بدل سکتی ہے؟

: حضرت مجدد صاحب قدس اللّٰہ سرہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک بزرگ صاحبِ سلسلہ تھے، جن سے بہت فیض جاری تھا۔ مگر حضرت مجدد صاحب کو ان کی بابت مکشوف ہوا کہ اس کا خاتمہ شقاوت پر ہوگا۔ پس حضرت مجدد صاحب یہ دیکھ کر تڑپ ہی تو گئے۔ آپ کے دل نے گوارا نہ کیا کہ میرے رسول کی امت کا ایک شخص شقی ہوکر مرے۔ اور وہ شخص بھی کیسا جس سے ہزاروں کو دین کا فیض ہورہا ہے۔ آپ نے (ارادہ کیا کہ) اس کے لیے دعا کرنا چاہیئے۔ مگر ڈرے کہ اس میں حضرت حق کی مزاحمت نہ ہو کہ تقدیر مکشوف ہونے کے بعد اس کے خلاف کی دعا کرتا ہے۔ مگر پھر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا مقولہ یاد آیا کہ مَیں وہ شخص ہوں کہ حق تعالیٰ سے کہہ کر شقی کو سعید کراسکتا ہوں۔ اس پر مجدد صاحب کی بھی ہمت ہوئی۔ معلوم ہوگیا کہ ایسی دعا کرنا خلافِ ادب نہیں۔ چناں چہ پھر تو آپ نے اس کے لیے بہت دعائیں کیں۔ اور پوری کوشش کی کہ کسی طرح اس شخص کی شقاوت کو مبدل بہ سعادت کردیا جائے۔ حتیٰ کہ آپ کو مکشوف ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے اس کو سعید کردیا۔ تب آپ کو چین آیا۔ تو دیکھیے مجدد صاحب نے اس شخص کے حق میں در پردہ کتنا بڑا احسان فرمایا مگر اس شخص کو خبر بھی نہ تھی۔ اسے کچھ معلوم بھی نہ تھا کہ میرے واسطے کسی شخص کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ راتوں کو نیند اس کی اُڑ گئی ہے۔ خیر یہ واقعہ تو ہوگیا۔ مگر اس پر یہ شُبہ ہوتا ہے کہ تقدیر کس طرح بدل گئی جس کے متعلق ارشاد ہے **ما یبدل القول لدی**. حضرت مجدد صاحب نے اس شبہ کا جواب بھی خود ہی دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض امور کے متعلق لوح محفوظ میں اطلاق ہوتا ہے اور واقعہ میں وہ کسی قید کے ساتھ مقید ہوتے ہیں مگر وہ قید لوح محفوظ میں مذکور نہیں ہوتی بلکہ وہ علم الٰہی میں ہوتی ہے۔ تو اس شخص کے متعلق لوح محفوظ میں تو صرف اتنا ہے تھا کہ اس کا خاتمہ شقاوت پر ہوگا مگر علم الٰہی میں اس کے ساتھ ایک قید تھی۔ یعنی بشرطیکہ کوئی مقبول بندہ اس کے لیے دعا نہ کرے سو یہ واقعہ تقدیر کے خلاف نہیں ہوا کیوں کہ

اصل میں علم الٰہی کا نام ہے اسی لیے یہ حضرات ام الکتاب کی تفسیر علم الٰہی سے کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں تغیر و تبدل کبھی نہیں ہوسکتا۔ پس دراصل ام الکتاب وہی ہے گو لوح محفوظ بھی کتاب المحود والاثبات کے اعتبار سے ام الکتاب ہے۔ کیوں کہ لوح محفوظ میں اتنا تغیر و تبدیل نہیں ہوتا جتنا کہ کتاب المحو والاثبات میں ہوتا رہتا ہے۔ مگر فی الجملہ تغیر اس میں ہوسکتا ہے اور ہوجاتا ہے اور جو تقدیر علم الٰہی کے درجے میں ہے اس میں اس کا اصلاً احتمال نہیں پس حقیقت کے اعتبار سے اُم الکتاب وہی ہے......''

(اشرف الجواب کامل، ص 512، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1984ء)

اسی کتاب کے ص 594 پر تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''اور حضور (ﷺ) کی شان یہ ہے کہ حضرت عائشہ (رضی اللّٰہ عنہا) فرماتی ہیں کہ **انی اری ربک یسارع فی ھواک** کہ مَیں خدا تعالیٰ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کو خواہش کو بہت جلد پورا کردیتے ہیں اور بھلا حضور کی یہ شان کیوں نہ ہو، جب ادنی ادنی مقبولین کی یہ شان ہے کہ تو ؎

چنیں خواہی خدا خواہد چنیں می دہد یزداں مراد متقین''

بیان القرآن کے ص 509 پر جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''**قولہ تعالیٰ یمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتب** بعض نے اس کی سعادت و شقاوت پر محمول کیا ہے اور بعض سلف سے ایسی دعا منقول بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دفترِ ملائکہ سے تو یہ محو ممکن ہے مگر علمِ الٰہی سے ممکن نہیں اور لوحِ محفوظ اگر علم الٰہی سے حاکی ہے تو اس میں تغیر جائز نہیں اور اگر وہ ملائکہ کا دفتر ہے تو اس میں تغیر ممکن ہے اور محفوظ کے معنی یہ ہوں گے کہ تغیر خلق سے محفوظ ہے۔''

فیوض الحرمین معہ اردو ترجمہ سعادت کونین (مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی) کے ص 70 پر حضرت شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''تحقیق شریف، کبھی منکشف ہوتا ہے عارف کو قضا ضرور متعلق ہے فلاں واقعہ کے ایجاد کرنے میں اس طرح اور اس طرح اور اس میں تقدیر مبرم ہے پھر وہ عارف دعا کرتا ہے اپنی کوشش ہمت سے اور دعا میں الحاح کرتا ہے یہاں تک کہ وہ قضا منقلب ہوجاتی ہے ایجاد میں دوسری طرح پر اور پاتا ہے اس کو حسب ارادہ، چناں چہ روایت ہے حضرت سیّدی عبدالقادر جیلانی رضی اللّٰہ عنہ سے بیان میں ایک سوداگر کی جو حضرت حماد رباس کی اصحاب میں تھا اور جیسا کہ واقع ہُوا جناب والد رضی اللّٰہ عنہ سے بیچ قصہ مرزا ہدایت اللّٰہ وغیرہ کے...... اور فرمایا اللّٰہ تعالیٰ نے **یمحوا اللّٰہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب** اور محو وہ شے

ہے جس کا نام رد قضا ہے قول آں حضرت ﷺ میں کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے **لایرد القضا الا الدعاء** پس کشف ہوتا ہے عارف پر وجود پر اس واقعہ کا اور تعبیر کرتا ہے اس کو قضاے مبرم پھر مصادم ہوتی ہے اس کو ہمت تو پھیر دیتی ہے اس کی طبیعت کے متن سے۔''

اور تھانوی صاحب کے استاد جناب محمود حسن دیوبندی کے یہ شعر بھی قابل توجہ ہیں۔

''نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا　　اس کا جو حکم تھا تھا سیف قضائے مبرم
جدھر کو آپ مائل تھے ادھر ہی حق بھی دائر تھا　　مرے قبلہ مرے کعبہ تھے حقانی سے حقانی''

(مرثیہ، مطبوعہ ساڈھورہ، ضلع انبالہ)

رسولِ کریم ﷺ کا ایک نام ''ماحی'' بھی ہے۔ جس کے معنی ہی ''مٹانے والا'' ہیں۔ مواہب لدنیہ امام قسطلانی کی مشہور کتاب ہے۔ ''بستان المحد ثین'' میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں: ''المواہب اللدنیہ بھی ان (امام قسطلانی) کی ہی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لاثانی ہے۔'' (ص 203، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) مواہب لدنیہ کا اُردو ترجمہ ''سیرت محمدیہ'' کے نام سے دیوبند ہی کے وابستگان نے کیا ہے۔ احمدیہ پریس، حیدر آباد دکن سے مطبوعہ اس کتاب کے ص 5 / 2 میں ہے: ''اور محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہا ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بہت نام ہیں مَیں محمد ہوں، مَیں احمد ہوں اور مَیں وہ ماحی ہوں کہ میرے سبب اللّٰہ تعالیٰ کفر کو مٹادے گا اور میں وہ حاشر ہوں کہ میرے آثار قدم پر آدمی حشر کیے جاویں گے اور مَیں عاقب ہوں (عاقب کا یہ معنی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا) اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔'' اسی صفحہ پر ہے: ''اور ماحی کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کا اتباع کیا اللّٰہ تعالیٰ نے ان کے سیئات آپ کے سبب مٹادیے۔''

التکشف ص 544 میں تھانوی صاحب نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے: ''**ھم القوم لایشقی جلیسھم.** وہ (مقبولانِ الٰہی) ایسے لوگ ہیں کہ ان کا پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔'' جب مقبولانِ الٰہی کے پاس صرف بیٹھنے سے تقدیر بدل جاتی ہے تو رسولِ کریم ﷺ کی شان کا اندازہ کیا جائے۔

''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ'' مترجم (مطبوعہ آرمی برقی پریس، دہلی، 1344ھ) میں حضرت شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ حدیث قدسی لکھتے ہیں: ''فرمایا رسول اللّٰہ ﷺ نے حدیث قدسی میں یعنی نہیں نزدیکی کی، طرف میرے بندہ میرے نے ساتھ کسی چیز کے جو محبوب تر

ہو طرف میرے فرائض میرے سے اور ہمیشہ میرا قرب چاہتا ہے ساتھ نوافل کے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے، تو مَیں ہوتا ہوں اس کے کان جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے اور بخاری کی اس روایت کے سوا اوروں نے یہ بھی زیادہ روایت کیا ہے کہ اس کا دل جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے۔"

بخاری شریف میں موجود اس حدیث قدسی نے محبوب بن جانے والوں کی یہ شان واضح کی ہے، اندازہ کیا جائے اس ہستی کی عظمت و مرتبت اور محبوبیت کا جس کی خاطر تخلیقِ کائنات ہوئی۔ معترضین سے گزارش ہے کہ اس حدیثِ قدسی کی شرح میں حضرت امام رازی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا بیان ضرور ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ ایسا بندہ اللّٰہ تعالیٰ کی قوت و قدرت کا مظہر ہو جاتا ہے اور جہان بھر میں تصرف کرتا ہے۔ اور معترضین یہ جانتے ہوں گے کہ تصرف کے معنی روحانی قوت سے کسی کی حالت بدل دینے ہی کو کہتے ہیں۔

ص 70 پر حضرت شاہ ولی اللّٰہ صاحب لکھتے ہیں: "قرب نوافل اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں فاعل پائے اور حق کو اپنے اعضا چناں چہ **بی یسمع و بی یبصر** اس کا اشارہ ہے اور قرب فرائض اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں اعضا پائے اور حق کو فاعل جیسے **الحق ینطق علی لسان عمر** اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرب ثمرہ دیتا ہے فناء وجود سالک کا بخلاف پہلے قرب کے اور جمع بین القربین یہ ہے کہ سالک اپنے تئیں درمیان میں کچھ نہ پائے نہ فاعل نہ اعضا چناں چہ بعض اہلِ دل نے اس مقام سے ایسا اشارہ کیا ہے۔ مصرعہ عشق ست درمیانہ برما نہد بہانہ۔ اور آیۂ کریمہ **ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** گویا تینوں مقام کی خبر دیتا ہے کیوں کہ مارمیت قرب فرائض سے ہے اور **اذ رمیت** کنایہ قرب نوافل سے **ولکن اللہ رمی** اشارہ جمع بین القربین ہے۔" اس آیت کا ترجمہ بھی اسی کتاب سے ملاحظہ ہو: "اور نہیں پھینکا تو نے جب کہ پھینکا تو نے لیکن اللّٰہ تعالیٰ نے پھینکا۔" (ص 55)

معترضین سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ) کی "فصل فنا اور بقا میں" ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

معترضین نے جو آیات قرآنی نقل کی تھیں اور ان سے جو غلط استدلال کیا تھا اس کا جواب اس فقیر نے آیات قرآنی ہی سے اور معترضین کے اکابر ہی کی تفسیروں اور تحریروں سے پیش

کیا ہے۔ آیات قرآنی کے بعد اب احادیث مبارکہ سے مزید جواب تحریر کررہا ہوں مگر یہ بیانیہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کا ہے، ملاحظہ ہو:

احادیث مبارکہ

☆ عن ام المؤمنین عائشه الصدیقة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ: انا سیّد العالمین.

(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَیں تمام عالم کا سردار ہوں۔

(جامع الاحادیث: 2807، ص 13، جلد چہارم۔ تجلی الیقین، ص: 93)

☆ عن عبداللّٰه بن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: جلس ناس من اصحاب رسول اللّٰه ﷺ ینتظرونه قال: فخرج حتی اذا دنا منهم سمعهم یتذاکرون فسمع حدیثهم فقال بعضهم عجبا: ان اللّٰه تعالیٰ اتخذ من خلقه خلیلا، اتخذ ابراهیم خلیلا وقال آخر: ماذا بأعجب من کلام موسی کلمه اللّٰه تکلیما، وقال آخر: فعیسی کلمة اللّٰه وروحه، وقال آخر: آدم اصطفاه اللّٰه فخرج علیهم فسلم وقال: قد سمعت کلامکم وعجبکم، ان ابراهیم خلیل اللّٰه وهو کذلک، و موسی نجی اللّٰه وهو کذلک، و آدم اصطفاه اللّٰه وهو کذلک، ألا وانا حبیب اللّٰه ولا فخر، وانا حامل لواء الحمد یوم القیامة ولا فخر وانا اول شافع و اول مشفع یوم القیامة ولا فخر وانا اول من یحرک حلق الجنة ویفتح اللّٰه لی فید خلنیها ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر۔

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ در اقدس پر کچھ صحابۂ کرام رضوان اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیٹھے حضور سیّد عالم ﷺ کے انتظار میں باتیں کررہے تھے۔ حضور تشریف فرما ہوئے، انھیں اس ذکر میں پایا کہ ایک کہتا ہے: اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل بنایا، دوسرا بولا: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بے واسطہ کلام فرمایا، تیسرے نے کہا: اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللّٰہ و روح اللّٰہ ہیں، چوتھے نے کہا: حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام صفی اللّٰہ ہیں، جب وہ سب کہہ چکے حضور پُرنور صلوات اللّٰہ تعالیٰ وسلامہ علیہ قریب آئے اور ارشاد فرمایا: مَیں نے تمھارا کلام اور تمھارا تعجب کرنا سنا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللّٰہ

ہیں اور ہاں وہ ایسے ہی ہیں، اور موسیٰ نجی اللّٰہ ہیں اور وہ بے شک ایسے ہی ہیں، اور عیسیٰ روح اللّٰہ ہیں اور واقعی ایسے ہی ہیں، اور آدم صفی اللّٰہ ہیں اور وہ حقیقت میں ایسے ہی ہیں، سن لو اور مَیں اللّٰہ کا پیارا ہوں اور کچھ فخر مقصود نہیں، مَیں روز قیامت لواء الحمد اٹھاؤں گا جس کے نیچے آدم اور ان کے سوا سب ہوں گے اور کچھ تفاخر نہیں، مَیں پہلا شافع اور پہلا مقبول الشفاعۃ ہوں اور کچھ افتخار نہیں، سب سے پہلے مَیں دروازۂ جنت کی زنجیر ہلاؤں گا، اللّٰہ تعالیٰ میرے لیے دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقرائے مومنین ہوں گے اور یہ ناز کی راہ سے نہیں کہتا، اور مَیں سب اگلوں اور پچھلوں سے اللّٰہ تعالیٰ کے حضور زیادہ عزت والا ہوں اور یہ بڑائی کے طور پر نہیں فرماتا۔

(جامع الاحادیث: 2808، ص 13 تا 14، جلد چہارم۔ تجلی الیقین، ص 94)

☆ عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قیل لرسول اللّٰہ ﷺ: ان اللّٰہ تعالیٰ کلم موسی، وخلق عیسی من روح القدس، واتخذ ابراھیم خلیلا، واصطفی آدم علیھم الصلواۃ والسلام وما اعطاک فضلا فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال: ان اللّٰہ تعالیٰ یقول: ان کنت اتخذت ابراھیم خلیلا قد اتخذتک حبیبا، وان کنت کلمت موسی فی الارض تکلیما فقد کلمتک فی السماء، وان کنت خلقت عیسی من روح القدس فقد خلقت اسمک من قبل ان اخلق الخلق بالفی سنۃ، ولقد وطأت فی السماء مؤطالم یطأہ احد قبلک ولا یطأ احد بعدک، وان کنت اصطفیت آدم فقد ختمت بک الانبیاء، وما خلقت خلقا اکرم علی منک (وساق الحدیث الی ان قال) ظل عرشی فی القیامۃ علیک ممدود، تاج الحمد علی راسک معقود، وقرنت اسمک مع اسمی فلا اذکر فی موضع حتی تذکر معی، ولقد خلقت الدنیا واھلھا لا عرفھم کرامتک، ومنزلتک عندی، ولو لاک ما خلقت الدنیا.

(ترجمہ) حضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا: اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس سے بنایا، ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا، آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ حضور کو کیا فضل دیا؟ فوراً جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کی: حضور کا رب ارشاد فرماتا ہے: اگر مَیں نے ابراہیم کو خلیل کیا تو تمھیں حبیب کیا، اور اگر موسیٰ سے زمین میں کلام فرمایا تم سے آسمان میں کلام

کیا، اور اگر عیسیٰ کو روح القدس سے بنایا تو تمھارا نام آفرینش خلق سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا، اور بے شک تمھارے قدم آسمان میں وہاں پہنچے جہاں نہ تم سے پہلے کوئی گیا اور نہ تمھارے بعد کسی کی رسائی ہے، اور اگر مَیں نے آدم کو برگزیدہ کیا تو تمھیں خاتم الانبیاء ٹھہرایا، اور تم سے زیادہ عزت وکرامت والا کسی کو نہ بنایا۔ قیامت میں میرے عرش کا سایہ تم پر گستردہ، اور حمد کا تاج تمھارے سر پر آراستہ، تمھارا نام مَیں نے اپنے نام سے ملایا، کہ کہیں میری یاد نہ ہو جب تک تم میرے ساتھ یاد نہ کیے جاؤ۔ اور بے شک مَیں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے بنایا کہ جو عزت ومنزلت تمھاری میرے نزدیک ہے ان پر ظاہر کروں، اگر تم نہ ہوتے مَیں دنیا کو نہ بناتا۔

(جامع الاحادیث: 2813، ص 17 تا 18، جلد چہارم۔ تجلی الیقین، ص: 72)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اتانی جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام فقال: ان اللّٰہ تعالیٰ یقول: لولاک ما خلقت الجنۃ، ولو لاک ما خلقت النار.**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبرئیل نے حاضر ہو کر عرض کی: اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم نہ ہوتے مَیں جنت کو نہ بناتا، اور اگر تم نہ ہوتے مَیں دوزخ کو نہ بناتا۔ (جامع الاحادیث: 2814، ص 19، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: یعنی آدم و عالم سب تمھارے طفیل ہیں تم نہ ہوتے تو مطیع و عاصی کوئی نہ ہوتا، جنت و نار کس کے لیے ہوتیں، اور خود جنت نار اجزائے عالم سے ہیں جن پر تمھارے وجود کا پرتو پڑا۔ (ﷺ)

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل　　منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

(تجلی الیقین، ص 72)

حق عز جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے ارشاد فرماتا ہے:

یامحمد! انت نوری وسر سری، وکنوز ھدایتی و خزائن معرفتی، جعلت فداً لک ملکی من العرش الی ماتحت الارضین، کلھم یطلبون رضاتی، وان اطلب رضاک یا محمد!

(ترجمہ) اے محمد! تو میرے نور کا نور ہے، اور میرے راز کا راز اور میری ہدایت کی

کان، اور میری معرفت کے خزانے، مَیں نے اپنا ملک عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب تجھ پر قربان کر دیا۔ عالم میں جو کوئی ہے سب میری رضا چاہتے اور مَیں تیری رضا چاہتا ہوں۔ اے محمد!

اللھم رب محمد صل علی محمد وعلی آل محمد، اسئالک برضاک عن محمد، ورضا عنک ان ترضی عنا محمدا، ترضی عنا بمحمد، آمین، الہ محمد و صل علی محمد و آل محمد وبارک وسلم. (تجلی الیقین، ص:85، جامع الاحادیث:27)

☆ **عن ام المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا قالت: قال رسول اللّٰہ ﷺ: قال لی جبرئیل علیہ السلام: قلبت الارض مشارقھا ومغاربھا، فلم اجد رجلا افضل من محمد، ولم اجدنی اب افضل من بنی ھاشم.**

(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت جبرئیل نے مجھ سے عرض کی: مَیں نے پورب پچھّم ساری زمین الٹ پلٹ کر دیکھی، کوئی شخص محمد ﷺ سے افضل نہ پایا، نہ کوئی خاندان، خاندان بنی ہاشم سے بہتر نظر آیا۔ (جامع الاحادیث: 2824، ص 30، جلد چہارم)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: صحت کے انوار اس متن کے گوشوں پر جھلک رہے ہیں۔ نقلہ فی المواہب۔ (تجلی الیقین، ص: 138)

مولانا فاضل علی قاری شرح شفا میں علامہ تلمسانی سے ناقل حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی، حضور سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے آ کر یوں سلام کیا۔

السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا ظاھر، السلام علیک یا باطن.

مَیں نے کہا: اے جبرئیل! یہ تو خالق کی صفتیں ہیں، مخلوق کو کیوں کر مل سکتی ہیں، عرض کی مَیں نے خدا کے حکم سے حضور کو یوں سلام کیا ہے۔ اس نے حضور کو ان صفتوں سے فضیلت اور تمام انبیاء و مرسلین پر خصوصیت بخشی ہے، اپنے نام وصفت سے حضور کے لیے نام وصفت مشتق فرمائے ہیں۔ حضور کا اول نام رکھا کہ حضور سب انبیاء سے آفرینش میں مقدم ہیں اور آخر اس لیے کہ ظہور میں سب سے موخر اور آخر امم کی طرف خاتم الانبیاء ہیں، اور باطن اس لیے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے حضور کے باپ آدم کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ساق عرش پر سرخ نور سے اپنے نام کے

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

ساتھ حضور کا نام لکھا اور مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا، مَیں نے ہزار سال حضور پر درود بھیجی یہاں تک کہ حق جل وعلا نے حضور کو مبعوث فرمایا: خوش خبری دینے اور ڈر سنانے کے لیے، اور اللّٰہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور چراغ تاباں، اور ظاہر اس لیے حضور کا نام رکھا کہ اس نے اس زمانہ میں حضور کو تمام ادیان پر غلبہ دیا، اور حضور کا شرف وفضل سب اہل آسمان و زمین پر آشکارا کیا۔

تو ان میں کوئی ایسا نہیں جس نے حضور پر درود نہ بھیجی، اللّٰہ تعالیٰ حضور پر درود بھیجے، حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد، اور حضور کا رب اول و آخر و ظاہر باطن ہے، اور حضور اول و آخر و ظاہر و باطن ہیں۔ یہ عظیم بشارت سن کر حضور سیّد المرسلین ﷺ نے فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی فضلنی علی جمیع النبین حتی فی اسمی وصفتی،

حمد اس خدا کو جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی یہاں کہ میرے نام اور صفت میں۔

ھکذا نقل و قال روی التلمسانی عن ابن عباس، وظاھرہ انہ اخرجہ بسندہ الی ابن عباس، فان ذلک ھو الذی یدل علیہ روی، کما فی الزرقانی واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم. (تجلی الیقین، ص 151، جامع الاحادیث: 33۔34)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: ما خلق اللّٰہ وما ذرأ وما برأ نفسا اکرم علیہ من محمد ﷺ، ما سمعت اللّٰہ اقسم بحیاۃ احد غیرہ، قال اللّٰہ تعالیٰ ذکرہ "لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون".**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نہ بنایا، نہ پیدا کیا، نہ آفرینش فرمایا جو اسے محمد ﷺ سے زیادہ عزیز ہو، نہ کبھی ان کی جان کے سوا کسی جان کی قسم یاد فرمائی کہ ارشاد فرمایا: مجھے تیری جان کی قسم۔" (الآیۃ)۔

(جامع الاحادیث: 2830، ص 36، جلد چہارم۔ تجلی الیقین، ص: 32)

☆ **عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ، وما امرتکم بہ فافعلوا منہ ماستطعتم، فانما اھلک الذین من قبلکم کثرۃ مسائلھم واختلافھم علی انبیائھم.** (جد الممتار: 1/100)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَیں جس چیز سے تم کو منع کروں باز رہو، اور جس چیز کا حکم دوں اس پر حسبِ

استطاعت عمل کرو، کہ تم سے پہلے لوگوں کو کثرت سوالات اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حکم عدولی نے ہلاک کیا۔ (جامع الاحادیث: 2873، ص 118، جلد چہارم)

☆ عن اسامة بن زيد رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كنت جالسا اذ جاء على والعباس رضى الله تعالىٰ عنهما يستاذنان، فقالا، يا اسامة! استاذن لنا على رسول الله ﷺ، فقلت: يارسول الله! على والعباس يستا ذنان، قال: اتدرى ماجاء بهما؟ قلت: لا، فقال لكنى ادرى، ائذن لهما، فدخلا، فقالا: يارسول الله! جئناک نسألک اى اهلک احب اليک؟ قال: فاطمة بنت محمد، رضى الله تعالىٰ عنها و صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قالا: ما جئناک نسألک عن اهلک، قال: احب اهلى الى من قد انعم الله عليه وانعمت عليه اسامة بن زيد، قالا: ثم من؟ قال: ثم على بن ابى طالب فقال العباس: يارسول الله! جعلت عمک آخرهم، قال: ان عليا سبقک بالهجرة.

(ترجمہ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مَیں حضور سیّد عالم ﷺ کے دولت خانہ کے قریب بیٹھا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے لیے تشریف لائے، دونوں حضرات نے فرمایا: اے اسامہ! ہمارے لیے حضور سے باریابی کی اجازت لے لو، مَیں نے عرض کیا: یارسول اللّٰہ: حضرت علی و حضرت عباس آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت کے طالب ہیں، فرمایا: جانتے ہو یہ دونوں کس لیے آئے ہیں؟ مَیں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: لیکن مَیں جانتا ہوں، آنے دو، دونوں حضرات نے حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللّٰہ! ہم یہ پوچھنے آئے ہیں کہ آپ کو اپنے اہلِ بیت میں کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: فاطمہ بنت محمد (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا و ﷺ) عرض کیا: ہم آپ کے خاص گھر کی بات نہیں کررہے، فرمایا مجھے اپنے اقربا میں وہ زیادہ محبوب ہے جس پر اللّٰہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور مَیں نے انعام کیا، یعنی اسامہ بن زید، پھر عرض کیا: ان کے بعد کون؟ فرمایا: علی بن ابی طالب، یہ سن کر حضرت عباس بول اٹھے، یارسول اللّٰہ! کیا آپ کے چچا کا مقام بعد میں ہے؟ فرمایا: ہاں حضرت علی تم پر ہجرت میں سبقت حاصل کرچکے ہیں۔

(جامع الاحادیث: 2877، ص 121 تا 122، جلد چہارم، 12 م)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقات میں فرماتے ہیں:

لم یکن احدمن الصحابة الا وقد انعم اللّٰہ تعالیٰ علیه وانعم علیه رسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، الا ان المراد المنصوص علیه فی الکتاب، الخ.

یعنی سب صحابہ کرام رضوان اللّٰہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایسے ہی تھے جنھیں اللّٰہ تعالیٰ نے نعمت بخشی اور اللّٰہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے نعمت بخشی، مگر یہاں مراد وہ ہے جس کی تصریح قرآن کریم میں ارشاد ہوئی کہ جب فرماتا تھا تو اس سے جسے اللّٰہ تعالیٰ نے نعمت دی، اور اے نبی تو نے اسے نعمت دی، اور وہ زید بن حارثہ ہیں، رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، اور اس میں نہ کسی کا خلاف اور نہ اصلاً شک، آیت اگرچہ حضرت زید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی مگر سیّد عالم ﷺ نے اس کا مصداق اسامہ بن زید کو ٹھہرایا کہ پسر تابع پدر ہے، **افاده فی المرقات.**

اقول: نہ صرف صحابہ کرام بلکہ تمام اہلِ اسلام اولین و آخرین سب ایسے ہی ہیں جنھیں اللّٰہ عزوجل نے نعمت دی اور رسول اللّٰہ ﷺ نے نعمت دی، پاک کردینے سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی جس کا ذکر آیت کریمہ میں بارہا سنا ہوگا کہ 'یزکیھم' یہ نبی انھیں پاک اور ستھرا کردیتا ہے۔ بلکہ **لا واللہ**، تمام جہان میں کوئی شیٔ ایسی نہیں جس پر اللّٰہ کا احسان نہ ہو، اور اللّٰہ کے رسول کا احسان نہ ہو، فرماتا ہے:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (ترجمہ) ہم نے نہ بھیجا تمھیں مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

جب وہ تمام عالم کے لیے رحمت ہیں تو قطعاً سارے جہان پر ان کی نعمت ہے، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، اہل کفر و اہلِ کفران اگر نہ مانیں تو کیا نقصان۔

راست خواہی ہزار چشم چناں　　　　کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

(الامن والعلی، ص: 136)

☆　**عن ربیعة بن کعب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کنت ابیت مع رسول اللّٰہ ﷺ فاتیته بوضوئه وحاجته، فقال لی: سل ماشئت، فقلت: اسٔلک مرافقتک فی الجنة قال: او غیر ذلک، قلت: هو ذاک، قال لی: فاعنی علی نفسک بکثرة السجود.**

(ترجمہ) حضرت ربیعہ بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مَیں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کے وضو وغیرہ کے لیے پانی لے کر حاضر ہُوا، حضور سیّد العالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں، عرض کی: مَیں حضور

سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو، فرمایا: بھلا اور کچھ؟ عرض کی: بس میری مراد تو یہ ہی ہے، فرمایا: تو میری اعانت کر اپنے پر کثرت سجود سے۔

(جامع الاحادیث: 2880، ص 125، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: الحمد للہ، یہ جلیل و نفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر فقرہ سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اعنی، کہ میری اعانت کر، اسی کو استعانت کہتے ہیں، یہ در کنار حضور والا ﷺ کا مطلق طور پر سَل، فرمانا: کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ جانِ وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرماسکتے ہیں، دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلا تقید و تخصیص فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح مشکوۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں: از اطلاق سوال کہ فرمودہ 'سل' و تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ﷺ، ہر چہ خواہد و ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود دہد۔

فان من جودک الدنیا وضرتها ، ومن علومک علم اللوح والقلم.

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: **یوخذ من اطلاقه ﷺ الامر بالسؤال ان اللّٰه تعالیٰ مکنه من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق.**

یعنی حضور اقدس ﷺ نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللّٰہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔

پھر لکھا: **وذکر ابن سبع وغیره فی خصائصه ﷺ ان اللّٰه تعالیٰ اقطعه ارض الجنة یعطی منها ماشاء لمن یشاء.**

یعنی ابن سبع وغیرہ علمائے کرام نے حضور اقدس ﷺ کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا کہ جنت کی زمین اللّٰہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کردی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیّدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں: **انه کان ﷺ خلیفة اللّٰه الذی جعل خزائن کرمه و موائد نعمه طوع یدیه و تحت ارادته، یعطی منها من یشاء ویمنع من یشاء.**

بے شک حضور نبی کریم ﷺ اللّٰہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے

خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست قدرت کے فرماں بردار اور حضور کے زیر حکم و ارادہ و اختیار کردیے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔ اس مضمون کی تصریحیں کلمات ائمہ و علماء و اولیاء و عرفاء قدست اسرارہم میں حد تواتر پر ہیں، جو ان کے انوار سے دیدۂ ایمان منور کرنا چاہے فقیر کا رسالہ ''سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' مطالعہ کرے۔

☆ **عن امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اللّٰہ و رسوله مولی من لا مولی له.**

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا کوئی نگہ بان نہ ہو اللّٰہ و رسول اس کے نگہ بان ہیں۔

(جامع الاحادیث: 2881، ص 127 تا 128، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: یعنی حافظ و ناصر اللّٰہ و رسول ہیں۔

اللّٰہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے: **انما ولیکم اللّٰہ ورسوله و الذین امنوا الذین یقیمون الصلوة ویؤتون الزکوة وهم راکعون.**

یعنی اے مسلمانو! تمھارا مددگار نہیں مگر اللّٰہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے ہیں، اور زکوۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

اقول: یہاں اللّٰہ و رسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرمایا کہ بس یہ ہی مددگار ہیں، تو ضرور یہ مدد خاص ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور لوگ قادر نہیں، ورنہ عام مددگاری کا علاقہ تو ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔

قال تعالیٰ: **والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض.**

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

حالاں کہ خود ہی دوسری جگہ فرماتا ہے: **مالهم من دونه من ولی.**

اللّٰہ کے سوا کسی کا کوئی مددگار نہیں۔

معالم التنزیل میں ہے: **(مالهم) ای لاهل السموات والارض (من دونه) ای من دون اللّٰہ (من ولی) ناصر.**

وہابی صاحبو! تمھارے طور پر معاذ اللّٰہ کیسا کھلا شرک ہوا کہ قرآن نے خدا کی خاص صفت امداد کو رسول و صلحا کے لیے ثابت کیا، جسے قرآن ہی جابجا فرما چکا: کہ یہ اللّٰہ کے سوا دوسرے

کی صفت نہیں۔ مگر بحمدہ تعالیٰ اہلِ سنت دونوں آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ذاتی و عطائی کا فرق سمجھتے ہیں، اللّٰہ تعالیٰ بالذات مددگار ہے، یہ صفت دوسرے کی نہیں، اور رسول و اولیاء اللّٰہ، اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت دینے سے مددگار ہیں۔ وللّٰہ الحمد۔

اب اتنا سمجھ لیجیے کہ مدد کاہے کے لیے ہوتی ہے؟ دفع بلا کے لیے، تو جب رسول اللّٰہ اور اللّٰہ کے مقبول بندے بنص قرآن مسلمانوں کے مددگار ہیں تو قطعاً دافع البلاء بھی ہیں، اور فرق وہی ہے کہ اللّٰہ سبحانہ بالذات دافع البلاء، اور انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والثناء بعطائے خدا، **والحمد للّٰه العلی الاعلی۔**

پنج آیت از توریت وانجیل و زبور مقدسہ۔

امام بخاری حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما، اور دارمی وطبرانی و یعقوب بن سفیان حضرت عبداللّٰہ بن سلام رضی اللّٰہ عنہ سے راوی کہ تورات مقدس میں حضور پُر نور دافع البلاء ﷺ کی صفت یوں ہے:

یا ایها النبی! انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا و حرزا للامیین (الی قوله تعالیٰ) یعفو و یغفر.

اے نبی! ہم نے تجھے بھیجا گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور بے پڑھوں کے لیے پناہ، معاف کرتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے۔ حرز بھی رب العزت جل جلالہ کی صفات سے ہیں۔ حدیث میں ہے: **یا حرز الضعفاء! یا کنز الفقراء!**

علامہ زرقانی شرح مواہب شریفہ میں فرماتے ہیں: **جعله نفسه حرزا مبالغة لحفظه لهم فی الدارین.**

یعنی حضور نبی کریم ﷺ پناہ دینے والے ہیں، مگر رب تبارک و تعالیٰ نے حضور کو بطور مبالغہ خود پناہ کہا: جیسے عادل کو عدل یا عالم کو علم کہتے ہیں، اور اس صفت کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ دنیا وآخرت میں اپنی امت کے حافظ ونگہ بان ہیں۔ والحمدللّٰہ ربّ العالمین۔

ہاں ہاں، خبردار ہوشیار، اے نجدیان نابکار! ذرا کم سن نو پیدا عیارہ خام پارۂ وہابیت ناکارہ کے ننھے سے کلیجے پر ہاتھ دھر لینا، توریت و زبور کی دو آیتیں تلاوت کی جائیں گی، نوخیز وہابیت کی نادان جان پر قہر الٰہی کی بجلیاں گرائیں گی، افسوس، تمھیں توریت و زبور کی تکذیب کرتے کیا لگتا ہے، جب تم قرآن کی نہ سنو، اللّٰہ کا کذب تم ممکن گنو، مگر جان کی آفت، گلے کا غل

تو یہ ہے کہ یہ آیات جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے نقل فرمائیں، کلام الٰہی بتائیں، یہ امام الطائفہ کے نسب کے چچا، شریعت کے باپ، اور طریقت کے دادا۔ اب نہ انھیں مشرک کہے بنتی ہے نہ کلام الٰہی پر ایمان لانے کو روٹھی وہابیت منتی ہے، نہ روئے رفتن، نہ رائے ماندن۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان لیلی را　　　　　بلائے صحبت مجنون و فرقت مجنون

ہاں اب ذرا گھبرائے دلوں، شرمائی چتونوں سے لجائی انکھڑیاں اوپر اٹھایئے، اور بحمدہ وہ سنئے کہ ایمان نصیب ہو تو سنی ہو جایئے۔

جناب شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

توریت کے سفر چہارم میں ہے: **قال اللّٰہ تعالیٰ لابراھیم: ان ھاجرۃ تلد ویکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع ویدا الجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع.**

اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: بے شک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے۔ اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں۔ عاجزی اور گڑگڑانے میں۔

وہ کون محمد رسول اللّٰہ ﷺ **سیّد الکون، معطی العون** ﷺ، قربان تیرے اے بلند ہاتھ والے، اے دوجہاں کے اجالے، حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے ہماری عاجزی ومحتاجی کے ہاتھ ہر لئیم بے قدر سے بچائے اور تجھ جیسے کریم رؤف و رحیم کے سامنے پھیلائے، والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا　　　　　ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

نیز تحفہ میں زبور شریف سے منقول: **یا احمد! فاضت الرحمۃ علی شفتیک من اجل ذلک ابارک علیک فتقلد السیف، فان بھاءک و حمدک الغالب (الی قولہ) الامم یخرون تحتک، کتاب حق جاء اللّٰہ بہ من الیمن و التقدیس من جبل فاران، وامتلأت الارض من تحمید احمد و تقدیسہ، وملک الارض و رقاب الامم.**

اے احمد! رحمت نے جوش مارا تیرے لبوں پر میں اس لیے برکت دیتا ہوں، تو اپنی تلوار حمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف غالب ہے، سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی سچی کتاب لایا اللّٰہ: برکت و پاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے، بھر گئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے، احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا ﷺ۔

اے احمد پیارے ﷺ کے مملوکو! خوشی و شادمانی ہے تمھارے لیے، تمھارا مالک پیارا سراپا کرم و سراپا رحمت ہے۔ والحمد للّٰہ رب العالمین۔

عہد مابالب شیریں دہناں بست خدائے — باہمہ بندۂ و ایں قوم خداوند انند

مَیں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

☆ **عن ام الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت: قلت لکعب الاحبار رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ما تجدون فی التوراۃ من وصف النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ قال: نجدہ محمد رسول اللّٰہ اسمہ المتوکل، لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق واعطی المفاتیح لیبصر اللّٰہ بہ اعینا عورا، ویسمع بہ آذانا صما، و یقیم بہ السنۃ معوجۃ حتی یشھدون لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، یعین المظلوم و یمنعہ من ان یستضعف.**

(ترجمہ) حضرت ام درداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مَیں نے حضرت کعب احبار رضی اللّٰہ عنہ سے پوچھا، تم توریت میں حضور اقدس ﷺ کی نعت پاک کیا پاتے ہو؟ کہا: حضور کا وصف توریت مقدس میں یوں ہے۔ محمد اللّٰہ کے رسول ہیں، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا نام متوکل ہے، نہ درشت خو ہیں، نہ سخت گو، نہ بازاروں میں چلانے والے ہیں، وہ کنجیاں دیے گئے ہیں تا کہ اللّٰہ تعالیٰ ان کے ذریعہ پھوٹی آنکھیں بینا اور بہرے کان شنوا اور ٹیڑھی زبانیں سیدھی کردے، یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ ایک اللّٰہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں، وہ نبی کریم ہر مظلوم کی مدد فرمائیں گے، اور اسے کمزور سمجھے جانے سے بچائیں گے۔

(جامع الاحادیث: 2882، ص 132، جلد چہارم)

☆ **عن ام المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت: مکتوب فی الانجیل من نعت النبی ﷺ، لا فظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق واعطی المفاتیح مثل مامر سواء بسواء.**

(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ کی صفت وثنا انجیل پاک میں مکتوب ہے، نہ سخت دل ہیں، نہ درشت خو، نہ بازاروں میں شور کرتے انھیں کنجیاں عطا ہوئی ہیں۔ باقی عبارت مثل توریت مبارک ہے۔

(جامع الاحادیث: 2883، ص 133، جلد چہارم)

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

☆ **عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ بینما انا نائم اذ جئی بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں سورہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ (جامع الاحادیث: 2884،ص 133، جلد چہارم)

☆ **عن امیر المؤمنین علی المرتضی کرم اللّٰہ تعالیٰ وجهه الکریم قال: قال رسول للّٰہ ﷺ: اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء قبلی، نصرت بالرعب، واعطیت مفاتیح الارض الحدیث.**

(ترجمہ) امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام پاک سن کر کانپے) اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع الاحادیث: 2885،ص 133 تا 134، جلد چہارم)

☆ **عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اوتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق، جاء نی به جبرئیل، علیه قطیفة من سندس.**

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور مالک تمام دنیا ﷺ فرماتے ہیں: دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں، جبرئیل لے کر آئے، اس پر نازک ریشم کا زین پوش بانقش ونگار پڑا تھا۔

(جامع الاحادیث: 2886،ص 134، جلد چہارم)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اوتیت مفاتیح کل شئ الاالخمس.**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُرنور ابوالقاسم ﷺ فرماتے ہیں مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں سوا ان پانچ کے۔

(جامع الاحادیث: 2887،ص 134، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: یعنی غیوب خمسہ، علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: **ثم اعلم بها بعد ذلک.** پھر یہ پانچ بھی عطا ہوئیں۔ ان کا علم بھی

دیا گیا۔اسی طرح امام جلال الدین سیوطی نے بھی خصائص کبری میں نقل فرمایا۔

علامہ مدابغی شرح فتح المبین امام ابن حجر مکی میں فرماتے ہیں: یہ ہی حق ہے۔ وللّٰہ الحمد۔

اس مقام کی تحقیق انیق فقیر کے رسالہ ''مالی الجیب بعلوم الغیب'' میں دیکھیے۔ وباللّٰہ التوفیق۔ (الامن والعلی،ص:94)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: قالت ام رسول اللّٰہ ﷺ امنة رضی اللّٰہ عنہا: لما خرج من بطنی نظرت الیہ ناذا انا بہ ساجدا، ثم رأیت سحابة بیضآء قد اقبلت من السماء حتی غشیتہ فغیب عن وجھی، ثم تجلت فاذا انا بہ مدرج فی ثوب صوف ابیض وتحتہ حریرة خضراء، وقد قبض علی ثلثة مفاتیح من اللؤلؤ الرطب، واذ اقائل یقول: قبض محمد ﷺ علی مفاتیح النصر و مفاتیح الربح و مفاتیح النبوة، ثم اقبلت سحابة اخری حتی غشیتہ فغیب عنی، ثم تجلت فاذا انا بہ قد قبض علی حریرة خضراء مطویة، و اذا قائل یقول: بخ بخ، قبض محمد ﷺ علی الدنیا کلھا لم یبق خلق من اھلھا الادخل فی قبضة، ھذا مختصر.**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور مالک غیورﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللّٰہ عنہا فرماتی تھیں: جب حضور میرے شکم سے پیدا ہوئے مَیں نے دیکھا سجدہ میں پڑے ہیں، پھرایک سفید ابر نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ میرے سامنے سے غائب ہوگئے۔ پھر وہ پردہ ہٹا تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک سفید اونی کپڑے میں لپٹے ہیں اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے، اور گوہر شاداب کی تین کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں، کہنے والا کہہ رہا تھا، نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں اور نبوت کی کنجیاں، سب پر حضورﷺ نے قبضہ فرمایا، پھرایک اور ابر نے آکر حضور کوڈھانپ لیا کہ میری نگاہ سے چھپ گئے، پھر روشن ہوا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سبز ریشم کا لپٹا ہوا کپڑا حضور کی مٹھی میں ہے۔اور کوئی منادی پکار رہا ہے۔ واہ واہ ساری دنیا محمدﷺ کی مٹھی میں آئی، زمین وآسمان میں کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضہ میں نہ آئی ہو،صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم والحمدللّٰہ رب العالمین۔

(جامع الاحادیث:2888،ص135،جلد چہارم)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: قالت امنة الزھریة رضی اللّٰہ عنہا: لما ولد جاء رضوان خازن الجنة علیہ السلام و ادخلہ فی جناحیہ فقال فی اذنہ**

معک مفاتیح النصر، قد البست الخواف والرعب، لا یسمع احد بذکرک الا وجل فؤاده و خاف قلبه وان لم یراک یا خلیفة اللّٰه!

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللّٰہ عنہا نے فرمایا: رضوان خازن جنت علیہ السلام نے بعد ولادت حضور سیّد الکونین ﷺ کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوش اقدس میں عرض کی: حضور کے ساتھ نصرت کی کنجیاں ہیں، رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا ہے۔ جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا، اگر چہ حضور کو نہ دیکھا ہوا ے اللّٰہ کے نائب! ﷺ۔

(جامع الاحادیث: 2889، ص 135۔136، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو ایک اللّٰہ کا نائب ہی کہنے میں سب کچھ آ گیا، اللّٰہ کا نائب ایسا ہی تو چاہیے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں؟ ایک دنیا کے کتے کا نائب کہیں کا صوبہ دار وہاں کے سیاہ وسفید کا مختار ہوتا ہے، مگر اللّٰہ کا نائب کسی پتھر کا نائب ہے؟ **وما قدر و اللّٰه حق قدره**، بے دولتوں نے اللّٰہ ہی کی قدر نہ جانی لاواللّٰہ! اللّٰہ کا نائب اللّٰہ کی طرف سے اللّٰہ کے ملک میں تصرف تام کا اختیار رکھتا ہے جب تو اللّٰہ کا نائب کہلایا ہے۔ﷺ　　　(الامن والعلی، ص 96)

☆ **عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر، قال: فبکی ابوبکر و قال: هل انا و مالی الا لک یارسول اللّٰه!**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے کسی مال نے وہ نفع نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔ صدیق اکبر رضی اللّٰہ عنہ روئے اور عرض کی: میری جان و مال کا مالک حضور کے سوا کون ہے یارسول اللّٰہ!۔

(جامع الاحادیث: 2893، ص 139، جلد چہارم۔ الامن والعلی، ص: 103)

☆ **عن عبداللّٰه بن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: موتان الارض للّٰه ورسوله.**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ نے ارشاد فرمایا: جو زمین کسی کی ملک نہیں وہ اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسول کی ہے۔

(جامع الاحادیث: 2894، ص 139، جلد چہارم)

☆ **عن طاؤس رضی اللّٰہ عنہ مرسلا قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: عادی الارض من اللّٰہ ورسولہ.**

(ترجمہ) حضرت طاؤس رضی اللّٰہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشادفرمایا: قدیم زمین اللّٰہ ورسول کی ملک ہیں۔

(جامع الاحادیث:2895،ص139 تا140،جلد چہارم)

☆ **عن ابی هريرة رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اعلموا ان الارض اللّٰہ ورسولہ.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقین جان لو کہ زمین کے مالک اللّٰہ ورسول ہیں، جل جلالہ ﷺ۔

(جامع الاحادیث:2896،ص140،جلد چہارم۔الامن والعلی،ص:108)

☆ **عن عبداللّٰہ بن الاعور المازنی الاعشی رضی اللّٰہ عنہ قال: اتیت النبی ﷺ فانشدتہ.**

یا مالک الناس و دیان العرب ☆ انی لقیت ذرية من الذرب

قال: فجعل النبی ﷺ یقول:

وهن شر غالب لمن غلب. یتمثلهن

حضرت عبداللّٰہ بن اعور مازنی اعشی رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ اشعار عرض کیے۔اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزا وسزا دینے والے میرا پالا ایک ایسی عورت سے پڑگیا ہے جو نہایت زبان دراز ہے حضور اقدس ﷺ نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمادی۔

دوسرے اشعار بھی اس موقع پر انھوں نے سنائے تھے جن میں ان کی بیوی کے فرار کا قصہ اور آخر میں یہ شعر بھی تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آخری مصرع سن کر اس کو بطور مثل متعین فرمادیا کہ عورتیں بڑے بڑوں کو ناکوں چنے چبوادیتی ہیں۔(جامع الاحادیث:2897،ص140 تا141،جلد چہارم)

☆ **عن ابی مسعود الانصاری رضی اللّٰہ عنہ قال: انہ کان یضرب غلامہ فجعل یقول: اعوذ باللّٰہ، قال: فجعل یضربہ فقال: اعوذ برسول اللّٰہ فترکہ، فقال رسول**

اللہ ﷺ: واللہ! اللہ اقدر علیک منک علیہ، قال: فاعتقہ.

(ترجمہ) حضرت ابومسعود انصاری رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے کہنا شروع کیا اللّٰہ کی دہائی، اللّٰہ کی دہائی، انھوں نے ہاتھ نہ روکا، غلام نے کہا: رسول خدا کی دہائی فوراً ہاتھ چھوڑ دیا، حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! بے شک اللّٰہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تو اس غلام پر، انھوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔

(جامع الاحادیث: 2899، ص 143، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: الحمدللّٰہ، اس حدیث صحیح کے تیور کو دیکھیے، حیا ہو تو وہابیت کو ڈوب مرنے کو بھی جگہ نہیں، یہ حدیث تو خدا جانے بیماروں پر کیا کیا قیامت توڑے گی، رسول اللّٰہ ﷺ کی دُہائی دینا ہی ان کی دُہائی مچانے کو بہت تھی نہ کہ وہ بھی یوں کہ سیّدنا ابومسعود بدری رضی اللّٰہ عنہ خود فرماتے ہیں: وہ اللّٰہ عزّ وجل کی دُہائی دیتا رہا میں نے نہ چھوڑا، جب حضور نبی کریم ﷺ کی دہائی دی فوراً چھوڑ دیا۔

علما فرماتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ کی دہائی سن کر حضور کی عظمت دل پر چھائی ہاتھ روک لیا۔

اقول: یعنی پہلی بات ایک معمولی (روز مرہ کے معمول میں) ہوجانے سے ایسی موثر نہ ہوئی، انسان کا قاعدہ ہے کہ جس بات کا محاورہ کم ہوتا ہے اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے، ورنہ نبی کریم ﷺ کی دہائی بعینہ اللّٰہ عزّ وجل کی دہائی ہے، اور حضور کی عظمت اللّٰہ عزّ وجل ہی کی عظمت سے ناشی ہے۔

☆ **عن الحسن البصری رضی اللّٰہ عنہ مرسلا قال: بینا رجل یضرب غلاماله وھو یقول: اعوذ باللّٰہ، از بصر برسول اللّٰہ ﷺ فقال: اعوذ برسول اللّٰہ، فالقی ما کان فی یدہ و خلی عن العبد، فقال النبی ﷺ: اما و اللّٰہ انہ احق ان یعاذ من استعاذبہ منی، فقال الرجل: یا رسول اللّٰہ! فھو حرلوجہ اللّٰہ.**

(ترجمہ) حضرت امام حسن بصری رضی اللّٰہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ ایک صاحب اپنے کسی غلام کو مار رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا اللّٰہ کی دہائی، اتنے میں غلام نے حضور سیّد عالم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا، اب کہا: رسول کی دہائی، فوراً ان صاحب نے کوڑا ہاتھ سے ڈال دیا اور غلام کو چھوڑ دیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: سنتا ہے خدا کی قسم! بے شک اللّٰہ عزوجل مجھ سے زیادہ اس کا

مستحق ہے کہ اس کی دہائی دینے والے کو پناہ دی جائے۔ ان صاحب نے عرض کی: یارسول اللہ! تو وہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ (جامع الاحادیث: 2900،ص 144، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: الحمد للہ، اس حدیث نے تو اور بھی پانی سر سے تیر کردیا، صاف تصریح فرمادی کہ حضور اقدس ﷺ نے غلام کی دونوں دہائیاں بھی سنیں، اور پہلی دہائی پر ان کا نہ رکنا اور دوسری پر فوراً باز رہنا بھی ملاحظہ فرمایا، مگر افسوس وہابیت کی ذلت و مردودیت کہ نہ تو حضور اقدس ﷺ اس غلام سے فرماتے ہیں کہ تو مشرک ہوگیا، اللہ کے سوا میری دہائی دیتا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ اللہ عزوجل کی دہائی چھوڑ کر، نہ آقا سے ارشاد کرتے ہیں کہ ہیں یہ کیسا شرک اکبر؟ خدا کی دہائی کی وہ بے پرواہی اور میری دہائی پر یہ نظر، ایک تو میری دہائی مانی اور وہ بھی یوں کہ خدا کی دہائی نہ مان کر، افسوس آقا و غلام کو مشرک بنانا درکنار خود جو اس پر نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ کس مزے کی بات ہے کہ اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے۔

دہائی تو اپنی بھی قائم رکھی اور اپنی دہائی دینے پر پناہ دینی بھی ثابت رکھی، صرف اتنا ارشاد ہوا کہ خدا کی دہائی زیادہ ماننے کے قابل تھی،

☆ **عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما قال: ان النبی ﷺ امر الشمس فتاخرت ساعة من النہار.**

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ چلنے سے باز رہ فوراً ٹھہر گیا۔

(جامع الاحادیث: 2904،ص 152، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث حسن کا واقعہ اس حدیث صحیح کے واقعہ عظیمہ سے جدا ہے جس میں ڈوبا ہوا سورج حضور کے لیے پلٹا ہے، یہاں تک کہ حضرت مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نماز عصر کہ خدمت گزاری محبوب باری ﷺ میں قضا ہوئی تھی ادا فرمائی۔ امام اجل طحاوی وغیرہ اکابر نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

الحمد للہ، اسے خلافت رب العزت کہتے ہیں کہ ملک السموات والارض میں ان کا حکم جاری ہے، تمام مخلوق الٰہی کو ان کے لیے حکم اطاعت و فرماں برداری ہے، وہ خدا کے ہیں اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے، وہ محبوب اجل و اکرم خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ جب دودھ پیتے تھے گہوارہ میں چاند ان کی غلامی بجالاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا۔

☆ **عن عباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہما قال: قلت: یا رسول اللّٰہ! دعانی الی الدخول فی دینک امارۃ لنبوتک، رایتک فی المھد تناجی القمر و تشیر الیہ باصبعک، فحیث اشرت الیہ مال، قال رسول اللّٰہ ﷺ انی کنت احدثہ ویحدثنی ویلھینی عن البکاء واسمع وجبتہ حین یسجد تحت العرش.**

(ترجمہ) حضرت سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہما عم مکرم سیّدنا اکرم ﷺ نے حضور سے عرض کی: یارسول اللّٰہ! مجھے اسلام پر باعث حضور کے ایک معجزہ کا دیکھنا ہُوا، مَیں نے حضور کو دیکھا کہ حضور گہوارے میں چاند سے باتیں فرماتے، جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا، سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا، اور مجھے رونے سے بہلاتا، مَیں اس کے گرنے کا دھماکا سنتا تھا جب وہ زیرِعرش سجدہ میں گرتا۔　　　　(جامع الاحادیث: 2905، ص 152 تا 153، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: امام شیخ الاسلام صابونی فرماتے ہیں: یہ حدیث معجزات میں حسن ہے۔ جب دودھ پیتوں کی یہ حکومت قاہرہ ہے تو اب کہ خلافۃ اللّٰہ الکبری کا ظہور عین شباب پر ہے آفتاب کی کیا مجال کہ ان کے حکم سے سرتابی کرے۔ آفتاب و ماہ تاب درکنار، واللّٰہ العظیم! ملائکہ مدبرات الامر کہ تمام نظم ونسق عالم جن کے ہاتھوں پر ہے محمد رسول اللّٰہ خلیفۃ اللّٰہ الاعظم ﷺ کے دائرہ حکم سے باہر نہیں نکل سکتے، رسول اللّٰہ ﷺ فرماتے ہیں: **ارسلت الی الخلق کافہ.** (ترجمہ) مَیں تمام مخلوق الٰہی کی طرف رسول بھیجا گیا۔

قرآن فرماتا ہے: **تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا۔** (ترجمہ) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ تمام اہل عالم کو ڈر سنانے والا ہو۔

اہل عالم میں جمیع ملائکہ بھی داخل ہیں، علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ عصر گھوڑوں کے ملاحظہ میں قضا ہوئی۔

حتی توارت بالحجاب، قال: ردوھا علی. یہاں تک کہ سورج پردے میں جاچھپا، ارشاد فرمایا: پلٹا لاؤ میری طرف۔

امیر المؤمنین حضرت مولی علی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مروی، کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول میں ضمیر آفتاب کی طرف ہے اور خطاب

ان ملائکہ سے جو آفتاب پر متعین ہیں، یعنی نبی اللہ سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ ڈوبے ہوئے آفتاب کو واپس لے آؤ، وہ حسب الحکم واپس لائے یہاں تک کہ مغرب ہو کر پھر عصر کا وقت ہوگیا اور سیّدنا سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی۔

معالم التنزیل شریف میں ہے:۔

حکی عن علی رضی اللّٰہ عنه انه قال: معنی قوله ردوها علی یقول سلیمان علیه الصلوۃ والسلام بامر اللّٰہ عزوجل للملائکة المؤکلین بالشمس ردوها علی یعنی الشمس فردوها علیه حتی صلی العصر فی وقتها.

سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نائبانِ بارگاہِ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ، سے ایک جلیل القدر نائب ہیں، پھر حضور کا حکم تو حضور کا حکم ہے، ﷺ اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے شمار رحمتیں امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی پر کہ مواہب لدنیہ ومنحِ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

هو ﷺ خزانة السر و موضع نفوذ الامر، فلا ینفذ امر الامنه ولا ینقل خیرا الامنه ﷺ۔

الا بابی من کان ملکا و سیّدا و آدم بین الماء والطین واقف
اذا رام امرا لایکون خلافه ولیس لذلک الامر فی الکون صارف

یعنی حضور نبی کریم ﷺ خزانۂ رازِ الٰہی و جائے نفاذ امر ہیں، کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے، اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے، ﷺ۔

خبردار ہو! میرے باپ قربان ان پر جو بادشاہ و سردار ہیں اس وقت سے کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام ابھی آب وگل کے اندر ٹھہرے ہوئے تھے، وہ جس بات کا ارادہ فرمائیں اس کا خلاف نہیں ہوتا، تمام جہاں میں کوئی ان کا حکم پھیرنے والا نہیں، ﷺ

اقول: اور ہاں کیوں کر کوئی ان کا حکم پھیر سکے کہ حکم الٰہی کسی کے پھیرے سے نہیں پھرتا۔

لا راد لقضائه ولا معقب لحکمه، یہ جو کچھ چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔

☆ **عن ام المؤمنین عائشة الصدیقة رضی اللّٰہ عنها قالت: کنت اغار علی اللاتی وهبن انفسهن لرسول اللّٰہ ﷺ و اقول: اتهب المرأة نفسها، فلما انزل اللّٰہ تعالیٰ "ترجی من تشاء منهن وتؤی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح**

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

علیک" قلت: ماری ربک الایسارع فی هواک.

(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے ان عورتوں پر رشک آتا ہے جنھوں نے اپنی ذات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا، چناں چہ میں نے کہا: عورت اپنے آپ کو کس طرح ہبہ کرسکتی ہے۔

(جامع الاحادیث: 2906، ص 154 تا 155، جلد چہارم)

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو۔ اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمھارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں۔ تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔

☆ **عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنه قال: مرض ابوطالب فعاداه النبی ﷺ فقال: یا ابن اخی! ادع ربک والذی بعثک یعافینی، فقال: اللهم! اشف عمی، فقام کانما نشط من عقال، فقال: یا ابن اخی! ان ربک لیطیعک فقال: وانت یا عماه لو اطعته لیطیعتک.**

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طالب بیمار پڑے تو رسول اللہ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے، ابوطالب نے عرض کی! اے بھتیجے! میرے لیے اپنے رب سے جس نے حضور کو بھیجا ہے میری تن درستی کی دعا کیجیے، سیّد عالم ﷺ نے دعا کی، الٰہی! میرے چچا کو شفا دے، یہ دعا کرتے ہی ابو طالب اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کسی نے بندش کھول دی ہو۔ حضور سے عرض کی: اے میرے بھتیجے! بے شک حضور کا رب حضور کی اطاعت کرتا ہے، سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے چچا! اگر تو اس کی اطاعت کرے تو وہ تیرے ساتھ بھی یوں ہی معاملہ فرمائے گا۔ (جامع الاحادیث: 2907، ص 155 تا 156، جلد چہارم۔ الامن والعلی، ص: 143)

☆ **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: قالت الانصار فعلنا و فعلنا، فکانهم فخروا، فقال ابن عباس او العباس، شک عبد السلام لنا الفضل علیکم، فبلغ ذلک رسول اللّٰہ ﷺ فاتا هم فی مجالسهم فقال یا معشر الانصار الم تکونوا اذلة فاعز کم اللّٰہ بی؟ قالوا: بلی یارسول اللّٰہ قال: الم تکونوا ضلالا فهداکم اللّٰہ بی؟ قالوا: بلی یارسول اللّٰہ! قال: افلا تجیبونی، قالوا: مانقول یارسول اللّٰہ؟ قال: الا**

تقولون: الم یخرجک قومک فاوینک اولم یکذبک فصدقناک؟ اولم یخذلوک فنصرناک قال: فما زال یقول حتی جثوا علی الرکب، وقالوا: اموالنا وما فی ایدینا للّٰہ ولرسولہ.

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ انصار نے ایک مرتبہ بطور فخر کہا کہ ہم نے نہایت عظیم کارنامے انجام دیے ہیں، اس پر حضرت عباس یا بن عباس نے فرمایا: ہمیں تم پر فضیلت حاصل ہے، یہ گفتگو حضور تک پہنچی تو حضور اقدس ﷺ ان کی مجلس میں تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل و کمزور قوم نہیں تھے؟ کہ اللّٰہ نے میرے ذریعہ تمھیں عزت بخشی، بولے: کیوں نہیں یارسول اللّٰہ! فرمایا: کیا تم بے راہ رو اور گم راہ نہیں تھے کہ میرے طفیل تمھیں ہدایت ملی، بولے: ہاں رسول اللّٰہ! فرمایا: جواب میں تم مجھ سے کچھ کیوں نہیں کہتے؟ بولے ہم کیا جواب دیں؟ فرمایا: تم یہ کیوں نہیں کہتے: کہ کیا ایسا نہیں کہ جب مکہ سے آپ کی قوم نے آپ کو نکالا تو ہم نے ہی آپ کو ٹھکانا دیا، آپ کی قوم نے جھٹلایا تو اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، جب آپ کی قوم نے بے یار و مددگار چھوڑا تو ہم نے آپ کی مدد کی حضور سیّد عالم ﷺ اسی طرح فرما رہے تھے کہ انصار کرام رضوان اللّٰہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کی: ہمارے مال اور ہمارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے سب اللّٰہ و رسول کا ہے۔

(جامع الاحادیث: 2912، ص 163 تا 164، جلد چہارم۔ الامن والعلی، ص: 103)

☆ **عن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنہ قال: کنا مع رسول اللّٰہ ﷺ بحنین، فلما اصاب من هو ازن ما اصاب من اموالهم و سبایاهم ادرکه وفدهو ازن بالجعرانة وقد اسلموا، فقالوا: یارسول اللّٰہ! ﷺ، انا اصل وعشیرة، فامنن علینا من اللّٰہ علیک، وقام خطیبهم زهیر بن صرد فقال:**

امنن علینا رسول اللّٰہ فی کرم — فانک المرء ترجوه وتدخر
امنن علی بیضة قدعا قها قدر — مشتت شملها فی دهرهاغیر
ابقت لنا الدهر هنا فاعلی حزن — علی قلوبهم الغماء والغمر
ان لم تدار کهم نعمآء تنشرها — یاارجح الناس حلما حین یخبر

قال: فلما سمع النبی ﷺ هذا الشعر قال: ما کان لی ولعبد المطلب فهو

لکم، وقالت قریش: ماکان لنا فهو لله ولرسوله، وقالت الانصار: ما کان لنا فهو لله ولرسوله.

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاص رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور کے ساتھ تھے جب حضور اقدس ﷺ نے روز حنین زنان وصبیان بنی ہوازن کو اسیر فرمایا اور اموال و غلام و کنیز مجاہدین پر تقسیم فرمادیے، اب سرداران قبیلہ اپنے اہل و عیال و اموال حضور سے مانگنے کو حاضر ہوئے، زہیر بن صرد جشمی رضی اللّٰہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللّٰہ: ہم پر احسان فرمائیے اپنے کرم سے، حضور ہی وہ مرد کامل و جامع فواضل ومحاسن وشمائل ہیں جس سے ہم امید کریں اور جسے وقت مصیبت کے لیے ذخیرہ بنائیں۔ احسان فرمائیے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کے آڑے آئی اور اس کی جماعت تتر بتر ہوگئی، اس کے وقت کی حالتیں بدل گئی۔ یہ بدحالیاں ہمیشہ کے لیے ہم میں غم کے وہ مرثیہ خواں باقی رکھیں گے جن کے دلوں پر رنج وغیظ مستولی ہوگا۔ اگر حضور کی نعمتیں جنھیں حضور نے عام فرمادیا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں، اے آزمائش کے وقت تمام جہان سے زیادہ عقل والے ﷺ۔

یہ اشعار سن کر سیّد ارحم ﷺ نے فرمایا: جو کچھ میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصہ میں آیا وہ میں نے تمھیں بخش دیا، قریش نے عرض کی: جو کچھ ہمارا ہے وہ سب اللّٰہ کا ہے اور اللّٰہ کے رسول کا ہے۔ انصار نے عرض کی: جو کچھ ہمارا ہے وہ سب اللّٰہ کا ہے اور اللّٰہ کے رسول کا ہے۔ جل جلالہ و ﷺ۔　　(جامع الاحادیث: 2913، ص 164 تا 165، جلد چہارم)

☆ **عن انس بن مالک رضی اللّٰه عنه قال: جاء اعرابی الی النبی ﷺ فقال یارسول اللّٰه لقد اتیناک و مالنا بعیر یبط ولاصبی یصیح، وانشده.**

اتیناک والعذراء یدمی لبانها　　وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

والقی بکفیه الصبی استکانة　　من الجوع ضعفا مایمر ولا یخلی

ولاشئ مما یاکل الناس عندنا　　سوی الحنظل العامی والعلهز الفسل

ولیس لنا الا الیک فرارنا　　و این فرار الناس الا الی الرسل

فقام رسول اللّٰه ﷺ یجر رداء ہ حتی صعد المنبر ثم رفع یدیه الی السمآء، فقال: اللهم اسقنا غیثا مغیثا مریئاً مریعا غدقا، طبقا عاجلا غیر رائث، نافعا غیر ضار تملأ به الضرع وتنبت به الزرع تحیی به الارض بعد موتها و کذلک تخرجون،

فواللّٰہ مارد یدیه الی نحره حتی القت السماء بابر اقها، وجاء اهل البطانة یعنجون یارسول اللّٰہ! الغرق الغرق، فرفع یدیه الی السماء ثم قال: اللهم حوالینا ولا علینا، فانجاب السحاب عن المدینة حتی احدق بها کالا کلیل، فضحک رسول اللّٰہ ﷺ حتی بدت نواجذه ثم قال: للّٰہ در ابی طالب لو کان حیا قرتا عیناه من ینشدنا قوله؟ فقام علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنه فقال یارسول اللّٰہ کانک اردت:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للأر امل
یلوذبه الهلال من آل هاشم فهم عنده فی نعمة و فواضل
کذبتم وبیت اللّٰہ یبزی محمدا ولما نقاتل دونه و نناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا و الحلائل

قال: اجل ذلک اردت.

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: ہم در دولت پر شدتِ قحط کی ایسی حالت میں حاضر ہوئے کہ جو کنواری لڑکیاں ہیں (جنھیں ان کے والدین بہت عزیز رکھتے ہیں، ناداری کے باعث خادمہ رکھنے کی طاقت نہیں، کام کاج کرتے کرتے ان کے سینے شق ہوگئے ہیں) ان کی چھاتی سے خون بہہ رہا ہے، مائیں بچوں کو بھول گئی ہیں، جوان قوی کو اگر کوئی لڑکی دونوں ہاتھوں سے دھکا دے تو ضعف گرسنگی سے عاجزانہ زمین پر ایسا گر پڑتا ہے کہ منھ سے کڑوی میٹھی کوئی بات نہیں نکلتی، اور ہمارا حضور کے سوا کون ہے جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں، اور خود مخلوق کو جائے پناہ ہی کہاں مگر رسولوں کی بارگاہ میں، ﷺ۔

یہ فریاد سن کر حضور رحمت عالم ﷺ فوراً بہ نہایت عجلت منبر اطہر پر جلوہ فرما ہوئے اور دونوں دست مبارک بلند فرما کر اپنے رب عزوجل سے پانی مانگا، ابھی وہ پاک مبارک ہاتھ جھک کر گلوئے پرنور تک نہ آئے تھے کہ آسمان اپنی بجلیوں کے ساتھ اٹڈا اور بیرون شہر کے لوگ فریاد کرتے آئے کہ یارسول اللّٰہ! ہم ڈوبے جاتے ہیں حضور نے فرمایا: ہمارے گرد برس، ہم پر نہ برس، فوراً ابر مدینے پر کھل گیا، آس پاس گھرا تھا اور مدینہ طیبہ پر سے کھلا ہوا۔

یہ ملاحظہ فرما کر حضور اقدس ﷺ نے خندۂ دنداں نما کیا اور فرمایا: اللّٰہ کے لیے خوبی ابوطالب کی، اس وقت وہ زندہ ہوتا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ہے جو ہمیں اس کے

اشعار سنائے؟ مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی: یارسول اللہ! شاید حضور یہ اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابوطالب نے نعت اقدس میں عرض کیے تھے۔

کہ وہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقہ میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے، یتیموں کی جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان، بنو ہاشم جیسے غیور لوگ تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں، ان کے پاس ان کی نعمتیں وفضل میں بسر کرتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ہاں یہ ہی نظم ہمیں مقصود تھی۔ (جامع الاحادیث: 1915، ص 166 تا 167، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: یہ حدیث نفیس بحمد اللہ تعالیٰ اوّل تا آخر شفائے مؤمنین و شقائے منافقین ہے، اور حضور اقدس ﷺ کے پسند فرمودہ اشعار میں یہ الفاظ خاص ہمارے مقصود ہیں کہ حضور کے سوا ہمارا کوئی نہیں جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں، خلق کے لیے جائے پناہ نہیں سوا بارگاہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے، وہ گورے رنگ والا پیارا جس کے چاند سے منھ کے صدقے میں مینھ پڑتا ہے، وہ یتیموں کا حافظ، بیواؤں کا نگہ بان، وہ ملجا و ماوی کہ بڑے بڑے تباہی کے وقت اس کی پناہ میں آکر اس کی نعمت اس کے فضل سے چین کرتے ہیں۔ ﷺ (الامن والعلی، ص 106)

☆ **عن عروة بن الزبير رضی اللّٰه عنه قال: قال الانصار: یارسول اللّٰه! انت واللّٰه الاعز العزیز.**

(ترجمہ) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! خدائے تعالیٰ کی قسم! حضور ہی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔
(جامع الاحادیث: 2920، ص 173، جلد چہارم)

☆ **عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ما من مومن الا وانا اولی به فی الدنیا والآخرة، فاقرؤا ان شئتم، النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ہر مومن سے دنیا وآخرت میں اس کا زیادہ مالک ہوں، چاہو تو اس آیت کریمہ سے اس سلسلہ میں استدلال کرو، نبی مومنوں سے ان کی جان کے زیادہ مالک ہیں۔ (جامع الاحادیث: 2924، ص 176، جلد چہارم)۔ فتاوی رضویہ 9 / 225

☆ **عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه عنهما قال: ان امرأة من اهل الیمن اتت**

رسول اللّٰہ ﷺ وبنت لها وفي يد ابنتها مستكان غليظتان من ذهب، فقال: اتؤدين زكوة هذا، قالت: لا، قال: ايسرك ان يسورك اللّٰه بهما يوم القيامة سوارين من نار، قال: فخلعتهما فالقتهما الى رسول اللّٰه ﷺ فقالت: هما للّٰه ولرسوله جل جلاله و ﷺ.

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہما سے روایت ہے کہ یمن کی ایک بیوی اور ان کی بیٹی بارگاہ بیکس پناہ محبوب الٰہی ﷺ میں حاضر آئیں، دختر کے ہاتھ میں بھاری بھاری کنگن سونے کے تھے، مولیٰ ﷺ نے فرمایا: اس کی زکوۃ دے گی؟ عرض کی: نہ، فرمایا: کیا تجھے یہ بھاتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بدلے تجھے آگ کے دو کنگن پہنائے، ان بی بی نے فوراً وہ کنگن اُتار کر ڈال دیے اور عرض کی: یارسول اللّٰہ! یہ دونوں اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسول کے لیے ہیں۔ جل جلالہ و ﷺ۔ (جامع الاحادیث: 2935، ص 198 تا 199، جلد چہارم)

☆ **عن ابی لبابة رضی اللّٰہ عنه قال: لما تاب اللّٰه علي جئت رسول اللّٰه ﷺ فقلت: يارسول اللّٰه! انی اهجر دار قومي الذی اصبت بها الذنب وانخلع من مالی كله صدقة للّٰه عزوجل ولرسوله ﷺ فقال رسول اللّٰه ﷺ! يا ابا لبابة! يجزئ عنك الثلث، قال: فتصدقت بالثلث.**

(ترجمہ) حضرت ابولبابہ رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میری توبہ قبول ہوئی تو میں نے خدمت اقدس حضور سیّد عالم ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللّٰہ! میں اپنی قوم کا محلّہ جس میں مجھ سے خطا سرزد ہوئی چھوڑتا ہوں، اور اپنے مال سے اللّٰہ اور رسول کے نام پر تصدق کرکے باہر آیا ہوں جل جلالہ و ﷺ، حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا: اے ابولبابہ! یہ تہائی مال کافی ہے، میں نے ثلث مال اللّٰہ و رسول کے لیے صدقہ کردیا، عز جلالہ و ﷺ۔

(جامع الاحادیث: 2936، ص 199، جلد چہارم۔ الامن والعلی، ص: 121)

امام احمد رضا محدث قدس سرہ فرماتے ہیں: یہ حدیثیں جانِ وہابیت پر صریح آفت ہیں کہ تصدق کرنے میں اللّٰہ عزوجل کے ساتھ اللّٰہ کے محبوب اکرم ﷺ کا نام پاک ملایا جاتا اور حضور مقبول رکھتے، وللّٰه الحجة البالغة.

اسی قبیل سے ہے افضل الاولیاء المحمد یین امام المشاہدین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللّٰہ عنہ کی عرض کہ حضرت مولانا العارف باللّٰہ القوی مولوی معنوی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں نقل کی کہ جب حضرت صدیق عتیق حضرت سیّدنا بلال رضی اللّٰہ عنہما کو آزاد کرکے حاضر بارگاہ عالم پناہ

ہوئے تو عرض کیا: میں حضور کا بندہ و غلام ہوں۔

گفت مادو بندگان کوئے تو　　　کردمش آزاد ہم برروئے تو

پہلے مصرع میں جو کچھ حضرت صدیق اکبر اپنے مالک و مولی ﷺ سے عرض کر رہے ہیں اس پر تو دیکھا چاہیے کہ وہابیت کا جن کتنا مچلے نجدیت کی آگ کہاں کہاں تک اچھلے، مگر ہاں امیر المؤمنین غیظ المنافقین عمر فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ کا درۂ سیاست دکھایا چاہیے کہ بھوت بھاگے، اور شاہ ولی اللّٰہ صاحب کے پانی کا چھینٹا دیجیے کہ آگ دبے وہ کہاں؟ وہ حدیث آئندہ میں۔ وباللّٰہ التوفیق۔

☆ **عن ابی رافع رضی اللّٰہ عنه قال: ان فاطمة الزهراء رضی اللّٰہ عنها اتت بابنيها فقالت: يارسول اللّٰہ! انحلهما، قال: نعم، اما الحسن فقد نحلته حلمی وهيبتی، واما الحسين فقد نحلته نجدتی و جودی.**

(ترجمہ) حضرت ابورافع رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللّٰہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللّٰہ! ان دونوں کو کچھ عطا فرمایئے، قاسم خزائن الٰہی ﷺ نے فرمایا: ہاں منظور ہے، حسن کو تو میں نے اپنا حلم اور ہیبت عطا کی، اور حسین کو اپنی شجاعت اور اپنا کرم بخشا۔

(جامع الاحادیث: 2942، ص 206، جلد چہارم)

☆ **عن ام ايمن رضی اللّٰہ عنها قالت: جاء ت فاطمة الزهراء رضی اللّٰہ عنها بالحسن والحسين رضی اللّٰہ عنهما الی رسول اللّٰہ ﷺ فقالت: يا نبی اللّٰہ! انحلهما، فقال: نحلت هذا الكبير المهابة والحلم، ونحلت هذا الصغير المحبة والرضی.**

(ترجمہ) حضرت ام ایمن رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللّٰہ عنہا دونوں شاہزادوں کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر آئیں اور عرض کی: یا نبی اللّٰہ! کچھ عطا ہو، فرمایا: مَیں نے اس بڑے کو ہیبت و بردباری عطا کی، اور اس چھوٹے کو محبت و رضا کی نعمت دی۔ (جامع الاحادیث: 2943، ص 206، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: اقول و باللّٰہ التوفیق۔ حلم ہیبت جو دو شجاعت اور رضا و محبت کچھ اشیائے محسوسہ و اجسام ظاہرہ تو نہیں کہ ہاتھ میں اٹھا کر دے دیے جائیں، پھر حضرت بتول زہرا کا سوال بصیغہ عرض و درخواست تھا کہ حضور انھیں کچھ عطا فرمائیں، جسے عرف نحاۃ میں صیغہ امر کہتے ہیں، اور وہ زمان استقبال کے لیے خاص کہ جب تک یہ صیغہ

زبان سے ادا ہوگا زمانۂ حال منقضی ہو جائے گا، اس کے بعد قبول و وقوع جو کچھ ہوگا زمانہ تکلم سے زمانہ مستقبل میں آئے گا، اگر چہ بحالت فور و اتصال اسے عرفاً زمانہ حال کہیں بہر حال درخواست و قبول کو زمانہ ماضی سے اصلاً تعلق نہیں، اب حضور اقدس ﷺ نے کیا فرمایا: یعنی ہاں دوں گا، **لاجرم** یہ قبول زمانۂ استقبال کا وعدہ ہوا۔ **فان السؤال معاد فی الجواب ای نعم انحلهما.**

اس کے متصل ہی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس شاہزادے کو یہ نعمتیں دیں، اور اس شہزادے کو یہ دولتیں بخشیں، یہ صیغے بظاہر ماضی کے ہیں، اور اس سے مراد زمان وعدہ تھا اور زمان وعدہ عطا نہیں کہ وعدہ عطا پر مقدم ہوتا ہے، لاجرم یہ صیغے اخبار کے نہیں بلکہ انشا کے ہیں، جس طرح بائع و مشتری کہتے ہیں: بعت اشتریت، میں نے بیچی، میں نے خریدی،۔ یہ صیغے کسی گزشتہ خرید و فروخت کی خبر دینے کو نہیں ہوتے بلکہ انھیں سے بیع و شرا پیدا ہوتی ہے، انشا کی جاتی ہے۔

یعنی حضور اقدس ﷺ نے اس فرمانے ہی میں کہ میں نے اسے یہ دیا، اسے یہ دیا، حلم و ہیبت، جود و شجاعت اور رضا و محبت کی دولتیں شاہ زادوں کو بخش دیں، یہ نعمتیں خاص خزائن **ملک السموات والارض جل جلاله** کی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تو وہ جو زبان سے فرمادے کہ میں نے دیں اور اس فرمانے سے وہ نعمتیں حاصل ہو جائیں قطعاً یقیناً وہی کرسکتا ہے جس کا ہاتھ اللّٰہ وہاب رب الارباب جل جلالہ کے خزانوں پر پہنچتا ہے، جسے اس کے رب جل و علا نے عطا و منع کا اختیار دے دیا ہے، ہاں وہ کون؟ ہاں واللّٰہ! وہ محمد رسول اللّٰہ ماذون و مختار حضرت اللّٰہ، قاسم و متصرف خزائن اللّٰہ جل جلالہ و ﷺ، والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

لاجرم امام اجل احمد بن حجر مکی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کتاب مستطاب جو ہر منظّم میں فرماتے ہیں:

هو ﷺ خلیفة الله الاعظم الذی جعل خزائن کرمه و موائد نعمه طوع یدیه وارادته یعطی من یشاء ﷺ.

اللّٰہ عزوجل کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ حق جل و علا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع اور ان کے ارادے کے زیر فرمان کردیے جسے

چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، ﷺ۔

ان مباحث قدسیہ کے جان فزا بیان فقیر کے رسالہ سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ، میں بکثرت ہیں، وللّٰہ الحمد۔　　　　(الامن والعلیٰ، ص 129)

اقول وباللّٰہ التوفیق، احکام الٰہیہ دو قسم ہیں۔

اوّل تکوینیہ: مثل احیاء و اماتت، قضائے حاجت و دفع مصیبت، عطائے دولت، رزق، نعمت، فتح اور شکست وغیرہا عالم کے بندوبست۔

دوم تشریعیہ: کہ کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کر دینا۔

مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے کہ غیر خدا کی طرف بروجہ ذاتی احکام تشریعی کی اسناد بھی شرک، قال اللّٰہ تعالیٰ۔

ام لهم شركاء شرعوالهم من الدين مالم يأذن به الله.

کیا ان کے لیے خدا کی الوہیت میں کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے واسطے دین میں وہ راہیں نکال دیں ہیں جن کا خدا نے حکم نہ دیا۔ او ربروجہ عطائی امور تکوین کی اسناد بھی شرک نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فالمدبرات امرا۔ قسم ان مقبول بندوں کی جو کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں،

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او در تمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ رابا یشاں وابستہ می دانند۔ و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چناں چہ جمیع اولیاء اللّٰہ ہمیں معاملہ است۔

حضرت امیر یعنی حضرت مولیٰ علی مشکل کشا اور ان کی اولاد طاہرہ کو تمام امت اپنے مرشد جیسے سمجھتی ہے اور امور تکوینیہ کو انھیں سے وابستہ جانتی ہے، اور فاتحہ، درود، صدقات اور ان کے ناموں کی نذر وغیرہ دینا رائج و معمول ہے۔

تو مناسب ہوا کہ بعض احادیث وہ بھی ذکر کی جائیں جن میں احکام تشریعیہ کی اسناد صریح ہے۔ نیز اس قسم کی خاص چند آیتوں کا ذکر بھی محمود اگرچہ استیعاب نہ آیات میں منظور اور نہ احادیث میں مقدور۔ واللّٰہ الھادی الی منائر النور.

ہم پہلے چند آیتیں قسم اوّل یعنی احکامِ تکوینیہ کی تلاوت کرتے ہیں پھر احکامِ تشریعیہ کا بیان آیات واحادیث سے مسلسل رہے، وباللّٰہ التوفیق۔

آیت: **ان کل نفس لما علیها حافظ.**

کوئی جان نہیں جس پر ایک نگہ بان متعین نہ ہو۔ یعنی ملائکہ ہر شخص کے حافظ ونگہ بان رہتے ہیں۔

آیت 2 **ان الذین توفهم الملائکة.**

بے شک وہ لوگ جنھیں موت دی فرشتوں نے۔

آیت 3 **جاء تهم رسلنا یتوفونهم.**

ہمارے رسول ان کے پاس آئے انھیں موت دینے کو۔

آیت 4 **ولو تری اذ یتوفی الذین کفرو الملائکة.**

کاش تم دیکھو جب کافروں کو موت دیتے ہیں فرشتے۔

آیت 5 **ان الخزی الیوم والسوء علی الکافرین تتوفهم الملائکة ظالمی انفسهم.**

بے شک آج کے دن رسوائی اور مصیبت کافروں پر ہے جنھیں موت فرشتے دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ستم ڈھائے ہوئے ہیں۔

آیت 6 **کذلک یجزی اللّٰه المتقین الذین تتوفهم الملائکة طیبین.**

ایسا ہی بدلہ دیتا ہے اللّٰہ پرہیزگاروں کو جنھیں موت فرشتے دیتے ہے پاکیزہ حالت میں۔

جعلنا اللّٰه منهم بفضل رحمته بهم، آمین

آیت 7 **الرٰ کتاب انزلناه الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربهم الی صراط العزیز الحمید.**

یہ کتاب ہم نے تمھاری طرف اتاری تا کہ تم اے نبی لوگوں کو اندھیروں سے نکال لو روشنی کی طرف، ان کے رب کی پروانگی سے غالب، سراہے گئے کی راہ کی طرف۔

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

آیت 8 **ولقد ارسلنا موسی بآیتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور۔**

اور بے شک بالیقین ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اے موسیٰ! تو نکال

لے اپنی قوم کو اندھیریوں سے روشنی کی طرف۔

اقول: اندھیریاں کفر و ضلالت ہیں اور روشنی ایمان ہدایت، جسے غالب سراہے گئے کی راہ فرمایا۔ اور ایمان و کفر میں واسطہ نہیں، ایک سے نکالنا قطعاً دوسرے میں داخل کرنا ہے، تو آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، نے کفر سے نکالا اور ایمان کی روشنی دیدی،۔ اس امت کو مصطفیٰ ﷺ کفر سے چھڑاتے ایمان عطا فرماتے ہیں، اگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ کام نہ ہوتا، انھیں اس کی طاقت نہ ہوتی تو رب عزوجل کا انھیں یہ حکم فرمانا کہ کفر سے نکال لو معاذ اللہ تکلیف مالا یطاق تھا۔ الحمد للہ، قرآن عظیم نے کیسی تکذیب فرمائی امام وہابیہ کے اس حصر کی۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عطائے ذاتی خاصۂ خدا ہے، **انک لا تھدی من اجببت**، وغیرہا میں اسی کا تذکرہ ہے، کچھ ایمان کے ساتھ خاص نہیں پیسہ کوڑی بے عطائے خدا کوئی بھی اپنی ذات سے نہیں دے سکتا، تاخدا نہ دہد سلیماں کے دہد

یہ ہی فرق ہے جسے گم کرکے تم ہر جگہ بہکے،، اور **افتؤ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض**، میں داخل ہوئے۔

☆　**عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: لمافتح اللّٰہ تعالیٰ علی رسولہ مکۃ قام فی الناس فحمد اللّٰہ واثنی علیہ، ثم قال: ان اللّٰہ حبس عن مکۃ الفیل وسلط علیھا رسولہ والمؤمنین، وانھا لن تحل لاحد کان قبلی، وانھا احلت لی ساعۃ من نھار، وانھا لن تحل لاحد بعدی، فلاینفر صیدھا ولا یختلی شوکھا، ولا تحل ساقطتھا الا لمنشد، ومن قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین، اما ان یفدی واما ان یقتل، فقال العباس رضی اللّٰہ عنہ: الا الاذخر یارسول اللّٰہ ﷺ! فانا نجعلہ فی قبورنا وبیوتنا، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: الا الاذخر، فقام ابو شاہ رجل من اھل الیمن فقال: اکتبوا لی یارسول اللّٰہ! فقال رسول اللّٰہ ﷺ: اکتبوا لابی شاہ.**

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا: پہلے حمد و ثنا بیان فرمائی اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور خانۂ کعبہ کی ہاتھیوں سے حفاظت فرمائی اور ابرہہ کو خائب و خاسر کیا، اور آج اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین کو فاتح فرمایا، مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہ ہُوا، اور میرے لیے

آج دن کی ایک ساعت میں حلال ہُوا تھا لیکن اب میرے بعد کسی کے لیے حلال نہ ہوگا، اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے، خار دار درخت نہ کاٹے جائیں، گری پڑی چیز اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی نہ اٹھائے، اور جس کا کوئی شخص قتل کردیا جائے تو اسے دو باتوں کا اختیار ہے خواہ فدیہ لے لے خواہ قصاص، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مگر اذخر کہ وہ گھروں اور قبروں کے لیے ہے، فرمایا: مگر اذخر۔ یمن کے باشندہ ابو شاہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوادیں، فرمایا: ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

(جامع الاحادیث: 2973، ص 225 تا 226، جلد چہارم)

☆ **عن صفية بنت شيبة رضى الله عنها قالت: سمعت النبى ﷺ يخطب عام الفتح فقال: يا ايهاالناس! ان الله حرم مكة يوم خلق السموات والارض فهى حرام الى يوم القيامة، لا يعضد شجرها ولا ينفر صيدها ولا يأ خذ لقطتها الامنشد، فقال العباس رضى الله عنه: الا الاذخر فانه للبيوت والقبور، فقال رسول الله ﷺ: الا الاذخر.**

(ترجمہ) حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن ہی مکہ مکرمہ کو حرم محترم بنایا تھا لہٰذا وہ قیامت تک حرام ہی رہے گا، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، یہاں شکار کو نہ بھڑکایا جائے، اور کوئی گری پڑی چیز نہ اٹھائے مگر وہ جو اعلان کرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مگر اذخر کہ وہ ہمارے گھروں اور قبروں کے کام آتی ہے۔ فرمایا: مگر اذخر۔

(جامع الاحادیث: 2974، ص 226، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں: کہ احکام شریعت حضور سیّد عالم ﷺ کے سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کردیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں۔

آیت کریمہ: **قاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله.**

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لائے اللہ اور نہ پچھلے دن پر، اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جسے حرام کردیا ہے اللہ اور اس کے رسول (محمد ﷺ) نے۔

آیت کریمہ: **ماکان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امر ھم، ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلا لا مبینا.**

نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کردیں اللّٰہ و رسول کسی بات کا کہ انھیں کچھ اختیار ہے اپنے معاملہ کا، اور جو حکم نہ مانے اللّٰہ و رسول کا تو وہ صریح گم راہی میں بھٹکا۔

یہاں سے ائمہ مفسرین فرماتے ہیں: حضور سیّدالمرسلین ﷺ نے قبل طلوع آفتاب اسلام زید بن حارثہ رضی اللّٰہ عنہ کو مول لے کر آزاد کردیا تھا اور متبنیٰ بنادیا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللّٰہ عنہا کہ حضور سیّد عالم ﷺ کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں سیّد عالم ﷺ نے انھیں حضرت زید رضی اللّٰہ عنہ سے نکاح کا پیام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لیے خواست گاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللّٰہ عنہ کے لیے طلب ہے انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یارسول اللّٰہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی، ان کے بھائی عبداللّٰہ بن جحش رضی اللّٰہ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا، اس پر یہ آیت کریمہ اتری، اسے سن کر دونوں بھائی بہن رضی اللّٰہ عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللّٰہ عزوجل کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہوجائے، خصوصاً جب کہ وہ اس کا کفو نہ ہو، خصوصاً جب کہ عورت کی شرافت خاندانی کواکب ثریا سے بھی بلند و بالا ہو، بایں ہمہ اپنے حبیب ﷺ کا دیا ہوا پیام نہ ماننے پر رب العزت جل جلالہ نے بعینہ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرض الہ کے ترک پر فرمائے جاتے اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا۔ یعنی رسول جو بات تمھیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہوگئی۔ مسلمانوں کو نہ ماننے کا اصلا اختیار نہ رہا، جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہوجائے گا۔

دیکھو! رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہوجاتا ہے اگر چہ فی نفسہ خدا کا فرض نہ تھا، ایک مباح اور جائز امر تھا، ولہٰذا ائمۂ دین خدا و رسول کے فرض میں فرق فرماتے ہیں کہ خدا کا کیا ہوا فرض اس فرض سے اقوی ہے جسے رسول نے فرض کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کردیں۔

امام عارف باللّٰہ سیّد عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ

باب الوضو میں حضرت سیّدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ عزوجل کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے، اسی واسطے انھوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کہا اور وتر کا نام واجب رکھا، یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں نہ قرآن عظیم سے، تو امام اعظم نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ کے فرض اور رسول اللہ ﷺ کے فرض میں فرق و تمیز کردیں، اس لیے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اس سے زیادہ مؤکد ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی طرف سے فرض کردیا، جب کہ اللہ عزوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کردیں جسے نہ چاہیں نہ کریں،

اسی میں ہے:۔ حضرت عزت جل جلالہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ منصب دیا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے مقرر فرمادیں جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی۔ حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! گیاہ اذخر کو اس حکم سے نکال دیجیے، فرمایا: اچھا نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کردیا۔ اگر اللہ سبحانہ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت میں چاہیں مقرر فرمائیں۔ تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے، کہ جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔ (الامن والعلی، ص: 172)

☆ **عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لو لا ان اشق علی امتی لاخرت صلاة العشاء الی نصف الیل.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا لحاظ نہ ہوتا تو میں عشا کو آدھی رات تک ہٹا دیتا۔

(جامع الاحادیث: 2976، ص 229، جلد چہارم)

☆ **عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: خطب رسول الله ﷺ فقال: ان الله عزوجل قد فرض علیکم الحج، فقال رجل فی کل عام فسکت عنه حتی اعاده ثلثا، فقال: لو قلت: نعم، لوجبت، ولو وجبت ماقمتم بها، زرونی ماترکتکم، فانما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم واختلافهم علی انبیائهم، فاذا امرتکم بالشیٔ فخذوا به ماستطعتم، واذا نهیتکم عن شیٔ فاجتنبوه.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو

خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تم پر حج بیت اللہ فرض فرمایا ہے، ایک صاحب بولے: یارسول اللہ ! کیا ہر سال؟ حضور خاموش رہے انھوں نے تین مرتبہ یہ ہی سوال کیا تو فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوجاتا، اور جب واجب ہوجاتا تو تم ادانہیں کر پاتے۔ جب تک میں خود تم پر کوئی حکم صادر نہ کروں اس وقت تک تم مجھے چھوڑے رہو کہ تم سے پہلی امتیں اسی سبب ہلاک ہوئیں کہ اپنے نبیوں سے زیادہ سوالات کر کے اپنے اوپر تنگی مول لے لی اور پھر نافرمانی کی۔ سنو! جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کرو اور جب منع فرماؤں تو باز رہو۔　　　(جامع الاحادیث: 2981، ص 231 تا 232، جلد چہارم)

امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

من خصائصه ﷺ انه كان يخص من شاء بماشاء من الاحكام.

سیّد عالم ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔

میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ہے: شریعت کی دوسری قسم وہ ہے جو مصطفیٰ ﷺ کو ان کے رب عزوجل نے ماذون فرمادیا کہ خود اپنی رائے سے جو راہ چاہیں قائم فرمادیں، مردوں پر ریشم پہننا حرام حضور نے اسی طور پر فرمایا، گیاہ اذخر کا استثناء اسی طور پر گزرا نماز عشا کے مؤخر نہ ہونے اور حج کی ہر سال فرضیت صادر نہ کرنے کی وجوہ بھی اسی قبیل سے متعلق ہیں۔

بلکہ امام جلیل جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے خصائص کبریٰ شریف میں ایک باب وضع کیا۔

باب اختصاصه ﷺ بانه يخص من شاء بماشاء من الاحكام.

باب اس بیان کا کہ خاص نبی ﷺ کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

☆　**عن انس بن مالک رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ يوم النحر: من كان ذبح قبل الصلوة فليعد، فقام رجل فقال: يارسول الله! هذا يوم يشتهى فيه اللحم، وذكرهنة من جيرانه، كان رسول الله ﷺ صدقه، قال: وعندى جذعة هى احب الى من شاتى لحم، أفاذبحها قال: فرخص له، فقال: لاادرى ابلغت رخصة من سواه ام لا.**

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

قربانی کے دن خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا: جس نے نماز سے قبل قربانی کی ہو وہ دوبارہ کرے، ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسول اللّٰہ: یہ دن تو گوشت کھانے کا ہے، پھر انھوں نے اپنے پڑوسیوں پر گوشت بطور ہدیہ عطیہ تقسیم کرنے کا ذکر کیا، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ حضور ان کے فعل کی تصدیق فرمارہے ہیں، پھر انھوں نے خود ہی عرض کی: میرے پاس ایک بکری کا ششماہی بچہ ہے جو بکری سے زیادہ مجھے پسند ہے، تو کیا میں اس کی قربانی کردوں؟ حضور نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی حضرت انس کہتے ہیں: اب مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ رخصت صرف ان کے لیے تھی یا عام حکم تھا۔ (جامع الاحادیث: 2986، ص 235 تا 236، جلد چہارم)

☆ **عن ام عطیة رضی اللّٰہ عنہا قالت: لما نزلت ھذہ الآیة، یبایعنک علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئا ولا یعصینک فی معروف، قالت: منہ النیا حة، قالت: فقلت: یارسول اللّٰہ! الا ال فلان، فانھم کانوا اسعدونی فی الجاھلیة فلابدلی من ان اسعدھم، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: الا ال فلان.**

(ترجمہ) حضرت ام عطیہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیعت زناں کی آیت اتری اور اس میں ہر گناہ سے بچنے کی شرط تھی، اور مردے پر بیان کرکے رونا چیخنا بھی گناہ تھا، میں نے عرض کی: یارسول اللّٰہ! فلاں گھر والوں کو استثناء فرمادیجیے کہ انھوں نے زمانۂ جاہلیت میں میرے ساتھ ہوکر میری ایک میت پر نوحہ کیا تھا، تو مجھے ان کی میت پر نوحے میں ان کا ساتھ دینا ضرور ہے، سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: اچھا وہ مستثنیٰ کردیے۔

(جامع الاحادیث: 2989، ص 237، جلد چہارم)

☆ **عن اسماء بنت عمیس رضی اللّٰہ عنہا قالت: لما اصیب جعفر بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ امرنی رسول اللّٰہ ﷺ فقال: تسلمی ثلاثا ثم اصنعی ماشئت.**

(ترجمہ) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللّٰہ عنہ شہید ہوگئے تو رسول اللّٰہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تم تین دن سنگار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔ (جامع الاحادیث: 2993، ص 239، جلد چہارم)

☆ **عن ابی النعمان الازدی رضی اللّٰہ عنہ قال: ان رجلا خطب امرأة، فقال النبی ﷺ: اصدقھا، قال: ماعندی شیء، قال: اما تحسن سورة من القرآن فاصدقھا السورة، ولا تکون لاحد بعدک مھرا.**

(ترجمہ) حضرت ابوالنعمان ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو پیام نکاح دیا، سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: مہر دو، عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں، فرمایا: کیا تجھے قرآن کریم کی کوئی سورت نہیں آتی، وہ سورت سکھانا ہی اس کا مہر کر، اور تیرے بعد یہ مہر کسی اور کو کافی نہیں۔ (جامع الاحادیث: 2994، ص 240، جلد چہارم)

☆ **عن خزیمة بن ثابت رضی اللّٰہ عنه قال: ان رسول اللّٰہ ﷺ ابتاع من سواء بن الحارث المحاربی فرسا فجحده فشهدله خزیمة بن ثابت رضی اللّٰہ عنه فقال له رسول اللّٰہ ﷺ: ماحملک علی الشهادة ولم تکن معه؟ قال: صدقت یارسول اللّٰہ! ولکن صدقت بما قلت، وعرفت انک لاتقول الاحقا، فقال: من شهدله خزیمة واشهد علیه فحسبه.**

(ترجمہ) حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سواء بن حارث محاربی اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا، وہ بیچ کر مکر گئے اور گواہ مانگا، حضرت خزیمہ نے گواہی دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم تو موجود ہی نہیں تھے تم نے گواہی کیسے دی، عرض کی: آپ نے سچ فرمایا میں موجود نہیں تھا لیکن میں حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا اور یقین جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے، اس کے انعام میں حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ ان کو گواہی دو مرد کی شہادت کے برابر فرمادی اور ارشاد فرمایا: خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں ایک انھیں کی شہادت بس ہے۔ (جامع الاحادیث: 2996 ص 241 تا 242، جلد چہارم)

☆ **عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: بینما نحن جلوس عندالنبی ﷺ اذجآء ه رجل فقال: یارسول اللّٰہ! هلکت، قال: مالک؟ قال: وقعت علی امرأتی وانا صائم، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: هل تجد رقبة تعتقها، قال، لا، قال: فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین، قال: لا، قال: فهل تجد اطعام ستین مسکینا، قال: لا، قال: فمکث النبی ﷺ فبینا نحن علی ذلک اتی النبی ﷺ بعرق فیما تمر، والعرق المکتل، قال: این السائل؟ فقال: انا، قال: خذ هذا فتصدق به، فقال الرجل: أعلی افقر منی؟ یارسول اللّٰہ! فواللّٰہ! مابین لابتیها یرید الحرقین اهل بیت افقر من اهل بیتی، فضحک رسول اللّٰہ ﷺ حتی بدت انیابه ثم قال: اطعمه اهلک.**

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللّٰہ! میں ہلاک ہوگیا، فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی: میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی، فرمایا: غلام آزاد کرسکتا ہے؟ عرض کی: نہ، فرمایا: لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ عرض کی: نہ، فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟ عرض کی: نہ، اتنے میں خرمے خدمت اقدس میں لائے گئے، حضور نے فرمایا: انھیں خیرات کردے، عرض کی: کیا اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر، مدینے بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں، رحمت عالم ﷺ یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے اور فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلادے۔ (جامع الاحادیث: 2997، ص 242 تا 243، جلد چہارم)

☆ **عن امیر المؤمنین علی المرتضی کرم اللّٰہ وجهه الکریم قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: کله انت وعیالک فقد کفر اللّٰہ عنک.**

(ترجمہ) امیر المؤمنین حضرت مولی علی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تو اور تیرے اہل وعیال یہ خرمے کھالیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تیری طرف سے کفارہ ادا فرمادیا۔ (جامع الاحادیث: 2999، ص 244، جلد چہارم)

☆ **عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ لعلی کرم اللّٰہ تعالیٰ وجهه الکریم: یاعلی! لایحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری وغیرک.**

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے حضرت مولی علی کرم اللّٰہ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا: اے علی! میرے اور تمھارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحال جنابت داخل ہو۔ (جامع الاحادیث: 3003، ص 247، جلد چہارم)

☆ **عن نصر بن عاصم رضی اللّٰہ عنه عن رجل منهم رضی اللّٰہ عنه انه اتی النبی ﷺ فاسلم علی انه لایصلی الاصلاتین فقبل ذلک منه.**

(ترجمہ) حضرت نصر بن عاصم رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب خدمت اقدس حضور سیّدعالم ﷺ میں حاضر ہوکر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا، حضور نبی کریم ﷺ نے قبول فرمالیا۔ (جامع الاحادیث: 3027، ص 262 تا 263، جلد چہارم)

☆ **عن خزیمة بن ثابت رضی اللّٰہ عنه قال: جعل رسول اللّٰہ ﷺ للمسافر ثلثا ولو مضی السائل علی مسألته لجعلها خمسا وفی روایة، ولو استزد ناه لزادنا، وفی**

روایة ولو اطنب له السائل فی مسألته لزاد، وفی روایة وایم اللّٰہ! لومضی السائل فی مسئالته لجعله خمسا.

(ترجمہ) ذوالشہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے مسح موزہ کی مدت تین رات مقرر فرمائی، اور اگر مانگنے والا مانگتا رہتا تو ضرور حضور پانچ راتیں کردیتے، ایک روایت میں ہے، اگر ہم حضور سے زیادہ مانگتے تو حضور مدت اور بڑھادیتے، دوسری روایت میں ہے، اگر مانگنے والا مانگے جاتا تو حضور اور زیادہ مدت عطا فرماتے، تیسری روایت میں ہے، خدا کی قسم! اگر سائل عرض کیے جاتا تو حضور مدت کے پانچ دن کردیتے۔ (جامع الاحادیث: 3028، ص 263، جلد چہارم)

☆ **عن ابی موسی الاشعری رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لاتشرب مسکرا، فانی حرمت کل مسکر.**

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشادفرمایا: نشہ کی کوئی چیز نہ پی کہ بے شک نشہ کی ہر شے میں نے حرام کردی ہے۔

(جامع الاحادیث: 3040، ص 270 تا 271، جلد چہارم)

☆ **عن المقداد بن معدی کرب رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: الا انی اوتیت القرآن ومثله معه، الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول: علیکم بهذا القرآن، فما وجد تم فیه من حلال فاحلوه، وما وجد تم فیه من حرام فحرموه، الا لایحل لکم الحمار الاهلی ولا کل ذی ناب من السبع ولا لقطة معاهد الا ان یستغنی عنها، وان ماحرم رسول اللّٰہ مثل ماحرم اللّٰہ.**

(ترجمہ) حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ارشادفرمایا: سن لو! مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل ملا، یعنی حدیث، دیکھوکوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر بیٹھا یہ نہ کہے یہ ہی قرآن لئے رہو، جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو، جو اس میں حرام ہے حرام مانو۔ سن لو! تمھارے لیے پالتو گدھا حرام ہے، ہر کیلے والا درندہ حرام ہے اور ذمی کافر کا گرا پڑا مال بھی حرام جب تک وہ اس سے مستغنی نہ ہو۔ جو کچھ اللّٰہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی اس کے مثل ہے جسے اللّٰہ عزوجل نے حرام کیا۔ جل جلالہ وﷺ۔

(جامع الاحادیث: 3042، ص 272، جلد چہارم)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

یہاں **امر رسول اللہ ﷺ، نہی رسول اللہ ﷺ، قضی رسول اللہ ﷺ،**

اتنی حدیثوں میں وارد ہے جن کے جمع کو ایک مجلد کبیر بھی ناکافی ہو۔ خود قرآن عظیم ہی نے جو ارشاد فرمایا: **وما آتکم الرسول فخذوہ وما نہا کم عنہ فانتھوا.**

جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

امر و نہی اور قضا کو اوروں کی طرف بھی اسناد کرتے ہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم.

مجھے تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کو احکام شرعیہ سے فقط آگاہی و واقفیت کی نسبت نہیں جس طرح وہ سرکش طاغی تقویۃ الایمان میں سیّد المرسلین ﷺ پر صریح افترا کرکے کہتا ہے: انھوں نے فرمایا کہ سب لوگوں سے امتیاز مجھ کو یہ ہی ہے کہ اللّٰہ کے احکام سے میں واقف ہوں اور لوگ غافل۔ (تقویہ)

مسلمانو! للّٰہ انصاف، یہ اس کس ناکس نے محمد رسول اللّٰہ ﷺ کے فضائل جمیلہ و کمالاتِ رفیعہ و درجاتِ منیعہ جن میں زید و عمر کی کیا گنتی انبیا و مرسلین و ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی حصہ نہیں، سب یک لخت اڑا دیئے۔ سب لوگوں سے حضور سیّد عالم ﷺ کا امتیاز صرف دربارۂ احکام رکھا اور وہ بھی اتنا کہ حضور واقف ہیں اور لوگ غافل، تو انبیاء سے تو کچھ امتیاز رہا ہی نہیں کہ وہ بھی واقف میں غافل نہیں، اور امتیوں سے بھی امتیاز اتنے ہی دیر تک ہے کہ وہ غافل رہیں، واقف ہوجائیں تو کچھ امتیاز نہیں، کہ اب وقوف و غفلت کا تفاوت نہ رہا اور امتیاز اس میں منحصر تھا، **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.**

مسلمانو! دیکھا، یہ حاصل ہے اس شخص کے دین کا یہ پچھلا کلمہ ہے محمد رسول اللّٰہ پر اس کے ایمان کا جس پر اس نے خاتمہ کیا۔" (ص 310)

☆ **عن عبداللّٰہ بن الحارث رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت العباس رضی اللّٰہ عنہ یقول: قلت: یارسول اللّٰہ! ان اباطالب کان یحوطک وینصرک ویغضب لک، فھل نفعہ ذلک، قال: نعم، وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح.**

(ترجمہ) حضرت عبداللّٰہ بن حارث رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللّٰہ عنہما کو فرماتے سنا: کہ میں نے حضور سیّد عالم ﷺ کی خدمت میں

عرض کی: یارسول اللہ ! ابوطالب آپ کی حفاظت کرتا، ہر موقع پر مدد کرتا اور آپ کی خاطر لوگوں سے جھگڑتا تھا، کیا حضور نے بھی ابوطالب کو کچھ نفع دیا۔ فرمایا: میں اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں تک کی آگ میں نکال لایا۔　　　　　(جامع الاحادیث: 3178 ص 326، جلد چہارم)

یہ تمام احادیث اور ان کی شرح کا یہ بیان کتاب ''جامع الاحادیث'' کی جلد چہارم سے نقل کیا گیا ہے کیوں کہ یہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ ہی کی تحریروں کا ایک مجموعہ ہے۔ رسول کریم ﷺ کے ارشادات کے لیے قرآن کریم کی تفسیر میں مخالفین ومعترضین کے اکابر نے جو لکھا ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''ایمان لاتے ہیں ساتھ اس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف تیرے کہ وحی متلو ہے یعنی کتاب اور وحی غیر متلو یعنی سنت۔''

(ص 1/84، تفسیری عزیزی)

جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے خواہ صرف معانی کی ہو جو سنّت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی یا ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں......'' (ص 1013، بیان القرآن)

جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''یعنی کوئی کام تو کیا، ایک حرف بھی آپ (ﷺ) کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو کو ''قرآن'' اور غیر متلو کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔''　　　　　(ص 682، حاشیۂ قرآن)

محترم قارئین!

''چراغ نوا'' (مطبوعہ مرکز مطالعات فارسی، علی گڑھ، 2000ء) 64 صفحات کا یہ کتابچہ جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے اس کتابچے کے ص 7 سے 16 تک ''حرف ناگزیر'' کے عنوان سے نعمانی صاحب نے دیباچے کے طور پر اور اسی دیباچے کے مندرجات پر مشتمل ایک مضمون بعنوان ''نعت گوئی میں شرک آمیزی'' میں جو کچھ تحریر کیا ہے، اس میں درج اعتراضات کے جواب میں اس فقیر بے توقیر نے یہ مضمون مرتب کیا ہے۔ نعمانی صاحب اپنے کتابچے کے ص 62 پر اپنی کہی ہوئی نعتوں کے بارے میں نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

☆　''اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ میں یہ نعتیں غالباً پہلا نمونہ ہیں جن میں ذات

نبوی (ﷺ) کا احترام واقعی ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ عشق، عاشق، معشوق جیسے مردود و معیوب الفاظ کو کسی شعر میں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

☆ سیّد الانبیا (ﷺ) کی شان میں، خانِ بریلوی کی طرف کہیں ''تو تڑاق'' سے بات نہیں کہی گئی ہے۔

☆ حضور انور افضل البشر ﷺ کا نام نامی بھی احتراماً عبارت میں نہیں لایا گیا ہے اور ضمائر و صفات کے ذریعے بات کہی گئی ہے۔

☆ البتہ رسول کو رسول کے مرتبے پر رکھا گیا ہے اور اکثر نعت گویوں کی طرح خدا و رسول کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر جاہلانہ عقیدت اور ہندوانہ بھجن خوانی کے مظاہرے سے بھی زبان قلم کو آلودہ نہیں ہونے دیا گیا ہے۔''

نعمانی صاحب کا مبلغ علم اور مزاج ان کی تحریر سے عیاں ہے۔ انھیں اپنی خلاف واقعہ اور گستاخانہ و نامناسب باتیں بھی ''ذات نبوی ﷺ کا احترامِ واقعی'' معلوم ہوتی ہیں۔ ''عاشق، معشوق جیسے مردود و معیوب'' اور ''تو تڑاق'' کے الفاظ انھیں حضرت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی، جناب محمد قاسم نانوتوی، جناب اشرف علی تھانوی اور دیگر اکابرین دیوبند کی نثر و نظم میں دیکھنے کی ''سعادت'' حاصل نہیں ہوئی۔ ایک طرف تو وہ یہ لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا نام بھی وہ احتراماً عبارت میں نہیں لائے اور دوسری طرف وہ نبی کریم ﷺ کو ''تم'' کہہ کر خطاب کرنا بھی احترام ہی شمار کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے احترام سے معمولی شغف بھی ہوتا تو وہ قرآنی آیات سے غلط استدلال کر کے تعظیم و تکریم رسول (ﷺ) کے خلاف یوں زہر افشانی نہ کرتے۔

نعمانی صاحب اپنے ان تمام اکابر کو بھی اسی طرح اپنی بدگوئی کا ہدف بنائیں جن کی تحریروں سے نعمانی صاحب کے موقف کی تغلیط و تردید واضح طور پر ہوتی ہے تا کہ ان کی ''انصاف پسندی اور حق گوئی'' ظاہر ہو۔ ان کے تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ قوت باطنی سے کام لیتے تو ابولہب اور ابوجہل کی کیا مجال تھی کہ ایمان سے رہ جاتے اور شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ دنیا کی ہر قوم کے لیے ہادی ہیں جب کہ نعمانی صاحب کہتے ہیں کہ نبی کوئی اختیار ہی نہیں رکھتا کہ کسی کو ہدایت دے سکے۔ قرآن و حدیث میں واضح ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ کا حرام قرار دیا ہوا اسی طرح حرام ہے جیسا کہ اللّٰہ تعالیٰ کا حرام ٹھہرایا ہوا ہے جب کہ نعمانی صاحب صاف لکھتے ہیں کہ ''کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا حق یا اختیار آپ کو نہیں دیا گیا۔'' اسے

قرآن و حدیث کی تکذیب نہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟

ابلیس لعین کو غوی (گمراہی) کا منصب نہیں دیا گیا لیکن یہ معترضین اس کے لیے تو بہت کچھ مانتے ہیں اور رسول کریم ﷺ جنھیں ہدایت کا منصب عطا ہوا، ان کے لیے کوئی کمال اور اختیار نہ ماننا ان معترضین کی شدید شقاوت و جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

رسول کریم ﷺ کی واضح احادیث میں مُردوں کے سننے کا ذکر ہے اور اہل قبور کو سلام کا حکم ہے لیکن نعمانی صاحب ان حقائق کی تردید کر کے خود کو سمع و بصر سے بالکل محروم ثابت کر رہے ہیں اور انھیں احساس ہی نہیں کہ وہ عطائے الٰہی کے منکر ہو کر اپنی ایمان کا ضیاع پسند کر رہے ہیں۔ انھوں نے خود اپنے ''اکابر'' کی بھی تکذیب و تضحیک میں کسر نہیں رکھی۔

انھوں نے لکھا کہ: ''کسی کام کا دوسرے دن کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد اس کو زبان پر لانے کے لیے سختی کے ساتھ فرمایا گیا کہ ''ان شاء اللّٰہ'' کی شرط ضروری ہے۔'' وہ ''سختی کے ساتھ'' یہ بیان کہیں دکھانے کی زحمت کہاں کریں گے۔ وہ ذرا اپنے ہی تھانوی صاحب کا بیان ملاحظہ فرمالیں اور اپنی خود ساختہ ضروری شرط اور گستاخی کی سختی بھی دیکھ لیں۔

''البدائع'' (مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور، 1403ھ) کے ص 246 پر تھانوی صاحب فرماتے ہیں: ''اس آیت **ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الاان یشاء اللّٰہ** میں بھی حضور ﷺ کو برکت ہی کے لیے ان شاء اللّٰہ کہنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ یہ ان شاء اللّٰہ تعلیق کے لیے نہیں۔ کیوں کہ آگے ارشاد ہے **واذکر ربک اذا نسیت** کہ اگر کبھی ان شاء اللّٰہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آوے تو اس وقت ان شاء اللّٰہ کہہ لیا کرو۔''

اور ''بیان القرآن'' میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''حاصل اس کا مقام کا اتنا ہے کہ آپ میں تفویض کے طور پر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ کہنے کا بیان ہے سو فصل مدت اس میں مانع نہیں اور تاثیر فی الحکم کے طور پر کہنے کا بیان نہیں ہے جس میں فصل مانع ہے اور ظاہراً یہ ان شاء اللّٰہ تعالیٰ زبان سے کہنا مستحب ہے لیکن خواص کی پھر اخص الخواص ﷺ کی شان ارفع ہوتی ہے اس لیے ترک مستحب پر بھی وحی میں دیر ہوگئی۔'' (ص 590)

نعمانی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ''اپنی مخلوقات میں سے کسی کے بھی نفع و ضرر کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔'' اس بارے میں بھی وہ قرآنی آیات اور احادیث کی تکذیب کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انھیں یاد نہیں رہا کہ یہ جملہ بھی ان کا اپنا ہی لکھا ہوا

ہے کہ خالق کائنات نے پوری دنیا کی ہدایت کی ذمہ داری نبی کریم ﷺ کو تفویض کی۔ وہی بتائیں کہ ہدایت کی ذمہ داری تفویض کرنے کو کیا نفع رسانی نہیں کہا جائے گا؟

ذرا نفع پہنچانے کی بات وہ اپنے ہی کلام میں ملاحظہ فرمالیں:

؎ جہاں کی رونقوں کی جان ہیں وہ	انھیں کے فیض سے دنیا حسیں ہے
انھیں کے نور کے پرتو سے ہے جہاں روشن	اگر کہو، تو انھیں مرکز نگاہ کہو
؎ مزاج نسل انساں جس نے بدلا ایک کلمے سے	مٹایا اک نظر سے امتیاز ماو تو کیا کیا
؎ دل و جاں کو شعور معنوی کی روشنی بخشی	فریب ہوش و دانش تھی فضائے رنگ و بو کیا کیا
؎ خوشی نصیبی کہ ملی ان کی نبوت سے ضیا	ورنہ دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا
؎ آپ آتے نہ اگر رحمت عالم بن کر	کون کہہ سکتا ہے احوال جہاں کیا ہوتا
؎ جو ذرے ان کی عنایت سے سراز ہوئے	غلط نہیں جو انھیں اشک مہر و ماہ کہو
؎ انھیں کا فیض نظر ہے کہ بزم عالم میں	نہ بڑھ سکی کبھی کعبے سے سومنات کی بات
؎ آپ کی آمد سے پہلے دیکھیے دنیا کا حال	انقلاب بزم ہستی بعد بعثت دیکھیے

؎ سلام اس پر جو وجہ راحت آشوب دوراں ہے
؎ سلام اس پر کہ جس کے فیض سے تکریم انسان ہے
؎ سلام اس پر جس کے حسن سے بزم جہاں روشن''

نعمانی صاحب کا یہ شعر انھی سے بطور سوال عرض کرنا چاہتا ہوں۔

''پھر بتانا کہاں ہے ان کی مثال؟ چشم انصاف اپنی وا رکھنا''

(چراغ نوا)

نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ''زمین اور آسمان آپ (ﷺ) کے دستر خوان ہیں گویا ساری دنیا کو آپ (ﷺ) ہی رزق دیتے ہیں۔'' یہ مطلب و مفہوم نعمانی صاحب نے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے اس شعر سے اپنے علم و فہم کے مطابق اخذ کیا ہے۔

آسماں خوان زمین خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

نعمانی صاحب کو پی ایچ ڈی اور شاعر کہلانے کے باوجود ''عبارت فہمی'' سے شاید کوئی صحیح شغف نہیں۔ وہ اگر واقعی ''شاعر'' ہیں تو بتائیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس شعر میں کہاں

کہا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ساری دنیا کو رزق دیتے ہیں؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں جو کچھ بیان فرمایا ہے، کاش کہ نعمانی صاحب اسے سمجھتے۔ نعمانی صاحب کسی غصے یا جوش میں لکھتے ہوئے ہوش برقرار نہیں رکھ سکے۔ وہ یہ تو مانتے ہوں گے کہ اللّٰہ جل شانہ مکان سے بھی پاک ہے اور یہ بھی مانتے ہوں گے کہ اللّٰہ کریم جل شانہ نے ہر امر کی تدبیر کا بیان بھی فرمایا ہے اور نظم کائنات کے لیے ''ڈیوٹیاں'' مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے حکم اور عطا سے اختیار رکھنے والے وہ ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں۔ چناں چہ تفسیر عزیزی جلد چہارم میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''اور مدبرات امراً بڑے درجہ اور بڑے مرتبے کے فرشتے ہیں جیسے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام مع اپنے لشکر اور اس کے سرداروں کے کہ ایک کو ان میں سے ہونے والے کاموں کی تدبیروں کے واسطے مقرر فرمایا ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انتظام ہَوا اور لڑائی اور وحی اتارنا رسولوں پر ان سے متعلق ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے پانی کا برسانہ اور زمین سے اُگانا اور رزق پہنچانا ان سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام سے صور کا پھونکنا اور آدمیوں اور جانوروں میں روح کا ڈالنا اور لوح محفوظ اور اندازہ کرنا رزق اور عمر اور ہر شے کا متعلق ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام مُردوں کی روحیں قبض کرنے پر اور بیماریوں اور آفتوں پر مقرر ہیں۔''

(ص 41، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

کتاب ''حیات الحیوان'' علامہ کمال الدین دمیری کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ادارہ اسلامیات، لاہور نے 1992ء میں پہلی مرتبہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ دیوبندی افراد ہی نے کیا ہے۔ اس کتاب کی جلد دوم کے ص 90 پر درج عبارت ملاحظہ ہو:

''احیاء میں باب کسر الشہوتین کے تحت لکھا ہے کہ روٹی تیار کر کے اس وقت تک تیرے سامنے نہیں رکھی جاتی تاوقتے کہ اس میں تین سو ساٹھ کاری گر کام نہ کرلیں۔ ان کام کرنے والوں میں سب سے اول حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں جو اللّٰہ تعالیٰ کے رحمت کے خزانوں سے پانی ناپ کر دیتے ہیں ان کے بعد دوسرے فرشتے ہیں جو بادلوں کو ہنکاتے ہیں اور پھر ان کے بعد چاند، سورج اور افلاک ہیں اور ان کے بعد ہَوا کے فرشتے ہیں اور زمین کے جانور ہیں اور سب سے آخر میں نان بائی کا نمبر آتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کے سامنے پکی ہوئی روٹی جب آتی ہے تو اس میں حضرت میکائیل علیہ السلام سے لے کر نان بائی تک تین سو ساٹھ ہاتھوں کی کاری گری

ہوتی ہے تب جا کر وہ آپ کو کھانے کے واسطے ملتی ہے۔"

نعمانی صاحب اتنا تو سمجھتے ہوں گے "خانہ" کا لفظ کسی "مکان" ہی کے لیے بولا جاتا ہے۔ "صاحبِ خانہ" اسی کا لقب ہوسکتا ہے جس کے لیے مکان بنایا گیا ہو۔ "صاحب البیت" کے الفاظ اور لقب کس کے لیے کہے جاتے ہیں؟ وہ یہ بھی شاید جانتے ہوں گے کہ "شرف المکان بالمکین"۔ میری اس تحریر میں وہ ملاحظہ فرمالیں کہ خود ان کے اکابر بھی تسلیم کررہے ہیں کہ یہ بزم کونین میرے نبی پاک ﷺ ہی کے لیے سجائی گئی ہے، وہی باعث تخلیق کائنات ہیں تو یہ سب مکان انھی کے ہیں، انھی کے لیے ہیں کیوں کہ "وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں"۔ یوں واضح اور یقینی بات یہی ہوئی کہ "صاحب خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا"۔ دو مرتبہ "تیرا" کا لفظ اسی بات کی قطعیت واضح کررہا ہے کہ "صاحب خانہ" کا "لقب" اللہ تعالیٰ کا نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ بلاشبہ مکان سے پاک ہے۔ نعمانی صاحب نے شاید یہ حدیث شریف کبھی پڑھی سُنی ہوگی: **انما انا قاسم واللّٰہ یعطی**. عربی گرامر سے کچھ شغف ہو تو نعمانی صاحب اور ان کے ہم نوا اس جامع حدیث شریف میں غور فرمائیں اور پھر بتائیں کہ یہاں "**قاسم**" اور "**یعطی**" کیا کسی قید سے مقید ہیں؟ اور "**انما**" کے حصر کو بھی پیش نظر رکھیں۔ نعمانی صاحب کی توجہ کے لیے بیان القرآن سے جناب اشرف علی تھانوی کا یہ بیان بھی پیش کرتا ہوں، وہ لکھتے ہیں: "کسی مخلوق کا دینا اطعام حق کے منافی نہیں کیوں کہ اطعام بواسطہ بھی اطعام حق ہی ہے جیسے بادشاہ مالک خزائن کبھی خود انعام دے دیتا ہے کبھی اپنے خزانچی سے دلوادیتا ہے۔ دونوں عطائے شاہی ہیں۔" (ص866)

اس حوالے سے مخالفین ہی کی تحریروں سے متعدد اقتباس نقل کرچکا ہوں۔ نعمانی صاحب کی "ضیافت" کے لیے جناب اشرف علی تھانوی کے استاد جناب محمود حسن دیوبندی کے لکھے ہوئے مرثیہ (مطبوعہ مطبع بلالی، ساڈھورہ، ضلع انبالہ) کے ص 10 سے یہ شعر ضرور پیش کرتا ہوں، وہ کہتے ہیں:

غریب وعاجز وبے کس کریں کیا اور کدھر جائیں ہوئی ہے میزبان خلق کی جنت میں مہمانی"

نعمانی صاحب میرے نبی پاک ﷺ کو "میزبان خلق" ماننے کے روادار نہیں، وہ بتائیں کہ جناب رشید احمد گنگوہی کے لیے یہ لقب وہ کیا شمار کریں گے؟

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا کہا ہُوا یہ شعر، نعمانی صاحب نے شاید نہیں پڑھا، وہ دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت واضح فرماتے ہیں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم رزق اُس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' (مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور) کے ص 119 تا 121 پر تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک مقام پر ارشاد ہے: **ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمته لکنتم من الخسرین**. یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے حضور (ﷺ) کا وجود باجود مراد ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **ولو لا فضل اللّٰہ علیکم ورحمته لا تبعتم الشیطن الا قلیلا**۔ یہاں بھی بقول اکثر مفسرین حضور (ﷺ) ہی مردا ہیں...... فضل بمعنی رزق و نفع دنیوی قرآن مجید میں آیا ہے چناں چہ ارشاد ہے: **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم**...... سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے: **فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ**۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے...... جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی اور اس میں قرآن بھی ہے، سب اس میں داخل ہوجائیں گی اس لیے کہ حضور (ﷺ) کا وجود باجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا...... حضور (ﷺ) ہمارے لیے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں، حتیٰ کہ ہم کو جو روٹیاں دو وقتہ مل رہی ہیں اور عافیت اور تندرستی اور ہمارے علوم یہ سب حضور (ﷺ) ہی کی بدولت ہیں اور یہ نعمتیں تو وہ ہیں جو عام ہیں اور سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور (ﷺ) سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور (ﷺ) کی ذات برکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔''

نعمانی صاحب نے آیت درود وسلام کے بیان میں اپنے ہی ہم مسلک افراد کی تحریریں بھی نہیں دیکھیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہ کا قول درج ہے وہ بھی ملاحظہ نہیں کیا کہ اللّٰہ تعالیٰ ملائکہ میں اپنے نبی پاک ﷺ کی تعریف فرماتا ہے۔ جناب شبیر احمد عثمانی آیت درود و سلام کے تحت لکھتے ہیں: ''صلوۃ علی النبیؐ'' کا مطلب ہے ''نبی کی ثنا و تعظیم رحمت وعطوفت کے ساتھ'' پھر جس کی طرف ''صلوۃ'' منسوب ہوگی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے۔'' (ص 552، حاشیۂ قرآن)۔ نعمانی صاحب یہ بھی بھول گئے کہ قرآن ہی میں رفعت ذکرِ مصطفیٰ (ﷺ) کا بیان ہے۔ عرش و فرش پر جس کا ذکر خود رب تعالیٰ بلند فرمائے اُس مقدس و مطہر عظیم رسول کریم ﷺ کے پھریرے لہرانے کے بارے میں نعمانی صاحب کا اعتراض خود ان کی اپنی کم علمی کے سِوا کیا ہے؟

جناب محمد قاسم نانوتوی کا تصنیف کیا ہوا ''شجرہ منظومہ'' بھی ''قصائد قاسمی'' (مطبوعہ مجتبائی، دہلی) میں شامل ہے، اس شجرہ میں ان کے کہے ہوئے یہ اشعار ''مرکز مطالعات فارسی'' کے وابستہ کے لیے قابل توجہ ہیں، ملاحظہ ہوں ۔

''بحق آن کہ اوجان جہان ست — فدائے روضہ اش ہفت آسمان ست
بحق آن کہ محبوبش گرفتی — برائے خویش مطلوبش گرفتی
پسندیدی ز جملہ عالم آن را — بما بگذاشتی باقی جہان را
گزیدی از ہمہ گل ہا تو اورا — نمودی صرف اور ہر رنگ و بو را
ہمہ نعمت بنام او نمودی — دو عالم را بکارم او نمودی
بآن کو رحمت للعالمین ست — بدرگاہت شفیع المذنبین ست
بحق سرور عالم محمد — بحق بر تر عالم محمد
بذات پاک خود کان اصل ہستی ست — از و قائم بلندی ہا و پستی ست
ثناء او نہ مقدور جہان ست — کہ کنہش برتر از کون و مکان ست''

(ص 22)

''مدبرات امر'' کے حوالے سے نعمانی صاحب اپنے ہی تھانوی صاحب کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے متعلق خدمت ارشاد و ہدایت و اصلاح قلب و تربیت نفوس و تعلیم طرق قرب و قبول عنداللہ ہے اور یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہیں اور ان میں سے اپنے عصر میں جو اکمل و افضل ہو اور اس کا فیض اتم واعم ہو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور یہ نائب حقیقی ہوتے ہیں حضرات انبیا علیہم السلام کے اور ان کا طرزِ طرزِ نبوت ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت اصلاح معاش و انتظام امور دنیویہ و دفع بلیات ہے کہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں اور حضرات اہل تکوین کہلاتے ہیں جن کو ہمارے عرف میں اہل خدمت کہتے ہیں اور ان میں سے جو اعلیٰ اور اقوی اور دوسروں پر حاکم ہوتا ہے اس کی قطب التکوین کہتے ہیں اور ان کی حالت مثل حضرات ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جن کو مدبرات امر فرمایا گیا ہے۔''

(التکشف عن مہمات التصوف، ص 161، مطبوعہ لاہور)

نعمانی صاحب نے امام قسطلانی علیہ الرحمہ کی مواہب لدنیہ کا وہ اُردو ترجمہ بھی نہیں دیکھا جو ان کے اپنے ہی ہم مسلک افراد نے کیا ہے۔ اس کتاب کی جلد دوم کی پہلی فصل رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ کے ذکر میں ہے۔ عنوان ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے ان اسمائے شریفہ کے ذکر میں جو آپ کے کمال صفات منیفہ پر دلالت کرتے ہیں (منیفہ کا معنی کمال میں اپنے غیر سے زیادہ)۔'' میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ وہ پوری فصل یہاں نقل کردوں لیکن مطبوعہ کتاب کے ڈیڑھ سو صفحات کی ضخامت کی گنجائش اس مضمون میں نہیں تاہم کچھ جملے ملاحظہ ہوں: ص 8 پر امام قسطلانی نے رسولِ کریم ﷺ کا ایک نام ''الاجود'' اور ''اجود الناس'' لکھا ہے اور اس کے آگے لکھتے ہیں: ''آپ (ﷺ) نے فرمایا اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جود کرتا ہے اور میں بنی آدم سے زیادہ جود کرتا ہوں۔'' اور ص 12 پر نبی پاک ﷺ کا ایک نام مبارک ''الآمر والناہی'' لکھتے ہیں اور ص 26 پر ایک نام ''الحکم'' لکھتے ہیں اور اس کے آگے لکھتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے حکم کا کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔'' اور ص 54 پر لکھتے ہیں: ''الغوث'' وہ نصرت دینے والا جس سے شداید اور آفات میں استغاثہ کیا جائے اور حوادث اور مہمات میں اس سے استعانت کی جائے۔'' اور ص 62 پر لکھتے ہیں: ''المحرم'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے متولی تحریم۔'' اور ص 68 پر لکھتے ہیں: ''المطلع'' غیب کی چیزوں سے آپ خبر رکھنے والے ہیں اور ان کا علم آپ کو ہے۔'' اور ص 69 پر لکھتے ہیں: ''المفتاح'' وہ شخص جس سے بند دروازے یا دشواریاں کھل جائیں۔'' اور ص 75 پر لکھتے ہیں: ''الملیک'' اس کا معنی ایجاد اور اختراع پر قادر یا اس کا معنی ضابطہ امور اور متصرف امور۔'' اور ص 76 پر لکھتے ہیں: ''الملک'' وہ شخص کہ آدمیوں کی اور ہر چیز کی حد کو نگاہ رکھے اور رعیت داری اور ان کی امور کی تدبیر کرے۔'' اور ص 109 پر لکھتے ہیں: ''اور آپ کا اسم شریف ''العفو'' ہے اس کا معنی عفو سیئات میں مبالغہ کرنے والے گناہوں کا عفو کرنا اور ان کا مٹا دینا اور ان کا ازالہ۔'' اور ص 124 پر لکھتے ہیں: ''محمد ﷺ کا نام مبارک ''نبی'' جو نبا سے لیا گیا ہے اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب پر آپ (ﷺ) کو مطلع کیا ہے اور آپ کا اس کا علم دیا ہے کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔''

کتاب ''تحذیر الناس'' (مطبوعہ مطبع قاسمی، دیوبند) کے ص 32 پر درج جناب محمد قاسم نانوتوی کی یہ عبارت نعمانی صاحب اور ان کے ہم مسلک افراد کی خصوصی توجہ چاہتی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''امام شافعی نے ان لوگوں کے مقابلے میں جو محبت اہلِ بیت بوجہ غلو رفض سمجھتے تھے یوں فرمایا

تھا۔شعر:

ان کان رفضاحب ال محمد　　　　فلیشھد الثقلان انی رافض

ہم ان صاحبوں کے مقابلہ میں جو رسول اللہ ﷺ کی اس قدر ازدیاد قدر سے کہ ان کے خیال سے سات گنی ہوجائے یہ برا مانتے ہیں کہ قائلین ازدیاد قدر کو کافر یا خارج از مذہب اہل سنت سمجھتے ہیں اس شعر کو بدل کر یوں پڑھتے ہیں۔

ان کان کفراً حب قدر محمد　　　　فلیشھد الثقلان انی کافر''

نعمانی صاحب اور ان کے ہم نوا نہایت توجہ سے اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور اس بارے میں خامہ فرسائی کریں۔

اس پوری تحریر میں اس فقیر بے توقیر نے زیادہ کوشش یہی کی کہ مخالفین ومعترضین کی اپنی مستند اور معتبر تحریروں ہی سے ان کے ان تمام اعتراضات و الزامات کا جواب پیش کروں جو انھوں نے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر لگائے۔معترضین اگر عدل وانصاف کی پابندی اور پسندیدگی کے دعوے دار ہیں تو اس مختصر تفصیل کے بعد وہی بتائیں کہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر ان معترضین کے الزامات و اعتراضات بغض وعناد کے سوا کیا ہیں؟

حق وصداقت کے سچے اور صحیح ترجمان اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان اور ان کی دینی علمی فضیلت و مرتبت ماننے کی بجائے ان پر غلط اعتراضات اور نامناسب الزامات لگانا بلاشبہ سنگین ظلم اور یقیناً حق اور حقائق سے روگردانی ہے۔

وہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے جن کے نعتیہ کلام نے اردو کی بھی آبرو بڑھائی ہے۔نعت گوئی کے باب میں جن کا حصہ اس قدر ہے کہ اردو میں کسی اور کے حوالے سے ایسی مقبولیت اور معقولیت کے ساتھ کسی کا شمار نہیں ہوتا، وہ اعلیٰ حضرت بریلوی کہ جن کے نام اور کام کی عظمت و مرتبت کی گونج زبان وعلم کے بوستانوں میں ہے، وہ اعلیٰ حضرت بریلوی کہ تقویٰ و شریعت وسنّت کی پاس بانی اور پاس داری کی ایک عمدہ مثال ہیں، وہ اعلیٰ حضرت بریلوی کہ علم و عمل میں ان کا امتیاز ایک روشن اور واضح حقیقت ہے، ان کے لیے یہ الفاظ ''واہی تباہی'' بلکہ دریدہ دہنی ہی ٹھہریں گے کہ ''جب قرآن سے نعت گوئی سیکھنے کا دعوی کرنے والے نے اتنے بڑے عالم فقیہ اور مفتی نے عشق رسول کا بہانہ تراش کر نعت رسول (ﷺ) کے نام پر ایسے ایسے گل کھلائے ہیں۔'' (چراغ نوا،ص 16) (معاذ اللہ)

D:NaatRang-18
File: Koakab-Final
Final

نعمانی صاحب کی قرآن فہمی کا حال تو یہ ہے کہ اپنی کتاب چراغ نوا کے ص 56 پر لکھتے ہیں: ''قرآن میں تو رضی اللہ عنہم صرف صحابہ کرام کے لیے آیا ہے۔ معلوم نہیں یہاں کس فارمولے کے تحت اس کو فٹ کیا گیا ہے۔'' نعمانی صاحب کو قرآن کریم کی سورۃ البینہ کی آخری آیات باترجمہ شاید کبھی پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ورنہ ایسے ''گستاخ لہجے'' میں وہ یوں خامہ فرسائی نہ کرتے۔

عاشق رسول اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے ان معترضین و مخالفین کو کسی فضیلت و مرتبت کے حوالے سے جاننے پہچاننے اور مقبول و محترم ماننے والا خود ان کے اپنے عہد میں بھی شاید ہی کوئی ہو لیکن اعلیٰ حضرت کو اپنے عہد ہی میں نہیں بلکہ گزشتہ 85 برس کی تاریخ گواہ ہے کہ سمتوں میں گلستان نبوی کے اس گل سرسبد کی مہک اور مشکوٰۃ نبوت سے فیض پانے والے اس چراغ کی روشنی نے مہک اور چمک دمک کی ایک تابندہ و پائندہ مثال قائم کی ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو مجدد اعظم اور مثالی علمی شخصیت ماننے والے علما ہی لاکھوں ہیں۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تذکروں میں درج ہے کہ وہ حدیث شریف لکھتے ہوئے خوش بو کا اہتمام کرتے تھے، یہ اہتمام بتاتا ہے کہ انھیں رسول کریم ﷺ سے غایت درجہ محبت تھی۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ جو روشنائی نعت شریف لکھنے میں استعمال کرتے اس میں زعفران ملاکر خوش بو کا اہتمام کرتے، اس اہتمام کو اہل محبت ہی سراہ سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کو عطا ہونے والی ہر خوبی سے میرے ربّ کریم جل شانہ اور میرے پیارے نبی کریم ﷺ کی عظمت شان ہی کا اظہار ہونا ہی اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کا اعزاز و امتیاز ہے اور ان کی تمام زندگی اسی اعزاز و امتیاز کے تحفظ میں گزری ہے، وہ تمنا بھی اسی کی کرتے رہے ؎

ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود		کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے

محترم قارئین، 10 مئی 2005ء کو میری پیاری والدہ محترمہ حضرت ماں جی قبلہ (رحمۃ اللہ علیہا) اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئیں۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لھا وارحمھا وارفع درجتھا**، آمین۔ ان سے محرومی میری زندگی کا وہ شدید سانحہ ہے کہ لگتا ہے زندگی کی توانائی ہی مجھ سے چلی گئی۔ افسردگی کی شدت میں اس اہم موضوع پر شاید ویسا نہیں لکھ سکا جیسا کہ سوچا تھا۔ دیوانِ حضرت حسّان، دیوانِ امام بوصیری، مثنوی مولانا روم، کلیات مولانا جامی

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کلام سے سیکڑوں اشعار کا اور متعدد کتب سے بہت سے اقتباسات کا انتخاب کیا تھا، وہ سب بھی شامل کرتا تو یہ مضمون جانے اور کتنے صفحات میں پھیل جاتا، تاہم جس قدر مختصر کرسکا وہ حاضر ہے۔ معترضین کے اعتراضات درج کرکے بالترتیب جواب مَیں نے نہیں لکھے بلکہ تمام اعتراضات کا احاطہ کرتے ہوئے معترضین کے اکابر کی تحریروں سے اقتباس درج کردیے ہیں۔ اس فقیر نے معترضین کو خود ان کے اکابر کی تحریروں سے جواب اس لیے دیا ہے کہ انھیں اپنے بڑوں کا پاس و لحاظ کچھ زیادہ ہی ہے اور ان کے لیے یہ لوگ کسی منفی رائے کی تاب نہیں رکھتے۔ کاش کہ یہ لوگ لب کشائی اور خامہ فرسائی کرتے ہوئے میرے نبی پاک ﷺ کے باب میں اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ ہی کی طرح حساس اور محتاط ہوتے۔ اس تحریر میں کوئی غلطی و کوتاہی مجھ سے کسی طرح ہوئی ہو تو اللہ کریم جل شانہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور طالب عفو ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس

پروفیسر شبیر احمد قادری (فیصل آباد)

تذکرۂ رضا اور 'نعت رنگ'

'نعت رنگ' کراچی کا اجرا ۱۹۹۵ میں ہوا۔ اس کے مدیر شہیر جناب سیّد صبیح رحمانی نے جو خود بھی ایک راست فکر نعت گو اور اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ سے قلبی محبت رکھنے والے خوش الحان نعت خواں بھی ہیں، اس کتابی سلسلے میں نعتیہ تخلیقات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نعت پر تنقید کرنے کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا، ان کے نزدیک نعت میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں کا 'نوٹس' لینا از بس ضروری ہے۔ فکر و خیال کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ الفاظ و تراکیب کا عمدہ استعمال ہی نعت کو معیاری بنا سکتا ہے۔

نعت کو ایک صنفِ ادب کے طور پر قبول کرنے میں ماضی کے 'اربابِ دانش' ہمیشہ متامل رہے۔ 'نعت رنگ' نے دلائل و براہین کی روشنی میں نعت کو ایک صنفِ سخن کے طور پر سامنے لانے کے لیے صحیح راستے کا انتخاب کیا اور وہ راستہ دیگر اصنافِ سخن کی طرح 'نعت' کو بھی فکر اور فنی حوالوں سے تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کا راستہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی بہتر راستہ ہے۔ نعت کہنا شاعر کے لیے معراجِ فن کا درجہ رکھتا ہے اور نعت کا فکری اور فنی 'تجزیہ' کرنا تنقید کی معراج ہے۔ 'نعت رنگ' سے نعت کے باب میں 'عقیدت' اور زیادہ 'حقیقت' کو اہمیت دینے کا شعور ملا ہے۔ نعت نگاروں کے لیے 'نعت رنگ' ایک 'محتسب' کا درجہ رکھتا ہے۔ اب تو خود نعت نگار چھپنے سے پہلے سو بار اپنی نعتوں کو فکری، موضوعی اور فنی سطحوں پر جانچتے پرکھتے ہیں۔ فلمی نغموں پر نعتیں لکھنے، پڑھنے اور سننے کا رجحانِ عام بھی کم ہو رہا ہے۔ ان نعتوں کو زیادہ ذوق وشوق سے سنا اور پڑھا جاتا ہے جن سے تعمیرِ سیرت کے سلسلے میں رہنمائی ملے۔ 'نعت رنگ' میں بالعموم ایسی ہی نعتوں کو جگہ ملتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے 'نعت رنگ' ۳ میں 'نعت رنگ' کو ایک صحیفۂ دل نواز قرار دیا تھا جس نے صدیوں کا قرض ادا کر دیا ہے۔ 'نعت رنگ' کو تنقیدِ نعت کا حوالہ بنانے کے پس منظر میں اس

کے مرتب و مدیر محترم صبیح رحمانی کے کیا مقاصد کارفرما تھے، اس کی وضاحت انھوں نے 'جامِ نور' (مئی ۲۰۰۵) میں چھپنے والے ایک انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کی ہے کہ آج جدید عہد میں ایک نعتیہ شاعر کا مستقبل کیا ہے؟ صبیح کہتے ہیں:

> اگر آپ نعتیہ شاعر کا مستقبل مذہبی حوالے سے پوچھ رہے ہیں تو اس کا مستقبل کل بھی روشن تھا اور آج بھی روشن ہے کیوں کہ اس نے ایک ایسے راستے پر قدم رکھا ہے جہاں نور ہی نور ہے اور روشنی ہی روشنی ہے لیکن اگر آپ ادبی زاویے سے پوچھ رہے ہیں تو نعت کا کوئی مستقبل ادبی طور پر تو اب تک تھا نہیں۔ آپ اردو ادب کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو اس میں کسی بھی نعت گو شاعر کو کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کا جن کا ادب میں بطور نعت گو شاعر کے ہی ذکر ہوتا ہے، کوئی مقام و مرتبہ متعین نہیں کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ہم اپنے اکابر نعت گو شعرا میں گردانتے اور مانتے ہیں اور بلاشبہ وہ ہیں بھی، مگر اس کے باوجود اردو ادب نے ان کو قبول نہیں کیا۔ اگر ہم ادبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ذکر سے خالی ملتی ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف 'تذکرۃ الشعرا' لکھی جس میں بڑے بڑے شعرا اور ادب کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس میں بھی موصوف کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں ان کی ادبی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا گیا یا اس وقت تک وہ بطور شاعر منوائے نہیں جاسکے۔ اس سے اعلیٰ حضرت کی ادبی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس عظیم نعت گو شاعر کے تذکرے سے ادب کا دامن خالی ہونا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر ہم نے نعت کو تنقیدی رویوں سے آشنا کرنے کی کوشش کی تاکہ ادب میں اسے صنف کی حیثیت حاصل ہو اور اس کا اعتبار قائم ہو۔ (ص ۳۴)

یعنی 'نعت رنگ' کے اجرا کا مقصد نعت کو ایک ادبی صنف کے طور پر اس کا مقام دلانے کی جدوجہد کرنا اور نعت گو شاعر کی اہمیت کو تسلیم کرانا ہے— سفر جاری ہے— ایک وقت آئے گا کہ نعت 'تنقیدی رویوں سے آشنا' ہو کر ادب کی مستقل صنفِ سخن بن جائے گی اور اس کا 'اعتبار'

بھی قائم ہوگا، ان شاء اللہ۔

'نعت رنگ' کے سترہ شماروں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ کے فکر و فن پر جو مضامین اور مقالات شایع ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

نعت رنگ :۳، امام احمد رضا اور محسن کاکوروی　　ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (ص ۸۸۔۱۰۳)

نعت رنگ :۸، 　مصرعِ رضا اور کشفی صاحب　　ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (ص ۶۸۔۷۸)

نعت رنگ :۹　　مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ
شاعری، ایک تحقیقی جائزہ　　پروفیسر آفاق صدیقی (ص ۱۶۹۔۱۷۳)

نعت رنگ :۱۲　　اشعارِ نعت: اعتراضات کی حقیقت، ڈاکٹر صابر سنبھلی　(ص ۱۳۷۔۱۴۸)

نعت رنگ :۱۳　　حضرت رضا بریلوی کی نعت گوئی
میں مضمون آفرینی　　ڈاکٹر صابر سنبھلی　(ص ۲۰۶۔۲۱۸)

نعت رنگ :۱۴　　امام احمد رضا خاں کا تصورِ نعت　ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (ص ۷۷۔۹۹)

علاوہ ازیں دوسرے موضوعات اور نعت گو شخصیات پر لکھتے ہوئے مضمون نگاروں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے افکار و اشعار کے حوالے دیے اور کتابیات میں ان کا تذکرہ کیا۔ ان مضامین و مقالات کے ذریعے اعلیٰ حضرت کے تصورِ نعت، موضوعاتِ نعت اور فکری و فنی کمالات سے بھرپور تعارف ہوتا ہے۔ وہاں اعلیٰ حضرت کے معاصر اور مابعد شعرا پر اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ یہ مباحث دوسرے علمی و ادبی رسائل میں بھی پڑھنے کو ملتے ہیں مگر 'نعت رنگ' کا تخصص یہ ہے کہ کلامِ رضا کا فکری اور فنی حوالوں سے اصولِ تحقیق اور قواعد تنقید کی روشنی میں جائزہ لیا گیا۔ بعض مضمون نگاروں نے فکرِ رضا پر اعتراضات کیے اور بعض نے اعلیٰ حضرت کے بعض شعروں پر علمِ عروض کی روشنی میں بعض 'اسقام' کی نشان دہی کی۔ ان اعتراضات کے جوابات جذباتی لہجے میں نہیں بلکہ دلائل کی روشنی میں دیے گئے۔ اس ساری صورتِ حال کے پیچھے جو مقصد ہے وہ یہی کہ امامِ نعت گویاں کے فکر و فن کا تحقیق و تنقید کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں تجزیہ کرنے کی سعی کی جائے تاکہ اعلیٰ حضرت کے مسلمہ علمی مقام و مرتبہ کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی مقام و مرتبے کا تعین کرنے میں مدد مل سکے یوں تو اعلیٰ حضرت کی (کہی) نعتیں ان کے ادبی مقام و مرتبے کا بجائے خود ایک اعلان نامہ ہیں تاہم ایسے مباحث کسی واضح نتیجے تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ آیئے 'نعت رنگ' میں ان مقامات کا جائزہ لیں جہاں جہاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوا ہے۔

شمارہ اوّل، اپریل ۱۹۹۵، صفحات: ۳۳۶

جناب سعید بدر نے 'نعت کیا ہے؟' (ص ۱۲ تا ۲۰) کے عنوان سے اپنے مضمون میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا وہ معروف قول درج کیا ہے جس میں انھوں نے حمد و نعت کے درمیان خطِ فاصل کھینچتے ہوئے نعت کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی اس رائے کے بعد مضمون نگار رقم طراز ہیں کہ:

> یہ رائے ایک ایسی عظیم شخصیت کی ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے بہت بڑے شارح تھے اور انھوں نے نعت گوئی میں بھی کمال حاصل کیا۔ آج بڑے بڑے نعت گو اُن کے فن کے معتقد ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ براعظم پاکستان و ہند اور بنگلہ دیش میں وہ جدید نعت گوئی کے امام ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ (ص ۱۸)

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مضمون 'تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری' (ص ۵۸ تا ۶۳) اور جاذب قریشی کے مضمون نعت گوئی ایک عظیم سچائی ایک بے کنار موضوع (ص ۶۵ تا ۷۰) میں بھی امام احمد رضا خاں کا ذکر ملتا ہے (ص ۶۲، ص ۶۷)۔ اسی شمارے میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے 'چند مزید نعت' کے عنوان سے اپنے جائزے میں ماہ نامہ 'القول السدید' لاہور (شمارہ مارچ تا مئی ۱۹۹۴) کے مندرجات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اعجاز اشرف انجم کی تالیف 'ثنائے مصطفیٰ بہ انداز امام احمد رضا' کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ ص ۵۶ سے آخر تک 'ثنائے مصطفیٰ بہ انداز امام احمد رضا' کے عنوان سے اعجاز اشرف انجم کی تالیف نعت کا حصہ ہے جس میں فاضل مرتب نے مولانا احمد رضا کی مختلف زمینوں میں مولانا حسن رضا سے دورِ حاضر تک کے معروف اور غیر معروف شعرا کا نعتیہ کلام ترتیب دیا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی مزید لکھتے ہیں کہ:

> اعجاز اشرف انجم کی زیرِ نظر کتاب (مشمولہ نعت) کے ص ۵۶ سے ۲۷ تک میں کتاب کے تعارف اور دیباچوں کے طور پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، محمد حنیف رامے، پریشان خٹک اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحریریں شامل اشاعت ہیں جن میں فاضل مرتب کی کاوش کی تحسین کے ساتھ مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری زیرِ بحث آئی ہے یوں یہ نعت بنیادی طور پر مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت نگاری اور اس کے اردو نعت پر اثرات کے حوالے سے پاکستان بھر میں

شایع ہونے والے نعت وں میں ایک امتیاز رکھتا ہے۔ (ص ۴۷)

راجا رشید محمود نے اپنے جائزہ 'انتخابِ نعت' (ص ۸۳ تا ۱۰۳) میں دوسرے رسائل کے انتخاب کے ساتھ ساتھ ماہ نامہ 'نعت' لاہور (جنوری تا مئی۔ جلد ۲، شمارہ ۱، ۵ لاکھوں سلام، ۲۲۴ صفحات) کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ:

> اس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا مکمل سلام، اس سلام کی ۱۲ تضامین کے منتخب اشعار اور مختلف شعرا کے ۸۹ 'لاکھوں سلام' ہیں۔ (ص ۹۴)

اسی طرح راجا صاحب نے شہزاد احمد (کراچی) کے مرتبہ سلامِ رضا کا حوالہ بھی دیا ہے اور بتایا ہے کہ نام تو 'سلامِ رضا' ہے لیکن اس میں مختلف شعرا کے سلام ہیں (ص ۱۰۰)، راجا صاحب نے شہزاد احمد کے مرتبہ 'لاکھوں سلام' کے حوالے سے لکھا ہے:

> لاکھوں سلام — شہزاد احمد — مطبوعہ کراچی — صفحات ۳۲ — اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے 'لاکھوں سلام' پر گیارہ تضامین کے منتخبات۔ (ص ۱۵۱)

جناب غوث میاں نے اپنے مضمون 'پاکستان میں نعتیہ انتخاب' کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے 'انتخابِ اعلیٰ حضرت' کا ذکر بھی کیا ہے جو محمد عبدالمبین نعمانی نے کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شایع کیا۔ (ص ۱۲۲)

اسی جائزے میں انھوں نے شہزاد احمد کے مرتبہ سلام رضا (۱۹۸۳ء) اور 'لاکھوں سلام' (۱۹۸۵ء) کا ذکر بھی کیا ہے (صفحات ۱۲۴، ۱۲۶)۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مضمون 'نعت سرور کائنات، ایک منفرد صنفِ سخن' (۱۳۱۔ ۱۳۷) میں مولانا احمد رضا خاں کی اس معروف رائے کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے نعت کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے ڈاکٹر صاحب نے مضمون کے آخر پر حوالہ جات میں مولانا احمد رضا خاں کی کتاب 'الملفوظ' حصہ دوم ص ۴ کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۱۳۶)

جناب رشید وارثی نے اپنے مضمون 'نعت نگاری میں ذم کے پہلو' (ص ۱۶۶ تا ۲۰۳) میں مختلف مقامات پر حضرت امام احمد رضا خاں کا ذکر کیا ہے اور تین اشعار (ص ۱۸۴، ۱۹۳، ۱۹۷) کا حوالہ دینے کے علاوہ ایک جگہ لکھا ہے:

> ...آپ (ﷺ) نے خدا کی راہ میں فرض منصبی کی انجام دہی کا وہ بوجھ

برداشت کیا جس کو اٹھانے کے پہاڑ بھی متحمل نہیں ہوسکتے، یہ آپ ﷺ کی
جسمانی و روحانی قوت، شجاعت اور اولوالعزمی کا بین ثبوت ہے۔ اسی
حوالے سے مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: (ص۱۸۵)

جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

جناب عزیز احسن نے اپنے مضمون 'نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں' (ص۲۰۵ تا ۲۲۱) میں حضرت امام احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کو رجحان ساز قرار دیا ہے۔ (ص۲۱۲)

جناب سعید بدر نے 'روشنی اور خوشبو کا نعت گو صبیح رحمانی' (ص ۳۲۱ تا ۳۳۱) کے نام سے اپنے مضمون میں صبیح رحمانی کی نعت گوئی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں کی نعت سے متعلق وہ رائے درج کی ہے جس میں نعت کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ (ص۳۲۳)

نعت رنگ :۲/ دسمبر ۱۹۹۵، صفحات ۳۲۰

حافظ محمد افضل فقیر نے اپنے مضمون 'نعت کا مثالی اسلوبِ نظم' (ص۱۵ تا ۲۶) میں لکھا ہے:

...مولانا کفایت علی کافی، مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اور ان کے
معاصرین نے گلزارِ نعت کو علم و آگہی اور عشق و شیفتگی کے گل ہائے رنگ
رنگ سے آراستہ کیا' (ص ۱۸)

شبیر احمد قادری نے اپنے مضمون 'جدید نعتیہ ادب اور بارگاہِ نبوت میں استمداد، استغاثہ و فریاد' (ص۱۲۳ تا ۱۳۴) میں مثال کے طور پر حضرت مولانا احمد رضا خان کے ۴/ اشعار درج کیے ہیں۔ کتابیات میں شبیر احمد قادری کے تحقیقی مقالہ 'مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعت گوئی' کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ ایم اے اردو کی سطح کا یہ مقالہ اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام ۱۹۷۲ء میں لکھا گیا۔ (ص۱۳۴)

جناب شفیق الدین شارق نے اپنے مضمون 'عصر حاضر میں نعت نگاری' (ص۱۳۵۔ ۱۶۶) میں دوسرے شعرا کے ساتھ ساتھ حضرت فاضل بریلوی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (ص ۱۳۸۔ ۱۶۰) جناب حفیظ تائب نے اپنے مضمون بعنوان 'راجا رشید محمود (مدیر) اور خانوادۂ نعت کو ماہ نامہ 'نعت' لاہور کی آٹھویں سال گرہ مبارک' (ص۲۱۳۔۲۱۶) میں ماہ نامہ 'نعت' لاہور کے اگست ۱۹۹۹ کے شمارے کا ذکر کیا ہے جس کے سرورق پر فیضانِ رضا لکھا ہے۔ اس میں راجا رشید محمود نے 'نعتِ

احمد رضا کے شعری محاسن' کے عنوان سے مضمون لکھا اور مولانا کی زمینوں میں کہی گئی نعتوں کا انتخاب کیا نومبر ۱۹۹۴ کے شمارے میں 'تخلیقِ نور' اور 'نور علیٰ نور' کے عناوین سے نعتیں، قصیدۂ نور مولانا احمد رضا، قصیدۂ نور پر اختر الحامدی کی نعتیں اور نور و روشنی کی ردیفوں سے لکھی گئی نعتوں کا انتخاب' (ص ۲۱۵) خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط میں فاضل بریلوی کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۳۰۴)

شمارہ: ۳، ستمبر ۱۹۹۶، صفحات ۳۶۰

'نعت رنگ' کے تیسرے شمارے کا انتساب اردو نعت کے ارکانِ خمسہ کے نام ہے ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے (ص ۳) اس شمارے کا تیسرا مضمون 'اردو نعت اور جدید اسالیب' (ص ۴۴۔ ۷۸) ہے۔ محترم عزیز احسن کے لکھے ہوئے اس مضمون میں ایک جگہ امام احمد رضا خان کے قصیدے 'درتہنیت شادی اسرا' کا احوالہ دیا ہے۔ اور اس کا مطلع بھی درج کیا گیا ہے (ص ۴۵۔۴۶) اور کتابیات میں امام احمد رضا خاں کے نعتیہ مجموعے 'حدایقِ بخشش' کا حوالہ دیا گیا ہے (ص ۷۷) ڈاکٹر عصمت جاوید نے اپنے مضمون 'اردو نعت گوئی میں عقیدت ومحبت کا اظہار، (ص ۷۹۔ ۸۷) میں ایک مقام پر مولانا احمد رضا خان کے اس شعر کو بطور حوالہ شامل کیا ہے:　　　　(ص ۸۳)

انھیں کی بُو مایۂ سمن ہے، انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے مضمون 'امام احمد رضا اور محسن کاکوروی' (ص ۸۸۔ ۱۰۳) میں اردو نعت کے ان دو بڑے شاعروں کے کلام سے مثالیں پیش کر کے ایک طرف ان کے کمالِ فن کی تحسین کی ہے اور دوسری جانب ان کا موازنہ بھی کیا ہے۔ محسن کاکوروی کی سراپا نگاری کی صلاحیت کا ہر کوئی معترف ہے۔ ان کی مثنویاں 'صبح تجلی'، 'چراغِ کعبہ' اور ایک قصیدہ لامیہ طاقِ ادب کے وہ دیے ہیں جن کی روشنی سے اردو کا ایوانِ شاعری آج بھی دل آویز دکھائی دیتا ہے جب کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا مجموعۂ نعت 'حدایق بخشش' منشورِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے رضا اور محسن کے کلام میں سراپا نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ احمد رضا بریلوی کے یہاں مضامین کی وسعت اور رنگارنگی روایات کی صداقت، معنویت کی تہ داری، سلاستِ زبان و بیان بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ایسے موازناتی مطالعات کا جو نتیجہ نکلتا ہے،

ڈاکٹر عزیزی اس میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر ریاض مجید کی آرا سے اپنے موقف کی صداقت ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان (احمد رضا) کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے، ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی... چرخِ نعت گوئی پر ان کی حیثیت آفتابِ عالم تاب کے مانند ہے جب کہ دوسرے نعت نگار ماہتاب و نجوم کی مثل ہیں۔ (ص۱۰۳)

جناب سلیم فاروقی نے اپنے مضمون 'حافظ منیر الدین احمد منیر سندیلوی کی نعتیہ شاعری (ص۱۱۵ تا ۱۳۴) میں ان منتخب شعرا کا تذکرہ کرتے ہوئے جنھوں نے جذبہ حبِ نبی ﷺ سے سرشار ہوکر بالالتزام نعتیہ شاعری کی، حضرت امام احمد رضا خان کا نام بھی دیا ہے۔ (ص۱۱۵) پروفیسر افضال احمد انور نے اپنے مضمون 'نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات' (ص۱۵۰ تا ۲۰۱) میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کیا ہے (ص۱۶۰، ۱۶۶، ۱۸۱)۔ پروفیسر صاحب نے اس مضمون کے حواشی میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کے علاوہ تمہید ایمان اور 'قمر التمام فی نفی الظل عن سیّد الانام' مشمولہ مجموعہ رسائل (مرتبہ: مفتی سیّد شجاعت علی قادری) حصہ اوّل کے حوالے درج کیے ہیں۔ (ص۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹) ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے اپنے ریڈیو فیچر 'اردو میں نعت کا مستقبل' (ص۲۱۰-۲۲۳) میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

> مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی نعت اگرچہ شخصی واردات اور نغمہ قلب ہے مگر اس میں بھی اجتماعی زندگی کے حوالے موجود ہیں: (ص۲۱۶)

ابرِ نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر　　جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں

'حاصلِ مطالعہ' کے عنوان سے شفیق الدین شارق نے نعتیہ کتب پر تبصرے لکھے ہیں۔ شوکت ہاشمی کے نعتیہ مجموعہ 'سارے حرف گلاب' پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بعد انھوں نے مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا حوالہ بھی دیا ہے (ص ۲۴۶)۔۔۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے خط میں نظمی مارہروی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> نظمی صاحب نے تو سنسکرت زبان میں کئی نعتیں کہی ہیں۔ سیّد آلِ رسول حسنین نظمی مارہروی، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مرکزِ عقیدت اور

مرشد خانہ خانوادہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ ہیں (ص ۳۴۳)
شبیر احمد قادری نے اپنے خط میں ایک جگہ 'مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری' کے نام سے ایک تحقیقی مقالے کا حوالہ دیا ہے یہ مقالہ ان کے برادرِ اکبر بشیر احمد قادری نے اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے زیرِاہتمام ایم اے اردو کے لیے لکھا تھا۔ (ص ۳۴۹)

خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کی طرف سے امام احمد رضا خان کے ایک مصرع پر اعتراض کو ان کی اپنی رائے کی روشنی میں رد کیا ہے:

> کشفی صاحب نے خود فرمایا ہے کہ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محلِ استعمال سے بدل جاتے ہیں اور پھر اس مصرع میں اپنی رائے نظر انداز کرتے ہوئے اعتراض فرمایا۔

شمارہ: ۴، مئی ۱۹۹۷، صفحات ۳۵۲

جناب رشید وارثی نے اپنے مضمون 'اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی' (ص ۵۵ تا ۷۳) میں نعت میں نعت نگاروں کے شاعرانہ تعلّی کا ذکر کرتے ہوئے مختلف اشعار بطورِ مثال درج کیے ہیں۔ انھوں نے ایک جگہ بڑی عمدہ بات لکھی ہے:

> متاخرین نے ملک الشعرا اور طوطیِ اسلام کے خطابات سے حضرت حسّان کا تذکرہ ضرور کیا ہے لیکن ملکِ حمد و نعت کی سلطانی کے نہ تو وہ سزاوار تھے اور نہ ان کا یہ منصب تھا اور نہ ہی کبھی انھوں نے اس کا اِدعا یا آرزو کی۔ للہذا اس قسم کی بے حقیقت مفاخرت یا تمناؤں کا اظہار اسلامی تعلیمات کے منافی ہے... کسی کو پاکستان کا، ہندوستان کا یا عجم کا حسّان کہنا، شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ، حضرت حسّان بن ثابتؓ کی توہین ہے۔ (ص ۵۹)

یہاں رشید وارثی نے اعلیٰ حضرت کا برمل حوالہ دیا ہے:

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے حضرت حسّانؓ کے ساتھ اپنی جس نسبت کی خواہش کی ہے اور یہ خواہش نعتِ سرکار ﷺ کے توسل و توسط سے کی ہے، وہ سب لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ہونا چاہیے۔ فرماتے ہیں: (ص ۵۹)

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دُور نہیں ‏ ‏ ‏ ‏ کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسّانِ عرب

محترم رشید وارثی نے اپنے اس مضمون میں 'حق نعت ادا کرنے کا دعویٰ' کے نام سے ایک ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے:

عشاق عظام کو اس گہرے سمندر کی غواصی کے بعد جو گہر ہاتھ آتے ہیں اُن کی مومنانہ بصیرت انھیں اس قابل نہیں سمجھتی کہ بارگاہِ محبوبِ کردگار ﷺ میں ان گہرہائے گراں مایہ کو ہدیتہً پیش کیا جاسکے۔ (ص ۶۰)

وارثی صاحب نے مختلف شعرا کے جو اشعار بطور حوالہ پیش کیے ہیں، اُن میں سے ایک شعر مولانا احمد رضا خان بریلوی کا بھی ہے: (ص ۶۱)

تیرے تو وصف، عیبِ تناہی سے ہیں بری حیراں ہوں میرے شاہ، میں کیا کیا کہوں تجھے

محترم منصور ملتانی اپنے مضمون 'جدید اردو نعت اور آنکھیں' (ص ۱۳۳ تا ۱۵۴) میں ایک جگہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے نعت گو شعرا کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

جدید اردو نعت کا دور جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد شروع ہوتا ہے اپنے دامن میں بہت سے خوش رنگ و خوش فکر پھول رکھتا ہے جنھیں اللہ نے توفیق دی اور حضورِ کریم ﷺ نے اپنی مدحت کے لیے چُنا ان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا حسن رضا خان، مولانا کفایت علی کافی، مفتی سرور لاہوری اور حافظ پیلی بھیتی نے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ سخن پایا ہی اس لیے تھا کہ تا زندگی حضور ﷺ کی مدحت کی خوش بو سے اہلِ دل کے مشامِ جاں کو معطر رکھ سکیں۔ (ص ۱۳۶)

منصور صاحب نے آگے چل کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک شعر بھی درج کیا ہے جس میں آقائے نام دار ﷺ کے روئے انور اور خدوخال کا خصوصی حوالہ ملتا ہے: (ص ۱۳۶)

سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضا سے لامکاں تک، جن کا رمنا نور کا

جناب رشید وارثی نے نعت خوانی کے آداب (کچھ معروضات) (ص ۱۸۴ تا ۱۹۱) میں نعت رنگ شمارہ نمبر ۳ میں پروفیسر افضال احمد انور کے طویل مضمون 'نعت خوانی کے آداب اور اصلاح و متعلقات' کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ ایک جگہ وارثی صاحب لکھتے ہیں:

اس مضمون میں ص ۱۲۰ پر حضور نبی پرُنور ﷺ کو 'یار' کہنا ادب کے منافی بتایا گیا

ہے۔ یہ لفظ فارسی سے اردو زبان میں مروج ہوا ہے جس کے معنی ہیں دوست، ساتھی، مددگار اور محبوب وغیرہ۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضورﷺ کا یارِ غار کہا جاتا ہے۔ اسی طرح فاضل بریلوی صاحب کا شعر ہے:

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں　　دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

واضح رہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کا یہ شعر ان کی اس نعت کا مطلع ثانی ہے جس کے متعلق سوانح اعلیٰ حضرت (ص۲۹۰) کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نعت کو پیش کرنے پر اعلیٰ حضرت دیدارِ مصطفیٰ ﷺ سے مشرف ہوئے۔ لہٰذا اگر یہ واقعہ صحیح تحریر کیا گیا ہے تو 'یار' کہنا خلافِ ادب نہیں ہوسکتا اور اگر خدا نہ خواستہ واقعہ غلط بیان کیا گیا ہے، تو اور بات ہے۔(ص۱۸۵)

وارثی صاحب کے اس مضمون میں ایک اور مقام پر اعلیٰ حضرت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہوا ہے:

ص۱۲۰ پر ہی حضورِ اکرم ﷺ کے لیے تُو، تیرا جیسے ضمائر استعمال کرنے کے حوالے سے بعض بزرگ شعرا سمیت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے لیے لکھا ہے کہ (یہ بزرگ) مجذوبانِ رسول مقبول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حالاں کہ اعلیٰ حضرت نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکامِ شریعت سے ملحوظ

یا

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کے یوں

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ عقاید کے حوالے سے مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے ملفوظات اور فتاویٰ کو 'مجذوب کی بڑ' کہنے کے بجائے علمائے عرب و عجم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر ان کو مجذوبانِ رسول مقبول میں شمار کرلیا جائے تو حضورِ اکرم ﷺ کی شانِ خلافت کبریٰ، توسل، استمداد، علمِ غیب جیسے سارے عقاید کے بارے میں آپ کے فتاویٰ کی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ مجذوب کی باتوں پر عامۃ المسلمین عمل کے مکلّف نہیں۔ لہٰذا افضال احمد صاحب کو اپنے اس قول سے رجوع

کرلینا ہی مناسب ہے۔ (ص۸۶۔۱۸۵)

سلسلۂ تحریر جاری رکھتے ہوئے وارثی صاحب کہتے ہیں:

محترم افضال صاحب علمی مسائل میں بھی علمائے کرام کے بجائے اپنے قیاس میں یا مشہور نعت خوانوں کے اقوال پر بھروسہ کرتے ہوئے فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ ان کی یہ قیاس آرائی (عام زندگی میں) سگرٹ یا سگار کی حد تک تو شاید درست ہو لیکن پان کھانے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا شمار عرب و عجم کے یگانۂ روزگار مفتیانِ دینِ متین میں ہوتا ہے۔ ان سے ایک صاحب نے پان اور تمباکو کھانے کے بارے میں فتویٰ تحریر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے جو فتویٰ تحریر فرمایا اس میں یہ الفاظ شامل ہیں:

جب بد بو نہ ہو تو درود شریف اور دیگر وظایف اس حالت میں پڑھ سکتے ہیں کہ منھ میں پان یا تمباکو ہو۔ اگر چہ بہتر منھ صاف کر لینا ہے لیکن قرآن عظیم کی تلاوت کے وقت ضرور منھ کو بالکل صاف کرلیں (فتاویٰ رضویہ)

یہ مسئلہ تغیر الفاظ کے ساتھ فقہ کی ایک اور مستند کتاب 'ردالمختار' میں بھی بیان ہوا ہے جس سے پان اور خوش بو دار تمباکو کھانے کی اباحت ثابت ہوئی ہے۔ رہا سگرٹ، سگار، بیڑی اور حُقّہ تو اس سے تمباکو کا حکم مفہوم ہوتا ہے جس کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

حق یہ ہے کہ معمولی حُقّہ تمام دنیا کے عامۂ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علما و علمائے حرمین محترمین (زاد ہما اللہ شرفاً وتکریماً) میں اَئج ہے۔ شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں تو اسے ممنوع و ناجائز کہنا احوالِ حقہ سے بے خبری پر مبنی ہے۔ (ص۱۸۹)

آگے چل کر وارثی صاحب نے 'ردالمختار' میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے فتوے کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

معمولی حُقّہ کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح ہے اور صرف مکروہِ تنزیہی ہے۔ یعنی جو نہیں پیتے وہ اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں

کچھ برا نہیں کرتے۔ (احکامِ شریعت)

خطوط (سموم و صبا) کے حصے میں محترم مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط میں پروفیسر افضال احمد انور کے مضمون 'نعت خوانی کے آداب اور اصلاح احوال و متعلقات' پر تبصرہ کرتے ہوئے مضمون کو ایک عمدہ کاوش قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> اس تحریر کی کچھ باتوں سے اتفاق نہیں کرتا۔ کچھ عبارات کے ترجے محلِ نظر ہیں اور کچھ احباب کے بیانات ان کے اپنے عمل سے متضاد ہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ اور مولانا احمد رضا خان کو مجذوبانِ رسول ﷺ کی حیثیت دی گئی، جانے یہ 'رعایت' کس سوچ کی وجہ سے ہے۔ (ص ۳۰۴)

محترم حافظ معزالدین نے اپنے خط میں 'نعت رنگ' کے ایک انتساب کے حوالے سے لکھا ہے کہ: (ص ۳۱۵)

> کتاب کے شروع میں اردو نعت کے عناصرِ خمسہ کی ترتیب میں اگر آپ سے اور آپ کے معاونین سے چُوک ہوئی تو اللہ معاف کرے لیکن اگر عملاً ایسا کیا ہے تو بڑی ناانصافی کی ہے۔ بھلا نعت میں اقبال اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ پر حالی کو مقدم رکھنے کا کیا جواز ہے۔

جناب مصباح العثمان نے 'نعت رنگ' کے پہلے تین شماروں (اپریل ۱۹۹۵ تا ستمبر ۱۹۹۶) کا اشاریہ (ص ۳۲۱ تا ۳۴۳) ترتیب دیا ہے۔ اس میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مضمون 'امام احمد رضا اور محسن کاکوری' (شمارہ: ۳ ستمبر ۱۹۹۶) کا ذکر بھی کیا ہے۔ (ص ۳۲۴)

شمارہ: ۵، فروری ۱۹۹۸، صفحات ۳۸۴

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مضمون 'مدح نگاری کی روایت اور مدحِ رسالت' (ص ۶۲۔ ۷۹) میں فاضل بریلوی کی نعت کے حوالے سے معروف اور اہم رائے (کہ نعت تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے) درج کی ہے۔ (ص ۶۴) اس مضمون کے آخر پر حوالہ جات میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کتاب الملفوظ حصہ دوم کا حوالہ بھی لکھا ہے۔ (ص ۷۸) خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط (ص ۳۷۰ تا ۳۷۲) میں ڈاکٹر کشفی کے مضمون میں فاضل بریلوی کے دو اشعار کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ص ۴۸ پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دو اشعار لکھے ہیں ان کے بارے

میں بھی سمجھ نہیں سکا کہ کشفی صاحب کا اعتراض کیا ہے۔ (ص ۳۷۰)

اس سے اگلے صفحے پر مولانا نورانی نے لکھا ہے کہ:

ص ۱۸۵ پر رشید وارثی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک شعر لکھ کر لفظ 'یار' کے بارے میں جو وجہ لکھی ہے اس پر تعجب ہوا۔ (ص ۳۷۱)

شمارہ: ۶، ستمبر ۱۹۹۸، صفحات ۴۴۸

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (دہلی) نے 'نعت رنگ' کے چھٹے شمارے میں 'چند نعت گویانِ بریلی' (ص ۱۵۱۔ ۱۵۸) میں بریلی کے دوسرے نعت گو شعرا کے علاوہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کیا ہے:

امام احمد رضا خان بریلوی نے نعت میں جو تقدیسی انقلاب برپا کیا اور اسے جو علمی وقار عطا کیا اور ادبی حسن اور فنی جمال بخشا وہ اہلِ علم وفن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (ص ۱۵۱)

مذکورہ صفحے پر فاضل بریلوی کا نام چھے بار آیا ہے۔ اسی طرح ص ۱۵۲، ۱۵۵ اور ۱۵۶ پر بھی آپ کا تذکرہ ہوا ہے— اسی شمارے میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا ایک اور مضمون شامل ہے جس میں انھوں نے اختر بستوی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے (ص ۲۷۷، ۲۹۰) اور بتایا ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خان کے ہاں نعتیہ غزلیں موجود ہیں۔ (ص ۲۷۸)

خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط میں 'نعت رنگ' ۵ میں ڈاکٹر یحییٰ نشیط کے مضمون بعنوان 'اردو نعت گوئی کے موضوعات (ص ۳۴ تا ۶۱) کے اس حصے پر تنقید کی ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے متعدد نور ناموں اور معراج ناموں کے نام گنائے ہیں مگر مولانا کوکب نورانی کے الفاظ میں:

...اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ کے قصیدۂ معراجیہ اور نور کے حوالے سے نعتیہ شاعری کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ (ص ۴۲۱)

شمارہ: ۷، اگست ۱۹۹۹، صفحات ۲۸۸

'نعت رنگ' کا ساتواں شمارہ 'حمد' ہے۔ ساتویں شمارے میں جناب رشید وارثی نے اپنے مقالے بعنوان 'مبادیاتِ حمد' میں ایک مقام پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک شعر نقل کیا ہے: (ص ۳۵)

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج حامیِ دینِ سنت پہ لاکھوں سلام

شمارہ: ۸، ستمبر ۱۹۹۹، صفحات ۲۷۲

'نعت رنگ' کے آٹھویں شمارے میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے مضمون 'مصرع رضا اور کشفی صاحب' (ص۶۸ تا ۷۸) میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصرع پر ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کے اعتراض کا نوٹس لیتے ہوئے حقیقتِ حال واضح کی ہے۔ 'نعت رنگ' کے شمارہ :۶ بابت ستمبر ۱۹۹۸ میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے امام احمد رضا کے اس مصرع کو ہدف تنقید بنایا: میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

کشفی صاحب کا کہنا ہے کہ 'حضور علیہ السلام روزِ جزا کے مالک نہیں ہیں۔ مالک کا لفظ لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں...تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی۔' کشفی صاحب کے اس اعتراض پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے گرفت کی ہے اور قرآنی آیات و احادیث مبارکہ سے دلائل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> اللہ عزوجل اپنے دینے کو رسول علیہ السلام کا بھی دینا بتا رہا ہے تو کیا معاذاللہ مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم علیہ السلام کو اپنا ساجھی اور شریک بتا رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس طرح اللہ اپنے حبیب اکبر ﷺ کی عظمت شان واضح کر رہا ہے۔   (ص ۷۱)

محترم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے میرزا محمد رفیع سودا اور اقبال کے اشعار بھی بطور حوالہ پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کشفی صاحب کی رائے کو بہ دلائل رد کر دیا ہے:

> مصرع رضا کو 'کنڈم' کرنے کے ساتھ ساتھ مضمون نگار نے امام احمد رضا کو آقائے جان و دل علیہ السلام کی حقیقی عظمتوں اور علم قرآن و حدیث سے بھی ناواقف قرار دینے کی کوشش کی ہے...شعر بالکل واضح ہے اور مصرع اولیٰ سے کوئی ایسا گماں تک نہیں گزرتا کہ پہلا مالک لفظ مالک حقیقی کا معنی دیتا ہو۔ یہاں مالک کے وہی معنی لیے جائیں گے جو ہمارے محاورے میں ذائع و شائع ہیں یعنی عرفی معنی اور اس مالک کو استغراق حقیقی پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ زبردستی ہے۔   (ص ۷۰۔۷۴)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اسی شمارے میں شامل اپنے دوسرے مضمون بعنوان 'نعت میں طنز کی شمولیت' (ص ۷۹۔ ۸۷) میں طنز کی تعریف طنز اور ہجو کے تعلق سے بحث کی ہے اور

نعت میں طنز کے اشارات کے سلسلے میں دوسرے شعرا کے علاوہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے سات شعر بطور حوالہ درج کیے ہیں جن میں بہ قول مضمون نگار:

محض ہجو یا مذہب سے متعلق کہہ کے ٹالا نہیں جاسکتا کہ یہ طنز نہیں۔ طنز کے ساتھ مزاح کی آمیزش لازمی نہیں ہے۔ خالص طنز بھی ایک چیز ہے اور کوئی کوئی طنز ایسا ہوتا ہے جس میں خود بخود مزاح کی پھلجھڑی چھوٹ جاتی ہے۔ (ص۸۳)

مضمون نگار نے سولہ اشعار کا انتخاب کیا تھا جیسا کہ متن سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم سات شعر مضمون میں شامل کیے گئے۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں: (ص۸۳)

ترا کھائیں، تیرے غلاموں سے الجھیں ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا پڑے خاک ہوجائیں، جل جانے والے

جناب منصور ملتانی نے اپنے مضمون 'اردو نعت اور عقیدۂ ختم نبوت' (ص۸۸۔۹۳) میں مختلف اردو شعرا کی نعتوں میں عقیدۂ ختم نبوت کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں کے مشہور سلام سے ایک شعر منتخب کیا ہے: (ص۹۲)

فتح بابِ نبوت پہ بے حد درود دورِ ختمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

محترمہ سیّدہ یاسمین زیدی نے اپنے مضمون 'حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور فروغِ نعت' (ص۲۱۶ تا ۲۲۳) میں مولانا کے خطبات میں حضرت امام احمد رضا خاں کے اشعار و افکار کے بارے میں بتایا ہے۔ (ص ۲۱۷)— نعتیہ کتابوں کے ذیل میں منصور ملتانی نے جاوید احسن خان کی کتاب 'فی احسن التقویم' (جو بہ قول مضمون نگار نعت سے متعلق ایک تنقیدی مقالہ ہے جسے مصنف نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے) پر تبصرہ میں بریلوی برادران یعنی مولانا احمد رضا خاں اور مولانا حسن رضا خاں کا ذکر کیا ہے۔ محترم منصور ملتانی نے پانچویں باب میں جاوید احسن خاں کے ان الفاظ پر گرفت کی ہے کہ:

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا زیادہ تر کلام فرقہ وارانہ مضامین پر مشتمل ہے۔

اور لکھا ہے کہ مصنف نے اپنی غیر جانب داری کو مشکوک کرلیا ہے۔ (ص۲۴۳)

خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کی طرف سے امام احمد رضا خان کے ایک مصرعے پر اعتراض کو ان کی اپنی رائے کی روشنی میں رد کیا ہے،

لکھتے ہیں:

کشفی صاحب نے خود فرمایا ہے کہ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محلِ استعمال سے بدل جاتے ہیں اور پھر اس مصرع میں اپنی رائے فراموش کرتے ہوئے اعتراف فرمایا اگر لفظ 'مالک' بعید اسی معنی اور حقیقی مراد لیا جائے جیسا کہ اللہ کریم کے لیے لیا جاتا ہے تو بلاشبہ اعتراض درست ہوگا مگر کون ہے جو اللہ کریم کے برابر یا اس کے مثال کسی کو گردانتا ہے۔ (ص ۲۵۴)

مولانا کوکب نورانی کے اسی خط کے ص ۲۵۵ اور ص ۲۵۶ پر بھی فاضل بریلوی کا ذکر آیا ہے — ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے بھی اپنے خط میں مولانا احمد رضا خان کے اسی مصرع پر کشفی صاحب کے اعتراض کے حوالے سے بات کی ہے۔ (ص ۲۶۴) سلطان جمیل نسیم نے بھی اپنے خط میں مولانا احمد رضا خاں کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۹۶)

شمارہ: ۹، مارچ ۲۰۰۰، صفحات ۲۵۶

نویں شمارے میں محترم پروفیسر آفاق صدیقی نے ڈاکٹر سراج احمد بستوی کے کتابی صورت میں شایع ہونے والے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے پر سیر حاصل تبصرہ لکھا ہے۔ تبصرے کا عنوان ہے 'مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری: ایک تحقیقی جائزہ' (ص ۱۶۹-۱۷۳) یہ مقالہ کان پور یونی ورسٹی (بھارت) کے زیر اہتمام لکھا گیا۔ اس مقالے کا صرف وہ حصہ کتابی صورت میں شایع کیا گیا ہے جس میں حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات اور نعت گوئی پر تفصیلی تحریریں شامل ہیں۔ اس کتاب کے مندرجات کے بارے میں اظہارِ خیال کے بعد پروفیسر آفاق صدیقی نے لکھا ہے:

اس کتاب کو بجا طور پر ایک تحقیقی و دستاویزی تصنیف کے طور پر مکمل کرنے کے لیے مصنف نے ۱۱۹ کتابوں اور جریدوں سے استفادہ کیا، یہ ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ یقیناً ہماری نعتیہ شاعری کی تاریخ میں اسے خاطر خواہ فضیلت حاصل ہوگی، ان شاء اللہ۔ (ص ۱۷۳)

حاصلِ مطالعہ کے تحت نعتیہ کتابوں پر تبصروں کے ذیل میں منصور ملتانی نے بیکل اتساہی کے مجموعۂ نعت 'والفجر' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

چہ گفتم کے عنوان سے ابتدائیہ شاعر کا اپنا لکھا ہوا ہے، اس کے بعد حضرت

حسان بن ثابت اور حضرت احمد رضا خاں کی (کہی) ایک ایک نعت ہے
اور پھر شاعر کا کلام ہے۔ (ص۲۰۳)

جناب منصور ملتانی نے قمر الحسن بستوی کے نعتیہ مجموعہ 'یاایھا المزمل' پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ (ص۲۰۵۔ ۲۰۶) اور لکھا ہے کہ:

قمر بستوی کا تعلق دبستانِ احمد رضا خاں سے ہے۔ اور ان کے بہ قول شاعری میں رہنمائی انھوں نے مولانا احمد رضا خاں کے دیوان 'حدایق بخشش' سے حاصل کی ہے۔ اسی لیے شاید انھوں نے مولانا کی کئی مشہور زمینوں میں بھی نعتیں تحریر کی ہیں۔ (ص۱۲۶)

جناب ریاض حسین چودھری ایک طویل نظم 'تمنائے حضوری' (ص۲۲۵ تا ۲۳۴) نویں شمارے میں شامل ہے۔ عنوان کے نیچے لکھا ہے، بیسویں صدی کی آخری طویل نظم کے منتخب قطعات، اس نظم کے ایک 'قطعہ' میں ریاض حسین چودھری نے حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: (ص۲۳۳)

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا، تو مرے ربِ کریم — لفظ بن کر میں، بصیری کا قصیدہ ہوتا
کلکِ حسانؓ کی رعنائی کا ہوتا پیکر — اعلیٰ حضرتؒ کا میں پُرجوش عقیدہ ہوتا

خطوط کے حصے میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے خط میں مدیر 'نعت رنگ' سیّد صبیح رحمانی کی کشادہ دلی کی تعریف کرتے ہوئے امام احمد رضا کے مصرع پر ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کے اعتراض کے جواب میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مقالہ مصرع رضا اور کشفی صاحب کا بھی ذکر کیا ہے۔ ص۲۴۶۔ ۲۴۷) مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط میں ایک جگہ فاضل بریلوی کے قصیدۂ نوریہ کو قرآن و حدیث کا ترجمان قرار دیا ہے۔ (ص۲۵۲)

شمارہ: ۱۰، اپریل ۲۰۰۰، صفحات ۲۵۶

'نعت رنگ' کے دسویں شمارے میں جناب رشید وارثی نے 'اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثال' (ص۱۰ تا ۳۷) کے نام سے مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے نعت میں ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے بے احتیاطی کی شعری مثالیں دے کر بحث کی ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے قرآن و احادیث اور علما و محدثین کی کتب سے حوالوں کے علاوہ حضرت فاضل بریلوی کا ایک شعر بھی اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (ص۳۶)

محترم پروفیسر شفقت رضوی نے ایک طویل مقالہ 'اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب (تعارف تجزیہ)' (ص ۳۸۔ ۱۳۸) لکھا ہے۔ اس مقالے کو مقالہ نگار نے تحقیقی کتب نعت کے تعارف تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے مندرجات کی روشنی میں تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس مقالے کے بارے میں نعت رنگ کے اگلے شمارے میں جہاں اظہار پسندیدگی کیا گیا وہاں اختلافی آرا بھی سامنے آئیں۔ مقالہ بڑی محنت، توجہ اور خلوص سے لکھا گیا ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے اپنے مقالے میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ:　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　(ص ۶۱)

> حسرت موہانی نے فن کے اعتبار سے کامل لیکن اثر سے خالی کلام کے لیے 'ماہرانہ' یا 'استادانہ' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ محسن کے قصیدے پر بڑی حد تک اور احمد رضا خاں بریلوی کے دو ایک قصیدوں پر عبدالعزیز خالد کے تمام کلام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی کے قصاید مہتم بالشان ہیں، نہایت اعلیٰ درجہ کے عالمانہ ہیں کیوں کہ وہ خود جید عالم تھے۔

پروفیسر شفقت رضوی نے اسی صفحے پر آگے چل کر یہ رائے بھی دی ہے کہ:

> یہ تینوں شاعر محسن، فاضل بریلوی اور خالد یا تو اپنے لیے شعر کہتے ہیں یا خاص حلقے کے لیے۔　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　(ص ۶۱)

اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کی کتاب 'اردو نعتیہ شاعری' کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> اس دور کے جید عالم احمد رضا خاں بریلوی گزرے ہیں جو اپنے تبحر علمی کی وجہ سے زیادہ معروف ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے کم مشہور ہیں۔ ان کے سوانح نگاروں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایک درجن سے زاید علوم دینی اور علومِ دنیوی پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ عربی اور فارسی کو بھی اردو کی طرح بے ساختگی اور برجستگی سے استعمال کرتے تھے۔ ان کے شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا کلام عام ذہنی سطح اور علمی استعداد سے بہت بلند ہے۔ نعتیہ کلام میں ان کا دیوان 'حدائق بخشش' ہے جس میں قصیدے، مثنوی، خمسے، مسدس، قطعات اور رباعیات وغیرہ مختلف اصنافِ سخن ہیں۔ عربی اور فارسی کلام بھی لیکن

کم۔ البتہ قطعات تاریخ ان زبانوں میں زیادہ ہیں اور مسلسل کئی کئی شعر تاریخی ہیں جن کا انھیں بے حد شوق تھا۔ اکثر اشعار سنگلاخ زمینوں میں ہیں... ان کے تبحرِ علمی کا یہ حال ہے کہ بعض قصیدے بغیر تشریح کے سمجھ میں نہیں آتے۔ (ص ۸۳)

مذکورہ مقالے کے ص ۱۰۱، ۱۱۶ اور ص ۱۱۷ پر بھی تذکرۂ رضا ملتا ہے۔

شمارہ: ۱۱، مارچ ۲۰۰۱، صفحات ۴۱۶

پروفیسر محمد اکرم رضا نے اپنے مضمون 'نعت اور احترامِ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ' (ص ۲۲ تا ۱۰۰) میں نعت میں تقدس کے پہلو کو اجاگر کرنے کے حوالے سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی اس اصلاح کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے حضرت اطہر ہاپوڑی کے ایک شعر پر دی تھی۔ اصل شعر یہ تھا:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے — مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

مولانا احمد رضا خاں نے اس مطلع پر ناراضی کا اظہار فرمایا کہ دوسرا مصرع احترامِ مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے پھر آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے — قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

اس اصلاح کے ساتھ ہی آپ نے کہا کہ وہ تراکیب جو محبوبانِ مجازی کی توصیف کا خاصہ ہوں، ان کو نعت کے حوالے سے بارگاہِ مصطفوی ﷺ سے وابستہ کرکے شانِ رسالت مآب میں توہین کا مرتکب نہیں ٹھیرانا چاہیے۔ حضرت اطہر ہاپوڑی نے اس اصلاح کو بہ صد اعزاز سمجھا اور عہد کیا کہ زندگی بھر عظمتِ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے باب میں اس نوعیت کی تراکیب استعمال کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔ (ص ۳۴)

پروفیسر محمد اکرم رضا نے آگے چل کر امام احمد رضا کے اس معروف قول کا صاحب قول اعلیٰ (حضرت فاضل بریلوی) کا نام لکھے بغیر حوالہ درج کیا ہے:

'نعت کہنا درحقیقت تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔' (ص ۳۵)

مختلف شعرا کے اشعار بطور مثال پیش کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کی (کہی) دو نعتوں کے آٹھ (چار، چار) شعروں کا حوالہ دیا ہے۔ (ص ۵۳، ۵۲)

جناب ظہیر غازی پوری نے اپنے مضمون 'نعتیہ شاعری کے لوازمات' (ص ۱۲۰ تا ۱۴۲)

میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نعت میں احتیاط سے متعلق یہ قول بھی درج کیا ہے کہ:

اس میں (نعت گوئی میں) تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ (ص ۱۲۸)

مضمون میں ایک اور مقام پر بھی مولانا احمد رضا خان کا ذکر آیا ہے، مضمون نگار لکھتے ہیں:

امام احمد رضا خاں صاحب نے قریب قریب وہی بات کہی ہے جو شاہ معین الدین احمد ندوی پہلے یا بعد میں کہہ چکے ہیں۔ احمد رضا صاحب مذہبی اعتبار سے بھی امام ہیں اور شاعر کی حیثیت سے بھی۔ ان کی شخصیت ہر دو اعتبار سے قابلِ احترام ہے۔ انھیں عربی، فارسی اور اردو کی شعری زبان پر اور الفاظ کے تخلیقی استعمالات پر جو قدرت حاصل تھی، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے فن اور شخصیت پر ماہنامہ 'قاری' (دہلی) نے اپریل ۱۹۸۹ء میں ایک ضخیم شائع کیا تھا اور جناب سراج بستوی نے ان پر قابلِ قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کے شعر و فن پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے 'حدایق بخشش کا فنی و عروضی جائزہ' کے زیرِ عنوان بڑی تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے مگر 'حدایق بخشش' میں اس طرح کے اشعار تمام تر انتخاب و تصحیح کے باوجود موجود ہیں۔ (ص ۱۳۰)

آگے چل کر ظہیر صاحب نے امام احمد رضا خان صاحب کے چھے اشعار درج کیے ہیں اور ان میں سے پہلے دو اشعار میں 'اجتماعِ ردیفین' کے 'عیب' کی نشان دہی کی ہے اور باقی اشعار میں بحروں کا حوالہ دے کر چند اعتراضات کیے ہیں: (ص ۳۲-۱۳۰)

ظہیر غازی پوری صاحب نے اس مضمون میں اردو کی بلند پایہ شاعری خصوصاً سلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

امام احمد رضا خاں کا اردو اور فارسی نعتیہ کلام فنی اور معنوی دونوں اعتبار سے دنیا بھر میں پسند کیا گیا ہے۔ (ص ۱۴۰)

راجا رشید محمود صاحب نے اپنے مضمون 'عہدِ نعت میں ایک گل دستے کی یاد' (ص ۲۸۴ تا ۲۹۵) میں ۱۳۶۸ ہجری میں ہونے والے ایک نعتیہ طرحی مشاعرے میں پڑھے گئے کلام پر مشتمل ایک گل دستے کو موضوع بنایا ہے۔ رسالے کا نام 'تحفۂ رضا' ہے جو باہتمام احید الدین پبلشرز

نظامی پریس بدایوں شائع ہوا۔اس گل دستے کے آخری دوصفحات پر مثنوی کی صورت میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ مناجات ہے جو ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور ان کے مطبوعہ مجموعۂ کلام کے حوالے سے شاید اب تک غیر مطبوعہ ہی ہے۔ راجا صاحب نے اس نعتیہ مثنوی کے سات اشعار نقل کیے ہیں۔ (ص ۲۹۵)

حاصلِ مطالعہ کے عنوان سے جناب عزیز احسن نے نعتیہ کتب پر تبصرے کیے اُن میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی کتاب 'محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری' بھی شامل ہے۔تبصرے کے شروع میں عزیز احسن نے بتایا ہے کہ:

> ڈاکٹر عبدالنعیم عزیز تحقیق نعت کے مقدس علمی کام سے پہچانے جاتے ہیں انھوں نے پی ایچ ڈی کا مقالہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا ہے۔ (ص ۳۱۷)

خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اپنے خط میں حدیث کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> 'التعصبات علی الموضوعات' میں ہے کہ حدیث ضعیف کی ایک قسم مضطرب اور ایک قسم منکر ہے۔ اسے بھی موضوع کہا یا مانا نہیں جاتا اور فضائل میں اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جہالت راوی یا صرف راوی کا نامعلوم ہونے کی وجہ سے بھی حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔ اس موضوع پر تمام تفصیل یک جا دیکھنی ہو تو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث و فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ 'منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین' یا 'فتاویٰ رضویہ' کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ (ص ۳۸۴)

'نعت رنگ' :۹ کے ص ۶۰ پر ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی اس رائے کہ قرآنی آیات کے الفاظ رحمت للعالمین سے 'ال' کے بغیر الفاظ کی ترکیب بھونڈی، بدنما اور قاعدے کے مطابق غلط ہے۔مولانا کوکب نورانی لکھتے ہیں:

> کیا بزعم خویش صرف قاعدے کے مطابق غلط قرار دینا کافی نہ تھا کہ بھونڈی اور بدنما کے الفاظ انھیں لکھنے ضروری لگے؟ (ص ۳۸۶۔۸۷)

مولانا نورانی نے کئی دلائل پیش کرتے ہوئے مولانا روم اور مولانا احمد رضا کے اشعار

پیش کیے جن میں مکمل آیت لکھنے کے بجائے اس کا کچھ حصہ جزوِ شعر بنایا ہے، لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ القوی کی فضیلت علمی میں کسے شبہ ہے؟ وہ فرماتے ہیں:

ان پر کتاب اتری بیانا لکل شئ تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

قرآن کریم میں بیانا لکل شئ ہے اعلیٰ حضرت نے اس سے اقتباس کرکے شعر میں اپنی طرف سے بیانا لکل شئ فرمایا۔ (ص۸۹۔۳۸۸)

یہاں مولانا نورانی نے اعلیٰ حضرت کی مثنوی ردا مثالیہ کے چار شعر بھی موضوع کی مناسبت سے درج کیے ہیں۔ (ص۳۸۹)

شمارہ :۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱، صفحات ۴۴۰

بارھویں شمارے میں ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے اپنے مقالہ 'نعت گوئی اور سیرت و نعت کی محافل کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم میں' (ص ۱۳، ۲۱) میں سرسیّد تحریک کے بعد کی نمایاں اسلامی تحریکوں کے ذیل میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی بریلوی تحریک کا بھی ذکر کیا ہے جس نے اسلامی تعلیم کے سلسلے میں ہمہ جہت کاوشیں کیں۔ (ص۱۶)

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے اپنے مضمون 'نعتیہ شاعری خارج از نصاب کیوں؟' (ص۸۷ تا ۱۱۱) میں ایک مقام پر قرآنی آیت بطور دلیل پیش کی ہے جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (ص ۸۷)

ترجمے کے یہ الفاظ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ہیں اور اس کا حوالہ حواشی و تعلیقات میں دیا گیا ہے۔ (ص۱۱۰)

محترم محمد ملک الظفر سہسرامی نے اپنے مضمون 'تقاضائے نعت' (ص ۱۱۷ تا ۱۳۶) میں 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم ص ۸ مطبوعہ پٹیالہ سے (بحوالہ 'کلامِ رضا نئے تنقیدی زاویے' مرتبہ: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی) فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی حیات سے ایک شاعر کی نفیس اصلاح کا واقعہ نقل کیا ہے:

ایک حافظ صاحب جو حضور پُرنور امام اہلِ سنت قدس سرہٗ کے مخلصین میں

تھے، کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی۔ سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے، یارسول اللہ ﷺ! میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں، کھانا، پینا، سونا سب موقوف ہوگیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علاحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حافظ صاحب اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے کہ جھوٹ، اور کون سی سرکار میں! جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ عزوجل نے ماکان و ما یکون کا کوئی ذرہ نہیں چھپایا اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کو کٹوادیا۔ (ص ۱۲۰۔ ۱۲۱)

اس سے جناب محمد ملک الظفر سہسرامی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

دل میں کچھ زبان پر کچھ، حقیقت کچھ، اظہار کچھ، منافقت کی اس روش کو اختیار کر کے نعتیہ شاعری سے وابستگی ہمارے لیے کچھ باعث تسکین نہیں کیوں کہ نعتیہ شاعری صرف تفننِ طبع کے لیے نہیں کی جاتی بلکہ اس سے اگر ایک طرف فروغِ ادب مقصود ہے تو دوسری جانب اپنے جذباتِ ایمانی کی تسکین بھی۔ (ص ۱۲۱)

محترم ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے مضمون 'اشعارِ نعت — اعتراضات کی حقیقت' (ص ۱۳۷ تا ۱۴۸) میں نعت رنگ کے شمارے میں جناب ظہیر غازی پوری کی طرف سے امام احمد رضا کے بعض اشعار کو خارج از بحر قرار دیے جانے کا فنی سطح پر جائزہ لیا ہے اور ظہیر صاحب کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے اور بے وزن قرار دیے گئے اشعار کی مفعول، مفاعیلن، مفعول، مفاعیلن کے مطابق تقطیع کے بعد لکھا ہے کہ:

تقطیع سے ثابت ہوا کہ جن تین مصرعوں پر خارج از وزن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا، سب اپنے وزن میں درست ہیں۔ واضح ہو کہ امام احمد رضا پر بے بنیاد الزامات لگانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی ان پر اس

سے زیادہ گھناؤنے اور بے بنیاد الزامات لگائے جاتے رہے ہیں لیکن چاند پر خاک اچھالنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑا (اگر تقطیع میں کہیں غلطی ہو تو اس کی نشان دہی کی جائے) (ص۱۳۹)

ڈاکٹر صابر سنبھلی کا موقف ہے کہ کسی ایک مصرعے کا ایک سے زیادہ اوزان میں تقطیع ہونا عیب نہیں بلکہ ایک صنعت (خوبی) ہے جس کو صنعتِ متلون کہتے ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنی کتاب 'توضیح فنونِ ادب' اور ماہنامہ 'تیرِ نیم کش' کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے پروفیسر گیان چند، سیّد غلام حسنین قدر بلگرامی، شمس الرحمٰن فاروقی اور قتیل کی طرف سے خاقانی، امیر خسرو، وامق بلگرامی، حافظ شیرازی، سودا، ذوق، محسن کاکوروی، میر انیس — کے بعض اشعار پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد نے اپنے مضمون 'اردو ادب میں محسن کاکوروی کا مقام' (ص۱۴۹ تا ۱۶۵) میں ایک جگہ 'نعت رنگ' :۳ شائع شدہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مضمون 'امام احمد رضا اور محسن کاکوروی' سے اقتباس درج کرتے ہوئے اس کا حوالہ 'حواشی و تعلیقات' میں دیا ہے۔ (ص۱۶۵)

جناب عزیز احسن نے پروفیسر محمد اقبال جاوید کی کتاب 'تیرا وجود الکتاب' کا مطالعہ کرتے ہوئے (ص۱۹۰ تا ۲۰۴) میں یہ بتایا ہے کہ نعت گو شعرا کے تذکرے کے ضمن میں اس کتاب میں چودہ شاعروں کا ذکر کیا گیا ان میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بھی شامل ہیں (بحوالہ ۱۹۲) آگے چل کر عزیز احسن صاحب نے پروفیسر محمد اقبال جاوید کی طرف سے حضرت امام احمد رضا خاں کے کلام پر تبصرہ (بحوالہ کتاب مذکور ص ۲۲۸) کیا ہے، لکھتے ہیں:

> رضا بریلوی کے کلام پر یہ تبصرہ پروفیسر صاحب کی شعری جمالیات سے آگاہی اور ان کے شعری آدرش کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔ کتاب کے بیس صفحات حضرت احمد رضا کے کلام کے انتخاب کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ (ص ۱۹۹)

یہاں سلام رضا سے دو شعر بطور حوالہ درج کیے گئے ہیں۔

محترم ڈاکٹر غفور شاہ قاسم نے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شہید کی کتاب 'دلیلِ آفتاب' (مرتبہ عمران نقوی) پر اپنے تبصرے (۲۰۵ تا ۲۰۹) میں بتایا ہے کہ کتاب کے حصہ دوم میں شامل مضامین ممتاز اور نمایاں نعت گو شعرا کے انفرادی مطالعات پر مبنی ہیں (ص ۲۰۷) ان شعرا میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔

محترم عزیز احسن نے رشید ساقی کی کتاب 'تقدیسِ قلم' پر تبصرہ (ص ۲۱۰۔۲۱۱) میں ایک جگہ حضرت امام احمد رضا خان کا ایک مصرع بطور حوالہ دیا ہے:

جس سمت چل دیے ہیں، سکے جما دیے ہیں (ص ۲۱۰)

خطوط کے حصے میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے خط میں ظہیر غازی پوری کی طرف سے حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر پر اعتراض کو رد کرتے ہوئے آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کے ساتھ ساتھ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حجر مکی، نواب صدیق حسن خاں آف بھوپال کے اقوال اور بعض دوسرے دلائل پیش کیے ہیں (ص ۲۷۷ تا ۲۸۰)۔ اس شمارے کے ص ۳۵۸ پر مولانا احمد رضا خاں کی مرزا غالب کی زمین میں ایک نعت درج ہے، مطلع ہے:

پوچھتے کیا ہو، عرش پر، یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں، کوئی بتائے کیا کہ یوں

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے مکتوباتی ادب میں جو خصوصی مقام حاصل کیا ہے، قابلِ رشک ہے۔ انھوں نے اپنے خط میں ایک جگہ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کی طرف سے گزشتہ شماروں میں نورناموں اور معراج ناموں پر لکھے گئے مضمون میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ مولانا اوکاڑوی لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے بھی نورناموں اور معراج ناموں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کی منظومات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس طرح اعلیٰ حضرتؒ سے ان لوگوں کا تعصب اور عناد مترشح ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آزاد صاحب نے سلام نگاری کے عنوان سے ص ۱۱۴ پر ہندو شاعر کا نام تو لکھنا گوارا کرلیا لیکن دنیا بھر کی محافلِ میلاد میں کثرت سے پڑھا جانے والا سلام لکھنے والی عاشقِ رسول ﷺ ہستی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نہیں لکھا اور جناب اکبر وارثی کا ذکر بھی نہیں کیا۔ (ص ۴۰۶)

محترم مولانا کوکب نورانی نے اس خط میں جناب ظہیر غازی پوری کی طرف سے حضرت امام احمد رضا کے مصرع (میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب) پر اعتراض کا دلائل کی روشنی میں رد کیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

Naat-Rang-18
File: Shabbeer
Final

نے رسول کریم ﷺ کو ہرگز ہرگز خدا کہا یا تسلیم نہیں کیا۔ (ص۴۱۶)

جناب مبارک حسین مصباحی نے اپنے خط میں نعت رسول مقبول کو خدائی موضوع قرار دیتے ہوئے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ خدا جانے کیوں بندگانِ شعر و ادب نے اس سے بے اعتنائی برتی ہے۔ مصباحی صاحب نے بتایا ہے کہ:

> امام رضا کے شیدائیوں نے ادھر کچھ پیش رفت کی ہے۔ برصغیر کی کئی یونی ورسٹیوں میں اب نعت رضا 'حدائق بخشش' شاملِ نصاب ہوئی ہے۔ (ص۴۲۵)

مصباحی صاحب نے بتایا ہے کہ وہ 'سیّدین' کی تیاریوں میں مصروف ہیں یہ امام احمد رضا بریلوی کے پیرخانے کے دو بزرگوں کے حوالے سے نکل رہا ہے یعنی سیّد العلما سیّد آلِ مصطفیٰ مارہروی اور حضرت احسن العلما سیّد مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی۔ قریب پانچ سو صفحات کی کتاب مکمل ہو چکی ہے۔ (ص۴۲۵)

محترم حافظ عبدالغفار حافظ نے 'نعت رنگ' کے پچھلے شمارے میں جناب ظہیر غازی پوری کی طرف سے اعلیٰ حضرت کے اشعار پر اعتراض کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ظہیر صاحب نے نعت رنگ کے شمارہ ۱۱ میں 'حدائق بخشش' سے ۳ اشعار چن کر نکالے اور کہہ دیا کہ ان کے مصرعے بحر سے خارج ہیں۔ اگر ظہیر صاحب یہ 'کارنامہ' انجام دینے سے پہلے کسی بھی عروض داں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر لیتے اور عروض کی باریکیاں سمجھ لیتے تو انھیں آج اس قسم کی شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔ (ص۴۳۳)

حافظ صاحب نے اپنے موقف کی دلیل کے لیے داغؔ، میرؔ، فانیؔ اور ذوقؔ کے بعض اشعار پیش کیے ہیں۔ (ص۴۳۷)

شمارہ :۱۳، دسمبر ۲۰۰۲، صفحات ۳۲۰

تیرھویں شمارے میں پروفیسر محمد اقبال جاوید نے اپنے مقالے 'اسمِ محمد ﷺ... نعت کے آئینے میں' (ص۱۵ تا ۵۸) میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے آٹھ شعر بطور مثال پیش کیے ہیں۔ (ص۳۱) محترم راجا رشید محمود نے اپنے مقالے 'نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار ﷺ' (ص۵۹ تا ۱۶۱) میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدۂ نور کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضور حبیب کبریا

علیہ الصلوٰۃ والثنا کے نورِ پاک کے حوالے سے ۵۹ اشعار پر مشتمل ایک قصیدۂ نور لکھا جس میں نورِ مصطفوی (ﷺ) کی اس دنیاے آب وگل میں تشریف آوری کے متعلق بھی کئی اشعار ہیں۔ ایک شعر دیکھیے:

بارھویں کے چاند کا مجرہ ہے سجدہ نور کا بارہ برجوں سے جھکا ایک اِک ستارہ نور کا

(ص۶۲۔۶۳)

مقالہ نگار کے بہ قول اعلیٰ حضرت کے اس قصیدۂ نوریہ کے تتبع میں سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی الضیائی، علی احمد خاں اسیر بدایونی، لسان الحسان علامہ ضیاء القادری بدایونی، یوسف حسین نور قادری، حافظ پیر بخش حافظ چشتی تونسوی، سیّد محفوظ علی صابر القادری بریلوی، طبیب قریشی اشرفی دہلوی، افق کاظمی امروہوی، ارمان اکبر آبادی، نظیر شاہ جہان پوری، غنی دہلوی، فدا کھیم کرنی، نیر اسعدی، وفا وارثی اجمیری، محمود حسن محمود رضوی، افضل کوٹلوی، رضیہ شکیل بدایونی، طاہر مجذوب سہاروی، رحمت القادری، ذوقی مظفرنگری، مختار ضیائی، حافظ ولی ضیائی، ماہر شکوہ آبادی، محمود، ہاشم بدایونی، عطاء المصطفیٰ جمیل، حبیب نقش بندی، عزیز حاصل پوری، شہزاد مجددی نے بھی قصیدہ ہاے نور لکھے۔ (ص۲۴، ۲۵، ۲۶) مقالہ نگار نے مولانا احمد رضا خاں کے برادر خورد حسن رضا خاں بریلوی کے سولہ اشعار کی اس نظم کا بھی ذکر کیا ہے جو ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ (ص۷۵) اس طویل مقالے کے حواشی میں مقالہ نگار نے احمد رضا خاں بریلوی کے مجموعۂ نعت 'حدایق بخشش' حصہ دوم کا حوالہ دیا ہے۔ (ص۱۴۵)

جناب شارق جمال (بھارت) نے اپنے مضمون 'نعت کے اشعار اور فنی اسقام' (ص۱۶۴ تا ۱۶۸) میں زبان کی صفائی کے سلسلے میں ناسخ کے ارشادات اور سیّد علی اوسط رشک، خواجہ وزیر مرحوم، محمد رضا برق اور شیخ امداد حسین بحر کے حوالے دے کر ان کی فنی استعداد کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ موصوف نے صغیر بلگرامی، جلال لکھنوی اور شوق نیموی کی فصاحتِ زبان اور اصلاحِ سخن کے سلسلے میں لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ کرکے اور ان بزرگوں کی طرف سے بعض اشعار کی تقطیع کے طریقِ کار اور ان میں فنی اسقام مثال کے طور پر یاے معروف اور 'وٗ' کو بنیاد بنا کر لکھا ہے کہ:

تقطیع میں صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ یاے معروف اور واو... دونوں حرفِ بحر سے خارج کرکے دبا گرا کر وزن پورا کیا گیا ہے۔ (ص۱۶۴)

ان فنی اسقام کے حوالے سے مضمون نگار نے اپنا مدعا یوں بیان کیا ہے:

...اس قاعدے کے وجود میں آنے کے بعد خواہ غالب کے اشعار میں... ظہیر غازی پوری کے کلام میں یا فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کے شعروں میں یہ سقوط حرفِ علت نظر آنے پر اس سے فنی بحث یقیناً کی جائے گی... اس سقم پر سابقہ شعرائے فارسی و عربی کے اشعار کا سنداً پیش کرنا بھی درست نہیں کہ ان کے اشعار اس قاعدے کے نافذ ہونے سے پہلے کے ہیں۔ (ص ۱۶۵)

شارق جمال صاحب نے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام میں تقابل ردیفین کی نشان دہی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے کہ فنی اعتبار سے وہ اشعار چاہے غزل کے ہوں، رباعی کے ہوں یا سلام وغیرہ کے ہوں یا کسی اور صنفِ شاعری کے ہوں، یہ بھی عیب میں داخل ہے۔ (ص ۱۶۶) یہاں شارق جمال صاحب نے مثال کے طور پر جو دو شعر فاضل بریلوی کے نام کے ساتھ درج کیے ہیں (ص ۱۶۷) وہ فاضل بریلوی کے نہیں بلکہ وہ اشعار 'نعت رنگ' کے مرتب صبیح رحمانی کے ہیں۔ (حاشیہ ص ۱۶۸)

محترم ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (بھارت) نے اپنے مقالے 'ہندوستان میں عربی نعت گوئی: تحلیل و تجزیے کا ایک جائزہ' (ص ۱۶۹-۲۰۶) میں ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی کے پی ایچ ڈی کے تھیسس 'دراسات فی المدائح النبویہ بالھند باللغتہ العربیہ مع جمع وتحقیق الاقصاید' کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ مقالہ شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام پروفیسر ڈاکٹر عبدالباری کی نگرانی میں لکھا گیا۔ مقالہ نگار نے مختلف اشعار بھی حوالے کے طور پر پیش کیے ان میں سے چند عربی اشعار جو ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے منتخب کیے ان میں سے ایک شعر حضرت مفتی احمد رضا خاں بریلوی کا بھی ہے۔ شعر اور اس کا ترجمہ یہ ہے:

ان زادو آدم قدراً عند مولدہ فکم ادب یعتلی قداد المولود

(آں حضورﷺ کی ولادت باسعادت سے حضرت آدم کے رتبے میں اضافہ ہوا۔ کتنے ہی والد اپنے بیٹوں سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔) (ص ۱۹۱)

ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت) کا مقالہ 'حضرت رضا بریلوی کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی' (ص ۲۰۶-۲۱۸) تیرہ صفحات کو محیط ہے۔ یہ مقالہ بڑی محنت اور محبت سے لکھا گیا ہے۔

نعت کا پس منظر بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ:

چودھویں صدی ہجری میں برصغیر کے چند نامور نعت گو شعرا اتر پردیش میں ہی ہوئے۔ ان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی، استاذ من مولانا احسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی، مولانا محسن کاکوروی، مولانا ضیاء القادری، حافظ پیلی بھیتی کے نام خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ ان نعت گو شعرا میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ (ص ۲۰۸)

اپنے اس موقف کی صداقت کے لیے فاضل بریلوی کے اشعار درج کرکے ان کے محاسن بیان کیے ہیں۔ ان کے ہاں عظمت مصطفیٰ ﷺ، قرآنی آیات و احادیث سرکار ﷺ کے جسمِ بے سایہ، کوے حبیب ﷺ کی الفت، حسنِ سیرت، حسنِ صورت، گیسوے آقاے دوجہاں ﷺ کا ذکر، تخیل کی بلند پروازی ان مضامین کو فنی حسن عطا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی کے اس مضمون پر پروفیسر شفقت رضوی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مضمون نگار نے موضوعاتِ شعر کو پیش نظر رکھا ہے۔ خصوصیاتِ شعری پر توجہ نہیں کی۔ کسی ایک موضوع کا حوالہ دے کر پانچ دس شعر نقل کر دینا شاعر کے ساتھ انصاف کرنا نہیں ہے۔

('نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ' ص ۲۳۲)

خطوط کے حصے میں جناب احمد صغیر صدیقی نے شمارہ ۱۲ میں مولانا احمد رضا خاں سے منسوب ایک نعت کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نعت کا مطلع ہے:

پوچھتے کیا ہو: عرش پر، یوں گئے مصطفیٰ ﷺ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں، کوئی بتائے کیا کہ یوں

اس شعر سے پہلے اور بعد میں احمد صغیر صدیقی صاحب نے اس راے کا اظہار کیا ہے:

میرا اندازہ ہے یہ اعلیٰ حضرت کی نعت نہیں کہ مجھے اس میں کئی شعر ایسے نظر آئے جو کسی طور نظر انداز نہیں کیے جاسکتے آج کل شعرا کے ملتے جلتے نام خاصی گڑبڑ پیدا کر رہے ہیں... معلوم نہیں 'کیف' کا لفظ انھوں نے کس نسبت سے لکھا۔ 'پرِ جبریل' تو اس میں (فٹ) نہیں ہوسکتا تھا۔ سوچ کے پر لکھ دیتے، تب بھی بات نہیں بنتی۔' (ص ۲۹۷)

محترم جناب صغیر صدیقی نے دوسرے شعر میں لفظ 'قدس' تیسرے شعر کے پہلے مصرع

میں کھو جانے کے معنی میں 'گمیں' پانچواں شعر درج کرکے انھوں نے لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں لکھوں گا۔ چھٹے شعر کے آخری مصرعے میں انھوں نے 'میٹر' کی نشان دہی کی اور ساتویں شعر کو بھی شعری لحاظ سے 'دادطلب' قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

'خیر جو کچھ ہے پسندیدہ نہیں' (ص ۲۹۸)

محترم پروفیسر قیصر نجفی نے اپنے خط میں ڈاکٹر صابر سنبھلی کے مضمون اشعار نعت، اعتراضات کی حقیقت کو اسمِ بامسمّٰی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> یہ مضمون ظہیر غازی پوری کے امام احمد رضا بریلوی کے بعض نعتیہ اشعار کے فنی پہلوؤں پر اٹھائے گئے سوالات سے متعلق ہے۔ جو دونوں صاحبانِ علم کے موقف کی اصابت کو ظاہر کرتا ہے۔ البتہ فنی لوازمات برتنے کے ضمن میں ان کے جدگانہ اندازِ فکر کا بھی مظہر ہے۔ ہم ظہیر غازی پوری اور ڈاکٹر صابر سنبھلی دونوں کے نقطۂ نظر کو تسلیم کرتے ہیں۔ (ص ۳۰۸)

نعت ریسرچ سینٹر، کراچی کو موصول ہونے والی کتب کے ذیل میں انوار احمد زئی کی طرف سے بھجوائی گئی کتاب آفتاب آمد دلیلِ آفتاب (سلامِ رضا پر ایک ادبی تاثراتی جائزہ) کا ذکر ہے جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے شائع کی ہے۔ ص ۳۱۵ پر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کا ذکر ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ رسالہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار و تجزیات کا حقیقی ترجمان ہے۔

شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲، صفحات ۳۳۲

'نعت رنگ' کا چودھواں شمارہ، تیرھویں شمارے کے ساتھ ہی شائع ہوا۔ اس کا پہلا مضمون 'اردو زبان میں نعت گوئی کا فن' (ص ۱۱ تا ...) ہے۔ مضمون نگار ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی (بھارت) ہیں۔ ایک جگہ نعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وہ نعتیہ شاعری جو قرآنی اوصاف پر مبنی ہے اس کا تعلق بالعموم بیانیہ شاعری سے ہے لیکن ظاہر ہے کوئی بھی نعت گو ان سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا اور نہ کرنا چاہیے— نعتیہ شاعری کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق شاعر کے اپنے جذبات سے ہے۔ یہی مشکل مرحلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر قدم پر ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بارگاہِ نبوت میں ذرا بھی

بے ادبی آدمی کے سارے اعمال کو بے کار کرسکتی ہے۔ (ص۱۲)

ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں حضور علیہ السلام کے لیے 'تو' اور 'تیرا' کے الفاظ سے بحث کی ہے۔ اس باب میں رقم طراز ہیں کہ:

> اب سوال یہ ہے کہ 'تو' کا استعمال غیر خدا کے لیے تعظیم کے لیے کب استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک افضل خلائق سیّد عالم ﷺ کی ذات کا تعلق ہے تو یہ وہ ذات ہے جو مخلوق میں فرد ہے۔ اس لیے مخلوق میں اس ذات کی فردیت کے اظہار کے لیے 'تو' ہی کا استعمال زیادہ مناسب اور بلیغ ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خان کہتے ہیں:
>
> خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
>
> کبھی ایسی خوبی کا بیان ہوتا ہے جو اگرچہ دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس خوبی میں آپ ﷺ کی مثل کوئی نہیں ہے مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خاں ہی کا کلام ہے:
>
> 'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
>
> ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں زیادہ مناسب 'تجھ سے' کا استعمال ہے لیکن ہمارا مدعا دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جود و سخا میں سیّد عالم ﷺ کا ہم سر کوئی نہیں ہے۔ (ص۱۹)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے مضمون 'امام احمد رضا کا تصورِ نعت' (ص۷۷ تا ۹۹) میں اپنے ممدوح کی ذات سرورِ کائنات ﷺ سے قلبی محبت کے ساتھ ساتھ ان کے اشعار و افکار کے آئینے میں اُن کے تصورِ نعت کو تلاش کرنے کی بڑی عمدہ اور پُرخلوص کاوش کی ہے۔ اشعار و افکار اور عقاید و واقعات کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب نے خلاصۂ کلام کے طور پر دس نتائج اخذ کیے ہیں جن سے فاضل بریلوی کے تصورِ نعت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

(۱) قرآن کریم کی رہنمائی اور شریعت کی پابندی کے بغیر نعت گوئی ممکن نہیں۔

(۲) نعت عقیدت و محبت دونوں کا مظہر ہے۔

(۳) حضور ﷺ سے عقیدت اور محبت کے اظہار میں غلو، لفاظی یا جھوٹی نمایش ہرگز روا نہیں۔

(۴) حضور ﷺ سے اظہارِ محبت کے تحت ان کے ظاہری جمال و باطنی جمال دونوں کا ذکر ہونا چاہیے۔

(۵) حضور علیہ السلام کے تعلق سے عامیانہ یا غزلیہ انداز کی رکیک تشبیہ قطعاً بے ادبی اور گستاخی پر محمول ہے۔
(۶) حضور ﷺ کے ساتھ دیگر انبیا کے تذکرے میں کسی نبی کی شان کو گھٹانا، ان کے لیے منصبِ نبوت سے فروتر لفظ استعمال کرنا حد درجہ بے ادبی ہے۔
(۷) نعت میں جذبہ و خیال کی پاکیزگی کے ساتھ ہر ہر لفظ کی تقدیس لازمی ہے۔
(۸) نبی کرم ﷺ سے منسوب ہر شے، مثلاً ان کے نعلین پاک، موے مبارک، آثار و تبرکات اور ان کے دیار و در و شہر وغیرہ کا بیان انھیں سے محبت کا اظہار ہے۔
(۹) نعت کے حوالے سے محاسبۂ نفس، معاشرے کی اصلاح اور امتِ مسلمہ کو دعوت و پیغام بالخصوص حضور ﷺ کا ہوکر رہنے کا پیغام نعت ہی کا حصہ ہیں۔
(۱۰) اعداے دین کی تردید و ہجو اور گستاخانِ رسول پر طنز بھی نعت کا حصہ ہے۔ (ص ۹۷)

ڈاکٹر عزیزی نے ماخذ و مراجع میں دس کتب کے نام دیے ہیں ان میں فاضل بریلوی کا مجموعۂ نعت 'حدایقِ بخشش' اور الملفوظ (ملفوظاتِ رضا، مرتبہ: مولانا مصطفیٰ رضا خاں) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ (ص ۹۹)

محترمہ شہناز کوثر نے اپنے مضمون 'آستانہ اور شاعر آستانہ' (ص ۱۰۹ تا...) میں علامہ ضیاء القادری بدایونی کی دینی خدمات کا جائزہ لیا ہے اور مرحوم کی کتب اور ان کے مندرجات کے بارے میں تفصیلات بہم پہنچائی ہیں۔ اس ضمن میں 'چراغِ صبحِ جمال' کے بارے میں لکھا ہے:

> چراغِ صبحِ جمال (مرتبہ: رئیس بدایونی) مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس، کراچی، صفحات ۳۲ (اس میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے قصیدۂ نور 'صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا' کے علاوہ اسی زمین میں اسیر بدایونی کا ۶۵ اشعار کا قصیدہ 'خلوت گہِ نور' مولانا ضیاء القادری کا ۶۴ اشعار کا قصیدہ 'نور خورشید' اور ان کے صاحب زادے محمد اظہر الحق یوسف حسین نور قادری کا ۱۸ اشعار کا قصیدہ شامل ہے۔ (ص ۱۱۱)

جناب ظہیر غازی پوری نے اپنے مضمون 'علامہ ارشد القادری کی نعت میں معنویت، شعریت اور تخلیقیت' (ص ۱۵۴ تا ۱۶۶) میں اپنے ممدوح کی دینی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے امام احمد رضا خاں کا ذکر بھی کیا ہے۔ (ص ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۵)

پروفیسر واصل عثمانی نے 'نعت اور تنقید نعت: ایک جائزہ' کے نام سے اپنے مضمون میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کی مذکورہ کتاب کا جائزہ لیا ہے، اس مضمون میں دو مقامات پر فاضل بریلوی کا تذکرہ ہوا ہے۔ (ص۱۷۶، ۱۸۳) پروفیسر علی محسن صدیقی نے 'مجلّہ 'نعت رنگ' کا ایک طائرانہ جائزہ' کے نام سے جو تبصرہ (ص۱۹۴ تا ۲۰۵) میں لکھا ہے۔ اس میں دو جگہ مولانا احمد رضا خاں کا حوالہ بھی آیا ہے۔ (ص۲۰۲) ایک جگہ پروفیسر صدیقی لکھتے ہیں کہ:

> شمارہ : ۱۱ میں جناب ظہیر غازی پوری کا مضمون 'نعتیہ شاعری کے لوازمات' دراصل عظیم عالم اور نعتیہ شاعری کے سرخیل حضرت مولانا احمد رضا خاںؒ کی شاعری اور ان کے مسلک پر معاندانہ تحریر ہے۔ مولانا مرحوم پر جناب ظہیر غازی پوری کی خوردہ گیری علمی خیرہ سری اور بے ادبی ہے۔ (ص۲۰۴)

پروفیسر علی محسن صدیقی کے اس تبصرے سے 'نعت رنگ' کی اہمیت اور فروغ نعت اور تنقید نعت کے ضمن میں اس کی کاوشوں کا پتا چلتا ہے۔

شمارہ : ۱۵، مئی ۲۰۰۳، صفحات ۴۹۸

'نعت رنگ' کا پندرھواں شمارہ موضوعات کی پیش کش، معیار اور مقدار ہر حوالے سے بہتر ثابت ہوا، اس کا احساس مرتب 'نعت رنگ' محترم صبیح رحمانی کو بھی ہے، ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> 'نعت رنگ' کے اجرا کے وقت ہم نے جن خواہشات کا اظہار کیا تھا، وہ کافی حد تک پوری ہو رہی ہیں، تنقیدی جمود خاصی حد تک ٹوٹ چکا ہے اور نعتیہ ادب پر بے لاگ تبصروں اور تنقیدی مباحث کی ایک ایسی فضا بن چکی ہے جس نے اہلِ علم کو نعت کے ادبی پہلوؤں کی جانب نہ صرف متوجہ کردیا ہے بلکہ وہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے اور لکھنے پر آمادہ ہوچکے ہیں۔ 'نعت رنگ' میں لکھنے والے ناموں میں اہلِ علم کا مسلسل اضافہ اور موضوعات کا تنوع ہمارے اس دعوے کی دلیل کے طور پر سامنے ہیں اور ہم اس کرمِ بے پایاں پر اپنے رب کے آگے سر بہ سجود ہیں۔ (ص ۹)

پندرھویں شمارے کے پہلے مضمون میں ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی گزرے وقتوں کی عبارت پڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ 'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر' (ص۱۳ تا ۱۹)

میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے بچپن اور لڑکپن کی یادوں کی راکھ کریدتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

کئی سلام ان محفلوں میں پڑھے جاتے۔ ایک تو وہ مقبول سلام جو عربی بھی اور اردو بھی:

یا نبی سلام علیک یارسول سلام علیک

حفیظ جالندھری کا سلام مردانہ جلسوں اور میلادوں میں تو اکثر پڑھا جاتا:

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوبِ سبحانی

مگر خواتین کی محفلوں میں مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا سلام سب سے زیادہ مقبول تھا۔ (ص ۱۷)

ڈاکٹر کشفی مزید لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلام بہت طویل ہے اور باجی مرحومہ کو اس کے بیشتر حصے پسند تھے۔ وہ ہر محفل کے لیے مختلف اشعار کا انتخاب کرتیں، بچیوں سے سنتیں، ان کا تلفظ درست کراتیں باجی کے الفاظ تو یاد نہیں مگر اس سلام کے بارے میں وہ جو کچھ کہتیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سلام رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کرلیتا ہے۔ (ص ۱۸)

ڈاکٹر صاحب کی اپنی رائے سلامِ رضا کے حوالے سے بڑی وقیع ہے:

آج سلام کے اشعار پڑھتا ہوں تو باجی کے اس تنقیدی شعور پر حیرت ہوتی ہے جس کا منبع رسول اللہ ﷺ کی محبت تھی۔ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کا سلام نعت کا گل دستہ نہیں بلکہ باغ ہے اور امت کے اتحاد کی ایک دستاویز ہے... یہ ایک باغ ہے یہ 'کنج سراپا ہے' یہ روشن ذکرِ فصاحت و بلاغت رسول عربی ہے، یہ تختہ اصحاب کرام ہے، یہ محلات اُمہات المومنینؓ ہیں اور اسی باغ میں یہ قصرِ اہل بیتؓ ہے۔ اردو میں بڑے خوب صورت سلام موجود ہیں لیکن کسی سلام میں مولانا احمد رضا خاں کے سلام کی جامعیت نہیں۔ (ص ۱۹)

ڈاکٹر کشفی نے اپنے مضمون میں سلامِ رضا سے منتخب اشعار بطور حوالہ درج کیے ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کا بڑا اہم مقالہ 'کاروانِ نعت کا شوقِ منزل آشنائی (تعریف، تاریخ، فروغ، رجحانات اور تقاضوں کے تناظر میں' (ص ۵۱ تا ۱۲۱) کے نام سے شائع ہوا۔ پروفیسر صاحب نے مضمون بڑی توجہ اور لگن سے لکھا ہے۔ اس میں ایک مقام پر نعت شریف لکھتے وقت احتیاط کے بارے میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کی رائے کا حوالہ دینے کے علاوہ ص ۷۳ تا ۷۵ حضرت فاضل بریلوی کے شخصی روحانی اور شاعرانہ کمالات کے بارے میں لکھا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> آج کون نعت گو شاعر ہے جس نے کسی نہ کسی صورت 'حدایق بخشش' سے خوشہ چینی نہ کی ہو ان کی نعتیہ شاعری ایسا ایمان آفرین حیرت کدہ ہے کہ جس میں عقل سرنگوں اور عشق بامراد نظر آتا ہے۔ ان کی نعتیں مفاہیم و معانی کے لحاظ سے ہنگامی نوعیت کی نہیں بلکہ مستقل ادبی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری بلاشبہ جبریل کے نطق مستعار کا اعجاز نظر آتی ہے۔ (ص ۷۴)

پروفیسر محمد اکرم رضا نے مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار بھی مثال کے طور پر درج کیے ہیں۔ موصوف نے اپنے مضمون میں مولانا احمد رضا خاں کے فرزندِ اصغر مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی مفتیِ اعظم ہند کی نعتیہ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ نوری تخلص کرتے تھے۔ اور ان کا نعتیہ مجموعہ 'سامانِ بخشش' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (ص ۸۴)

پروفیسر صاحب نے مضمون کے آخری حصے میں 'رجحانات اور تقاضے' کے ذیلی عنوان کے تحت ایک جگہ نعت کے لیے امام احمد رضا خاں کے غیر معمولی ادب و احتیاط کی رفعتوں پر مچلتے ہوئے عشق وعقیدت کو ضروری قرار دیا ہے۔ (ص ۱۰۵)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط اپنے مضمون 'اردو میں نورناموں کی روایت' (ص ۱۲۲ تا ۱۳۴) میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کے مجموعۂ نعت 'حدایق بخشش' میں نورِ محمدی ﷺ کے حوالے سے اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> خاں صاحب نے امت کے دل میں فکرِ محمدی ﷺ سے زیادہ عشقِ محمدی ﷺ پیدا کرنے کی سعی فرمائی تھی اور اس مشن کو ایک تحریک کی صورت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم کے چپے چپے میں پھیلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج عشق نبی ﷺ سے سرشار دلوں کی دھڑکنیں دنیا کے کونے

Naat-Rang-18
File: Shabbeer
Final

کونے میں سنائی دیتی ہیں۔ (ص۱۳۴)

'مراجع' میں 'حدائق بخشش' حصہ دوم کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ (ص۱۳۹)

ڈاکٹر عاصی کرنالی نے اپنے مضمون 'نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری' (ص ۱۴۰ تا ۱۴۷) میں ایک مقام پر مولانا احمد رضا خان کے سلام کے آٹھ اشعار منتخب کیے ہیں۔ یہ سلام بہ قول مضمون نگار، سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے حوالے سے ایک جامع اور مکمل تحقیق ہے۔ (ص۱۴۷)

راجا رشید محمود (مدیر ماہنامہ 'نعت' لاہور) نے بھی اپنے مضمون اور منظوم سراپاے حضور ﷺ (ص ۱۴۸ تا ۱۵۸) میں سلامِ رضا سے سات اشعار بطور حوالہ درج کیے ہیں۔ (ص۱۵۱)

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مضمون 'نعت اور نقد نعت: چند گزارشات' (ص ۱۷۷ تا ۱۸۷) میں فاضل بریلوی کی طرف سے نعت گو کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دینے کو بطور حوالہ شامل کیا ہے۔ (ص۱۸۲)

پروفیسر افضال احمد انور نے اپنے مضمون 'تنقید نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں' (ص ۱۸۸ تا ۲۰۲) میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۴ کو بنیاد بنا کر نعت میں احتیاط کی اہمیت اجاگر کی ہے اور اس ضمن میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر درج کیا ہے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

آدابِ شریعت کے اندر رہ کر لکھنا آسان نہیں یہ بہت مشکل کام ہے۔ واقفانِ نزاکت نے اسے تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر قرار دیا ہے۔ (ص۱۹۲) پروفیسر افضال احمد انور نے اطہر ہاپوڑی کی نعت کا حوالہ دیا ہے جو انھوں نے اعلیٰ حضرت کو سنائی جس کا یہ شعر اعلیٰ حضرت نے سخت ناپسند کیا:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اس شعر میں درختوں کو مجنوں اور حضور نبی اکرم ﷺ کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دی گئی۔ یہ تشبیہ شانِ نبوت کے منافی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً اس کی یوں تصحیح فرمائی: (ص۱۹۷)

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

پروفیسر شفقت رضوی نے رسالہ 'شام و سحر' لاہور کے نعت وں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ (ص ۲۱۳ تا ۳۰۴) لیتے ہوئے حفیظ تائب کے مضمون اردو نعت میں قرآنی آیات (شام و سحر نعت ۲) پر اپنی رائے میں دورِ متوسطین کے ان شاعروں کے نام درج کیے ہیں جن کے کلام

میں قرآن سے استفادے کی جھلک نظر آتی ہے۔ان شعرا میں امام احمد رضا خاں بریلوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ (ص۲۱۹) اسی طرح ص۲۳۱۔۲۳۰ پر درجہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کے مضمون (مشمولہ 'سفیرِ نعت'، شمارہ۳) سے اقتباس میں حضرت رضا بریلوی کا ذکر بھی آیا ہے۔ (ص۲۳۱)

اردو کے رباعی گو شعرا کے فہرست میں بھی فاضل بریلوی کا نام آیا ہے (ص۲۳۶)

اسی طرح ص ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۸۷ پر بھی امام احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ ہوا ہے۔

پروفیسر علی محسن صدیقی نے ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے پر تبصرہ کیا ہے۔ (ص۳۰۵۔۳۱۵) یہ مقالہ برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری کے نام سے شایع ہوا ہے۔اس میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ مقالہ نگار ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے باب ششم میں علاوہ دوسرے شعرا کے مولانا احمد رضا خاں کی عربی نعت کے بارے میں لکھا ہے اور ان کی شاعرانہ حیثیت کا تعین کیا ہے۔ (ص۳۱۴)

حاصلِ مطالعہ کے حصے میں جناب عزیز احسن نے نعتیہ کتب پر تبصروں کے ذیل میں شہزاد مجددی کی کتاب 'ثنا کا موسم' کے بارے میں لکھا ہے:

> ایک جگہ شاعر نے حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ بریلوی کے مصرعے پر شعر کہتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ انھیں روحِ رضا سے فیض پہنچا ہے۔ وہ نعت ملاحظہ کرتے ہوئے دل ان کے دعوے کی تصدیق کرنے لگتا ہے۔حضرت رضا فرماتے ہیں:

تابِ مرأتِ سحر گرد بیابانِ عرب غازۂ روے قمر، دودِ چراغانِ شب

شہزاد مجددی کے دو شعر ہیں: (ص۵۳۶۔۵۳۵)

رونقِ بزمِ جہاں، شمعِ شبستانِ عرب ثانیِ باغِ جناں، حسنِ گلستانِ عرب

مجھ کو شہزاد کمک روحِ رضا سے پہنچی ورنہ ہوتی نہ رقم مدحتِ سلطانِ عرب

خطوط کے حصے میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے خط میں جناب احمد صغیر صدیقی کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ مصرع درج کیا ہے:

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے (ص۶۱۳)

جناب شارق جمال نے سیّد صبیح رحمانی کے اشعار کو اعلیٰ حضرت کے اشعار بتا کر جو گزشتہ شمارے میں اظہارِ خیال کیا تھا، مولانا اوکاڑوی نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

> مجھے ان سے نہ صرف یہ پوچھنا ہے، کوئی ایسا فنی سقم اگر کسی کے شعر میں

جسے گنتی کے چند افراد بھی اختلاف شمار کریں، اس سے نعت شریف کیا
عیب دار قرار پائے گی؟ (ص ۴۳۰)

مولانا اوکاڑوی نے اپنے خط میں ام المؤمنین حضرت سیّد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے جبریل امیں (علیہ السلام) نے عرض کی کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کھنگال ڈالے مگر کوئی شخص حضرت سیّدنا محمد ﷺ کے مثل اور ان سے افضل نہ پایا، نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر پایا۔'

اس حوالے سے مولانا اوکاڑوی نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر درج کیا ہے:

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی ہم نے چھان ڈالے ترے پایے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا
(ص ۴۴۱)

مولانا اوکاڑوی نے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے ایک مضمون کے حوالے سے چار نکات اٹھائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

ص ۱۴ پر ہے: امام احمد رضا کے دلِ دیوانہ و مستانہ...
اس جملے میں ان کے دل کو دیوانہ و مستانہ، کس معنی و مفہوم میں کہا گیا ہے۔
(ص ۴۵۹)

مولانا اوکاڑوی نے ظہیر غازی پوری کے مضمون میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شعر کو علامہ ارشد القادری کا شعر کہنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (ص ۴۶۰)

پروفیسر محمد اکرم رضا نے اپنے خط میں ایک جگہ لکھا ہے:
امام احمد رضا خاں محدث بریلویؒ کاروان نعت کے عظیم حدی خواں ہیں۔
آپ کے چاہنے والے ہوں یا آپ کے مخالفین سبھی آپ کی نعت گوئی کے معترف ہیں اور آپ کو امامِ نعت گویاں تسلیم کرتے ہیں۔ (ص ۴۷۳)

اپنے خط میں پروفیسر محمد اکرم رضا نے 'نعت رنگ' میں اعلیٰ حضرت کے بارے میں دو مضامین (امام احمد رضا کا تصور نعت از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اور 'حضرت رضا بریلوی کی نعت گوئی

میں مضمون آفرینی' از ڈاکٹر صابر سنبھلی) کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان مقالہ نگاروں نے فاضل بریلوی کی نعت نگاری سے نئے حوالے تراشے ہیں۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:

بات تو تحقیق اور نئے پن کی ہے ورنہ 'حدایق بخشش' تو وہی ہے جو مدتوں سے اہلِ نظر کے لیے وظیفۂ ایمان بنا ہوا ہے ان مضامین کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنی اپنی جگہ موضوعات کو خوب صورتی سے نبھانے کی کوشش کی ہے ورنہ یہ تو ایک سلسلہ طولانی ہے جسے چھیڑ دیں تو پھر نہ تو سلام ختم ہونے میں آتے ہیں اور نہ ہی قلم کو خاتمہ کا یارا ہے۔ (ص ۴۷۳)

جناب احمد صغیر صدیقی نے ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور عزیز احسن کے مضامین میں بہت سی باتوں کو قدرِ مشترک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

ڈاکٹر عزیزی کا مضمون امام احمد رضا کی لکھی نعتوں کی خصوصیات پر مبنی ہے مگر جا بہ جا ان کی دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی تھیں، دیکھ لیں:

تیری انگلی کیا اٹھتی مہ کا کلیجا چر گیا

بھائیوں کے لیے ترک پستاں کریں

محو و اثبات کے دفتر پہ کروڑا تیرا

دو قمر، دو پنجۂ خود، دو ستارے، دس ہلال ان کے تلوے، پنجے، ناخن پائے، اطہر ایڑیاں (ص ۴۷۸)

پروفیسر قیصر نجفی نے اپنے خط میں جناب شارق جمال کی طرف سے اپنے مضمون میں صبیح رحمانی کے نعتیہ شعروں کو فاضل بریلوی کے شعر قرار دیے جانے کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا ہے:

اجتماعِ ردیفین کے حوالے سے ممتاز نعت خواں و نعت گو اور نعت رنگ کے مرتب صبیح رحمانی کے اشعار کو حضرت فاضل بریلوی سے منسوب کر کے

تنقید کا نشانہ بنانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مضمون نگار احمد رضا بریلوی کے اشعار
کو ہدف بنانے پر اس حد تک کمربستہ ہیں کہ کسی کا بھی فنی سقم کا حاصل
شعر انھیں حضرت فاضل بریلوی کا شعر لگتا ہے' البتہ جہاں تک نعت کے
شعر یا کسی بھی صنفِ سخن کے شعر میں فنی سقم کا تعلق ہے تو شارق جمال
کے خیالات سے ہم بھی متفق ہیں۔ (ص۴۸۰)

پروفیسر قیصر نجفی نے اعلیٰ حضرت کے شخصی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صابر سنبھلی کے مضمون کو سراہا ہے۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مضمون کے بارے میں پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں:

حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعت گوئی پر جتنا لکھا گیا ہے، اتنا
شاید ہی کسی اور شاعر کی اردو نعت گوئی پر لکھا گیا ہو... ڈاکٹر عبدالنعیم
عزیزی (بھارت) نے بھی نہایت بالغ نظری سے ان کے فنِ نعت گوئی کا
ایک مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ البتہ اس جائزے میں امام صاحب کی
نعتیہ شاعری کا کوئی نیا پہلو سامنے نہیں آیا۔ (ص۴۸۴)

پروفیسر سیّد ریاض حسین زیدی نے ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی کے مضمون میں حضور کے لیے 'تم' اور 'تو' کے صیغے کے استعمال نہ کرنے کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

اس کو معیار مان لیں تو علامہ اقبال کی بہترین نعت 'لوح بھی تو قلم بھی تو،
تیرا وجود الکتاب' کس کھاتے میں جائے گی۔ مولانا ظفر علی خاں، مولانا
محمد علی جوہر، اعلیٰ حضرت بریلوی اور حسرت موہانی جیسے بلند مرتبت نعت گو
حضرات نے نہایت خضوع و خشوع سے صرف 'تو' سے عشق و محبت کے
لافانی جذبات منسلک کیے ہیں۔ (ص۴۸۶)

حافظ عبدالغفار حافظ نے کلامِ اعلیٰ حضرت میں 'ی' گرنے کے حوالے سے جناب شارق جمال کی رائے کے جواب میں داغ، محسن کاکوروی، فانی، اقبال، جگر، بیدم، بہزاد، شکیل اور تابش صمدانی کے شعر درج کیے ہیں جن میں حرف ی گرایا گیا ہے۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

بحث یہ نہیں کہ 'ی' گری ہے یا نہیں، بحث اس پر ہے کہ یعنی کی 'ی' گرائی
جاسکتی ہے یا نہیں اور کیا اساتذہ نے اس کی پابندی کی ہے۔ حقیقت تو یہ
ہے کہ کسی بھی لفظ کی ی نہ گرائی جائے تو بہتر ہے لیکن اگر ضرورتِ شعری

کی وجہ سے گرائی جائے کوئی حرج نہیں۔ (ص ۴۸۸)

حافظ عبدالغفار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ:

مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چند بزرگوں نے دانستہ 'اینٹی فاضل بریلوی مُوومنٹ' چلا رکھی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو باتیں مشاہیر شعرا کے کلام میں موجود ہیں، ان پر کوئی حرف نہیں رکھتا لیکن اگر وہی چیز اعلیٰ حضرت کے کلام میں نظر آجائے تو صفحے کے صفحے کالے کردیے جاتے ہیں۔ (ص ۴۸۹)

حافظ صاحب نے احمد صغیر صدیقی کی طرف سے اعلیٰ حضرت کے کلام:

''اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکرا سے بتا کہ یوں'' پرفنی اعتراض کو رد کردیا ہے:

صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ میٹر پر کچھ نہیں گزری، مصرع کا ہر حرف اپنی جگہ موزوں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ کی قابلیت اپنی جگہ مگر عروض چیزے دیگر است۔ فاضل بریلوی کی یہ نعت جس بحر میں ہے، اس کے ارکان ہیں: مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن۔ (ص ۴۹۰)

شمارہ ۱۶، فروری ۲۰۰۴، صفحات ۴۳۲

سولھویں شمارے میں پروفیسر محمد فیروز شاہ کا مضمون 'اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت' (ص ۱۰۴ تا ۱۳۴) میں ایک جگہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک خمسے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (ص ۱۲۸)

پروفیسر محمد اکرم رضا نے حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں مضمون 'مہر عالم تابِ نعت' (ص ۱۷۰ تا ۱۹۳) لکھا ہے۔ اس میں دو جگہ ص ۱۷۰ اور ص ۱۹۲ پر حضرت امام احمد رضا کا ذکر ہوا ہے۔

جناب ظہیر غازی پوری کے مضمون 'تاج الفحول... ایک مداحِ رسول ﷺ' (ص ۲۲۰ تا ۲۳۳) میں ص ۲۲۴ اور ص ۲۳۳ پر فاضل بریلوی کا حوالہ دیا ہے۔

'حاصل مطالعہ' کے نام سے پروفیسر قیصر نجفی نے نئی نعتیہ کتب پر تبصرہ لکھا۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کتاب 'نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ' پر رائے دیتے ہوئے فاضل تبصرہ نگار نے بتایا ہے کہ کتاب کی دوسری جلد مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک

تحقیقی مقالہ اپنے اصل عنوان کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں دہلی (بھارت) اور ۲۰۰۰ء میں لاہور (پاکستان) سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ تبصرہ نگار نے مقالے کے علاوہ ان کے علمی و ادبی خصوصاً تحقیقی و ترجمہ کے کام کی تفصیل بھی بتائی ہے۔ ان میں دو مقالات اعلیٰ حضرت کے بارے میں ہیں۔ (ص ۳۴۷)

'نعت رنگ' کے پچھلے مندرجات کا خطوط کی صورت میں دوسرے اہلِ قلم بھی جائزہ لیتے ہیں مگر علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے خطوط کی شان ہی کچھ اور ہے۔ اس شمارے میں انھوں نے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے اعلیٰ حضرت کے بارے میں شمارہ ۱۵ میں جو رائے ہے اس کے بارے میں اپنی رائے کا بڑے سلیقے سے اظہار کیا۔ (ص ۳۵۰) اسی طرح ص ۳۶۵ پر علامہ صاحب نے ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی اس رائے پر گرفت کی جو ڈاکٹر صاحب نے امام احمد رضا کے حوالے سے اپنے مضمون میں دی تھی۔ اسی خط میں ص ۳۸۸ پر بھی امام احمد رضا خان کا ذکر آیا ہے — جناب رزاق افسر (بھارت) نے اپنے خط میں دوسرے شعرا کے ساتھ امام احمد رضا خان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (ص ۴۱۳، ۴۱۶ اور ص ۴۱۷)

شمارہ ۱۷، نومبر ۲۰۰۴، صفحات ۵۱۲

سترھویں شمارے میں ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی کی یادداشتوں کی دوسری قسط شائع ہوئی۔ 'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں، ماضی کا سفر' (ص ۱۵ تا ۲۷) میں ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ ایک خاتون کا ذکر کیا ہے جو ان کے گھر آیا کرتی تھیں اور نعتیں سنایا کرتی تھیں۔ یہاں شاعر کا نام لیے بغیر انھوں نے مولانا احمد رضا خاں کی نعت کے شعر نقل کیے ہیں جنھیں وہ خاتون اپنے مخصوص انداز میں پڑھا کرتی تھیں۔ ڈاکٹر کشفی لکھتے ہیں:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو　　کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زم زم تو پیا، خوب بجھائیں پیاسیں　　آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو

پہلے مصرع کی وہ تکرار کرتی جاتیں اور تخاطب بدل بدل کر:

منے آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

بچیو آؤ......

پھوا آؤ......

ثاقب صاحب آؤ......

غرض وہ یوں ہی سب کو بلاتی رہتیں اور موزونیت تو اُن کا مسئلہ ہی نہیں تھا... ان کا مسئلہ تو ابلاغ اور دعوتِ دیدارِ روضہ تھی۔' (ص۲۴)

ڈاکٹر کشفی اپنے والد محترم (ثاقب کان پوری) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جب عمو جان کے کمرے میں کچھ شاعر جمع ہوجاتے یا کوئی شاعر اپنی (کہی) نعت سناتا تو عمو جان کبھی کبھی مشورے دیتے کہ اس لفظ کو بدل دو... یہ حضور کی شان اور مرتبے کے مطابق نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ گیسو و رخسار کے مضامین کے عامیانہ شاعرانہ اظہار کے سخت خلاف تھے اور کہتے کہ اگر سراپا کہنے ہی کا شوق ہے تو محسن کاکوروی یا مولانا احمد رضا خان سے سیکھو کہ ختمی مرتبت ﷺ (کا) سراپا کیسے لکھا جاتا ہے۔ (ص۲۴)

محترم ریاض حسین چودھری نے اپنے مضمون 'جدید اردو نعت کی صورت پزیری کا موسم' (ص ۶۳ تا ۱۲۰) میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ

مجھے حیرت ہوتی ہے جب معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نعت کو جدید و قدیم کے خانوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے۔ نعت، نعت ہوتی ہے قدیم یا جدید نہیں۔ بلاشبہ نعت، نعت ہی ہوتی ہے اور نعت کو نعت ہی ہونا چاہیے لیکن کیا عہد حفیظ کی نعت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی (کہی) نعت سے مختلف نہیں۔ کیا اکیسویں صدی کی آخری دہائی میں لکھی جانے والی نعت اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لکھی جانے والی نعت سے سوچ، اظہار (اور ڈکشن) کے حوالے سے مختلف نہ ہوگی؟ (ص ۶۷)

موصوف بہت سے جدید شعرا کے منتخب نعتیہ اشعار کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

جدید اردو نعت کا 'ڈکشن' محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خاں اور مولانا ظفر علی خاں کے 'ڈکشن' سے مختلف ہے۔ (ص۹۳)

پروفیسر محمد اکرم رضا نے اپنے مضمون 'نعت میں نعت' (ص ۱۴۵ تا ۱۷۴) میں حضرت مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی کے دو شعر بطور حوالہ دیے ہیں:

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے   افغانِ دل زا حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو   نقشِ قدمِ حضرت حساں بس ہے
(ص ۱۵۵)

Naat-Rang-18
File: Shabbeer
Final

'گوشہ حفیظ تائب' میں 'نعت رنگ' کے (مرتب) سیّد صبیح الدین رحمانی نے 'چند سطریں حفیظ تائب کے لیے' کے نام سے ایک مختصر 'نوٹ' لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

حفیظ تائب کی (کہی) نعت میں خلوص کی دولت بھی تھی اور ان کی نعت میں ہمارے عظیم نعت گو شاعروں کی آوازیں بھی جمع ہوگئی تھیں... محسن کاکوروی کی مرصع سازی، حضرت احمد رضا خاں کی علمیت اور سکون بخشی، امیر مینائی کی زبان کے تیور، اقبال کی ہمہ گیریت، ظفر علی خاں کی نغمگی اور تاثیر۔　　　(ص ۳۲۶)

شبیر احمد قادری نے اپنے مضمون 'ذکرِ حفیظ تائب' (ص ۳۲۷ تا ۳۳۲) میں ایک جگہ لکھا ہے:

حفیظ تائب مرحوم کے نزدیک زندگی کے لیے سب سے بڑا معیار اور قرینہ ادبِ رسول ہے۔ وہ نعت گوئی کے عمل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کے مؤید دکھائی دیتے ہیں کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔　　　(ص ۳۲۷)

حفیظ تائب نے حافظ لدھیانوی کے نعتیہ مجموعہ کیف مسلسل کا دیباچہ لکھا اور اس میں مولانا احمد رضا خاں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی رائے کو مستند بنایا اس کا حوالہ بھی درج ہے (ص ۳۲۸)

جناب محمد فیروز شاہ 'باوضو آرزو کی خوشبو' (میاں والی میں 'نعت' پر ایک غیر رسمی مذاکرہ) (ص ۳۶۳ تا ۳۷۶) میں لکھتے ہیں:

یہ ساری کائنات دراصل حضور اکرم ﷺ کی نعت ہے جسے خود احسن الخالقین نے تخلیق فرما کر رفعنا لک ذکرک کا علم لہرا دیا ہے جو تا ابد پرفشاں رہے گا۔ سو میں سمجھتا ہوں اپنے لغوی معنی میں نعت... اللہ کریم کی سنت ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی طرف اشارہ کیا:　　　(ص ۳۶۴)

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　　یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

خطوط کے حصے میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے 'نعت رنگ' کا اعلیٰ حضرت شائع کرنے کے ارادے کو سراہا ہے۔ (ص ۴۱۳) ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے مکتوب میں 'نعت رنگ' کا مولانا احمد رضا شائع کرنے پر اظہارِ مسرت کیا ہے۔ (ص ۴۸۱۔۴۸۰) ڈاکٹر صاحب موصوف نے

مرتبِ 'نعت رنگ' کو برادرِ امام احمد رضا، مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر مضمون ارسال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مضمون میں امام احمد رضا کے ساتھ حسن میاں صاحب کا اور ان کی نعتیہ شاعری کا امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری سے جو تعلق تھا، اس کا مضمون میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ (ص ۴۸۱)

مولانا ملک الظفر سہسرامی نے اپنے خط میں ایک مقام پر لکھا ہے:

ایک محقق محترم نے اپنے تحقیقی مقالے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے تفوق علمی اور ان کے علمی تبحر کا اظہار کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے 'ان سے بڑا مستشرق اس عہد میں کوئی دوسرا نہ تھا' صاحبِ بصیرت محقق کو یہ بھی نہیں معلوم کہ استشراق ایک اصطلاحی لفظ ہے اور یہ ایک مستقل تحریک کا نام ہے۔ اس تحریک سے وابستہ فرد پر مستشرق کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ص ۴۸۵)

جناب احمد صغیر صدیقی نے اپنے خط میں محترم حافظ عبدالغفار حافظ کے گزشتہ شمارے میں چھپنے والے مکتوب کے حوالے سے لکھا ہے:

احمد صغیر صدیقی اعلیٰ حضرت کا ایک شعر اور تین مصرع لکھ کر فرماتے ہیں، دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی ہیں؟ میں اس سلسلے میں کیا لکھوں۔ سوال ہی سے اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کچھ مان کے دینے والے نہیں۔ اگر ان کو مذکورہ مثالوں میں شعریت دکھائی دیتی تو وہ اپنی پسند اور ناپسند میں آزاد ہیں کہ اس کا تمام تر تعلق شخصی مزاج شعری سے ہے۔ (ص ۴۹۸)

'نعت رنگ' کے مذکورہ بالا ۱۷ شماروں کی ضخامت چھے ہزار دوسو بائیس (۶۲۲۲) صفحات کو محیط ہے۔ کسی بھی تخلیق کو جانچنے پرکھنے کی خاطر جہاں اس کے معیار کو دیکھا جاتا ہے وہاں اس کی مقدار کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ 'نعت رنگ' کے یہ سترہ شمارے صوری اور معنوی ہر دو اعتبار سے اردو کے نعتیہ ادب میں نمایاں اور خصوصی اہمیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔ 'نعت رنگ' نے نعتیہ ادب سے متعلق مواد کو بہ قول ڈاکٹر غفور شاہ قاسم 'ایک مسلکِ مروارید میں پرو دیا ہے' 'نعت رنگ' نے نہ صرف یہ کہ نعتیہ ادب کو ایک منظم ادارہ بلکہ تحریک بنا دیا ہے۔ اس

جریدے نے اس صنفِ ادب کے حوالے سے نئے آفاق بھی دریافت کیے ہیں۔

(ماہ نامہ 'مسیحائی' کراچی ستمبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۴)

'نعت رنگ' میں دوسرے ممتاز نعت گو شاعروں کی طرح حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر وفن کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ جدید نعتیہ ادب پر ان کے اثرات کے جائزوں کو نمایاں جگہ دی گئی۔ اس نوع کی تنقید کسی اور نعتیہ رسالے میں دیکھنے کو نہیں ملی جہاں اعلیٰ حضرت کے حق میں خامہ دوزی کی گئی وہاں مخالفت میں بھی کئی مضامین اور خطوط لکھے گئے۔ 'نعت رنگ' معیاری نعتوں اور پُرمغز مضامین کی پیش کش کے لحاظ سے شروع سے متمول رہا ہے۔ اسے ہم ایک 'نعتیہ سیربین' (Kaleidoscope) قرار دے سکتے ہیں جو رنگارنگ تصویریں دکھاتا ہے۔ ہر تصویر خوب صورت اور ہر منظر دل آویز۔

کلامِ رضاؔ کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کہے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظرثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک و شبہ یا غیر حقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام و تفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ایک نعتیہ شعر پر تضمین

کھل اُٹھا زندگی کا معطر چمن پھر مہکنے لگے دل کے سر و سمن
گود میں آمنہ کی ہویدا ہوئے سرورِ دوسرا رحمتِ ہر زمن
جو محمد بھی ہیں اور محمود بھی راحتِ قلب و جاں، زینتِ انجمن
ان کے بچپن پہ خود سادگی بھی نثار ان کے چہرے پہ انوار کا بھولپن
چاند جھکنے لگا جو اشارہ کیا آپ کے حسن میں ہوگیا وہ مگن
جب کہ پیدا ہوئے ''ربّ ہب لی'' کیا بخششیں عاصیاں کی تھی ہر پل لگن
سب کے سب یک بہ یک وجد میں آگئے یا سمن، لالہ و نرگس و نسترن
عرش پر شورِ تبریک پیدا ہوا فرش والوں کو تھی مرحبا کی لگن

''اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن
اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام''

محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

D:NaatRang-18
File: Midhatain
Final

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ادا اس طرح سے حق ہو شہِ بطحا کی اُلفت کا
کھلے ایوان شخصیت میں اک گلزار سیرت کا
لکھی جائے جب ان کی نعت پھیلے نور ہر جانب
کیا جائے جب ان کا ذکر برسے ابر رحمت کا
الٰہی! نعت لکھنی ہے ترے محبوب کی مجھ کو
عطا ہوجائے مجھ کو بھی سلیقہ ان کی مدحت کا
مجھے بھی سیّد الکونین سے اُلفت کا دعویٰ ہے
پڑے مجھ پر بھی پرتو نیّرِ بطحا کی سیرت کا
ذرا سوچا تھا ان کی زندگی کس طرح گزری تھی
کہ میرے ذہن و دل پر کھل گیا روزن بصیرت کا
امینِ علم و حکمت تھے مسلماں ہر زمانے میں
کیا ہر باب ممکن آج خود پر بند حکمت کا
فضیلت کا مسلمانوں میں اک معیار تھا تقویٰ
مدار اب ہوگیا دنیا کی دولت پر فضیلت کا
مگر یہ تیرگیِ زر پرستی ختم کیوں کر ہو
کوئی انجم نہیں ہے مطلعِ دل پر قناعت کا
اگر دل کا تعلق رحمتِ عالم سے محکم ہے
تو پھر ان بستیوں میں کیوں ہوا ہے راج ظلمت کا

مسائل کے یہ اژدر کیوں ڈراتے ہیں مسلماں کو
لہو پیتا ہے کیوں عفریت ہر لحظہ سیاست کا
تفاوت کیوں نہیں مٹتا ہے طرزِ زیست کا یارو!
کمر افلاس کی خم ہے تو سر اونچا امارت کا
اگر ہے جذبۂ حبِ نبی میں کچھ بھی سچائی
تو پھر کیوں سرنگوں ہے آج تک پرچم صداقت کا
کہیں ہم نفس کی اپنے، پرستش تو نہیں کرتے
کہیں دھوکا تو ہم کھاتے نہیں حبِ رسالت کا
بنام عشقِ احمد خواہشوں کو پوجتے رہنا
اڑاتے ہوں کہیں ہم خود نہ یوں خاکہ شریعت کا
انا تسکین پاتی ہے نمایش گاہ میں اکثر
برابر گرم ہے بازار ہر جانب رعونت کا
مگر اس کیفیت میں مست ہیں ہم اور نازاں ہیں
ٹپکتا ہی نہیں آنسو کبھی کوئی ندامت کا
بایں احوال شاہِ بحر و بر کا ذکر جاری ہے
خیال اک لمحہ بھی آتا نہیں دل کی نفاست کا
الٰہی! آگہی کے ساتھ توفیقِ عمل بھی دے
کریں مدحت تو کچھ مقصد بھی سمجھیں ان کی بعثت کا
بدل دے اب تو یارب دل کی بستی کی فضائیں بھی
کہ پھر تعمیر ہو اخلاص پر ایواں مودّت کا
وہ جن کی ذات ہے وجہِ وجودِ عالمِ امکاں
وہ جن کا نور ہے نقشِ نخستیں ساری خلقت کا
انی کے اسوۂ کامل کو پھر اپنا سکیں ہم بھی
کہ جن کے نام سے اونچا ہے پرچم آدمیّت کا

D:NaatRang-18
File: Midhatain
Final

ابھی کہنا بہت کچھ تھا مجھے نعتِ پیمبر میں
ٹھکانا ہی نہیں کوئی مرے مضموں کی وسعت کا
مگر یہ سوچ کر اکثر خجالت مجھ کو ہوتی ہے
کہ میں خود بھی تو ہوں مارا ہوا اپنی ہی غفلت کا
عمل کی ساعتیں ہر روز کل پر ٹلتی جاتی ہیں
عمل سے پیش تر دل منتظر رہتا ہے مہلت کا
الٰہی! اب مرے احساس کو اتنی جلا دے دے
مجھے ہو پاس ہر لمحہ مرے آقا کی نسبت کا

عزیزؔ، احمد رضاؔ کی شاعری پیشِ نظر رکھو!
تو شاید حق ادا ہوجائے کچھ آقا کی مدحت کا

عزیز احسن (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اٹھو کہ سُوے شہرِ رسالت سفر کریں — خود کو قریبِ روضۂ خیرالبشرؐ کریں

کیوں فکرِ مشکلاتِ رہِ پُر خطر کریں — ہر مرحلہ خیالِ مدینہ میں سر کریں

جو سرزمین غیرتِ عرشِ عظیم ہے — اُس سرزمیں پہ تیز روی سے حذر کریں

قدموں کی آہٹیں بھی سنائی نہ دیں وہاں — ایوانِ مصطفیٰؐ میں کچھ ایسے گزر کریں

ہر صفحۂ جبیں پہ ہو ان کی ثنا لکھی — اس بار اُنؐ کی دید بطرزِ دگر کریں

اس کارِ خیر کا کوئی نعم البدل نہیں — مدحِ حضورؐ خوب کریں، عمر بھر کریں

اتنے ہی ماورا ہیں وہ فکر و خیال سے — توصیف تاج دارِ حرم جس قدر کریں

سمجھو کہ اس غریب کی دنیا سنور گئی — جس آدمی کے دل میں وہ اِک بار گھر کریں

لاریب اصل کعبۂ مقصود ہے اُدھر — محبوبِ کبریاؐ رخِ انور جدھر کریں

کیا جانے کب مرادِ نظر پا لے آدمی — ہرگز اس آستاں سے نہ صرفِ نظر کریں

سرکارِ کائنات سے کیا شے ملی انھیں — جو خود کو مثلِ بادِ صبا دربدر کریں

یوں تو حضورؐ صاحبِ لطفِ عمیم ہیں — عرضِ طلب مزاجِ نبیؐ دیکھ کر کریں

اُنؐ کے لیے یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں — ہر ظلمتِ مہیب کو رشکِ سحر کریں

"بدہیں تو آپؐ کے ہیں بھلے ہیں تو آپؐ کے — ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے، رُخ کدھر کریں

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں — آقاؐ حضور اپنے کرم پر نظر کریں

پروردۂ رسولِ حرم ہیں منیرؔ ہم
پھر کس طرح ہم اُن کی ثنا سے حذر کریں

منیر قصوری (لاہور)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سوے حجاز شوق اگر راہور نہ ہو
مقصودِ عاشقاں کبھی نزدیک تر نہ ہو

جب تک مرا دیارِ حرم میں گزر نہ ہو
اللہ! زندگی کا سفر مختصر نہ ہو

سوے حریمِ ناز سفر بے جواز ہے
جب تک حریمِ ناز سے اذنِ سفر نہ ہو

میں جانبِ حضورؐ مسلسل رواں رہوں
در پیش مشکلیں ہوں توقف مگر نہ ہو

اُنؐ کے حضور میں غمِ فرقت بیاں کروں
اشکوں سے بے نیاز مری چشمِ تر نہ ہو

جب تک درِ حضورؐ پہ میں گڑگڑا نہ لوں
دنیا سے زندگی مری زیر و زبر نہ ہو

ایوانِ مصطفیٰؐ کی طرف دیکھتا رہوں
اوجھل مری نظر سے بہشتِ نظر نہ ہو

دستِ دعا بلند کروں ان کے در پہ میں
ممکن نہیں کہ میری دعا کا اثر نہ ہو

یہ بات میرے دل کو بہت ناگوار ہے
اسلامیوں کی فوج کا طیبہ سقر نہ ہو

میں خواجۂ حجازؐ کے قدموں میں جان دوں
ممکن نہیں کہ موت مری معتبر نہ ہو

سرکارؐ میرے حالِ زبوں پر کرم کریں
یہ آپؐ کا غلام کبھی در بدر نہ ہو

''کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو''

یہ بھی دلیلِ فیض و کرم ہے کہ آدمی
نعلینِ مصطفیٰؐ سے جدا عمر بھر نہ ہو

ہر چیز میرے دامنِ حاجت میں ڈال کر
فرما رہے ہیں اس کی کسی کو خبر نہ ہو

عشقِ رسولؐ جس کی متاعِ نجات ہے
کیوں بے نیازِ خوف و عذابِ سقر نہ ہو

کوئی بھی اس کی یاد کو دل میں جگہ نہ دے
طیبہ میں مصطفیٰؐ کا اگر مستقر نہ ہو

احمد رضاؒ کا نعت میں اونچا مقام ہے
یہ نام اہلِ عشق میں کیوں معتبر نہ ہو

لاریب صیدِ شومیِ تقدیر ہے منیرؔ
جس کو نصیب قربتِ خیر البشر نہ ہو

منیر قصوری (لاہور)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جس پر نگاہِ لطف شہِ بحر و بر کریں
تکریم اُس گدا کی نہ کیوں تاج ور کریں

دُشوار کب ہے اُسوۂ سرکار پر عمل
پر کیا کریں کہ خود ہی نہ ہمت اگر کریں

ہم مجرموں کو آپ کی رحمت کی آس ہے
''آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں''☆

اپنا شعار طاعتِ سرور میں صبر ہو
کوئی ستم بھی ڈھائے تو ہم درگزر کریں

''بے گانہ سنتوں سے جو ہے وہ مرا نہیں''
کیوں اس حدیث پاک سے صرفِ نظر کریں

کس طرح زندہ ہوں مرے آقا کی سنتیں
اس دُھن میں اپنی شام اِسی میں سحر کریں

خاکِ درِ رسول کے بوسے جو ہوں نصیب
محسوس خود کو عرش نہ کیوں عرش پر کریں

عرش ہاشمی (اسلام آباد)

D:NaatRang-18
File: Midhatain
Final

☆ مصرع رضاؔ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو بھی ہاتوں میں لیے نعتیہ دیوان گیا
حشر میں بن کے وہ حسانؓ کا مہمان گیا

جس کے دل میں رہی تا عمر نبی کی اُلفت
بزمِ ہستی سے وہی صاحبِ ایمان گیا
جان پائے نہ تہی بخت ہی کوئی، تو کیا؟
اُن کی عظمت کو تو ہر سنگ و شجر جان گیا
کھل گیا مرکزِ الطاف و عنایات اُدھر
"نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا"☆
قبر میں حشر میں فردوس میں تھا وہ فرحاں
اُن کی نسبت کا لیے تمغہ جو انسان گیا
نقشِ پا سیّدِ عالم کا تھا کندہ دل پر
مجھ کو جبریلؑ امیں دُور سے پہچان گیا
مل گئی اُن کے غلاموں کی غلامی، جس کو
اُس کی آقائی کو ہر شاہِ شہاں مان گیا
اک اشارہ تھا اُنھی کا جو گیا میں بخشا
گرچہ میزان پہ میں بے سروسامان گیا

عرش سے فرش کو رجعت نہ تھی آساں انورؔ
یاد، اُمت تھی جو آقا کا اِدھر دھیان گیا

افضال احمد انورؔ (فیصل آباد)

☆۔ مصرعِ رضاؔ

کلامِ رضاؔ کے ذریعے

محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں

کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کہے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے	: سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔
دفاع سے گریز کیا جائے	: تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔ جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔
خیر خواہی کو اپنایا جائے	: مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔
جو صحیح ہو مان لیا جائے	: جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔
وضاحت طلب کی جائے	: اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظرثانی کا موقع دیا جائے۔
غلطی کی تردید کی جائے	: جو بات شک وشبہ یا غیرحقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔
اپنی بات پیش کی جائے	: اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام وتفہیم کا امکان بڑھ جائے۔
طوالت سے گریز کیا جائے	: جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (بھارت)

فتاویٰ رضویہ اور نعت کا موضوع

نعت کے مضامین پر فقہی تفقد و تدبر کی مثالیں دورِ نبوت ﷺ ہی سے ملتی ہیں۔ کتب السیر اور احادیث نبویہ ﷺ کی بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ خود حضور ﷺ اشعار کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ چناں چہ ایک روایت اس نوع کی یوں ملتی ہے کہ ''ایک جگہ چند لڑکیاں دف بجا کر شہداے بدر کی شجاعت اشعار میں بیان کر رہی تھیں۔ ایک شعر انھوں نے یوں پڑھا ''یعنی ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ''۔ چونکہ ''عالم الغیب'' کی صفت صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے، حضور ﷺ کو آنے والے کل کی بات کی خبر دینے والا کہنا گویا دائرۂ نبوت میں توسیع اور شانِ رسالت میں ترفع ٹھہرے گا۔ یہ رموز ایمانیات کے عین منافی سمجھے جاتے ہیں، شاید اسی لیے آپ ﷺ نے لڑکیوں کو ایسا کہنے سے منع فرمایا تھا۔

دوسری روایت ہے کہ کعب زہیر بن ابی سلمیٰ نے ایک قصیدے میں حضور ﷺ کی ہجو کی تھی۔ یہ قصیدہ اہلِ اسلام کے لیے فتنہ بن سکتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے کعب کے خون کو مباح قرار دے دیا۔ اس خبر نے کعب کے اوسان خطا کر دیے۔ چناں چہ ایک قصیدہ (قصیدۂ بانت سعاد) لکھ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا قصیدہ مسجدِ نبوی میں سنانے لگا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچا:

ان الرسول لنور یستضاع بہ   و صارم من سیوف الھند مسلول

تو آپ ﷺ نے اپنا پیرہن مبارک اتار کر حضرت کعبؓ کو دے دیا اور مذکورہ شعر کی یوں اصلاح فرمادی کہ 'من سیوف الھند' کی بجائے 'من سیف اللہ' پڑھو۔ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت کعبؓ نے شعر مذکور کو جس انداز میں لکھا تھا اس سے شانِ نبوت ﷺ میں استقصار کا پہلو نکلتا تھا اس

D:NaatRang-18
File: Yaya-Nasheet
Final

لیے آپ ﷺ نے 'سیف الہند' کی جگہ 'سیف اللہ' کہہ کر شانِ نبوت میں رفعت کا پہلو نکال لیا۔ یہ دونوں مثالیں شانِ رسالت ﷺ میں عمداً توسیع وتحدید کی ہیں، جو ایمانیات کے لیے مضر وخطرہ ثابت ہوسکتی تھیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان رہ کر آپ ﷺ نے اشعار میں جو اصلاح فرمادی وہ فقہی تدبر کی عمدہ مثال فراہم کرتی ہے۔

نعت کے مضامین میں فقہی تدبر کے اس وتیرے کو فقہاے اسلام نے قبول کیا ہی ہے، لیکن بعض مداحیانِ رسول ﷺ نے بھی اپنی فراست سے فقہی مسائل کا خیال رکھتے ہوئے نعت رسول ﷺ کے اشعار میں وصفِ محمود کی رفعت برھانے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ ابن نباتہ مصری کے حوالے سے عربی ادب کی کتابوں میں کہا گیا ہے کہ وہ حضرت ابو طالب کے اس شعر:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه　　ثمال الیتامی عصمته للاء امل

میں **یستسقی الغمام** کو بجاے ضمہ کے فتحہ سے **یستسقی الغمام** پڑھا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے شعر کی معنوی خوبی دو چند ہوجاتی ہے۔ اب شعر کا مطلب یوں ہوجاتا ہے" وہ روشن و تاب ناک چہرے والے، بادل خود آپ ﷺ کے چہرۂ انوار کے صدقے برسنے کی اجازت چاہتے ہیں۔" ادب میں اس طرح کی بیسیوں مثالیں مل جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مداحیانِ رسول ﷺ اشعار کو فقہ کی کسوٹی پر کسا کرتے تھے اور علماے فقہ بھی نعتیہ اشعار کو فقہ اسلامیہ کے نکات نظر سے جانچتے تھے۔

برصغیر میں فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کو محبّ اور مداحِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی فقہ میں تبحرِ علمی کے لحاظ سے بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی فراستِ علمی اور فقہی بصیرت کو آپ کے معاصرین بھی مانتے تھے اور آج بھی ان کی بعض تخلیقاتِ علمیہ کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے۔ 'فتاویٰ رضویہ' آپ کے دیے ہوئے فتوؤں کا عظیم الشان سرمایہ ہے۔ اس میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبان میں پوچھے گئے سوالات کے جوابات نہایت شرح وبسط کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان فتاویٰ میں فاضل بریلویؒ نے نعتیہ شاعری کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے۔ یہاں اسی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ا۔ نعتیہ اشعار کے موضوعات پر اعلیٰ حضرت کے فتاوی

(۱) میم کی چادر

احد اور احمد میں نعوذ باللہ 'م' کا فرق ثابت کرنے کی روایت صوفیانہ افکار کی دین ہے۔

فارسی متصوفانہ شاعری میں اس کے وافر نمونے ملتے ہیں۔ مولانا جامیؔ اور ابوالخیر جیسے بزرگ شعرا نے اس خیال کو اپنے نعتیہ اشعار میں برتا ہے۔ اردو میلاد ناموں میں تو اس روایات کو بہت زیادہ برتا گیا ہے۔ حتیٰ کہ افکار کی کجی اور خیالات کی آزادی نے اس موضوع کو بعض نعتیہ اشعار میں کفر و شرک تک پہنچا دیا ہے۔ از رُوئے املا یہ خیال درست سہی لیکن اس سے عقاید میں جو بگاڑ آیا وہ نہایت خطرناک اور بندۂ مومن کے ایمان کو سلب کرنے کے لیے کافی تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں ایسے اشعار کی کھل کر مذمت کی ہے۔ مثلاً: میم کی چادر مکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا

شبِ وصل خدا نے نبی سے کہا: تو اور نہیں میں اور نہیں

ہے میم کا پردہ کیا تو اور نہیں میں اور نہیں

اٹھا کر میم کا پردا سب الا اللہ کہتے ہیں　　　احد کو میم میں ضم کرے صلی اللہ کہتے ہیں

کے متعلق اعلیٰ حضرتؒ نے فتاوے صادر فرمائے وہ یوں ہیں:

پہلے مصرع "میم کی چادر" پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

اگر آیا کی ضمیر حضرت عزت عز جلالہ کی طرف ہے تو بے شک... صریح کفر ہے۔ اور اگر حضور اقدس ﷺ کی طرف ہے تو حضور ﷺ بے شک احد و احمد ہیں ﷺ دونوں حضور ﷺ کے اسماے طیبہ ہیں... پھر بھی ایسے لفظ سے بچنے ہی کا حکم ہے کہ عوام کا ذہن ایسی دقیق توجیہ کی طرف نہ جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۲۰۶)

دوسرے شعر پر آپ نے جو فتویٰ دیا وہ بڑا سخت ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ اللہ عزوجل پر افترا ہے اور اس کا ظاہر کفر ہے۔ **وقد قال اللّٰہ تعالیٰ انما یفتری الکذب الذین لایومنون۔** (ایضاً)

تیسرے شعر کے متعلق رامپور کے معشوق علی صاحب کے استفسار پر فاضلِ بریلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا پڑھنا حرام حرام سخت حرام ہے۔

(ب) اتصال فی العبد والمعبود

بعض مولود خاں اپنے نعتیہ اشعار میں اس قبیل کے مضامین باندھتے ہیں، جن سے رب و مربوب، احد و احمد یا الوہیت و بشریت میں اتصال کا گمان ہوتا ہے۔ جیسے:

کہتا ہے یہ تجھ سے خدا دل میں نہ رکھ اپنے خودی
تیرے نگینِ طبع پر میری حقیقت ہے کھدی
جب عین وحدت کی صفت خاص اپنی میں نے تجھ کو دی
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایسے اشعار کے متعلق اعلیٰ حضرت کے فتاوے نہایت سخت ہیں، کیوں کہ ایسا عقیدہ نہایت گمراہ کن اور شرک وکفر تک پہنچا دیتا ہے۔ چناں چہ مذکورہ تضمین کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

فارسی شعر حضرت امیر خسرو قدس سرہ العزیز کی عاشقانہ غزل کا ہے اسے یوں نعت شریف میں لے جانا اور کلامِ الٰہی ٹھہرانا او اللہ و رسول میں یوں اتحاد ماننا بلکہ حضور ﷺ کو جان اور اللہ کو تن جاننا یہ صریح کفر وارتداد ہے۔

(ایضاً ۲۰۶)

(i) ''ترسٹھ برس خدا مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرا کسی نے نہ پہچانا''

(ii) ظہور ہوکر کے دنیا میں یہ فرمایا کہ بندہ ہوں
تو سب ناسوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں

نعتیہ اشعار میں ایسے مضامین پر گرفت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرتؒ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ:

''اس کا ظاہر کلمۂ کفر ہے۔ ان اشعار کا پڑھنا حرام ہے۔''

لیکن پتا نہیں کیوں آپ نے:

محمد نے خدائی کی، خدا نے مصطفائی کی　　　　کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے

اس شعر کو قابلِ گرفت نہیں ٹھہرایا۔ آپ فرماتے ہیں:

پچھلا مصرع تو صحیح ہے اور پہلے کا نصف آخر بھی یوں صحیح ہے کہ ''کرنا'' بنانے، پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم　　　　گفت آں روز کہ ایں گنبد مینامی کرد

یعنی اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی مصطفائی پیدا کی۔ حضور ﷺ کو یہ مرتبہ بخشا
البتہ نصف اول بہت سخت ہے۔ اس میں تاویل بعید یہ ہے کے خدائی مخلوقات کو کہتے ہیں۔ ساری خدائی اک طرف فضلِ الٰہی اک طرف ... مگر

ایسی تاویل نہ لفظ کو کلمۂ کفریہ ہونے سے بچائے نہ قائل کو اشد حرام کے ارتکاب سے۔ (ایضاً ۲۰۷)

(iii) ہمارے سرورِ عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے

اس شعر پر اعلیٰ حضرتؒ کا قلمِ فتویٰ تیغِ براں دکھائی دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اس شعر کا ظاہر صریح کفر ہے اور اس کا پڑھنا حرام ہے اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہو یقیناً کافر ہے۔ ہاں! اگر بقرینۂ مصرع اولیٰ یہ تاویل کرے کہ خدا سے ملنا چاہے تو یوں سمجھے کہ محمد ﷺ کے مرتبہ کو اللہ ہی جانتا ہے تو معنی صحیح ہیں مگر ایسا موہم لفظ بولنا جائز نہیں۔ (ایضاً ۲۰۸)

عجب کھیل کھیلے، عجب روپ بدلے
زمانے میں بہروپیا بن کے آیا

ہمارے نعت نگار شعرا نے ایسے نعتیہ اشعار مقامی روایات کے زیر اثر لکھے ہیں۔ بہروپیا، کنہیا، بنسری بجویا، ماکھن چور، وغیرہ اوصاف ہندوی روایات میں سری کرشن سے منسوب ہیں۔ بعض نعت گو شعرا نے اس کی تقلید میں حضور ﷺ کو بھی اسی انداز میں دکھانے کے جتن کیے ہیں۔ لیکن فاضلِ بریلویؒ نے ایسے اشعار کی سخت مذمت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بہروپیے والا شعر رسول ﷺ کی صریح توہینوں پر مشتمل ہے۔ کھیل کھیلنا، روپ بدلنا کہنا ہی توہین تھا، مصرع دوم نے کفر پر رجسٹری کر دی۔ (ایضاً ص ۲۱۱)

۲۔ نعتیہ اشعار میں استمداد و استعانت کا پہلو

''حضور ﷺ کو برائے استعانت و امداد پکارنا'' اس مسئلہ کے متعلق علمائے کرام اور مفتیانِ عظام میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ بالخصوص مفتیانِ حرم تو اس فعل کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ مفتیِ اعظم سعودی عرب عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ کے فتاویٰ ''حراست التوحید'' میں ایک فتویٰ خاص نعتیہ اشعار میں استمداد و استغاثہ کے پہلو پر ہی ہے۔ ''مجتمع کویتی'' (ہفتہ وار) کے شمارہ نمبر ۱۵ مورخہ ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ میں نعت ''فی ذکری المولدالنبوی الشریف'' شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں ان اشعار کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جس پر عبداللہ بن بازؒ نے فتویٰ دیا تھا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ اس جہاں کو سنبھالا دیجیے۔
جو جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے اور جو بھڑکائے اسے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

D:NaatRang-18
File: Yaya-Nasheet
Final

اے اللہ کے رسول ﷺ اس امت کو سنبھالا دیجیے۔
جس کی رونق افسوس کی ہلاکتوں میں ختم ہوگئی ہے۔
اے اللہ کے رسول ﷺ اس امت کو سنبھالا دیجیے۔
جس کی رات کا سفر شک کے اندھیروں میں لمبا ہوگیا ہے۔
آپ ﷺ امت کی جلد مدد کیجیے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے بدر کے دن مدد کی تھی
جب اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا تو کم زوری شان دار فتح میں تبدیل ہوگئی۔
کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر ایسے ہیں جنھیں تو دیکھ نہیں سکتا۔

ان اشعار کے متعلق مفتیِ سعودی عرب فرماتے ہیں کہ:

(اللہ اکبر) تحریر کرنے والے نے اپنی ندا اور استغاثہ کو اس انداز سے رسول ﷺ پر پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ جلد از جلد امت کی مدد کو پہنچیں اور اسے سنبھالا دیں۔ جیسے وہ اس بات کو بالکل بھولے ہوئے تھا یا اس سے جاہل تھا کہ مدد تو صرف اللہ اکیلے کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نبی یا مخلوقات میں سے کسی بھی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ چناں چہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ''**وما النصر الامن عند اللّٰہ العزیز الحکیم**'' (اور مدد تو اللہ غالب حکمت والے ہی کے پاس ہے)

نیز فرمایا:

ان ینصر کم اللّٰہ فلا غالب لکم وان یخذ لکم فمن ذالذی ینصر کم من بعدہ (اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر تمھیں رسوا کرے تو اور کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کو پہنچے گا)

...اور رسول ﷺ نے اپنے چچا زاد عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا:۔ **احفظ اللّٰہ یحفظک احفظ اللّٰہ تجدہ تجاھک اذا سالت فاسال اللّٰہ واذا استعنت فاستعن باللّٰہ** (الترمذی) یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ۔ اللہ تجھے یاد رکھے گا، تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تجھے سوال کرنا ہو اللہ ہی سے سوال کر اور جب تجھے مدد درکار ہو تو اللہ ہی سے مانگ)

پھر اس مراسلہ نگار یا کسی دوسرے کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ

اپنی فریاد اور مدد کی طلب کے لیے نبی ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ ربّ العالمین سے اعراض کرے، جو ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ بلاشبہ یہ بدترین جہالت اور بڑا شرک ہے۔ لہٰذا اس مراسلہ نگار پر واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے حضور سچی توبہ کرے... اور اس کی نہی سے بچتے ہوئے آیندہ ایسا کام کبھی نہ کرنے کا پختہ عہد کرے۔ یہی سچی توبہ ہے۔

(بحوالہ حراستہ التوحید ص ۴۸ تا ۶۲)

ہندوستان میں مفتیانِ دیو بند اگرچہ حضور ﷺ سے استعانت و استغاثہ کے خلاف فتوے دے چکے ہیں لیکن ان کے اکابر کی نعتوں میں استمداد یہ عناصر مل جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فارسی نعتوں اور مولانا طیبؒ کی مشہور نعت میں یہ عنصر غالب دکھائی دیتا ہے۔ بریلوی مسلک میں اگرچہ حضور ﷺ کو استعانت کے لیے پکارنا اباحت کے دائرے میں آتا ہے لیکن اعلیٰ حضرت بریلویؒ کے فتاویٰ میں بالتصریح یہ انتباہ بھی ملتا ہے:

ایک یہ بات یاد رہے کہ حضور اقدس ﷺ کا نامِ پاک لے کر ندا نہ چاہیے بلکہ اس کی جگہ یارسول اللہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۷۳)

مگر کوہ کسولی سے منشی نور محمد صاحب عرائض نویس کچہری نے جب یہ استفسار کیا کہ کیا ختم شریف میں یوں نعتیہ اشعار کہے جاسکتے ہیں؟

عفو کن خطا یا حیات النبی ۔۔۔ مری کر شفا یا حیات النبی
امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن ۔۔۔ در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

تو اعلیٰ حضرتؒ نے اپنے پچھلے فتوے کا حوالہ دے دیا۔ شاید آپ کا اشارہ 'رسالہ انوار الانتباہ فی حدندا' کی طرف رہا ہو۔ اس فتوے میں آپ نے 'یا محمد'، 'یا محمداہ'، 'یا احمد' ہی نہیں 'یا علی'، 'یا شیخ عبدالقادر جیلانی' اور 'یا شیخ الی' وغیرہ کہہ کر پکارنے اور امداد طلب کرنے کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ ان دونوں فتوؤں میں معنوی تناقض پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک ہی موضوع پر یہ دو علاحدہ فتوے عوام الناس کے لیے سببِ اشتباہ بن جاتے ہیں۔

(رسالہ انوار الانتباہ کی تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم ص ۹۹ تا ۱۱۲ میں درج ہے)

۳۔ خطبہ جمعہ اور عیدین میں حمدیہ و نعتیہ اشعار کا استعمال

اس استفسار پر کہ جمعہ و عیدین میں پورا خطبہ اشعار عربی، فارسی و ہندی میں پڑھنا (یا)

اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت نے چند فتاوے جاری فرمائے...

ایک فتوے میں آپ نے فرمایا:

یہ امر خلافِ سنت ہے متوارثہ مسلمین ہے اور سنت متوارثہ کے خلاف مکروہ۔ زمانۂ صحابہ کرامؓ میں بحمداللہ ہزار ہا بلادِ عجم فتح ہوئے، ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھایا اس میں دوسری زبان خلط کیا ہو۔ عوام کا یہ عذر جب صحابۂ کرام کے نزدیک لائقِ لحاظ نہ تھا تو اب کیوں مسموع ہونے لگا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۸۴)

لیکن اسی قسم کا سوال کہ خطبہ میں عربی۔ فارسی۔ ہندی اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟ پوچھے جانے پر آپ نے یہ فتویٰ دیا ہے:

خطبۂ جمعہ میں عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد و نعت ... کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں ...مگر ان خطبوں کا تمام و کمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہیے کہ بلاوجہ کلمات مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغییر ہے... بایں ہمہ اگر خطبہء عربیہ کے ساتھ کچھ اشعار پند و نصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے غایت اس کی بس اس قدر کہ خلاف اولیٰ و مکروہ تنزیہی ہے۔　　　　(ایضاً ص ۶۸۶)

مذکورہ بالا دونوں فتاوے باہم متناقض ہیں۔ آپ پہلے فتوے میں تو غیر عربی اشعار داخلِ خطبہ کرنے کو صحابہ کرام کے عمل کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس کے نہ کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں مگر دوسرے فتوے میں اسی عمل کو مکروہ تنزیہی کے ساتھ مباح قرار دیتے ہیں۔

۴۔ جنازے کے ساتھ نعتیہ اشعار کی بالجہر قرأت

یوں تو جنازے میں نعتیہ اشعار پڑھے جانے کی روایات بزرگوں کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن اس کا کوئی شرعی حکم نہیں۔ بلکہ اب جنازے کے ساتھ اشعار پڑھنے کی اس روایت پر بعض شدت پسند تو یہاں تک عمل کرتے ہیں کہ باقاعدگی سے جنازے کے سامنے اشعار پڑھتے ہوئے جنازے کے آگے آگے چلتے ہیں جب کہ جنازے کے آگے چلنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ جہلا ثبوت

میں اعلیٰ حضرت کا ذیل میں دیا گیا فتویٰ پیش کرتے ہیں جب کہ اس میں ایسا کہیں درج نہیں ہے کہ نعتیہ اشعار جنازے کے آگے آگے پڑھے جائیں۔

بہر حال! جن بزرگوں کے جنازے میں نعتیہ اشعار پڑھے جانے کی روایت ملتی ہے ان میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی قدس سرہ العزیز کے جنازے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ فارسی نعتیہ اشعار ان کے جنازے میں پڑھے گئے تھے:

مفلسا نیم آمدہ در کوے تو　　شیئا للہ از جمالِ روے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بر دست و بر پہلوے تو

حضرت شاہ غلام علی دھلوی قدس سرہ العزیز کے جنازے میں ذیل کے عربی اشعار پڑھے جانے کی روایت ''مقاماتِ مظہریہ'' میں ملتی ہے:

وقدت علی الکریم بغیر زاد　　من الحسنات والقلب السلیم
فحملی الزاد اقبح کل شیئی　　اذا کان الوفود علی الکریم

اسی طرح علامہ شامیؒ کے دادا مرشد کے جنازے میں بھی عربی اشعار بالجہر پڑھے جانے کی روایت ملتی ہے۔ بھارت کے علاقے دکن میں آج بھی بالعموم یہ اردو نظم جنازے کے آگے آگے پڑھی جاتی ہے:

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ　　ہیں محمد مرے رسول اللہ

اعلیٰ حضرت سے پوچھے گئے استفسار کے جواب میں آپ نے جو فتویٰ دیا تھا اس میں جنازے کے ساتھ نعتیہ اشعار بالجہر پڑھنے کی وضاحت ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ذکر کے لیے صحت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے ...صدر اول میں غالبًا یہی معمول تھا... جب زمانہ بدلا اور صدر اول کا سا خوف عام مسلمانوں میں نہ رہا (تو) اطبائے قلوب نے ذکر لسانی خفی کا اضافہ فرمایا...لیکن جب زمانہ اور بدلا (تو) اطبائے روحانی نے ذکر بالجہر کی اجازت دی...لاجرم اشعار حمد ونعت وثنا و دعا، وعظ و بند ذکر الٰہی ہیں...صحیح بخاری شریف میں حضور اقدس ﷺ کا سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مشرکین کے اشعار کا اشعار میں جواب دینا اور ان شعروں کو پڑھنا اور حضور انور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سننا ثابت ہے...(البتہ)

D:NaatRang-18
File: Yaya-Nasheet
Final

وہ اشعار جو حکمت و وعظ پر مشتمل نہ ہوں جیسے میت کا مرثیہ یا اس کی تعریف۔ مدح بافراط یا اشعار مہیجِ حزن و مزیلہ صبر و داعی نوحہ گری و گریباں دری (جو) بلاشبہ حکمت و وعظ سے خالی بلکہ اس کے خلاف اور اپنے اختلاف احوال پر مکروہ و گزاف ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۸۰ تا ۱۸۴)

جنازے کے ساتھ شمالی ہند میں اکثر یہ اشعار پڑھے جاتے ہیں:

یا پنجتن بچانا جب جان تن سے نکلے نکلے تو یا محمد کہہ کر بدن سے نکلے
آوے گا میرا پیارا باجے گی دھن کی مرلی جب وہ مرا سنوریا جوبن کے بن سے نکلے
میرے مریض دل کی امید ہے تو یہ ہے زانو پہ اس کے سر ہو اور جان تن سے نکلے
نکلے مرا جنازہ اس یار کی گلی سے تو کلمہء شہادت سب کے دہن سے نکلے
لایا تھا کیا سکندر دنیا سے لے گیا کیا تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

ایک فتوے میں اعلیٰ حضرت نے ان اشعار کے متعلق واضح ارشاد فرمایا تھا کہ:

ان اشعار میں حاجت ترمیم وتبدیل ہے۔ شعر اوّل میں نامِ پاک لے کر ندا ہے اور صحیح یہ کہ یہ جائز نہیں بلکہ اوصافِ کریمہ کے ساتھ ہو مثلاً یارسول اللہ یا حبیب اللہ۔ دوسرا شعر مہمل ہے اور حیثیت شعری سے بھی مختل ہے اور بعض جہاں 'سنوریا' سے ذاتِ اقدس مراد رکھتے ہیں اس وقت وہ قریب کلمۂ کفر ہو جائے گا۔ تیسرا شعر بھی کچھ مفید نہیں۔ ہاں! چوتھے اور پانچویں میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ایضاً ص ۱۸۴)

اس فتوے میں پتا نہیں کیوں آپ نے 'پنجتن' کی اصطلاح پر گرفت نہیں فرمائی درآں حالے کہ آپ نے اس اصطلاح کو مہمل اور خلافِ شرع اپنے ایک فتوے میں بتایا بھی تھا۔

۵۔ نعت خوانی اور بے اصل روایات

مروّجہ میلاد ناموں، نور ناموں، معراج ناموں، وفات ناموں اور شمائل ناموں میں اکثر بے اصل اور غیر معتبر روایات کی طومار دکھائی دیتی ہے۔ برائے شعر گفتن بعض شعرا حسنِ عقیدت میں بھی من گھڑت اور مجہول و بے بنیاد روایات اپنے نعتیہ اشعار میں باندھتے ہیں۔ مثلاً معراج ناموں میں یہ روایت اکثر دیکھنے کو ملی کہ حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی نے حضور ﷺ کو وقتِ معراج

عرش پر چڑھنے کے لیے اپنے کاندھے کا سہارا دیا تھا۔بعض روایت براق پر چڑھتے وقت اور بعض رف رف پر سوار ہوتے وقت غوث پاک کے کاندھا دینے کی ملتی ہیں۔ بلاقیؔ جیسے اثناء عشری دکنی شاعر کے معراج نامے میں تو عرش کے قریب شیر کی شکل میں حضرت علی کرم سے ملاقات کا ذکر بھی آیا ہے۔حضرت غوث الاعظم کے کاندھا دینے کی روایت جو غلام امام شہیدؔ کے میلاد نامے میں درج ہے، اس کے متعلق اعلیٰ حضرت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ:

یہ کتاب محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔

مگر ساتھ ہی دیوبندی حضرات کے اس نوع کے فتوؤں کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ:

ایسی روایات سے حضورِ اقدس وانور سرورِ عالم ﷺ پر حضور پُرنور غوثِ اعظمؓ کی بوے تفضیل نہیں نکلتی یہ محض تعصب و جہالت ہے۔ (جلد دوازدہم ص ۲۱)

اعلیٰ حضرت نے اپنے بعض فتاویٰ میں حضرت غوث اعظم کی کرامت ''غرقِ آب ہوئی بارات کا ۱۲ برس بعد زندہ نکالنا'' کی توثیق بھی فرمائی ہے لیکن ازرائیل کی تمانچہ مار کر آنکھ پھوڑنے کی روایت کی تردید کی ہے۔توثیق و تردید کا میزان و معیار آپ کے پاس کیا تھا اس کی وضاحت کہیں نہیں ملتی۔ حالاں کہ غوثِ اعظم سے متعلق ان روایتوں کی سنت اللہ سے توثیق ہوتی ہے نہ درایت کی کسوٹی پر یہ کھری اترتی ہیں۔ اسلام تو فطری دین ہے خرقِ عادات اور کرامات کی ریت پر اس کی بنیاد نہیں۔ قرآن کی حقانیت اور رسولِ پاک ﷺ کی سیرت ہی یہاں مومن کے عقیدے کو مضبوط کرتے ہیں۔ بہر حال! اعلیٰ حضرت نے نعتیہ اشعار میں درآئیں ضعیف و نامعتبر بعض روایات پر تکسیر ضرور کی ہے۔ دیگر اور ضعیف روایتیں جو غالباً دائرۂ استفسار میں نہ آسکیں آپ کے فتاویٰ میں دکھائی نہیں دیتیں۔

۶۔نعتیہ اشعار میں حدیثِ لولاک

لولاک لما خلقت الافلاک کے مضمون کو حدیثِ قدسی شمار کر کے نعتیہ اشعار میں اکثر باندھا گیا ہے۔حتیٰ کہ علامہ اقبالؔ کے یہاں 'صاحب لولاک' کی اصطلاح حضور ﷺ کے لیے ملتی ہے۔ اردو نعت گو شعرا نے ''لولاک'' کے مضمون کو حدیث قدسی کے ذیل میں باندھنے ہی کے جتن کیے ہیں۔ ضلع ہگلی کے ایک سائل نے اس پر فتویٰ طلب کیا تو اعلیٰ حضرت نے صراحت کے ساتھ جو جواب مرحمت فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

لولاک لما خلقت الافلاک ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں البتہ

D:NaatRang-18
File: Yaya-Nasheet
Final

سنداً یہ الفاظ حدیثِ قدسی میں ضرور ملتے ہیں۔ **خلقت الخلق لا عرفهم کرامتک و منزلتک عندی ولو لاک ما خلقت الدنیا۔** یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمام مخلوق اس لیے بنائی کہ تمھاری عزت اور تمھارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۴۷)

۷۔ علم الاعداد اور نعت

۷۸۶، ۹۲ وغیرہ اعداد کو علم جفر کی رو سے مقدس و محترم گردانا گیا ہے۔ انھیں بالترتیب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد ﷺ کی عددی شکل تسلیم کیا گیا۔ اس قبیل کے کئی اور بھی اعداد تیار کیے گئے ہیں اور ان کا برمحل نعتیہ اشعار میں استعمال بھی ہوا ہے۔ درآں حالے کہ ان اعداد کے تقدس و تکریم میں کوئی شرعی جواز نہیں ملتا۔ پھر بھی روایت چل پڑی جس کی وجہ سے آج ایسے اعداد کی تقدیس جزوِ ایمان سمجھی جانے لگی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام میں یہ عنصر دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں! البتہ بعض فتاویٰ میں انھوں نے ایسے اعداد کے حامل اشعارِ نعتیہ کی تصریح ضرور کی ہے۔ مثلاً:

غور سے ہم نے محمد کو جو دیکھا فرحاںؔ　　　تین سو ساٹھ برس پایا خدا سے پہلے

اپنے فتوے میں اعلیٰ حضرت اس شعر کی یوں تشریح کرتے ہیں:

(اس شعر میں) دراصل تین سو تیرہ برس کا لفظ ہے۔ فرحاںؔ ہمارے بریلی کے شاعر تھے۔ ان کی زندگی میں ان کی یہ غزل چھپی تھی۔ فقیر نے جبھی دیکھی تھی۔ اس میں تین سو تیرہ کا لفظ تھا۔ اس میں شاعر نے یہ مہمل اور بے ہودہ و لغو مطلب رکھا ہے کہ لفظ محمد کے عدد ۹۲ ہیں اور لفظ خدا کے عدد ۶۰۵۔ ظاہر ہے کہ ۶۰۵ سے ۹۲ بقدر ۵۱۳ کے مقدم ہے۔ بے ہودہ معنی اور بے معنی بات و نستغفر اللہ العظیم۔ یہ وہ ہے جو شاعر صاحب نے سمجھا تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محمد سے مراد مرتبۂ رسالت حضور سیّد المرسلین ﷺ اجمعین ہو جس کا سر صرف 'ر' ہے کہ روئیت و روایت و رویت و رائے سب کا مبدا ہے اور انہار رسالت کے یہی منابع ہیں۔ اس کے عدد ۲۰۰ ہیں اور رسول کے ۳۱۳ ... مجموع ۵۱۳ ہوا۔ رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی **سیر من اللّٰہ الی الخلق** ہے اور امت کی **سیر من الرسل الی اللّٰہ**۔ جب تک رسولوں پر ایمان نہ لائے اللہ عزوجل پر ایمان

نہیں مل سکتا۔ پھر اس تک رسائی تو بے وساطت رسل محال ہے اور تصدیق سب رسولوں کی جز ایمان ہے ... اور 'برس' بمعنی بارش ہے ہر رسول کی رسالت بارش رحمت ہے۔ یعنی محمد ﷺ نے آدم سے خاتم تک رائے رسالت میں تین سو تیرہ تطوّر فرمائے۔ تین سو تیرہ ابرِ رحمت برسائے۔ جب تک ان سب کی تصدیق سے بہرہ ور نہ ہو خدا تک رسائی ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (جلد دوازدہم ص ۱۸۸)

اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ ایک طرف فرحاںؔ کے شعر کو بے معنی و بے ہودہ بتلاتا ہے تو دوسری طرف اس کے دوراز کار معنوی پہلو تلاش کر کے اس شعر کی بے ہودگی کو زائل کر دیتا ہے۔ ایسے فتاویٰ سے عوام الناس کا التباس کم نہیں ہوتا بلکہ شبہات میں اضافہ ہی ہوتا ہے کہ آیا اسے تسلیم کرے یا اسے مانے اعلیٰ حضرت کے اکثر فتاوے اسی اسلوب کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اس فتوے میں لفظ ''برس'' کو بارش کے معنوں میں بھی لیا ہے لیکن 'برس' کے یہ معنی محلِ نظر ہیں۔ کیوں کہ 'برس' صیغۂ امر کے طور پر بارش کے لیے اردو میں مستعمل ہے، بطور 'اسم' اردو میں کبھی اس کا استعمال دیکھا نہیں گیا۔ مذکورہ شعر میں بطور امر اس لفظ کے استعمال کا کوئی قرینہ نہیں۔ اس کے لیے شعر میں فاعل کا ہونا ضروری تھا۔ پس اس لحاظ سے 'برس' کو 'بارش' کے معنی میں شمار کرنا درست نہیں ہوگا۔

رائے رسالت میں تین سو تیرہ کے تطوّر والا خیال بھی محلِ نظر ہے۔ تین سو تیرہ رسل کی سند مصدقہ نہیں ہے۔ تاریخِ عالم اس معاملے میں خاموش ہے۔ صرف قیاس اور بے بنیاد روایت کے سہارے 'تین سو تیرہ رسل' کا خیال قائم ہے۔ بہر حال! اعلیٰ حضرت کا اسپِ قلم افکار معنی کی تنگ سے تنگ وادیوں میں سے گزر کر گوہرِ معنی ڈھونڈ نکالتا ہے۔

۸۔ حمد و نعت کے اشعار اور عروضی فتوے

'فتاویٰ' ایسی اصطلاح ہے جس کا اطلاق شرعی و دینی امور کی وضاحت پر کیا جاتا ہے، لیکن اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں علومِ عصریہ پر بھی بحث کی ہے اور علمِ زبان و عروض پر بھی۔ اگر چہ یہ علوم دائرۂ شریعت میں نہیں آتے لیکن ان میں سے بعض عصری علوم عقاید اسلامیہ کے رد میں جاتے ہیں اس لیے آپ نے شریعت کی کسوٹی پر ان علوم کو کسا ہے۔ عروض پر آپ کے فتاویٰ البتہ آپ کی تبحرِ علمی کی شہادت دیتے ہیں۔

سہارن پور ضلع ایٹا کے سائل چودھری مولوی عبدالحمید خاں نے جب آپ کو عروض کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے اپنے جواب میں عروضی نکات کی وضاحت ماہرانہ انداز میں کی۔ اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

وہ یگانہ ہے صفات ذات میں　　　　نیز یکتا اس کے سب افعال ہیں

میں اور ہیں کا قافیہ معیوب ہے۔ عالے ظالے پر قیاس صحیح نہیں کہ روی جب متحرک ہو تو قبل کی حرکت میں اختلاف بالاجماع جائز و بے عیب ہے ...کوئی عیب لفظی خواہ معنوی ایسا نہیں جس کی مثال اساتذہ کے کلام سے نہ دی گئی ہو۔ اس سے نہ وہ عیب ہونے سے باہر آتا ہے نہ اس میں ان کی تقلید روا ہے۔ میں نے اس مصرع کو یوں بدلا ہے:

وہ یگانہ ہے صفات ذات میں　　　　حکم میں افعال میں ہر بات میں

(جلد دوازدہم ص ۱۸۳)

سائل کے ایک اور شعر پر جب معترض نے اعتراض کیا تو آپ نے عروضی نکتہ بھی بیان فرما دیا اور شعر میں درآئے غلط عقیدے کے سقم کو بھی دور کر دیا۔ شعر:

ہے وہ راضی طاعت و ایمان سے　　　　شرک و کفر و فسق سے ناخوش ہے وہ

اس شعر میں معترض کی ترمیم یوں تھی: 'شرک و کفر و فسق سے نفرت اسے' اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس میں یوں ترمیم 'شرک و کفر و فسق سے نفرت اسے' بہت سخت قبیح واقع ہوئی۔ اگر کروڑوں قافیے تبدیلِ حرکات بلکہ تبدیلِ روی رکھتے بلکہ ہر مصرع خارج از وزن ہوتا تو بھی ان کروڑوں کی شناخت اس تبدیلی کی کروڑویں حصہ کو نہ پہنچتی۔ نفرت بھاگنے اور بدکنے کو کہتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت حلال نہیں.... میں نے یہ شعر یوں بدلا ہے:

طاعت و ایمان سے راضی ہے وہ　　　　شرک و کفر و فسق سے ناراض ہے

(ایضاً ص ۱۸۴)

اس طرح اعلیٰ حضرت کی اصلاح سے شعر کا عروضی سقم بھی جاتا رہا اور شانِ الوہیت کے منافی جس صفتِ بشری کو ذاتِ الٰہ سے منسوب کیا گیا تھا وہ 'کفر' بھی زائل ہوا۔

آپ نے اپنے فتاویٰ میں شاعری کے ضمن میں علمِ زبان و بیان کے اصولوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اور اشعار کے معنی و مفہوم کے تعین میں ان اصولوں کے ذریعے بڑی سخت جرح بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اشعار جن کے معنی و مطالب میں بظاہر شرک و کفر کا گمان ہوتا ہے اعلیٰ حضرت نے انھیں علمِ زبان و بیان کی کسوٹی پر ایسا کسا کہ ان کی قباحت صباحت میں تبدیل ہوگئی۔ مثلاً: میم کی چادر مکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا

کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر آیا کی ضمیر حضرت عزت عز جلالہ کی طرف ہے تو بے شک عوام کا ایسا بکنا صریح کلمۂ کفر ہے اور اگر حضور اقدس کی طرف ہے تو حضور ﷺ بے شک احد واحمد ہیں ... دونوں حضور کے اسماءِ طیبہ ہیں۔ (جلد ششم ص ۲۰۶)

صرف ضمیر اشارہ کی نسبت بدل دینے سے شعر کے کفر کو آپ نے کس طرح زائل فرما دیا۔ علم زبان و بیان کا یہ کمال آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اس لیے ایسے اشعار جو بظاہر معنوی لحاظ سے کفر و شرک کے حامل نظر آتے آپ علم زبان کے سحر سے اس کفر کے جادو کو توڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے شعر عقیدۂ صحیحہ کا گلِ سر سبد دکھائی دینے لگتا۔

۹۔ عورتوں کی نعت خوانی

شمالی ہند اور پاکستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی عورتوں کی نعت خوانی کا رواج رہا ہے۔ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی صاحب کے مضمون 'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں' ('نعت رنگ': شمارہ ۱۵) میں عورتوں کی نعت خوانی کی ایسی مجالس کا ذکر ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے فتاوے ان محفلوں کی حرمت ہی میں ملتے ہیں۔ آپ نے کہیں بھی ان کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ایسی مجلسوں کے متعلق ان کے بعض فتاوے نہایت سخت ہیں۔ آپ نے محفلِ میلاد میں نعتیہ اشعار کی عورتوں اور امرد کے ذریعے بلند خوانی کی حرمت کو کئی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ ہاں! البتہ ایسی محافلِ اناث جن میں دھیمی آواز میں نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہوں کہ عورتوں کی آواز باہر نہ پہنچے، اس کے متعلق فتاویٰ رضویہ میں کوئی فتویٰ آپ کی جانب سے تحریر نہیں ہوا۔

۱۰۔ نعت خوانی بہ صورتِ میلاد

اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں 'محفلِ میلاد' (مجالسِ نعت خوانی) کا ثبوت علم الکلام کے سہارے قرآنِ حکیم سے ثابت کیا ہے۔ اور 'اما بنعمۃ ربک فحدّث' (سورۂ والضحیٰ) 'و ذکرھم بایم اللّٰہ (سورۂ ابراہیم) اور 'قل بفضل اللّٰہ و رحمتہ فلیفر حوا' (سورۂ یونس) ان آیاتِ قرآنیہ سے مجالسِ نعت خوانی کا جواز تلاش کیا ہے۔ آپ نے مولوی ابو نصر حکیم محمد یعقوب رام پوری کے رسالہ 'شمس السالکین' کا حوالہ بھی مجلس مبارکہ کے قیام کے ضمن میں دیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ ''میلاد شریف کب سے نکلا اور کس نے نکالا۔ اپنے امامِ اعظم کے زمانے میں تھا یا نہیں، اپنے امام صاحب نے اس کو کیا ہے یا نہیں، صحابہ کے زمانے میں تھا یا نہیں کسی نے محفل کی تھی یا نہیں'' آپ نے یہ فتویٰ دیا تھا:

> بیان میلاد شریف قرآن مجید سے نکلا اور اس نے متعدد آیتوں میں اس کا حکم دیا۔ کارڈ میں آیتیں نہیں لکھی جا سکتیں۔ غرض مقصود سے ہے۔ نام نیا ہونے سے شے نئی نہیں ہو سکتی۔ جو اس سے مقصود ہے وہ خود حضورِ اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مسجد مدینہ طیبہ میں حضرت حسان بن ثابت انصاری علیہ الرضوان کے لیے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کر کے نعت اقدس سناتے اور صحابہ کرام سنتے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔
>
> (فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۱۲۲)

ایک دوسرے فتوے میں محولہ بالا آیاتِ کریمہ کی وضاحت اعلیٰ حضرت نے اس طرح کی ہے:

> 'اللہ' حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادیاں مناؤ۔ لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ، اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ اللہ کا کون سا فضل و رحمت کون سی نعمت اس حبیب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت سے زاید ہے کہ تمام نعمتیں تمام رحمتیں تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔ اللہ کا کون سا دن اس نبی کریم ﷺ کے ظہور پُرنور کے دن سے بڑا ہے۔ تو بلاشبہ قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادتِ اقدس پر خوشی کرو۔ مسلمانوں کے سامنے اسی کا چرچا خوب زور و شور سے کرو۔ اسی کا نام مجلسِ میلاد ہے۔　　　　(ایضاً ص ۶۸)

مذکورہ آیات کی ایسی تصریح اور توضیح کسی تفسیر میں دکھائی نہیں دیتی۔ نہ ہی کسی مفسر نے ان سے قیامِ میلاد کا جواز نکالا ہے۔ چناں چہ مولوی عبدالشکور مرزا پوری مرحوم اپنی کتاب 'تاریخِ میلاد' میں رقم طراز ہیں:

> مروّجہ مجلس مولا کی نسبت میں نے قرآن پاک کا ایک ایک حرف دیکھا، تفسیر کا مطالعہ کیا، کتب احادیث و فقہ اور سیر و تواریخ میں بھی کافی حد تک تلاش کیا مگر قرونِ ثلاثہ یعنی عہدِ رسالت، دورِ صحابہ و زمانہ تابعین و تبع تابعین میں کہیں اس کا وجود نہ ملنا تھا نہ ملا.... (تاریخِ میلاد: لکھنؤ (تاریخ ندارد) ص ۱۲)

۱۱۔ مجالسِ نعت میں قیام

ذکرِ نبی ﷺ میں وجدانی کیفیت طاری ہونے پر فرطِ جذبات میں بے ساختہ کھڑے ہو جانا، شدتِ محبت اور احترامِ نبوت کا عملی نمونہ ہے۔ یہ عمل نفسیاتی محرکات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں قلب و ذہن سے بہ یک وقت تحریک ملتی ہے۔ یہ عمل اتنا تکینکی اور زود اثر ہوتا ہے کہ اسے استجاب و استحسان جیسی لسانی اصطلاحات میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ جائز و ناجائز کے الفاظ اس کے لیے تحدید و تحصیر کے مترادف ٹھہریں گے۔ حبِ نبی ﷺ میں محبوب کا یہ والہانہ انداز اس کے شدتِ شوق اور وارفتگی کا برملا اظہار ہے، جس کے کرنے میں ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں۔ یہ محبت میں سرشاری کی انتہائی عروجی کیفیت ہے، جسے عقل و فرد کی کسوٹی پر آنکا نہیں جا سکتا۔ اکابرین امت کے بعض علما کرام پر اس عجیب و غریب کیفیت کے طاری ہونے کی مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ چناں چہ علامہ تقی الدین سبکیؒ (م ۷۵۶ھ) کے متعلق سیرتِ شامی میں نقل کیا گیا ہے کہ "ایک علمی مجلس میں دورانِ گفتگو کسی نے صرصریؒ کے یہ اشعار پڑھ دیے:

قلیل لمدح المصطفٰی لخط بالذھب — علی فضته من خط احسن من کتب

وان تنھض الاشرف عند سما عه — قیا ما صفو فاً اوجثیا علی الرکب

تو امام صاحب سبکیؒ فوراً کھڑے ہو گئے۔ محبت و احترام میں 'غلبۂ حال' کا یہ بے اختیاری عمل تھا جو سبکیؒ سے سرزد ہوا۔

ذکرِ نبی ﷺ کے مواقع پر اس طرح کے قیام کی مثالیں حیاتِ رسول ﷺ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ملتی ہیں اور اس پر کسی بھی مکتبِ فکر کے علمائے کرام کا اعتراض و اشکال نہیں۔ اعلیٰ

حضرت نے اپنے فتاویٰ میں اگر چہ اس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، لیکن مجالسِ نعت شریف (محافلِ میلاد) میں فی زمانہ جو عمل بطور رسم شدت سے کیا جاتا ہے کہ ’’بیانِ ولادتِ رسول ﷺ کا موقع ہے، حضورؐ اب تشریف لا رہے ہیں اس لیے کھڑے ہو جاؤ۔‘‘ اس عقیدت کے تحت کیے جانے والے قیام کو بھی انھوں نے جائز و مستحسن ٹھہرا دیا۔ جمہور علماء کے نزدیک ’قیام‘ کا یہ مروجّہ طریقہ غیر شرعی گردانا جاتا ہے۔ ورنہ ’ذکرِ رسول ﷺ‘ میں ازراہِ احترام و تعشق قیام کر لینے پر کسی نے بھی تکسیر نہیں کی۔ اعلیٰ حضرتؒ نے ’قیامِ میلاد‘ پر تاریخ کی بیسیوں مثالیں دی ہیں، لیکن وہ تمام فرطِ جذبہ کے تحت ’قیام‘ کے بارے میں ہیں جو مستحسن و مقبول اور اللہ عزوجل کی جانب سے بیش بہا رحمت ہیں۔ لیکن قیام کے اس والہانہ جذبے کو آج کے مروجّہ بے روح و بے کیف قیام پر منطبق نہیں کر سکتے۔ ان مجالس میں تو اکثریت ان سامعین کی ہوتی ہے جو نہ نعتِ رسول ﷺ سے حظ اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ ایسی مبارک مجلسوں میں ادب و پاکیزگی کا خیال رکھتے ہیں۔ ان مجالس میں تو اس معنی کا شعر پڑھا جاتا ہے کہ اٹھو! اب رسولِ مقبول ﷺ تشریف لا رہے ہیں تو چونک کر سارے لوگ باتیں کرتے ہوئے ہنستے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی پر وجد و حال طاری ہوتا ہے نہ شوقِ ادب و احترام۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح کا قیام محبتِ رسول ﷺ میں ایک طرح کا فریب ہے۔ ریا ہے دکھاوا ہے۔ اس کا عقیدتِ رسول ﷺ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اکابرین کے اس عمل کی آج کے قیام سے جوڑنا محض خوش فہمی ہے اور بس۔

’قیامِ میلاد‘ کے فتاویٰ میں اعلیٰ حضرتؒ کا لہجہ بعض جگہ معتدل و نرم دکھائی دیتا ہے مثلاً فتاویٰ رضویہ جلد نہم کے فتاویٰ میں اور جلد یازدہم کے فتاویٰ میں۔ لیکن بعض فتاویٰ مثلاً (جلد دوازدہم کے فتوے ’’اقامته القیامه علی طاعن القیام النبی تهامته‘‘ میں ان کا لہجہ نہایت سخت ہو گیا ہے اور ’مستحب‘ کے نہ کرنے والے کی زجر و توبیخ کی ہے۔ آپ نے ایسے فتوؤں میں غلبۂ حال کے زیر اثر قیام اور ’مروجّہ قیام‘ دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ دلائل کے لیے اعلیٰ حضرتؒ نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے اور بیسیوں کتابوں کے حوالے دیے ہیں جو ان کی تبحرِ علمی پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۲۔ قوالی اور نعتیہ کلام

قوالی، قول سے مشتق ہے۔ بزرگانِ وجد و حال کسی ایک جملے ہی کا ایسا اثر لے لیتے تھے کہ ان پر وجد طاری ہو جاتا اور وہی فقرہ وہ بار بار دہراتے۔ فقرے کی معنوی لذت کا ان کے یہاں یہ حال رہتا کہ وہ اسی میں ڈوب جاتے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ اللہ والوں کا یہ طریقہ

ہندو پاک میں خوب پھلا پھولا۔ حضرت نظام الدینؒ کے مرید امیر خسروؒ نے غالباً قول کو قوالی کا رنگ دیا تھا۔ تب سے قوالی کی روایت ہند و پاک میں چلی آ رہی ہے۔ رفتہ رفتہ اس میں بگاڑ کی صورتیں پیدا ہوتی گئیں اور ''قول'' آلاتِ موسیقی پر گائے جانے لگے۔ مزامیر و دف، ستار وغیرہ کا استعمال شروع میں رہا اور آج تو مشرقی و مغربی موسیقی کی دھنوں پر قوالیاں ہو رہی ہیں۔ لذتِ دیدار کے لیے اسٹیج پر پری حسن قوالہ کو بھی بلایا جاتا ہے جس کی ہر تان دیپک ہوتی ہے۔ اس کے خط و خال اور آواز کے نشیب و فراز پر سامعین و ناظرین محو ہو جاتے ہیں۔ نعتیہ کلام کا تقدس بیچارہ لوگوں کی اس بھیڑ میں تنہا دکھائی دیتا ہے۔ نہ عوام کو اس کا خیال نہ خواص کو اس کا فکر۔ نعتیہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھے جاتے ہیں۔ بغیر سمجھے بوجھے فقرہ ہائے تحسین بلند ہوتے ہیں۔ فردوس نظر اور جنت گوش ماحول میں یوں نعتیہ کلام کے تقدس کو مجروح کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے قوالی میں اس انداز کا نعتیہ کلام پڑھنے پر سخت فتویٰ دیا ہے آپ فرماتے ہیں:

> (نعتیہ کلام = میلاد) قوالی کی طرح پڑھنے سے اگر یہ مراد ہے کہ ڈھول ستار کے ساتھ، جب تو حرام اور سخت حرام ہے اور اگر بے مزامیر گانے کے طور پر راگنی کی رعایت سے ہو تو ناپسند ہے کہ یہ امر ذکر شریف کے مناسب نہیں۔
> (جلد نہم (ب) ص ۱۸۵)

دوسری جگہ آپ نے یہ فتویٰ دیا:

> (عورتوں کا بآواز میلاد پڑھنا) ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سنے محلِ فتنہ ہے۔ (ایضاً ص ۱۲۲)

ایک اور جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> عورت کا خوش الحانی سے بآواز ایسا پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمے کی آواز جائے حرام ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۷)

> اعلیٰ حضرت نے زنِ اجنبیہ کا مردوں کے جلسے میں خوش الحانی سے (حمد و نعت) پڑھنے پر ایک نہایت موثر اور ادبی چاشنی کا حامل فقرہ چست کیا ہے کہ اشعار گائیں مولانا روم کے اور رنگ رچائیں مثنوی میر حسن کی دھوم کے۔
> (جلد نہم ص ۱۷۲)

اس طرح اعلیٰ حضرت نے نعتیہ شاعری کے نیک مقاصد اور اس کے ہر رطب و یابس پر اپنے فتاویٰ میں آزادانہ طور پر جرح کی ہے اور ایک ایک پہلو کا مدلّل تجزیہ کیا ہے۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

امام احمد رضا بریلوی اور حدایقِ بخشش

(حصہ سوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ چودھویں صدی کے یکتاے روزگار عالم ہیں، ان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے تقدیسِ الوہیت، تعظیمِ رسالت، صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام، علماے دین اور اولیاے کاملین کے احترام کا نہ صرف پہرہ دیا بلکہ احترام وعقیدت کے جذبات مسلمانوں کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں بسا دیے۔ ان کا قلم ساری زندگی حمد ونعت اور منقبت کے پھول پیش کرتا رہا۔ ان کے گلستانِ نظم ونثر کی آب وتاب اور رعنائی آج بھی وہی ہے اور ان کے گلشنِ عقیدت ومحبت کی عطر بیز بہار سے آج بھی پڑھنے والے کی روح مہک اُٹھتی ہے۔

ان کی تخصیص یہ ہے کہ انھوں نے سلف صالین کے مسلک، مسلک اہلِ سنت و جماعت اور مذہبِ حنفی کی بھرپور حمایت کی، اور جسے صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتا ہوا پایا اس کے خلاف ان کا برق بار قلم حرکت میں آگیا اور اپنے پرائے کا فرق کیے بغیر اعلانِ حق کرتا گیا، چوں کہ ان کے قلم کی جولاں گاہ بہت وسیع تھی، اس لیے جو فرد یا گروہ ان کی تنقید کی زد میں آتا گیا، وہ مخالفت پر کمربستہ ہوتا گیا۔ یہاں تک بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن مخالفین نے پلٹ کر ان پر ایسے ایسے الزامات عاید کیے جن سے ان کا دامن بے داغ تھا۔ انصاف اور دیانت داری سے جائزہ لیا جائے تو ان الزامات کا بے بنیاد ہونا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا دیوان 'حدایقِ بخشش' ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۶ء میں دو جلدوں میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس دیوان نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ پاک و ہند کے مختلف اداروں کی طرف سے اس کے بیسیوں اڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ دنیا کے جس خطے میں اردو سمجھنے والے مسلمان رہتے ہیں، وہاں آپ کی پُرکیف نعتوں اور وجد آویز مشہورِ عالم سلام کی

گونج سنی جاسکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ انعام ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔

۲۶ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا بریلوی کا وصال ہوا، اُس وقت تک ان کا بہت سا عربی، فارسی اور اردو کلام مطبوعہ کتابوں اور (غیر مطبوعہ) بیاضوں میں بکھرا پڑا تھا اسے جمع کرنے کی طرف مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی نے توجہ فرمائی اور مختلف غزلیں، قصیدے اور اشعار بغیر کسی ترتیب کے ایک مجموعے میں جمع کیے۔ پھر یہ مجموعہ بھی بریلی سے غائب ہوگیا۔

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاںؒ فرماتے ہیں:

> پھر یہ مجموعہ بھی غائب ہوگیا۔ میں بہت ہی کم عمر تھا جب یہ مجموعہ میں نے دیکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بدایوں کے بعض اصحاب آئے۔ مجھ سے مجموعہ دیکھنے کو لیا پھر وہی بدایوں لے گئے یا کیسے غائب ہوا؟ معلوم نہیں وہی مارہرہ شریف پہنچا، یا اس کی نقل اور کب پہنچی؟☆۱

ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء کو مولانا محمد محبوب علی خاں قادری نے امام احمد رضا کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کرکے 'حدائقِ بخشش' حصہ سوم کے نام سے شائع کردیا، خود اُن کا بیان ہے:

> مجھے حضور اعلیٰ حضرت قبلہؒ کا کچھ کلام جو اب تک چھپا نہیں ہے، بڑی کوشش و جاں فشانی سے بریلی شریف مارہرہ مطہرہ پیلی بھیت دام پور کے علاوہ مختلف مقامات سے دستیاب ہوا جو آج برادرانِ اہلِ سنت کی خدمات میں 'حدائقِ بخشش' حصہ سوم... پیش کر رہا ہوں۔☆۲

نابھا سٹیم پریس، نابھا کا چھپا ہوا تیسرا حصہ ہمارے سامنے ہے، اس کے صفحہ ۳۷۔۳۶ پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں اُنیس اشعار کا ایک قصیدہ ہے۔ اس کے بعد ص ۳۷ پر 'علاحدہ' کا عنوان قائم کرکے نو اشعار درج کیے ہیں جن میں سے تین شعر:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا اُبھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر

خوف ہے کشتیِ ابرو نہ بنے طوفانی
کہ چلا آتا ہے حسن اہلہ کی صورت بڑھ کر☆۳

اس کتاب کی اشاعت کے تیس برس بعد ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے بمبئی اور پورے ہندوستان میں ایک تحریک اُٹھائی گئی کہ اس کتاب میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کی گئی ہے، لہٰذا اس کتاب کو جلا دیا جائے اور اس کے مرتب مولانا محمد محبوب علی خاں کو بمبئی کی سنی جامع مسجد سے برطرف کیا جائے۔

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں تحریر فرماتے ہیں:

مجھے جہاں تک معلوم ہوا، غالبًا کاظم علی دیوبندی نے کان پور میں اپنی تقریر میں اسے ذکر کرکے فتنہ اُٹھانا چاہا، پھر جگہ جگہ وہ اور اس سے سن کر اور وہابی اسے دُہراتا رہا۔[☆۴]

روزنامہ 'انقلاب' بمبئی اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا، دیوبندی مکتبِ فکر سے متعلق علما اور واعظ دھواں دار تقریر کر رہے تھے اور مختلف علما سے فتاویٰ حاصل کرکے اخبارات اور رسائل میں چھپواتے اور عوام میں اشتعال اور ہیجان پھیلانے کی کوشش کرتے تھے۔

اعلانِ توبہ

بخاری، مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ گیارہ مشرکہ عورتوں نے باہمی طور پر طے کیا کہ ہر ایک اپنے شوہر کے اوصاف بیان کرے گی اور کچھ چھپائے گی نہیں۔ ان میں سے ایک اُمِ زرع تھی، جس نے اپنے شوہر کی دل کھول کر تعریف کی۔ پھر ساتھ ہی ابوزرع کی بٹیا کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

طوع ابیھا و طوع اُمھا و مل کسائھا[☆۵]

(وہ ماں باپ کی فرماں بردار ہے اور اس کا جسم اس کی چادر کو بھرے ہوئے ہے)

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:

کنت لک کابی زرع لام زرع۔

(میں تم پر اس طرح مہربان ہوں جیسے اُمِ زرع کے لیے تھا)

مولانا محبوب علی خاں نے جس بیاض سے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں قصیدہ نقل کیا، اسی بیاض سے سات شعر وہ نقل کیے جو ان گیارہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں تھے۔ ان سات شعروں میں بھی لفظ 'علاحدہ' لکھ دیا، لیکن کاتب نے دانستہ یا نادانستہ انھیں اُم المومنین کے مدحیہ قصیدہ میں مخلوط کردیا اور کتاب اسی طرح چھپ گئی۔ مولانا محبوب علی خاں کو اطلاع ہوئی تو ان کا خیال تھا کہ دوسرے اڈیشن میں تصحیح کردی جائے گی اور قارئین خود محسوس کرلیں گے کہ یہ اشعار غلطی سے اس جگہ درج ہوگئے ہیں۔ خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف: خون کے آنسو) نے بمبئی کے ایک ہفت روزہ اخبار میں مراسلہ شائع کروایا اور حضرت محبوب علی خاں کو اس غلطی کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا محبوب علی خاں کے دل میں چور تو تھا نہیں، انھوں نے کمال دیانت داری سے وہ کام کیا جو ایک مومن کے شایانِ شان ہے۔ انھوں نے ماہ نامہ 'سنی' لکھنؤ شمارہ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں 'توبہ نامہ' شائع کرایا۔ اس توبہ نامہ کا خلاصہ مفتی اعظم دہلی مولانا مفتی محمد مظہراللہ دہلوی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> وہ ماہ نامہ 'پاسبان' کے مدیر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ آج ۸/ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ معافی بخشے۔ آمین

اس کے بعد اس غلطی کے واقع ہونے کی وجہ بتلائی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

> قصیدۂ مدحیہ سیّدتنا حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سات اشعار قصیدہ اُمِ زرع والے مصنفہ حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، پرانی قلمی بوسیدہ بیاض سے نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کیے، لیکن اُم زرع والا قصیدہ چوں کہ پورا دستیاب نہ ہوا تھا، ان سات شعروں کے تین حصہ کرکے ہر حصہ پر لفظ 'علاحدہ' جلی قلم سے لکھ دیا تھا کہ ہر حصہ کا مضمون علاحدہ تھا۔ جب 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کی طباعت کا ارادہ کیا تو بعض مجبوریوں کی بنا پر اپنے مقام (پٹیالہ) پر اس کا بندوبست نہ کرسکا۔

D:NaatRang-18
File: Hakim-Sharf
Final

ناچار... نابھا سٹیم پریس والے سے معاملہ کرنا پڑا۔ (اس مقام پر انھوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی مجبوریوں کا بیان کیا ہے)

پریس والے نے یہ شرط کی کہ اس کی کتابت بھی یہیں ہوگی، ناچار یہ شرط بھی منظور کی اور اس کے سپرد کردیا۔ اتفاق سے کاتب اور مالکِ پریس دونوں بدمذہب تھے، ان لوگوں سے قصداً یا سہواً یہ تقدیم و تاخیر اور تبدیل و تغیر ظہور میں آئی۔ بہت روز کے بعد جب میں اس کتاب کی غلطیوں سے واقف ہوا، تو خیال ہوا کہ طباعتِ دوم میں اس کی اصلاح ہوجائے گی، لیکن حافظ ولی خاں نے بغیر مجھے اطلاع دیے پھر چھپوا دیا، غرض اس میں جو تساہل مجھ سے ہوا، اس پر ہی اپنی غفلت اور غلطی پر خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہتا ہوں، وہ غفور و رحیم مجھے معاف فرمائے۔

(ماہ نامہ 'سنی'، ص ۱۷)[☆۶]

ضروری اعلان

'حدایقِ بخشش' حصہ سوم ص ۳۷ و ص ۳۸ میں بے ترتیبی سے اشعار شائع ہوگئے تھے۔ اس غلطی سے بار بار فقیر اپنی توبہ شائع کرچکا ہے، خدا و رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ و آلہٖ وسلم فقیر کی توبہ قبول فرمائیں، آمین ثم آمین۔ اور سنی مسلمان بھائی خدا و رسول کے لیے معاف فرمائیں، جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم۔

فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب سے چھپوا دیا ہے، جن صاحبوں کے پاس 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم ہو، وہ مہربانی فرما کر اس میں سے ص ۳۷ و ص ۳۸ والا ورق نکال کر فقیر کو بھیج دیں اور صحیح چھپا ہوا ورق فقیر سے منگوا کر اپنی کتاب میں لگالیں اور جو صاحب کتاب واپس کرنا چاہیں، وہ کتاب فقیر کے پاس پہنچا کر فقیر سے قیمت واپس لے لیں۔ والسلام علیٰ اہل الاسلام۔

فقیر ابوالظفر محبّ الرضا محمد محبوب علی خاں قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی غفرلہ

پتا یہ ہے: جامع مسجد مدن پورہ، بمبئی نمبر ۸۔[☆۷]

مولانا محبوب علی خاں نے اس غلطی پر کئی بار زبانی اور تحریری طور پر صریح توبہ کی، چناں چہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا توبہ نامہ شائع ہوگیا۔ پھر رسالہ 'سنی' لکھنؤ اور روزنامہ 'انقلاب' میں بھی چھپا۔[☆۸]

مخالفین کی یہ کوششیں اخلاص پر مبنی ہوتیں، تو یقیناً قابلِ قدر ہوتیں، کیوں کہ عظمتِ نبوت، شانِ صحابہ اور اہلِ بیت کا احترام ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے، لیکن حالات و واقعات گواہ ہیں کہ یہ سب کچھ گروہی جانب داری کی بنا پر کیا گیا۔

صراطِ مستقیم پر صاف لکھ دیا گیا:

> اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔[☆۹]

'حفظ الایمان' میں یہ صراحت موجود ہے:

> پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم جانا۔ اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔[☆۱۰]

الخطوب المذیبہ میں یہاں تک کہہ دیا گیا:

> اگر ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں، میرا ذہن معاً اس طرف منتقل ہوا (کہ کمسن بیوی ملے گی) اس مناسبت سے حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تھا، تو حضور کا سن شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں، وہی قصہ یہاں ہے۔[☆۱۱]

'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کے مرتب مولانا محمد محبوب علی خاں کو توہین کا مرتکب اور ناقابلِ امامت قرار دینے والے 'صراطِ مستقیم'، 'حفظ الایمان'، 'الخطوب المذیبہ' اور ایسی ہی دوسری کتابوں اور ان کے مصنفین پر بھی وہی فتویٰ لگاتے اور سب سے توبہ کا مطالبہ کرتے، تو اُن کا خلوص شک و شبہ سے بالاتر ہوتا، لیکن ہوا یہ کہ محبوب علی خاں چوں کہ اپنی جماعت کے فرد نہیں ہیں، اس لیے تمام فتوے ان پر لاگو ہو رہے ہیں۔ باقی حضرات چوں کہ اپنی جماعت کے بزرگ ہیں، اس لیے نہ تو قلم ان کے خلاف حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی ان کے حق میں فتویٰ جاری ہوتا ہے۔

توبہ کا دروازہ بند ہوگیا

مولانا محبوب علی خاں کا اعلانِ توبہ لایقِ تعریف تھا، باوجودے کہ حضرت اُم المومنین کی شان میں نہ تو گستاخانہ اشعار لکھے اور نہ ان کی طرف منسوب کیے، صرف اتنا ہوا کہ کتاب کی طباعت پر وہ بوجوہ پوری نگرانی نہ کرسکے اور اشعار غلط ترتیب سے چھپ گئے۔ پھر بھی انھوں نے اعلانیہ توبہ کی اور اسے متعدد رسائل و اخبارات میں چھپوایا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کے اس اقدام کی پیروی کی جاتی اور علمائے دیوبند 'حفظ الایمان' اور 'الخطوب المذیبہ' وغیرہ کتب کی عبارات سے توبہ کا اعلان کرکے مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے بچا لیتے، لیکن افسوس کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ خود توبہ کا اعلان نہیں کیا بلکہ مولانا محبوب علی خاں کی صاف اور صریح توبہ کو بھی ناقابلِ قبول قرار دے دیا اور بڑے بڑے اشتہار شائع کیے کہ 'توبہ قبول نہیں'۔[۱۲]

ماہ نامہ 'رضائے مصطفٰے' بمبئی میں ہے:

'انقلاب' کو چاہیے تھا کہ وہ مولانا موصوف کو مبارک باد دیتا کہ واقعی مولانا موصوف نے مثال قائم کردی کہ دیوبندیوں کی طرح اپنی لغزش پر اڑے نہیں رہے بلکہ اظہارِ ندامت کرکے اپنی ساری غلطیوں کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالا اور شرعی الزام سے قطعی پاک ہوگئے۔[۱۳]

مشکلے دارم ز دانایانِ عالم باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کند

روزنامہ 'انقلاب' بمبئی کے مدیر عبدالحمید انصاری نے اس توبہ کو ناقابلِ قبول قرار دیا اور کہا کہ توبہ کی مقبولیت کا انحصار 'رائے عامہ کی عدالت' پر ہے۔ مدیر 'رضائے مصطفٰے' بمبئی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآنِ عظیم کا صریح ارشاد ہے: **الا من تاب و امن و عمل صالحا فاولئک یبدل اللّٰہ سیئاتھم حسنا** (گنہ گاروں کے لیے جہنم ذلت والا عذاب ہے، مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا) اور اس مضمون کی سیکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث بلکہ تمام کتبِ سماویہ میں توبہ و استغفار اور اس کی مقبولیت مندرج ہے۔

مگر عبدالحمید انصاری نے ان تمام آیاتِ کریمہ و کتبِ سماویہ و

احادیث کوٹھکرا کر ایک نیا مذہب نکالا کہ کسی کی توبہ کی قبولیت 'رائے عامہ کی عدالت' پر ہے۔ اسی سے ظاہر ہوگیا کہ انصاری صاحب کس دین و ملت کے انصار سے ہیں۔

کیا انصاری صاحب اپنے اعوان و انصار سے زور لگوا کر بتا سکتے ہیں کہ فیصلۂ قرآنی کے مقابلے میں آپ کی 'عدالتِ رائے عامہ' کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے، اور کیا رائے عامہ کی بنا پر فیصلہ قرآنی بدل دیا جائے گا؟☆[۱۴]

فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ

اٹھاون صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اسی واقعہ سے متعلق استفتا اور اس کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں محدثِ اعظم ہند مولانا سیّد محمد اشرف کچھوچھوی کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد علما کے تصدیقی دستخط ہیں۔ اس فتوے میں اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ مولانا محبوب علی خاں کی توبہ شرعی طور پر مقبول ہے، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے دل سے قبول کریں۔

ص۸ تا ۱۱ مفتی اعظم دہلی مولانا محمد مظہراللہ دہلوی کا فتویٰ ہے۔ ص۱۲ تا ۱۸ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں کا فتویٰ ہے کہ ص۲۲ تا ۲۶ مفتی اعظم دہلی کا دوسرا فتویٰ ہے۔ ص۳۰ تا ۳۴ ملک العلما مولانا محمد ظفرالدین بہاری کے دو فتوے ہیں۔ ص۳۹ تا ۴۶ مولانا عبدالباقی برہان الحق قادری جبل پوری کا فتویٰ ہے۔ مفتی اعظم ہند بریلوی سے دوبارہ استفتا کیا گیا جس کا جواب ص۴۷ تا ۵۲ ہے۔ فیصلہ مقدسہ میں ایک سوانیس علما کے فتاویٰ اور تصدیقی دستخط ہیں۔

ص۵۳ تا ۵۶ 'مسلم شریف' کی وہ حدیث عربی مع ترجمہ نقل کی گئی ہے جس میں گیارہ کافرہ مشرکہ عورتوں کا ذکر ہے۔ ص۵۶ تا ۵۸ اشعارِ قصیدہ صحیح ترتیب سے نقل کیے گئے۔

اُلٹی گنگا

اس کارروائی کے بعد رفتہ رفتہ یہ ہنگامہ فرو ہوگیا۔ مخالف بھی اس واقعہ کو بھول گئے کہ جس پر الزام تھا، اُس نے توبہ کرلی۔ اہلِ سنت و جماعت بھی بھول گئے۔ 'حدایقِ بخشش' کے صرف دو حصے چھپتے رہے جو امام احمد رضا بریلوی کے خود مرتب کیے ہوئے تھے۔ تیسرا حصہ جو مولانا محبوب علی خاں کا مرتب تھا، گوشۂ گم نامی میں چلا گیا اور ساتھ ہی توبہ نامہ اور اس سے متعلق فتاویٰ بھی دوبارہ شائع نہ کیے گئے۔

D:NaatRang-18
File: Hakim-Sharf
Final

گزشتہ چند برسوں سے مخالفین نے اس گڑے مُردے کو نئے انداز سے اُٹھانے کی کوشش کی اور 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کے حوالے سے پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے معاذ اللہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ شیعہ تھے اور بطورِ تقیہ سنیت کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا اور دلیل یہ دی کہ انھوں نے اُم المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے۔[☆۱۵]

دراصل امام احمد رضا بریلوی نے اپنے دور میں جو دیوبندی اور غیر مقلد علما کے خلاف قلمی اور علمی جہاد کیا تھا، اس کا آج تک دلیل و برہان کی زبان میں جواب نہ دیا جاسکا، البتہ سبّ و شتم اور اتہام پردازی کے ذریعے انتقام لینے اور اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس حقیقت سے قطع نظر اس جگہ چند امور قابلِ غور ہیں:

۱۔ مشرکہ عورتوں کے بارے میں اشعار جس ماخذ (بیاض) سے لیے گئے ہیں، وہ مجہول الحال ہے۔ آیا وہی مجموعہ ہے جو مولانا حسن رضا خاں بریلوی نے جمع کیا تھا یا اس کی نقل ہے۔ مفتی اعظم ہند کے حوالے سے یہ بات اس سے پہلے گزر چکی ہے، البتہ یہ طے شدہ بات ہے کہ یہ مجموعہ امام احمد رضا کا جمع کردہ نہ تھا۔ مولانا محبوب علی خاں سے یہ بھی تسامح ہوا کہ انھوں نے اس مجموعے کا نام 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم رکھ دیا اور سرورق پر ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا، حالاں کہ یہ پہلے دو حصوں کا تاریخی نام تھا۔ اور یہ مجموعہ ۱۳۴۲ھ میں مرتب ہوا، اس لیے اس مجموعے کا نام 'باقیاتِ رضا' وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔

۲۔ یہ بھی مشکوک ہے کہ یہ سات اشعار امام احمد رضا کے ہیں یا نہیں۔

ان کے صاحب زادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

> اور یہ بھی کہا گیا کہ بعض کلام اعلیٰ حضرت بریلوی کا معلوم نہیں ہوتا۔ کسی اور صاحب متخلص بہ رضا کا کلام ہے۔ مولانا (محبوب علی خاں) یا وہ شخص جس نے اس مجموعے میں وہ قصیدہ درج کیا اس کلام کو بھی اعلیٰ حضرت کا کلام سمجھا، اس لیے مجھے ناگوار ہوا کہ یوں نہیں اور ہم لوگوں میں سے کسی کو بے دکھائے چھاپ دیا، بارہا لوگوں کے سامنے میں نے اس پر اظہارِ ناراضی کیا۔[☆۱۶]

دوسرے فتوے میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ وہ شعر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متعلق اُمِ زرع وغیرہا عروسانِ حجاز ہوں کہ وہ ابتدائی کلام ہے، بعض باتیں کسی موقع پر خلافِ تقدس سمجھی جاتی ہیں اور وہی بعض موقع پر کچھ منافیِ تقدس نظر نہیں آتیں۔☆۱۷

مقصد یہ ہے کہ ان سات اشعار کی نسبت امام احمد رضا بریلوی کی طرف غیریقینی ہے کہ انھوں نے یہ اشعار کافرہ عورتوں کے بارے میں کہے یا نہیں، جب کہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ اشعار اُم المومنین کے بارے میں ہرگز نہیں کہے گئے۔

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت تو اعلیٰ حضرت کوئی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ جاہل باحمیت و غیرت معاذ اللہ انھیں منقبت میں نہ لکھے گا۔☆۱۸

۳۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم، امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوا، کیوں کہ ان کا وصال صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ہوا اور حصہ سوم ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں مرتب ہوا۔☆۱۹

پھر کتاب کے سرورق پر بھی واضح طور پر لکھا ہوا ہے:

الشاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تعصب اور عناد سے ہٹ کر غور کیا جائے تو کسی طرح بھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا الزام امام احمد رضا بریلوی پر عاید کرنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

جناب مقبول جہانگیر، راجا رشید محمود کی تصنیف اقبال قایداعظم اور پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک تالیف 'احکامِ اسلام عقل کی نظر میں' کے بارے میں یہ کہنا کہ مولانا تھانوی نے اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے مضامین سرقہ کیے ہیں، قطعی غیر مستند دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ قادیانیوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے جس کی تائید راجا صاحب نے کردی ہے۔

D:NaatRang-18
File: Hakim-Sharf
Final

حالاں کہ وہ تحقیق کی ذرا زحمت برداشت کرتے تو انھیں پتا چل جاتا کہ اس دجل وتلبیس کی بنیاد بڑی ہی کم زور ہے۔ جس کتاب کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ سرے سے مولانا تھانوی کی تصنیف یا تالیف ہے ہی نہیں۔ ان کی وفات کے آٹھ برس بعد پہلی بار چھپی اور جس نے چھاپی، خواہ وہ ان کے لوگ ہی ہوں بہرحال اس کتاب کی تالیف کی ذمہ داری مولانا تھانوی پر ہرگز عاید نہیں ہوتی اور نہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مولانا تھانوی جیسی علمی اور دینی شخصیت مرزاے قادیانی کی کتابوں سے مضامین کا سرقہ کرکے اپنے نام سے شائع کراسکتی ہے۔☆[۲۰]

اگرچہ ہمارے ایک کرم فرما مولانا محمد شفیع رضوی کے پاس اس کتاب کا وہ نسخہ بھی موجود ہے جو مولانا تھانوی کی زندگی میں چھپا تھا، تاہم مقبول جہانگیر صاحب کے پیش کردہ فارمولے کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ مولانا امام احمد رضا کی وفات کے دو سال بعد شائع ہونے والی ایک دوسرے عالم کی مرتب کردہ کتاب 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کے غلط ترتیب سے چھپ جانے والے اشعار کی ذمہ داری فاضل بریلوی پر ہرگز عاید نہیں کی جاسکتی۔

۴۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام احمد رضا بریلوی نے اُم المومنین کی شان میں بے ادبی کے وہ اشعار نہیں کہے۔ مولانا محبوب علی خاں کی مجبوری اور غفلت میں وہ اشعار غلط ترتیب سے چھپ گئے۔ پھر انھوں نے علی الاعلان بار بار توبہ بھی کی۔ اس کے باوجود جو شخص ان حضرات پر گستاخی کا الزام عاید کرتا ہے وہ خود دانستہ یا نادانستہ گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

مفتی اعظم دہلی مولانا محمد مظہراللہ دہلوی فرماتے ہیں:

جب یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ یہ شخص یعنی زید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے اور ان کی اہانت کرنے سے بری ہے اور اس نے جو اپنی بریت کے وجوہ پیش کیے ہیں، اس کے صدق پر تجربات شاہد ہیں تو اس کی طرف اہانت کی نسبت محض اس پر تہمت ہے۔

حقیقت میں اہانت کرنے والا وہ شخص (ہے) جو زید کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ اشعار کہہ رہا ہے، اس لیے کہ کسی کی اہانت کرنے کا ایک یہ ہی (بھی) طریقہ ہے اور بڑا

خوب صورت کہ اپنے کو اس کا خیرخواہ اور غم خوار ظاہر کرتے ہوئے اور دوسرے شخص پر تہمت لگاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو ایسی فحش گالیاں دیتا ہے۔ اس طریقہ سے وہ گالیاں دے کر اپنا دل بھی ٹھنڈا کرلیتا ہے اور ظاہر میں اس کا خیرخواہ بھی بنا رہتا ہے۔ پس صورتِ مذکورہ میں اس میں دوسرے شخص پر توبہ اور جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں معذرت اور زید سے معافی حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ دوہرے تہرے اشد درجہ کے گناہ کا مرتکب ہے۔

اراکینِ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کی مخلصانہ اور اَن تھک مساعی کو داد نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ ان کی سعی بے کراں کا حق داد و تحسین کے چند لفظی پھولوں سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ مجلسِ رضا کے استغنائے شاہی سے آراستہ، درویش منش بانی اور سرپرست حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو اپنا سب کچھ تج کر بھی اگر کوئی فکر ہے تو یہ کہ اہلِ سنت اور مسلکِ اہلِ سنت کی بہتری کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ مجلسِ رضا کا یہ فیصلہ قابلِ تحسین ہے کہ فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ کی اشاعت کی جائے تاکہ امام اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے دامنِ عظمت کو گرد آلود کرنے کی کوششیں بارآور نہ ہوں۔

حواشی

☆۱۔ محمد ظفرالدین بہاری، ملک العلما: المجمل المعدد (مرکزی مجلسِ رضا، لاہور ۱۹۷۷ء) ص۲۳

☆۲۔ محمد محبوب علی خاں، مولانا، 'حدایقِ بخشش'، حصہ سوم، ص۳۷

☆۳۔ محمد عزیزالرحمٰن، 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ'، ص۸۱

☆۴۔ مسلم ابن الحجاج القشیری، امام، 'مسلم شریف' عربی (مطبوعہ نور محمد، کراچی) ج۲، ص۲۸۸

☆۵۔ محمد مظہر اللہ دہلوی، مفتی، 'فتاویٰ مظہری' (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ج۲، ص۳۔۲

☆۶۔ محمد عزیزالرحمٰن بہاؤپوری، 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ'، ص۳۲۔۳۱

☆۷۔ 'رضائے مصطفٰے' بمبئی، شمارہ اگست ۱۹۵۵ء، ص۱۷

☆۸۔ محمد اسماعیل دہلوی، 'صراطِ مستقیم' (اردو، مطبوعہ کراچی) ص۱۳۶

☆۹۔ محمد اشرف علی تھانوی، 'حفظ الایمان' (کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند) ص۸

☆۱۰۔ محمد اشرف علی تھانوی، 'الخطوب المذیبہ'، ص۱۵

☆۱۱۔ محمد منصور علی خاں قادری، 'خوابوں کی بارات' (مطبوعہ بمبئی) ص۸۶

☆۱۲۔ 'رضائے مصطفٰے' بمبئی، شمارہ اگست ۱۹۵۵ء، ص۱۷

☆۱۳۔ 'رضائے مصطفٰے' بمبئی، شمارہ اگست ۱۹۵۵ء، ص۱۴

D:NaatRang-18
File: Hakim-Sharf
Final

☆۱۴۔ احسان الٰہی ظہیر، 'البریلویۃ' (مطبوعہ لاہور) ص۲۱
☆۱۵۔ محمد عزیز الرحمٰن بہاوٴپوری، 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ'، ص۳۲
☆۱۶۔ محمد عزیز الرحمٰن بہاوٴپوری، 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ'، ص۸۳
☆۱۷۔ محمد عزیز الرحمٰن بہاوٴپوری، 'فیصلہ مقدسہ شرعیہ قرآنیہ'، ص۳۵
☆۱۸۔ محمد محبوب علی خاں، مولانا، 'حدایقِ بخشش'، حصہ سوم (مطبوعہ نابھا سٹیم پریس نابھا) ص۱۰
☆۱۹۔ مقبول جہانگیر، روزنامہ 'میگزین' شمارہ ۲ر مارچ ۱۹۸۴ء، ص۱۹
☆۲۰۔ محمد مظہر اللہ دہلوی، مفتی، 'فتاویٰ مظہری' (مطبوعہ کراچی) ج۲، ص۳۹۷

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (بھارت)

کلامِ امام اور ہماری سخن فہمی

امام احمد رضا خاں بریلوی کی ہشت پہلو شخصیت پر ہند و پاک کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی حسبِ مقدور ریسرچ اور تحقیق کا کام ہو رہا ہے، شعر و سخن کے حوالے سے ادھر بیس پچیس برسوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور یہ مشغلہ تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ لیکن حضرت امام کے فنِ شاعری کے تعلق سے محترم عبد الستار ہمدانی کی کتاب 'فنِ شاعری اور حسان الہند' میں نسبتاً زیادہ تطویل کے ساتھ شعری اور فنی جائزہ لیا گیا ہے اور کئی اہم، انوکھے اور چونکا دینے والے گوشے سامنے آئے ہیں۔

ہمارے اکثر قلم کار حضرت امام کے فکر و فن کا جائزہ لینے میں بالعموم عقیدت سے کام لیتے ہیں اور بہ استثنائے چند 'لنکا میں جسے دیکھا باون گز کا' کی مثل کی یاد دلاتے ہیں۔ عروض و قوافی، معانی و بیان اور صنائع بدائع کا بقدرِ ضرورت علم نہ رکھتے ہوئے بھی اس وادیِ پُرخار میں اپنی جولانیِ فکر کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں نتیجۂ کار محتاط، غیر جانب دار اور ستھرا مذاقِ سخن رکھنے والے اربابِ نظر ان تحریروں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

شعر و سخن میں حضرت امام کا مقام بہت بلند ہے، ان کی شاعری میں زبان کی حلاوت ہے، تعبیر کی ندرت ہے، اندازِ بیان کی شگفتگی ہے، غیر معمولی رسائی ذہن ہے، روزمرہ کا برمحل استعمال ہے، آہنگ اور لب و لہجہ کا حسین امتزاج ہے، صنائع و بدائع اس پر مستزاد۔ تاہم ان کی شاعری کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے 'ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد' کی شاعری کی ہے، پاکیزہ جذبات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ کے انتخاب کا انھیں ہنر تھا، استخواں بندیِ الفاظ کی انھیں پوری مہارت تھی۔

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

زیرِ نظر کتاب میں ہمدانی صاحب نے شاعری کے اصول و قواعد سے بھی بحث کی ہے اور صنائع پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس پر اظہار خیال سے پہلے محترم نظمی صاحب کی 'تقریظِ دل پزیر' پر اپنے تاثرات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مارہرہ مطہرہ کے نظمی صاحب سے میں پہلے سے واقف نہیں تھا، 'فن شاعری اور حسان الہند' کی تقریظ ہی علمی تعارف کا ذریعہ بنی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے صاحبِ سجادہ ہیں۔ یہ خانقاہ ہمارے اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ کا مرکز عقیدت ہے، مزید علیہ آں موصوف محترم عبد الستار ہمدانی کے پیر و مرشد کے پیرزادے ہیں، اس اعتبار سے بھی وہ میرے لیے لائقِ احترام ہیں، اب میرے لیے انتہائی آزمائش کی گھڑی ہے کہ عقیدت پر حقیقت کو قربان کردوں یا کیا کروں؟ اس مشکل وقت میں حضور فاضل بریلویؒ کا تصور کر کے آنکھیں بند کیں تو پردۂ خیال پر یہ نقش ابھرا 'شعاع الشمس **لا یخفی و نور الحق لا یطفی**' لہٰذا چند سطور اس اعتراف کے ساتھ سپرد قلم ہیں کہ اگر اہل نظر کو میری تحریر سے اختلاف ہو تو بے تکلف میری فروگزاشت پر تنبیہ فرمائیں، اس بندۂ آثم کو قبولِ حق کا ثواب حاصل ہوگا۔

محترم نظمی صاحب نے زیرِ نظر کتاب کو حرف حرف پڑھا ہے، املا و انشا کی غلطیوں کو درست بھی کیا ہے اور اس امر کا امکان بھی ظاہر کیا ہے کہ اب بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ ظاہر ہے یہ فروگزاشتیں کچھ اس طرح کی ہوں گی، 'وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمان نقصِ جہاں نہیں' (ص:۱۰۰) کو بحر وافر سالم میں لکھ دیا گیا ہے جب کہ یہ نعت بحر کامل سالم میں ہے، وغیرہ۔ لیکن تقریظ کی عبارات سے ظاہر ہے کہ معانی و مفاہیم کے اعتبار سے یا جو کچھ شعری قواعد اور صنائع کے تعلق سے کہا گیا ہے وہ نظمی میاں کے نزدیک درست ہے۔ یہاں مجھے آں موصوف سے اتفاق نہیں ہے جس کی قدرے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

نظمی میاں نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ:

> اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہمدانی صاحب نے کلام رضا اور اردو کے نام نہاد صف اوّل کے شعرا کے کلام کے درمیان جو تقابلی موازنہ کیا ہے وہ اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے۔ (ص:۲۹)

قطع نظر اس سے کہ موازنہ میں خود تقابلی شان پائی جاتی ہے، محترم تقریظ نگار نے ان تمام شعرا کو جن کے کلام سے حضرت امام کے کلام کا موازنہ کیا گیا ہے اور حضرت امام کے کلام کو

فنی اعتبار سے ارفع و اعلیٰ ثابت کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے ان جملہ اساتذۂ سخن کو' نام نہاد صفِ اوّل کے شعرا' کہا گیا ہے، اس فہرست میں میر تقی میر، حکیم مومن خاں، مرزا اسد اللہ خاں غالب اور فانی بدایونی جیسے خداوندانِ سخن بھی شامل ہیں علاوہ ازیں نظمی صاحب نے اس پہلو سے بھی غور کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی کہ امام احمد رضا کے کلام کو نام نہاد صف اول کے شعرا کے کلام سے موازنہ کر کے ہمدانی صاحب نے کون سا نیک کام کیا ہے یہ تو سراسر وقت کا ضیاع ہوا۔ اس کے علی الرغم محترم سیّد محمد اشرف مارہروی نے اپنی تقریظ میں حقیقت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے 'اوراس پیش کش کا خصوص یہ ہے کہ اس میں تقابلی انداز میں اردو ادب کے اساطین کے کلام کو کلام امام احمد رضا کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔'(ص:۳۸)

میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ یااللہ! مارہرہ سے مارہرہ تک میں کس قدر بُعدِ مسافت ہے۔

نظمی صاحب رقم طراز ہیں:

> برسوں ہوگئے مجھے بھی شاعری کرتے ہوئے مگر آج تک فن شاعری کے بارے میں مجھے بھی وہ کچھ معلوم نہ تھا جو ہمدانی صاحب نے اپنی اس کتاب میں بتایا ہے۔ (ص:۲۳)

یقیناً اہلِ عقیدت اس عبارت کو کسرِ نفسی پر محمول فرمائیں گے لیکن کتاب کے مندرجات کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ آں موصوف نے اسے دقت نظر سے ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ یہ بات ان کی زبان قلم سے ہرگز نہ نکلتی کہ' ہمدانی صاحب نے اپنی تصنیف میں فنِ شاعری کے مختلف پہلوؤں کو جس ماہرانہ ، فن کارانہ اور مشاقانہ انداز میں پیش کیا ہے اس کی بدولت یہ کتاب ہمارے کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے اردو ادب کے نصاب میں شامل کیے جانے کے قابل ہوگئی ہے۔'

حیرت ہے کہ اسی مضمون کا ایک اشتہار 'معارف رضا' کراچی کے شمارہ دسمبر ۲۰۰۴ء میں بھی احقر کی نظر سے گزرا ہے، مجھے امید ہے کہ محترم صبیح رحمانی جیسے صاحب نظر اس اشتہار پر 'نعت رنگ' میں اپنا تاثر پیش فرمائیں گے۔

اس کتاب میں جناب سیّد محمد اشرف مارہروی کی تقریظ بھی شامل ہے۔ انھوں نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، ایک طرف مارہرہ مطہرہ سے ہمدانی صاحب کی عقیدت ترحم کی متقاضی، دوسری طرف اشرف میاں کی منصف مزاجی حق گوئی کی طالب، ایسے

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

میں سید صاحب نے اپنے اشہبِ قلم کو جس زیرکی کے ساتھ مہمیز کیا ہے یہ انھی کا حصہ ہے۔ یقیناً انھیں بہت سے مقامات پر کتاب کے مندرجات سے اختلاف رہا ہوگا، لیکن ممکن حد تک انھوں نے 'صنعتِ ترحم' سے کام لیا ہوگا ،البتہ جہاں اپنا عندیہ ظاہر نہ کرنا علم وفن کے ساتھ کھلی ہوئی زیادتی متصور ہوتی نظر آئی، وہاں انھوں نے بڑی متانت کے ساتھ اصلاحی انداز میں اپنے قلم کو حرکت دی ہے، مثلاً صف اول کے شعرا کی جو فہرست دی گئی ہے نہ تو حرف تہجی اس کی بنیاد ہے، نہ یہ فضیلت کے لحاظ سے ہے، نہ سال ولادت کے اعتبار سے ،جب کہ ترتیب میں کسی نہ کسی شق کا لحاظ کرنا تھا۔

یہاں اشرف میاں نے بڑا خوب صورت انداز اصلاح اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

مولانا ہمدانی نے اس فہرست کو زمانی قید کا پابند نہیں رکھا ہے۔ (ص:۴۹)

بظاہر یہ ایک سرسری عبارت ہے لیکن غور کیجیے تو یہ ایک ایسی غلطی کی نشاندہی ہے جو کسی ستھرے مذاق سخن رکھنے والے سے متصور نہیں ہوسکتی۔

یوں ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

جب تک وہ (اپنے اعتبار سے) موضوع سے انصاف نہیں کر لیتے انھیں چین نہیں آتا۔　(ص:۳۳)

یہاں قوسین کی عبارت نے اشرف میاں کو احساس ذمہ داری کی اونچی کرسی پر بٹھا دیا ہے اور درج ذیل عبارت نے تو اشرف میاں کے شعور علم وفن کے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔

بعض مقامات پر علامہ ہمدانی اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوجاتے ہیں اور ایسے ہر مقام پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ان کی محبت بولتی ہوئی بلکہ چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔　(ص:۲۶)

قربان جایئے اس البیلی تحریر پر، کچھ کہتے کہتے قلم کا رخ ایسا پھیرا کہ قاری تک اپنے دل کی بات بھی پہنچا دی اور فاضل مصنف پر دستِ شفقت بھی دھرا کا دھرا رہا۔ اس کے علاوہ اشرف میاں نے اپنی تقریظ میں 'اردو شاعری کے اجزائے ترکیبی' کا ایک عنوان قائم کر کے انھی امور کا تعارف کرایا ہے جو ہمدانی صاحب کے یہاں ل'لوازمات' کے عنوان کے تحت ہیں، یہاں بھی انھوں نے ایک فاش غلطی کی اصلاح فرمائی ہے کیوں کہ لوازمات کے تحت جو کچھ انھوں نے تحریر فرمایا ہے ان میں سے بیش تر کا تعلق 'لوازمات' سے نہیں ہے بلکہ اجزائے ترکیبی سے ہے، اجزائے ترکیبی عین ذات ہوتے ہیں جب کہ 'لوازمات' خارج ذات ہوتے ہیں۔'

کچھ اصل کتاب سے (جستہ جستہ)

محترم ہمدانی صاحب نے لفظ 'صنعات' کا جگہ جگہ استعمال کیا ہے اس جمع کا چلن اردو ادب میں کب سے ہوا، مجھے معلوم نہیں، بہر حال یہ جس زبان کا لفظ ہے اس میں صنعت کی جمع صنعات نہیں ہے، غالباً حرکت برکت کی جمع پر قیاس کر کے یہ جمع بنالی گئی ہے، مصنف نے لگ بھگ تیس صنائع کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ہر صنعت کی تعریف فیروز اللغات کے حوالہ سے درج کی ہے لیکن فیروز اللغات کے صفحات کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب لغت نے ان سب کا ذکر صنعت کے تحت نہیں کیا ہے مثلاً صنعت استعارہ کے لیے صفحہ ۱۴۱ کا حوالہ ہے، صنعت تشبیہ کے لیے صفحہ ۳۶۱ کا اور صنعت مبالغہ کے لیے صفحہ ۱۱۹۳ کا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ صنعت کا لفظ فاضل مصنف کا الحاق کیا ہوا ہے، اس کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا شمار صنائع میں نہیں ہوتا۔

ہمدانی صاحب تقطیع کے ذیل میں لکھتے ہیں: (۱) مکتوبی غیر ملفوظی یعنی وہ حروف جو لکھے جائیں لیکن بولنے اور پڑھنے میں نہ آئیں مثلاً ہائے مختفی، واو معدولہ، عربی کا الف وغیرہ تقطیع میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔

یہاں ہمدانی صاحب سے چوک ہوگئی ہے، عربی کا الف لکھنے میں بھی آتا ہے اور تقطیع میں بھی محسوب ہوتا ہے، اسی سلسلہ بیان میں موصوف نے درج ذیل شعر کی تقطیع کی ہے:

گنہ گاروں کو ہاتف سے نویدِ خوش آلی ہے مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد سا والی ہے

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گنہ گاروں/کو ہاتف سے/ نوید خوش/ آلی ہے

مبارک ہو/ شفاعت کے/ لیے احمد/ سا والی ہے

حالاں کہ اس میں جتنے عربی کے الفاظ والے الف ہیں سب تقطیع میں محسوب ہوئے ہیں، اگرچہ یہ تقطیع حسب قاعدۂ عروض غلط ہے تاہم میرا مدعا ثابت ہے، صحیح تقطیع یوں ہے:

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

گنہ گارو/ کہا تف سے/ نویدے خش/ آلی ہے

مبارک ہو/ شفاعت کے/ لیے احمد/ سَوالی ہے

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

'سا' جو عربی نہیں ہے اس کا الف تقطیع میں محسوب نہیں ہوا۔

(۲) ہمدانی صاحب لکھتے ہیں:

نعت رسول لکھنے کے لیے پہلی شرط شاعر کا قلب عشقِ رسول کی لازوال دولت کے گوہرِ شاداب سے معمور ہونا ہے۔ (ص:۱۰۶)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس کی نعت لکھی جارہی ہے اس رحمتِ عالم و عالمیاں ﷺ کے عشق کی دولت سے شاعر کے قلب کو معمور ہونا چاہیے، لیکن یہ شرط تو بارگاہ رسالت سے سندِ قبولیت اور حصولِ ثواب کے لیے لگائی جاسکتی ہے، نعت تو ایک صنفِ سخن کا نام ہے اس صنف کا استعمال اگر کوئی غیر مسلم کرے تو کیا اسے فنی نقطۂ نظر سے نعت اور شاعر کو نعت گو نہیں کہا جائے گا؟ شاعر کا نام لیے بغیر میں اہل نظر سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ اشعار نعتیہ ہیں یا نہیں؟

بجھے گی اب تو مری تشنگی قرینے سے　　　گھٹائیں آئی ہیں ساغر بکف مدینے سے
اے عطر بیزیِ خیرالامم تعالیٰ اللہ　　　مہک اٹھے ہیں دوعالم ترے پسینے سے

(۳) ہمدانی صاحب رقم طراز ہیں:

حضرت رضا بریلوی نے اپنے قصیدہ نور کے حسن مطلع کے ۴۶ اشعار کے لیے ۹۲ قافیوں کے لیے کل ستاسی الفاظ کا استعمال فرما کر دنیاے ادب پر اپنی سخن شاہی کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ (ص:۹۴)

اسی سلسلہ بیان میں آگے لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں اردو ادب کی کئی صنعات مثلاً صنعت تشبیہ، تضاد، اقتباس، استعارہ، تلمیح، مقابلہ، تجنیس کامل وغیرہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(ص:۹۵، ۹۶)

شعراے اردو نے صنائع کا استعمال بہت کیا ہے، سعادت یار خاں رنگین اور انشاء اللہ خاں انشا کے دواوین اٹھاکر دیکھیے، حکیم مومن خاں کی فاضلانہ تاریخ گوئی پر نظر ڈالیے، طبیعت عش عش کر اٹھے گی لیکن آج تک کسی شاعر کی فضیلت کا پیمانہ یہ مقرر نہیں کیا گیا ہے کہ فلاں شاعر کے دیوان میں مطالع زیادہ ہیں، فلاں شاعر کے یہاں تلمیح، مقابلہ اور تضاد وغیرہا صنائع کا استعمال زیادہ ہوا ہے اور فلاں شاعر نے سب سے زیادہ بحور میں اشعار کہے ہیں۔ غالب سے کون واقف نہیں ہے؟ ہر آنے والے کل میں اس کے فکروفن کے سکّے کی قیمت بڑھتی جاتی ہے

لیکن کیا اس کی عظمتِ شعری کے اعتراف میں اہلِ سخن نے صنائع کی کثرتِ استعمال کی حصہ داری کا بھی ذکر کیا ہے؟ غالبؔ نے مومنؔ کے جس شعر کی تعریف کی ہے وہ اس لیے نہیں کہ اس میں صنعت پائی جاتی ہے بلکہ اس لیے کہ شاعر نے پیش پا افتادہ خیال کو آہنگ اور لب ولہجہ کی بدولت ذرّہ سے آفتاب بنادیا ہے۔

کثرت مطالع یا دیگر صنائع کے استعمال کے تعلق سے مختصراً عرض کیا جاچکا ہے، مزید یہ کہ اگر تعداد مطالع یا صنائع بدائع کی کثرت استعمال کو کسی شاعر کے عظیم اور قادر الکلام ہونے کا پیمانہ قرار دیا جائے یا مطالع و صنائع کے استعمال کی کمی پر شاعر کی مہارت فن سوالیہ نشان کے دائرے میں آجائے تو پھر ان نامور شعرا کی بات تو الگ رہی جنھیں نظمی صاحب نے نام نہاد صفِ اوّل کے شعرا کہا ہے، اس کی زد میں ایسی ایسی ہستیاں بھی آجائیں گی جن کا نام لینا بھی خود کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

'قصیدہ نور' میں حسن مطلع کے چھیالیس اشعار ہیں جسے ہمدانی صاحب نے غیر مکسر ریکارڈ قرار دیا ہے۔ (ص:۹۳) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ التزام دیگر قصاید میں کیوں نہیں ہے؟ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں ۲۱۶ اشعار پر مشتمل جو قصیدہ ہے اس کا آغاز مطلع سے نہیں ہے۔ مطلع کا یہ شعر ۹۳ نمبر پر ہے:

نظر مجھ پہ دینِ کرم میں ہے واجب   میں خادم تو آقا، میں بندہ تو صاحب

ویسے 'غیر مکسر رکارڈ' کے دعوے کے پیش نظر عرض ہے کہ مرحوم ذوق دہلوی نے 'تسبیحِ زمرد' کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں ردیف وار ایک سو ایک مطلع ہے اور کوئی سبزی کے مضمون سے خالی نہیں ہے۔ (آب حیات ص:۴۴۷)

محولہ بالا عبارت سے پہلے حسن مطلع کے سلسلہ بیان میں صفحہ ۹۲ پر ہے:

> 'حدائقِ بخشش' حصہ دوم میں ایک قصیدہ حضرت رضا بریلوی نے غزل کے انداز میں مرقوم فرمایا ہے اس قصیدہ کا نام 'قصیدۂ نور' ہے۔

پاک و ہند کے کئی مشاہیر اہلِ قلم نے بھی اسے قصیدہ قرار دے کر اس کے ظاہری و معنوی اوصاف پر اپنے علم وفن کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت رضا کا یہ شعر اقبالی بیان کے طور پر پیش کیا ہے:

اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے   ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

دراصل یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جس کا ازالہ ضروری ہے، یہاں قصیدہ سے فنی قصیدہ مراد نہیں ہے، عام طور پر غزل کے اشعار کی تعداد کم ہوتی ہے اور قصیدہ کے اشعار کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اسی خیال کو حضرت امام نے اپنے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ نظم صنف غزل سے خارج ہوکر صنف قصیدہ میں داخل ہوگئی یا قصیدہ غزل کے رنگ و آہنگ میں متشکل ہوگیا۔

حضرت امام احمد رضا خاں نے غزل اور قصیدہ کے قوام کے تاروں کا واضح فرق خود بیان کیا ہے جو میرے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ مشہور قصیدہ مبارکہ مسمیٰ بہ فضائل فاروق کے حصہ متفرقات میں حضرت امام فرماتے ہیں:

سبب ہی کچھ ایسے پڑے آکے ورنہ		لغت اتنے بھرنے بھی کیا تھے مناسب
جناب قوافی کی کچھ تو عنایت		ادھر کچھ تقاضائے علمی بھی غالب
علاوہ ازیں حال کا مقتضی بھی		سکھاتا ہے عاقل کو فرقِ مراتب
زبانِ زناں تو غزل مانگتی ہے		قصاید ہیں اغلاق علمی کے طالب
یہ طوطی کے نغمے عنادل کے لہجے		نہیں نعرۂ ضیغمی کے مناسب
اور ایسے تو بھاری لغت بھی نہیں ہیں		کہ کامل کو ہوں سنگ راہِ مطالب
جسے ہوں وہ خود اپنی دانش سے الجھے		ہمارا تو یہ روز مرہ ہے صاحب

سطور بالا میں صنائع کے سلسلہ بیان میں سعادت یار خاں رنگین کا نام آیا تھا، رنگین نے اپنے دیوان میں ایسی ایسی صنعتوں کا استعمال کیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، صنعت اتصال تربیعی صنعت معاد کے نام سے غالباً اسی کی ایجاد ہے، جس کا ذکر کرتے ہوئے ہمدانی صاحب نے لکھا ہے کہ: 'حضرت رضا بریلوی پر ان کے کریم آقا و مولیٰ ﷺ کا وہ فیض تھا کہ آپ نے مشکل سے مشکل صنعت میں بھی اپنی قادر الکلامی ثبت فرما دی ہے۔'

قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے اس مشکل سے مشکل صنعت میں رنگین کی یہ رباعی پیش ہے:

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد		یاد اس کی میں اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
شاد اس کا ہمیشہ ذکر رکھتا اس کو		اس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

اگرچہ اس رباعی سے صنعتِ اتصال تربیعی کا داعیہ پورا ہوگیا لیکن حق یہ ہے کہ

حضرت امام کے چاروں مصارع میں جو معنویت کا تدریجی ارتقا ہے اس کا رنگین کی رباعی میں دُور دُور پتا نہیں ہے۔

صنائع کے سلسلۂ بیان میں حکیم مومن خان کا نام آیا ہے انھوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی وفات کی تاریخ درجِ ذیل شعر سے استخراج کی ہے، سنیے اور سر دھنیے:

دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

فقر، دین، فضل، ہنر، لطف، کرم، علم، عمل سب کو بے سروپا کردیجیے یعنی ہر لفظ کے اول و آخر حرف کو ہٹا دیجیے باقی بچے: ق، ی، ض، ن، ط، ر، ل، م۔ ان اعداد سے ۱۲۳۹ برآمد ہوتا ہے یہی تاریخِ رحلت ہے۔

صنعتِ مقلوبِ مستوی و مقلوبِ کل

ہمدانی صاحب نے ان دونوں صنائع کے تحت غالب، فانی، شکیل بدایونی، اصغر گونڈوی، جگر مراد آبادی، غلام ربانی تاباں، جوش ملیح آبادی، جاں نثار اختر، فیض احمد فیض کے ۱۵/ اشعار اور کل ۱۳ اشعار حضرت امام کے پیش کیے ہیں۔

دونوں صنعتوں سے دو دو شعر بطور مثال پیش ہیں:

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
(غالب)

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزدِ رجیم الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا
(حضرت رضا)

بالترتیب دونوں شعروں کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

(۱) درد کو الٹا کر پڑھیں گے تو بھی وہ لفظ 'درد' ہی پڑھا جائے گا۔

(۲) اس شعر میں لفظ دزد کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ سیدھا یا الٹا یکساں ہی پڑھا جائے گا۔

صنعتِ مقلوبِ کل

یہ اتفاقِ زمانہ ہے اس کا رونا کیا ملا ملا کوئی دل کا مزاج داں نہ ملا
(تاباں)

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
(حضرت رضا)

بالترتیب دونوں کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

(۱) اس شعر میں جو'ملا' ہے اس کو الٹا دینے سے لفظ 'الم' یعنی رنج، غم بنتا ہے۔

(۲) اس شعر میں لفظ 'فرش' کو اُلٹا دینے سے لفظ 'شرف' (بزرگی) بنتا ہے۔ 'کیا' کو الٹا دینے سے 'ایک' بنتا ہے۔ 'عرش' کو اُلٹا دینے سے لفظ 'شرع' (مذہب) بنتا ہے۔

صنعتِ مقلوب مستوی کے تحت جو اشعار مثال میں پیش کیے گئے ہیں جن میں 'درد' اور 'وزد' کا اُلٹا سیدھا برابر ہے اس میں شاعر کا کیا کمال ہے یہ تو لفظ کی ساخت ہے اس سے زیادہ تفصیل غیر ضروری ہے۔

صنعتِ مقلوب کل میں پہلے شعر میں 'ملا' کا قلب الم ہے اور دوسرے شعر میں 'فرش' کا قلب، 'شرف' اور 'کیا' کا قلب 'ایک' اور 'عرش' کا قلب 'شرع' ہے۔

یہاں ہمدانی صاحب نے ادبی دیانت سے کام نہیں لیا حضرت امام کے شعر میں انھیں تین الفاظ نظر آئے جن کا قلب کیا ہے اور غلام ربانی تاباں کے شعر میں صرف 'ملا' ملا جس کا قلب 'الم' ہے حالاں کہ ہمدانی صاحب کی نظر سے دیکھا جائے تو تاباں کے شعر میں کئی الفاظ ایسے ہیں جن کا قلب ہوسکتا تھا جیسے 'یہ' کا قلب 'ہے'، 'ہے' کا قلب 'یہ'، 'اس' کا 'سا'، 'رونا' کا 'انور' اور 'کیا' کا 'ایک'۔

خیر یہ تو ان کے طرزِ فکر کا جواب تھا، حقیقت یہ ہے کہ مقلوبِ کل میں جتنے اشعار شامل کیے گئے ہیں ان میں سے ایک کا بھی تعلق صنعتِ مقلوب کل سے نہیں ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شعر میں قلب کا عمل ہی نہیں ہوگا تو صنعتِ مقلوب کا وجود کیوں کر ہوگا۔ یوں تو ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جن کو مقلوب کرنے سے کوئی نہ کوئی بامعنی لفظ بن جائے گا۔ یہ سب کچھ صنعتِ مقلوب کا مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، صنعتِ مقلوب کی مثال ہم تحریر کرتے ہیں پڑھیے اور سمجھیے، حسن اتفاق کہ ان شاء اللہ خاں انشا کے یہ پانچوں اشعار صنعتِ قلب میں ہیں۔

ابھی جھڑ لگا دے بارش کوئی مست بھر کے نعرہ (۱) جو زمیں پہ پھینک مارے قدحِ شراب الٹا
تو جو باتوں میں رکے گا تو یہ جانوں گا کہ سمجھا (۲) مرے جان و دل کے مالک نے مرا کلام الٹا
مجھے مار کیوں نہ ڈالے تری زلف الٹ کے کافر (۳) کہ سکھا دیا ہے تو نے اسے لفظ رام الٹا
سحر ایک ماش پھینکا جو مجھے دکھا کے اس نے (۴) تو اشارہ میں نے تاڑا کہ ہے لفظ شام الٹا
فقط اک لفافہ پر ہے کہ خط آشنا کو پہنچے (۵) تو لکھا ہے اس نے انشا یہ ترا ہی نام الٹا

وضاحت

پہلے شعر کے مصرع اول میں لفظ بارش آیا ہے دوسرے مصرع میں اسکا قلب شراب، دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ مالک آیا ہے اس کا قلب کلام بھی، تیسرے شعر کے مصرع اول میں لفظ مار آیا ہے دوسرے مصرع میں لفظ رام، چوتھے شعر کے مصرع اول میں لفظ ماش آیا ہے دوسرے مصرع میں لفظ شام، پانچویں شعر کے مصرع اول میں لفظ آشنا آیا ہے دوسرے مصرع میں لفظ انشا۔

مطلب صاف ہے کہ جب تک شعر میں قلب کا عمل نہیں ہوگا صنعت متشکل نہیں ہوگی۔

مقلوب مستوی کی مثال

کسی نے ایک عالم سے کہا: ' مرادے دارم' عالم نے جواب دیا ' بر آید یارب' دونوں جملوں کو اول سے آخر تک یا آخر سے اول تک پڑھیے جملہ وہی رہے گا۔

حضرت امیر خسرو کا یہ شعر مقلوب مستوی کی صنعت میں ہے:

شکر بترازوے وزارت بر کش   شو ہمرہِ بلبل بلبِ ہر مہوش

دونوں مصرعوں کو الگ الگ شروع سے آخر تک یا آخر سے شروع تک پڑھیے مصرع جوں کا توں رہے گا۔ درج ذیل عربی شعر پورا کا پورا مقلوب مستوی کی صنعت پر مشتمل ہے:

مودتہ تدوم لکل ھول   وھل کل مودتہ تدوم

رجعت قہقری

'حسان الہند اور فن شاعری' کے چند صفحات پڑھتے ہی ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کلام امام سے موازنہ کے لیے غزل گوشعرا کا انتخاب کیوں کیا گیا جب کہ نعت گوشعرا میں کئی با کمال اساتذہ فن کا نام سامنے تھا۔ حضرت تاج الفحول بدایونی، حضور نوری میاں مارہروی ،شیخ المشائخ اشرفی میاں (کچھوچھہ شریف) علیہم الرحمہ کے کلام سے موازنہ کیا جاتا تو فکر وفن کا جوہر بھی نکھر کر سامنے آتا، روحانیت کی دنیا میں سیر کرنے کا لطف بھی حاصل ہوتا اور مصنف کے انتقادی شعور اور فنی دیانت کا مظاہرہ بھی ہوتا۔ ماضی میں ادبیات فارسی و اردو کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی میں فردوسی و نظامی، قصیدہ میں خاقانی وانوری ،غزل میں سعدی و حافظ ،مراثی میں انیس و دبیر اور قصاید اردو میں سودا اور شیخ محمد ابراہیم ذوق کے کلام کا خوب خوب

موازنہ کیا گیا ہے، لیکن مولانا روم و رود کی اوحدی وطالب آملی، جوش ملیح آبادی اور حمید صدیقی جیسے شاعروں کے کلام کا موازنہ احقر کے لیے نہ دیدہ ہے نہ شنیدہ ،موازنہ انھی کے کلام کے مابین ہونا چاہیے جن میں کوئی خاص وصف قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہو۔

طرفہ یہ کہ عشق کی طولانی بحث میں اس کی دو اقسام کر کے امام احمد رضا کے عشق کو عشق حقیقی اور دیگر شعرا کے عشق کو عشق مجازی قرار دیا گیا ہے، اس تقسیم کے پیشِ نظر بھی کلام امام کا دیگر شعرا کے کلام سے موازنہ خدا لگتی بات نہیں ہے ،اول تو عشق جو کیفیت دروں کا نام ہے اس کی تقسیم اس طور پر کرنا کہ 'عشق حقیقی کا اطلاق اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ، اس کے محبوب اعظم ﷺ کے ساتھ یا دینِ اسلام اور اسلامی شخصیتوں کے ساتھ الحب للہ کے جذبۂ صادق کے تحت کیے جانے والے عشق پر ہوتا ہے۔ عشقِ مجازی دنیا اور دنیاداروں کے ساتھ کیے جانے والے عشق کو کہتے ہیں'۔(ص:۵۷)

غور طلب ہے، محترم سیّد محمد اشرف صاحب نے اس کی وضاحت مختصر لفظوں میں یوں کی ہے کہ 'ایسی عقیدت جو کسی مفاد یا مادیت پر مبنی ہو وہ عشق حقیقی نہیں ہے، عشق حقیقی میں نیت خیر، خلوص اور روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے۔'　　(ص:۳۳)

غالباً سیّد صاحب کی نظر میں سبع سنابل شریف کی وہ حکایت رہی ہوگی جس میں ایک اجنبی نوجوان کا ایک مغل زادی سے عشق ہوگیا تھا، نوبت بایں جا رسید کہ اس صاحبِ جمال دوشیزہ کے ہاتھ سے نوجوان نے جیسے ہی پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیا اسی دم جاں بحق ہوگیا۔

جواباً کہا جاسکتا ہے کہ کتاب میں کلام کے داخلی محاسن یا شعر کی معنویت سے بحث نہیں ہے بلکہ فن اور اس کے مالہ وما علیہ کو موازنہ کی بنیاد بنایا گیا ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے لیکن یہ عذر قابل قبول نہیں کیوں کہ کتاب میں اشعار کے معانی و مفاہیم کے محاسن و معائب سے بھی بحث کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ متذکرہ بالا پیش وایانِ اُمت کے کلام سے کلامِ امام کا موازنہ کرنا ہمدانی صاحب کے واہمہ میں بھی نہیں آسکتا تھا ،اس کے خسران و خذلان سے وہ بخوبی واقف ہیں، دنیا میں نیک نامی کے ساتھ جینا اور عقبیٰ میں سرخ رُو ہو کر اٹھنا کون نہیں چاہتا، یہ وہ مرشدانِ برحق ہیں جن کی بارگاہ میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا زیب دیتا ہے۔

عہد ما بالب شیریں دہناں بست خدا　　　ماہمہ بندہ و ایں قوم خدا وندا نند

غالباً یہی تصور محرک اور یہی خوف مانع تھا جو انھوں نے جماعت اہل سنت کے نعت گو شعرا کے کلام سے موازنہ کرنے کے بجاے ایسے غزل گو شعرا کا انتخاب کیا جن میں سے کچھ تو سرے سے ہم میں سے نہیں ہیں اور جو ہیں بھی وہ ایسے فساق ہیں جن کی تحقیر و تذلیل واجب ہے، اسی لیے فنی اعتبار سے کلامِ امام کو ارفع و اعلیٰ ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ دیگر شعرا کی دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ اس ضمن میں کتاب سے ایک اقتباس پیش ہے، اس مضمون کی جا بہ جا عبارتیں 'فنِ شاعری اور حسان الہند' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

ہمدانی صاحب لکھتے ہیں: حیرت کی بات تو یہ ہے کہ دیگر شعرا (غالب، شکیل، فیض، اقبال، اصغر، فانی، جگر...) شرعی قید و بند سے آزاد ہوکر عشقِ مجازی میں اپنے قلم کو بے لگام اور بے قابو چلانے کے باوجود اپنے کلام میں جو رنگینی و رعنائی اور حسن پیدا نہ کرسکے وہ سب حضرت رضا نے شریعت کی حد بندی میں اپنے کلامِ عشقِ حقیقی میں ایسے حسن اسلوبی سے بیان فرما دیا ہے کہ بڑے بڑے ادبا اور فصحا کے سرِ نیاز خم ہوگئے۔ (ص:۱۶۱)

ہمدانی صاحب نے حضرت رضا کو 'مظلوم مفکر' کہا ہے جس کا ذکر ضمناً نظمی صاحب نے اپنی تقریظ میں کیا ہے، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اغیار ہمارے امام کی عبقریت اور علمی فضیلت کا اعتراف کیوں نہیں کرتے تو کچھ تو اس کا جواب ہمدانی صاحب کے متذکرہ الفاظ، خود پلٹ کر دے رہے ہیں ، بڑے بڑے ادبا اور فصحا کے سرِ نیاز کا خم ہونا، حضرت رضا کی علمی فضیلت کا اعتراف نہیں تو اور کیا ہے؟ خیر! یہ تو جواب آں غزل تھا، سچ یہ ہے کہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، علما اور صوفیہ کی بات تو الگ رہی رسولوں اور پیغمبروں تک کو مخالفوں نے تسلیم نہیں کیا، قرآن خود ناطق ہے 'و یقتلون النبیّین بغیر حق'...الآیۃ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ہم اہلِ عقیدت بھی حضرت رضا کی دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں بخیل واقع ہوئے ہیں تو یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، ادھر بیس پچیس برسوں میں جتنا لٹریچر امام احمد رضا کے تعلق سے منظرِ عام پر آیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی اور کسی کے حصے میں نہیں آیا ہے خواہ وہ علمائے شریعت ہوں یا مشائخِ طریقت، اعلیٰ حضرت کی عزت و تکریم میں اور ان کے کمالاتِ علمی کا چرچا کرنے میں یا ان کے پیغام کی ترسیل میں ہمارے اکابر و اصاغر نے اپنی عقیدت کو سرِ مو بھی ٹھیس نہیں پہنچائی ہے، ہاں! باوجود ایں ہمہ اب بھی حضرت رضا کے علم و فن کے کئی گوشے ایسے ہیں جن پر تحقیق کی ضرورت ہے، لیکن الحمدللہ! کام ہورہا ہے تیزی سے ہورہا ہے، پاک و ہند کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی ہو رہا ہے

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

، جو کچھ رہ گیا ہے ان شاء اللہ وہ بھی پورا ہوجائے گا۔

البتہ 'مظلوم مفکر' کہنے کی ایک جائز وجہ ہوسکتی ہے وہ یہ کہ حضرت امام کے علم وفن کی تبلیغ و ترسیل کے لیے کبھی کبھی ہم ایسا رخ اختیار کرلیتے ہیں کہ ہمارے قول کی حقانیت الفاظ کی جارحیت سے خون آلو دہو جاتی ہے، یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی ہم 'توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ القائل' کے مرتکب ہوکر حضرت رضا کی خوشنودی سے بھی محروم ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو ہنسنے کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں: بیجا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ

میں لفظ 'بیجا' کی آسیب زدہ تشریح اور : ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

کی مضحک توجیہ اس کی کھلی مثالیں ہیں، اس کی قدرے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس آخر الذکر کی تشریح کو 'فیضانِ رضا' کا نام دیا گیا ہے۔

مومن و غالب دنیاے اردو ادب کے دو مستند نام ہیں اردو کی تاریخ ان اساتذۂ سخن کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن ہمدانی صاحب نے حضرت رضا کی عقیدت میں ان دونوں کو جس طرح بے حیثیت کرنے کی جسارت کی ہے، کیا اردو ادب کا محقق اسے برداشت کرسکتا ہے؟ اور کیا ادبی دنیا میں اعلیٰ حضرت کی سخن شاہی کا سکہ چلانے کے لیے ہمارا یہ طریقۂ عمل کارگر ہوسکتا ہے؟ اگر یہ سب کچھ صرف ہم خوش عقیدہ مسلمانوں کے لیے ہے تو عام ارباب علم وفن سے اس کی پزیرائی کی امید کرنا یا اس سے صرفِ نظر کا شکوہ کرنا بے معنی ہے، اساتذۂ فن کو بے حیثیت کرنے کی بات کہی گئی تو ایک اقتباس کے ذریعے اس کا ثبوت بھی فراہم کرتا چلوں، ہمدانی صاحب رقم طراز ہیں:

> حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ کلام کو مذہبی اعتبار سے نہیں بلکہ فن و ادب کی حیثیت سے دیگر شعراے اردو ادب کے کلام کے مقابلے میں جس حیثیت سے بھی لاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام شعراے ادب و فن جمع ہوکر مجموعی طور پر فن و ادب کی جو خوبی پیدا نہیں کرسکے وہ حضرت رضا نے تن تنہا پیدا کردی بلکہ ایک نیا حسن پیدا کردیا ہے۔　　　(ص:۱۵۹)

دیکھیے اساتذۂ سخن کے معاصر شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی بھی تھے جن کا کلام موازنے میں شامل نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے انھیں 'مرحوم ذوق دہلوی' لکھ دیا ہے، اس لفظ 'مرحوم' کا اثر یہ ہوا کہ خاقانی ہند کی جاں بخشی ہوگئی، حکیم مومن خاں مومن کی ولادت کے بعد

اگرچہ ان کے کان میں شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ نے اذان دی تھی اور مومن نام بھی انھیں کا تجویز کردہ ہے، لیکن سن شعور کو پہنچنے کے بعد یہ سیّد احمد راے بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل کے حلقۂ اثر میں شامل ہوگئے تھے، غالب تو شرابی کبابی اور جواری تھے ہی اس لیے ان دونوں کی یا فساق شعرا کی جس قدر تحقیر و تذلیل کی جائے مضائقہ ندارد، مگر ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ علم و فن کا اعتراف اور عقیدہ و عمل کا احتساب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ رسول اقدس ﷺ نے جاہلی شاعر امرء القیس کو اشعر شعرا العرب بھی فرمایا ہے اور حامل لوائہم الی النار بھی، پہلا جملہ امرء القیس کے فن کا تعارف ہے اور دوسرا جملہ اس کی ضلالت فکر و عمل پر مہر، اس لیے جہاں فن شاعری کے تعلق سے موازنہ کیا جائے وہاں موضوع کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔

حیرت تو یہ ہے کہ نظمی صاحب نے 'مظلوم مفکر' پر جو اپنوں کی طرف سے ظلم ہوا ہے اس کا سارا الزام اہل بریلی کے سر تھوپ دیا ہے، لکھتے ہیں:

> اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں ان کا چرچا بہت کم ہے، بریلی شریف سے رسالہ نکلتا ہے 'اعلیٰ حضرت' سچ بتایئے اعلیٰ حضرت پر کتنے مضمون اس میں شامل کیے جاتے ہیں اور جو مضمون کبھی کبھار آتے بھی ہیں ان میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے دینی علمی کارناموں کا کیا تناسب ہوتا ہے تو کیا ہمدانی صاحب نے لفظ 'مظلوم' درست نہیں لکھا؟ ('عرفان رضا'، ص:۱۴)

اعلیٰ حضرت کے خاندان میں ان کا چرچا کم ہو یا زیادہ پوری دنیاے سنیت میں ہر طرف ان کا چرچا ہو رہا ہے اور ایسا ہو رہا ہے کہ صدر اسلام سے آج تک جس فرقہ کو فرقہ ناجیہ ہونے کا افتخار حاصل ہے اسے فی زماننا 'مسلک اعلیٰ حضرت' سے جانا جاتا ہے، ویسے یہ بات کلیتاً 'سیاست زدہ' معلوم ہوتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے خاندان میں ان کا چرچا بہت کم ہے، نہ جانے ایسا بے بنیاد جملہ نظمی صاحب کے قلم سے کیسے نکل گیا۔

ہمدانی صاحب حضرت رضا کی چہار لسانی نعت کی تعریف میں سوز و گداز اور ربط و روانی کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا نہیں بھولے کہ 'علم عروض اور اصولِ تقطیع کے مطابق ہر شعر وزن میں پورا ہے، نہ کہیں سکتہ ہے اور نہ کہیں انقطاع' گویا یہ بھی حضرت رضا کا کمال ہے کہ ان کے اس چہار لسانی کلام میں علمِ عروض اور اصولِ تقطیع کی بھی بھرپور رعایت ہے، کسی مکان کی تعریف یوں تو کی جاسکتی ہے کہ معمار نے اس کو بہت خوب صورت بنایا ہے، دیوار کو منقش کر کے جاذبِ

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

نظر بنا دیا ہے چھت کی گل کاری آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔لیکن یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ سبحان اللہ اس مکان میں دیوار بھی ہے، چھت بھی ہے اور تو اور دروازوں کے پلے بھی ٹھیک سے کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔

ہمدانی صاحب نے ایک توجہ طلب بات اور کہی ہے جس پر میں علمائے کرام کا عندیہ جاننا چاہوں گا، لکھتے ہیں:

> قرآن مجید میں جن اشعار کی مذمت کی گئی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے جن اشعار کے صدور کی نفی کی گئی ہے ان اشعار سے مراد وہ اشعار ہیں جو کذب بیانی اور لغویات پر مشتمل ہیں۔ (ص:۷۷)

اس کے بعد لکھتے ہیں: '۸ھ جنگ حنین (ہوازن) کے دن حضور اقدس ﷺ اپنے بغلۂ بیضا پر سوار تھے اور کفار پر اپنی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے رجزاً یہ شعر ارشاد فرما رہا تھے۔ (ص:۷۷)

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

دونوں عبارتوں کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شعر کہا ہے اور اگر ماسبق حوالہ کی جانب مخالف مفہوم کا اعتبار کیا جائے تو حضور اقدس ﷺ سے ایسے اشعار کا صدور تسلیم کرنا صحیح ہوگا جو کذب بیانی اور لغویات سے پاک ہو، یہاں علمائے کرام سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا دو مقفیٰ جملے جو موزوں بھی ہیں اور یقیناً حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں، کیا اس مجموعۂ الفاظ کو اصطلاحاً شعر کہنا جائز ہے؟ اسی کے ساتھ یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن مقدس کی آیۃ کریمہ کے یہ الفاظ جو مقفیٰ بھی ہیں اور موزوں بھی، کیا اس پر بھی شعر کا اطلاق جائز ہوگا؟

الذی انقض ظھرک　　　و　　رفعنالک ذکرک

ایسا تو نہیں کہ کوئی برجستہ جملہ جو مقفیٰ بھی ہو اور موزوں بھی ہوگیا ہو لیکن شعر کہنے کا قصد نہ کیا گیا ہو ایسے جملوں پر علمائے فن شعر کا اطلاق نہ کرتے ہوں؟

کچھ تو میں اپنی معلومات کے مطابق عرض کیے دیتا ہوں، حضور اقدس ﷺ کے قول:

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

پر شعر کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ جملے شعر کہنے کے قصد و ارادہ سے ادا نہیں کیے گئے ہیں یہ

اور بات کہ دونوں جملے وزن میں برابر اور مقفیٰ ہیں، مواہب لدنیا میں ہے 'واما قولہ ﷺ'

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب: فقد قال العلماء انه لیس بشعرٍ لان الشاعر انا سمی شاعراً لوجوه منها انه اشعر القول و قصده واهتدی الیه واتی به کلاماً موز و ناً علی طریقة العرب مقفیً فان خلا هذه الاوصاف اوبعضها لم یکن شعراً ولا یکون قائله شاعراً والنبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یقصد بکلامه ذالک الشعر ولا اراده فلا یعد شعراً و ان کان موزوناً

(ج:۱،ص:۲۰۳)

واضح ہو کہ اس کتاب کو محترم عبد الستار ہمدانی صاحب نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مقدس کی آیت شریفہ 'الذی انقض ظهرک و رفعنالک ذکرک' پر بھی شعر کا اطلاق جائز نہیں ہے اگرچہ یہ جملہ بھی موزوں اور مقفیٰ ہے۔ علامہ میر سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الشعر فی الاصطلاح کلام موزون علی سبیل القصد والقید الاخیر یخرج نحو قوله تعالیٰ الذی انقض ظهرک ورفعنالک ذکرک فانه کلام موزون مقفیً لکن لیس بشعرٍ لان الاتیان به موزو ناً لیس علی سبیل القصد

(کتاب التعریفات،ص:۵۶، مطبوعہ مصر)

اس لیے ہمدانی صاحب کا قول: حضور اقدس ﷺ رجزاً یہ شعر ارشاد فرمارہے تھے (ملخص) بڑی جسارت ہے اور اسلامی نظریہ کے خلاف ہے۔

خامہ کس قصد سے اُٹھا تھا!

صنعتِ مبالغہ

شاعری میں یہ صنعت بہت مقبول ہے خاص طور پر قصاید میں شکوہِ الفاظ، ندرتِ معانی اور مضامینِ عالی کے لیے مبالغہ سونے پر سہاگا ہے، ہمدانی صاحب لکھتے ہیں: 'حضرت رضا کی نعتیہ شاعری میں مبالغہ یا غلو متصور ہی نہیں' کیوں کہ 'جس ذات پاک کی تعریف کا جو حق ہے وہ حق ہی کماحقہ جب ادا نہیں ہوسکتا تو پھر مبالغہ اور غلو کی صورت ہی پیدا نہیں ہوسکتی' (ص:۱۱۶)

یہی خیال حضرت شمس بریلوی نے بھی ظاہر کیا ہے کہ 'نعت سرورِ کونین ﷺ میں طرز ادا کی رنگینی کے اظہار کے لیے میدان بہت تنگ ہے وہاں نہ مبالغہ کی گنجایش ہے اور نہ اغراق و غلو کی' (اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کا تحقیقی و ادبی جائزہ ۔ص:۱۲۳) یہی لکھ کر دونوں حضرات نے مبالغہ کا باب(Chapter) بند کردیا، لیکن یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

(الف) نعت جس صنف سخن کا نام ہے اس کا دائرہ کیا ہے اور اس کی جامع و مانع اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ کیا حضور اقدس ﷺ کی ذات و صفات اور متعلقات کے علاوہ دیارِ حبیب ﷺ کے مشمولات کا اس میں اعتبار نہیں ہے؟ میری مراد اس نوع کے اشعار سے ہے:

تاب مرأت سحر گرد بیابانِ عرب　　غازۂ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب
جوشش ابر سے خونِ گلِ فردوس کرے　　چھیڑ دے رگ کو اگر خارِ بیابانِ عرب
جنت کو حرم سمجھا آتے تو یہاں آیا　　اب تک کے ہر اک کا منھ کہتا ہوں کہاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ خزاں ہوں گے　　دیکھوگے چمن والو جب عہدِ خزاں آیا

میرا سوال یہ ہے کہ یہ اشعار یا اس قبیل کے اشعار کو نعتیہ کلام کہا جائے گا یا نہیں؟

(ب) حضرت رضا کے کلام میں نعت کے علاوہ مناقب کے اشعار بھی خاصی تعداد میں ہیں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ نعتیہ شاعری میں متذکرہ مشمولات سمیت مبالغہ کا تصور ممکن نہیں ہے تو مناقب کے اشعار میں تو ممکن ہے؟۔ سرکار بغداد، حضور اچھے میاں سیدنا آل رسول، حضور محبّ رسول، سراج العارفین نوری میاں وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں جو مدحیہ اشعار ہیں یا فضائلِ فاروق کے قصیدہ میں جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے اور شمشیر کی تعریف کی گئی ہے کیا یہاں بھی مبالغہ متصور نہیں ہے؟ اور کیا ان دو شعروں میں، جن میں تحدیث نعمت کا اظہار کیا گیا ہے الفاظ کے مسامات کے ذریعے مبالغہ سرایت نہیں کر گیا ہے؟

قطرۂ خود را اگر حکم چکیدن کنم　　سینہ شود منشرح بحر شود منسرح
پس سخنم صدر وار مطوی و مسکن کنم　　در دلِ مضمون ہزار جاے بکاغذ نماند

اس لیے کلام امام کے فنی محاسن کے ذکر میں مبالغہ جیسی صنعت کو شجرِ ممنوعہ قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔

صنعت لف ونشر

یہ صنعت شاعری میں کثیر الاستعمال ہے اس میں شاعر مصرع اول میں چند چیزیں

بیان کرتا ہے پھر ترتیب سے دوسرے مصرع میں ان کے مناسبات کا ذکر کرتا ہے اسے لف ونشر مرتب کہتے ہیں اور اگر ترتیب قائم نہیں رہی تو یہ لف ونشر غیر مرتب ہے' حدائقِ بخشش' میں دونوں ہی قسموں کی کئی مثالیں ملتی ہیں جیسے: (مرتب کی مثال)

دندان ولب و زلف و رخِ شہ کے فدائی ہیں در عدن، لعل یمن، مشکِ ختن پھول
(غیر مرتب کی مثال)

دل بستہ، بے قرار، جگر چاک اشک بار غنچہ ہوں گل ہوں، برق تپاں ہوں، سحاب ہوں

ہمدانی صاحب لکھتے ہیں:

اس صنعت میں شعر کہنا کوئی مشکل یا دشوار امر نہیں ہے اسی وجہ سے تمام شعرا نے اس صنعت میں طبع آزمائی کی ہے۔ (ص:۱۷۹)

اس کے بعد مصنف نے غالب، اصغر، جگر، شکیل، تاباں اور فانی کے اشعار مثالاً پیش کیے ہیں جن میں سے بیشتر کا تعلق نہ لف ونشر مرتب سے ہے نہ غیر مرتب سے، اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ' حضرت رضا کے کلام میں صنعتِ لف ونشر کے اشعار اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ان تمام اشعار کو الگ چھانٹ کر شمار کرنا بہت ہی مشکل امر ہے لہٰذا ہم چند اشعار ناظرین کی فرحتِ طبع کے لیے پیش کرتے ہیں۔ (ص:۱۸۱) اس کے بعد دس اشعار اس صنعت کے تعلق سے پیش کیے گئے ہیں ان میں سے ایک دو شعر کے علاوہ کسی کا تعلق اس صنعت سے نہیں ہے۔ ظاہر ہے جو ایک دو شعر لف ونشر کی مثال میں ٹانک دیے گئے ہیں یہ محض اتفاق ہے اس ضمن میں جو مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
(غالب)

گل چیں نے تو کوشش کر ڈالی، سونی ہو چمن کی ہر ڈالی
کانٹوں نے مبارک کام کیا، پھولوں کی حفاظت کر بیٹھے
(شکیل)

یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر
یہ تیغ وسپر، یہ تاج وکمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے
(امام احمد رضا)

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

لطف کی بات یہ ہے کہ لف ونشر (مرتب) کی جو کھلی ہوئی مثال تھی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: اردو ادب میں صنعتِ مقابلہ میں یہ شعر اپنی مثال آپ ہے:

دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی ہیں درِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول

اسی سلسلہ بیان کو یوں آگے بڑھایا ہے:

حضرت رضا کی نعتیہ شاعری میں مقالہ قلم بند فرمانے والے اہل قلم کی اکثریت اس شعر کو صنعت تشبیہ میں شمار کرتی ہے اور اس شعر کو صنعت مقابلہ کے تحت شمار نہیں کیا، میں ان تمام اہل قلم کا خادم، ان کا سوالی، ان کا طفیلی ہونے کے ناتے ان کی خدمتِ عالی میں مؤدبانہ گزارش کرتے ہوئے اپنی ناقص رائے کا اظہار کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ شعر صنعتِ مقابلہ میں زیادہ موزوں ہے۔ (ص:۱۶۹۔۱۶۸)

اس کے علی الرغم حضرت رضا کی بارگاہ کا بھکاری شرر مصباحی عرض کرتا ہے کہ جن مقالہ نگاروں نے اس کو صنعتِ تشبیہ میں شمار کیا ہے یا ان مقالہ نگاروں کے طفیلی نے اسے صنعتِ مقابلہ میں گردانا ہے اور صنعتِ لف ونشر سے روگردانی کی ہے ان حضرات کی تشبیہ، مقابلہ اور لف ونشر کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں ہے۔اول تو خالص معانی و بیان کی اصطلاحات کے ساتھ لفظ 'صنعت' کا استعمال محل نظر ہے (گو بعض اساتذہ نے بھی استعمال کیا ہے) دوسرے یہ کہ تشبیہ کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا مشبہ بہ دوسرے مصرع میں ہو مصرع اول میں بھی تشبیہ کے ارکان جمع ہوسکتے ہیں جیسے: اے رخت ہمچو آفتاب منیر (یا)

میان لاغر تو بے نشاں چو اسمِ وفا دہانِ تنگ تو نایاب ہمچو کامِ جہاں

اور تقابل میں وحدت ہشت گانہ یا اس کی اقسام تقابل تضاد، ایجاب وسلب وغیرہ کی تفصیل سے حذر کرتے ہوئے صرف تعریف اور مثالوں سے واضح ہوجائے گا کہ صنعتِ مقابلہ کے اشعار کس نوع کے ہوتے ہیں۔

تعریف

ایک کلام کے مقابل دوسرا کلام اس طرح سے ہو کہ چند الفاظ یا کل دونوں کے باہم تضاد رکھتے ہوں جیسے ذوق دہلوی:

خیر خواہوں کے ترے، چہرے پہ ہو رنگِ نشاط اور بدخواہوں کے رخسار پہ اشک حسرت

ہمدانی صاحب نے صنعتِ تضاد کا علاحدہ ذکر کیا ان کا موقف یہی ہے، لیکن تلخیص اور مطول میں اسے صنعتِ تضاد ہی قرار دیا گیا ہے۔ اب متذکرہ لف ونشر کی تعریف نگاہ میں رکھتے ہوئے شعر پر غور کیجیے تو یہ شعر لف ونشر مرتب کی بہترین مثال قرار پائے گا، علاقہ تشبیہ لف ونشر کے لیے مانع نہیں ہے۔

اب چند بو العجبیاں بھی ملاحظہ کرتے چلیے، ہمدانی صاحب کہتے ہیں' اگر اس شعر کو صنعتِ تشبیہ میں شمار کرتے ہیں جب بھی صحیح ہے اور اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوں گے: اے میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے دندان، لب، زلف اور رخ پہ فدا ہونے والے عاشق تو جس دندان شریف پر فدا ہورہا ہے وہ دندان (دانت) درِ عدن یعنی عدن کے موتی ہیں تو جس مقدس لب پر فدا ہورہا ہے وہ لب لعلِ یمن یعنی ملک یمن کے لعل ہیں تو جس زلف پر فدا ہورہا ہے وہ زلفِ معنبری مشک ختن یعنی ملک ختن کا نافہ ہے (ملک ختن کا نافہ پوری حدودِ ملک کا درمیانہ حصہ ہوتا ہے: شرر) اور تو جس رخِ انور پر فدا ہورہا ہے اس رخِ انور کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ وہ پھول ہے'۔ (ص:۱۷۰) اس کے بعد ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو' حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان عشق رسول ﷺ کی اس اعلیٰ منزل میں پہنچ چکے تھے کہ حضرت رضا بریلوی جب بھی اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کے جسم اقدس کے کسی عضوشریف یا آپ کی کسی صفت کو کسی چیز سے تمثیل دیتے تو مثال میں ایسی چیز ہی کو بیان کرتے کہ اس سے بہتر کوئی چیز نہ ہوتی'۔(ص:۱۷۰) اقتباسات کی مہربانی سے مضمون طویل ہوتا جارہا ہے اس لیے اس سلسلہ میں جو عدن کے موتی یمن کے لعل اور ختن کے مشک کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس پر تبصرہ سے احتراز کرتے ہوئے عرض ہے کہ شعر کی یہ تشریح فاضل بریلوی کے فکر ومزاج کے بالکل برخلاف ہے، بلکہ سراسر الزام ہے، فاضل بریلوی اپنی مثنوی ردا مثالیہ میں فرماتے ہیں (غیر ضروری اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں)

لعل باشد زیب تاجِ سروراں	زینت و خوبیِ گوشِ دلبراں
مشک اذفر روح را بخشد سرور	ہمچو بُوئے سنبلِ گیسوے حور
شامّہ از بُوئے او رشکِ جناں	ہم معطر زد قبائے مہ وشاں
ہے چہ گفتم ایں چنیں شبہِ شنیع	کے بود شایانِ آں قدر رفیع
لعل چہ بود جوہرے یا سرخیے	مشک چہ بود خونِ نافِ وحشیے

فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ: حضرت اقدس ﷺ کی شان رفیع کے لیے لعل اور مشک

کی تشبیہ کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے لعل صرف ایک سرخ پتھر ہے، اور مشک ایک وحشی جانور کے نافہ کا خونِ بستہ ہے۔ فاضل بریلوی کی اس صادق البیانی کے بعد ہمدانی صاحب کا سارا زور، سارا طومار دشنۂ فرہاد۔ برسر فرہاد حضرت رضا کا دامن اس داغ دھبے سے پاک۔

صنعتِ مسمط

ہمدانی صاحب نے 'صنعتِ مسمط' کی تعریف فیروز اللغات سے نقل کر کے اس کی ژولیدہ عبارت میں الجھ کر کتاب کے سات سے زائد صفحات سیاہ کرڈالے ہیں اس پرطرہ یہ کہ 'حضرت رضا کا صنعتِ مسمط میں عظیم شاہ کار' کی سرخی قائم کر کے عقیدت کے گل بھی کھلائے ہیں اور نامور شعرا کے لیے منھ کھولنے سے باز بھی نہیں آئے ہیں، لکھتے ہیں 'صنعتِ مسمط' کی مثال میں اردو ادب کے شہرۂ آفاق اور نامور شاعروں کے دیوان سے کوئی غزل پیش کرنے کے لیے ہم نے ان شاعروں کے دیوان کی گہری نظر سے اوراق گردانی کی تو محسوس ہوا کہ ہم کسی صحرا میں میٹھے پانی کے چشمہ کی جستجو میں بھٹک رہے ہیں، بڑی مشکل سے جگر مراد آبادی اور شکیل بدایونی کے کلام میں غیر تسلی بخش مثالیں نظر آئیں' کچھ آگے یوں زبانِ قلم گویا ہوئی ہے 'حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیوانِ سمندر عشق کی موجیں صنعتِ مسمط جیسی کئی صنعات کے گوہرِ شاداب کے ہم راہ خود پیش قدمی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔' (ص:۲۱۹) اس کے بعد حضرت رضا کی ایک نعت میں ۱۷/ اشعار مسمط کے ایک نعت میں ۲۵/ اور ایک نعت میں ۲۷/ اشعار مسمط کی صنعت میں تحریر کیے ہیں حتی کہ 'لم یات نظیرک فی نظر' کے کل ۱۰ اشعار میں سے ۹ اشعار کو صنعت مسمط میں شمار کیا ہے۔سچ کہا ہے کہنے والے نے:

خشتِ اوّل چو نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

اب فاضل مصنف کو کون بتائے کہ صنعتِ مسمط کا وجود کسی مصرع یا شعر کے ٹکڑوں سے نہیں ہوتا بلکہ پوری نظم کی ایک خاص ہیئت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا کہ فلاں نعت میں اس صنعت کے ۱۷۔ یا ۲۵۔ یا ۲۷ اشعار صنعتِ مسمط کے پائے جاتے ہیں بالکل لغو اور مہمل بات ہے۔

نسیم البلاغت سے صنعتِ مسمط کی تعریف اور چند اشعار فہمِ مطالب کے لیے پیش کیے جاتے ہیں:

چند مصرع ایک وزن ایک قافیہ میں کہے جائیں اور اسی وزن کے کئی بند کہہ کر ہر ایک

بند کا قافیہ پہلے بند کے خلاف رکھا جائے اگر ان بندوں کے مصرع طاق ہوں تو آخری مصرع کا قافیہ ہر بند میں وہی رکھیں جو پہلے بند کا تھا اور اگر جفت ہوں تو آخر کے دو مصرعوں کا کبھی وہی قافیہ رکھتے ہیں جو اوپر والے مصرعوں کا تھا اور کبھی بدل دیتے ہیں، مسمط کی کئی قسمیں ہیں جس میں مثلث، مخمس اور مسدس اردو میں زیادہ رائج ہیں صاحبِ معیار نے ترجیع بند اور ترکیب بند کو بھی مسمط ہی میں محسوب کیا ہے۔

مسمط مثلث

وہ مسمط ہے جس کے ہر بند میں تین مصرع ہوں مطلع کے مصرعوں کا ایک قافیہ (یعنی تینوں ہم قافیہ ہوں: شرر) اور باقی بندوں میں شروع کے دو مصرعے ایک قافیہ میں ہوں اور تیسرا مصرع اسی قافیہ میں ہو جس میں مطلع تھا۔ مثال:

برقع جو اپنے منھ سے صنم نے اٹھادیا — سب کو خدا کے نور کا جلوہ دکھادیا
سجدے کو مہر و ماہ نے بھی سر جھکا دیا

یوسف کا حسن قصۂ پارینہ ہوگیا — دل اس کے عکسِ نور سے آئینہ ہوگیا
قامت نے اس کے فتنۂ محشر جگا دیا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہر بند میں ایک ہی مصرع لاتے ہیں، جیسے:

دنیا ہے سرا اس میں بیٹھا تو مسافر ہے — اور جانتا ہے یاں سے جانا تجھے آخر ہے
کچھ راہِ خدا دے جا، جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھ کو تو نام پہ دے رب کے — گریاں نہ دیا تو نے کیا دیوے گا واں بندے
کچھ راہ خدا دے جا، جا تیرا بھلا ہوگا

مسمط کی اس تعریف اور مثال سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہمدانی صاحب نے اس صنعت کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے صرف اندھیرے میں لاٹھی گھمائی ہے۔

اس صنعت کی دیگر اقسام یا تفاصیل کے لیے متداول کتب سے رجوع کیا جائے۔

خط تو اُم

خط تو اُم کی جو تشریح کی گئی ہے اس پر پاکستان کے بعض رسائل میں مصنف کو خوب خوب دادِ تحقیق دی گئی ہے جس سے ہماری الجھن اور بڑھ گئی، ہمدانی صاحب نے خط تو اُم کے لغوی معنی بیان کرنے کے لیے فیروز اللغات کا سہارا لیا ہے لیکن یہ اعجوبہ بیانی حوالہ کے بغیر ہے،

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

خط توأم کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ اس طرح ہے کہ خط توأم اس خط کو کہتے ہیں جس کے ذریعے عاشق و معشوق کے درمیان نازک ترین معاملات اور عشق و محبت کے راز اور پیغام ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں علاوہ ازیں ملکی فوجی سیاسی اور حکومت سے تعلق رکھنے والے اور دیگر نوعیت کے اہم اور خفیہ راز اور احکام وفرامین بھی اس خط کے ذریعہ پہنچائے جاتے ہیں۔

مثال صفحہ اوّل:

۱	۲	۳	۴	۵	۶
م ب ب	خ ن	ا ت ا	م ن	ک م ا	ھ ا
۱	۲	۳	۴	۵	۶
ح و	ا	م ح ن	ی	ا ی ب	و

وضاحت

اس کو حل کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ صفحہ اول اور صفحہ دوم میں خط کا مضمون دو حصوں میں لکھا ہوا ہے دونوں مضمون پر نمبر ا سے نمبر ۶ تک کے کل چھے الفاظ ہیں اس کو حل کرنے کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ ہر لفظ کا پہلا حرف صفحہ اول سے لیا جائے اور دوسرا حرف صفحہ دوم سے لیا جائے اب حل کی صورت یہ ہوگی:

صفحہ اوّل

م ح ب و ب	خ ا ن	ا م ت ح ا ن	م ی ن	ک ا م ی ا ب	ھ وا
محبوب	خان	امتحان	میں	کام یاب	ہوا

اسی طرزِ خطِ توأم میں حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایمان افروز مثال پیش کی ہے جو درج ذیل ہے:　　　　(ص:۲۴۰)

ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک　　　حسن سبطین ان کے جاموں سے ہے نیا نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں　　　خطِ توأم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

مصنف نے خط توأم کی وضاحت کرتے ہوئے جو مثال پیش کی ہے اگر یہی خط توأم ہے تو یہاں تو سر سے پاؤں تک کا الٹ پھیر ہے یا دونوں صفحوں کو الگ متوازی رکھیے تو اعلیٰ و اسفل کا کوئی تصور ہی نہیں ہوتا پھر اس سے نصف اعلیٰ اور نصف اسفل کی تشبیہ میں تو ادنی مناسبت

بھی نہیں پائی گئی۔ نیز اس تشریح کی بنیاد پر صفحہ اول اور صفحہ دوم کو مربوط کیے بغیر دونوں صفحوں کا وجود و عدم برابر ہے، یا یوں کہیے کہ دونوں صفحے علاحدہ علاحدہ لغو اور مہمل ہیں۔

درحقیقت ہمدانی صاحب کو خط توأم کا مفہوم سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے وہ خط کو مضمون اور مکتوب کے معنی میں سمجھ بیٹھے ہیں جب کہ خط توأم خوش نویسی کی ایک قسم ہے جیسے خط غبار، خط گلزار، خط رنگین، خط شفیعا وغیرہ اسی لیے شعرا کے کلام میں جہاں ان خطوط کا ذکر ملتا ہے وہاں مضمون سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ صرف ان کی مخصوص رسمِ کتابت اور ہیئت کا اظہار مقصود ہوتا ہے مثلاً:

خطِ غبار

عیاں ہے آیینۂ رخ پہ جب سے خطِ غبار وہ خط ہیں لکھتے مگر در خطِ غبار مجھے

خطِ گلزار

سبزۂ خط گلِ رخسار پہ اک عالم ہے خطِ ریحان خطِ گلزار نظر آتا ہے

خطِ طغرا

کوچۂ خلد نظر آنے لگا دنیا میں خوب فردوسیہ لکھا ہے خطِ طغرا میں

خطِ شفیعا

ریشِ مرسل کو نبوت کا رسالہ کہیے کششِ خطِ شکستِ دلِ اعدا کہیے
سرِ فرمان خدا کا خطِ طغرا کہیے کلکِ تحریر کا یا خطِ شفیعا کہیے

راقم الحروف نے خطِ توأم کے کئی نمونے دیکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دو نہایت باریک کاغذ لیے جاتے ہیں اور دونوں صفحوں پر کچھ بیل بوٹے بنا دیے جاتے ہیں یا باریک قلم چلا دیا جاتا ہے پھر جب دونوں صفحوں کو ملا دیا جاتا ہے تو اوپر نیچے کے بیل بوٹوں یا ہلکی لکیروں کے بیچ میں سفید حصہ بالکل نمایاں ہوجاتا ہے اور صاف پڑھا جاتا ہے، یہاں حضرت رضا نے خط توأم کے لفظ سے اسی کا استعارہ کیا ہے اس سے اعلیٰ و اسفل کا مفہوم مراد بھی حاصل ہوگیا اور اعلیٰ و اسفل کے بیل بوٹے اور لکیریں لغو اور مہمل بھی قرار نہیں پائیں، تشبیہ کے لیے اتنی مناسبت کافی ہے۔ خط توأم فارسی کے مشہور خوش نویس ابن مقلہ ہراتی کی ایجاد بتائی جاتی ہے، ذوق دہلوی نے بھی ایک شعر میں اس خط کی رسمِ کتابت سے استفادہ کیا ہے:

خطِ توأم میں لکھو گور میں تاریخِ وصال کہ رہی وصل کی تا مرگ تمنا ہم کو

ہمدانی صاحب کی یہ اپج کہ اس خط کے ذریعے عشق و محبت کے خفیہ راز اور ملکی فوجی سیاسی اور حکومت کے اہم اور خفیہ راز...الخ۔ یہ سب ہوائی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے:	بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

ہمدانی صاحب بحوالۂ فیروز اللغات لکھتے ہیں: 'بیجا ایک ڈراؤنی شکل کا کاغذی چہرہ جسے بچے منھ پر رکھ کر ڈراتے ہیں' اس کے بعد شعر کی تشریح یوں ہے: 'میں اپنے کلام سے مسرور ہوں کیوں کہ اس راہ میں جو ڈراؤنی صورت پیش آتی ہے اس سے اللہ کا شکر ہے کہ میں حفاظت کیا گیا ہوں' (ص:۲۹۹)

رباعی کے اس مصرع میں لفظ 'بیجا' ہمیشہ یائے مجہول سے (بے جا) پڑھا جاتا رہا ہے اور اس کے مفہوم کی وسعت کو دیکھتے ہوئے گمان کسی اور تلفظ کی طرف ہونا بھی نہیں چاہیے لیکن ہمدانی صاحب نے کچھ نیا کر دکھانے کے شوق میں یہاں بھی گل کھلا دیا، حضرت امام کی اس رباعی کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ ان کا کلام بے جا یعنی فضول ، نازیبا اور نامناسب باتوں سے پاک ہے ایسا اس لیے ہے کہ انھوں نے نعت گوئی قرآن کریم سے سیکھی ہے۔

ہمدانی صاحب نے 'بیجا' (بی جا) جیسے نامانوس اور متروک الاستعمال لفظ کے معنی لغت سے دیکھ کر اس سے کنایہ کرتے ہوئے بے جا کے حقیقی معنی کو نظر انداز کر دیا ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اوّل تو نعت گوئی کی راہ میں ڈراؤنی صورت کا آنا بے معنی بات ہے، چلہ کرنے کے دوران البتہ سنا گیا ہے کہ آخری دنوں میں کچھ ڈراؤنی صورتیں سامنے آتی ہیں ، جو لوگ یک سوئی کے ساتھ وظیفہ میں مشغول رہتے ہیں اور جن کے سر پر مرشد کا ہاتھ ہوتا ہے وہ اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رہتے ہیں لیکن نعت گوئی کی راہ میں ڈراؤنی صورت بھی پیش آتی ہے، ہم نے آج تک کسی نعت گو سے ایسا نہیں سنا، ہم نے خود بھی بفضلہٖ تعالیٰ نعتیہ اشعار کہنے کی سعادت حاصل کی ہے مگر ہمیں کبھی کوئی مہیب صورت ڈرانے نہیں آئی۔ دوسرے یہ کہ لفظ 'بیجا' (بی جا بیائے معروف) کے بارے میں اتنا ملتا ہے کہ جیم معجمہ سے اس کا کبھی چلن تھا اس سلسلہ میں رنگین کے ایک شعر کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے لیکن ان شاء اللہ خاں انشا اور ان کے بعد کے شعرا کی زبانوں پر یہ لفظ 'بیچا' (جیم فارسی سے) رہا ہے چند لغات کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

نور اللغات

بیجا (بیائے معروف) کاغذ یا کپڑے کی مصنوعی ڈراؤنی صورت بچوں کے ڈرانے کے لیے ایک ہیبت ناک صورت بنا دیتے ہیں اس کو ہوّا بھی کہتے ہیں:

کالے کاغذ کی مگر ایک کتر کر بیجا زاہدِ بزم کے منھ پر تو لگا سکتے ہیں

مہذب اللغات

بیجا (بیائے معروف) مٹی یا دفتی کی بنی ہوئی مہیب شکل:

گلگیر کلموہا موا بیجا کی شکل ہے بچوں کی طرح روئے نہ کیوں بار بار شمع

سرمایۂ زبانِ اردو

بیجا: اس صورت سے عبارت ہے جو لڑکوں کے ڈرانے کے واسطے بناتے ہیں کہ لڑکے اسے دیکھ کر ڈرتے ہیں اور بھاگتے ہیں

فرہنگِ آصفیہ

بیجا: (معنی مذکور)

ہم تو ہنستے نہیں پر آپ کے ہنسنے کے لیے اور اگر سانگ نہیں کوئی بنا سکتے ہیں
کالی کاغذ کی ابھی ایک کتر کر بیجا زاہد بزم کے منھ پر تو لگا سکتے ہیں

لغت کی کتابیں چوں کہ ادبی اور لسانی سرمایہ کی محافظ ہوتی ہیں اس لیے لغت میں یہ لفظ دونوں طرح سے ملتا ہے۔ بہرحال حضرت امام احمد رضا کے دور میں بیجا (بی جا: جیم معجمہ سے) متروک الاستعمال تھا اور بیچا (جیم فارسی سے) فصیح و رائج اس لیے:

بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

میں لفظ بیجا یائے مجہول سے فضول، نازیبا اور نا مناسب کے معنی میں ہی ہے۔

ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

ہمدانی صاحب نے اس مصرع پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے بڑی مضحک بات کہی ہے افسوس کہ یہ سات صفحات سے زائد پر مشتمل تحریر کا اختصار بھی ایک صفحہ سے کم نہ ہوگا جو خود میرے لیے گراں خاطر ہے مگر مجبوری ہے، ہمدانی صاحب مدینہ منورہ سے واپسی پر جدہ تشریف لا کر اپنے برادر طریقت جناب شوکت حسین صاحب نوری کے دولت کدے پر فروکش

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

ہوئے جہاں روزانہ علمی محفل جمتی تھی وہیں ہمدانی صاحب کی ملاقات شیخ بدر الدین صاحب سے ہوئی جن کا جدہ میں وسیع حلقہ ہے، شیخ موصوف کو ایسے افراد سے سابقہ پڑتا رہتا ہے جو حضرت امام احمد رضا سے بغض رکھتے ہیں اور اعتراض کی بھرمار کرتے ہیں، شیخ بدرالدین نے ایسے کئی اعتراض کا ذکر ہمدانی صاحب سے کیا اور معقول جواب طلب فرمایا، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا　　　ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اعتراض یہ تھا کہ اس شعر میں حضورﷺ کی توہین کی گئی ہے، زائرینِ مدینہ کو جانوروں کی ہیئت تعلیم کی جارہی ہے، اگر کوئی شخص کسی حاکم سے ملنے کے لیے سر کے بل چلے تو یہ حاکم کے دربار کی بے عزتی ہے، ہمدانی صاحب نے جواب دیا کہ اردو زبان میں سر کے بل چلنا اور سر سے چلنا محاورہ ہے جو بے حد تعظیم و تکریم کے موقع پر بولا جاتا ہے لیکن اعتراض برائے اعتراض کا سلسلہ قائم رکھتے ہوئے ایک نیا شوشہ نکالا گیا کہ ہمدانی صاحب جو شخص محاورے سے واقف نہیں اور مدینہ شریف میں سر کے بل چلے تو کیا حشر ہوگا، ایامِ حج میں تو ہنگامہ برپا ہوجائے گا۔ اب بات بڑے نازک موڑ پر آگئی تھی، ہر چند سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن ہمدانی صاحب کی ایک بھی نہ سنی گئی بس یہی اصرار رہا کہ جانوروں کی ہیئت سکھائی جارہی ہے، ہمدانی صاحب نے اس پریشانی کے عالم میں امام احمد رضا سے استغاثہ کیا، فیضانِ رضا جاری ہوا۔ اب ہمدانی صاحب معترض سے مخاطب ہوئے کہ عشق کے جو دو مقام ہیں مقامِ ادب اور مقامِ فنا ان میں کس کا درجہ بلند ہے؟ جواب ملا مقامِ فنا کا، ہمدانی صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چوں کہ یہ شعر مقام ادب میں ہے لیکن اب اس شعر پر اعتراض عاید ہوا ہے لہٰذا اب یہ شعر مقامِ ادب سے نکل کر مقام فنا کا شعر ہوگیا اور اب خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ اے مدینہ کے زائر کیا یہی ترے عشق کا تقاضا ہے کہ مدینہ منورہ میں آیا اور پھر رخصت؟ ارے یہاں سر کو ہمیشہ کے لیے رکھنے کا موقع ہے یعنی مدینہ میں دفن ہونے کا موقع ہے۔ حضرت امام رضا کے اس شعر کو مقامِ فنا میں شمار کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس وضاحت کے بعد شیخ بدرالدین صاحب قبلہ نے ہمدانی صاحب کو اپنی پُرخلوص دعاؤں سے نوازا۔

پہلی بات تو یہ کہ امام احمد رضا کے اس شعر پر معترض کے اعتراض کو شیخ بدر الدین نے نقل کیا تھا۔ ان سے جواب نہ پڑا تو ہمدانی صاحب سے رجوع کیا لیکن پوری داستان جس

پیرائے میں بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معترض خود ہمدانی صاحب کے سامنے ہے اور منظر خالص مناظرانہ ہے اس بے سروپا سوال کا مکمل جواب تھا، خاموشی: (جوابِ جاہلاں باشد خموشی)

پھر یہ کہ شعر میں سر سے چلنے کا ذکر ہے اور اس کے حقیقی معنی متعذر ہیں سر سے کوئی چل ہی نہیں سکتا، پھر معترض کا یہ کہنا کہ جانوروں کی ہیئت سے چلنے کی تعلیم دی جارہی ہے، مہمل بات ہے۔ کیا جانور سر سے چلتے ہیں؟ کیا بندر سر سے چلتا ہے؟ اس لیے اساتذہ نے جو سر سے چلنے کے معنی ادب و احترام سے چلنا بتایا ہے اسی پر اڑے رہنا چاہیے تھا۔ 'دھوپ کھانا' دھوپ میں بیٹھنے کو کہتے ہیں اگر کوئی ضدی کہے کہ واہ دھوپ بھی کھانے کی چیز ہے؟ کھانے کی چیز سے تو پیٹ بھرتا ہے، ایسے سر پھرے سے تو منھ پھیر لینا ہی عقل مندی ہے، نہ یہ کہ اس کی باتوں میں آکر خود اپنے صحیح قول کی تردید کرنا، یہاں تو حضرت رضا صرف تلقین کررہے ہیں کہ:

ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

جس کا متعارف مفہوم معترض کی باتوں میں آکر بدل دیا گیا اور مدینہ میں مرجانے اور دفن ہونے کا مفہوم گھڑ لیا گیا، جہاں صاف صاف کہا گیا ہے:

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

یہاں کیا توجیہ کی جائے گی؟

اگرچہ اس کے بعد بھی لکھنے کے لیے اتنا کچھ رہ گیا ہے کہ اگر سرورق سے لے کر آخری عنوان کتاب تک کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کتاب کی ضخامت کی ایک کتاب تیار ہوجائے گی مثلاً:

ٹائٹل پر ایک ترازو دکھائی گئی ہے جس کے ایک پلہ پر دیوان 'حدائقِ بخشش' اور امام احمد رضا کا نام ہے اور دوسرے پلہ پر کم و بیش پچاس اساتذۂ فن اور نام ور شعرا کے نام ہیں، ترازو کسی سہارے (Support) کے بغیر ہے، دوسرا پلہ اٹھا ہوا دکھایا گیا ہے، یہاں یہ جتانا ہے کہ یہ سارے کے سارے شعرا مل کر بھی فنِ شعر و سخن میں امام احمد رضا کے برابر نہیں ہیں، اس دوسرے پلہ میں اقلیمِ سخن کا وہ شہر یار بھی ہے جس کی روح قبر میں خود اپنی فکرِ سخن پر نوحہ زن ہوگی۔

مری قدر کر اے زمینِ سخن تجھے بات میں آسماں کردیا
سبک ہوچلی تھی ترازوے شعر مگر ہم نے پلہ گراں کردیا

میرے ذہن میں بار بار یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر اس دوسرے پلے میں سید کچھوچھوی یا

D:NaatRang-18
File: Kalam-e-Imam-1
Final

سیّد مارہروی کا نام ہوتا تو ترازو کا کیا ہوتا؟ اور اگر سارے نامور شعرا کی جگہ صرف تاج الفحول کا نام ہوتا تو ترازو کیا بتاتی؟ اور اگر 'حدایق بخشش' کے متوازی پلہ میں حضرت بیکس یا حضرت عشقی یا حضرت عینی کے نعتیہ کلام کا صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا تو ترازو کا کیا حال ہوتا؟ میرا وجدان کہہ رہا ہے کہ کانٹا ٹوٹ جاتا اور دونوں پلے زمین پر ڈھیر ہوجاتے۔ یہ اور اس قسم کی بے تکی باتوں سے کتاب بھری پڑی ہے جس کا فائدہ کچھ نہیں اور جماعتی نقصان اظہر من الشّمس۔

تاہم اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اگر معارف رضا (پاکستان) کے اعلان نے انگشت نمائی کا موقع نہ دیا ہوتا اور احباب کا پیہم اصرار نہ ہوتا تو شاید جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی نوبت نہ آتی اور محض یک سطری تبصرہ کافی ہوتا۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت)

مولانا حسن رضا خاں
اور اعلیٰ حضرت میں کچھ مماثلتِ طرح

عرفِ عام میں نعت اُس نظم کو کہا جاتا ہے جو پیغمبرِ اسلام احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ ﷺ کی مدح میں کہی جائے۔ لیکن قاعدے میں مدح مذکورہ نظم میں ہو یا نثر میں نعت ہی کہی جائے گی۔ پیغمبرِ آخرالزماں ﷺ سے منسوب ہونے کے باعث یہ صنف اپنے اندر تقدس تو رکھتی ہی ہے، اس کی تاریخ بھی طویل ہوگئی ہے جو چودہ سو برس سے زیادہ عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ حضور پُرنور ﷺ کے صحابہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عمدہ شاعر تھے۔ حضور اقدس ﷺ اُن کی کہی ہوئی نعتوں کو پسند فرماتے تھے۔ اُن کے نعتیہ اشعار اب بھی موجود ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بعد سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا، جس میں نعت گوئی نہ کی جاتی رہی ہو۔ بعض اوقات تو شعرا نے بڑے شد و مد کے ساتھ نعتیں کہی ہیں۔ گیارھویں صدی ہجری کے اختتام تک شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جس نے نعتِ رسول ﷺ نہ کی ہو۔ بعض بعض شعرا نے تو اپنی ساری عمریں ہی نعت گوئی میں صرف کر دیں۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ بردہ شریف اس فن کی معراج ہے۔ مولوی معنوی کی مثنوی شریف بھی نعتوں کا خوش نما گل دستہ ہے۔ اگرچہ مثنوی شریف پند و موعظت کی حکایات پر مشتمل ہے مگر وہ حکایات بھی نعت گوئی سے خالی نہیں۔ ایرانی شعرا نے نعت گوئی میں نئے نئے ادبی گوشے نمایاں کیے۔ خاقانی شیروانی نے نعت گوئی میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ حسان العجم کہلائے۔ حسؔن غزنوی، نظامؔی گنجوی، عرفؔی، سعدؔی، جامؔی نے بھی اس صنف میں کافی طبع آزمائی کی۔ مولانا جامؔی کی نعت کا شعر:

بہر ایں جان مشتاقم بہ آنجا
فدائے روضۂ خیرالبشر کن

آج بھی اہل حال کی مجلس میں پڑھایا جاتا ہے تو سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

اردو نعت گوئی کے جسد میں عربی کے بجاے فارسی نعت گوئی کا خمیر پڑا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عربی میں نعت گوئی چلتی تو رہی، لیکن اس فن کی جو ترقی فارسی زبان میں ہوئی چند مستثنیات کے عربی میں مقابلتاً نہ ہوسکی۔ جہاں تک اردو نعت گوئی کا تعلق ہے اس میں پہلا نعت گو شاعر کون تھا؟ اس کا جواب انتہائی مشکل ہے۔ البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اردو کی ابتدا کے ساتھ ہی نعت گوئی کی ابتدا کا دامن بھی بندھا ہوا ہے۔ اردو زبان صوفیہ اور عرفا کے ملفوظات کے ساتھ پروان چڑھی، اس لیے ابتدا میں بھی اس کا دامن نعت سے خالی ہونا تسلیم نہیں۔ ہمارے ادب کی ابتدا دکن سے ہی مانی جاتی ہے اور دکنی ادب میں نعتیں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ اس لیے اردو میں بھی اس کی قدامت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اردو زبان میں نعت گوئی پھلتی پھولتی رہی، آگے بڑھتی رہی۔ میلاد خواں جماعتیں اس کی ترقی کے لیے برابر کوشاں رہیں۔ میلادناموں کے مصنّفین اپنے اشہبِ فکر کی تمام تر قوتِ پرواز نعت گوئی کے مضامین پر صرف کرتے رہے۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی میں چند ایسی شخصیتیں اردو نعت کے اُفق پر نمودار ہوئیں کہ یہ فن نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ ان شخصیتوں کی فہرست یوں تو طویل بھی ہوسکتی ہے، مگر اہم نام ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، اُن کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی اور حسان الہند مولانا محمد محسن کاکوروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ آج کی صحبت میں استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحبؒ کی نعت گوئی پر اجمالی گفتگو مقصود ہے۔

مولانا حسن رضا خاں صاحب مشہور زمانہ اور شہرہ آفاق عالمِ دین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ایک علمی اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ نسباً قندھاری پٹھان تھے۔ مولانا کے مورثِ اعلیٰ مولانا سعید اللہ خاں صاحب عہدِ مغلیہ میں صاحبِ جاہ شخص تھے۔ اُن کے صاحب زادے سعادت یار خاں صاحب ایک جنگ کے سلسلے میں روہیل کھنڈ تشریف لائے تھے۔ سعادت یار خاں کے صاحب زادے مولانا اعظم خاں صاحب اچھے عہدے پر فائز تھے مگر بعد میں تارک الدنیا ہوگئے تھے۔ اُن کے صاحب زادے حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ حافظ کاظم علی خاں صاحب کے صاحب زادے اور مولانا حسن میاں کے دادا حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں صاحب عظیم عالم باعمل تھے۔ مولانا محمد حسین

علمی جن کا لکھا ہوا خطبۂ علمی آج بھی پاک و ہند کی بیش تر مساجد میں ہر جمعے کو منبروں پر خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، انھیں کے شاگرد تھے۔ حسن میاں کے والد مولانا شاہ حکیم نقی علی خاں صاحب بھی بڑے عالم اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ اُن کے صاحب زادے اور حسن میاں کے بڑے بھائی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ اُن کی علمیت بے نظیر تھی۔ حضرت کے تبحرِ علمی کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً ایک ہزار کتابوں کے مصنف، مرتب، محشی اور مترجم ہیں۔ 'فتاویٰ رضویہ' کی بارہ ضخیم جلدیں ہی تحقیق و علمیت میں کئی مفتیوں کی تمام زندگی کے کام پر بھاری ہیں۔ دونوں بھائیوں کے قلب سے عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ نعت گوئی کو جس بلندی پر ان دونوں بھائیوں نے پہنچایا ہے اُس کو اس وقت تک نقطۂ عروج ہی کہا جائے گا۔ حسن میاں کی ولادت ۲۲؍ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ (۱۸؍نومبر ۱۸۵۹ء) کو اور وفات ۳؍شوال ۱۳۲۶ھ (۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۸ء)[☆۱] کو بعمرِ قریباً ۵۰؍سال قمری و ۴۹؍سال شمسی ہوئی ہے۔ فصیح الملک حضرت نواب مرزا خاں داغ دہلوی سے فنِ شعر میں تلمذ تھا۔ غزلوں کا ایک مختصر مجموعہ 'ساغرِ پُرکیف' کبھی شائع ہوا تھا۔ اب دستیاب نہیں ہوتا۔ 'بہاریہ دیوانِ ثمر فصاحت' (۱۳۱۹ھ) صرف کتب خانوں میں نظر آتا ہے۔ نعتیہ دیوان 'ذوقِ نعت' (۱۳۲۶ھ) تاریخی نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی اب کامل شائع نہیں ہوتا۔ جیبی ایڈیشن میں معتدبہ کلام کم کر دیا گیا ہے۔

نعت کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے۔ یہ غزل، مثنوی، مسدس، مخمس، ترکیب بند اور ترجیع بند حتیٰ کہ مستزاد تک تمام ہیئتوں میں کہی جاسکتی ہے بلکہ کہی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ موزوں ہیئت غزل کی ہے۔ گویا غزل کا جامۂ زیبا اس کے قد موزوں پر بالکل درست آیا ہے۔ دوسرے نمبر پر مخمس اور اس کے بعد ترجیع بند کو پسند کیا جاتا ہے۔ استاد شاعروں نے مثنوی میں بھی نعتیں کہی ہیں، جن میں مولانا محسن کاکوروی کی 'صبحِ تجلی' و 'چراغِ کعبہ' وغیرہ اور 'شاہ نامہ اسلام' میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کے نعتیہ اشعار خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

نعت گوئی ایک مشکل فن ہے۔ اس کی مشکلات کا تذکرہ 'نعت رنگ' کے صفحات پر ہوتا رہا ہے۔ اس لیے تکرار معیوب سمجھتا ہوں لیکن عرض کرنا مناسب ہے کہ انھیں مشکلات کی وجہ سے بعض نعت گو شعرا نعت گوئی کے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو پاتے۔ مگر چوں کہ مولانا حسن رضا عالمِ دین تھے اور عشقِ رسول ﷺ بھی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ اس لیے وہ اس کوچے سے نہایت

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

سلامت روی اور کامیابی کے ساتھ گزر گئے اور ان کے نقوشِ قدم آج بھی رہروانِ راہِ نعت کے لیے رہنما بنے ہوئے ہیں۔ مولانا کی نعت گوئی چند قابلِ لحاظ وجوہ سے اہمیت کی حامل ہے۔

اوّل: یہ کہ یہاں عام میلادناموں کے مصنّفین کی طرح محض چند مضامین کی تکرار نہیں ہے۔

دوم: اپنی نعتوں میں انھوں نے ایسے الفاظ کے استعمال سے بھی گریز کیا ہے جن سے اُن کے ممدوح کی توصیف کا کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے جیسے 'کالی کملی والے'، 'گلہ باں'، 'حلیمہ کے پالے' وغیرہ وغیرہ۔

سوم: یہ کہ عام نعت گو شعرا عموماً اللہ ربّ العزت کو ایسے ناموں سے بھی یاد کر جاتے ہیں جن کا استعمال درست نہیں۔ لیکن مولانا کا علم اُن کو اس قسم کے تمام اغلاط سے بچائے رہا۔

چہارم: نعت گوئی میں ایک عام غلطی یہ ہوجاتی ہے کہ حضورِ پاک ﷺ کا تعلق یا تقابل جب انبیاے ماسبق کے ساتھ دکھایا جاتا ہے تو کہیں کہیں نبی آخرالزماں ﷺ کی توصیف کے پردے میں انبیاے سابقین علیہم السلام کی توہین کا پہلو نمایاں ہوجاتا ہے۔ مولانا نے حتیٰ الامکان اس غلطی سے خود کو بچائے رکھا ہے۔

پنجم: یہ کہ وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط ہیں، مثلاً ایک لفظ 'شیدا' جو عاشق کے معنی میں آتا ہے علماے محتاط کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی قرار پاتا ہے۔ اس لیے مولانا نے اس لفظ کا استعمال اللہ ربّ العزت کے لیے کہیں نہیں کیا بلکہ وہ مجبور ہوکر اس کی جگہ لفظ 'پیارا' استعمال کرتے ہیں جو کانوں کو عجیب اور نامانوس تو لگتا ہے مگر شاعر اور نعت خواں کو شانِ الوہیت میں گستاخی کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ نمونے کے دو شعر نقل ہیں:

حسنِ یوسف پر زلیخا مٹ گئیں آپ پر اللہ پیارا ہوگیا

☆

تیرے صانع سے کوئی پوچھے ترا حسن و جمال خود بنایا اور بنا کر خود ہی پیارا ہوگیا

'ذوقِ نعت' سے ازروے جمل ۱۳۲۶ھ ہاتھ آتا ہے۔ یہی شاعر کا سالِ فوت بھی ہے۔ گویا نعتیہ دیوان کا سالِ طباعت یا سالِ ترتیب اور مصنف کا سالِ فوت ایک ہی ہے۔

'ذوقِ نعت' کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ نعت خوانوں، میلادناموں اور نعت گوئی سے شغف رکھنے والے حضرات میں کافی مقبول ہے۔ کلام کی ترتیب ردیف وار ہوئی ہے۔ 'الف'

سے لے کر 'ی' تک ہر ردیف کی نعتیں دیوان میں موجود ہیں۔

'الف' کی ردیف میں پہلے دو حمدیں شامل کی گئی ہیں۔ اس کے بعد نعتیں شروع ہوجاتی ہیں۔ ردیف کی ترتیب کے مطابق نعت کے علاوہ جو دیگر اصنافِ سخن آتی گئی ہیں وہ بھی نعتوں کے ساتھ ہی شامل ہوتی رہی ہیں۔ جیسے منقبت حضرت خواجہ غریب نواز، مناقبِ خلفاے راشدین، ذکرِ شہادت، منقبت حضرت غوث الاعظم، منقبت حضرت اچھے میاں مارہروی، حاضری حرمین طیبین وغیرہم۔ خاتمہ دیوان کے بعد تین مسدسات ہیں۔ پہلی ذکر معراج شریف میں، دوسری حضرت بڑے پیر صاحب سے طلبِ استمداد میں موسوم باسم تاریخی 'نغمۂ روح' (۱۳۰۹ھ) اور تیسری مناقب حضرت شاہ سیّد بدیع الدین مدار قدس سرہ ہیں۔ پہلی مسدس ترکیب بند میں ہے اور بقیہ دو ترجیع بند میں۔ 'نغمۂ روح' میں جس بیت کی تکرار کی گئی ہے وہ یہ ہے:

روے رحمت بر متاب اے کام جاں از روے من
حرمت روحِ پیمبر یک نظر کن سوے من

اس ترجیع بند میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے بند حروفِ تہجی کے لحاظ سے ردیف وار درج ہوئے ہیں اور 'الف' سے لے کر 'ی' تک کوئی ردیف ایسی نہیں ہے جس میں بند نہ کہا گیا ہو۔ عقیدت واحترام اور ادبیت وشعریت کا حسین امتزاج اس ترجیع بند میں جلوہ گر ہے۔

مسدسات کے بعد ایک سلام (برروحِ نبی) اور کچھ رباعیات ہیں۔ اس کے بعد شاعر کی وقتاً فوقتاً کہی گئی تاریخیں ہیں۔

کتاب کے آخر میں چند مثنویات اور قصاید ہیں۔ اس حصے کا تاریخی نام 'وسائلِ بخشش' ہے جس سے ۱۳۰۹ھ ہاتھ آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب کا یہ حصہ جو آخر میں شامل ہوا ہے۔ دیوان کی طباعت وترتیب سے ۱۷/سال قبل تخلیق یا طبع ہوگیا تھا۔ پہلی تین مثنویات حمدیہ و نعتیہ ہیں۔ جن میں عشق ومحبت کے جذبات کی تیز آنچ کے ساتھ اشہب فکر کی وہ جولانیاں بھی نظر آتی ہیں جو مولانا کو عاشق سے زیادہ شاعر اور شاعر سے زیادہ عاشق ثابت کرتی ہیں اس کے بعد کچھ مختصر مثنویات ہیں، جن میں حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات اور اُن کی کرامات سے متعلق روایات کو نظم کیا گیا ہے۔ بیچ میں ایک منقبتی غزل شامل ہوگئی ہے جو بڑے پیر صاحب کی شان میں ہی ہے۔ ایک مثنوی میں ولادتِ خاتم النّبیین ﷺ شاعرانہ حال اور آخر میں ایک ناتمام مثنوی ہے، جس کا عنوان ہی 'مثنوی ناتمام' ہے۔ حصہ قصاید میں مولانا فضل رسول

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

قادری مجیدی بدایونی کی مدح میں کہا گیا طویل قصیدہ کافی اہم ہے۔ تین نیم ہجویہ قصاید ہیں۔ سب کی ردیف 'باقی' ہے۔ ڈھائی صفحات میں متفرق کلام اور سب کے آخر میں طبع دیوان کی تاریخیں مولانا کا مختصر تعارف اور تاریخِ وفات درج ہے۔

'ذوقِ نعت' کی نعتیں فکر وفن اور جذبہ و تخیل کا حسین امتزاج ہیں۔ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کی تیز آنچ قاری کے دل میں احساس کی گرمی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اپنے ممدوح کی شان ارفع و اعلیٰ کو شاعر نے جس انداز سے اُجاگر کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا دائرہ صرف جذبات حبّ نبی کے حصار میں ہی محصور نہیں ہے بلکہ وہ عمدہ شاعری کا نمونہ بھی ہے۔ اگر 'ذوقِ نعت' کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ مذہبی جذبات کو نظرانداز کر کے صرف ادبیت کو ہی ملحوظ رکھیں تو اُس میں فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی کے اندازِ شاعری کی بھرپور چھوٹ دکھائی دیتی ہے۔ حضرت داغؔ کی شاعری کا اتنا واضح اور نمایاں رنگ اُن کے دوسرے شاگردوں کی شاعری میں نظر نہیں آتا جتنا حسنؔ میاں کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اُن مضامین کو بیان کرتے ہوئے بھی جن کو متقدمین بیان کر گئے ہیں مولانا کی ندرتِ بیان، طرزِ ادا اور تخیل کی بلند پروازی نئے نئے گوشے ڈھونڈ نکالتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نعت میں سیکڑوں نئے مضامین داخل کیے اور عظمتِ مصطفےٰ ﷺ کے اظہار میں سیکڑوں نئے نکات کو اپنے اچھوتے انداز میں بیان کیا۔ مولانا نے بہت سی جگہوں پر اپنے عقاید و نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے عقلی دلائل سے بھی کام لیا ہے۔ اگر قاری کے دل میں ذرا بھی عشقِ رسول ﷺ کی حرارت ہے تو 'ذوقِ نعت' کا مطالعہ اس حرارت کو شعلوں میں تبدیل کر کے روح و ایمان کو تپا کر تازگی اور جلا بخش دیتا ہے۔ اکثر اشعار کی اثر آفرینی سے پڑھنے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ اثر آفرینی تو خیر نعت کی داخلی خصوصیت ہے ہی مگر مولانا کی نعتوں کو دل کش بنانے میں ان کی خلاقِ مضمون کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ انھوں نے سیکڑوں نئے مضامین کو اپنی نعتوں میں جگہ دی اور نہ جانے کتنے نئے نکات جو نظروں سے نہاں تھے اپنے مخصوص انداز میں بیان کیے۔ کچھ اشعار پیش ہیں۔ مضامین کے ساتھ ساتھ طرزِ ادا پر بھی نظر رکھی جائے تو شاعر کی قادرُالکلامی کا لوہا مانے بغیر چارۂ کار نہیں:

صدق نے تجھ میں یہاں تک تو جگہ پائی ہے		کہہ نہیں سکتے اُلٹ کو بھی تو جھوٹا تیرا

اگر قسمت سے میں اُن کی گلی میں خاک ہوجاتا — غمِ کونین کا سارا بکھیڑا پاک ہوجاتا

☆

اور میں کیا لکھوں خدا کی حمد — حمد اُسے وہ خدا ہوا تیرا
مجھ سے کیا لے سکے عدو ایماں — اور وہ بھی دیا ہوا تیرا

☆

ہیں دعائیں سنگِ دشمن کا عوض — اس قدر نرم ایسے، پتھر کا جواب
میں یدِ بیضا کے صدقے اے کلیم — پر کہاں اُن کی کفِ پا کا جواب

☆

قل کہہ کر اپنی بات بھی لب سے ترے سنی — اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

☆

کریں تعظیم میری سنگِ اسود کی طرح مومن — تمھارے در پہ رہ جاؤں جو سنگِ آستاں ہوکر
بے لقائے یار اُن کو چین آجاتا اگر — بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

☆

اُس در کی خاک پر مجھے مرنا پسند ہے — تختِ شہی پہ کس کو نہیں زندگی عزیز

☆

الٰہی دھوپ ہو اُن کی گلی کی — مرے سر کو نہیں ظلِ ہما خوش

☆

تھی جو اُس ذات سے تکمیل فرامیں منظور — رکھی خاتم کے لیے مہرِ نبوت محفوظ

☆

جلوۂ موئے محاسن چہرۂ انور کے گرد — آبنوسی رحل پر رکھا ہے قرآنِ جمال

☆

سفر کر خیالِ رُخِ شہ میں اے جان! — مسافر نکل جا اُجالے اُجالے

☆

منور دل نہیں فیضِ قدومِ شہ سے روضہ ہے — مشبک سینۂ عاشق نہیں روضے کی جالی ہے

☆

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

تیرے محتاج نے پایا ہے وہ شاہانہ مزاج　　　　اُس کی گدڑی کو بھی پیوند ہوں دارائی کے

☆

ہیں تیرے آستاں کے خاک نشیں　　　　تخت پر خاک ڈالنے والے

'ذوقِ نعت' میں حمد و مناقب، ذکرِ شہادت اور قصاید وغیرہ چھوڑ کر کل اُناسی نعتیں ہیں، جن میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ مولانا چھوٹی نعتیں کہنے کے عادی نہیں تھے۔ اُناسی نعتوں میں سے صرف ایک نعت میں چھ شعر، دو میں نو نو شعر، آٹھ میں گیارہ گیارہ شعر ہیں۔ باقی نعتوں میں اشعار کی تعداد ان سے زیادہ ہی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کسی نعت میں اشعار کی تعداد پچاس بلکہ ساٹھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ بیس سے زیادہ شعر بہت سی نعتوں میں ہیں:

دردِ دل کر مجھے عطا یارب
دے مرے درد کی دوا یارب

اس نعت میں پچپن شعر ہیں۔

جاں بہ لب ہوں آ مری جاں الغیاث
ہوتے ہیں کچھ اور ساماں الغیاث

اس نعت میں چھیاسٹھ شعر ہیں۔ اس سے صرف یہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ آسان ردیف اور قافیہ ہونے کے سبب زیادہ شعر نکالنے میں کامیابی ہوئی ہوگی۔ انھوں نے ادق زمینوں میں بھی طویل نعتیں کہی ہیں۔

پُرنور ہے زمانہ صبحِ شبِ ولادت
پردہ اُٹھا ہے کس کا صبحِ شبِ ولادت

میں اکیاون شعر ہیں۔

دشمن ہیں گلے کا ہار آقا
لٹتی ہے مری بہار آقا

میں اکتالیس شعر اور

سر صبحِ ولادت نے گریباں سے نکالا
ظلمت کو ملا عالمِ امکاں سے 'نکالا'

میں پچیس شعر ہیں جو مولانا کی قادرُالکلامی اور ذوقِ نعت گوئی کی بیّن دلیل ہے۔

قدیم شعرا میں غزل کے درمیان قطعہ بند شعر لانے کا خاص رواج تھا۔ مولانا کا رجحان بھی اس طرف پایا جاتا ہے۔ مولانا کی بارہ نعتوں میں قریباً ۱۴ قطعہ بند شعر ملتے ہیں ایک نعت میں جس کا مطلع ہے:

تمھارا نام مصیبت میں جب لیا ہوگا
ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہوگا

دو مطلعوں اور ایک شعر کے بعد قطعہ بند اشعار شروع ہوتے ہیں اور مقطع تک چوبیس اشعار کا ایک ہی قطعہ ہے جس میں قیامت کی پُرہول منظرکشی اور حضور پاک ﷺ کے طفیل گناہ گاروں کو راحت ملنے کا بیان ہے۔ 'ذوقِ نعت' کا یہ سب سے طویل قطعہ ہے، جس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ ادبیت کی ہلکی سی چاشنی بھی موجود ہے۔

'ذوقِ نعت' کے مطالعے سے ایک بات کا اور بھی پتا چلتا ہے وہ یہ کہ امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' (۱۳۲۵ھ) اور 'ذوقِ نعت' میں چار زمینوں میں کہی گئی نعتیں مشترک ہیں۔ خدا جانے کہ یہ نعتیں کسی طرحی نعتیہ مشاعرے کے لیے کہی گئی ہیں یا مولانا نے بغیر کسی التزام کے احتراماً اور تقلیداً کہی ہیں۔ طرحی مشاعروں کے لیے کہے جانے کا کوئی ثبوت ہمارے سامنے نہیں ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ مولانا نے یہ نعتیں کسی طرحی مشاعرے کی طرح پر نہیں کہیں بلکہ اصل مقصود برادر مکرم کی پیروی ہی تھا۔

ہم طرح نعتوں کے مطلعے حسبِ ذیل ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا — 'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
(فاضل بریلوی)

جن و انسان و ملک کو ہے بھروسا تیرا[☆۲] — سرورا! مرجع کل ہے درِ والا تیرا
(حسن میاں)

غم ہوگئے بے شمار آقا — بندہ تیرے نثار آقا
(فاضل بریلوی)

دشمن ہیں گلے کا ہار آقا — لٹتی ہے مری بہار آقا
(حسن میاں)

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزت کا — نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
(فاضل بریلوی)

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

کہوں کیا حال زاہد گلشنِ طیبہ کی نزہت کا　　　کہ ہے خلد بریں چھوٹا سا ٹکڑا میری جنت کا
(حسن میاں)

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے　　　دلِ بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
(فاضل بریلوی)

مرادیں مل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے　　　لبوں پر التجا ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے
(حسن میاں)

ان کے علاوہ دونوں مجموعوں میں کچھ کلام ایسا بھی ہے جس کو ہم زمین تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس کا امکان ضرور ہے کہ نعتیں کہتے وقت حسن میاں کے سامنے یا اُن کے ذہن میں فاضل بریلوی کی نعتوں کی طرحیں موجود تھیں۔ حضرت غوثِ پاک کی مدح میں ایک ہی طرح میں فاضل بریلوی نے چار منقبتیں کہی ہیں۔ حسن میاں نے بھی اس بحر میں منقبت کہی ہے ردیف وہی ہے مگر قافیے بدل گئے ہیں:

۱۔ ترا ذرّہ مہِ کامل ہے یاغوث　　　ترا قطرہ یمِ سائل ہے یاغوث
۲۔ جو تیرا طفل ہے کامل ہے یاغوث　　　طفیلی کا لقب واصل ہے یاغوث
۳۔ بدل یا فرد جو کامل ہے یاغوث　　　ترے ہی در سے مستکمل ہے یاغوث
۴۔ طلب کا منھ تو کس قابل ہے یاغوث　　　مگر تیرا کرم شامل ہے یاغوث
(امام احمد رضا فاضل بریلوی)

پڑے مجھ پر نہ کچھ افتاد یاغوث　　　مدد پر ہو تری امداد یاغوث
(حسن میاں)

دونوں مجموعوں کی دو نعتوں کے ہم طرح ہونے میں ذرا سی کمی رہ گئی حسن میاں نے فاضل بریلوی کی ردیف کو قافیہ بنا لیا ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے　　　مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
(فاضل بریلوی)

نہ مایوس ہو میرے دُکھ درد والے　　　درشہ پہ آ، ہر مرض کی دوا لے
(حسن میاں)

اسی طرح دو نعتوں میں مولانا حسن میاں نے فاضل بریلوی کی ایک نعت کی ردیف

میں خفیف سا فرق کر دیا ہے یعنی آخر میں یاے معروف کے بجائے یائے مجہول لے آئے ہیں۔ بحر اور قوافی وہی ہیں:

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی
(فاضل بریلوی)

۱۔ جانے سے تنگ ہیں قیدی غمِ تنہائی کے صدقے جاؤں میں تری انجمن آرائی کے
۲۔ پردے جس وقت اُٹھیں جلوۂ زیبائی کے وہ نگہبان رہیں چشمِ تمنائی کے
(حسن میاں)

ایک نعت میں بحر بدلی ہوئی ہے مگر ردیف قافیے وہی ہیں۔

سنتے ہیں کہ محشر، میں صرف اُن کی رسائی ہے گر اُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
(فاضل بریلوی)

باغِ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے کیا مدینے پہ فدا ہوکے بہار آئی ہے
(حسن میاں)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے مولانا کو فصیح الملک نواب مرزا داغؔ دہلوی سے تلمذ تھا اور شاید اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ انکشاف حیرت کا باعث ہو کہ داغؔ کے شاگردوں میں کسی نے استاد سے اتنا استفادہ نہیں کیا جتنا مولانا نے کیا۔ وہ ایک مدت تک رام پور میں رہ کر داغؔ دہلوی سے اکتسابِ فیض کرتے رہے لیکن زمانے کی نیرنگی کہیے یا کچھ اور کہ ہمارے مؤرخینِ ادب جب حضرتِ داغؔ کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اُن کے دیگر شاگردوں مثلاً مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر اقبالؔ، جگر مرادآبادی، سیماب اکبرآبادی، نوح ناروی، میر محبوب علی خاں آصف، سائل دہلوی، بے خود دہلوی، بے خود بدایونی، نسیم بھرت پوری اور آغا شاعر دہلوی کا تذکرہ تو کرتے ہیں، مگر حضرت مولانا کا نام بھی فہرست تلامذہ میں نہیں ہوتا۔[☆۳] جب کہ پختگیِ کلام اور استاد کے رنگ کو کامیابی سے برتنے کے سبب مولانا کو بجا طور پر جانشینِ داغؔ کہا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس بے اعتنائی کا سبب دیوانِ غزلیات کا کم یاب ہوجانا ہو۔ مگر ان کا نعتیہ دیوان بھی کسی طرح نظرانداز کیے جانے کے لائق نہیں۔

اس لیے وہ اہم چیز جو حسن میاں کو سابق نعت گویوں پر فوقیت دیتی ہے، اُن کی نعتوں میں ادب کی شیریں چاشنی کا وافر مقدار میں پایا جانا ہے۔ مولانا کی نعتوں میں ادبیت کا صحیح اندازہ

تو دیوان کے مطالعے سے ہی ممکن ہے، لیکن اشعار کے مناسب انتخاب سے بھی اس کی ہلکی سی جھلک مل سکتی ہے۔

مولانا کے نعتیہ اشعار میں ادب العالیہ کی جھلکیاں پورے طور پر اس طرح واضح ہوسکتی ہیں کہ اُن کا ایک مبسوط انتخاب پیش کر دیا جائے، لیکن اس کی گنجائش مضمون میں نہیں نکل سکتی اس لیے ایک مختصر انتخاب پیش کیا جا رہا ہے:

اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے　　اُن کے ابرو نہیں دو قبلوں کی یک جائی ہے

☆

اگر چمکا مقدر خاک پائے رہ رواں ہو کر　　چلیں گے بیٹھتے اُٹھتے غبارِ کارواں ہو کر

☆

دشتِ ایمن ہے سینۂ مومن　　دل میں ہے جلوۂ خیالِ حضور

☆

آسماں گر ترے تلووں کا نظارہ کرتا　　روز اک چاند تصدق میں اُتارا کرتا

☆

وکیل اپنا کیا ہے احمدِ مختار کو میں نے　　نہ کیوں کر پھر رہائی میری منشا ہو عدالت کا

☆

مجھے بھی دیکھنا ہے حوصلہ خورشیدِ محشر کا　　لیے جاؤں گا چھوٹا سا کوئی ذرّہ ترے در کا

☆

جو اک گوشہ چمک جائے تمھارے ذرّۂ در کا　　ابھی منھ دیکھتا رہ جائے آئینہ سکندر کا

☆

کیا مژدۂ جاں بخش سنائے گا قلم آج　　کاغذ پہ جو سو ناز سے رکھتا ہے قدم آج

☆

دشتِ مدینہ کی ہے عجب پُر بہار صبح　　ہر ذرّے کی چمک سے عیاں ہیں ہزار صبح

☆

رنگِ چمن پسند نہ پھولوں کی بو پسند　　صحرائے طیبہ ہے دلِ بلبل کو تو پسند

☆

خوش بوئے دشتِ طیبہ سے بس جائے گر دماغ مہکائے بوئے خلد مرا سر بسر دماغ

☆

طور نے تو خوب دیکھا جلوۂ شانِ جمال اس طرف بھی اک نظر اے برقِ تابانِ جمال

☆

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہے

☆

دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو سینے پہ تسلی کو ترا ہاتھ دھرا ہو

☆

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

☆

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے اُٹھالے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے
تمھارے در کے ٹکڑوں سے پڑا پڑتا ہے اک عالم گزارا سب کا ہوتا ہے اسی محتاج خانے سے

میرا خیال ہے کہ قارئین کو کسی شاعر کے رنگِ شاعری سے متعارف کرانے کے لیے اختصار کے پیشِ نظر اُس کے اشعار کا انتخاب پیش کر دینا ایک ایک شعر کی شرح کرنے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک شاعری میں مضامین و موضوعات کی ادائی کا تعلق ہے ہر صنف کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے۔ اُس کو دوسری صنف کے ساتھ ترازو میں رکھ کر نہیں تولا جاسکتا۔ اگر ہم بعض ادبی خصوصیات کو نعت میں مرثیہ یا مثنوی کے انداز میں دیکھنے کے خواہش مند ہوں تو ہمیں اس میں مایوسی تو ہوگی ہی، ہماری یہ خواہش بھی طفلانہ اور بے جا کہی جائے گی۔ محاکات اور مرقع نگاری جیسی چیزیں اپنے اندر تسلسل رکھنے والی اصنافِ سخن مثنوی، مرثیہ اور نظمِ جدید کے لیے خاص ہیں۔ مگر شاید میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں 'ذوقِ نعت' میں بھی کم ہی سہی موجود ضرور ہیں۔ جہاں تک محاکات کا سوال ہے وہ پیش کردہ کچھ اشعار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مولانا کی نعتیں اپنے ظرف کے مطابق اس سے خالی نہیں مرقع نگاری کا موقع اگرچہ نعتوں میں (کھل کر) نہیں مل سکتا تھا، مگر مولانا نے ذوقِ نعت میں اپنے اس ذوق کا بھی ثبوت دے دیا ہے۔ حضرت بڑے پیر صاحب سے طلبِ استمداد کی نظم 'نغمۂ روح' میں مرقع نگاری کے مواقع پیدا کر

ہی دیے ہیں، مثلاً:

اک جہاں سیرابِ فیضِ ابر ہے اب کی برس
تر نوا ہیں بلبلیں، پڑتا ہے گوشِ گُل میں اس
ہے یہاں کشتِ تمنا خشک و زندانِ قفس
اے سحابِ ابرِ رحمت سوکھے دھانوں پر برس

روے رحمت بر متاب اے کام جاں ازروے من
حرمتِ روے پیمبر یک نظر کن سوے من

فصلِ گل آئی عروسانِ چمن ہیں سبز پوش
شادمانی کا نوا سنجانِ گلشن میں ہے جوش
جو بتوں پر آگیا حسنِ بہارِ گل فروش
ہائے یہ رنگ اور میں یوں دام میں گم کردہ ہوش

روے رحمت بر متاب اے کام جاں ازروے من
حرمتِ روے پیمبر یک نظر کن سوے من

صبحِ صداق کا کنارِ آسماں سے ہے طلوع
ڈھل چکا ہے صورتِ شب حسنِ رُخسارِ شموع
طائروں نے آشیانوں میں کیے نغمے شروع
اور نہیں آنکھوں کو اب تک خوابِ غفلت سے رجوع

روے رحمت بر متاب اے کام جاں ازروے من
حرمتِ روے پیمبر یک نظر کن سوے من

ڈر درندوں کا، اندھیری رات، صحرا ہول ناک
راہ نامعلوم، رعشہ پاؤں میں، لاکھوں مناک
دیکھ کر ابرِ سیہ کو دل ہوا جاتا ہے چاک
آیئے امداد کو ورنہ میں ہوتا ہوں ہلاک

روے رحمت بر متاب اے کام جاں ازروے من
حرمتِ روے پیمبر یک نظر کن سوے من

'ذوقِ نعت' کا دوسرا حصہ 'وسائلِ بخشش' بھی کافی دل کش ہے، جو محاسنِ شعری سے بھرا پڑا ہے، مگر ہمارا مقصد مولانا کی نعتوں پر ایک نظر ڈالنا ہے۔ اس لیے اس خواہش کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ اب تک مولانا کے کافی نعتیہ اشعار پیش کیے جا چکے ہیں، لیکن ایک نعت کے دو شعر سے زیادہ کہیں نہیں نقل ہوئے۔ اس وجہ سے مولانا کی نعتوں کا مکمل ادراک نہیں ہوسکتا۔ دوسرے ایک نعت میں ایک دو شعر کا بہت اچھا ہوجانا اُس کی خوبی کی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے اُن کے رنگِ شاعری کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے کچھ نعتوں کے چھ چھ، سات سات اشعار نقل کیے جاتے ہیں اگر چہ یہ طوالت کا باعث ہوگا، مگر قارئین محظوظ ہوں گے ضرور:

نعت۔۱

معطیِ مطلب تمھارا ہر اشارہ ہوگیا — جب اشارہ ہوگیا مطلب ہمارا ہوگیا

اللہ اللہ محوِ روے حسنِ جاناں کے نصیب — بند کرلیں جس گھڑی آنکھیں نظارہ ہوگیا

یوں تو سب پیدا ہوئے ہیں آپ ہی کے واسطے — قسمت اُس کی ہے جسے کہہ دو ہمارا ہوگیا

تیری طلعت سے زمیں کے ذرّے مہ پارہ بنے — تیری ہیبت سے فلک کا مہ دو پارہ ہوگیا

تو ہی نے تو مصر میں یوسف کو یوسف کر دیا — تو ہی تو یعقوب کی آنکھوں کا تارا ہوگیا

ہم بھکاری کیا، ہماری بھیک کس گنتی میں ہے
تیرے در سے بادشاہوں کا گزارا ہوگیا

نعت۔۲

ہو اگر مدحِ کفِ پا سے منور کاغذ — عارضِ حور کی زینت ہو سراسر کاغذ

صفتِ خارِ مدینہ بھی کروں گل کاری — دفترِ گل کا عنادل سے منگا کر کاغذ

عارضِ پاک کی تعریف ہو جس پرچے پر — سو سیہ نامے اُجالے وہ منور کاغذ

شامِ طیبہ کی تجلی کا کچھ احوال لکھوں — دے بیاضِ سحر اک ایسا منور کاغذ

یادِ محبوب میں کاغذ سے تو دل کم نہ رہے — کہ جدا نقش سے ہوتا نہیں دم بھر کاغذ

ورق مہر اُسے خطِ غلامی لکھ دے
جو ہو وصفِ رُخِ پُرنور سے انور کاغذ

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

نعت۔۳

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر　　سوے جنت کون جائے در تمھارا چھوڑ کر
سرگزشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے　　کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر
خلد کیسا! نفسِ سرکش! جاؤں گا طیبہ کو میں　　بد چلن! ہٹ کر کھڑا ہو! مجھ سے، رستہ چھوڑ کر
ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار　　کیا غرض! کیوں جاؤں جنت کو! مدینہ چھوڑ کر
بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے　　کس کے دامن میں چھپوں! دامن تمھارا چھوڑ کر
حشر میں ایک ایک کا منھ تکتے پھرتے ہیں عدو　　آفتوں میں پھنس گئے، اُن کا سہارا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نعت۔۴

کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں　　لیکن اے دل! فرقت کوئے نبی اچھی نہیں
تیرہ دل کو جلوۂ ماہِ عرب درکار ہے　　چودھویں کے چاند تیری چاندنی اچھی نہیں
اُس گلی سے دُور رہ کر کیا مریں ہم کیا جئیں　　آہ ایسی موت ایسی زندگی اچھی نہیں
اُن کے در کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے　　اُن کے در کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں
خاک اُن کے آستانے کی منگا دے چارہ گر!　　فکر کیا حالت اگر بیمار کی اچھی نہیں

اُن کے در پر موت آ جائے تو جی جاؤں حسنؔ
اُن کے در سے دُور رہ کر زندگی اچھی نہیں

نعت۔۵

نہ کیوں آرائشیں کرتا خدا دنیا کے ساماں میں
تمھیں دولہا بنا کر بھیجنا تھا بزمِ امکاں میں
تمھارا کلمہ پڑھتا اُٹھے تم پہ صدقے ہونے کو
جو پائے پاک سے ٹھوکر لگا دو جسم بے جاں میں
فدائے خار ہائے دشتِ طیبہ پھول جنت کے
یہ وہ کانٹے ہیں جن کو خود جگہ دیں گل رگِ جاں میں

ہر اک کی آرزو ہے پہلے مجھ کو ذبح فرمائیں
تماشا کر رہے ہیں مرنے والے عیدِ قرباں میں
کیا پروانوں کو بلبل نرالی شمع لائے تم
گرے پڑتے تھے جو آتش پہ وہ پہنچے گلستاں میں
اگر دودِ چراغِ بزمِ شہ چھو جائے کاجل سے
شبِ قدرِ تجلّی کا ہو سرمہ چشمِ خوباں میں
یہاں کے سنگ ریزوں کو حسنؔ کیا لعل سے نسبت
یہ اُن کی رہ گزر میں ہیں وہ پتھر ہیں بدخشاں میں

میرا خیال ہے کہ مولانا کے اس قدر کلام کی روشنی میں اُن کے رنگِ شاعری اور قادرُالکلامی کا کچھ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے، تاہم اُن کی نعت گوئی کا مکمل ادراک 'ذوقِ نعت' کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔

حواشی

☆۱۔شمسی تاریخیں ازروے حساب ہیں۔ان میں ایک دن کی غلطی کا خفیف امکان ہے۔(راقم الحروف)

☆۲۔اس طرح میں فاضل بریلوی نے حضرت غوثِ اعظم کی شان میں تین منقبتیں اور حسن میاں نے ایک مطلع درج ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
(فاضل بریلوی)

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا — وصف کیا خاک لکھے، خاک کا پتلا تیرا (حسن)

☆۳۔ایسی ہی بے اعتنائی حضرت داغؔ کے شاگرد منشی فضل رب باغ سنبھلی کے ساتھ بھی روا رکھی گئی اور اس کا بھی اغلب سبب یہی ہے کہ اُن کا دیوان بغیر طبع کے ہی ناپید ہوگیا۔

D:NaatRang-18
File: Sabir
Final

ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی۔ بھارت

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کا تعارف

امام احمد رضا عالمِ اسلام کی اس واحد شخصیت کا نام ہے جس کے فکر و فن، شخصیت و شاعری اور علمی و ادبی خدمات پر سب سے زیادہ پی ایچ۔ ڈی اور ایم فل کے مقالے دنیا کی مختلف یونی ورسٹیز میں قلم بند کیے گئے ہیں۔ایک رپورٹ کے مطابق امام احمد رضا کی شخصیت پر پی ایچ۔ڈی اور ایم فل کے لیے اب تک لکھے گئے مقالوں کی تعداد تیس ہے۔ ماہ نامہ 'معارفِ رضا' شمارہ اگست ۲۰۰۴ء ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے ایک اشتہار کے مطابق اب تک امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ایک شخصیت پر ۱۶/اسکالرز دنیا کی مختلف جامعات میں ڈاکٹریٹ کے مقالے قلم بند کرنے میں مصروف ہیں۔ خود ہندوستان میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے تین جامعات سے ڈاکٹریٹ کے مقالے قلم بند کیے گئے ہیں اور تینوں اسکالروں کو ڈگری بھی دی جاچکی ہے۔ سرِفہرست ڈاکٹر سیّد جمیل الدین جمیؔل راٹھوی، 'اعلیٰ حضرت محمد احمد رضا خاں اور ان کی نعت گوئی' کے عنوان پر، پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع کی نگرانی میں ہری سنگھ گوڑ یونی ورسٹی ساگر، (مدھیا پردیش) سے ۱۹۹۲ء میں پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ دوسرے راقم الحروف نے 'مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری' پر پروفیسر سیّد ابوالحسنات حقی، صدر شعبۂ اردو حلیم مسلم ڈگری کالج خان پور کی نگرانی میں خان پور یونی ورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ قلم بند کر کے ۱۹۹۰ء میں ڈگری حاصل کی۔ تیسرے اسکالر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے 'اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی' کے عنوان سے پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں روہیل کھنڈ یونی ورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

دو ڈاکٹریٹ کے مقالے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر پاکستان کی دو جامعات میں قلم بند کیے جا رہے ہیں۔ پہلا مقالہ سیّد شاہد علی نورانی کا ہے جو 'الشیخ احمد رضا شاعراً عربیاً' کے موضوع پر عربی زبان میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے قلم بند کر رہے ہیں۔ دوسرا مقالہ تنظیم الفردوس کا ہے جو کراچی یونی ورسٹی کراچی سے 'مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کا تاریخی و ادبی جائزہ' کے موضوع پر قلم بند کر چکی ہیں اور انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل چکی ہے۔

میرے خیال میں کسی ایک شخصیت کے صرف ایک موضوع پر پانچ پانچ پی ایچ۔ ڈی کے مقالوں کا لکھا جانا اپنے آپ میں بہت بڑی بات ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ان کے افکار و خیالات، ان کی فکری آگہی، ان کے عشقِ رسول کا جذبۂ بے کراں قابلِ توجہ ہے کہ اتنا سب کچھ لکھا جانے کے باوجود ان کی ذات پر لکھنے اور پڑھنے والوں کو تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ ایک لمحے کے لیے سوچ سکتے ہیں کہ جس کی نعتیہ شاعری پر پانچ پانچ ڈاکٹریٹ کے مقالے مختلف جامعات سے قلم بند کیے جا چکے ہوں اس کی شاعرانہ عظمت پر دنیا کے مختلف اخبار و جراید سے کتنے اسپیشل نمبرز اور خصوصی شمارے شائع نہ ہوئے ہوں گے! اگر ان سب کو یک جا کیا جائے تو ایک بہترین کتب خانہ قائم ہوسکتا ہے اور اگر موضوع اور مضامین کے اعتبار سے جز بندی کی جائے تو امام احمد رضا کی شخصیت کے حوالے سے بہت بڑا کام ہوگا جس سے دنیا کے پڑھے لکھے لوگوں کو اندازہ ہوسکے گا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا علمی و ادبی مقام کیا ہے؟

آنسہ آر بی مظہری صاحبہ نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر اخبار و جراید میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین کا ایک اشاریہ 'امام احمد رضا دنیاے صحافت میں' کے موضوع پر قلم بند کیا تھا جسے مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا تھا جس میں صرف پاک و ہند کے اخبار و جراید ہی کا تذکرہ ہے۔ صرف ایک ماہ نامہ 'صوت الشرق' قاہرہ مصر کا ذکر ہے جب کہ اس عرصے میں دنیاے اسلام کے تمام ممالک میں امام احمد رضا کی شخصیت پر تحریری کام ہوا ہے۔ بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر کام کرنے کے لیے ایک بہترین اسکالر اور کافی سرمایہ اور وقت درکار ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر شائع ہونے والی کتب جو اب تک میرے مطالعے میں آچکی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے جن کا تعارفی جائزہ پیشِ خدمت ہے، ملاحظہ ہو:

ا۔ کلامِ حضرت رضؔا قدس سرہ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ

یہ کتاب مشہور مصنف و مترجم حضرت علامہ شمس الحق شمس بریلوی کی کاوش ہے۔ یہ تحقیقی و ادبی جائزے کے ساتھ کامل حدائقِ بخشش پر مشتمل ہے۔ کلامِ رضا کے ادبی و تحقیقی جائزے کی ضخامت ۲۳۱ر صفحات پر مشتمل ہے اور کامل 'حدائقِ بخشش' حصے کی ضخامت ۳۴۰ر صفحات اس طرح پوری کتاب ۵۵۱ر صفحات کی ہے۔ اس کتاب کو مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی نے جولائی ۱۹۷۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد بھی اشاعت پذیر ہوئی یا نہیں، اس کا علم نہ ہوسکا۔ اس کتاب کو مجھے ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے صدر مرحوم جناب سیّد ریاست علی قادری نے دورانِ تحقیق اعانتی کتب کی شکل میں فراہم کیا جس کے لیے میں ان کا شکرگزار ہوں۔

علامہ شمس بریلوی مرحوم بذاتِ خود ایک عمدہ شاعر تھے۔ اس لیے وہ نغزگوئی کی خوبیوں، اس کی فنی نزاکتوں اور ادبی محاسن سے بخوبی بہرہ ور تھے۔ موصوف نے اپنے اس تحقیقی اور ادبی جائزے میں درج ذیل موضوعات کے تحت حضرت رضا بریلوی کی شاعری کا جائزہ لیا ہے:

۱۔ حضرت رضؔا کے تبحرِ علمی کا اثر ان کی شاعری پر۔
۲۔ حضرت رضؔا کی زبان اور اس کی لطافت و پاکیزگی۔
۳۔ مضمون آفرینی
۴۔ طرزِ ادا کی رنگینی
۵۔ شکوہِ الفاظ اور بندشوں کی چستی۔
۶۔ کلامِ رضا اور علمِ بدیع۔
۸۔ فصاحت و بلاغت اور کلامِ حضرت رضا۔
۹۔ حضرت رضا کی شاعری کا داخلی پہلو۔
۱۰۔ اولیاتِ رضا۔

علامہ شمس بریلوی نے اپنے اس ادبی اور تحقیقی جائزے کے ساتھ 'حدائقِ بخشش کامل' جو حضرت رضؔا بریلوی کی اپنی ترتیب و تدوین ہے۔ حضرت علامہ شمس بریلوی نے 'حدائق بخشش کامل' سے (رضا اکیڈمی ممبئی سے شائع شدہ 'حدائقِ بخشش' حصہ اوّل دوم ۲۰ر صفر المظفر ۱۴۱۸ھ (یکم جولائی ۱۹۹۷ء) کی درج ذیل نعتوں کو خارج کردیا ہے:

۱۔ سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے (حصہ اوّل ص ۱۰۸)

۲۔ دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے (حصہ اوّل، ص۱۲۴)
۳۔ زعکست ماہِ تاباں آفریدند (حصہ دوم، ص۲۳)
۴۔ خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول (حصہ دوم، ص۳۱)
۵۔ اے شافعِ تر داماناں اے چارۂ دردِ نہاں (حصہ دوم، ص۵۵)
۶۔ سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا (حصہ دوم، ص۸۷)
۷۔ لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے (حصہ دوم، ص۹۱)

اور 'حدائقِ بخشش' حصہ سوم سے درج ذیل نعت پاک کو داخل کیا ہے۔ مگر اس خروج و دخول کا سبب کیا ہے اس کو حضرت علامہ شمس بریلوی مرحوم نے کتاب کے مقدمے یا حرفِ آغاز میں کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا۔ جب کہ اس خروج و دخول کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم کو واضح طور پر تحریر فرمانا چاہیے تھا جس سے کہ اربابِ علم و فضل کو معلوم ہوسکے کہ کن وجوہات کی بنا پر مذکورہ نعت پاک کو خارج کیا گیا ہے اور کن وجوہات کی بنا پر حصہ سوم کی درج ذیلِ نعتوں کو داخل کیا گیا ہے:

۱۔ مہر ہے شعلۂ افروز شبستان کس کا (ص۳)
۲۔ گلے سے باہر آ سکتا نہیں شورِ فغاں دل کا (ص۴)
۳۔ جب کہ پیدا شہِ انس و جاں ہوگیا (ص۵)
۴۔ عالم ہمہ صورت بھی اگر جاں ہے تو تُو ہے (قطعہ)، (ص۴۷)
۵۔ کہتا رہا کہ جانبِ عصیاں نہ آئے دل (ص۲۹)
۶۔ خدا تیرا خدا ہے، تُو خدا کا پاک بندہ ہے (قطعہ)، (ص۳)
۷۔ رہا نہ شوق بھی کچھ مجھ کو سیر دیواں کا (قطعہ)، (ص۲۴)

۲۔ تاریخِ نعت گوئی میں حضرت رضؔا بریلوی کا منصب

یہ کتاب معروف ادیب و شاعر جناب شاعر لکھنوی کا ایک گراں قدر مقالہ ہے جسے جناب محمد مرید احمد چشتی نے فرمائش کر کے موصوف سے لکھوایا تھا۔ جناب شاعر لکھنوی کے احوال و کوائف کے بارے میں مذکورہ کتاب میں کچھ بھی نہیں ہے (جب کہ کتاب میں مؤلف و مصنف کے بارے میں ضرور کچھ ہونا چاہیے) اس مقالے کو کتابی شکل میں مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے محرم الحرام ۱۴۰۰ھ (دسمبر ۱۹۷۹ء) میں شائع کیا تھا جو اس کتاب کی دوسری اشاعت ہے۔ پہلی اشاعت رجب المرجب ۱۳۹۷ھ (جولائی ۱۹۷۷ء) میں دو ہزار کی تعداد میں طبع ہوکر تقسیم ہوئی۔

اس کتاب کے شروع میں جناب حضرت سیّد نور محمد قادری صاحب کا ایک تعارفی مضمون ہے اور اس کے بعد جناب راجا رشید محمود کا 'پیش لفظ' اور اس کے بعد کتاب کا آغاز۔ کتاب کا آغاز عربی کے مشہور و معروف نعت گو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر عربی نعت گو شعرا کے کلام سے کیا گیا ہے۔ عربی کی نعتیہ شاعری کی پذیرائی کرتے ہوئے مشہور نعت گو حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ شریف پر اس کو ختم کیا گیا ہے اور پھر فارسی کی نعتیہ شاعری کا ایک تاریخی جائزہ لیتے ہوئے جان محمد قدسی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ نعتِ پاک کے اس شعر پر ختم کردیا گیا ہے:

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اس کے بعد سے شروع ہوتا ہے اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک تاریخی جائزہ جو اس مقالے کی اصل ہے اور اسی لیے عربی، فارسی کی نعتیہ شاعری کا پس منظر تیار کیا گیا ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز ولی دکنی کے اس شعر سے کیا گیا ہے:

یا محمد دوجہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں   خلق کو لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

اور پھر جناب شاعر لکھنوی صاحب اپنے مطمحِ نظر حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری پر آگئے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا یہ سفر کتاب کے ص ۱۰ سے شروع ہوکر ص ۴۰ پر اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ جب کہ یہ پوری کتاب ہی ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

جناب شاعر لکھنوی نے اپنے اس مقالے میں اردو کے ممتاز نعت گو شعرا سے کلامِ احمد رضا کا موازنہ پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی کا کلام ہر اعتبار سے ممتاز و سرخیل ہے۔ شاعر لکھنوی نے اپنے اس مقالے میں نعت گوئی کی حیثیت کا تعین کیا ہے اور اس کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) وہ نعت جو روایت سے چل کر عقیدے پر ختم ہوجاتی ہے۔ (۲) وہ نعت جو عشق سے چل کر ایمان پر ختم ہوتی ہے۔ میرے اپنے خیال میں نعت گوئی کی یہ تقسیم مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر نعت نگار یا نعت گو کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی کا حصول۔ رہی بات نعتیہ کلام میں اثر و تاثیر کی، تو نعت گو شاعر کا عشقِ رسول اور علمی تبحر جتنے پایہ کا ہوگا اس کا نعتیہ کلام اتنا ہی پُرتاثیر ہوگا۔

۳۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری

یہ کتاب ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ کی تصنیف ہے۔ جو کل ۴۸ صفحات کی

ضخامت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ (ماہرِ لغویات) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ نے قلم بند کیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز ملک صاحب نے عربی کی نعتیہ شاعری سے کیا ہے۔ ضمنی طور پر فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وقار اور ان کی عظمت کا تعارف بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ملک صاحب نے ان کی نعتیہ شاعری پر اپنی علمی استعداد کے اعتبار سے خامہ فرسائی کی ہے اور پوری پوری کوشش کی ہے کہ وہ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے نعتیہ افکار و خیالات کو روشن و واضح کرسکیں۔ جس میں وہ اپنے تئیں کامیاب بھی ہیں۔ اس کتاب کی تیسری اشاعت محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں ہوئی۔ اس کو بھی مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت صفر المظفر ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی۔ اس کتاب کے آخر میں جناب ظہور الدین خاں صاحب نے ان تمام تبصروں اور تاثرات کو یک جا کردیا ہے جو اس کتاب کے حوالے سے اخبار و جراید میں اشاعت پزیر ہوئے تھے۔

۴۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر

یہ کتاب جناب سیّد نور محمد قادری صاحب کی تصنیف لطیف ہے۔ اس کتاب کو مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے شائع کیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس کا اصل نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ اس کتاب کی فوٹو کاپی ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے بانی و سابق صدر جناب سیّد ریاست علی قادری مرحوم نے فراہم کیا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

پوری کتاب ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کے دس صفحات کا عکس فراہم نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے ان پر کسی طرح کی رائے نہیں دی جاسکتی۔ اصل کتاب کی شروعات صفحہ ۱۳ سے ہوتی ہے جس میں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کی نعتیہ شاعری اور ان کی علمی عظمت پر مختلف اربابِ علم و فضل کے نکتہ نظر کو جگہ دی گئی ہے۔ صفحہ ۱۵ پر اعلیٰ حضرت کی غزل گوئی کے عنوان سے سرخی قائم کی گئی ہے جس میں اردو کے مشاہیر غزل گو شعرا کے کلام سے امام احمد رضا کے کلام کا موازنہ پیش کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نعت کے میدان میں غزل کی جو آبیاری کی ہے اور اس کو جو پاکیزگی عطا کی ہے وہ اردو کی اور شاعری کے حصے میں نہیں آسکی۔ صفحہ ۲۰ سے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی کو موضوع بنایا گیا ہے جس کے شروع میں نعت

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

کے ایک مشکل صنفِ سخن ہونے کی حیثیت سے اربابِ علم وفضل کے اقوال و اشعار کو نقل کیا گیا ہے۔ ان اقوال و اشعار کی روشنی میں کلامِ امامِ احمد رضا کا کلام بالکل شریعت کی روشنی میں ہے اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے۔ آگے چل کر جناب سیّد نور محمد قادری صاحب نے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کا اختتامیہ ہے۔ اختتامیہ پر حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تین عربی اشعار کو پیش کیا گیا ہے جن کو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے والد ماجد حکیم محمود خاں دہلوی کی وفات کے موقع پر کہا تھا۔ جو آج بھی ان کی قبر کے کتبے پر کندہ ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔ کوئی بھی بات بغیر حوالے کے نہیں کہی گئی۔ جو ایک بہترین کتاب کی علامت ہے۔ اس کتاب میں بیس حوالہ جاتی کتب و رسائل کا ذکر ہے۔

۵۔ عرفانِ رضا

یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان کی امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ادبی شاہکار ہے۔ ڈاکٹر اعوان صاحب ایک دیدہ ور دانش ور ہیں جنھوں نے لندن یونی ورسٹی سے لسانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر اعوان صاحب درجنوں کتابوں کے مصنف اور 'ہندکو' کے بہترین شاعر ہیں۔ ڈاکٹر اعوان صاحب کی اس کتاب کے شروع میں ہندوستانی اشاعتی ادارہ المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ کی جانب سے 'پیش لفظ' ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا تاج محمد مظہر صدیقی صابری خطیب جامع مسجد (یکہ توت شریف' پشاور کے قلم سے ڈاکٹر اعوان صاحب کا ایک مختصر علمی و ادبی تعارف ہے۔

اس کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اوّل بیان اور باب دوم اندازِ بیان۔ اس کتاب میں جن موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ فہرست مضامین کے تحت ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

باب اوّل: بیان

۱۔ عشقِ رسول
۲۔ انتخاب اشعار
۳۔ مدحِ سراپا
۴۔ بیان اسوۂ حسنہ
۵۔ مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا
۶۔ سرزمینِ حبیب
۷۔ دیارِ حبیب
۸۔ کوئے حبیب
۹۔ درِ حبیب
۱۰۔ معجزاتِ رسول
۱۱۔ معراجِ نبوی

باب دوم: اندازِ بیاں

۱۔ اندازِ بیاں کا مقصد
۲۔ رضاؔ کا اندازِ بیاں
۳۔ شکوہِ الفاظ
۴۔ شوخی و بانکپن
۵۔ ترنم
۶۔ تلمیحات
۷۔ قصیدہ معراجیہ شعری محاسن

اس کتاب میں کل ۵۷؍صفحات ہیں۔ اس کو ہندوستان میں المجمع الاسلامی، مبارک پور اعظم گڑھ نے بڑے ہی تزک و اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا سنِ اشاعت ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء درج ہے۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے ایک معتبر نقش کا درجہ رکھتی ہے۔ کسی بھی کتاب کی فہرست مضامین سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں کیا کچھ ہے۔ اس کتاب کو پروفیسر اعوان صاحب نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اندازِ تحریر و تحقیق بڑا ہی دل نشیں ہے۔ اگر کتاب کو کتابیات اور حوالوں سے مرصع کیا گیا ہوتا تو یہ اپنی نوعیت کی بہت ہی معیاری کتاب ہوتی۔

۶۔ امامِ شعر و ادب

یہ کتاب حضرت مولانا وارث جمال بستوی صاحب کی تصنیفِ لطیف ہے۔ اس کتاب کو مولانا محترم نے اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ مولانا محترم اسلامی ادب کے بہترین مصنف ہیں ان کی تحریر کی پہچان ان کی اپنی ظرافت ہے۔ ظرافت کے ساتھ ساتھ تحقیق بھی ان کا اپنا خاصہ ہے۔ جس سے ہر بات اعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ مولانا محترم کی یہ کتاب ۱۳۶؍صفحات پر مشتمل ہے۔ میرے اپنے خیال میں علامہ شمس بریلوی کی کتاب کو چھوڑ کر اب تک جن کتابوں کے تعارف

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

پیش کیے گئے ہیں ان میں یہ ضخیم ترین ہے۔ اس کو حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر سنِ اشاعت ۱۹۷۸ء درج ہے۔ اس کتاب کے شروع میں حق اکیڈمی کے ناظم حضرت علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی کی جانب سے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ 'نوائے حق' کے نام سے ہے جس میں کتاب اور مصنف دونوں کا تعارف بڑے ہی معتبر انداز میں ہے۔ اس کے بعد اپنے زمانے کے مشہور و معروف محقق و مقرر خطیبِ مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کا وقیع مقدمہ ہے۔ حضرت علامہ نظامی علیہ الرحمہ کو میں نے دیکھا تو نہیں مگر ان کی گراں مایہ تحقیقِ انیق 'خون کے آنسو' دو جلدوں کا مطالعہ دورانِ طالب علمی ہی میں کیا تھا اور جبھی سے ان کا علمی وقار میرے دل میں گھر کیے ہوئے ہے۔ میرے اپنے خیال میں اس راہ پر چلنے والے مسافروں میں علامہ کو انفرادیت کا درجہ حاصل ہے۔ دوسرے لوگوں نے آپ ہی سے ذہن وفکر حاصل کر کے اپنے علمی قد اور تصنیفاتی و تالیفاتی وقار کو بڑھایا ہے۔ اس کے بعد مولانا محترم کے معروضات ہیں اور پھر کتاب کا آغاز۔ اس کتاب کا بھی آغاز عربی شاعری سے ہی ہوتا ہے مگر کسی مشہور و معروف نعت گو کے نعتیہ کلام سے نہیں بلکہ ایک اعرابی کے چند عربی اشعار سے۔ اس کے بعد حضرت ابوطالب کے مشہور و معروف قصیدے کا ذکر ہے۔ میرے اپنے خیال میں مولانا محترم نے اس طرح نعت گوئی کی تاریخ میں ایک تجدد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو ان کی افتادِ طبع ہے۔ اس کے بعد عربی کی نعتیہ شاعری کا یہ سلسلہ حسبِ روایت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے درجِ ذیل اشعار پر آکر اختتام پزیر ہو جاتا ہے:

رسول اللہ انت بعثت فینا   کریما رحمة حصنا حصینا
تخوفنی العدی کیدا متینا   اجرنی یااماں الخالفینا

اس کے بعد ایک جھلک فارسی نعت گو شعرا کی ہے۔ نیز مختصراً اردو نعت گو شعرا کا ذکر کر کے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ افکار و خیالات کو واضح فرمانے کی کوشش کی ہے۔ جو اس کتاب کا مقصود بالذات ہے۔ مولانا محترم نے اپنے ادبی شاہ کار سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت رضا بریلوی کو نعت گوئی کے میدان میں سرخیل اور امام کا درجہ حاصل ہے۔

۷۔ کلامِ رضا

یہ کتاب معروف شاعر جناب اصغر حسین نظیر لدھیانوی کا ایک گراں قدر مقالہ ہے۔

محترم محمد مرید احمد چشتی نے مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے زیرِ سایہ شائع ہونے والی کتاب 'جہانِ رضا' کے لیے اپنی ذاتی کوششوں سے قلم بند کردیا تھا۔ جس کی مقبولیت اور افادیت کے پیشِ نظر ہندوستان کے اشاعتی ادارہ المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ نے الگ سے کتابی شکل میں ۱۹۸۲ء میں شائع کیا تھا جس کی ضخامت ۱۰۴ صفحات ہے۔ اس کتاب کے شروع میں پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں ایم اے، پی ایچ۔ ڈی، ڈی لٹ کا ایک دو ورقی مضمون ہے جس کا عنوان ہے 'مولانا احمد رضا خاں کی اردو شاعری' پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں کی شخصیت کے تعارف کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ برصغیر میں نعتیہ شاعری پر لکھے جانے والے پہلے تحقیقی مقالے 'اردو میں نعتیہ شاعری' مقالہ نگار پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق ناگ پوری کی نگرانی فرمائی تھی۔ گویا کہ دانش وروں کے طبقے میں نعتیہ شاعری کی عظمت کا لوہا منوانے کے لیے انھوں نے ہی پیش رفت کی اور اب تو نعتیہ شاعری پر درجنوں ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی کے مقالے قلم بند کیے جاچکے ہیں اور مختلف جامعات میں عالمی سطح پر تحقیق وتفحص کا کام جاری ہے۔ اس کے بعد جناب نظیر لدھیانوی نے اپنے اس مقالے کی سرخی قائم کی: 'حسان الہند مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کا مطالعہ' اس کے بعد ایک فہرست مضامین ہے جس کی تفصیل ہے:

(۱) امام احمد رضا کی پیدائش (۲) شاعری (۳) نعت گوئی (۴) زبان و بیان (۵) مضمون آفرینی (۶) تشبیہ واستعارہ (۷) رعایاتِ لفظی (۸) صنعت مراۃ النظیر (۹) صنعتِ تجنیس (۱۰) صنعتِ ایہام (۱۱) صنعتِ لف ونشر (۱۲) صنعتِ تنسیق الصفات (۱۳) صنعتِ ترصیع (۱۴) صنعتِ تلمیع (۱۵) صنعتِ حسن تعلیل (۱۶) صنعتِ تلمیح (۱۷) آیات و احادیث (۱۸) معجزات (۱۹) صنعتِ واسع الشفتین (۲۰) تجاہلِ عارفانہ (۲۱) صنعتِ مسمط (۲۲) مستزاد (۲۳) مشکل زمینیں (۲۴) مسلسل نعت (۲۵) چھوٹی زمینیں (۲۶) شفاعت ورحمت (۲۷) معراج (۲۸) روی اور قافیہ (۲۹) قصیدۂ نور (۳۰) درود (۳۱) سلام (۳۲) دیگر قصاید (۳۳) مدحِ صدیق (۳۴) مدحِ فاروق (۳۵) وصف اشہبِ تیزگام (۳۶) روافض و خوارج (۳۷) دعا (۳۸) مدحِ علی مرتضٰی (۳۹) مدحِ صحابۂ کرام (۴۰) مدحِ خاتونِ جنت (۴۱) مدحِ صدیقہ (۴۲) قصیدہ در اصطلاحاتِ ہیئت (۴۳) مدینہ طیبہ کا بن (۴۴) رُباعیات (۴۵) فارسی رُباعیات (۴۶) مخمسات (۴۷) فارسی کلام (۴۸) خاتمہ کلام۔

اس کتاب کے آخر میں علامہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب کا ایک مضمون ہے

جو حرفِ ایطا کے حوالے سے ہے اور آخر میں آپ کی کہی ہوئی چند رُباعیات ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں ان تمامی امور سے بحث کی گئی ہے جو ایک اچھی کتاب کا وصف ہوا کرتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت و شاعری کی افہام و تفہیم میں اس کتاب کا ایک روشن مقام ہے۔

۸۔ اقبال و احمد رضا

یہ کتاب معروف نعت گو جناب راجا رشید محمود کی تصنیف ہے۔ موصوف مجلّہ 'حمد و نعت' لاہور کے مدیرِ اعلا ہیں۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے ان کی خدمات قابلِ صد ستایش ہیں۔ یہ کتاب دو مرتبہ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۹ء میں پاکستان سے اور تیسری بار دسمبر ۱۹۸۳ء میں ہندوستان سے اشاعت پذیر ہوچکی ہے۔ ہندوستان میں اس کتاب کو اعجاز بک ڈپو کلکتہ نے شائع کیا۔ یہ کتاب ۱۱۲رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے شروع میں 'ناشر کی باتیں' فہرست مضامین جو درجِ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

(۱) فساد و کفر کے اندھیرے اور نورِ مصطفیٰ (۲) کائنات کے محسن آقا (۳) کاروانِ حیات کے لیے منارۂ نور (۴) قرآن و احادیث میں عشقِ رسول کی اہمیت (۵) توحید و رسالت (۶) عید میلادالنبی اور سالِ ولادتِ اقبال (۷) مدحِ رسول (۸) عشقِ مصطفیٰ اور اقبال و احمد رضا (۹) حسنِ تربیت کا فیضان (۱۰) پیشۂ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو (۱۱) اقبال و احمد رضا کا تعلق (۱۲) محشر میں سرکارِ دوعالم کا سامنا کرنے کا احساس (۱۳) دونوں عشاق کا دربارِ رسول میں مقام (۱۴) کلام میں ارشاداتِ قرآن و احادیث کا عکس (۱۵) اسمِ محمد ﷺ (۱۶) عشقِ مصطفیٰ (۱۷) احترامِ رسول (۱۸) توہینِ رسول (۱۹) عید میلادالنبی (۲۰) نورِ مصطفیٰ (۲۱) 'راز' عبدہ (۲۲) خدا و رسول (۲۳) معراج النبی (۲۴) ختمِ نبوت (۲۵) حیاتُ النبی (۲۶) حاضر و ناظر (۲۷) علمِ غیب (۲۸) سرکار کی قدرت (۲۹) شفیعِ روزِ شمار (۳۰) مدینہ طیبہ میں حاضری کی تمنا (۳۱) قادریت (۳۲) کتابیات (۳۳) تبصرے۔

اس کتاب میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور امامِ عشقِ محبت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے افکار و خیالات اور ان کے نظریۂ عشقِ رسول سے بحث کی گئی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں شاعروں کے دلوں میں عشقِ رسول کوٹ کوٹ کر بھرا تھا جو دونوں شخصیات کے مابین قدرِ مشترک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس

کے آخر میں کتابیات کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان ۶۱ رکتب و رسائل کی فہرست دے دی گئی ہے جن سے اس کی تالیف میں مدد لی گئی۔

۹۔ کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے

یہ کتاب مشہور محقق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ ۱۲۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو الرضا اسلامک اکیڈمی محلّہ جنوبی بریلی شریف نے شائع کیا ہے (جو خود ڈاکٹر عزیزی صاحب کا قائم کردہ اشاعتی ادارہ ہے) اس کی یہ دوسری اشاعت ہے جو ستمبر ۱۹۹۰ء میں ہوئی۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی شخصیت اربابِ علم وفضل میں متعارف۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ ایک عرصے تک ماہ نامہ 'سنی دنیا' بریلی کے مدیر رہ چکے ہیں۔ پاک و ہند کے اکثر و بیش تر رسائل میں ان کے مقالات و مضامین اشاعت پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی 'فاضل بریلوی اور ان کی نعت گوئی' کے عنوان سے پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں روہیل کھنڈ یونی ورسٹی بریلی کے لیے پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ قلم بند کر کے ڈگری بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مزاج میں جدت اور نیا پن بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی اس کتاب میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کو جدید اسلوب میں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں میجر الرضا اسلامک اکیڈمی کا ایک صفحہ مضمون ہے اور اس کے بعد 'تنقیدی زاویے پر دوامۂ نگاہ' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالنفیس (صدر جماعت ذاکرینِ رضائے مصطفیٰ بریلی) کا تعارفی مضمون ہے۔ تصنیف میں درج ذیل موضوعات سے بحث کی گئی ہے:

(۱) واصف شاہِ ہدیٰ امام احمد رضا (۲) امام احمد رضا کی شاعری میں ہندی اور ہندوستانی عناصر (۳) کلامِ رضاؔ میں سائنس اور ریاضی (۴) امام احمد رضا کی شاعری میں رنگ اور روشنی کا تصور (۵) امام احمد رضا اور پیکر تراشی (۶) امام احمد رضا کی شاعری میں طنز اور نشتریت (۷) امام احمد رضا کا قصیدۂ معراجیہ جمالیات اور امیجری (۸) کلامِ رضاؔ کا آہنگ (۹) امام احمد رضا کی علامت نگاری (۱۰) کلامِ رضاؔ اور ضلع جگت۔

اس کتاب میں ماخذ و مراجع کے طور پر جن کتب و رسائل سے مدد لی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) المیزان امام احمد رضا نمبر (۲) جہانِ رضا لاہور (۳) معارفِ رضا کراچی کے

مختلف شمارے (۴) حدائقِ بخشش کا تحقیقی جائزہ (۵) امامِ شعروادب۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کی یہ کتاب عصرِ حاضر کے جدید ماحول میں اربابِ علم و فضل میں امام احمد رضا کی شاعری کو متعارف کروانے میں ایک نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو از سرِ نو ترتیب و تہذیب اور خوب صورت طباعت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

۱۰۔ فنِ شاعری اور حسان الہند

یہ کتاب مشہور اسلامی محقق حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی کی تصنیف و تحقیق ہے۔ اس کی اہمیت کسی یونی ورسٹی کے پروفیسر کی نگرانی میں لکھے جانے والے کسی مقالے سے کم نہیں۔ اس میں حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی نے بعض ایسے امور کی نقاب کشائی فرمائی ہے جس کا ذکر امام احمد رضا کی شخصیت و شاعری پر لکھی جانے والی کتابوں اور مقالات میں نہیں ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی منفرد المثال کتاب ہے۔ ۳۱۷ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو علامہ عبدالستار ہمدانی نے اپنے ہی اشاعتی ادارے مرکزِ اہل سنت پور بندر گجرات سے شائع کیا ہے۔ آغاز میں علامہ ہمدانی نے اس کی وجہِ تالیف بیان کرنے کے لیے ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے اور اس کے بعد اس کتاب پر خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مقدمہ ضلع ایٹہ کے عظیم چشم و چراغ حضرت علامہ آلِ رسول حسنین میاں نظمی برکاتی مدظلہ کی تقریظِ جلیل ہے۔ حضرت نظمی صاحب قبلہ بذاتِ خود ایک بہترین نعت گو اور ایک اعلا ادیب ہیں۔ وہ جو بھی لکھتے ہیں علم و مشاہدہ کی روشنی میں ہوتا ہے اور بہت ہی شستہ لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ ایک حقیقت آگاہ مصنف و ادیب ہیں۔ ان کی تحریر کی دل نشینی کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی نشست میں پورا مضمون پڑھے بغیر دل نہیں مانتا۔ ایک اور تقریظ اسی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ہی کے عظیم چشم و چراغ حضرت علامہ سیّد محمد اشرف برکاتی مدظلہ کی ہے (جو علی گڑھ میں انکم ٹیکس کمشنر کے عہدے پر فائز ہیں) ان کی تحریر کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمے میں پوری کتاب کا آئینہ پیش کر دیتے ہیں اور اس کے بعد ڈاکٹر غلام یحیٰ صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ ہمدرد یونی ورسٹی دہلی کا 'پیش لفظ' ہے اور اس کے بعد کتاب کا باضابطہ آغاز۔ اس فہرستِ موضوعات پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے:

(۱) سبب تصنیف (۲) لوازمات (۳) حسن مطلع (۴) وزن اور بحر (۵) تقطیع (۶) اقسام (۷) حمد اور نعت (۸) حضرت رضاؔ اور نعتیہ شاعری (۹) صنعات فنِ شاعری

(۱۰)صنعتِ استعارہ (۱۱) صنعتِ تشبیہ (۱۲) صنعتِ مبالغہ (۱۳) صنعتِ اقتباس (۱۴) صنعتِ تضاد (۱۵) صنعتِ تلمیح (۱۶) صنعتِ تلمیع (ملمّع) (۱۷) صنعتِ حسنِ تعلیل (۱۸) صنعتِ تجاہلِ عام قافیہ (۱۹) صنعتِ تجنیس کامل (تام) (۲۰) صنعتِ تجنیس ناقص (۲۱) صنعتِ مراعات النظیر (۲۲) صنعتِ ترصیع (۲۳) صنعتِ مقابلہ (۲۴) صنعتِ متزاد (۲۵) صنعتِ لف و نشر (۲۶)صنعتِ تضمین (۲۷) صنعتِ تشبیب (۲۸) صنعتِ مرصع (۲۹) صنعتِ تنسیق الصفات (۳۰)صنعتِ اتصال تربیعی (۳۱) صنعتِ مقلوب مستوی (۳۲) صنعتِ مقلوبِ کل (۳۳)صنعتِ حسنِ طلب (۳۴) صنعتِ ترجیع بند (۳۵) صنعتِ مسمّط (۳۶) صنعتِ عزل الشفتین (۳۷)صنعتِ ایہام (۳۸) خط توام (۳۹) صنعتِ اشتقاق (۴۰) صنعتِ شبہ اشتقاق (۴۱)صنعتِ سیاق الاعداد (۴۲) حضرت رضؔا کے کلام میں محاورات اور کہاوت (۴۳) ہندوستانی رسم و رواج، معاشرہ، سماج، تجارت، شاہی دربار کے طور طریقے اور دیگر معاملاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے امور کا کلامِ رضا میں تذکرہ، (۴۴) حضرت رضا نے فنِ شاعری کس طرح سیکھی (۴۵) حضرت رضؔا بریلوی کو بحیثیت شاعر شہرت کیوں نہیں دی گئی (۴۶) حضرت رضؔا کے ایک شعر پر اعتراض (۴۷) ۱۱۴ علوم وفنون میں حضرت رضؔا کی مہارت اور کلامِ رضؔا میں ان کا استعمال (۴۸) عرض آخری سن لو (۴۹) کلکِ رضؔا کی برقی جولانیاں (۵۰) ایک نظر ادھر بھی۔

حضرت علامہ ہمدانی کی اس کتاب کو اگر غیر جانب داری سے دیکھا جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی امام احمد رضا عربی، فارسی اور اردو شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری کو امام احمد رضا نے وہ سب کچھ دیا جو ان کے متقدمین اور معاصرین نہیں دے سکے۔ جو ان کی خداداد صلاحیت کی آئینہ دار ہے۔ اس طرح امام احمد رضا نے شعر و شاعری کا پیشہ اختیار فرما کر انھوں نے اپنا قد نہیں بلکہ عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری کا سر اونچا کیا اور دنیا کی تمام زبانوں میں ہونے والی شعر و شاعری میں عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری کی سربلندی کا احساس دلا دیا کہ یہ زبانیں بھی دنیا کی تمام زبانوں کے فنی اور ادبی سربلندی کی ہم سر ہیں۔ اس طرح سے یہ کتاب اربابِ علم و فضل میں اپنے وجود کے ساتھ اپنے وقار کا بھی احساس دلاتی ہے۔

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

۱۱۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلویؒ کے قصیدۂ معراجیہ پر ایک تحقیقی مقالہ

یہ کتاب پروفیسر مرزا نظام الدین بیگ جام بنارسی کا ایک تاثراتی تحقیقی مقالہ ہے

۴۰رصفحات پر مشتمل ہے۔ اگر اس کتاب کو اہمیت اور افادیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ کسی عظیم و ضخیم کتاب سے کم نہیں۔ اس لیے کہ موضوعاتی اعتبار سے لکھا جانے والا یہ مقالہ اپنے دامن میں وہ سب کچھ لیے ہوئے ہے جو ایک تحقیقی مقالے میں ہونا چاہیے۔ اس کتاب کو بزمِ اہلِ سنت کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کے شروع میں محترم جناب سیّد وجاہت رسول قادری (صدر ادارۂ تحقیقاتِ احمد رضا کراچی) کا ایک تعارفی مضمون ہے۔ فرماتے ہیں:

عزیز برادرم مرزا نظام الدین بیگ جام بناری جو قومی عجائب گھر میں مخطوطات کے شعبے میں ذمہ دار ہیں اور ادبی ذوق کے باعث علمی گہرائی اور گیرائی بھی رکھتے ہیں، جب احمد رضا کے کلام سے واقف ہوئے تو بے اختیار پکار اُٹھے:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالا حیات تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

'حرفِ آغاز' کے بعد معراجِ نبوی کا پس منظر اور اس کے بعد معراج ناموں کی تاریخ اور پھر اس تناظر میں امام احمد رضا کے قصیدے معراجیہ:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

کی خصوصیات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اگر پورا قصیدہ معراجیہ الگ سے شامل کر دیا گیا ہوتا تو میرے خیال میں اس کی افادیت اور بڑھ جاتی۔

۱۲۔ ارمغانِ رضا

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کے مؤلف ماہرِ لُغویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ہیں جو اپنے تصنیفی و تحقیقی کارناموں کی وجہ سے آپ متعارف ہیں۔ یہ ۳۲رصفحات کی ہے۔ اس کو المختار پبلی کیشنز کراچی نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے شروع میں مؤلف کا 'ابتدائیہ' اور اس کے بعد جناب خضر نوشاہی مدیر شعبہ مخطوطات بیت الحکمت دانش گاہ ہمدرد کراچی کی 'پیش گفتار' اور اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا فارسی زبان میں ایک وقیع مقدمہ ہے۔ اس کتاب میں شروع سے آخر تک فارسی زبان کا ہی استعمال کیا گیا ہے۔ میرے خیال سے یہ کتاب اس لیے فارسی زبان میں ترتیب دی گئی ہے کہ امام احمد رضا کا تعلق خود ملکِ افغانستان سے رہا ہے۔ ان کے آبا و اجداد ملک افغانستان میں صوبہ قندھار کے رہنے والے تھے۔ ارمغانِ رضا کو ملکِ افغانستان، ایران ان دیگر مملکتوں میں امام احمد رضا کو متعارف کرایا جائے جہاں فارسی زبان بولی اور سمجھی جاتی

ہے۔ امام احمد رضا نے فارسی میں نعتیہ کلام کہہ کر اس زبان و ادب کے بھی ارتقائی فروغ میں ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس کتاب میں امام احمد رضا کے ان تمامی کلام کو شامل کردیا گیا ہے جو انھوں نے فارسی میں کہا ہے۔ یہ کتاب فارسی داں طبقے میں امام احمد رضا کی شاعری اور ان کے افکار و خیالات کو متعارف کرانے میں نقشِ اوّل ثابت ہوگی۔

۱۴۔ فقیہِ اسلام بحیثیت عظیم شاعر و ادیب

یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر محمد مجید اللہ قادری کا ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ صاحبِ کتاب جامعہ کراچی میں شعبۂ ارضیات کے استاذ اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے عہدے پر فائز ہیں۔ انھوں نے جامعہ کراچی سے 'تراجم قرآن پاک کے تقابلی موضوع' پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ قلم بند کرکے سند حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری کئی ایک کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا یہ مقالہ کل ۳۲رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا تھا۔اس مقالے میں امام احمد رضا کی شخصیت کا بیک وقت دو پہلوؤں سے تعارف کرایا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ عربی، فارسی اور اردو کے بہترین اور سرخیل نعت گو ہیں اور زبان پر ان کو اس قدر قدرت حاصل ہے کہ اگر کسی نے 'نثر کی جگہ نظم میں استغنا کیا تو آپ نے اس کو نظم ہی میں اس کا جواب مرحمت فرما دیا اور حوالے کا بھی اہتمام فرمایا۔ ادبی حیثیت سے ان کا مقام اتنا سربلند ہے کہ وہ بے ساختہ عربی زبان کو لکھنے، بولنے اور پڑھنے پر قادر ہیں ان کو کہیں کسی طرح کا کوئی تکلف نہیں محسوس ہوتا اور فارسی زبان پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اہلِ زبان ان کے اس کمال پر انگشت بدنداں ہیں۔

۱۴۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری: ایک تحقیقی مقالہ

یہ کتاب راقم الحروف کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کی دوسری جلد ہے اس کی پہلی 'نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا' ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں رضوی کتاب گھر دہلی سے ۱۹۹۷ء اور پاکستان میں فرید بک اسٹال لاہور سے نومبر ۲۰۰۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ اس کتاب میں کل ۳۸۴رصفحات ہیں۔ میری اس کتاب پر ملک و بیرونِ ملک کے اخبار و جرائد مثلاً ماہ نامہ 'نیا دور' لکھنؤ: شمارہ فروری ۱۹۹۹ء، سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام بہار: شمارہ اپریل تا جون ۱۹۹۹ء، ماہ نامہ 'تحریریں' لاہور: شمارہ جولائی ۱۹۹۹ء، مجلّہ 'نعت رنگ' کراچی: شمارہ مارچ

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

۲۰۰۰ء، 'معارفِ رضا' ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، سہ ماہی 'افکارِ رضا' ممبئی، ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور وغیرہم میں وقیع تبصرے اور تذکرے چھپ چکے ہیں، تفصیل کے لیے متذکرہ بالا تبصروں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ امام احمد رضا: ملک سخن کے شاہ

اس کتابچے کو جناب عقیل احمد خاں اکبرآبادی نے ترتیب دیا ہے۔ یہ ۳۰؍صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو مکتبہ نعیمہ دہلی نے جون ۱۹۸۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے شروع میں جناب نوشاد عالم چشتی کا ایک دو صفحے کا مضمون ہے جس کی سرخی ہے 'مؤلف ایک نظر میں' اس کے بعد ڈاکٹر محمد شعیب خاں چشتی مصباحی نعیمی کلینک ثابت گنج اٹاوہ کے قلم سے ایک تاثراتی مضمون ہے جس میں انھوں نے امام احمد رضا کی شاعری کے حوالے سے مختصر مگر ایک جامع اشاریہ کے طور پر وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جس کی تفصیل سیکڑوں صفحات میں کی جاسکتی ہے وہ اپنے اس تاثراتی مضمون میں ایک بات واضح لکھتے ہیں:

ہاں آخر میں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ اکبرآبادی صاحب نے اپنے مقالے میں:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم

والے مقطع کو داغ دہلوی کی جانب منسوب کیا ہے۔ لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ یہ مقطع خود فاضل بریلوی ہی کا ہے۔ داغ صاحب کی طرف غلط منسوب کرکے جھوٹی شہرت دی گئی ہے۔ اس کے بعد جناب عقیل احمد اکبرآبادی کا 'اظہارِ تشکر' ہے جس میں انھوں نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ یہ کتابچہ اوّلاً سلیمان ہال علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی سالانہ میگزین کے لیے لکھا گیا تھا۔ بعد میں احباب کی فرمائش اور پذیرائی پر اس کو مزید تفصیل دے کر کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد کتابچے کی شروعات ہوتی ہے۔ اس مختصر کتابچے میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے نقوش کو نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو حوالوں سے بھی مزین کیا گیا ہے جو کسی اچھی کتاب کی اچھی علامت ہے۔

۱۶۔ غزلیاتِ رضا: انتخاب از حدائقِ بخشش

اس کتاب کو جناب مولانا امجد رضا خاں امجد نے ترتیب دیا ہے۔ مرتب وی کے یونی ورسٹی بہار سے 'امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں' کے موضوع پر پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی

نگرانی میں ریسرچ کر رہے ہیں اور ایک عالمِ دین بھی ہیں۔ انھوں نے اس انتخاب کو پیش کر کے اپنے افتادِ طبع کو پیش کیا ہے جس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جدت ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جناب امجد صاحب کا یہ انتخاب ۱۳۱ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو ادارۂ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا تھا۔ اس انتخاب کے شروع میں 'شرفِ انتساب' کے بعد اس میں شامل نعتیہ غزلوں کی فہرست ہے جس میں ۶۱ر منتخب شدہ نعتیہ غزلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کا 'دعائیہ' ہے اور اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برق صاحب کی 'تقریظ' ہے اور اس کے بعد جناب مولانا امجد رضا خاں صاحب کا 'حرفِ پیشیں' کے تحت ایک وقیع مقدمہ ہے جو کافی مدلل اور معلوماتی ہے۔ اس انتخاب میں 'حدایقِ بخشش' حصہ سوم کی غزلوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس انتخاب کو پیش کر کے مولانا امجد رضا نے یونی ورسٹی اور کالج کے پڑھے لکھے طبقے کی فکر کو امام احمد رضا کی نعتیہ غزلوں کی طرف متوجہ کیا ہے اور ایک طرح سے نالش کی ہے کہ امام احمد رضا کا نعتیہ کلام یقیناً اربابِ علم و فضل کی فکر کا محور بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۱۷۔ انتخابِ حدایقِ بخشش

یہ انتخاب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب عالمِ اسلام کی اس عظیم ہستی کا نام ہے جنھوں نے امام احمد رضا کی علمی وجاہت اور عظمت کو جدید حلقۂ اثر میں متعارف کرایا۔ آج انھیں کی کوششوں کا ثمر ہے کہ لوگ امام احمد رضا کی علمی و ادبی شخصیت کی جانب متوجہ ہو رہے ہیں۔ کسی بھی شاعر کے کلام کا انتخاب پیش کر کے اربابِ علم وفضل کو دعوت دینا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کلام کو بھی اپنی فکری سوچ کا محور بنائیں۔ دوسرے یہ کہ اکثر وبیش تر شعرا کے مجموعہ ہائے کلام یا دواوین ضخیم اور کئی جلدوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لیے دانش ور طبقہ پورے کے پورے مجموعۂ کلام کو اپنی کثرتِ مصروفیات اور قلتِ وقت کی بنا پر ان سب کا مطالعہ نہیں کرسکتا۔ اس صورت میں شاعر کے کلام کا انتخاب اس کے فکر وفن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا یہ انتخاب ۳۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے جسے ۱۹۹۵ء میں سرہند پبلی کیشنز کراچی نے شائع کیا تھا۔ اس انتخاب میں درج ذیل عنوانات قائم کیے گئے ہیں جسے ڈاکٹر صاحب نے 'ترتیب' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

(۱) ابتدائیہ (۲) حضرت رضا بریلوی ایک نظر میں (۳) حضرت رضا بریلوی دانش وروں کی نظر میں۔

☆ جان نثاری وفدا کاری

☆ سرمستی

☆ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ رسالت میں

(۴) انتخابِ حدائقِ بخشش (نعتیہ کلام کا انتخاب)

☆ غزلیات

☆ قصاید

☆ رُباعیات

(۵) آئینۂ حضرت رضا بریلوی

☆ تعارفِ حضرت رضا بریلوی

☆ حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے آئینے میں

(۶) اختتامیہ

(۷) مناجاتِ رضا

۱۸۔ کعبی کی کتاب: سلامِ رضا تضمین وتفہیم اور تجزیے کا تنقیدی جائزہ

مذکورہ کتاب پروفیسر منیرالحق کعبی کی کتاب 'سلامِ رضا تضمین وتفہیم اور تجزیہ' کا ایک تنقیدی جائزہ ہے۔ جسے محققِ عصر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب نے ترتیب دیا ہے۔ پوری کتاب ۱۰۷رصفحات پر مشتمل ہے۔ جسے ادارۂ افکارِ حق بائسی ضلع پورنیہ بہار نے صفرالمظفر ۱۴۱۸ھ میں شائع کیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب ایک لائق و فائق استاد اور ادبی ذوق رکھنے والے عالم دین ہیں۔ تحقیق سے غایت درج دلچسپی رکھتے ہیں۔ اپنے اس تنقیدی جائزے میں انھوں نے پروفیسر کعبی کا زبردست محاسبہ ومحاکمہ کیا ہے۔ چوں کہ اس سے قبل پروفیسر کعبی نے امام احمد رضا کے نعتیہ افکار و خیالات پر شائع ہونے والی چند کتابوں کا محاسبہ اور محاکمہ فرمایا تھا۔ (۱) 'خوانِ رحمت تضمین برسلامِ رضا' از جناب بشیر حسین ناظم (۲) 'حدائقِ بخشش' کامل کا ادبی اور تحقیقی جائزہ نگار علامہ شمس بریلوی (۳) 'شرح سلامِ رضا' شارح حضرت مفتی محمد خاں قادری' (۴) 'انتخاب

حدایقِ بخشش'۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد وغیرہ اور اس محاسباتی اور محاکماتی عمل کو کتابی شکل میں شائع کیا تھا جسے میں لاکھ کوشش کے باوجود پروفیسر کعبی صاحب کی مذکورہ کتاب کو مطالعے کے لیے حاصل نہ کرسکا۔ اگر اصل کتاب ہاتھ میں ہوتی تو اس کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کرتا۔ مگر مذکورہ 'تنقیدی جائزہ' اگرچہ مطالعے کے اعتبار سے بہت مفید ہے مگر جب بھی کوئی مصنف یا مؤلف کوئی تالیف کرتا ہے تو اس کے ذہن میں قارئین کرام کا ایک خاکہ ہوتا ہے، مگر یہ خاکہ قطعاً نہیں ہوتا کہ ہر قاری اس کی تصنیف و تالیف کو کس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کر رہا ہے جو یہ تو جب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی آرا طبع ہوکر منظرِعام پر آتی ہیں۔ مقامِ علم اور میدانِ تحقیق کی کوئی حد نہیں ہے خود قرآن پاک کی زبان میں کل فوق ذی علم علیم فرمایا گیا ہے۔ ہر مصنف و مؤلف کو اپنی بات کہنے کا پورا پورا حق ہے۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے کس شعر کو کس مفہوم میں ادا کیا ہے! یہ تو وہی فرما سکتے ہیں مگر کسی بھی شاعر یا ادیب کے کسی شعر یا فقرے کے مفہوم کے تعین کے لیے ہمارے پاس جو طریقِ کار ہے وہ لغات و محاورات کے معانی و مفاہیم ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے خود بعض شعرا کے شعر کی تشریح فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ جو میں نے شعر کی تشریح کی ہے یا معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں وہ خود شاعر کے ذہن و دماغ میں نہیں رہا ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب کا یہ تنقیدی جائزہ بہت ہی معلوماتی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں جناب مولانا امجد رضا محقق کا ایک مضمون 'حرفے چند' کے عنوان سے ہے جو اس کتاب کا ابتدائیہ قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کے افکار و خیالات۔

۱۹۔ الحقایق فی الحدایق المعروف شرح 'حدایق بخشش'

یہ کتاب مشہور و معروف عالمِ دین حضرت علامہ فیض احمد اویسی مدظلہ کی تصنیف اور کلامِ رضا کی شرح ہے۔ اس کی دو جلدیں (اوّل و دوم) ہی میرے مطالعے میں آسکی ہیں۔ میرے اپنے خیال میں اوّلاً لوگ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کی تشریح و توضیح کی جانب اس لیے متوجہ نہیں ہوئے کہ امام احمد رضا نے جس مفہوم و معانی میں اپنے اشعار کہے ہیں ممکن ہے ہمارا مبلغ علم، ہماری فکر رسا اس حد تک نہ پہنچ سکے اس لیے لوگ کلامِ رضا کی تشریح سے صرفِ نظر برتتے رہے۔ لیکن جب اربابِ علم و فضل نے دیکھا کہ دیگر عظیم شعرا کے کلام کی شروح بڑی سرعت سے منظرعام پر آرہی ہیں تو لوگ کلامِ رضا کی توضیح و تشریح کی جانب بھی متوجہ ہوئے جس کے پیش خیمہ کے طور پر کئی ایک کتابیں شرحِ کلامِ رضا کے موضوع پر منظرِعام پر آگئیں۔ انھیں شروح

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

میں حضرت مفتی غلام یٰسین راز امجدی کی شرح 'وثایقِ بخشش' بھی ہے جسے اوّلیات کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت علامہ فیض احمد اویسی کی اس شرح کی پہلی جلد میں صرف ۵ر نعتوں کی شرح فرمائی گئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
۲۔ واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
۳۔ تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
۴۔ الامان قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا
۵۔ ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا

حضرت علامہ اویسی صاحب کی یہ شرح ۳۶۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کو مکتبہ رفاہِ عام گل برگہ شریف نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے شروع میں حضرت علامہ فیض احمد اویسی کا تحریر کردہ ایک ابتدائیہ بعنوان 'تعارفِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ' کرتے ہیں۔ اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا ایک مقدمہ ہے اور پھر باضابطہ شرح کا آغاز۔

اس کی دوسری جلد ۴۳۲ر صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔ اس جلد کو المختار پبلی کیشنز کراچی نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے شروع میں حضرت علامہ سیّد وجاہت رسول قادری صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کا ابتدائیہ 'حرفِ سخن' کے عنوان سے ہے اور مقدمے کے طور پر مولانا حسن علی رضوی بریلوی کی تحریر ہے جس کا عنوان ہے 'حسن تخیل الحقایق کی افادیت و اہمیت' اس جلد میں کل ۱۱ر نعتوں کی شرح فرمائی گئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ غم ہو گئے بے شمار آقا
۲۔ محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
۳۔ لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
۴۔ لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
۵۔ نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
۶۔ شورِ مہِ نو سن کر، تجھ تک میں دواں آیا
۷۔ خراب حال کیا، دل کو پُر ملال کیا
۸۔ بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
۹۔ نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا
۱۰۔ تاب مرآتِ سحر گردِ بیابانِ عرب
۱۱۔ پھر اُٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب

حضرت علامہ اویسی صاحب کی یہ شرح کافی مفید اور معلومات ہے مگر اس میں تفصیل کچھ زیادہ ہی ہے جو کہ شرح بجائے تغیر کا روپ اختیار کیے ہوئے ہے۔

۲۰۔عرفانِ رضا : در مدح مصطفیٰ

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے ۔اس کے مصنف مشہور اسلامی محقق حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب ہیں۔آپ کی ایک عظیم وضخیم کتاب 'فنِ شاعری اور حسان الہند' کا تذکرہ تفصیلی طور پر ماقبل میں آچکا ہے۔ یہ کتاب امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام کی شرح میں تالیف کی گئی ہے۔لیکن اس میں جدت کے پیشِ نظر ایک نیا طریقہ عمل میں لایا گیا ہے وہ یہ کہ اس کتاب میں فنِ شاعری کی مشہور صنعت،صنعت تجنیس کامل (تام) کے تحت کلامِ رضا سے ۱۳۰/اشعار کا انتخاب کر کے ان کی تفصیلی توضیحات وتشریحات کی گئی ہیں۔ اس کتاب کو علامہ ہمدانی کے نشریاتی ادارہ دارالعلوم غوثِ اعظم پور بندر گجرات کو تقسیم کار اور رضا دارالمطالعہ پوکھریرا سیتا مڑھی بہار کو ناشر کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں ۵۸۲/صفحات ہیں۔ اس جلد کے شروع میں 'عرضِ مصنف' کے تحت حضرت علامہ ہمدانی نے کتاب کی وجہِ تالیف بیان کی ہے اور پھر عرضِ مصنف کے بعد جناب حسنین میاں نظمی سجادہ خانقاہِ مارہرہ مقدسہ کی 'تقریظِ جلیل' ہے اور اس کے بعد جناب مولانا رحمت اللہ صدیقی مدیر'پیغامِ رضا' پوکھریرا سیتا مڑھی بہار کا 'پیش لفظ' ہے اور اس کے بعد پہلی جلد کی شروعات درج ذیل شعر سے کی گئی ہے:

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی　　　چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

اور اس جلد کا اختتامیہ درج ذیل شعر کی توضیح وتشریح پر مبنی ہے:

رسل و ملک پہ درود ہو، وہی جانیں ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روزِ شمار ہے

اس کی دوسری جلد کے ناشر وتقسیم کار وہی ہیں جو اس کی پہلی جلد کے ہیں۔ اس کی دوسری جلد میں ۶۳۰/صفحات ہیں۔ اس جلد میں بھی عرضِ مصنف کے بعد تقریظِ جلیل اور پیش لفظ پہلی جلد کے مذکورہ حضرات کی طرف سے ہے اور اس کے بعد کتاب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل شعر سے شروع ہے:

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو!　　　کرسی سے اونچی کرسی اس پاک گھر کی ہے

اس شعر پر اس کا اختتامیہ ہے:

وہ گُل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل! یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

۲۲۔شرحِ سلامِ رضا

یہ کتاب مشہور عالمِ دین حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ کے درمیان حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور مصنف کے لیے فرماتے ہیں:

> مفتی محمد خان قادری اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رضا و خوشنودی کے بلند ترین مقام تک پہنچائے اور ربّ کائنات حبیب اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں انھیں شرفِ قبولیت نصیب ہو۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فارغ التحصیل جامع مسجد رحمانیہ شادمان لاہور، سمن آباد کے خطیب، حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کے سینئر وائس چیئرمین اور جامعہ اسلامیہ لاہور سمن آباد کے شیخ الجامعہ ہیں۔ (’شرح سلامِ رضا‘، ص۴۳)

اس کتاب کو ہندوستان میں مکتبہ نظامی بھیونڈی نے جولائی ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں کل ۵۶۶ر صفحات ہیں۔ یہ کتاب امام احمد رضا فاضل علیہ الرحمہ کے مشہور زمانہ قصیدہ ’قصیدۂ سلامیہ‘ جو ۱۷۱ر اشعار پر مشتمل ہے یعنی:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کی ایک مکمل شرح ہے۔ جسے مذکورہ قصیدے کی ایک جامع شرح قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں حضرت مفتی صاحب کے تعلیم سے ’اھداء‘، جناب محمد صدیق رضوی الٰہ آبادی کے قلم سے ’ان کے نام‘، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے قلم سے ’تاثرات‘ اور جناب حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی کے قلم سے ’مجددِ اعظم اور ان کا سلامِ معظم‘ وغیرہ تحریریں ہیں اور اس کے بعد فہرستِ مضامین۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب ہی کے قلم سے ’پیش لفظ‘ ہے اور اس کے بعد حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے قلم سے ایک وقیع مقدمہ ہے۔ اس کے بعد سلامِ رضا کی شرح۔ اس قصیدے کی شرح میں حضرت مفتی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے جو اپنے کلام کے تبصرے میں فرمایا ہے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی ہے احکامِ شریعت ملحوظ

اس کو حضرت مفتی صاحب نے اس شرح میں سچ کر دکھایا ہے۔ مذکورہ شرح اور حضرت

امام احمد رضا کا ارشاد پڑھنے کے بعد دونوں کے مابین جو ہم آہنگی اور یکسانیت نظر آتی ہے اس سے دل و روح کو ایک عجیب طرح کی لذت وطمانیت محسوس ہوتی ہے۔

۲۲۔شرح مثنوی ردّ امثالیہ

یہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے مجموعۂ کلام 'حدایقِ بخشش' حصہ دوم کے آخر میں شامل مثنوی 'مثنوی ردامثالیہ' کی شرح ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب لوگ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے لگے، بدعات ومفسدات کا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بولنے لگا۔لوگ کھلے عام تبلیغ کرنے لگے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی نبی پیدا ہوسکتا ہے اور یہاں تک کہ لوگوں نے غلام احمد قادیانی کو لاکر پیش بھی کر دیا تو امام احمد رضا کا قلم حرکت میں آیا اور انھوں نے اردو نظم کی مشہور صنف 'مثنوی' میں اس افسوس ناک اور اندوہ گیں واقعات کو قلم بند فرمایا اور اس کے لیے فارسی زبان کو استعمال کیا۔ چوں کہ امام احمد رضا کی تحریروں میں ان کا زورِ علم اور زورِ قلم واضح طور پر نمایاں ہے ایسی صورت میں اربابِ علم وفضل نے ان کے کلام کی تشریح وتوضیح ناگزیر تصور کی۔

حضرت قاری غلام محی الدین خاں قادری شیری خطیب و ناظم مدرسہ اشاعت الحق ہلاوانی ضلع نینی تال نے امام احمد رضا کی اسی مثنوی کی شرح بڑے نفیس انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اس شرح کو پڑھنے کے بعد امام احمد رضا کا موقف پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کتاب کو حضرت قاری حافظ سخاوت حسین خطیبی شیری نے مدرسہ آستانِ شیری محلّہ منیر خاں پیلی بھیت سے شائع کیا ہے۔اس کتاب پر سنِ اشاعت درج نہیں۔اس کتاب کی شروعات جناب سیّد ریاض الدین کے تعارف سے ہوتی ہے۔ حضرت شارح کے تعارف کے لیے اتنا کافی ہے کہ انھوں نے مصنف 'بہارِ شریعت' حضرت علامہ حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے درسِ حدیث کا شرف حاصل کیا تھا اور امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ سے شرفِ تلمذ ہے۔ اور اس کے بعد نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری کی 'تقریظ' اور اس کے بعد حضرت شارح کی گزارش ہے جو اس مثنوی کی شرح کے بارے میں تحریر ہے۔ یہ پوری شرح ۱۱۲رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے اختتامیہ پر البتہ ۳۰ر جولائی ۱۹۷۸ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کتاب کو ناظم پریس رام پور سے طبع کرا کر تقسیم کیا گیا ہے۔ کلامِ رضا کی شرح کے حوالے سے یہ ایک احسن قدم ہے۔

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

۲۳۔ نو بہار نوازش بحل حدایقِ بخشش

یہ کتاب حضرت مفتی عنایت احمد نعیمی صاحب کی تصنیف لطیف ہے۔ حضرت مفتی صاحب الجامعۃ الغوثیہ عربی کالج اترولہ ضلع گونڈا میں صدرالمدرّسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ الجامعہ الغوثیہ مشرقی شمالی اتر پردیش کا ایک مشہور و معروف دینی ادارہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی یہ تصنیف جس کا پہلا حصہ میرے ہاتھوں میں ہے جون ۱۹۹۲ء میں اشاعت پذیر ہوکر منظرِعام پر آیا۔ اس کتاب کے ناشر حضرت مفتی صاحب کے صاحب زادے عرفان احمد ہیں جنھوں نے اس کو عرفانِ منزل چھپیا اترولہ گونڈا سے شائع کیا ہے۔ 'نو بہار نوازش' کا یہ حصہ ۱۲۹ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے شروع میں حضرت مفتی صاحب کی طرف سے 'شرفِ انتساب'، 'نذرِ خلوص'، اظہارِ تشکر' ہے اور اس کے بعد حضرت مولانا عطا محمد رضوی مصباحی استاذ الجامعۃ الغوثیہ اترولہ گونڈا کی طرف سے 'مصنف اور شارح پر ایک طائرانہ نظر' ہے۔ نیز اس کے بعد ادیب شہیر حضرت علامہ وارث جمال بستوی کے 'تاثرات' اور حضرت علامہ محمد اعظم صاحب ضلع قبلہ مدرّس مظہراسلام بریلی کی جانب سے ایک وقیع مقدمہ تحریر ہے۔ مقدمے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے 'عرضِ حال' تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے اس عظیم کاوش کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب و دیگر احوال بیان کیے ہیں اور اس کے بعد شرح کا باضابطہ آغاز ہے۔ اس شرح میں امام احمد رضا کے مجموعہ کلام 'حدایقِ بخشش' ۳۲ر نعتوں اور منقبتوں کی شرح کی گئی ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی اس کاوش میں جو طریقہ کار استعمال کیا ہے وہ نہایت ہی معقول و مناسب ہے۔ اس میں بے جا طوالت سے گریز ہے۔ یہ بات تو مسلمات سے ہے کہ امام احمد رضا نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی اپنی فکری جولانیاں دکھائی ہیں۔ اس کی شروعات میں حضرت مفتی صاحب نے امام احمد رضا کی مشہور زمانہ نعت پاک:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا　　　'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

کی شرح سے کی ہے اور اس کا اختتامیہ درج ذیل نعت پاک کی شرح پر ہے:

راہِ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں　　　مصطفیٰ ہے مسند ارشاد پر کچھ غم نہیں

۲۴۔ بساتین الغفران۔ الایوان العربی امام احمد رضا بریلوی

یہ عظیم ادبی شاہ کار جامعہ ازہر مصر کے استاذ پروفیسر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ کی جانکاہ کاوش ہے۔ یہ اوّل تا آخر عربی زبان و ادب پر مشتمل ہے۔ محترم پروفیسر حازم صاحب نے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے عربی کلام کو یک جا کر کے آپ کے عربی دیوان کے نام

سے موسوم کرتے ہوئے ایک منفرد المثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ اب تک اربابِ علم وفضل آپ کو اردو یا فارسی نعت گو کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔ اگرچہ ان کا مبلغ علم اپنے معاصرین اور مابعد پر بھاری تھا مگر عربی زبان و ادب میں باقاعدہ آپ کے حوالے سے کوئی ایسی تخلیق یا کاوش نہیں تھی جو کہ عرب دنیا میں اپنے وجود اور عظمت کا لوہا منوا سکے۔ پروفیسر صاحب کی اس کاوش کے بعد اہلِ عرب کو بھی احساس ہوجائے گا کہ ایک ہندی نژاد شاعر کی شاعری اس کا فکر وفن اہلِ عرب کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس عربی دیوان کو رضا اکیڈمی اسٹاک پورٹ انگلینڈ نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا تھا۔ یہ عربی دیوان ۳۵۰ رصفحات کی ضخامت کا ہے۔ اس کے شروع میں محترم پروفیسر حازم صاحب ہی کے قلمِ در افشاں سے امام احمد رضا اور ان کی شاعری کا عربی زبان میں تعارف ہے۔ اس کے بعد مشہور عالمِ دین حضرت علامہ مفتی عبدالحکیم شرف قادری استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے قلم سے ایک وقیع مقدمہ ہے۔ مذکورہ مقدمہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں اس عربی دیوان کی جمع وترتیب کے حوالے سے ان تمامی امور کا ذکر ہے جو کسی بھی کتاب کی جمع وترتیب میں پیش آتے ہیں۔ اس کے بعد امام احمد رضا کی عربی شاعری کا آغاز ہے اس میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے جو بھی عربی کلام کو شامل کیا گیا ہے اس کے شروع میں اس کا تعارف ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کے حوالے سے یہ وہ نقشِ اوّل ہے جسے نقشِ آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے دو درجن کتابوں کے تعارف پیش کیے گئے۔ ان کے علاوہ وہ بھی چند اور کتابیں ہیں جن تک رسائی ہر ممکن کوشش کے باوجود نہیں ہوسکی۔ کچھ اور کتابیں اور یونی ورسٹی کی سطح پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالات بھی ہیں جو ہنوز اشاعت پذیر نہیں ہوسکے ہیں۔ اگر وہ سارے مقالات طبع ہوکر منظرِ عام پر آجائیں تو اس بات کے کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ جس طرح امام احمد رضا کی شاعری ان کا مبلغِ علم اپنے معاصرین، متقدمین اور مابعد کے لوگوں پر بھاری تھا ٹھیک اسی طرح ان کی شاعری بھی متقدمین، معاصرین اور مابعد کے لوگوں میں کوئی جواب نہیں رکھتی۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے سچ ہی فرمایا تھا:

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں نام ہوتے ہوتے ہو ہی جائے گا

D:NaatRang-18
File: Dr. Siraj
Final

مولانا شاہ محمد تبریزی القادری (کراچی)

امام احمد رضاؒ کی ایک نادر الوجود نعت

(اعتراضات کا تحقیقی جائزہ)

نعت گوئی و نعت خوانی نقد عبادت ہے جس کا صلہ دست بہ دست ملتا رہتا ہے۔ اللہ ربِ ذوالجلال نے قرآنِ کریم میں شعرا کے حوالے سے باقاعدہ ایک مکمل سورۃ 'سورۃ الشعرا' نازل فرمائی ہے اور اس میں شاعری کا حکم، شاعری کے قواعد و ضوابط اور اس کے نفع و ضرر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس سورۃ کی تفہیم و تشریح بیان فرمائی اور شعر کی خوبی اور خوب صورتی، شاعر کے مقام و مرتبے اور شعر کے پُر معنی و پُر حکمت ہونے، اس سے حظ اٹھانے، دنیا و آخرت میں شاعری کے روزی و نیکی اور باعثِ عز و ذل اور موجبِ اجر و ثواب بننے کے لیے اصول و راہ نما خطوط متعین فرمائے ہیں۔

اللہ رب ذوالجلال نے قرآن کریم میں شعرا کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں: ایک وہ جو غیر ایمان یافتہ ہیں، یعنی کافر کہ جو اپنی مذموم شاعری کے ذریعے اللہ کے محبوب رسول ﷺ اور اس کے پسندیدہ دین، دینِ حنیف 'اسلام' کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں اور آپ ﷺ کی ہجو میں، آپ کے خلاف، آپ ﷺ کے اہلِ بیتؓ و اطہار صحابہؓ کو اپنے مذموم انشائے فاسدہ اور تخیلاتِ باطلہ سے زک پہنچاتے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے کہ وہ منثور و منظوم، دونوں صورتوں میں رکیک حملے کرتے ہی رہتے ہیں۔

دوم وہ شعرا ہیں جو ایمان یافتہ ہیں لیکن وہ اپنی مسموم و مذموم شاعری کے ذریعے دروغ گوئی، بے سروپا مضامین، لغو تخیلات و بے فیض معمولات کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کے خیال

میں شاعری محض خیال و تصوراتی دنیا میں گھومنے پھرنے اور بالا ہی بالا خواب و خیال میں گم رہنے کا نام ہے۔ ان کے ہاں سوائے ذکر معشوق و مہوش اور اپنی خوابیدہ دنیا میں خود ساختہ و خود تراشیدہ پیکراتی و تصوراتی حسینۂ عالم و معشوقۂ جانم کی جھوٹی تعریفوں، تک بندیوں اور بے جا و فضول اشعار کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ اس کی کئی وجوہ ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ 'یہ اپنے کم زور ایمان کے سبب عشقِ رسولِ خدا ﷺ سے بہت دور اور ان کا قلب نورِ خداوندی و جذبۂ عشق رسالت ﷺ سے بے نور ہے۔ اس کی وجہ ان کی بے عملی و احکامِ شرعیہ سے دُوری ہے۔'

وہ اپنے مذموم و مسموم مضامین و موضوعات کو عملی جامہ پہنانے میں اس قدر غلطاں و پیچاں ہیں کہ انھیں سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان دونوں اقسام کے شعرا کو گندے نالوں میں سرگرداں اور گم راہ فرمایا ہے اور ان کے لیے آخرت میں جہنم کی نوید ہے، جو ان کے لیے بہت ہی بری خبر ہے۔ اس سلسلے میں سورۃ الشعرا کی آیاتِ مبارکہ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں، نیز حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ مبارک ملاحظہ ہو۔

حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یمتلی جوف احدکم قیحاً خیر له من ان یمتلی شعراً۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی (شخص) کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ شعر سے پُر ہو۔

بخاری شریف میں ہی ایک مقام پر حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فی کل لغو یخوضون۔

ترجمہ: شاعر (مذموم و مسموم) ہر لغو (فضول و بے جا) بات میں مغز کھپائی کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر بخاری شریف میں ارشادِ رسول مقبول ﷺ ہے:

ما یکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر حتیٰ یصدہ عن ذکر اللہ والعلم والقرآن (بخاری)

ترجمہ: ہر وہ شاعری ناپسندیدہ ہے، جو انسان پر غالب آجائے، یہاں تک کہ اللہ کی یاد، دینی علوم اور قرآن کریم سے روک دے۔

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

اس حدیثِ کریمہ کی حقانیت و صداقت دیکھیے کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ سے اب تک (تاحال عہدِ حاضر میں) مذکورہ دونوں اقسام کے شعرا کثرت سے آپ ﷺ کے فرمانِ عالیہ کے مطابق پائے گئے ہیں۔ فضولیات و لغویات میں مغز کھپائی، بناوٹ و تصوراتی معشوقوں کی جھوٹی تعریفیں، تارک الصلوٰۃ و صوم، شراب و زنا کے رسیا، شباب و کباب کے شیدائی جس کے بغیر ان کے فضول و جھوٹے اور بناوٹی اشعار ان کے حلق سے باہر نہیں نکلتے۔ ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد، اگر درباری و سرکاری شاعر ہے تو وقت کچھ بہتر گزرا، ورنہ ننگے و بھوکے، فقیر و بے نام و نشاں، گم نام و گم راہ مر کھپ گئے اور اپنے مذموم و مسموم اور مردود خیالات کے سبب قوم کے ایک حصے کو گم راہ کر گئے اور خود نشانِ عبرت بن گئے:

نہ نشانِ مرقد نہ چراغ بر مزار

اللہ ربِ ذوالجلال نے ان دو گروہِ شعرا کے مابین قرآن کریم میں جو تیسرے اقسام کے شعرا کا تذکرہ فرمایا ہے، تو ان کے محمود و مسنون، منزہ و مصفّٰی، عمدہ و پاکیزہ، اعلیٰ و ارفع، مستحسن و مطہرہ خیالات و تصورات، عنوانات و موضوعات کو سراہا ہے اور ممدوحِ رسالت مآب ﷺ کے لیے خوش خبریاں جنت الماویٰ اور جنات النعیم 'خلدین فیھا' کی دی گئی ہیں۔

تعمیری و تخلیقی، اصلاحی و تنظیمی اور حق و صداقت پر مبنی تعبیر و تشریح بیان کرنے والے شعرا کو انعام و اکرام سے نوازا گیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دینِ اسلام کا دفاع کرنے والے اور ان کے لیے حصن حصین بننے والے شعرا کو دنیا و آخرت میں حقیقی خوشی، سچی مسرت اور صداقت پر مشتمل بشارت ہے، ملاحظہ ہو۔

اللہ ربِ ذوالجلال کا فرمان عالی شان ہے:

الاالذین آمنوا و عملوا الصٰلحت و ذکروا اللّٰہ کثیرا و انتصروا من، بعد ما ظلموا۔ (سورۃ الشعرا)

ترجمہ: مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے (نیک) کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا، بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔

بعض کے نورانی و پاکیزہ خیالات کے سبب ہی ان پر شب و روز انوارِ رسالت ﷺ کی بارش ہوتی ہے اور جب وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوتے ہیں تو 'عاشقِ رسول ﷺ' کا اعلیٰ ترین خطاب اور 'اللہ کے محبوب بندے' کا عمدہ ترین لقب پاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک پکے اور سچے عاشقِ

رسول ﷺ، عشقِ رسالت ﷺ کے پروانے اور اللہ کے محبوب و مقبول بندے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلویؒ بھی ہیں، جنھیں اپنے ہی نہیں پرائے بھی، دوست ہی نہیں دشمن بھی، اعلیٰ و افضل القاب و خطاب سے یاد کرتے ہیں اور ان کے اتنا غالی (جذبۂ عشقِ رسالت ﷺ سے معمور) ممدوح بارگاہِ رسالت مآب ﷺ ہونے پر اپنا سر دُھنتے ہیں۔

امام رضا بریلویؒ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، مفسر، محدث، مجتہد، مجدد، مدبر، مفکر، جلیل القدر عالم، فاضل، عظیم المرتبت مفتی، لازوال شاعر (نعت گو)، باکمال ادیب، فقیہ شارح، محقق، مترجم، محشی، بلند پایہ مصنف، مؤلف، صاحبِ بصیرت، سیاست دان، یگانۂ روزگار سائنس دان، پچپن علوم سے زاید پر ماہرانہ و قاہرانہ، فاضلانہ و عاقلانہ دست رس، ایک ہزار سے زاید کتب و رسائل کے مصنف و مؤلف اور اردو، عربی، فارسی، انگریزی، پوربی، ہندی (بھاشا) اور سنسکرت جیسی عالم گیر زبانوں پر عبور رکھنے والے پُر مغز و پُر حکمت شاعر تھے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ جب بندہ اپنے مولا و آقا ﷺ کا ثنا خواں و ثنا گو ہو جاتا ہے تو پھر سارا جہاں اس شخص کا رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ فرمانِ ربِ ذوالجلال ہے کہ 'تم میرا ذکر کرو، میں تمھارا ذکر کروں گا' اور اللہ کے محبوب ﷺ کا ذکر دراصل اس خالقِ کائنات کی صناعی و کاری گری اور اس کی بڑائی و عظمت و احسان کا ذکر ہے جس نے ہمیں اپنے محبوب بندے ﷺ سے نوازا اور اس کی امت بنایا، لہٰذا مقصودِ ذکرِ محبوب ﷺ ہے رضائے رب کے واسطے۔

علمِ سائنس، علمِ حدیث، علمِ فقہ، علمِ تفسیر، علمِ جفر و نجوم، علمِ جبر و مقالہ، علمِ فلسفہ و منطق، علمِ مناظرہ اور علمِ کلام وغیرہ کی طرح ادبی میدان میں بھی امام رضاؒ نے وہ عظیم الشان کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، جو ناقابلِ فراموش اور فہم و دانش سے ماورا ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو ادب میں آپ نے بیش بہا خزینہ یادگار چھوڑا ہے۔ فنِ شعر گوئی ہو یا فنِ عروض، علمِ قوافی ہو یا فنِ تاریخ گوئی، آپ نے ان تمام اصنافِ سخن میں خوب خوب جوہرِ آب دار دکھائے ہیں۔ آپ نے برصغیر ہند و پاک میں نعت گوئی کو اس فن کی معراج تک پہنچا دیا اور 'امامِ نعت گویان' کہلائے۔

امام احمد رضا بریلویؒ ماہر فقیہ و مفتی، مفسر و محدث و مترجم اور مبلغ ہونے کے علاوہ شعر و ادب میں بھی استادانِ وقت سے پیچھے نظر نہیں آتے۔ بقول ڈاکٹر مسعود احمد 'ان کی نثری تخلیقات میں بعض محققانہ ہیں تو بعض متصوفانہ، بعض فلسفیانہ ہیں تو بعض عارفانہ، بعض ادیبانہ اور بعض سہل ممتنع کا اعلیٰ ترین نمونہ اور لاثانی معلوم ہوتی ہیں۔

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

علمائے حرمین شریفین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ امام مسجد حرام کے والد ماجد، عالم جلیل شیخ احمد ابوالخیر میر داد مکی تحریر فرماتے ہیں:

'الحمد للّٰہ علی وجود مثال ھذا الشیخ فانی لم امثلہ فی العلم و الفصاحۃ۔'

ترجمہ: مولانا بریلویؒ جیسے شیخ کے وجود پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، بے شک میں نے علم اور فصاحت میں ان جیسا نہیں دیکھا۔

اسی طرح شیخ عبداللہ دحلان مکی، سیّد مامون البری مدنی، شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مکی، شیخ حامد احمد محمد جدادوی، شیخ عبدالرزاق بن عبدالصمد، شیخ اسعد بن احمد الدھان مکی اور شیخ علی بن حسین مکی اور شیخ موسیٰ علی شامی ازہری مدنی وغیرہم نے بھی مولانا بریلویؒ کی فصاحت کی تعریف کی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نسیم قریشی، ریڈر شعبۂ اردو، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (بھارت) فرماتے ہیں:

'یہ کتنی عظیم سعادت آئی ہے حضرت رضاؒ کے حصے میں کہ مقبولین بارگاہِ الٰہی اور نظر کردگان رسالت پناہی کے اس محبوب زمرے میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ایسا بلند مقام کہ انھیں 'حسان الہند' کے مبارک لقب سے یاد کیے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشق رسول ﷺ اور ان کی وجد آفرین نعت گوئی کے ساتھ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔'

جب کہ خود امام رضاؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیِ طبعِ رضاؔ کی قسم

امام رضاؒ اپنے وجد آفرین مضامین، زبان و بیان کی شائستگی اور پختہ خیالی، وقیع و وسیع موضوعات، متنوع واقعات و حالات کو کوزے میں بند کرنے کے خاص وصف سے متصف تھے۔

اس کے لیے آپ مختلف زبانوں کا سہارا لیتے تھے اور جس زبان کے الفاظ میں یہ کوزہ گری مہیا ہو جاتی، اسے وہیں قید کر لیتے تھے۔ مختلف زبانوں میں تراکیب کا استعمال، الفاظ کی چال سے معانی کی تفہیم کا جال پھیلانے کا فن آپ خوب جانتے تھے اور آپ نے اپنی شاعری میں جا بہ جا اس کا استعمال کیا ہے۔ یہ بات نہ تو آپ کے معاصرین میں اور نہ ہی متقدمین و متاخرین میں اس پیمانے پر نظر آتی ہے۔ یہ آپ کے اعلیٰ مرتبت ذکی الحس ہونے اور اس فن پر مہارت تامہ حاصل ہونے کا بین ثبوت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق اردو زبان میں موضوع نعت پر لکھے گئے اپنے پہلے تحقیقی مقالہ (واضح رہے کہ 'اردو میں نعتیہ شاعری' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا سب سے پہلا مقالہ ڈاکٹر اشفاق نے ہی تحریر کیا تھا اور انھیں ناگپور یونی ورسٹی نے ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی تھی) میں رقم طراز ہیں کہ 'جذبات نگاری اور عقیدت مندی تو ہر شاعر کی نعت میں کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہے لیکن مولانا رضاؔ کی نعت میں یہ چیز زیادہ نمایاں ہے اور توھّب کے ردِعمل کے طور پر ہے۔'

ڈاکٹر اشفاق ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

'مولانا کے تبحر، علمیت، عقیدت، ذکاوت اور کمالِ فن کے شواہد جگہ جگہ موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام اور خواص میں ہر جگہ مولانا کو مقبولیت حاصل ہے اور ان کے نعتیہ قصاید اور غزلیں ملک کے طول وعرض میں ہر جگہ مشہور ہیں۔'

امام احمد رضاؒ کے معاصرین، متقدمین و متاخرین میں مولوی کرامت علی خاں شہیدی (المتوفیٰ ۱۲۵۶ھ بہ/ ۱۸۴۰ء)، حکیم مومن خاں مومنؔ (المتوفیٰ ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء)، مولوی غلام علی امام شہیدؔ (المتوفیٰ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء)، امیر مینائی (المتوفیٰ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) مولوی سیّد محسن کاکوروی (المتوفیٰ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) اور مولانا کفایت علی کافی (المتوفیٰ ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) جیسے استاذ الاساتذہ، ماہرِ فن، کاملِ ہنر 'امام نعت گویان' شامل تھے، لیکن جو اعلیٰ مقام و مرتبہ اور شہرتِ دوام اور قبولیتِ عام امام احمد رضاؒ کو حاصل ہوئی، وہ مقام و مرتبہ، عزت وعظمت، عروج و بلندی اور رفعتِ اعلیٰ فن نعت گوئی میں کوئی اور حاصل نہ کرسکا۔ اس کا سبب اور وجہ خاص ہر ایک نے اپنے محبوب ﷺ سے امام رضاؒ کا حقیقی عشق اور جذبہ صادق بتایا۔

امام رضاؒ کی شاعری قرآن کریم کے تابع تھی، بلکہ عکس قرآن اور شرح احادیثِ نبویہ تھی، جیسا کہ آپ نے ایک مقام پر خود ارشاد فرمایا:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ — بے جا سے ہوں المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی — یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

امام احمد رضاؒ نے اپنی نعت نویسی کے لیے صرف اور صرف قرآن واحادیث رسول ﷺ ہی کو شمعِ راہ بنایا، یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام دیگر شعرا کے مقابلے میں افراط وتفریط، حشو وحذف اور زواید اور دیگر تمام عیوب و نقائص اور خیالات وتفکرات کی بے راہ روی سے پاک و صاف ہے۔

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

امام رضاؒ اپنے قطع مذکور میں فرماتے ہیں:

'میں اپنے نعتیہ کلام سے نہایت ہی محظوظ و مامون و مسرور ہوں، کیوں کہ میرا کلام بہ فضلِ الٰہی ہر بے جا و نازیبا الفاظ و معانی سے پاک ہے، مبرا ہے، منزہ ہے۔ میرے نعتیہ اشعار شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ اس میں ممنوعات و محذوراتِ شرعی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ خلافِ شرع مضامین کیسے آسکتے تھے، جب کہ میں نے قرآنِ عظیم سے نعت گوئی سیکھی ہے اور قرآن حکیم کی نعت فرمائی و مدح نگاری کی شان ہی یہ ہے کہ احکامِ شریعت ملحوظ رہیں اور ایک حرف بھی خلافِ شرع آنے نہ پائے۔'

احکامِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو شخص بھی '**اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول**' کا پیروکار ہوجائے تو اس سے معایب و مصایبِ عالم دُور اور محاسنِ عقبیٰ نزدیک ہوجاتے ہیں۔ وہ شخص نقائص تخیل و تفکر اور نجاستِ قلبی و بدنی سے منزہ و مطہر ہوجاتا ہے اور ایسے شخص کو لوگ 'ولی اللہ'، اللہ کے دوست کے عظیم لقب سے یاد کرتے ہیں۔ امام احمد رضاؒ کا شمار بھی اللہ کے انھیں دوستوں میں ہوتا ہے۔

آپ عشق رسالت مآب ﷺ کے جس مقام و مرتبے پر فائز تھے اور حبِ رسالت مآب ﷺ سے آپ کا صدر جس قدر معمور و منور و معطر تھا، اس کا اندازہ صرف اور صرف اہلِ دل ہی کرسکتے ہیں۔ یہی وہ مقام تھا جس نے آپ کو اس ذاتِ بابرکت کا رطب اللسان بنایا اور ایسا بنایا کہ اس مقام تک تاحال کوئی نہ پہنچ پایا، یہی نہیں بلکہ آپ نے جب شہِ شاہا ﷺ کا شہ پایا تو اس گل زارِ شعری میں دبستان و بوستان کے ایسے ایسے نادر الوجود، نایاب و کمیابِ قطعات سجائے کہ ہر طرف سے ایک ہی شہرہ اٹھا کہ بس:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

امام رضاؒ کو اپنی تمام تر خاکساری و عجز و انکساری کے باوجود صنفِ شاعری میں اپنے فن کا خود بھی احساس تھا اور کوئی بھی ماہرِ فن اس احساس سے عاری نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ نے مذکورہ شعر ارشاد فرمایا نہ کہ فخر و مباح کے بطور۔

بلاشک و شبہ امام رضاؒ رشکِ عنادل شاعر و فصیح بے مثال ہیں، پھر بھی آپ سراپا عجز و

انکسار ہیں اور اپنی ہیچ مدانی کا کس خوب صورتی کے ساتھ اظہار واعتراف کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

کس منہ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں
شاعر ہوں، فصیحِ بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین الوائی، جامعۃ الازہر، قاہرہ (مصر) احمد رضاؒ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> پرانا مقولہ ہے کہ فردِ واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں، تحقیقاتِ علمیہ اور نازک خیالی، لیکن مولانا احمد رضا بریلویؒ نے اس تقلیدی نظریے کے برعکس ثابت کر دکھایا، آپ محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔ (الصوت الشرق، قاہرہ۔ مصر)

امام احمد رضاؒ نے فنِ شاعری میں نت نئے انداز متعارف کرائے اور نت نئے مضامین باندھے ہیں۔ آپ نے نعت گوئی میں ایسی اچھوتی، انوکھی اور یادگار اصناف وصنعات ایجاد کیں، جس نے اس فن پر چار چاند لگا دیئے۔ آپ نے تقریباً تمام ہی اصنافِ سخن کو نعوتِ رسول مقبول ﷺ سے معطر کیا ہے، جس میں غزلیات و قصاید، رباعیات و قطعات و مثنویات، مسدس و مخمس، مستزاد و منظومات، صنعتِ اتصال تربیعی، صنعتِ طباق تضاد، صنعتِ تجنیس، صنعتِ تجنیس زاید، تجنیس مسطرف، تجنیس محرف، تجنیس مماثل، تجنیس مستوفی، صنعتِ اشتقاق، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تلمیح، صنعتِ ترصیع، صنعتِ توشیح، صنعتِ تنسیق الصفات، صنعتِ حسنِ تعلیل، قصیدۂ مرصع، مراعات النظیر، لف ونشر مرتب وغیرمرتب وغیرہم شامل ہیں۔

ندرت آفرینی کا حسین ترین مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے علاوہ امام رضاؒ نے 'صنعتِ ملمع' میں ایک ایسی نعت کہی ہے جو ان کے مجموعۂ نعوت 'حدایق بخشش' کا تاج اور فن نعت کا 'شاہ کار' کہے جانے کے قابل ہے۔

دراصل امام رضاؒ کے تبحرِ علمی اور اس فن پر آپ کے مہارتِ تامہ اور علمِ عروض وقوافی پر آپ کی دست رس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل و بے نظیر ہوتی، عدیم المثال ہونے کے سبب زبان زدخاص وعام ہوتی، اپنے زمانے کی آواز ہوتی اور آپ کے زبان و

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

بیان کی ماہرانہ و قاہرانہ دست رس کا منھ بولتا شاہ کار ہوتی۔ چناں چہ آپ نے 'صنعتِ ملمع' میں ایک ایسی نعت لکھی جو اس سے قبل نہ ان کے متقدمین اور نہ ہی متاخرین نے اور نہ ہی معاصرین اس کی نظیر پیش کر سکے۔ یہ نعت حسن و خوبی کا مرقع ہی نہیں بلکہ سلاست و روانی کا مرقع بھی ہے اور سادگی و بے ساختگی اس نعت کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ سے جھلکتی ہے۔

افتخار اعظمی نے 'ارمغانِ حرم' کے مقدمے میں فاضل بریلویؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے، اسی لیے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف کم توجہ دی گئی۔ حالاں کہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ انھیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چوں کہ رسولِ پاک ﷺ سے انھیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لیے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔

یہ تمام کچھ لکھنے کے بعد مولانا اشرفی لکھتے ہیں:

> حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری تخلیقی صلاحیت اور جدت طرازی سے آراستہ ہے ان کی اس نعت کا چرچا آج بھی ہر سمت ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:
>
> لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
> جگ راج کو تاج تو رے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

لیکن اس کے بعد جناب اشرفی اپنی تضاد بیانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام احمد رضاؒ کی اس نادر الوجود شاہ کار نعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس نعت میں عربی، فارسی اور ہندی کی اردو کے ساتھ آمیزش تو نعتیہ شاعری میں نادر الوجود نہیں کہی جاسکتی، لیکن ہاں اس کی 'لسانیاتی تکنیک میں آمیزش و آہنگ ہے، جو سلاست و روانی ہے، اس کی لطافت اور دل نشینی کی بازگشت سے آج بھی اردو کی نعتیہ شاعری محروم ہے۔

شاعری وارداتِ قلب کے آراستہ اظہار سے عبارت ہے۔

یہاں پر مولانا اشرفی کا یہ اعتراض اس لیے بے جا ہے کہ انھوں نے کوئی ایسی مثال یا نظیر اس نعتِ رضاؒ کے بالمقابل پیش نہیں کی، جسے وہ 'نادر الوجود' سمجھتے ہیں یا جو نعت ان کی نظر میں اس درجہ ومرتبہ اور مقام کی مستحق ہے، اس کا ہی ذکر فرما دیتے۔

مولانا موصوف کو یہ علم ہونا چاہیے کہ نادر الوجودیت کا درجہ کوئی چیز اسی وقت پاتی ہے، خصوصاً تحریر یا تخلیق کہ اس میں کوئی نیا پن ہو اور اس کے خالق یا مصنف سے قبل یا مابعد (اس کے عہد تک) کوئی دوسری نظیر مقابل نہ آجائے۔ امام رضاؒ کا یہ اعزاز تاحال برقرار ہے کہ اب تک ایسا کوئی دوسرا شاہ کار وجود میں نہیں آیا ہے کہ جو اپنی زبان و بیان، لسانی ساخت (بہ قول مولانا موصوف، لسانی تکنیک) اور بہ یک وقت چار زبانوں کا مجموعہ ہو۔ اصل میں اس نعت کی خوبی ہی یہ ہے کہ اس نعت میں جو الفاظ استعمال کیے گئے اور جن جن زبانوں کے الفاظ ہیں وہ تقریباً ہم معنی و ہم مفہوم ہیں اور زبانوں کی یہی آمیزش 'لسانی تکنیک' ہی اس نعت کے نادر الوجود ہونے کا سبب ہے اور زبانوں کی اس آمیزش ہی نے اس نعت میں لطافت و دل نشینی اور سلاست و روانی پیدا کی ہے۔ اگر عربی، فارسی اور ہندی کی آمیزش اردو کے ساتھ نادر الوجودیت کا درجہ نہیں پاتی تو کیا مولانا موصوف فارسی کے امام الشعرا حضرت حافظ شیرازی (المتوفی ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء) کے اس شاہ کار قطعہ کی کوئی دوسری مثال عربی و فارسی شاعری میں پیش کر سکتے ہیں، جسے ان زبانوں میں نادر الوجود قطعہ کا درجہ حاصل ہے:

یاصاحب الجمال و یا سیّد البشر　　من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

ترجمہ: اے صاحب حسن و جمال و کمال اور اے بنی نوع انسانوں کے سردار، آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ پُر رونق و چمک دار اور روشن تر ہے۔ آپ ﷺ کی تعریف کرنا، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعریف کا حق ہے، ہمارے اختیار و بس سے باہر ہے، اس کے لیے بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے، اختصار و احتیاط کے ساتھ کہ، اللہ رب ذوالجلال کے بعد اگر کوئی ہستی ذکر و فکر کے قابل ہے تو وہ صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ و مطہرہ ہے۔ (تبریزی)

حضرت حافظ شیرازی اور امام رضاؒ میں قدر مشترک بات یہ ہے کہ ان دونوں نے اپنی نعت گوئی کا منبع و سرچشمہ قرآن کریم کو قرار دیا ہے۔ حافظ نے اپنا یہ تخلص اختیار ہی اس لیے کیا کہ ان کا سینہ قرآن کا خزینہ تھا۔ انھوں نے تفسیرِ قرآن، حفظِ قرآن اور حکمتِ قرآن کی تعلیم سے خود کو آراستہ کرنے کے بعد فرمایا کہ:

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

میرے کلام میں جو تاثیر و حلاوت اور شیرینی و طراوت پائی جاتی ہے، اس کا

سبب صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

ندیدم خوش تر از شعر تو حافظ　　　بقرآنی کہ تو در سینہ داری

شاید مولانا اشرفی کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہے کہ 'صنعتِ ملمع' فن شاعری میں، صنفِ نعت گوئی میں کہتے ہی اس عمل کو ہیں جس میں نعت کا یا غزل کا ایک مصرع یا شعر عربی زبان کا ہو اور دوسرا مصرع یا شعر فارسی زبان کا ہو یا کسی دوسری زبان کے دو مختلف مصرعے یا اشعار ہوں۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بیس اشعار ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اس صنف میں پاک و ہند کے عظیم المرتبت عالم باعمل، اردو زبان کے پہلے شاعر اور صاحبِ طریقت صوفی باصفا امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) کے پاک و ہند کے فارسی زبان کے دوسرے بڑے شاعر، عالم، فاضل، ملک الشعرا، ابوالفیض فیضی (المتوفی ۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵ء) کی نعت کے چند اشعار، جو عربی و فارسی زبانوں کا حسین امتزاج ہیں:

اتانی رسول و اعطی الرسائل　　　لقد سر قلبی بتلک الوسائل

چہ نقش بدیعست کز پردہ سرزد　　　زہے حسن قول و زہے لطفِ قائل

بنامِ زہے کعبۂ پاک بازاں　　　کہ دل ہاے پاکاں سوے اوست مائل

علی المراتب سنی المناقب　　　حری والمحامد رضی الشمائل

اسی طرح فارسی زبان کے استاذ الشعراء قاآنی شیرازی (حکیم مرزا حبیب اللہ، المتوفی ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء) کی نعت کے یہ اشعار صنعتِ ملمع میں عربی، فارسی زبان کی آمیزش کا بہترین نمونہ ہیں:

سرورِ عالم ابوالقاسم محمد آں کہ چرخ　　　باوجودِ او بود چوں ذرہ پیش آفتاب

الذی ردت الیہ الشمس وانشق القمر　　　کان امیا ولکن عندہ ام الکتاب

والذی فی کفہ الکفار لما ابصروا　　　کلم الحصباء وقالوا انہ شئی عجاب

رہنماے ہر دو عالم آنکہ در یک چشم زد　　　برگزشت از چار حد وہفت خط وشش حجاب

اسی ضمن میں معروف شاعر امجد حیدرآبادی (احمد حسین، المتوفی ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) کی یہ خوب صورت نعت بھی ملاحظہ فرمایئے، جو اس صنف میں اردو و عربی زبانوں کا حسین اتصال ہے۔ انھوں نے حضرت امام زین العابدین بن حسینؓ کی نعت سے اپنی نعت کا خمیر اٹھایا ہے:

فرقت میں جاں برباد ہے آیا ہے اب آنکھوں میں دَم
جا کر سنائے کون انھیں افسانۂ بیمار غم
پیغام بر ملتا نہیں، بے چارہ و بے کس ہیں ہم

ان نلت یا ریح الصبا یوما الیٰ ارض الحرم

ترجمہ: (اے بادِ صبا اگر تیرا گزر سرزمینِ حرم تک ہو)

بلغ سلامی روضة فیه النبی المحترم

ترجمہ: (تو میرا سلام اس روضے تک پہنچا جس میں نبی محترم ﷺ تشریف فرما ہیں)

کیا شکل کھینچی واہ وا، قرباں ترے دستِ قضا
پڑھتے ہیں جو دیکھ کر حور و ملک صل علیٰ
کیا رنگ ہے کیا روپ ہے کیا حسن ہے نامِ خدا

من وجهه شمس الضحی من خده بدر الدجیٰ

ترجمہ: (وہ جن کا چہرۂ انور مہر نیم روز ہے اور جن کے رخسار تاباں ماہِ کامل ہیں)

من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

ترجمہ: (جن کی ذات نورِ ہدایت ہے، جن کی ہتھیلی سخاوت میں دریا ہے)

کیا پوچھتے ہو ہم دمو! مجھ سے محبت کا مزا
دل چاک ہے ٹکڑے جگر، تن زخمیِ تیغ جفا
سننا دہانِ زخم سے رہ رہ کے آتی ہے صدا

اکبا دنا مجروحة من سیف هجر المصطفیٰ

ترجمہ: (ہمارے جگر زخمی ہیں فراقِ مصطفیٰ ﷺ کی تلوار سے)

طوبیٰ الاهل بلده فیه النبی المحترم

ترجمہ: (خوش نصیبی اس شہر کے لوگوں کی ہے جس میں نبی محتشم ہیں)

پیراہنِ دل چاک ہے، ٹکڑے ہے جیب و آستیں
جینے سے جی بیزار ہے، ہونٹوں پہ ہے جانِ حزیں
اچھے مسیحا! بے رخی بیمار سے اچھی نہیں

یا رحمة للعالمین ادرک لزین العابدین

ترجمہ: (اے رحمتِ عالم ﷺ زین العابدین کو سنبھالیے)

محبوس اید الظالمین فی الموکب والمزدحم

ترجمہ: (وہ ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار حیرانی و پریشانی میں ہے)

اس ضمن میں معروف شاعر غلام محمد ایرانی سربازی کی نعت کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

یاالٰہی کن دعاء ایں غلام — مستجاب از برکت خیر الانام
رب ھب لی من لدنک رحمۃ — رب زدنی من لدنک حکمۃ

فارسی زبان کے معروف نعت گو شاعر، استاذ الشعراء اور امیر الشعرا جان محمد قدسیؔ نے صنعتِ ملمع میں عربی و فارسی زبانوں کی آمیزش سے ایک ایسی شاہ کار نادر الوجود نعت تخلیق کی جو اپنے زبان و بیان کی لطافت، چاشنی و شیرینی کی حلاوت، ترنم و نغمگی، سلاست و روانی اور شستگی و شایستگی کا حسین مرصع و مرقع ہے۔ ملاحظہ ہو اس کے چند اشعار:

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
چشمِ رحمت بکشا سوے من انداز نظر — اے قریشی لقبی ہاشمی و مطّلبی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی — آمدہ سوئے تو قدسی پےِ درماں طلبی

جناب اشرفی صاحب تو عربی، فارسی، ہندی، اردو کی آمیزش کو قبول نہیں کر رہے، آیئے عربی، پنجابی زبانوں کی آمیزش سے پُر ایک خوب صورت نعت کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

سبحان اللّٰہ ما اجملک ما احسنک ما اکملک
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

(پیر سیّد مہر علی شاہ، گولڑوی۔ المتوفی ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء)

اسی طرح محمد اسماعیل ذبیحؔ نے گوجری اور عربی زبانوں کی آمیزش سے ایک خوب صورت نعت تخلیق کی ہے، ملاحظہ ہو:

محمد ہے سارا جہاں کو امام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
ہے اسلام کو سو ہو جس کو نظام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
وہ خیر الخلائق تے خیر الانام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
جمیل المناقب رفیع المقام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
وہ جس پر پڑھے خلق ہر صبح و شام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

وہ جھیڑو خلاتیں ہو وَ کلام علیه الصلوٰۃ علیه السلام
بصد ادب و عزت بصد احترام علیه الصلوٰۃ علیه السلام
خدا کی ہوئے رحمت اس پر تمام علیه الصلوٰۃ علیه السلام
ذبیح کی طرف نہیں ہوئے صبح و شام
علیه الصلوٰۃ علیه السلام

صنعتِ ملمع مکشوف اور صنعتِ ملمع محجوب میں امام احمد رضاؒ کی نعوت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جو ان کے فن شاعری اور اس فن پر مکمل دسترس کا بین اور واضح ثبوت ہیں۔ امام رضاؒ جب پہلی مرتبہ حج بیت اللہ و زیارتِ روضۂ رسول اللہ ﷺ کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے 'حاضری بارگاہِ بہیں جاہ، وصل اوّل رنگ علمی 'حضور جاں نو' ۱۳۲۴ھ کے عنوان سے ایک نعتیہ نظم کہی جس میں آپ نے حضور ﷺ کی ایک حدیثِ مبارکہ 'جس نے میرے مزار مبارک (قبر) کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی' کو نہایت ہی خوب صورتی سے اپنے شعر میں بیان فرمایا ہے:

من زار تربتی وجبت له شفاعتی ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

امام رضاؒ نے اس فن ملمع میں جوہر الوجود کا اظہار فرماتے ہوئے اس فن میں ایک ایسی نعت کہی ہے جس کے مطلع کا مصرع اوّل اور مقطع کا مصرع ثانی ہم معنی و ہم مفہوم ایک ہی ہے۔ یعنی ابتدائی و انتہائی مصرعے ایک ہیں، جب کہ مطلع کا مصرع ثانی اور مقطع کا مصرع اوّل فارسی زبان میں ہے۔ عربی زبان کا مصرع امام رضاؒ نے حافظ شیرازی سے مستعار لیا ہے، واضح رہے کہ اس نعت میں حافظؔ کے مصرعوں پر امام رضاؒ نے اسی معنی و مفہوم اور ردیف و قوافی پر اپنے مصرعے جمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مطلع الا یایها الساقی ادرکأسا و ناولها
کہ بریادِ شہِ کوثر نہا سازیم محفل ہا
مقطع رضائے مست جامِ عشق ساغر باز مے خواہد
الا یاایها الساقی ادرکأساونا ولها

یہ مثال اس لحاظ سے نادر الوجود ہے کہ اس کی کوئی دوسری نظیر پیشِ نظر نہیں ہے۔ اسی نعت کا ایک شعر اور ملاحظہ ہو:

در ایں جلوت بیا از راہِ خلوت تا خدایابی متی ما تلق من تهویٰ دع الدنیا وامهلها

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

امام احمد رضاؒ کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہﷺ کو قالب اشعار میں پرونے پر ملکہ حاصل تھا۔ آپ عربی و فارسی اور اردو و ہندی میں اس طرح ان کو سمو لیتے تھے کہ اس سے نہ صرف اشعار کے حسن وصور میں اضافہ ہوجاتا ہے بلکہ ان کی روانی و شگفتگی میں بھی تابانی آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی نعت کا یہ شعر:

سوف یعطیک ربک فترضیٰ　　　حق نمودت چہ پا سداریہا

استعانت از سرکار غوثیتؒ میں امام رضاؒ فرماتے ہیں:

عزوما قاتلا عند القتالِ　　　مدد کو آ دمِ بسمل ہے یاغوثؒ

اسی طرح امام رضاؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

لحت فلاح الفلاح رحت فراح المراح　　　عدلیعود الھنا تم پہ کروڑوں درود

امام رضاؒ اپنے نادر الوجود سلام، شہرۂ آفاق کلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

منزل من قصب لا نصب لا صخب　　　ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

پارہ شد قلب و جگر زیں گفتگو　　　احذروا یاایھا الناس احذروا
پندہا دادیم و حاصل شد فراغ　　　ما علینا یا اخی الا البلاغ
نیست فضلش بہر قومِ بے ادب　　　یخطف ابصارھم برق الغضب
سابع سبعہ مگوید از عناد　　　انتھوا خیر الکم یوم التناد
واحد قہار باشد در غضب　　　یجعل الولدان شینا فی التعب

امام احمد رضاؒ نے 'وظیفۂ قادریہ ۱۳۲۱ھ' کے عنوان سے ۲۹ اشعار پر مشتمل صنعتِ اتصال تربیعی میں ایک ایسی نادر الوجود شاہ کار نعتیہ منقبت حضرت غوث پاکؒ کی شان میں کہی ہے جو اب تک اپنی واحد مثال ہے یعنی اس کی نظیر کوئی نہیں پیش کرسکا ہے۔ متقدمین، متاخرین اور معاصرین میں ایسی کوئی مثال پیش خدمت نہیں ہے۔ اس کی سب سے اہم اور خاص بات یہ ہے کہ امام رضاؒ نے اس کے عربی اشعار کا ترجمہ منظوم فارسی زبان میں ایک شعر میں فرمایا ہے اور پھر اس کا معنیٰ ومفہوم فارسی زبان میں بیان فرمایا ہے اور اس کی تعبیر وتشریح مزید فارسی کے دو اشعار میں فرمائی ہے۔ یہ ایسی نادر الوجود طویل ترین نعتیہ منقبت ہے، جو صرف امام رضاؒ کا خاصہ ہے اور ایسی کوئی مثال ماقبل و مابعد

موجود نہیں۔ آخری شعر میں ترجمے کے ساتھ سات اشعار پر مشتمل تشریح و تفہیم بیان کی ہے، اس طرح فارسی کے کل اشعار کی تعداد ۹۲ ہوگئی ہے اور عربی کے ۲۹ اشعار ملا کر یہ نعتیہ منقبت ۱۲۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ صنعت ملمع مجوب کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ عربی و فارسی زبانوں کے حسین امتزاج پر مشتمل نعتیہ منقبت کے چند اشعار (بند) ملاحظہ ہوں:

سقانی الحب کاسات الوصال — فقلت لخمرتی نحوی تعال
داد عشقم جام وصل کبریا — پس بگفتم بادہ ام را سویم را
الصلا اے فضلہ خواران حضور — شاہ بر جو دست و صہبا در وفور
بخش گردن گر نہ عزمِ خسروی است — آخر ایں نوشیدہ خواندن بہر چیست
وھموا واشربوا انتم جنودی — فساقی القوم بالوا فی ملال
ہمت آرید و خورید اے لشکرم — ساقیم دادہ لبالب از کرم
شکر حق جام تو لبریز می ست — ہر لبالب را چکیدن در پے است
تا بماہم آید انشاء العظیم — آن نصیب الارض من کاس الکریم
ولو القیت سری فوق میت — لقام بقدرة المولیٰ تعال
راز خود بر مردۂ گر افگنم — زندہ بر خیزد باذن ذوالکرم
اے نگاہت زندہ سازِ مردہا — چیست پیشت در دل افسردہا
ایں لبانت جلوہ بار شہد کن — قم بفرما مردہ ام را زندہ کن
مریدی لا تخف اللّٰہ ربی — عطانی رفعة نلت المنال
رب من حق بندہ از تر سے منال — رفعتم آمد رسیدم تا منال
اے ترا اللہ رب محبوب اب — طرفہ مربوبی و محبوبی عجب
رب و اب پاکت نمود از زیب و عیب — از دلم برکش شہا ہر عیب و زیب
مریدی لا تخف واش فانی — عزوم قاتل عند القتال
بندہ ام تر سے مدار از بد سگال — سخت عزم و قاتلم وقتِ قتال
شکر حق بابندگان شہ را سرست — خانہ زاد ایم زباب و مادرست
بندہ ات را دشمنان دانند سرخس — یاعزوماً قاتلا فریاد رس
بلاد اللّٰہ ملکی تحت حکمی — ووقتی قبل قلبی قد صفالی

ملک حق ملکم تۃِ فرمانِ من
وقت من شد صاف پیش از جانِ من

بارک اللہ وسعتِ سلطان تو
شرق تا غرب آن تو قربان تو

تیرہ وقتے خیرہ بختے سینہ ریش
بر درآمد دہ زکوٰۃِ وقتِ خویش

وکل ولی لہ قدم وانی
علی قدم النبی بدرالکمال

ہر ولی را یک قدم داند وما
بر قدم ہاے نبی بدر العلیٰ

کام جانہا تو بگامِ مصطفیٰ
حیف بر خطوات دیو آئین ما

گام بر گامِ سگے مارا مبین
دست دہ برکش سوے راہِ مبین

درست العلم حتی صرت قطبا
ونلت السعد من مولی الموالی

درس کردم علم تا قطبے شدم
کرد مولائے موالی اسعدم

اے سعید بو سعید سعدِ دیں
سعد چرخت بندہ اے سعدِ زمیں

نے ہمیں سعدی کہ شاہا سعد کن
سعد کن ناسعد مارا سعد کن

انا الحسنی والمخدع مقامی
واقدامی علی عنق الرجال

از حسن نسل من در مخدع مقام
پاے من برگردنِ جملہ کدام

سرورا ما ہم براہ افتادہ ایم
پائمالت را سرے بنہادہ ایم

گل براہا یک قدم گل کم بداں
حسبۃ للہ مرو دامن کشاں

انا الجیلی محی الدین اسمی
واعلامی علی رأس الجبالِ

مولدم جیلاں و نام محی دیں
رایتم بر قلہائے کوہِ ہیں

اے ز آیاتِ خدارایات تو
معجزاتِ مصطفیٰ آیات تو

جلوہ دہ از رائتیت ایں آیتت
چون منی محشور زیرِ رایتت

وعبدالقادر مشہور اسمی
وجدی صاحب العینی الکمال

نام مشہور است عبدالقادرم
عین ہر فضل آن جدِّ اکبرم

آن جدت چوں نباشد آن تو
وارثی اے جانِ من قربان تو

بر رضاے ناقصت افشاں نوال
یک چشیدن آبے از بحر الکمال

خفتہ دل تا چند ننگِ زیستن
بر رخش از بحر فضل آ بے بزن

تشنہ کامے پا بداے کردہ غش
بحر سائل رابگو خود رو برش

روبرش اورا برش بیدار ساز ہوش بخشِ نوش بخش و جاں نواز

جاں نوازا جاں فدائے نام تو کام جاں دہ اے جہاں درکارم تو

ایں دعا از بندہ آمیں از ملک

پوزش از بغداد اجابت از فلک

امام احمد رضاؒ کی نادرالوجودیت کی شاہ کار، عظیم و عدیم بے نظیر و بے مثل نعوت کی یہ واحد مثال نہیں ہے بلکہ اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں تو معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ امام رضاؒ نے اس فن کو اس کی معراج تک پہنچا دیا ہے۔ امام رضاؒ کا کمالِ ہنر یہ ہے کہ آپ نے اپنی نادرالوجود نعت کے مصرع اوّل کا نصف اول عربی زبان میں اور پھر اسی مصرع اوّل کا مصرع نصف آخر فارسی زبان میں اور پھر مصرع ثانی میں اردو اور ہندی جیسی وقیع و وسیع، چار زبانوں کا عظیم مرقع و مرصع پیش کیا ہے۔ کیا مولانا موصوف بتائیں گے کہ ان کی نظر میں نادرالوجود کی تعریف کیا ہے؟ یہی نہیں کہ امام رضاؒ نے اس نعت کے بعد کوئی اور نادرالوجود کرامت اس فن میں نہ دکھائی ہو، بلکہ آپ اس کے بعد بھی ایسے ایسے محیر العقول کمالات و خیالات پیش کرتے رہے ہیں کہ جس سے زبانیں گنگ ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ نہ امام رضاؒ سے قبل اور نہ مابعد عربی نعت گوئی میں اور نہ ہی فارسی نعت گوئی میں اور نہ ہی اردو یا ہندی نعت گوئی میں کسی نعت گو شاعر نے ایسا نادرالوجود شاہ کار تخلیق کیا ہے اور نہ اس کے امکان نظر آتے ہیں، کیوں کہ اس نعت کی صرف یہی خصوصیات نہیں ہیں جو مذکور ہوئیں بلکہ اس کی ایک اور بڑی اہم اور خوب صورت خوبی و عمدگی اور برتری یہ ہے کہ امام رضاؒ نے اس نعت کے مصرع اوّل کے نصف اوّل یعنی عربی جزو میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں، تقریباً اسی کے ہم معانی و مفاہیم پر مشتمل مصرع اوّل کے جزو ثانی یعنی فارسی زبان کے الفاظ میں بھی ویسے ہی الفاظ استعمال کیے ہیں اور پھر جب مصرع ثانی میں ہندی و اردو کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو اس میں ان دونوں زبانوں کے معانی و مفاہیم، تشریح و تعبیر کو مکمل طور پر بیان فرما دیا ہے، جس سے شعری حسن و نغمگی میں نہ صرف اضافہ کیا ہے بلکہ ان کی قدر و منزلت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ دراصل یہ نعت امام رضاؒ کے علم و عمل، فن و ہنر اور ماہرانہ و قاہرانہ لیاقت کا منھ بولتا ثبوت ہے، جس نے فن نعت گوئی میں ایک نئی جہت اور نئی صنف کا اضافہ کیا ہے۔

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

واضح رہے کہ صنعت ملمع کی دو قسمیں ہیں: (۱) ملمع مکشوف، یعنی جب ایک مصرع عربی زبان میں ہو اور ایک فارسی میں۔ (۲) ملمعِ محجوب یعنی جب ایک شعر عربی زبان میں ہو اور دوسرا فارسی

میں، لیکن امام رضاؒ کا یہ اعزاز تا حال (گزشتہ ڈیڑھ صدی سے) برقرار ہے کہ آپ نے ایسے ملمع میں نعتیہ اشعار تخلیق کیے ہیں، جن میں نہ صرف عربی اور فارسی کے الفاظ مصرع میں شامل ہیں بلکہ ان میں اردو، ہندی (بھاشا) چار زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ کیا اب بھی آپ اسے نادر الوجود نہیں مانیں گے؟

قارئین آیئے! امام احمد رضاؒ کے اس عظیم تخلیقی شاہ کار اور دس اشعار پر مشتمل اس نادر الوجود نعت سے آپ بھی مستفیض ہوں اور اپنے فیصلے کا برملا اعلان فرمائیں:

(۱)　　　**لم یاتِ نظیرک فی نظر**

ترجمہ: اے نازنین کونین ﷺ، آپ ﷺ جیسا زمانے میں کبھی دیکھا نہ گیا۔

مثل تو شد پیدا جانا

ترجمہ: اے نبی مختار، محبوبِ کردگار آپ ﷺ کا مثل کوئی پیدا ہی نہ ہوا۔

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

ترجمہ: کائنات کی حکومت کا تاج آپ ﷺ ہی کے سر بھلا معلوم ہو رہا ہے اور آپ ﷺ ہی دراصل شاہی تاج کے قابل ہیں۔ اسی لیے میں نے آپ ﷺ کو دونوں جہان کا بادشاہ تسلیم کیا ہے۔ یقیناً بالیقین حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دونوں جہاں کے بادشاہ ہیں، نیز آپ ﷺ کو بادشاہ و شہنشاہ کہنا جائز و روا ہے۔ امام احمد رضاؒ نے اس موضوع پر '**فقه شهنشاه و ان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله**' (۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء مطبوعہ لاہور) کے عنوان سے ایک منفرد تاریخی رسالہ تحریر فرمایا، جس کا اردو ترجمہ 'شہنشاہ کون' کے عنوان سے طبع ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ امام رضاؒ نے اپنے اس شعر میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کائنات کا حاکم و تاج دار فرمایا ہے، تو اس موضوع پر بھی امام رضاؒ نے ایک نہایت ہی جامع، مدلل و مفصل اور مسکت و مثبت رسالہ بہ عنوان '**سلطنة المصطفیٰ فی کل ملکوت الوریٰ**' تحریر فرمایا ہے، جس میں آپ ﷺ کی بادشاہت و حکومت کو قرآن و احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

دراصل امام رضا نے یہ جوابی رسالہ یوں تحریر فرمایا کہ ۸ر ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو، کان پور (بھارت) سے ایک صاحب سیّد محمد آصف نے امام رضاؒ کو خط لکھا کہ وہ اپنے نعتیہ دیوان 'حدائق بخشش' میں شامل نعت کے مصرع 'حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو' میں لفظ 'شہنشاہ' کو حذف کر کے یوں بنا دیں:

حاجیو! آؤ مرے شاہ کا روضہ دیکھو

محمد آصف کو لفظ 'شہنشاہ' پر اعتراض تھا کہ حضور ﷺ کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔ امام رضا بریلویؒ کا موقف یہ تھا کہ یہ لفظ مناسب ہے، چناں چہ انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل علما وفضلا اور صوفیا کی نگارشات سے ۳۳ حوالے پیش کیے اور یہ ثابت کیا کہ ان حضرات نے اپنی شاعری میں 'شہنشاہ' ملک الملوک، سلطان السلاطین وغیرہ جیسے الفاظ حضور ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ دیگر لوگوں کے لیے بھی استعمال کیے ہیں:

۱۔ امام رکن الدین ابوبکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید کرمانیؒ (جواہر الفتاویٰ)

۲۔ علامہ خیر الدین رملیؒ (فتاویٰ خیریہ)

۳۔ مولانا محمد جلال الدین رومیؒ (مثنوی شریف)

۴۔ شیخ مصلح الدین سعدی المعروف شیخ سعدیؒ (گلستاں و بوستاں)

۵۔ حضرت امیر خسروؒ (قران السعدین)

۶۔ مولانا نور الدین جامیؒ (تحفۃ الاحرار)

۷۔ شمس الدین حافظ شیرازیؒ

۸۔ مولانا نظامیؒ

۹۔ شیخ شہاب الدینؒ (بحر مواج)

حضرت حسانؓ کے تتبع میں لکھی گئی امام رضا کی اس نعت کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ جس مضمون کو شاعر رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت بن نعمانؓ نے اپنے شہرۂ آفاق نعتیہ قطعہ کے مصرعِ اوّل کے کل میں بیان فرمایا ہے، اسی بات کو امام رضاؒ نے مذکورہ بالا مصرعِ اوّل کے نصف میں بیان فرما دیا ہے:

واحسن منک لم ترقط عینی

ترجمہ: اے نبی مجسم ﷺ، آپ ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل اور خوب صورت ترین (شخص) میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا۔

حضرت حسان بن ثابت بن نعمانؓ نعت گو شعرا کے سرخیل اور رہبر و رہ نما ہیں، جیسا کہ خود امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں:

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسانؓ بس ہے

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضاے عجمی ہو سگِ حسانؓ عرب

امام احمد رضاؒ نے حضرت حسانؓ کے تتبع اور ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اس شعر کا خمیر اٹھایا، جسے آپ کی نادر الوجود نعت کا درجہ حاصل ہے۔ اب ملاحظہ ہو حضرت حسانؓ کا وہ تاریخی بے نظیر و بے مثیل اور نادر الوجود شاہ کار نعتیہ قطعہ، جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و خصوصیات کا تذکرہ اعلیٰ ترین الفاظ و خیال میں کیا گیا ہے اور جس پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو بیش بہا انعام و اکرامِ خاص سے سرفراز فرمایا اور آج ہزار ہا اشعار اس کی منزہ و مطہرہ، معطر و معنبر بنیاد پر وجود پا چکے ہیں۔ ایسی ندرت آفرینی، بلند پروازی، پاکیزہ تخیلات پر مبنی نعتیہ قطعہ جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی جامع تعریف کی گئی ہو، عربی ادب کوئی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے:

(۱) **واحسن منک لم ترقط عینی**

ترجمہ: آپ ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل اور خوب صورت میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا۔

واجمل منک لم تلد النساء

ترجمہ: اور آپ ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل اور خوب صورت، عورتوں نے کوئی بچہ نہ جنا۔

خلقت مبرء من کل عیب

ترجمہ: آپ ﷺ تمام عیوب ونقائص سے پاک پیدا کیے گئے۔

کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: گویا آپ ﷺ نے جس طرح چاہا، آپ اسی طرح (سراپا کمال) پیدا کیے گئے۔

(۲) **البحر علا و الموج طغیٰ**

ترجمہ: کج روی اور لادینی کا سمندر چڑھا ہوا ہے اور ان کی بپھری ہوئی موجیں سخت سرکش ہیں۔

من بے کس وطوفاں ہوش ربا

ترجمہ: میں بے یار و مددگار ہوش اڑا دینے اور حواس باختہ کردینے والے طوفان میں گھر گیا ہوں۔

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

ترجمہ: میری کشتیِ حیات بیچ بھنور (دریا) میں آ پھنسی ہے اور زمانے کی ہوا خراب ہو چکی ہے۔ خدارا میری کشتیِ حیات کو ساحل پر بخیریت پہنچا دیجیے، یعنی اس زمانۂ کفر و الحاد کے سمندر سے نکال کر اسلام و اطاعت و عبادت کے ساحل پر اتار دیجیے۔

(۳) یا شمس نظرت الی لیلی

ترجمہ: اے سورج تو نے میرا شب و روز دیکھا ہے۔

چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی!

ترجمہ: تو جب گنبدِ خضرا پر اپنی سنہری کرنیں ڈالنا تو گنبدِ خضرا کے مکین سے میری یہ ایک عرض کر دینا:

توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

ترجمہ: اے نورِ مجسم آپ ﷺ کے نورِ مقدس کی چمک دمک نے کائنات کو منور و تاباں اور بارونق بنا رکھا ہے، لیکن میری رات ابھی تک تاریک ہے۔ تو اے کریم الثقلین ﷺ میری شب کو بھی رونق بخشیے، یعنی وصال کے نور سے منور فرما دیجیے اور ہجر کی تاریکی دُور کر دیجیے۔

(۴) لک بدر فی الوجہ الاجمل

ترجمہ: خوب صورتی میں آپ ﷺ کا حسین و جمیل چہرۂ معطر گویا چودھویں رات کا چاند ہے۔

خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل

ترجمہ: آپ ﷺ کی ریش مبارک اس چاند کے گرد ہالہ ہے اور آپ ﷺ کی معنبر زلفیں کائنات کی تقدیروں کے برسنے والے بادل ہیں۔

تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ترجمہ: آپ ﷺ کی پیشانی مقدس اس چاند کی طرح ہے، جس کے گرد خوب صورت سا ریش مبارک کا دائرہ (حلقہ) بنا ہوا ہے، تو اے رحمتِ عالم، نورِ مجسم ﷺ اپنی رحمتوں کی بارش پیہم سے ہمیں بھی نوازیے۔

تشبیہات و استعارات کا استعمال امام رضاؒ برملا کرتے ہیں اور موقع و محل کی مناسبت سے ایسا عمدہ، اچھوتا اور انوکھا خیال و تصور باندھتے ہیں جو دیگر شعرا کے ہاں ناپید ہے۔ اس شعر میں آپ نے 'ہالہ' کی جو تشبیہ استعمال کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک قدیم خیال کو آپ نے جدید تصور

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

میں پیش کر کے اس لفظ کو 'حیاتِ نو' بخشی ہے۔

عموماً ہند و پاک میں لوگوں کا خیال ہے، جیسا کہ اب جدید سائنس دان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب چاند پر ابر کے دنوں میں ہالہ (وہ دائرہ جو باعثِ بخارات ارضی) چاند کے گرد ظاہر ہوتا ہے تو خوب بارش ہوتی ہے، گویا یہ 'خط' بارش ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسے 'خرمنِ ماہ' اور 'خرگہِ ماہ' اور 'غبارِ خط' بھی کہتے ہیں، لیکن امام احمد رضاؒ کا عشق اس استعارہ کا استعمال یوں کرتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں 'یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے روشن و چمک دار، معطر و معنبر، مطہر و منزہ چہرۂ مبارک کے اردگرد ریش مبارک اور زلف معنبر سے ہالہ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، لہٰذا اے سیاہ زلفوں اور روشن چہرے والے نبی مکرم ﷺ اپنی رحمتوں کی زوردار بارش، موسلا دھار کرم کے چھینٹے ہم لطف و کرم کے امیدواروں کی طرف بھی برسا دیجیے، تاکہ ہم گناہ گاروں کا بھی آسرا ہو جائے اور ہمارے بھی صدور و قلوب آپ کے نورِ عشق سے منور ہو جائیں۔

یہاں امام رضاؒ نے ہالہ (فارسی) اور کنڈل (ہندی) کے ہم معنیٰ الفاظ استعمال کیے ہیں، جب کہ لفظ (عربی، اردو) بھی ہم معنیٰ لفظ ہے، یعنی (چاند کے گرد حلقہ، دائرہ) چار زبانوں میں بہ یک وقت ہم معنیٰ الفاظ کے استعمال کی ایسی نادر مثال کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔

(۵)　　انا فی عطش و سخاک اتم

ترجمہ: میں پیاسا ہوں اور اے دو عالم کے سخی آپ ﷺ کی بخشش کامل و اکمل و اتم ہے۔

اے گیسوئے پاک اے ابر کرم

ترجمہ: اے مقدس گیسوؤ! اور اے کرم کے بادلو!

برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

ترجمہ: کائنات کی سرزمین پر تمھاری مسلسل مفید بارش ہو رہی ہے۔ خدارا رحمتوں کے دو چار قطرے ہماری طرف بھی برسا دیجیے، ہمارے لیے وہی کافی و شافی و وافی ہوں گے۔

(۶)　　یا قافلتی! زیدی اجلک

ترجمہ: اے قافلے والو! جب تم مدینے آگئے ہو تو یہاں کے قیام میں اضافہ کر دو۔

رحمے برحسرتِ تشنہ لبک

ترجمہ: اس لیے کہ روضۂ اقدس ﷺ کے دیدار کی پیاس ابھی ویسی ہی باقی ہے۔

مورا جیرا لرجے درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

ترجمہ: میرا جگر مسلسل کانپ رہا ہے، لہٰذا ابھی سفر کی خبر نہ سنا جانا۔

(۷) واھا لسویعات ذھبت

ترجمہ: کیا خوب (سہانی) تھیں وہ گھڑیاں جو گزر گئیں۔

آں عہدِ حضور بارِ گہت

ترجمہ: جب کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر تھے۔

جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

ترجمہ: جب وہ وقت یاد آتا ہے تو میرے دل کو چین نہیں پڑتا، مدینے کا جانا، یاد آنا، کتنا دردناک ہے۔

(۸) القلب شج والھم شجون

ترجمہ: میرا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے اور میں مختلف غم و آلام کی گتھیوں سے دوچار ہوں۔

دل زار چناں جاں زیر چنوں

ترجمہ: میرا دل بہت خستہ و کمزور ہو چکا ہے اور میری جان بے انتہا زیر بار ہے۔

پت اپنی بپت میں کاسے کہوں میرا کون ہے تیرے سوا جانا

ترجمہ: اے محبوب ﷺ میں اپنی مصیبت کس سے کہوں، اپنا دکھڑا کسے سناؤں، آخر میرا تیرے سوا اور کون ہے۔

(۹) الروح فداک فزد حرقا

ترجمہ: اے میرے محبوب ﷺ میری روح آپ ﷺ پر نچھاور ہو جائے، میری سوزشِ محبت اور تیز کر دیجیے۔

یک شعلہ دگر برزن عشقا

ترجمہ: اے عشق محبوب ﷺ آتش عشق کی ایک مزید لپٹ پہنچا دے۔

مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

ترجمہ: میرے جسم و طبیعت اور مال و متاع میں عشقِ رسول ﷺ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ اے محبوب ﷺ صرف میری یہ ایک ناقص جان رہ گئی ہے، اسے بھی بھسم کر دینا، تا کہ زندگی جاوید (ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی) نصیب ہو جائے۔

(۱۰) بس خامۂ خام نوائے رضاؔ، نہ یہ طرز مری، نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

ترجمہ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلویؒ نہایت ہی عجز و انکساری کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے یہ اشعار جو چار زبانوں عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے الفاظ بلیغہ وفصیحہ پر مشتمل ہیں۔ یہ اشعار محض ناتجربہ کاری کے ہیں، یعنی اس قسم کے اشعار کہنے کی کبھی مشق نہیں کی تھی اور اس سے پہلے یہ نیا طریقہ بھی اختیار نہ کیا اور نہ میرا کبھی ایسا رجحان ہی ہوا تھا، مگر میں کیا کروں، دوست، احباب کی فرمایشیں گویا تھیں، یعنی احباب کے پیہم اصرار تھے کہ چار لغتی نعت شریف کہوں، آخر مجبور ہوا اور اس طریقے پر بھی نعت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا پڑی۔

(ف) 'احبا' سے اشارہ ہے حضرت علامہ مولانا محبّ علی بکھریروی بہاریؒ کی طرف جو بڑے جید عالم و فاضل تھے اور اعلیٰ حضرت امام رضاؒ کے خلیفہ تھے اور اسی طرح 'ناطق' سے مراد حضرت ناطق بریلوی معروف شاعر کی طرف اشارہ ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے بڑے معتقد و محبّین میں سے تھے۔ ان دونوں حضرات نے اس قسم کی (غزل) نعت کہنے کی فرمایش کی تھی۔ ('وثایقِ بخشش شرح حدایق بخشش' از مفتی ابوالظفر غلام یٰسین راز امجدی مدظلہ العالی)

امام احمد رضاؒ نے اپنی اس شاہ کار نادر الوجود نعت میں سب سے زیادہ الفاظ عربی زبان کے استعمال کیے ہیں، اس کے بعد ہندی اور پھر فارسی زبان کے، اردو زبان کے الفاظ نہایت قلیل ہیں۔ امام رضاؒ نے اس نعت کے 'مقطع' میں تو ایسی کمال ہنرمندی دکھائی کہ ہندی زبان کا ایک بھی لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ یہ آپ کا اس فن پر کمال لدنی تھا، جسے آپ نے ظاہر فرمایا۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اگر کسی زبان میں کسی دوسری زبان کے الفاظ کے ساتھ تراکیب ومحاورات یا جملوں کا استعمال کیا جائے تو یہ غلط ہے، کیوں کہ اس سے زبان بگڑتی ہے۔ اس زبان میں ٹاٹ کا پیوند لگ جاتا ہے اور اس کی خصوصیات برقرار نہیں رہتیں۔ میرے خیال میں یہ تصور غلط، فرسودہ اور باطل ہے کہ دیگر زبانوں کی آمیزش سے زبان خراب ہوجاتی ہے یا اس کی خوب صورتی اور روانی و شستگی، تازگی و شگفتگی اور اس کی زندگی میں فرق آجاتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کسی زبان کے ساتھ ایسا ہو تو نہ صرف اس زبان کی عمر بڑھ جاتی ہے بلکہ اس کی حلاوت وشیرینی اور چاشنی ومٹھاس میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس کی شائستگی و شستگی اور روانی مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس کی تفہیم وتشریح اور تعبیر میں سہولت اور ترتیب و تنظیم میں روانی

آجاتی ہے۔ اس قدرتی عمل سے زبان میں وسعت و گیرائی پیدا ہوتی ہے اور ذخیرۂ الفاظ میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور جس زبان کے دامن میں دیگر زبانوں کے الفاظ جذب و کش کرنے کی جتنی زیادہ وسعت و کشادگی ہوگی، وہ زبان اسی قدر زندہ ومقبول و عام ہوگی اور اس کی عمر اسی قدر طویل و دراز ہوگی اور اس کے افراد میں اسی قدر اضافہ ہوگا۔ زبان کی کشش اس کی جاذبیت میں ہے، اس کی زندگی، اس کی وسعت میں ہے، اس کی حیات اس کی کشادگی میں ہے، اردو زبان اس کی اعلیٰ و زندہ مثال ہے۔

امام احمد رضاؒ نے اپنی اس چار لغتی معرکۃ الآرا نعت میں یہی فارمولا استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اس کی خوب صورتی میں اضافہ کیا بلکہ ہندی، عربی و فارسی اور اردو کے تعامل و آمیزش سے اس کے دامن کو بھر دیا اور ایسی ایسی نادر و شاذ تراکیب و امثال، تشبیہات و استعارات اور الفاظ استعمال کیے کہ عقل دنگ اور خرد پریشان ہے، فکر عاجز اور سوچ حیران ہے۔ عقل و فہم سے بالاتر بات یہ ہے کہ اس عمل سے اشعار کی روانی و شستگی اور شائستگی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے یہ نعت ازل کی طرح آج بھی (گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے) ہر خاص و عام کی زبان پر جاری و ساری ہے اور ابد تک اسی طرح رواں دواں رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

سیّد اسماعیل رضا ذبیح ترمذی اپنے ایک مضمون 'امام رضاؒ کی نعتیہ شاعری اور علم و بیان' میں امام احمد رضاؒ کی اس شاہ کار نادر الوجود نعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> 'اہل فن لکھتے ہیں کہ اگر کسی شاعر نعت گو و نعت نگار کا قلم معنیٰ آفرینی کے ساتھ ساتھ شکوہِ الفاظ، بے ساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہدہ برآ ہوجائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاعری ہے۔ جب ہم اعلیٰ حضرت رضاؒ کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شکوہِ لفظی کے حصول کے لیے کلام کی بے ساختگی، زبان کی سلاست اور بیان کی لطافت کو نہیں کھویا ہے، بندش کی چستی اور طرز ادا کی بے ساختگی و روانی اسی طرح ان کے کلام کو سنوارے ہوئے ہے۔ اس کا بہترین نمونہ آپ کی چار زبانوں کی مرصع نعت ہے، جس کا مطلع ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر... جگ راج کو تاج تورے سر...

اسماعیل ذبیح اپنے اسی مضمون میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

'کلام میں کسی دوسری زبان کے جملے استعمال کرنا یا شعر کا ایک مصرع ایک زبان میں اور دوسرا مصرع دوسری زبان میں کہنا، اس کے لیے تبحرِ علمی اور قادر الکلامی کی ضرورت ہے کہ زبان کا حسن اور بیان کی روانی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اس صنعت (ملمع) کا معرکتہ الآرا نمونہ اعلیٰ حضرت امام رضاؒ کی وہ نعت ہے، جس کا مطلع اوپر مذکور ہوا۔ یہ دس اشعار کی نعت چار زبانوں سے لکھی گئی ہے، اس کی مثال کسی دوسرے کے یہاں شاذ ہی ہوگی اور اعلیٰ حضرت کے ہم عصروں کے یہاں تو یقیناً نہیں ہے۔

پروفیسر غلام یحییٰ انجم اپنے ایک مضمون 'امام احمد رضاؒ کی نعتیہ شاعری' میں اس نعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

'بلاشبہ امام احمد رضاؒ چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم نعت گو شاعر تھے۔ انھوں نے عربی، فارسی، اردو، ہندی بھاشا میں الگ الگ شاعری کی ہے مگر ان تمام زبانوں کو ایک ساتھ مربوط کر کے بھی اس طرح عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے راگ الاپے ہیں کہ الفاظ کے زیر و بم میں ذرہ برابر نشیب و فراز کا وہم نہیں گزرتا۔ ان کا یہ کلام ان تمام زبانوں کا ایسا سنگم ہے جس کی مثال اردو ادب کی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ اس نعت کے چند بند درج ذیل ہیں:

لم یات نظیر... مثل تو نہ شد... جگ راج... ہے تجھ کو شہ دو...

الغرض مختلف زبانوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود نظم کی بندش، تسلسل اور موزونیت بدستور باقی ہے۔

ڈاکٹر وحید اشرف، بڑودہ یونی ورسٹی (بھارت)، اپنے مضمون 'امام احمد رضاؒ کی اردو و فارسی شاعری' میں اس نعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

'امام رضاؒ نے ایک نعت میں عجیب جدت طرازی کا مظاہرہ کیا۔ اس میں التزام یہ رکھا ہے کہ ہر مصرع کے دو ٹکڑے ہوں اور ہر شعر کے چار ٹکڑے ہو۔ چاروں ٹکڑے چار زبانوں میں ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی۔ مختلف زبانوں کے باوجود بحر کی ترنم ریزی، قافیہ اور ردیف کی پُرکشش جھنکار،

ہندی زبان کی آمیزش سے مدھر اور میٹھا لب ولہجہ اور پوری نظم کا صوتی اور معنوی رنگ و آہنگ قابل دید وشنید ہے۔ مختلف زبانوں پر قدرت رکھنے کے ساتھ لفظوں کا انتخاب اور پھر ان اجزا کو ایک تناسب اور مترنم سانچے میں ڈھال دینا امام احمد رضاؒ کی ذہنی جودت وجدت کا مظہر ہے۔ اس طرح کی مثال امیر خسروؒ کے ہاں ملتی ہے، لیکن جو التزام امام رضاؒ کی نعت میں ملتا ہے وہ وہاں بھی نہیں ہے۔'

نعتیہ شاعری میں تین زبانوں کا امتزاج تاریخِ ادب میں صرف امیر خسروؒ اور علامہ جامی کے یہاں ملتا ہے لیکن دنیائے شاعری، خصوصاً نعتیہ ادب میں چار مختلف زبانوں کے ساتھ آج تک کسی شاعر کا کلام نہیں ملتا اس لحاظ سے امام رضا بحیثیت نعت گو شاعر ایک منفرد مقام و مرتبے کے مالک ٹھہرتے ہیں اور آپ کی یہ نعت ایک نادر الوجود (Seldom Found) نعت کا درجہ قرار پاتی ہے۔ اس مقام پر آپ اپنے کلام کے ساتھ خود بھی ایک نادرالوجود شخصیت (Natural Telented Person) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید صاحب بھی اپنے ایک تحقیقی مقالے 'نعت النبی ﷺ' مطبوعہ ماہ نامہ 'الرشید' (۱۴۱۱ھ نعت نمبر) میں مولانا اشرفی کے اسی باطل نظریے اور خیال سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں، 'مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی مشہور نعت 'لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ تو شد پیدا جانا' میں 'جگ راج کو تاج تورے سر سوہے'، 'توری جوت کی جھل جھل'، 'تورے چندن چندر'، 'مورا جیارا لرجے درک درک'، 'موہے کر نہ پرت'، 'بپت میں کا سے کہوں' اور 'مورا تن من دھن سب پھونک دیا' کے ٹکڑے بھی ہندی اثرات لیے ہوئے ہیں۔'

ریاض مجید صاحب کا اپنے اس مضمون کے تسلسل میں یہ کہنا ہے کہ 'ان الفاظ میں ہندی تہذیب و ثقافت کی گہری چھاپ ہے اور یہ ہندی مذہب کی ترویج و اشاعت اور تبلیغ کا سبب بن رہے ہیں۔'

مجھ ناچیز کے خیال کے مطابق ایسا نہیں ہے۔ ان الفاظ سے کہیں بھی ہندو طرزِ معاشرت و تہذیب اور ان کے دین کو بڑھاوا نہیں ملتا اور نہ ہی ان کے مذہب کی تبلیغ و ترویج ہوتی ہے، جیسا کہ انھوں نے اپنے مقالے کی دیگر امثال میں بتایا ہے کہ لوگوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کنہیا، سوامی، بھیا، راج کمار، کرشن، مہاراج، شام (شری کرشن کا لقب) جیسے ہندوؤں کے مذہبی

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

اوتاروں کے نام استعمال کیے ہیں، اسی طرح ان کے مذہبی شعائر کاشی، متھرا، گنگا جل، اشنان، جمنا، تیرتھ، شری کرشن، گوپی جیسے الفاظ اپنے قصاید میں استعمال کیے ہیں، جن سے ان کے مذہب اور تہذیب وثقافت کی ترویج واشاعت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کو نعوذ باللہ رام، بودھ، رام چندر، کلکی، اوتار، پچھ، باراہ، نرسنگھ، بامن، پرشرام جیسے ہندوؤں کے مذہبی دیوی اور دیوتاؤں کے نام سے تشبیہ دی ہے۔ ایسے خیالات وتفکر کے بارے میں تو یقیناً بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ذریعے باطل ہندومت کی تبلیغ ہوتی ہے، لیکن کیا امام احمد رضاؒ کی نعت میں ایسی کوئی مثال یا کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے۔ اگر ریاض مجید صاحب کی نظر میں اب بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کا خیال ہے تو پھر عربی زبان میں عبرانی کی آمیزش، اردو زبان میں ہندی، عربی، فارسی، انگریزی، جرمن، فرنچ وغیرہ کی آمیزش، بتایئے اردو زبان کس تہذیب وثقافت کی پرچارک ہے۔

دراصل امام احمد رضاؒ کا یہ کمالِ فن ہے کہ انھوں نے ہندی زبان کے الفاظ کو بھی اسلامی رنگ میں ڈھال کر پیش کیا ہے اور اس کے ذریعے سرکار رسالت مآب ﷺ کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ آپ نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے کہیں بھی تنقیص رسالت ﷺ کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر کوئی حرف یا کمی آتی ہے۔ امام رضاؒ نے ہندی الفاظ کو بھی دینِ اسلام کا ترجمان بنا کر پیش کیا ہے، ورنہ بتایئے کہ عربی، فارسی اور اردو کے جو الفاظ اس شاہ کار نعت میں استعمال ہوئے ہیں، وہ کس کے ترجمان ہیں؟

ڈاکٹر مجید صاحب کے مقالے کی نظیر کے مطابق دیگر بے شمار شعرا نے ہندی تو ہندی اردو زبان کے ایسے بے محل اور گھٹیا الفاظ استعمال کیے ہیں اور اتنے گندے اور بھونڈے خیالات پیش کیے ہیں، جنھوں نے انھیں حد کفر و ارتداد اور درجۂ گستاخی وتنقیص رسالت ﷺ تک پہنچا دیا ہے اور وہ اشعار جنھیں وہ مدحیہ کہتے ہیں (نعوذ باللہ) اب بھی ان کے دواوین میں موجود ہیں اور بڑی بڑی محافل میں لہک لہک کر پڑھے اور مہک مہک کر سنے جاتے ہیں لیکن کوئی بھی ذی علم و ذی وقار زینتِ محفل، رونقِ محفل اس پر انگشت نمائی اس لیے نہیں کرتا کہ اس سے آئندہ کے لیے کہیں اسٹیج و مائک اور رونق و زینت کا ٹائٹل نہ چھن جائے یا نعت خواں و شاعر ناراض نہ ہوجائے، ورنہ پروگرام ملنے بند ہوجائیں گے۔

اس ضمن میں ایک ادنا سی مثال پیشِ خدمت ہے۔ معروف نعت گو شاعر مظفر وارثی نے قرآنی و احادیثِ کریمہ کے فیصلے کو ایک طرف رکھتے ہوئے 'اُمتِ مسلمہ' کو بڑی جرأت و بے باکی

سے 'اُمتِ گم راہ' کا خطاب دے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

دعویٰ ہے تیری چاہ کا اس اُمتِ گم راہ کا تیرے سوا کوئی نہیں یا رحمۃ للعالمیں

لیکن موصوف سے آج تک یہ پوچھنے کی جرأت کسی نے نہیں کی کہ انھوں نے 'اُمتِ گم راہ' آخر کیسے اور کیوں لکھا ہے؟

الحمدللہ امام احمد رضاؔ کا تمام مجموعۂ نعت ایسی افراط وتفریط اور بے راہ روی و گمراہی، ناقص خیالی اور تک بندی سے قطعاً پاک، صاف، منزہ و مصفیٰ ومجلّی ومطہر ومقطر ہے۔

اشفاق احمد رضوی اپنے مضمون 'امام احمد رضاؔ کی شاعری تحقیق کے آئینے میں' لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرتؒ کے حق گو اور بے باک ترجمانِ دین وعلم بردارِ شریعت ہونے کی وجہ سے ان کے بے جا وعنادی ناقدروں کا جمِ غفیر سرزمین ہند میں پھیلا ہوا ہے جنھوں نے عناد وغیظ وغضب کی آگ سے آتش زیرِ پا ہوکر نہ معلوم کتنے اختراعی اعتراضات کیے ہیں اور کر رہے ہیں، بے بنیاد بہتان اٹھائے ہیں اور اٹھائے جا رہے ہیں۔ عظمت رسول ﷺ کی پاسبانی کے صلے میں اعلیٰ حضرتؒ کے خلاف بالکل بے اصل و بے حقیقت ہر قسم کے اوچھے، گندے، مکروہ حربے استعمال کیے گئے ہیں اور اب تک کیے جا رہے ہیں، لیکن میرے علم کی حد تک کوئی گروہ بھی آج تک اعلیٰ حضرتؒ کی نعت گوئی میں شرعی عیوب نہیں نکال سکا ہے، حالاں کہ اغیار تو اغیار کچھ اپنے بھی شک میں مبتلا تھے اور اب بھی ہیں مگر اس باب میں مجھے کسی جانب کی نکتہ چینی کا علم نہیں ہے۔'

جناب اشفاق تو صرف شرعی عیوب کی بات کر رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اب تک کوئی فنی، شعری، اصطلاحی، لسانی، بیانی، ردیفی، قوافی یا کسی بھی قسم کا ایسا سقم، عیب، کمزوری یا کمی نہیں دکھا سکا ہے جس سے ان کے علم وفن یا ہنر کامل یا دسترس کا ثبوت ضائع ہوتا نظر آتا ہو۔

مذکورہ سطور سے واضح ہوا کہ نعت کہنے کے لیے شریعت کا علم (قرآن و احادیث بالخصوص) کا ہونا نہایت ضروری ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ نعت گو کے لیے عالم ہونا شرط ہے تو بے جا نہیں، اس لیے کہ بہ صورتِ دیگر دنیا و عاقبت برباد ہونے کا خدشہ ہے لیکن آج کل تو ہر کس و ناکس نعت گو بنا ہوا ہے اور ایسے ایسے غلو و افراط وتنقیص سے پُر شعر اُگل رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ یہ سب اس کی علم شریعت سے ناواقفیت، کم علمیت، جہالت اور دین سے دوری کے سبب ہے، یہ لوگ محض رسمی طور پر نعت کہنا چاہتے ہیں لیکن وہ بھی ان کے بس سے باہر ہے اور بعض جگہ بڑے بڑے پڑھے لکھے

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

عالم و دانا بھی مات کھا گئے ہیں۔ اسی لیے امام احمد رضاؒ فرماتے ہیں:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے، البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اس جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔'

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ امام رضاؒ کی اس شاہ کار نادرالوجود نعت کی ایک بڑی وجہ اور اہم خوبی یہ بھی ہے کہ آپ نے عربی، فارسی اور ہندی کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ تینوں مصرعوں میں تقریباً ہم معنیٰ و ہم مفہوم ہیں جس سے ان کی تعبیر و تشریح میں ایک نیا لطف و حسن اور صورت و آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔ امثال ملاحظہ ہوں:

عربی: **لم یات نظیرک**	ترجمہ: آپ ﷺ جیسا زمانے نے نہ دیکھا/حضور ﷺ کا نظیر کسی کو نظر نہ آیا
فارسی: مثل تو نہ شد	ترجمہ: آپ ﷺ جیسا کوئی بھی نہ ہوا/حضور ﷺ جیسا کوئی بھی نہ پایا گیا۔

اس ضمن میں معروف نعت گو شاعر سیّد صبیح الدین رحمانی کا یہ معرکۃ الآرا مصرع اسی معنی و مفہوم میں ملاحظہ ہو:

کوئی مثلِ مصطفیٰ کا، کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

'نظیرک' (آپ کی مثل) اور 'مثل تو' (آپ کا ثانی) عربی و فارسی کے ہم معنی و ہم مفہوم الفاظ ہیں جو اس شعر میں 'تاج اللفظ' کا درجہ رکھتے ہیں، اسی طرح عربی کا لفظ 'لم یات' بمعنی (نظر نہ آیا) اور فارسی کا لفظ 'نہ شد' بمعنی (نہیں پایا گیا) ہم معنی و ہم مفہوم ہیں۔

عربی: **البحر علا والموج طغی**	ترجمہ: سمندر اونچا ہوا اور موجیں طغیانی پر ہیں
فارسی: من بے کس و طوفاں ہوش ربا	ترجمہ: میں ہوش اُڑا دینے اور حواس باختہ کر دینے والے طوفان میں گھر گیا ہوں
ہندی: منجدھار میں ہوں	ترجمہ: بیچ بھنور میں پھنس گیا ہوں

موجِ طغٰے، طوفان ہوش ربا اور منجدھار، عربی و فارسی اور ہندی کے تینوں الفاظ ہم معنی و ہم مفہوم ہیں اور تین مختلف مصرعوں میں امام رضاؒ نے اس طرح استعمال کیے ہیں کہ پورے شعر کا مفہوم اور اس نعت کا تفکر و تصور مکمل و مفصل طور پر واضح ہو گیا ہے۔ 'موج طغیٰ (طوفان)، منجدھار

بمعنی (طغیانی)۔

عربی: بدر الوجہ الاجمل 'خطٗ' ترجمہ: آپ ﷺ کی ریش مبارک آپ ﷺ کے چاند جیسے چہرے کے گرد ہالہ ہے، جس نے اسے اور بھی خوب صورت کر دیا ہے۔

فارسی: خط ہالۂ مہ ترجمہ: آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہے جس نے اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

ہندی: چندن چندر پرو کنڈل ترجمہ: آپ ﷺ کے چہرۂ معطر و معنبر، معطر و مقدس کے گرد چاند کا حلقہ بنا ہوا ہے جس نے اسے اور بھی حسین و جمیل بنا دیا ہے۔

واضح رہے کہ اردو زبان میں 'خط بنانا' ایک محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے، جس کا مطلب ہے چہرے کے اردگرد کے بال بنوانا۔ عموماً پاک و ہند میں لوگ ڈاڑھی کے بال اس طرح ترشواتے ہیں کہ ان کے چہرے کے گرد ایک ہالہ (دائرہ) سا بن جاتا ہے۔ جس سے ان کے چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے، عموماً مشتری، مریخ، چاند اور سورج جیسے سیاروں کے گرد ایسے ہالے (حلقے) نمودار ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی تشبیہاً و استعارۃً محض خوب صورتی کو بیان کرنے کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے، لیکن یہاں شاعرِ اعظم، امامِ نعت گویان امام احمد رضاؒ کا کمالِ فن یہ ہے کہ انھوں نے لفظ 'خط' کا استعمال اس طرح کیا ہے کہ اگر ہم اسے مصرعِ اوّل کے عربی جزو کے ساتھ ملا کر پڑھیں 'بدر الوجہ اجمل 'خطٗ' یا جزو ثانی فارسی کے ساتھ 'خط ہالۂ مہٗ' تو معنی و مفہوم دونوں جزو کے یکساں ہوں گے جیسا کہ اوپر مذکور ہے اور پھر ہندی جزو یعنی مصرعِ ثانی میں لفظ 'کنڈل' کے معنی بھی وہی ہیں جو عربی اردو لفظ 'خط' یا فارسی لفظ 'ہالہ' کے ہیں۔ یعنی گھیرا، حلقہ، دائرہ (چاند یا سورج کے گرد کا ہالہ) اسی طرح امام رضاؒ نے عربی لفظ 'بدر' بمعنی (چودھویں کا چاند)، فارسی لفظ 'مہ' بہ معنی (چاند) اور ہندی لفظ 'چندر' بمعنی (چاند) حضور ﷺ کے چہرۂ انور کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا ہے اور عربی لفظ 'وجہ' بمعنی (چہرہ) اور ہندی لفظ 'چندن' بمعنی (چہرہ) مراد حضور ﷺ کا چہرۂ اقدس استعمال کیا ہے۔ گویا امام رضاؒ نے اپنی اس شاہ کار و نادر الوجود نعت کے اس شعر کے دو مصرعوں میں چار زبانوں کے ایک ہی ہم معنیٰ و ہم مفہوم الفاظ استعمال کر کے ایک نئی طرح فنِ شاعری میں خصوصاً اپنی اس نعت میں ڈالی ہے، یہی نہیں بلکہ آپ نے فنِ شاعری کی صنعت 'نعت گوئی' میں ایک نئی 'صنف' ایجاد کی ہے۔ آپ کا یہ شعر صنائع بدائع کا عظیم شاہ

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

کار اور اس صنف کا 'تاج' ہے۔

عربی: القلب شج والھم شجون ترجمہ: میرا دل غم و آلام سے دوچار ہے

فارسی: دل زار چناں جاں زیر چنوں ترجمہ: میرا دل خستہ و کمزور ہو چکا اور جاں زیر بار ہے۔

ہندی: پت اپنی بپت میں کا سے کہوں ترجمہ: میں اپنا دکھڑا کس سے روؤں۔

القلب شج (دل غم زدہ) اور 'دل زار' (دلِ پژمردہ) عربی و فارسی کے یہ الفاظ امام رضاؒ نے ہم معنی و ہم مفہوم استعمال کیے ہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں، 'القلب شجون' (آلام زدہ دل) اور 'جاں ریز' (روح زخمی) ہے اور یہ سب کچھ یارسول اللہ ﷺ آپ ہی کے عشق اور ہجر و فراق میں ہے۔

عربی: فزد حرقا ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ میری سوزش محبت اور تیز کر دیجیے

فارسی: یک شعلہ دگر بزرن عشقا ترجمہ: اے عشق نبی ﷺ آتش عشق کی ایک مزید لپٹ پہنچا دیجیے۔

ہندی: موراتن من دھن سب پھونک دیا ترجمہ: اے محبوب صرف میری یہ ایک ناقص جان رہ گئی ہے اسے بھی جلا کر بھسم کر دینا

امام احمد رضاؒ نے اپنی اس نادر الوجود نعت کے حسن وصوت سے پُر اور صنائع بدائع سے بھرپور شعر میں عربی لفظ 'حرقاً' بمعنی (آگ جلانا)، فارسی کا لفظ 'شعلہ دگر' (آگ بھڑکانا)، ہندی لفظ 'پھونک دیا' بمعنی (جلا دیا آگ میں) اور اردو لفظ 'جلا' بمعنی (آگ بھڑکانا)، چاروں زبانوں کے ہم معنی و ہم مفہوم الفاظ استعمال کر کے اپنے شعر کی صوتی وصوری خوب صورتی میں نہ صرف اضافہ فرمایا ہے بلکہ اس شعر کی تفہیم و تشریح و تعبیر میں بھی جان ڈال دی ہے اور ان الفاظ کو حیاتِ نو بخشی ہے جو تازگی و شگفتگی، سلاست و روانی اور معنی و مفہوم کی ہم آہنگی ان الفاظ کو اس شعر میں حاصل ہے، اس کی کوئی نظیر کہیں اور نہیں ملتی، اسی وجہ سے فنِ شاعری میں نعت کے اس شعر کو ایک درجہ کمال حاصل ہے۔ اس شعر میں 'پیارے جلا جانا' میں 'جلانے' کا جو تصور ہے، اس نے شعر کے صوتی آہنگ میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ یہ اچھوتا و انوکھا تصور اور نادر خیال کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ ایسی انوکھی ندرتِ فکر صرف اور صرف امام احمد رضاؒ کے کمال فن و ہنر سے ہی ظاہر ہوئی ہے جس نے تفہیم شعری کو مزید جلا بخشی ہے اور اس کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔

کلام مختصر یہ کہ میں اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اس بے نظیر و

بے مثیل نعت کے نادرالوجود ہونے کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے، میں تو اب صرف اتنا عرض کروں گا کہ عربی و فارسی اور اردو و ہندی زبانوں کے شعری سرمایے میں نعت گوئی کا فقدان نہیں ہے۔ غزل گو شعرا نے بھی عموماً اپنے دواوین وکلیات و مجموعات کا آغاز بالترتیب حمد، نعت اور منقبت سے ہی کیا ہے مگر یہ تمام تر ایک رسمی چیز تھی، حتمی نہیں۔ اسی لیے پاک و ہند کے غیر مسلم شعرا میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے پائے جاتے ہیں، دوسری قسم کے شعرا وہ ہیں جنھیں زعم سخن دانی نہ تھا بلکہ انھوں نے محض رسول کریم ﷺ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت و شیفتگی و موّدت، عشق و ارادت کی بنا پر نعت گوئی اختیار کی۔ اردو ادب میں بھی ایسے مسلم شعرا کی کافی تعداد موجود ہے جنھوں نے نعت گوئی کو محض رسمی طور پر نبھایا، لیکن امام احمد رضا خاں بریلویؒ شعرا کے اس حلقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ آپ کی نعت گوئی کو عشقِ حقیقی کا درجہ حاصل ہے اور اعتقادی نعت گوئی میں بھی آپ اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ آپ کا یہ عشقیہ انداز ہی فنِ شاعری میں آپ کی پہچان ہے۔ لوگ آپ کو 'ولیِ کامل' اور 'عاشقِ رسول ﷺ' کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ کی نعوت عشقِ رسالت ﷺ کا بھرپور نمونہ ہیں۔

امام احمد رضاؒ کوزے میں دریا اور قطرے میں سمندر قید کرنے کا ہنر خوب جانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا تمام راز اپنے اس تاریخی قطعے میں سمو دیا ہے، یہ قطعہ آپ کی زندگی کا ترجمان ہے اور اسے آپ کی مکمل سوانح عمری بھی کہا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن   نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولے کہ نگنجد دروے   جز من و چند کتابے و دواتِ قلمے

ترجمہ: مجھے نہ تو تحسین و آفرین ہی بطور نوش گوارا ہے اور نہ طعن و طنز میرے حق میں نیش ہیں۔ میں نہ تو اپنی مدح کی پروا کرتا ہوں اور نہ اپنی برائی پر کان دھرتا ہوں۔ میں ہوں اور میرا گوشۂ تنہائی جس میں چند کتابوں، قلم اور دوات کے سوا اور کوئی نہیں۔

بتائیے! عجز و انکساری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ امام احمد رضاؒ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں:

پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو   ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کے خلاف   لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

معلوم ہوا کہ امام احمد رضاؒ کی شاعری دیگر لوگوں کی طرح اٹل پچو نہیں ہے بلکہ اس میں ایک

D:NaatRang-18
File: tabrezi
Final

منصور ملتانی (کراچی)

شروحاتِ حدایقِ بخشش

حدیثِ پاک ہے کہ ''تم میں سے کوئی ایمان میں کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے بیٹے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' صحیح مسلم شریف اس حدیث پاک کی روشنی میں اگر ہم اپنے ایمان اور اعمال کا جائزہ لیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ہم ایمان میں کاملیت تو بہت دور کی بات ہے ایمان کے ابتدائی درجوں میں سے کمزورترین درجہ پر کھڑے نظر آتے ہیں کہ ہم بیٹے، باپ یا تمام لوگوں کی محبت میں تو بدرجۂ اتم گرفتار ہیں ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے بھی اسیر ہیں تو ایسے عالم میں عشقِ رسول کا دعویٰ؟؟؟۔ حالاں کہ اس سلسلہ میں احقر کا ایک شعر بنیادی حقیقت کا ترجمان ہے کہ:

عشقِ آقا ہوا مکیں مجھ میں ۔۔۔ اب مری 'میں' کہیں نہیں مجھ میں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عشق کا تقاضا تو خلوص ہے۔ اور خلوص کا خواہشوں اور تمناؤں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ عشقِ رسول ﷺ تو بے پایاں نعمت ہے اور اس نعمت کا اگر کسی طرح لفظوں میں تھوڑا بہت اظہار ہو سکے تو اسے نعت کا نام دیا جاسکتا ہے گویا نعت میں اگر خلوص کے ساتھ مدحتِ محمد ﷺ کی 'م' شامل ہو تو پھر وہ اللہ کی عطا کردہ نعمت بن جاتی ہے۔

اس نعمت سے آشنا قلوب رکھنے والے حقیقت میں بہت کم افراد ہوتے ہیں۔ آپ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے معاشرے میں دیکھیں تو دعوے دارِ عشقِ نبی ﷺ بہت سے لوگ ملیں گے مگر ان کی گفتار اور ان کا کردار آپ کو ان کے دعوے کی سچائی جاننے کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ نعت گو ازل سے کہی جارہی ہے کیوں کہ یہ محبوبِ خدا کی مدحت ہے اور خدا کے دائرے میں تو ازل بھی اور ابد بھی ہے خود اپنے محبوب پر درود بھیج کر اور ملائکہ سے بھجوا کر نعت کہنے اور پڑھنے والوں کے زمرے میں

D:NaatRang-18
File: Mansoor-Multani
Final

شامل ہو جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ جن کو اپنے محبوب کی مدحت میں شریک ہونے کی سعادت بخش دے، ان کی خوش قسمتی پر کیسے رشک نہ آئے گا۔ یہاں پر تذکرہ ہے اللہ کے محبوب کے اس مدحت نگار کا جسے مسلمانوں کی اک کثیر تعداد اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل و محدث و محقق بریلوی کے نام نامی سے جانتی ہے اور حلقۂ عقیدت میں شامل ہے۔ اس مضمون کا مرکزی موضوع 'حدایقِ بخشش حصہ اوّل و دوم' ہے جو اعلیٰ حضرت کی نعتوں اور منقبتوں کا ایک حسین گل دستہ ہے۔

'حدایقِ بخشش' کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عقیدت مند علامہ نسیم احمد صدیقی اپنے رسالے 'ضیاءِ حدایق بخشش' میں رقم طراز ہیں ''فقیر کے خیال میں اعلیٰ حضرت کی عمر شریف سے عہد طفولیت کے سات یا آٹھ سال منہا کر کے ۵۷ یا ۵۸ سال کی تصنیفی زندگی کو مختلف علوم و فنون پر تقسیم کریں تو علم العروض (یعنی شعر و سخن) کے حصہ میں ۵ ماہ آتے ہیں۔ گویا اعلیٰ حضرت نے کل عربی، فارسی اور اردو کلام ۵ ماہ میں ترتیب دیا۔ جب کہ حدایقِ بخشش کل کلام کا نصف ہے۔ موافقین و ناقدین غور کریں کہ دو ڈھائی ماہ کی توجہ کا ثمرہ حدایقِ بخشش ہے جو کہ عام کتابی سائز کے زیادہ سے زیادہ دو سو صفحات پر مبنی ہے لیکن اس کی شروحات و محاسن کے مضامین تا حال ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔''

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے اس نعتیہ و منقبتیہ مجموعے کی اشاعت کو ۱۰۱ برس ہو چکے ہیں اور اس عرصے میں یہ مجموعہ کئی بار اشاعت پذیر ہو کر عوام الناس کے ذہنوں اور دلوں پر راج کرتا رہا ہے۔ علامہ نسیم احمد صدیقی کے ایک اور بیان کے مطابق ''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے قلمِ فیض رقم سے ترتیب دیا ہوا نسخہ حضرت امین ملت سیّد محمد امین میاں برکاتی دام فیوضہم النورانیہ، زیب سجادہ کے تصرف میں مارہرہ مطہرہ شریف میں موجود ہے''

ہمارا آج کا موضوع خصوصی 'شروحاتِ حدایقِ بخشش' ہے۔ اس سلسلے میں اب تک حاصل ہونے والی مصدقہ معلومات کی روشنی میں 'حدایقِ بخشش' کی مندرجہ ذیل شروحات منصۂ شہود پر آ چکی ہیں:

۱) **'الحقایق فی الحدایق'** جسے عرف عام میں 'شرح حدایقِ بخشش' کہا جاتا ہے، جسے ۲۵ جلدوں میں علامہ محمد فیض احمد اویسی نے لکھا ہے اور جس کی اب تک ۲۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

(۲) **'وثایق بخشش'** حصہ اوّل و دوم جسے مولانا مفتی غلام یٰسین راز امجدی اعظمی نے سپردِ قلم کیا ہے۔

(۳) **'عرفانِ رضا'** حصہ اوّل و دوم جسے علامہ عبدالستار ہمدانی نے قلم بند کیا۔

(۴) '**شرح سلامِ رضا**' جس کے مصنف مفتی محمد خان قادری ہیں۔

مندرجہ بالا فہرست کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ 'حدائقِ بخشش' میں موجود تمام کلامِ رضا کی مکمل اور جامع شرح ابھی تک اشاعت پزیر نہیں ہوسکی ہے۔ مذکورہ تمام شروحات میں کلام کے کچھ حصے کی تشریحات ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے مضامین مختلف رسائل و جراید میں بھی شائع ہوئے ہیں جن میں ایک یا ایک سے زیادہ اشعار رضا کی تشریحات بیان ہوئی ہیں مثال کے طور پر چند کے عنوان اور مصنّفین کے نام کچھ یوں ہیں:

'سلامِ رضا میں محاکات' سال نامہ 'معارفِ رضا'، شمارہ ہفتم ۱۹۸۷ء

'امام احمد رضا کی شاعری میں رنگ اور روشنی کا تصور' ماہ نامہ 'سنی دنیا' ۱۹۸۸ء

'کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے' الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی ۱۹۸۹ء

'کلامِ رضا میں سائنس اور ریاضی' ماہ نامہ 'القول السدید'، لاہور ۱۹۹۱ء

'اعلیٰ حضرت کے دس نعتیہ اشعار اور علم ہیئت' از علامہ شمس الحسن بریلوی، سال نامہ 'معارفِ رضا' ۱۹۸۴ء

'کلامِ رضا اور عشقِ مصطفےٰ' از: مولانا اختر الحامدی رضوی، سال نامہ 'معارفِ رضا' ۱۹۸۶ء

'شرح قصیدۂ رضا درعلم ہیئت' از: علامہ شمس الحسن شمس بریلوی، سال نامہ 'معارفِ رضا' ۱۹۸۷ء

'امام احمد رضا بریلوی اور حدائقِ بخشش' از: علامہ عبدالحکیم شرف قادری، 'انوارِ رضا'، لاہور ۱۳۹۷ھ

'کلامِ رضا کے چند پہلو' از: عبدالرزاق شمس، ماہ نامہ 'سنی دنیا'، بریلی ۱۹۸۸ء

'اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک شعر' از: علامہ غلام مصطفیٰ مجددی، ماہ نامہ 'القول السدید' ۱۹۹۳ء

'کلامِ رضا تشریح کے آئینے میں' از: فیاض احمد کاوش، ماہ نامہ 'ترجمانِ اہل سنت' کراچی، جون ۱۹۷۶

'شرح کلامِ امامِ اہل سنت' از: عبدالقادر بدایونی، ماہ نامہ 'نوری کرن' بریلی، اگست ۱۹۶۴

'ایک نعتیہ شعر کی شرح' از: محمد حبیب گورائیہ، ماہ نامہ 'ترجمانِ اہلِ سنت' کراچی، مارچ ۱۹۷۵

'شرح قصیدۂ رضا پر اصلاح نجوم وفلکیات' از: علامہ شمس بریلوی، ۸۸/۱۹۸۷ء

'امام احمد رضا کی سراپا نگاری' از: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، 'جہانِ رضا'، جولائی ۲۰۰۱

'کلامِ رضا میں پھولوں کا مشک بار تذکرہ' از: مولانا غلام مصطفےٰ ماہ نامہ 'کنزالایمان' دہلی، اپریل ۱۹۹۳

'ایک شعر ایک حقیقت' از: سیّد اسماعیل رضا ذبیح ترمذی، 'معارفِ رضا' ۱۹۸۴ء

'شرح کلامِ امامِ اہلِ سنت' از: ابرار قادری بدایونی، ماہ نامہ 'نوری کرن' بریلی، اکتوبر ۱۹۶۵

’شرح کلامِ امامِ اہلِ سنت‘ از: اقبال احمد نوری، ماہ نامہ ’نوری کرن بریلی، مئی، جون ۱۹۶۴

’کلام الامام، امام الکلام‘ از: اقبال احمد نوری، ماہ نامہ ’نوری کرن‘ بریلی، جون ۱۹۶۴

مندرجہ بالا مضامین کے علاوہ بھی بہت سے مضامین اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں۔

آیئے اب پہلے بیان کی گئی شروحات کے بارے میں کچھ تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ سب سے پہلے ذکر ہے ’الحقایق فی الحدایق‘ از علامہ محمد فیض احمد اویسی، علامہ کا تعلق بہاول پور سے ہے۔

’الحقایق فی الحدایق‘ کی جلد اوّل کے مطابق علامہ نے شرح ’حدایقِ بخشش‘ کا کام ۱۹۵۲ء میں فیصل آباد میں شروع کیا۔ علامہ کی عمر اس وقت بیس سال کی تھی اور وہ مولانا سردار احمد محدث پاکستان سے دورۂ حدیث مکمل کر رہے تھے۔ اس جلد اوّل کی اشاعت ۱۴۱۴ھ یعنی کہیں ۱۹۹۴ء میں جا کر ہوئی اور اس کے بعد اشاعتی سلسلہ جاری ہو گیا اور مختلف ناشرین کے توسط سے اب تک پندرہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

علامہ محمد فیض احمد اویسی نے اس شرح میں اپنی علمی استعداد کو عقیدت کے خمیر سے گوندھ کر خوب صورت انداز اختیار کیا ہے۔ مختلف جگہوں پر اشعار کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے مسلک کی وکالت اور دوسروں پر اعتراضات ایک عمومی رویہ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ بعض اشعار کی شرح میں غیر ضروری تفصیلات دراصل علامہ کے کثیر المطالعہ ہونے کے سبب سے ہے۔ البتہ بہت سے اشعار کے لفظی معنی بیان کر کے بات کو ختم کر دیا ہے جو کمی کا احساس دلاتا ہے کہ عام قاری کو ان اشعار کے رموز سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی ضروری نظر آتی ہے۔

جلد چہارم میں ایک جگہ پر تحریر ایک خوب صورت نثری اقتباس دیکھیے:

> آپ کا مجموعۂ نعت ’حدایقِ بخشش‘ نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعتِ حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتابِ عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کے راستے دل میں اُتر کر کائناتِ حیات کو منور کر دیتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوے حبیب کی حدیثِ عشق سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت، یہ اندازِ بیاں، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشقِ حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرت پرت کھولتے چلے

جائیے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔

مندرجہ بالا اقتباس میں علامہ قلم کی روانی میں عشقِ حبیب کے لیے ایک مبتذل لفظ طلسم استعمال کر گئے ہیں جو ہماری نظر میں موزوں نہیں ہے۔ اس سے قطع نظر اس شرح میں قرآن پاک اور حدیث شریف کے حوالے بکثرت ہیں جنھوں نے اس شرح کو خاصے کی چیز بنا دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ یہ شرح جلد از جلد مکمل طور پر اشاعت پزیر ہوکر اہلِ دل اور اہلِ علم کے لیے فروغِ عشقِ نبی ﷺ کا سبب بنے۔ آمین

۲۔ 'وثایق بخشش' مولانا مفتی غلام یٰسین راز مجددی اعظمی صاحب جو دارالعلوم قادریہ رضویہ ملیر سعودآباد کراچی کے صدر مدرّسین ہیں نے 'حدایقِ بخشش' سے کچھ منتخب کلام کی شرح لکھی ہے۔ تحریر کا سن تو معلوم نہیں ہوسکا اور نہ اس چھپے ہوئے نسخے پر کوئی سن دیا گیا ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ نسخہ دو جلدوں میں جمیعت اشاعت اہلِ سنت نور مسجد کاغذی بازار کراچی نے شائع کیا ہے اور ابتدائیہ میں لکھا گیا ہے کہ یہ شرح پہلے چھپ چکی ہے اور اسے دوسری بار شائع کیا جارہا ہے۔ مولانا مفتی غلام یٰسین صاحب نے عوام الناس کے مطالعے کے لیے یہ شرح لکھی ہے پہلے شعر پھر مشکل الفاظ کے معانی اور آخر میں چند سطروں میں شعر کی نثری وضاحت، قرآن یا حدیث وغیرہ سے حوالے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پہلی جلد میں چھ نعتوں اور تین منقبتوں کی شرح بیان ہوئی ہے جب کہ دوسری جلد میں پندرہ نعتوں اور ایک منقبت کی شرح بیان کی گئی ہے۔ نثر سیدھی سادی اور مطلب کو خوبی سے واضح کرنے والی ہے۔ البتہ وضاحت اتنی مختصر ہے کہ اکثر جگہوں پر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

۳۔ ''عرفانِ رضا در مدحِ مصطفےٰ ﷺ' علامہ عبدالستار ہمدانی کا تعلق پوربند گجرات انڈیا سے ہے۔ علامہ نے اس شرح کے بارے میں عرضِ مصنف کے عنوان سے تحریر کیا ہے کہ 'فقیر سراپا تقصیر نے امام اہلِ سنت، امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان 'حدایقِ بخشش' میں فنِ شاعری کی صنعتِ تجنیس کامل امام کے کل ۱۳۰ اشعار کی شرح لکھنے کا کام تکمیل کو پہنچایا ہے۔ اس کتاب کا نام 'عرفانِ رضا در مدحِ مصطفےٰ' میرے مخدوم و معظم واجب التعظیم والاحترام میرے اور میرے پیر کے پیرزادے حضرت قبلہ سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دامت برکاتہم القدسیہ نے تجویز فرمایا ہے 'عرفانِ رضا' کا کام مورخہ ۱۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ کو آغاز کیا اور آج ۱۴ مئی ۱۹۹۸ کو تکمیل کو پہنچا۔''

مولانا عبدالستار ہمدانی گجرات کے نام ور تاجر ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے حلقۂ ارادت میں آتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور ان کے پیرزادے کے بقول ''ہمہ دانی ہمدانی کی خصوصیت بن گئی اور وہ سنی لٹریچر تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔''

مولانا عبدالستار ہمدانی نے 'حدائقِ بخشش' کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد صنعتِ تجنیس تام یعنی اشعار میں ایک تلفظ رکھنے والے الفاظ کو مختلف مفاہیم میں استعمال کرنا جیسی اہم خصوصیت سے مزین ۱۳۰ اشعار چنے ہیں اور پھر ان کے تجنیسی الفاظ کا علاحدہ علاحدہ مفہوم بیان کرنے کے بعد اشعار کی تشریح تحریر کی ہے۔ جہاں جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں اہم حوالے بھی مندرج ہوئے ہیں۔ درحقیقت 'عرفانِ رضا' ایک تحفۂ خاص کی حیثیت رکھتا ہے جو نہ صرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فنی قد و قامت سے آشنائی دیتا ہے بلکہ ان کی قادرالکلامی اور وسعتِ بیان کے معتبر شاہد کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ شارح کی علمی استعداد اور محنت بھی اس شرح سے ظاہر ہوتی ہے۔

ایک شعر اور اس کی تشریح مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں:

نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا ۔۔۔ جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا

پہلے مصرع میں لفظ 'توڑا' سے مطلب روپیوں کی تھیلی ہوتا ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ 'توڑا' سے مطلب کمی اور قلت ہے۔

اس کے بعد تقریباً پندرہ صفحات میں حدیث کے حوالوں اور روایات کے ساتھ شعر کا مطلب خلاصہ اور تشریح بیان کی گئی ہے۔ میرے خیال میں عرفانِ رضا اعلیٰ حضرت کے ایک عقیدت مند کا ارمغان ہے۔

۴۔ 'شرح سلامِ رضا'، مفتی محمد خان قادری، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے فارغ التحصیل جامع مسجد رحمانیہ، شادمان ٹاؤن، لاہور کے خطیب، حضرت سلطان باہوٹرسٹ کے سینئر وائس چانسلر اور جامعہ اسلامیہ لاہور کے شیخ الجامعہ رہے ہیں۔

'شرح سلامِ رضا' کی اشاعت پہلی بار ۱۹۹۳ء اور دوسری بار ۱۹۹۴ء میں مرکزِ تحقیقاتِ اسلامیہ، شادمان، لاہور کی طرف سے ہوئی۔ کتاب کے شروع میں مصنف کی طرف سے پیش لفظ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی طرف سے تقدیم اور ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری کی طرف سے تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے ایک مضمون بعنوان 'سلامِ رضا' پر اجمالی نظر کے عنوان سے سپردِ قلم کیا ہے جس میں سلام کے بارے میں اہلِ علم کی آرا شیخ طریقت کی نصیحت کے

علاوہ اشعار کی تعداد پر تحقیق کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں جناب شمس بریلوی کی طرف سے ۱۷۰ اشعار کا ذکر، مولانا سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی کے نزدیک ۱۷۲ اشعار کا دعویٰ اور پھر مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے اشعار کی تعداد ۱۷۱ ثابت کی ہے۔ اس کے بعد خصوصیات 'سلامِ رضا' کا تذکرہ ہے اور اس مضمون کے آخر میں ترتیبِ سلام کے تحت مضامین کا تعین کیا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) پہلے تیس اشعار میں حضور علیہ السلام کے خصائص، کمالات اور معجزات کے ساتھ ساتھ اس بات کو واضح کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ کا وجودِ مسعود بے مثل اور ہر شے کے وجود کی علت وسبب ہے۔

(۲) اکتیس ویں شعر سے اکیاسی تک آپ کے سراپا کا بیان ہے۔

اس کے بعد ہر شعر کا علاحدہ علاحدہ مفہوم اور تشریح بیان ہوئی ہے۔ اشعار کی تشریح میں شارح نے اشعار میں استعمال ہونے والے الفاظ اور اصطلاحوں کے ذیلی عنوان قایم کیے ہیں اور ان کی جہاں تک ممکن ہوسکا قرآن، حدیث اور روایاتِ مقدسہ سے وضاحت کی ہے اور یہ وضاحت نہ تو اتنی طویل ہے کہ غیر ضروری محسوس ہو اور نہ ہی اتنی مختصر کہ تشنگی کا احساس باقی رہ جائے۔ کہیں کہیں ایک شعر علاحدہ علاحدہ لکھ کر اس کی تشریح کی گئی ہے اور کہیں ایک موضوع یا مضمون پر ایک سے زیادہ اشعار اکٹھے لکھ کر ان کا مفہوم اور وضاحت کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ 'شرح سلامِ رضا' بھی ہمارے نزدیک عاشقانِ حبیبِ خدا اور عقیدت مندانِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حوالے سے بہت اہم کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

مندرہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی یقیناً اعلیٰ حضرت کے کلام 'حدائقِ بخشش' کے بارے میں بہت کچھ تحریر ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کیوں کہ اعلیٰ حضرت بہ یک وقت ایک تبحر عالم، مفسر، محدث، فقیہ، مفکر، فلاسفر، خطیب، اردو کے بلند پایہ ادیب اور نعت اور منقبت گوئی میں ایک منفرد حیثیت کے حامل تھے اور ایسی شخصیات کے ذہن سے قرطاس وقلم کو جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی وسعت کا صحیح اندازہ بھی ہم جیسے لکھنے والوں کے بس کی بات نہیں۔ ان کے لیے بس ایک مصرع صورتِ حال کا اظہار یہ ہوسکتا ہے کہ:

خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

D:NaatRang-18
File: Mansoor-Multani
Final

❀☆❀

کلامِ رضاؔ کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کیے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظر ثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک و شبہ یا غیر حقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام و تفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

کلامِ رضؔا کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

مذاکرہ

شرکا: عزیز احسن، قمر رعینی، آصف اکبر، عرش ہاشمی، بشیر حسین ناظم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلویؒ کی نعتیہ شاعری

(ایک جائزہ)

مدیرِ 'نعت رنگ'... کی تحریک پر اسلام آباد میں جناب علامہ قمر رعینی کی رہائش گاہ پر ایک مذاکرے کا اہتمام کیا گیا جس میں 'نعت رنگ' کی مجلسِ مشاورت کے رکن جناب عزیز احسن نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ شرکاے مذاکرہ تھے: جناب علامہ شبیر حسین ناظم، جناب آصف اکبر۔ علامہ قمر رعینی اور خاکسار (عرش ہاشمی) نے اس مذاکرے کی کارروائی کو قلم بند کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مذاکرے کا عنوان تھا: 'اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت حضرت علامہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری کا پس منظر اور اردو نعت گوئی پر اس کے اثرات کا جائزہ' (عرش ہاشمی)

عزیز احسن: **نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم. الحمدللّٰہ**... 'نعت رنگ' کے اجرا کو ۱۰ سال ہو رہے ہیں۔ پہلا شمارہ اپریل ۹۵ میں منظرِعام پر آیا تھا اور اب اپریل ۲۰۰۵ میں ان شاء اللہ ۱۸ واں شمارہ ہوگا۔ 'نعت رنگ' کے اجرا سے قبل نعت کے حوالے سے ایسی گفتگو قطعی نہیں کی گئی تھی۔ آج سے ۱۰ سال قبل کراچی میں صبیح رحمانی نے تنہا جس سفر کا آغاز کیا تھا الحمدللہ اب اس میں ایک پورا کارواں شامل ہو چکا ہے اور یہ اہلِ علم کا کارواں ہے۔ اب نعت کے حوالے سے نہ صرف تنقیدی گفتگو ہو رہی ہے بلکہ اس تنقید کے ضمن میں بھی جو تسامحات ہوئے ہیں، انھیں بھی سامنے لایا جا رہا ہے اور ان کا بھی تعاقب ہوا ہے۔ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے تمام مقالات اور مضامین کا بڑی ژرف بینی سے مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی ہے۔ 'نعت رنگ' کا آیندہ شمارہ چوں کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والا ہے۔ لہٰذا آج کی نشست میں امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ کی نعت نگاری اور

اس کے پس منظر کے علاوہ نعتیہ ادب پر امام اہلِ سنت کی شاعری کے اثرات پر گفتگو کی جائے گی۔ اس گفتگو میں حصہ لینے والے اہلِ علم کا تعارف کراتا چلوں۔ ہمارے درمیان علامہ بشیر حسین ناظم موجود ہیں جنھوں نے اعلیٰ حضرت کی شاعری کا مختلف حوالوں سے گہرا مطالعہ کیا ہے، ان کی شاعری کو سمجھا اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ علامہ ناظم نے کئی تراجم کیے ہیں آپ نے اعلیٰ حضرت کے مشہور سلام 'مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ شاعرِ ہفت زبان کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کی چند دوسری کتب کا بھی ترجمہ کیا ہے اور یہ کتابیں بڑی وقیع ہیں۔ بشیر حسین ناظم دارالحکومت میں قائم ادبی تنظیم 'بزمِ حمد و نعت' کے صدر ہیں۔ یہ تنظیم ہر ماہ کے دوسرے جمعہ کو نعتیہ مشاعرہ منعقد کراتی ہے، یہ سلسلہ گزشتہ تین چار سال سے جاری ہے۔ جناب بشیر حسین ناظم کا نعتیہ مجموعہ 'جمالِ جہاں افروز' کے نام سے شائع ہوکر ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ اس نعتیہ مجموعے میں ناظم صاحب نے 'دیوانِ غالبؔ' کی تمام غزلوں پر نعتیں لکھی ہیں۔ آج ہمارے درمیان دوسری شخصیت علامہ قمر رعینی کی ہے، انھوں نے بھی نعت اور نعت نگاروں پر خاصا کام کیا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف پر آپ نے کام کیا ہے اور یہ کام ابھی جاری ہے اس کے علاوہ ان کا ایک مجموعۂ نعت 'ولائے رسول ﷺ' کے نام سے دو تین سال پہلے منظرِ عام پر آیا تھا۔ اس مجموعے میں شامل کلام کی وقعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی کتاب کو سرکاری سطح پر بھی پذیرائی ملی ہے، وزارتِ مذہبی امور کی طرف سے صدارتی ایوارڈ دیا گیا ہے۔ آپ نے اپنے نعتیہ مجموعۂ کلام میں کہیں بھی سرکار ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے تُو یا تم کا صیغہ استعمال نہیں کیا ہے۔ علامہ قمر رعینی نے اسلام آباد اور راول پنڈی کے نعت گو شعرا کا تذکرہ بھی مرتب کیا ہے، آپ کی اس تالیف کو بھی ادبی حلقوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ 'نعت رنگ' کے گزشتہ شمارے میں بھی اس کتاب پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان عرش ہاشمی موجود ہیں جو دارالحکومت کی ممتاز و منفرد نعتیہ ادبی تنظیم 'محفلِ نعت' اسلام آباد کے سیکرٹری ہیں اس سے قبل وہ 'محفلِ نعت' کے کئی سال تک صدر رہے ہیں۔ 'محفلِ نعت' اسلام آباد ایک فعال تنظیم ہے۔ یہ تنظیم گزشتہ ۱۶ سال سے بغیر کسی تعطل کے، اسلام آباد کے مختلف سیکٹروں میں ہر ماہ نعتیہ مشاعرے کا انعقاد کرتی ہے۔ مارچ میں اس سلسلے کا ۱۶رواں سال مکمل ہو چکا ہے۔ جناب عرش ہاشمی 'محفلِ نعت' کے بانی بھی ہیں اور روح و رواں بھی۔ اس کے علاوہ جناب آصف اکبر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔ آپ 'محفلِ نعت' اسلام آباد

کے نائب معتمد ہیں۔ آپ بنیادی طور پر سائنس (کے میدان) کے آدمی ہیں مگر نہ صرف یہ کہ آپ نعتیہ شاعری میں بڑی اچھی مشق کر رہے ہیں بلکہ آپ نے مختلف صحابۂ کبار علیہم الرضوان کے قصاید لکھنے کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ آپ نے عمِ رسول سیّدالشہدا حضرت امیرحمزہؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بڑے شان دار قصاید تحریر کیے ہیں جو ماہ نامہ 'فیض الاسلام' راول پنڈی میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان قصاید میں آپ کی عقیدتوں کا اظہار بھی ہے اور شاعری کے جوہر بھی آشکار ہیں۔ شرکا کے لیے خیر مقدمی کلمات:

قمر رعینی : حضراتِ گرامی! یہ امر میرے لیے یقیناً باعثِ مسرت اور فخر و مباہات ہے کہ آج میرے غریب خانے پر اسلام آباد کے نام ور اور معتبر دانش وروں میں سے چند حضرات اس گفتگو میں شرکت کر رہے ہیں اور چوں کہ 'نعت رنگ' کا آیندہ شمارہ نعت نگاری کے حوالے سے ایک بہت بڑی شخصیت سے منسوب ہوگا، میری مراد ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ سے۔ چناں چہ اس محفل میں ہم آپؒ کی نعت گوئی اور نعتیہ ادب پر اس کے اثرات کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی کا جو مقام و مرتبہ ہے اور آپ نے دینِ متین اور قرآن کے ترجمے کے حوالے سے جو کام کیا اس کی اہمیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ ایک بہت بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اُس زمانے میں جب غیر مسلم اقوام اور انگریز در پردہ یہ سازش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح ان کے دینی علوم، حبِ رسول ﷺ، جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر اسلامی تعلیمات سے دُور کردیا جائے، اس وقت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے، کوئی تصادم کی راہ اختیار کیے بغیر اور کوئی مخالفانہ نعرہ لگائے بنا برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ایسی جہت مہیا کی جس نے وقت کے ساتھ ساتھ اتنی ترقی کی کہ مولانا کے مسلک ونظریات سے محبت رکھنے والوں نے مولانا کے وطن (بریلی) کی مناسبت سے اپنے آپ کو بریلوی مسلک کے لوگ کہلانے میں فخر محسوس کیا۔ اس رُخ سے مولانا نے سرکارِ ابد قرار ﷺ سے محبت و وارفتگی کے جذبے کو عام کیا۔ لوگوں میں آقائے نامدار ﷺ کی عظمت و جلالت کا بھرپور پرچار کیا۔ حضور ﷺ سے اپنی والہانہ محبت کو شاعری کی بنیاد قرار دیا اور نعت گوئی کے فروغ کو حدِ کمال تک پہنچانے میں اور عام مسلمانوں کے دلوں میں محبتِ رسول ﷺ کو اُجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں جن برگزیدہ ہستیوں کے علم لہرا رہے ہیں ان میں مولانا کا علم بھی ہے اور نمایاں ہے۔ شاعری میں بھی آپ کی بڑی خدمات ہیں جس پر ہم آگے چل کر گفتگو

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

کریں گے۔ بہرحال میں آپ تمام حضرات کو اس نشست میں دلی طور پر خوش آمدید کہتا ہوں۔

عزیز احسن: جناب قمر رعینی نے مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کے حوالے سے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں کا حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے جو گہرا تعلق قائم تھا انگریز کی حکومت قائم ہونے کے بعد ایسا ہوا کہ اس قلبی تعلق کو توڑنے کے لیے تحریکیں چلیں اور یہاں تک نوبت جا پہنچی کہ ایک صاحب نے امکانِ نظیر کے حوالے سے بھی نیا مسئلہ چھیڑ دیا۔ چناں چہ حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی نے غالب سے امتناعِ نظیر کے موضوع پر مثنوی لکھوائی۔ خود ان کی اپنی کتاب امتناع النظیر کے عنوان سے موجود ہے۔ اس پس منظر میں وہابی تحریک جو اگرچہ نفاذِ شریعت کے لیے تھی لیکن اس میں شریعت کو اس قدر رُوکھا پھیکا کر دیا گیا یعنی اس میں سے عشقِ رسول ﷺ کو نکالنے کی کوشش کی گئی۔ چوں کہ مسلمانانِ عالم کے اندر، اُن کی روح میں عشقِ رسول ﷺ رچا بسا ہوا تھا۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت اور ان سے قبل محسن کاکوروی نے اور حضرت حسن رضا صاحب بریلوی نے عشقِ رسول ﷺ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا کی اس مشعل کی لَو تیز کی جس کو اولیاے کرام، اصفیاے عظام اور بزرگانِ دین نے روشن فرمایا تھا۔

اب میں یہ چاہوں گا کہ آصف اکبر صاحب اس سلسلے میں کچھ فرمائیں!

آصف اکبر: آج کے مذاکرے میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی نعت گوئی کے حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ اُنیسویں صدی سے قبل نعت گوئی کے حوالے سے کچھ زیادہ جوش وخروش اور ادبی سطح پر کوئی خاص سرگرمی نظر نہیں آتی تھی۔ غزل گو شعرا تبرکاً نعت کہا کرتے تھے اور چند ایک ہی ایسے لوگ رہے ہوں گے جنھوں نے نعت کو باقاعدہ ایک صنفِ شاعری کے طور پر اختیار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں الگ سے نعتیہ دیوان ہمیں خال خال کہیں ملتے ہیں۔ اُس دور میں نعت زیادہ تر محافل میلاد میں پڑھی جاتی تھی اور اس کا دائرۂ کار بھی زیادہ تر واقعاتِ حیاتِ نبوی ﷺ اور حضور رسالت مآب ﷺ کے شمائل مبارک کے بیان تک ہی محدود تھا۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز سے اس رجحان میں یہ تبدیلی نظر آتی ہے کہ لوگوں نے نعت کو اہمیت دینی شروع کی اور اسے مستقل طور پر اپنی شاعری کے موضوع کے طور پر اپنایا۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا خاں صاحب کا جو کردار ہے وہ نہایت ہی اہم ہے اور اسے مؤرّخ کبھی نظرانداز نہیں کر سکے گا۔ میں یہ کہوں گا کہ اگر انھوں نے اس کی بنیاد نہیں بھی رکھی تو اس کو آگے بڑھانے اور اسے عوامی سطح پر مقبول بنانے میں ایک بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا مشہور ومعروف سلام 'مصطفےٰ جانِ

رحمت پہ لاکھوں سلام' شاید ہی کوئی مسجد ہو جس میں محفل سلام ہوتی ہو اور اسے نہ پڑھا جاتا ہو لوگ بڑے ذوق وشوق سے اسے پڑھتے آئے ہیں۔ صرف یہ ایک سلام ہی آپ کو نعت گو شعرا میں ممتاز مقام دلانے کے لیے کافی تھا۔ دیکھنے والی بات یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا علیہ رحمۃ نے صرف حالات و واقعات کو ہی بیان نہیں کیا بلکہ عشقِ رسول ﷺ کو بھی اپنی شاعری میں سمویا اور اپنے تبحرِ علمی کی بنا پر اپنے کلام میں بہت سارے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ آپ کے کلام کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس میں کئی مقامات پر جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اگرچہ عام فہم نہیں ہے اور اس میں اَدق الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، تاہم عوام ان نعتوں کو بھی جس ذوق وشوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے عوام میں عشقِ رسول ﷺ کی لو لگا دی ہے۔ نعت فہمی کے فروغ میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے اور یہ رہتی دنیا تک ان کے لیے کافی رہے گا۔

عزیز احسن : اب میں معتمد محفلِ نعت جناب عرش ہاشمی سے گزارش کروں گا کہ آپ سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھائیں۔

عرش ہاشمی : سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں توفیق بخشی کہ آج ہم اپنے وقت کے نہیں بلکہ بعد میں آنے والے زمانوں میں بھی نعت گوئی کے حوالے سے انتہائی اہم اور منفرد حیثیت کی حامل شخصیت حضرت امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ کے بارے میں گفتگو کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلویؒ نہ صرف یہ کہ ایک عظیم مرشدِ روحانی، جید عالمِ دین، حافظِ قرآن قاریِ قرآن بلکہ قرآن کے مضامین پر آپ کی انتہائی گہری نظر تھی اور آپ نے اپنی شاعری میں بھی قرآن کے مضامین کو اس قدر خوب صورتی سے سمویا کہ بعض اشعار اور بعض مصرعے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا قرآن کی آیاتِ پاک کا پورا پورا ترجمہ کیا گیا ہو۔ پھر یہ کہ شریعت کے ساتھ ساتھ شعریت بھی آپ کے کلام میں بھرپور انداز میں نظر آتی ہے اور یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرتؒ کے کلام کا ایک نمایاں وصف ہے۔ جناب بشیر حسین ناظم اعلیٰ حضرتؒ کے دور اور اس کے پس منظر پر زیادہ روشنی ڈال سکتے ہیں۔

عزیز احسن : چوں کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر آپ نے خاصا وقیع کام کیا ہے لہٰذا میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ امام اہلِ سنت کی نعتیہ شاعری، اس کے پس منظر اور اردو نعت پر پڑنے والے اثرات کے حوالے سے ہمیں کچھ بتائیں۔

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

بشیر حسین ناظم : اگر ہم تاریخ کے تناظر میں دیکھیں تو اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنتؒ سے پہلے

اعدائے اسلام نے چند بڑی موثر قسم کی تحاریک چلائیں جو ۱۸ ویں سے ۲۰ ویں صدی تک چلتی رہیں۔ درحقیقت انگریزوں نے اس دور میں ایک سو سال تک مسلسل یہ کوششیں کیں کہ کوئی ایک بندہ تلاش کیا جائے جو اسلام کے ایک مسلمہ عقیدے ختمِ نبوت کے قصرِ عالی شان میں نقب لگائے۔ چناں چہ انگریزوں نے اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی اور مرزا قادیانی سے قبل ۵،۶ افراد کے انٹرویوز کیے اور انھیں رد کردیا کہ یہ لوگ مضبوط نہ تھے۔ حتیٰ کہ مرزا سے رابطہ کیا گیا اور اُس نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور کہا کہ میں مجوسی عقایدِ ظلیت اور بروزیت وغیرہ پر کام کرکے دکھاؤں گا اور اُمت میں ایسی دراڑ پیدا کروں گا جو قیامت تک رہے گی۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور یہ ساری تحاریک لارنس آف عربیا، بابی، بہائی اور قادیانی تحاریک سوشلزم۔ نازی ازم وغیرہ وغیرہ چلتی رہیں۔ درحقیقت دشمنانِ اسلام کو معلوم تھا کہ صرف اور صرف ایک ہی چیز ہے جو مسلمانوں کو متحد رکھ سکتی ہے اور وہ ہے عشق و ولا و الفت و مودّتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سیّد عالم و عالمیان ﷺ کی محبت کے جذبے میں تخفیف کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ ہر دم کمر بستہ رہے اور انھوں نے اپنی چالوں اور مکر و فریب سے دنیائے اسلام میں ایسے فرقے پیدا کیے جنھوں نے ان کے اشاروں پر ان کے پٹھوؤں کے روپ میں تحریکیں چلا کر سچے اور سُچے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں شکوک وشبہات پیدا کیے۔ یہود کی ریشہ دوانیاں تو مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد شروع ہوگئی تھیں۔ اٹھارویں صدی میلادی سے لے کر بیسویں صدی میلادی کے پہلے عشرے تک ہمیں خودساختہ مہدیوں اور مصنوعی پیغمبروں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے جو ذلت وخواری کے سمندر سے شیطانی انگیخت اور مذلت سے اُبھرتے ڈوبتے رہے۔ چناں چہ ایران میں ان کی ریشہ دوانیاں کامیاب ہوئیں تو وہاں علی محمد باب، حسین علی عرب بہاء اللہ اور برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ماعلیہ اور مہدی جون پوری پیدا ہوئے۔ ان تمام متنبیوں علیہم اللعنہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آخری پیغامِ حق قرآن کریم کو ناقابلِ عمل اور منسوخ کرنے کا اعلان کردیا۔ بہاء اللہ جس کے پیروکار اسے (معاذ اللہ) جلالہ اور اس کے بیٹے عبدالبہا کو جل شانہ کہتے ہیں، نے اعلان کیا کہ اس کی کتابِ اقدس (معاذ اللہ) ناسخ قرآن ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ماعلیہ نے حضور ﷺ کی ختمِ نبوت کے قرآنی احکام کا علی الاطلاق انکار کرکے اپنی ظلی (Adumbral) اور بروزی (Emergent) نبوت کا اعلان کیا جس سے مجوسی اور زرتشتی عقیدے کا اظہار ہوا۔ حضرت حکیم الامت ترجمان حقیقت عاشق صادق محمد مصطفیٰ ﷺ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ظلی و بروزی

عقیدے اور نبوت کی قلعی اپنے مقالہ باہرہ المسمیٰ 'اسلام اور احمدیت' میں کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ حجم میں کوچک ہے مگر نفسِ مضمون کے لحاظ سے ایک عظیم کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ ہر مسلمان طالب علم اور علمائے کرام کو بھی کرنا چاہیے۔ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ تمام متنبّی، بے حیا، گستاخ، ڈھیٹ اور بے غیرت تھے جنھوں نے وحیِ الٰہی کو ملحوظ رکھا نہ جان ایمان حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے احکام کو درخورِ اعتنا سمجھا۔ آپ تاریخی تناظر میں دیکھیں تو یہ پتا چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ولادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ انھیں اللہ عزوجل نے ایک عظیم مقصد کے تحت پیدا کیا۔ آپ کا گھرانا نہایت علمی اور روحانی گھرانا تھا۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں تھے اور دادا حضرت مولانا رضا علیؒ نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ آپ کا تاریخی نام 'المختار' تھا۔ آپ چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کرلیتے ہیں اور ۱۳سال کی عمر میں صاحبِ افتا اور علومِ عقلیہ و نقلیہ سے سندِ فراغت حاصل کرلیتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ آپ کے لقب اعلیٰ حضرت پر نکتہ چیں ہوتے ہیں مگر انھیں یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک توقیری لقب ہے اس کی مثالیں تاریخی لحاظ سے دی جاسکتی ہیں۔ آج سے کوئی تیس برس پہلے پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں تقریبِ یومِ اقبال تھی، میں بھی وجود تھا۔ عبدالکریم شورش کاشمیری معلّن تھے۔ انھوں نے مسند پر آتے ہی اپنی لاعلمی بلکہ جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ 'حضرات! ہم ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور عشرہ مبشرہ کے ناموں سے پہلے لفظِ حضرت لگاتے ہیں... یہ بریلی احمد رضا کون ہوتا ہے جسے اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔' مجھے اس کی جہالت پر رحم آرہا تھا۔ بدقسمتی سے اس نے یہ نکتۂ اعتراض اُٹھانے کے فوراً بعد مجھے کلامِ اقبال پڑھنے کے لیے بلا لیا... میں نے کہا: 'حضراتِ گرامی! کلامِ اقبال پڑھنے سے پہلے میں شورش صاحب کے نکتۂ اعتراض کی وضاحت کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا لقب اعلیٰ و مقتدر ہستی کے لیے ہوتا ہے جو علوم و معارف میں اس مقام کی حامل ہو جہاں کسی اور کا پہنچنا ممکن نہ ہو، یہ ایک توقیری لقب(Honourific Title) ہے جس کی مثالیں تاریخی لحاظ سے دی جاسکتی ہیں۔ وہ صاحبِ فضیلت شخصیت (اقبال) جس کو ہم خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اکھٹے ہوئے ہیں، خود اُس نے افغانستان کے امیر امان اللہ خاں کو اور ظاہر شاہ کو اعلیٰ حضرت کہا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے میر عثمان علی خاں حیدرآباد دکن اور کنگ عبدالعزیز کو اعلیٰ حضرت کہا ہے۔ پھر 'امداد المشتاق' میں مولانا اشرف علی تھانوی نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو کئی بار اعلیٰ حضرت کہا ہے۔ لہٰذا شورش کاشمیری صاحب کو(Allergic) ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔'

بس پھر کیا تھا پورا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا اور بہت سے لوگوں کا اشکال رفع ہوگیا۔ الحمدللہ۔ آپ کو امام بھی لکھا جاتا ہے۔ امام ایک ایسا لقب ہے جو حاکم سے بھی بلند مرتبہ ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی طور پر ایسے منفرد مرتبے سے نوازا کہ آپ کو کم و بیش ۵۶ علوم پر دسترس حاصل تھی اور آپ کی مختلف موضوعات پر کم و بیش ۱۰۰۰ تصنیفات ہیں۔ یہاں تک کہ 'الجبرا' میں آپ کے پاس اس وقت کے ماہر علومِ ریاضی سرضیاء الدین آئے اور اپنے مسئلے میں آپ سے رہنمائی حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت کے عشقِ رسول ﷺ کا جہاں تک تعلق ہے قرآن پاک میں عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا مگر اس کے متبادل کے طور پر حب کا لفظ موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: 'والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ' (اور حبِ شدید ہی دراصل عشق ہے) حب کی مثال آکاس بیل کی سی ہے جس طرح آکاس بیل جس درخت پر چڑھ جاتی ہے اُسے خشک کردیتی ہے۔ اسی طرح حب جب کسی دل میں آتی ہے اس سے نفس پرستی، دنیاپرستی اور ہوس وغیرہ سب ختم ہوجاتی ہے اور دل گویا آئینۂ جہاں نما ہوجاتا ہے۔ بس اس آئینۂ جہاں نما کی وجہ سے مدینے میں بیٹھ کر ایک صحابی (حضرت فاروقِ اعظمؓ) نے ساریہ کو کہا کہ پہاڑ کی اوٹ سے حملہ آور ہونے والے دشمن کی طرف توجہ کرو اور انھوں نے بھی اس ارشاد پاک کو وہاں پر سن لیا۔

اعلیٰ حضرت نے عشقِ رسول ﷺ کی شمعیں اس حسین انداز میں روشن کیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد حضرت مولانا خیرالدین نے اعلیٰ حضرت کی تائید میں اور مسئلۂ امتناعِ نظیر پر دس جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں کتاب لکھی جس کا نام 'النجم الرجم الشیاطین' تھا۔ جس میں تمام ایسے نام نہاد علمائے سو کو للکارا جنھوں نے امتناعِ نظیر کے مسئلے پر ملت سے اختلاف کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت سے قبل حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی جو کہ عربی میں امراء القیس کے کینڈے کے شاعر تھے، انھوں نے غالبؔ کے دیوان کے شائع ہونے سے قبل اس کا انتخاب کرکے دیا تھا۔ انھی کے کہنے سے غالبؔ نے 'مثنوی امتناع نظیر' لکھی تھی۔ غالبؔ ان کی خدمت میں بیٹھا کرتے تھے۔ اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو عشقِ محمدی ﷺ کی برودت سے آپ کا سینہ ٹھنڈا ہوجائے۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری نے نہ صرف لوگوں کی جادۂ حق کی طرف رہنمائی کی بلکہ سلف صالحین کے مسلّمہ عقاید سے لوگ پھر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اسلاف کے عقاید کا اثبات کیا اور بدعقیدگی اور گم راہی کا جو سیلاب اُس وقت آیا ہوا تھا اس کے آگے آپ نے بند باندھا اور الحمدللہ قافلۂ عشقِ

رسول ﷺ پھر سے رواں دواں ہوگیا۔ عامۃ المسلمین پر آپ کا یہ احسان ہے کہ انھیں بدعقیدگی سے بچایا۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ اعلیٰ حضرت کا سلام 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' سن ۱۹۴۵ء تا ۱۹۵۵ء ہر جمعہ کے دن دارالعلوم حزبِ احناف لاہور میں پڑھا ہے۔ بعد میں قاری غلام رسول نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ مجھے یہ بھی سعادت ملی کہ اگرچہ میں اعلیٰ حضرت کی کوئی خدمت نہ کرسکا پھر بھی میں نے آپ کے مکمل سلام کا انگریزی میں ترجمہ کیا جسے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ آپ کی کتاب 'سیّدالمرسلین' کا ترجمہ 'The Supreme Prophet' کے نام سے کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت پر ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے۔

اس کے علاوہ آپ کی کتاب بیعت و خلافت کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے اور اب حال ہی میں اعلیٰ حضرت کی معرکتہ الآرا تصنیف حسام الحرمین جو کہ کافی مشکل زبان میں لکھی گئی ہے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے جسے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کیا ہے۔

عزیز احسن: علامہ بشیر حسین ناظم نے بڑی بصیرت افروز گفتگو کی ہے اس سے ہمارے علم میں بھی اضافہ ہوا اور عشقِ رسول ﷺ میں بھی ازدیاد کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اللہ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ آپ کی گفتگو سے ایک پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ اعلیٰ حضرت کے کلام کی کیفیت گویا یہ تھی کہ سُوے قطار می کشم، ناقۂ بے زمام را۔ انھوں نے عشقِ رسول ﷺ کو اس طرح عام کیا کہ مسلمانوں میں عمل کی صورت بھی پیدا ہو اور عشق میں بھی اضافہ ہو اور شریعت اور طریقت ایک ساتھ رہیں۔ درحقیقت اس وقت بھی طریقت میں ایسے لوگ موجود تھے جن سے طریقت بدنام ہورہی تھی اور لوگوں میں ظاہر پرستوں کو دیکھ کر اتنی نفرت پیدا ہو چلی تھی کہ بعض لوگ تو 'مسلمانی مرا درکار نیست' تک کہنے لگے تھے۔ اعلیٰ حضرت چوں کہ باعمل تھے اس لیے ان کی شاعری نے لوگوں کو ادبی سطح کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی متاثر کیا۔ گویا کہ اعلیٰ حضرت نے قال کو حال بنا کر پیش کرنے کا سلیقہ بھی تعلیم فرمایا۔

جناب عرش ہاشمی اس سلسلہ میں آپ کچھ فرمائیں گے!

عرش ھاشمی: سبحان اللہ بڑی ہی علمی گفتگو فرما رہے تھے علامہ بشیر حسین ناظم اور میں ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرتؒ نے اپنے کلام میں جہاں شریعت کو اس کے مضامین کو بھرپور انداز میں پیش کیا وہاں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کو بھی جس میں بعض لوگ تخفیف کی کوششیں کر رہے تھے، بڑے حسین پیرایے میں پیش کیا۔ اس کی دو ایک مثالیں بھی پیش کرنا

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

چاہوں گا:

مرے گرچہ گناہ ہیں حد سے سوا، مگر اُن سے امید ہے تجھ سے رجا
تو رحیم ہے اُن کا کرم ہے گواہ، وہ کریم ہیں تیری عطا کی قسم

اور ایک دوسری نعت شریف:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اس کے علاوہ بھی اس کی متعدد مثالیں آپ کے کلام سے دی جاسکتی ہیں۔

عزیز احسن: جی ہاں مثلاً مجھے اعلیٰ حضرت کے ایک دو اشعار یاد آگئے ہیں، فرماتے ہیں:

بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رُسل اور رسولوں سے اعلیٰ ا ہمارا نبی

قمر رعینی: اپنی ایک نعت کے مقطع میں آپ خود بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

جو کہے شعر و پاسِ شرع، دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

اسی طرح ایک رباعی میں آپ فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

آصف اکبر: گفتگو بڑے حسین پیرایے میں آگے بڑھ رہی ہے اور اعلیٰ حضرت کے کلام کے جو اثرات نعتیہ ادب پر ہوئے ہیں اس پر بہت مدلل گفتگو ہوئی ہے۔ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اعلیٰ حضرت نے نعت میں نئی جہتیں دریافت کی ہیں۔ مدینہ کی حاضری اور اس کے لیے بے قراری، حضور کا سفرِ معراج اور ایک مسلمان کے دل میں عشق کی تڑپ کو جو انھوں نے اپنے کلام میں سمویا ہے تو دوسرے نعت گو حضرات کے لیے بھی راہیں کھلی ہیں۔ نعت میں آپ کی اپنی ذات کے اظہار کی کوئی کوشش نہیں نظر آتی۔ یہاں تک کہ ان کی (کہی) نعتوں میں کہیں 'میں' کا اظہار نہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا کہ عشق امربیل کی طرح ہوتا ہے جس سے درخت کی اپنی نشو ونما ختم ہوجاتی ہے تو عشق کے بعد انا کے اظہار کا نام تک نہیں رہتا۔ اپنی ذات کو مٹا دینا ہی ان کا طریقہ نظر آتا ہے۔

عرش ہاشمی: جی ہاں، بالکل۔ یہ بات کس قدر متاثر کُن ہے کہ آپ دینی، رُوحانی، فقہی اور ادبی لحاظ سے ایک عظیم مقام و مرتبے پر فائز ہونے کے باوصف انتہائی کسرِ نفسی سے کام لیتے ہیں۔ ایک رُباعی میں آپ فرماتے ہیں:

محصور جہاں دانی و عالی میں ہے — کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال — بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

عزیزاحسن: حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنے کلام میں **محمد رسول اللہ و الذین معہ** کا بھرپور تذکرہ کیا ہے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے سلام میں بھی صحابہ کبار، امہات المومنین اور اہلِ بیت کو اپنے بھرپور انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور اس میں ہمیں خاص یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ افراط و تفریط کہیں نظر نہیں آتی۔ چناں چہ آپ نے نبی کریم ﷺ کے رفقائے گرامی کو بھی درجہ بدرجہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور تابعین و اتباعِ تابعین کو بھی:

سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ — جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق — بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام
سیّما پہلی ماں کہفِ امن و اماں — حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
بنت صدیق، آرامِ جانِ نبی — اُس حریمِ برائت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں سیّدالمتقیں — چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
دُرِ منثور قرآں کی سلک بہی — زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن شاہِؓ خیبر شکن — پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا — اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام
شافعی، مالک، احمد، امامِ حنیف — چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

قمر رعینی: واقعی اعلیٰ حضرت کا سلام بڑا ہی متاثر کرنے والا اور پُر سوز سلام ہے مگر ایک بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جب یہ سلام پڑھا جاتا ہے تو بالعموم ہماری محافل میں صحابہ کرام کی شان میں جو اشعار ہیں وہ نہیں پڑھے جاتے۔ نہ جانے یہ اغماض کس وجہ سے ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی شاعری میں بہت سے اجتہادات بھی کیے ہیں، ایک اجتہاد یہ ہے کہ ایک جگہ ایک نعت کے ہر شعر میں انھوں نے چار زبانوں میں الفاظ استعمال کیے ہیں اور الفاظ کے استعمال پر آپ کو یہ قدرت

حاصل ہے کہ گویا الفاظ آپ کے سامنے دست بستہ موجود رہتے ہیں کہ انھیں بھی استعمال کیا جائے۔ یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ہمیں نعت کہتے ہوئے نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً غلط روایات کو بیان کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، اسی طرح الفاظ کے انتخاب میں بھی پوری احتیاط کی ضرورت ہے۔ عزیز احسن صاحب نے میرے نعتیہ مجموعے ولائے رسول(ﷺ) کے بارے میں مختصراً یہ بتایا کہ میں نے حضورﷺ کے لیے 'تو' یا 'تم' کا استعمال نہیں کیا۔ میں بطور وضاحت عرض کروں گا کہ میں نے اس کے علاوہ بھی بعض پابندیاں اپنے اوپر خود ہی عاید کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو شعرا خود پر پابندیاں عاید نہیں کرتے ان پر تنقید مقصود ہے۔ بات دراصل اپنے اپنے فکر و نظر اور عقیدت و محبت کی ہے میں نے لفظ تو یا تم کے علاوہ لفظ یثرب بھی استعمال نہیں کیا اس لیے کہ اس لفظ کے استعمال کی واضح ممانعت حدیث شریف میں موجود ہے جن بزرگوں نے ایسا کیا ان کی محبت و عقیدت اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان سے سہو ہوا۔ اس طرح میں نے نعت میں لفظ یزداں اور اہرمن استعمال نہیں کیا اس لیے کہ یزداں کو اصطلاحاً خدائے خیر اور اہرمن کو خدائے شر کہا جاتا ہے اور میں دو خداؤں پر نہیں صرف ایک اللہ واحد پر ایمان رکھتا ہوں۔ اسی طرح میں نے نسوانی حسن کے لیے مخصوص الفاظ بھی حضورﷺ کی تعریف میں استعمال نہیں کیے۔ غلط روایات کو نظم کرنے سے بھی گریز کیا ہے مثلاً یہ روایت کہ حضورﷺ کو معراج اُم ہانی کے گھر سے ہوئی تھی وغیرہ۔ شراب کا لفظ بھی مجھے خمر کے مفہوم کی وجہ سے مکروہ لگتا ہے۔

عزیز احسن: الحمدللہ کہ جس طرف آپ نے توجہ دلائی ہے: نعت رنگ میں بھی اِن موضوعات پر مضامین آتے رہتے ہیں اور قارئینِ 'نعت رنگ' کو اس طرف توجہ دلائی جاتی رہتی ہے۔ خاکسار نے بھی اس سلسلہ میں ایک کوشش کی جو کہ کتابی صورت میں آ چکی ہے۔ یہ دیکھیے کہ 'نعت رنگ' کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ الحمدللہ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے مضامین پر مشتمل کئی کتابیں آ چکی ہیں۔ دو کتابیں تو اس خاکسار نے ہی پیش کی ہیں: نعت کی تخلیقی سچائیاں اور اردو نعت اور جدید اسالیب۔ ادیب رائے پوری مرحوم کی کتاب 'نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلات تنقید' بھی منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی صاحب کی کتاب ' نعت اور تنقیدِ نعت' بھی حال ہی میں آئی ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے نعت رنگ میں چھپنے والے مضامین کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اور ایک ضخیم کتاب بنام 'نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ' پیش کی ہے۔ (ڈاکٹر) مولانا کوکب نورانی کے 'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط جو علمی حیثیت سے بہت وقیع ہیں ان پر مشتمل ایک کتاب

بھی آ چکی ہے' نعت اور آدابِ نعت' اس کتاب کے دو اڈیشن آ چکے ہیں۔ تو یہ کام الحمدللہ ہو رہا ہے۔ میرا اس سلسلہ میں بنیادی طور پر موقف یہی ہے کہ جدید شعرا کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ افصح العرب ﷺ کے لیے کہہ رہے ہیں اور چاہے جو زبان بھی ہم اظہار کے لیے استعمال کر رہے ہیں مگر اس زبان کی فصاحت کا پورا اہتمام رہنا لازمی ہے کیوں کہ ہم افصح العرب ﷺ کے حضور عرض گزار ہوتے ہیں۔

اب میں عرش ہاشمی صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ فرمائیں!

عرش ھاشمی: بہت بہت شکریہ۔ میں یہاں ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمت کی بنیادی حیثیت ایک عظیم مفتی، فقیہ، مجدد، عالمِ دین اور مصلحِ امت کی ہے لیکن اس سے قطع نظر اگر ہم صرف ایک نعت گو کی حیثیت سے آپ کے کلام کو دیکھیں تو آپ کی شاعری میں ایک چیز جو ہماری توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی ہے وہ آپ کا نادر اور نرالی ردیفوں کا انتخاب ہے۔ اب آج کل کے (چند ایک) جدید شعرا نئی نئی ردیفیں تو منتخب کر لیتے ہیں، مگر انھیں پورے طور پر نبھانا اُن کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ شعر ردیف سے قبل ہی مکمل ہو جاتا ہے اور ردیف گویا زبردستی ساتھ چلتی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے ہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بڑی حسین اور نادر ردیفوں کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان ردیفوں کے استعمال میں نئے نئے مضامین اچھوتے پہلو سے سامنے آئے ہیں۔ مثلاً ایک نعت کی ردیف ہے سوختہ، چند اشعار دیکھیے:

رونقِ بزمِ جہاں ہیں، عاشقانِ سوختہ	کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ
ماہِ من یہ نیرِ محشر کی گرمی تابکے	آتشِ عصیاں میں خود جلتی ہے جانِ سوختہ
بہرِحق اے بحرِ رحمت اک نگاہِ لطف بار	تابکے بے آب تڑپیں ماہیانِ سوختہ
اے رضا مضمونِ سوزِ دل کی رفعت نے کیا	اس زمینِ سوختہ کو آسمانِ سوختہ

اِسی طرح سے مزید چند ردیفیں ملاحظہ کریں: جیسے دوست، شاخ، عرب، ایڑیاں، ایڑیاں ردیف میں پوری نعت شریف ہے، واہ واہ، قسم، گیسو، عارض، دامن، ایک جگہ ردیف ہے کہ یوں تو دوسری جگہ کیوں، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، لے خبر، خبر نہ ہو، ہاتھ میں۔ غرض نادر ردیفیں انھوں نے منتخب کی ہیں اور اُن کے ساتھ پورا پورا انصاف کا حق بھی ادا کیا ہے

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

بشیر حسین ناظم: جیسا کہ آصف اکبر صاحب نے پہلے ذکر فرمایا امام صاحب کے کلام میں

مضمون آفرینی، زبان کی پاکیزگی و لطافت، سادگی و سلاست عمدہ ترین اندازِ بیان، محاکات کے علاوہ عجز و انکساری، نیاز کیشی، نیاز مندی، خشوع وخضوع، اپنی انتہا پر نظر آتی ہے۔ مدینہ طیبہ زاد شرفہا سے جو قلبی لگاؤ ہے اور دلی تعلق ہے وہ مذکورہ صفات سے ہی مستحکم ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت کبھی مسکن محبوب کا ذکر کرتے ہیں کبھی مدینے کی گلیاں ان کا ملجا و پناہ نظر ہوتی ہیں کبھی وہ مسجد نبوی کے درودیوار پر قربان ہوتے نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ سگانِ مدینہ کا احترام اور ادب بھی جزوِ ایمان اور جزوِ عشقِ رسول ﷺ قرار دیتے ہیں: وہ فرماتے ہیں:

الٰہی سن لے رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگانِ کوچہ میں چہرہ مرا بحال کیا

اسی طرح ایک اور نعت میں فرماتے ہیں:

دِل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچۂ دلدار، ہم
پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
اُن سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری، واہ واہ

آصف اکبر: لیجیے اسی مضمون کا ایک شعر مجھے بھی یاد آ گیا:

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے؟
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

عزیز احسن: امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ کے بعض اشعار میں اس قدر معانی اور مفاہیم پوشیدہ ہیں اور ایسے لطیف اشاروں اور کنایوں سے کام لیا گیا ہے جن تک عام قاری کی نگاہ کم ہی پہنچتی ہے مثال کے طور پر:

اُن کی نبوت ان کی ابوّت ہے سب کو عام
اُم البشر عروس انھی کے پسر کی ہے

اس شعر میں حضورِ پُرنور نبی المحترم سرکارِ دوعالم ﷺ کی یہ شان بتائی ہے کہ آپ کی نبوت وجود آدم علیہ السلام سے قبل قائم ہوچکی تھی اس لیے آپ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے بھی روحانی باپ ہیں۔ اس نسبت سے اماں حوا سلام اللہ علیہا بھی معنوی طور پر آپ کی بہو ہیں۔

اسی طرح:

ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے، یہ ارادت کدھر کی ہے

اس شعر میں حضرت رضا مدینہ منورہ کی حاضری کے قصد کا لمحہ منعکس کررہے ہیں کہ جب انھوں نے بیت اللہ کے طواف کے بعد مدینے شریف کی طرف قدم بڑھائے تو زبانِ حال سے کعبۃ اللہ بھی ان پر نثار ہونے لگا۔ حالاں کہ اس سے قبل خود اعلیٰ حضرت طوافِ کعبہ کررہے تھے۔

عرش ھاشمی: اس سلسلے میں جناب عزیزاحسن کی بات کی تائید کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ رحمۃ کا نعتیہ کلام جہاں بعض مقامات پر عام فہم سے بالا اور استعاروں، تلمیحات، تشبیہات وغیرہ سے مملو نظر آتا ہے حتیٰ کہ عام قاری اس کلام سے پورے طور پر استفادہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مثلاً اس نعت کے دوشعر دیکھیے:

یہ فیض دیے، وہ جود کیے، کہ نام لیے، زمانہ جیے
جہاں نے لیے تمھارے دیے یہ اکرمیاں تمھارے لیے
عطاے ارب، جلائے کرب، فیوض عجب، بغیرِ طلب
یہ رحمتِ رب، ہے کس کے سبب، بربِ جہاں تمھارے لیے

وہیں دوسرے کئی مقامات پر اعلیٰ حضرت نے اتنے سیدھے سادے اور آسان پیرائے میں بات کی ہے کہ آپ کی پوری پوری نعتیں عام مسلمانوں بلکہ بچوں تک کو یاد کرلینے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ آپ کے کلام کا یہی حصہ اکثر محافل میلاد اور محافل نعت میں پڑھا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر بہت سی نعتیں آج بھی مقبول اور زبانِ زدِ عام ہیں مثلاً:

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
غم ہوگئے بے شمار آقا
بندہ ترے نثار آقا
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

اور یہ نعت شریف تو گویا بچے بچے کی زبان پر ہے:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

قمر رعینی: اعلیٰ حضرت کو زبان و بیان پر جو مکمل عبور بلکہ ملکہ حاصل تھا اس کا اظہار آپ کے نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' میں بہت سے مقامات پر اس قدر بھرپور انداز میں سامنے آتا ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آپ ایک ایک شعر میں کئی کئی محاوروں کو بڑی آسانی سے سمو دیتے ہیں اور اشعار کی وہی روانی اور اثر آفرینی جو آپ کے کلام کا خاصہ ہے برقرار رہتی ہے۔ یہ نعت شریف دیکھیے:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
صدقے میں ترے باغ تو کیا، لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

ایک اور نعت میں فرماتے ہیں:

میں نثار تیرے کلام پر، ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
کیا اس کو گرائے دہر، جس پر تو نظر رکھے
خاک اس کو اُٹھائے حشر، جو تیرے گرے دل سے

آصف اکبر: آپ نے مدینہ شریف کی حاضری کے تاثرات کو طویل نعت کی صورت میں پیش کیا ہے جس میں ایک ہی قافیے اور ردیف میں ۱۲۰ کے قریب اشعار ہیں۔ اسی طرح آپ نے کئی اور طویل نعتیہ نظمیں مثلاً قصیدہ معراجیہ اور قصیدۂ نوری بھی پیش کی ہیں جن میں زبان و بیان کی خوبیاں بڑی واضح ہیں۔ مثلاً آپ کی روضۂ رسول ﷺ پر حاضری سے متعلق طویل نعت شریف کے دو حصے ہیں پہلا علمی رنگ میں اور دوسرا سوزِ عشق سے بھرپور ہے۔ اس نعت سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جن و بشر سلام کو حاضر ہیں السلام یہ بارگاہِ مالکِ جن و بشر کی ہے

سب بحروبر سلام کو حاضر ہیں السلام تملیک انھی کے نام تو ہر بحر و بر کی ہے
عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے
شوریدہ سرسلام کو حاضر ہیں السلام راحت انھی کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے
خستہ جگرسلام کو حاضر ہیں السلام مرہم یہیں کی خاک توخستہ جگر کی ہے
سب خشک و ترسلام کو حاضر ہیں السلام یہ جلوہ گاہ مالکِ ہر خشک و تر کی ہے
سب کروفرسلام کو حاضر ہیں السلام ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہرکروفرکی ہے
اہلِ نظر سلام کو حاضر ہیں السلام یہ گرد ہی تو سُرمہ سب اہلِ نظرکی ہے

عزیز احسن: اعلیٰ حضرت کے بعض اشعار میں گویا قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ پیش کردیا گیا ہے اور ایسے اشعار میں بھی شعریت اور اثر آفرینی اُسی طرح قائم ہے جس طرح آپ کے باقی کلام میں ۔مثال کے طور پر:

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نورِ فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
ترے خُلق کوحق نے عظیم کہا تری خلق کوحق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

مومن ہوں، مومنوں پہ رؤف و رحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے

عزیزاحسن : اعلیٰ حضرت بریلویؒ کے کلام میں جہاں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں کا بیان ہے وہاں آپ کا قلم اظہار (اسلوبِ بیان) کی انتہاوں پرنظرآتا ہے۔ جناب ناظم اس سلسلے میں کچھ ارشادفرمائیں۔

بشیرحسین ناظم : چوں کہ ربّ العزت نے اعلیٰ حضرتؒ کو پیدا ہی شان و رفعت وعظمت رسالت مآب ﷺ کو اجاگر کرنے کے لیے کیا تھا اس لیے آپ کوتوفیق ہوئی کہ آپ نے بعونِ اللہ تعالیٰ مقام نبوت و رسالت کو ایک انفرادی شان سے بیان فرما کر منکرانِ رسالت مآب ﷺ اور ہیچمدانیوں کومبہوت کردیا۔ اسی لیے آپ کی کلک وقلم سے نکلے ہوئے اشعار آپ کوتمام نعت گو شعرا میں ممتاز مقام دلانے کے لیے کافی ہیں:

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

کمالِ مہاں، جلالِ شہاں، جمالِ حساں، میں تم ہو عیاں
کہ سارے جہاں بروزِ فکاں ظِل آینہ ساں تمھارے لیے

اصالتِ کل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل، خدا کے یہاں تمھارے لیے
فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو
بچا جو تلووں کا ان کے دھوون، بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن، وہ پھول گلزار نور کے تھے
کمان امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
اے خارِ طیبہ دیکھ یہ دامن نہ بھیگ جائے — یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
ایسا گمادے ان کی ولا میں خدا ہمیں — ڈھونڈا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں — خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا
آسماں خوان، زمیں خوان، زمانہ مہمان — صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے
وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہات اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمھارا دل اضطراب میں ہے

عرش ھاشمی: جی ہاں، اس سلسلے میں چند اشعار میں بھی پیش کرنا چاہوں گا۔ مثلا ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی — دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی
سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے — باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری — حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

اور آخر میں فرماتے ہیں:

لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

غرض آپ کی (کہی) نعتوں میں شانِ سرکارِ دوعالمﷺ انتہائی حسین الفاظ میں بیان ہوئی ہے مگر اس کے ساتھ آپ کا قلم افراط و تفریط سے محفوظ رہنے میں بھی کامیاب و کامران رہا ہے۔

آصف اکبر: اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت علیہ رحمۃ نے اپنے کلام کے ذریعے عام مسلمان کی رشد و ہدایت کا فریضہ بھی بڑے موثر انداز میں ادا کیا۔ اور اسے اپنی دولت ایمانی کی حفاظت کی طرف متوجہ کیا لیکن خاص بات یہ ہے کہ آپ کے ایسے اشعار میں بھی وہی اثر آفرینی اور دل کشی موجود ہے جو باقی نعتیہ کلام میں ہے۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے:

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا، ہوتے نہیں، ہشیار ہم
سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر، دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے، اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

قمر رعینی: ایک اور پہلو جو ہمیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کے کلام کے مطالعے میں نظر آتا ہے وہ آپ کا انتہائی مؤثر اور دلنشین انداز میں رشد و ہدایت کا پیغام ہے آپ نے اپنے کلام کے ذریعے عام مسلمان کو بعد از مرگ پیش آنے والے مراحل کی تیاری کا درس بھی دیا اور اس سلسلے میں پائی جانے والی عمومی غفلت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو بیدار کرنے کی بھرپور کوشش بھی کی ہے، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اندھیرا گھر، اکیلی جان، دم گھٹتا، دل اکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے
زمیں تپتی، کٹیلی راہ، بھاری بوجھ، گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر، تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے، نیند یہ کب کی نکالی ہے

عرش ھاشمی: اعلیٰ حضرت کی (کہی) نعتیں جو آج ذرائع ابلاغ سے مختلف آوازوں میں پیش کی جاتی ہیں اور محافل میں بھی نعت خوان حضرات پیش کر رہے ہیں اور جو نہایت مقبول ہوئی ہیں ان کی تعداد بھی خاصی ہے۔ بلکہ میں تو بلاخوفِ تردید یہ کہوں گا کہ کسی بھی دوسرے نعت گو کی اتنی تعداد میں نعتیں مشہور و مقبول عام نہیں ہوئیں جتنی کہ آج بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ رحمتہ کی نعتیں ذوق وشوق وعقیدت سے پڑھی جارہی ہیں، مثلاً:

لم یاتِ نظیرک فی نظر، مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی		سب سے بالا و والا ہمارا نبی
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے		مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا		صدقہ لینے نور کا، آیا ہے تارا نور کا
واہ کیا جودوکرم ہے شہِ بطحا تیرا		نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام		شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

قمر رعینی: حضرت رضا بریلوی نے جہاں نعت گوئی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں انھوں نے اپنے باکمال شاعر ہونے کا بھی ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کے کلام کا اگر غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ایک طرف تو فقہ، حدیث، قرآنی تعلیمات اور علوم دینی پر ان کے تبحر کا پتا چلتا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ وہ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے عروضی بھی تھے۔ اگرچہ اس کا ادعا انھوں نے نہیں کیا۔ لیکن میرا دعویٰ شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ثبوت میں ان کے کلام سے ایسی نعتیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں جہاں انھوں نے عروضی اوزان کے تجربے بھی کیے ہیں اور رباعی جیسی صنفِ نازک پر انھوں نے جس روانی اور کمال کے ساتھ اپنے فن کار ہونے کا ثبوت دیا ہے وہ رباعیاں پڑھ کر معلوم ہوجاتا ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ مجھے عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ ان کا جو مجموعۂ کلام میرے سامنے ہے اس میں رباعیات کے حصے میں خصوصاً بہت زیادہ اغلاط ہیں جن کی وجہ سے ایک کم فہم آدمی سوءِ ظن کا شکار ہوسکتا ہے کہ مولانا نے مصرعے بے وزن کہے ہیں... حالاں کہ یہ محض پروف ریڈنگ کا کرشمہ ہے... جب کہ اسی

مجموعے میں شمس بریلوی کا مقدمہ بہت کمال کا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آیندہ اشاعت میں اس پہلو پر خصوصی توجہ مرکوز کی جائے۔

عزیز احسن: اس مقبولیت بلکہ قبولِ عام میں دراصل میں سمجھتا ہوں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ نے جس عشق اور جذبے کی سچائی کے ساتھ اپنی نعتوں میں سرکار رسالت مآب سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر اخلاص ہے۔ لہٰذا دل سے نکلی ہوئی یہ صدا آج بھی دلوں پر اسی طرح اثر کرتی ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا یہ کلام بارگاہِ الٰہی عزوجل اور بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یقیناً مقبول ہے۔

الحمدللہ کہ اس تھوڑے سے وقت میں امامِ نعت گویاں امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ کی نعت نگاری کے حوالے سے شرکا نے اپنی گفتگو میں بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی۔ میں آخر میں یہی کہنا چاہوں گا کہ اعلیٰ حضرت کا نعتیہ کلام حقیقتاً کلام الامام، امام الکلام کا مصداق ہے۔ دعا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے دیوانِ نعت 'حدائقِ بخشش' کے مطالعے سے عصرِ حاضر کے نوجوان شعرا بھی اپنی نعت گوئی کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں اور اپنے کلام میں بھی اسی اخلاص اور سوزِ عشق کی کیفیات کو سمونے کی سعی کریں جو کہ اعلیٰ حضرتؒ کے کلام میں ہم دیکھتے ہیں۔

تمام شرکاے گفتگو خصوصاً میزبان کی محبت و تعاون کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے میں آج کی اس نشست کو خود اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ کے اس شعر پر ختم کرنا چاہوں گا کہ:

اے رضا جانِ عنادل، ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے!

D:NaatRang-18
File: Mozakarat
Final

کلامِ رضؔا کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

اگر تنقید کا سامنا ہو۔؟

اجتماعی زندگی میں اکثر اپنے کیے ہوئے پر تنقید یا جواب طلبی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب کی حیثیت اجتماعی زندگی میں وہی ہے جو آنکھ اور آئینے کی ہے۔ اگر آنکھ بند کردی جائے اور کسی کو آئینہ میسر نہ ہو تو انسان کو اپنا حال براہِ راست جاننے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ اگر تنقید کا سامنا ہو تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اس کے بارے میں مثبت رویہ اپنایا جائے۔ یہ مثبت رویہ درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔

خیر مقدم کیا جائے : سنتے ہی ناگواری یا تلخی کا اظہار کرنے کے بجائے خوش دلی کے ساتھ موقع دیا جائے۔ پوری بات کو سنا جائے۔

دفاع سے گریز کیا جائے : تنقید کا جواب دفاعی انداز میں نہ دیا جائے یا فوری دفاع کا نہ سوچا جائے بلکہ بات کو سمجھا جائے۔ نکات بنائے جائیں۔
جذبات کو الگ رکھا جائے۔ فرد سے بحث نہ کی جائے۔

خیر خواہی کو اپنایا جائے : مخاطب کے بارے میں مثبت اظہار ہو۔ اس کی تنقید کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے۔

جو صحیح ہو مان لیا جائے : جو بات صحیح ہو اس کو مان لیا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔

وضاحت طلب کی جائے : اگر بات نامکمل ہو تو وضاحت طلب کی جائے۔ مخاطب کی غلط رائے نامکمل معلومات کی بنا پر ہو تو اس کو معلومات دے کر رائے پر نظرثانی کا موقع دیا جائے۔

غلطی کی تردید کی جائے : جو بات شک وشبہ یا غیرحقیقی مفروضات یا بہتان پر مشتمل ہو، اس کی واضح تردید کی جائے۔ لیکن پھر بھی مخاطب کے بارے میں مثبت رائے رکھی جائے۔

اپنی بات پیش کی جائے : اس موقع کو مثبت طور پر اپنے موقف کی وضاحت، نقطۂ نظر کی صحت اور مقاصد پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تاکہ اتفاق رائے بذریعہ افہام وتفہیم کا امکان بڑھ جائے۔

طوالت سے گریز کیا جائے : جتنی بات تنقید میں کی گئی ہو، جواب کو اسی حد تک محدود رکھا جائے۔ چھوٹی بات کا بڑا جواب یا بڑی بات کا چھوٹا جواب نہ دیا جائے۔ دوسرے جو لوگ موجود ہیں ان کی قبولیت کو بھی سامنے رکھا جائے۔

کلامِ رضاؔ کے ذریعے
محبتِ رسول ﷺ کو عام کرنے والوں
کے نام

خطوط

پروفیسر قیصر نجفی (کراچی)

﴿شمارہ ۱۶ کے حوالے سے﴾

'نعت رنگ' شمارہ ۱۶ اپنے روایتی علمی وادبی رچاؤ، فکری وفنی حسن اور روحانی جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا... 'نعت رنگ' کا ہر شمارہ آپ کے کڑے انتخاب کی چغلی کھاتا ہے۔ ایسے جریدے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، جو فی الواقع معیار کو مقدم سمجھتے ہیں اور ادب میں لابی ازم یا گروہ بندی کو تکفیر کی حد تک بُرا خیال کرتے ہیں۔ بحمداللہ! 'نعت رنگ' اسی قبیل کے جراید میں سے ایک ہے۔ البتہ جہاں تک 'نعت رنگ' کے علمی و ادبی میلانات اور فکری وفنی رجحانات کا تعلق ہے تو اس کتابی سلسلے کی اساس نعتیہ ادب پر رکھی ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نعتیہ ادب میں مذہبی فکر کی جوت جگائے بغیر بات نہیں بنتی۔ جب کہ مذہبی فکر ہمارے ہاں فرقہ واریت کے گھن سے مبرا نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ایسے معاشرے میں جہاں ہر فرقے نے اپنی علاحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہو، وہاں نعت ونعتیہ ادب کے کسی نمایندہ جریدے کو عقیدہ وعقیدت مندی کے حوالے سے متوازن رکھنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ 'نعت رنگ' اس تناظر میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ 'نعت رنگ' سے سولہ شمارے غیر جانب داری کا ایک ایسا معیار پیش کرتے ہیں، جس کے عشر عشیر تک پہنچنا بھی متعجب کر دینے کے لیے کافی ہے۔

پیشِ نظر شمارے کا ابتدائیہ مدیر کے خلوصِ نیت کا غماض ہے۔ انھوں نے بڑی شایستگی سے موضوعِ نعت کے حوالے سے تنوع کی ضرورت کا احساس دلانے والوں اور متن و مواد میں تکرار سے گریز کا مشورہ دینے والوں سے مدلل گفتگو کی ہے اور کسی بات کو انا کا مسئلہ بنانے کے بجائے اپنے لکھاریوں سے ان کے اعتراضات دُور کرنے کی درخواست کی ہے۔

مسعود الرحمٰن خاں ندوی، بھارت کا مضمون 'عہدِ نبوی ﷺ میں مدحِ رسول ﷺ' چند

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

ایسے عربی نعت گوشعرا کا تذکرہ ہے، جنھیں تاریخی لحاظ سے تقدم حاصل ہے۔ ان شعرا کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان کا تعلق عہدِ نبوت سے ہے۔ تاریخ کے اس ورق کی اہمیت اپنی جگہ، مگر مضمون میں کسی تازہ تحقیق یا علم میں اضافہ کرنے والی کسی کاوش کا سراغ نہیں ملتا... پروفیسر محمد اقبال جاوید نعتیہ ادب پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی معلومات وسیع اور اسلوبِ بیان ادبی حسن سے معمور ہے۔ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت رقم کرتے ہوئے الفاظ و تراکیب کے نقوش نہیں ابھارتے بلکہ صنایع بدایع کی کہکشاں در کہکشاں مرتب کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی مرصّع کاری کے نمونے زیرِتبصرہ مضمون 'ظہورِ قدسی' میں بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کرتے ہیں۔ ان کے مضامین پڑھ کر کسی نوع کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا... ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (بھارت) تخلیق کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید کے میدانوں کے بھی شہ سوار ہیں۔ ان کا مضمون 'اردو میں منظوم سیرت نگاری' ایک ایسی تحریر ہے، جو انھوں نے منظوم سیرت نگاری کے موضوع پر منصور ملتانی کا تحریر کردہ مضمون پڑھ کر قلم بند کی ہے۔ یہ مضمون ان منظوم سیرتوں کا احاطہ کرتا ہے، جو بقول ان کے منصور ملتانی کی دست رس سے باہر رہی ہوں گی۔ بلاشبہ ڈاکٹر نشیط کا ذہن تحقیقی دانش سے سرشار ہے، وہ تحقیق کے قواعد و ضوابط سے کماحقہ واقف و آگاہ ہیں۔ سیّد صاحب نعتیہ ادب کے ایک ایسے محقق ہیں، جو محققانہ تجسّس کی بھی جوت جگاتے ہیں اور ناقدانہ بصیرت کے چراغ بھی روشن کرتے ہیں... ڈاکٹر محمد سلطان شاہ نے اپنے مضمون 'نعتیہ شاعری میں ذکرِ احادیثِ رسول ﷺ' میں اس امر پر زور دیا ہے کہ نعت گو شعرا اپنے کلام میں حدیثِ سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی اہمیت کو اُجاگر کریں۔ اس تناظر میں انھوں نے بعض شعرا کی نعتوں سے اشعار کا حوالہ دیا ہے۔ البتہ انھوں نے راجا رشید محمود کے کلام سے اتنے کثیر اشعار پیش کیے ہیں کہ مضمون راجا صاحب کی نعت نگاری پر ایک باقاعدہ تبصرے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ لگتا ہے راجا رشید محمود کی نعت نگاری سے مضمون نگار بطورِ خاص متاثر ہیں۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کا ایک دوسرا مضمون بھی بعنوان 'معراج نامہ بلاقی' مشمولات میں شامل ہے۔ نعتیہ ادب میں 'معراج نامہ بلاقی' کو بعض حوالوں سے اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس معراج نامے کا تحقیقی و تنقیدی ہر دو اعتبار سے محاکمہ کیا ہے۔ دیگر معراج ناموں کے ذکر اور تقابلی جائزے نے مضمون کی ادبی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔ میاں والی کے ریگ زاروں میں کھلنے والے گل ہائے علم و ادب پروفیسر محمد فیروز شاہ کو وہ مقام حاصل ہے، جو پھولوں میں گلاب کو حاصل ہے۔

قبلہ شاہ صاحب نثر و نظم دونوں اصنافِ ادب پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ وہ ایک بسیار نویس قلم کار ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے بسیار نویسی کو عیب نہیں بننے دیا ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں، بہ یک وقت پُرمغز بھی ہوتا ہے اور معنی آفرین بھی۔ ان کا مضمون 'اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت' ایک اہم تحریر ہے۔ یہ موضوع ایک کتاب کے حجم کا متقاضی ہے۔ تاہم پروفیسر صاحب نے اختصار میں جامعیت کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔

راجا رشید محمود کے مضمون 'دیارِ نعت پر اعتراضات کا تجزیہ' اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی 'نعت کا مطالعہ' کے آغاز سے پہلے مدیر 'نعت رنگ' کا ایک طویل ادارتی نوٹ شاملِ اشاعت ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ادارتی نوٹ فاضل مدیر کی نیک نیتی، غیر جانب داری اور علم دوستی کے شواہد پیش کرتا ہے۔ انھوں نے 'نعت رنگ' میں شائع ہونے والے منثور و منظوم مواد سے جس حد تک اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت ہے اور اس کے ہم بھی چشم دید گواہ ہیں۔ ہم 'نعت رنگ' کے لیے مضامین بھی لکھتے ہیں اور مدیر کی دی ہوئی بیسیوں کتابوں پر تبصرے بھی رقم کرتے ہیں۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ مدیر موصوف نے نہ تو ہمیں کبھی کسی قسم کی Dictation دی ہے اور نہ ہی ہم پر کبھی اپنی پسند یا ناپسندیدگی کی کوئی قدغن لگائی ہے۔ پیشِ نظر شمارے میں ہمارے کئی مضامین اور تبصرے موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے تبصرے بھی ہیں، جن میں ہم نے بعض شعرا کی لسانی و فنی بے احتیاطوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ ہم یہ حلفاً کہنے کے لیے تیار ہیں کہ ہماری کسی رائے پر مدیر نے اثرانداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ راجا رشید محمود صاحب سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ سیّد صبیح رحمانی مدیر 'نعت رنگ' بشری کم زوریوں سے مبرا نہیں ہیں۔ مگر ایسے کسی ناروا عمل کی (جس کی طرف راجا رشید محمود نے اپنے مضمون میں اشارا کیا ہے) ہمیں ان سے نہ کل اُمید تھی، نہ آج ہے اور نہ آیندہ ہوگی۔

راجا رشید محمود کی فروغِ نعت کے حوالے سے خدمات قابلِ قدر ہیں۔ ان کی تحسین نہ کرنا یقیناً ادبی ناانصافی ہوگی۔ جہاں تک تخلیقی عمل کا تعلق ہے تو بقول اُن کے 'اور، پھر غلطی کون نہیں کرتا۔ جب غالبؔ جیسا بڑا شاعر 'دل رُک رُک بند ہوگیا ہے' کا مرتکب ہوسکتا ہے اور یار لوگوں نے اس کی اور بہت سی غلطیوں کی نشان دہی بھی کر رکھی ہے، تو کون غلطیوں سے پاک کلام کہہ سکتا ہے۔' ہم بھی ان کے خیالات سے متفق ہیں۔ مگر علمی، ادبی و فنی بحث میں ذاتیات کو ہدف بنا لینا قطعاً قابلِ رشک عمل نہیں ہے۔ راجا صاحب نے ڈاکٹر شمیم گوہر کے اعتراضات کا دل کھول

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

کر جواب دے دیا ہے۔ اب انھیں مطمئن ہوجانا چاہیے۔ اگر اس خالصتاً ادبی مسئلے میں ذاتیات کو ملوث نہ کیا جاتا تو ہم بھی بالضرور ان کے یا ڈاکٹر شمیم گوہر کے موقف کی تائید یا تردید کرتے۔

گوشۂ افتخار عارف کے حوالے سے ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کے تعارفی کلمات ان کی علمی و ادبی بصیرت پر دال ہیں۔ ڈاکٹر کشفی صاحب کا حرف ہمارے عہد کے ادب کا افتخار ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی تحریر بعنوان 'مہر عالم تاب' پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے فن اور شخصیت پر ایک مقالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے صوفیہ باصفا و درویشِ بے ریا حضرت گولڑویؒ کی نعت گوئی کے فکری و فنی اور لسانی پہلوؤں پر بڑی بالغ نظری سے خیال آرائی کی ہے۔ پروفیسر صاحب نے کمال مہارت سے اپنے ممدوح کے علمی و ادبی مقام سے بھی روشناس کرایا ہے اور ان کے روحانی مراتب سے بھی آگاہ کیا ہے۔ بلاشبہ پیر مہر علی شاہ، پوٹھوہاری زبان کے ایک بڑے شاعر تھے۔ نعت نگاری سے انھیں فطری مناسبت تھی۔ رضا صاحب نے اپنے مقالے میں حقِ عقیدت مندی ادا کر دیا ہے۔ ظہیر غازی پوری، تخلیق و تنقید میں اپنی صلاحیتیں منوا چکے ہیں۔ ان کی نثر و نظم دونوں کی بنیادی خصوصیت فکر کی ترسیل و ابلاغ ہے۔ موضوع کے ابعاد کا کھوج لگانے میں وہ ماہر ہیں۔ ان کا مضمون 'تاج الفحول ...ایک مداح رسول ﷺ' ایک پُر مغز تحریر ہے، جس میں انھوں نے نہ صرف تاج الفحول کی نعت نگاری پر فن کارانہ تبصرہ کیا ہے بلکہ شعر خاص کر نعت کے شعر کی بحسن و خوبی تفہیم بھی کرائی ہے۔ عرش صدیقی ایک مکمل شاعر و ادیب تھے۔ پروفیسر شوذب کاظمی نے ان کی نعتیہ شاعری کا بڑی دقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ عرش صدیقی کی شاعری کا خمیر تازہ کاری کی زمین سے اُٹھا ہے۔ وہ نثر ہو یا شاعری، اپنے عہد میں سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ انھوں نے نعت نگاری میں ایک نئی راہ نکالی ہے۔ ان کی نعت احساسات و کیفیات کی تصویر کاری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ حضوری اور دُوری کے جذبات و احساسات کو شاید ہی ان سے بہتر انداز میں کسی نے پیش کیا ہو:

کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آ گئے
کیا بدنصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کا مضمون 'مقبول نقش کا نقشِ عقیدت' یادگارِ نقشِ علم و ادب ہے۔ خوب صورت شاعری پر خوب صورت تبصرہ دو آتشہ کا لطف دیتا ہے۔ کشفی صاحب نے مقبول نقش کی اعلیٰ شعری دانش کا بڑی مہارت سے کھوج لگایا ہے۔ خصوصاً اُن کی نعت میں تغزل کی

نشان دہی کرکے اپنے ہی ایک مؤقف کی تائید کی ہے۔ مقبول نقش ایک پختہ کار شاعر ہیں۔ اُن کا یہ شعر حمد و نعت دونوں اصنافِ سخن پر پورا اُترتا ہے:

مری زندگی بھی تری طلب
مری موت بھی تری جستجو

احمد صغیر صدیقی کی نعت تازہ لہجے کی غماض ہے۔ رشید وارثی، قمر وارثی، سعدیہ روشن کی نعتیں اور اقبال حیدر کے نعتیہ ہائیکو بھی خوب ہیں۔

پروفیسر شفقت رضوی نے 'اردو نعت کے جدید رجحانات، تعارف و تبصرہ، کے عنوان سے آنستہ شوکت کے غیر مطبوعہ پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کا ترتیبِ ابواب کے اعتبار سے جائزہ لیا ہے۔ رضوی صاحب ایک معتبر قلم کار ہیں۔ ان کی رائے وقیع اور تاثر ادبی اہمیت کا ہے۔ زیرِ تبصرہ مقالے کا انھوں نے بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا ہے اور جو محسوس کیا ہے، وہ سپردِ قلم کردیا ہے اور یہی اُن کے تجزیاتی مطالعوں کی اساسی خوبی ہے۔ پروفیسر غفور شاہ قاسم ایک کثیر المطالعہ تنقید نگار ہیں۔ وہ ایک دُور اُفتادہ مقام پر رہتے ہوئے جتنا اہم ادبی کام کر رہے ہیں، وہ بڑے بڑے ادبی مراکز پر معدودے چند لوگ ہی کرتے ہیں۔ غفور شاہ قاسم تنقید میں عقابی نگاہ رکھتے ہیں۔ تخلیق کے گوشے سے صرفِ نظر کرنا ان کا شیوہ نہیں ہے۔ تخلیق کی پرتیں کھولنا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے مگر قاسم صاحب اس مرحلے سے بصد آسانی گزر جاتے ہیں۔ ان کے حرف کو قومی سطح پر اعتبار حاصل ہے۔ ناچیز کے نعتیہ مجموعے 'رب آشنا' پر (جسے آثار و افکار اکادمی کراچی نے ایوارڈ سے نوازا ہے) انھوں نے تبصرہ رقم کیا ہے۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی (بھارت)

﴿شمارہ ۱۷ کے حوالے سے﴾

کچھ مدت ہوئی 'نعت رنگ' کا ایک ضخیم اور بہت عمدہ شمارہ آپ کا بھجوایا ہوا مجھے ملا تھا۔ کہنے کو تو ہر غلام سرورِ کائنات کی طرح میں نے بھی کچھ نعتیہ کلام کبھی نہ کبھی ضرور لکھا ہے، لیکن میں نعت کے میدان میں خود کو مجبور اور معذور سمجھتا ہوں، اس لیے میں نعت کا اچھا طالب علم بھی نہیں ہوں۔ بس اللہ کی مہربانی ہے کہ نعت کا اچھا شعر کہیں پڑھتا ہوں تو دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ دل تھام لیتا ہوں۔ 'نعت رنگ' کے موجودہ شمارے میں کئی اشعار ایسے تھے جسے میں پڑھ کر بے اختیار ہوگیا اور بے ساختہ آپ کے لیے دل سے دعا نکلی۔

جناب مولانا کوکب نورانی کے فاضلانہ اور عشقِ رسول کے سوز و گداز سے بھرے ہوئے مکتوبات بہ عنوان 'نعت اور آدابِ نعت' کا ایک نسخہ بھی ملا تھا۔ آپ اور صاحب زادہ ارشد جمال نقش بندی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ نعت گوئی کے فن پر کچھ تحریریں ہندوستان میں گزشتہ چند برسوں میں ضرور چھپی ہیں اور ایک صاحب نے اپنے مسلک کو بیان کرنے میں بہت غلو بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت مولانا ے موصوف کی دقتِ نظر اور وضعِ احتیاط کا جواب شاید ہی کہیں ملے گا۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ پہلے بھی آپ نے 'نعت رنگ' کے کچھ شمارے اور کچھ نعتیہ کتب مجھے بھجوائی تھیں لیکن جواب نہ ملا۔ میں شرمندہ ہوں کہ کتاب تو مجھے کوئی یاد نہیں آتی، لیکن 'نعت رنگ' کے ایک دو شمارے ضرور ملے تھے اور میں نے E-mail سے ان کی رسید بھی بھیجی تھی بلکہ ایک صاحب کا تقاضا تھا کہ مجھے بھی 'نعت رنگ' منگوا دیا جائے تو میں نے شاید آپ کو لکھا بھی تھا۔ بہرحال اگر میری کوئی تحریر آپ تک نہیں پہنچی تو میں اسے اپنی ہی کوتاہی پر محمول کرتا ہوں اور آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔

دراصل بات یہ ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر مجھے خط کا جواب لکھنے میں دیر ہوجاتی ہے، مثلاً یہی کہ کوئی اگر کتاب ہے تو اسے پورا نہ سہی تھوڑا بہت پڑھ لوں تب ہی تو لکھوں اور اسی انتظار میں دیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر اتفاق یہ کہ آپ کی یہ کتابیں ایسے زمانے میں آئیں جب میں بہت بیمار تھا اور کئی مہینے تک کچھ کام نہ کرسکا تھا۔ اس بنا پر آپ کے موجودہ مراسلے اور مرسلہ کتابوں کے جواب میں اور بھی دیر ہوگئی۔ ان شاء اللہ آیندہ ایسا نہ ہوگا۔

یہاں کچھ احباب 'نعت رنگ' باقاعدگی سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عندالاشاعت ہر شمارے کے پانچ نسخے آپ مجھے بھجوا دیں اور اس کے عوض یہاں کی جو کتابیں آپ کو مطلوب ہوں میں بھجوا دیا کروں؟

ڈاکٹر معین الدین عقیل (کراچی)

بارہا آپ کی محبتوں اور عنایتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا ہوں کہ اب آپ نے 'نعت رنگ' کے شمارہ ۱۷ سے لطف اندوز ہونے کا موقع عنایت فرمایا ہے۔ بے حد شکرگزار رہوں گا۔ 'نعت رنگ' کا آغاز.... سامنے کی بات ہے، پھر ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ مطبوعات بھی نظر سے گزرتی رہی ہیں۔ لیکن اب جو 'نعت رنگ' کو دیکھتا ہوں تو حیرت و مسرت کا احساس ہوتا ہے

کہ آپ نے صرف اپنے رسالے ہی کو نہیں، اس کے وسیلے سے اپنے سلیقے و محنت اور تزئین و اہتمام سے خود نعت کو اب کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں، یاد کرتا ہوں کہ دو تین دہائیوں قبل تک نعت کو اس حسن اور دل نشینی کے ساتھ کوئی کہاں پیش کرتا تھا۔ بطورِ صنف، بڑی سست روی سے جیسے جیسے یہ ارتقا پزیر تھی، لیکن آپ نے 'نعت رنگ' کو کس قدر تیزتر، وسیع تر اور جاذبیت و قبولیتِ عام سے اسے ہم کنار کردیا ہے! اب یہ تو ایک مستقل صنفِ سخن اس طرح بن گئی ہے کہ اس نے محض تخلیق کی حدود میں اپنے آپ کو اب قید نہیں رکھا ہے۔ تجزیہ و تنقید، بلکہ تحقیق کے وسیلے سے متعدد نئے آفاق اس نے تلاش کر لیے ہیں اور ہمارے ادب کی مستقل اصناف کی طرح اور 'دامنِ دل می کشد کی جا ایں جاست' کے مصداق، جذبہ و عقیدت کی نئی جہات کو تخلیقی وسعت، گہرائی، پختگی اور رنگینی عطا کر رہی ہے۔ یہ مبالغہ نہیں، کہ یہ سب آپ کی تنِ تنہا محنت اور جاں فشانی اور سلیقہ و حسن کاری کے باعث ممکن ہوا ہے۔

میری جانب سے اس سعادت و خدمت پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

ڈاکٹر سیّد طلحہ رضوی برق داناپوری (بھارت)

میں بفضلہٖ تعالیٰ آپ مخلصین کی صحبت سے صحت یاب ہوکر آرام کے ساتھ گھر (بھارت) آ گیا۔ آتے ہی ناگزیر مصروفیتوں اور مشغولیتوں نے گھیر لیا۔ آپ کو خط لکھنے میں تاخیر ہوگئی معذرت خواہ ہوں اس درمیان میں وقت نکال نکال کے 'نعت رنگ' ۱۷ کا مطالعہ بھی کرتا رہا اور آپ کے صحافتی سلیقہ و ہنرمندی کی داد دیتا رہا۔ کیا لکھوں اور کہاں کہاں سے لکھوں کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست۔

'مقالات و مضامین' نہایت معیاری، دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔ 'فکر و فن' کے تحت بھی آپ نے اہلِ قلم سے قیمتی جائزے حاصل کیے ہیں۔ 'گوشۂ حفیظ تائب' اور 'مذاکرہ' سے مستفید ہوا، نعتوں کا انتخاب بھی خوب ہے۔ خطوط میں حضرت علامہ کوکب نورانی (مدظلہ) کا خط تو امتیازی اور خاصے کی چیز ہے اور ہوتی ہی ہے بصیرت افروز و چشم کشا۔

اس صحت مند و بردمند شمارے میں بھی کمپوزنگ کی فروگزاشتیں جابجا کھلتی ہیں مگر اس کی ضخامت دیکھتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہاں! بعض جگہوں پر شبہ اور کہیں کہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ سہو و غلط خود صاحبِ تحریر سے سرزد ہوا ہے۔

حضرت کشفی کے مضمون میں جامی کی مذکورہ نعت 'خاکسارم یارسول اللہ' خسرو کی غزل 'شب جائے کہ من بودم' اور قدسی کی مشہور نعت 'مرحبا سیّد مکی مدنی العربی' سے متعلق اہلِ نظر محققین خوب خوب بحثیں کر چکے ہیں، مگر کوئی بھی ان نعتوں کو ان مشہور شاعروں کے علاوہ کسی دوسرے کی ثابت نہ کر سکا۔ قدسی مشہدی کی نعت کو مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے پروفیسر سمیع الدین احمد نے بہت دُور کی کوڑیاں لا کے کسی قدسی ہندی (غیر معروف) سے منسوب کردی اور لکھ دیا:

> نعت قدسی کے مصنف اصلی کا سراغ اور تعین کے وقت اس اہم نکتے کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ غزل مذکور کا سبک ہندوستانی شاعر کا ہے۔ لہٰذا جب تک ایسی کوئی مستند دستاویز بطور ثبوت نہیں حاصل ہوجاتی، یہ دعویٰ کہ نعت متذکرہ (مرحبا سیّد مکی مدنی العربی) قدسی مشہدی ہی کی تصنیف ہے، ازروے تحقیق صحیح نہیں ہوگا۔
>
> (ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۷۸ء)

مگر رائے عامہ ان کے ادعا کے خلاف ہی رہی۔

بھائی! اس طرح تو شیخ سعدی شیرازی کا پندنامہ بہ عنوان کریما بھی سعدی کے متداول نسخے یا کلیاتِ مستند مطبوعہ ایران میں شامل نہیں، تو کیا کریماے سعدی بھی کسی اور کی قرار دے دی جائے گی۔ اس فقیر نے 'کریماے سعدی' کے عنوان سے اپنے مضمون مطبوعہ ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۷۸ء میں اسے سعدی کی ہی تصنیف ہونے کے مضبوط قرائن سے بحث کی ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ عربی و فارسی، پٹنہ (بھارت) کے ایک کل ہند امیر خسرو سیمینار منعقدہ ۶ رنومبر ۱۹۸۳ء میں اسی خاکسار نے اپنے مقالے بہ عنوان 'خسرو کی مشہور غزل' میں اس غزل (شب جائے کہ من بودم) کو روشن حقایق اور قوی قرائن کی روشنی میں خسرو ہی کی غزل ثابت کیا۔ مقالہ چھپا اور اکیس سال گزر چکے اب تک کسی سے اس کا جواب بن نہ پڑا۔ صدیاں گزر گئیں ان غزلوں پر صوفیہ و مشائخ کو وجد و حال کرتے۔ تحقیق کی دنیا میں کچی یا پکی روشنائی ہی واحد معیار نہیں ورنہ صحیح بخاری شریف کی تدوین پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کی سند نہ دی جاتی۔

'جدید اردو نعت کی صورت پزیری کا موسم' ۵۷ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مضمون کا عنوان ہی چودھری صاحب کی جدت پسندی اور جودت طبعی کا غماض ہے۔ اس مضمون میں محولہ پہلا شعر ہی فیض احمد فیض کا لایا گیا ہے:

سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی
ربِ کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے

اتنے صفحات میں عبارت کم اور اشعار ہی زیادہ ہیں۔ انتخابِ کلام میں احتیاط لازم تھی۔ ایسے شعر بھی ہیں:

میں اس کا اُمتی ہوں جس کی خاطر
خدا نے روشنی تخلیق کی ہے

صہبا اختر کا شعر ہے:

خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والا ہے تو
سن اسے شیشوں کے مسیحا! دل شکستہ میں بھی ہوں

تیکھے تیور کے علاوہ اس میں 'شتر گربہ' بھی ہے اور اساتذۂ فن وسخن نے حرفِ ندا 'اے' کی تخفیف یعنی اس سے حرف یا کا گرانا غلط اور عجزِ بیان بتایا ہے۔ حالاں کہ مضمون میں اچھے اور بہت اچھے اشعار کا میلا ہے۔

'نعت نگاری اور احتراز' محنت سے لکھا ہوا مضمون ہے۔ ایک جملے پر نظر ٹھہری:

...اللہ تعالیٰ بھی ثنا پسند فرماتے ہیں اس لیے بندے کو بھی مدح جو ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے صیغۂ جمع کا استعمال کیسا ہے، آپ بہتر جانتے ہیں۔

'نعت میں نعت' اور 'گوشۂ سلیم' سے محظوظ ہوا۔ 'منظور حسین منظور کی نعت گوئی' مصنف کی دیدہ وری کا آئینہ ہے اور ایک خوب صورت کاوش۔ موصوف نے 'جنگ نامۂ اسلام' کے اشعار کی بحر ہزج مثمن سالم لکھی ہے اور درست رقم فرمایا ہے کہ اسی بحر میں حفیظ جالندھری کا شاہ نامۂ اسلام' اور اقبال کی نظمیں 'تصویرِ درد' اور 'طلوعِ اسلام' بھی تصنیف ہوئی ہیں۔ مگر 'مسدس مدوجزرِ اسلام' خواجہ الطاف حسین حالی نے بحرِ متقارب مثمن سالم میں لکھا ہے جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

صاحبِ مضمون کو مغالطہ ہوگیا ہے۔ انھوں نے مسدسِ حالی کو بھی بحر ہزج سالم ہی میں بتایا ہے۔ جنگ نامہ سے انھوں نے یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

فقط وہ ملہم ازلی حقیقت دانِ او ادنیٰ
کہ جس کی تفسیر ہے اک آدم الاسما

لفظ اَزَلی میں تو خیر تین متحرک میں دوسرے کو ساکن کرنے کی اجازت دی گئی ہے مگر دوسرے مصرعے کا کیا ہوگا؟

شاہ مصباح الدین شکیل کے تعارفی مضمون 'شاعرِ جہاد... رحمٰن کیانی' سے بھی لطف اندوز ہوا۔ واقعی رحمٰن کیانی ایک وہبی شاعر تھے اور ان کی رزمیہ شاعری بڑی زوردار ہے۔ کہتے ہیں:

مصرع زباں پہ آتا ہے زورِ کلام سے
تلوار کی طرح سے، نکل کر نیام سے

تمام محاسنِ شعری اور زبان دانی کے باوصف ان کا جنگ پسندی جہادی مزاج بھی اشعار سے آشکار ہے۔ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں:

رائج ہزار ڈھنگ ہو ذکرِ حبیب کے
شاہیں سے مانگیے نہ چلن عندلیب سے

شاید اسی وجہ سے 'منتخب کلام 'اذان' میں عشقِ رسول ﷺ کا عنوان حبِ رسول ﷺ کر دیا ہے'

کیانی چوں کہ فطرتاً شاعر ہیں لہٰذا قاری اگر ان کے کلام میں نرمی و نغمگی کی توقع بھی رکھے تو بے جا نہیں، مگر وہ کہتے ہیں:

مرا پیشہ ہے تلواری، مرا لہجہ ہے پیکاری

حالاں کہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں صحابۂ کرام کی تعریف قرآن نے یوں کی ہے: **اشدء علی الکفار رحماء بینھم**۔ اور اسی تعلیم کے زیرِ اثر علامہ اقبال نے یہ پیغام دیا:

گزر جا بن کے سیلِ تند رو، کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

رحمٰن کیانی کے اس قسم کے مصرعے بھلے نہیں لگے:

سڑکوں پہ ناچتی ہیں کنیزیں بتول کی

☆

یعنی کچھ لے دے کے جنت میں چلے جاؤ گے تم

انھوں نے شمشیرِ ضیابار کی کسی نظم میں عشقِ نبی ﷺ کے دعوے داروں سے 'کیا آپ نے؟' کا جو سوال کیا ہے وہ سوال ملک کے سیاست دانوں سے کیوں نہیں؟ انھیں کا یہ شعر ہے:

ذلت و خواری کا باعث مجملاً کہتا چلوں

ترکِ قرآں اور شرعِ سیّد الابرار ہے

دوسرے مصرعے میں قرآن اور شرع میں اگر واو عطف رہتا تو ترک کا انطباق دونوں پر ہوتا مگر ترکِ قرآں کے بعد اور لکھنے سے شرع سیّد الابرار پر بھی (نعوذ باللہ) ذلت و خواری کے باعث کا اطلاع ہوتا ہے۔ ان نازک باتوں پر بھی نگاہ ضروری ہے۔

'مذاکرہ' میں محمد فیروز شاہ نے اس قطعہ یاصاحب الجمال و یا سیّدالبشر' کو علامہ انور شاہ کشمیری مہتمم دارالعلوم دیو بند کا لکھا ہے۔ میرے علم میں اضافہ ہوا۔

حصہ 'مدحت' بھی خوب اور رنگارنگ ہے۔ حضرت وقار صدیقی اجمیری کی نعتیہ رباعیوں میں آخری (چوتھی) رُباعی، رُباعی کی بحر میں نہیں ہے۔ اسے قطعہ کہہ سکتے ہیں۔ جناب قمر رعینی کی تیسری رباعی میں 'بے ساختہ نام آپ کا لب پہ آیا' اس مصرعے میں پہ کی جگہ 'پر' لکھنا تھا۔ پہ، نہ، کہ وغیرہ صرف ایک حرکت شمار ہوں گے، نہ کہ سببِ خفیف۔ تخفیف سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے۔ آصف اکبر کے مقطع میں بھی یہی بات ہے۔ شاعری میں زبان و بیان کا معاملہ مشکل بھی ہے، آسان بھی ہے۔

سیّد ریاض حسین زیدی لکھتے ہیں:

خدا سے جو سنی ہے آپ نے سچ سچ بتائی ہے

سچ سچ بتائی ہے میں سُوے ادب ہے۔ یوں کر سکتے تھے 'وہ سب بتائی ہے'۔

یعقوب تصور صاحب کی نعت کا مطلع ہے:

عظمتِ تخلیق کا ہر اک کمال ان کے لیے

حسنِ کائنات اوصافِ جمال ان کے لیے

'حسنِ کائنات' کو وزن میں 'حسنِ کائے نات' پڑھنا ہوگا جو غلط ہے۔ اسی نعت کے بارھویں شعر میں یہ لفظ اصلاً درست استعمال ہوا ہے:

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

ان کی اقلیمِ بصیرت میں ہے ساری کائنات

بازیِ طفلاں ہے کارِ دانیاں ان کے لیے

دوسرے شعر میں قافیہ فعال لائے ہیں

گردشِ ارض و سما تاروں کی چال ان کے لیے
دو جہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے

حالاں کہ اس معنی میں لفظ فعال عین مشدد کے ساتھ ہے۔ فعال کے معنی لغت میں کچھ اور ہیں جن کا یہ محل نہیں۔

ایک مصرع ہے:

چاند، سورج، زحل، زہرہ، مشتری، مریخ سب

اس میں زحل بروزن فِعَل استعمال ہوا ہے جب کہ لفظ زحل بروزن فُعَل ہے۔

صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی کی نعت کا دوسرا شعر ہے:

ہاں ہاں وہی جو رحمتِ عالم ہے سر بہ سر
ہاں ہاں اسی تو شافعِ محشر کی بات ہے

اسی شعر کے دوسرے مصرعے میں تعقید کا عیب نمایاں ہے۔ اور مقطع کا مصرع ثانی واوین میں ہے:

واحدؔ طویل تر ہے عطاؤں کا سلسلہ
ہر ذرّے میں حضور کے خاور کی بات ہے

خاور کے معنی صرف مشرق کے ہیں نہ آفتابِ مشرق کے۔ Middle East کو اسی لیے خاورِ میانہ کہتے ہیں۔

میرے بھائی! اور کیا عرض کروں، 'نعت رنگ' درحقیقت آسمانِ ادب کی دھنک ہے، اب کوئی Colour blindness کا شکار ہو تو کیا کیا جائے! میں اپنی نگاہ سے مجبور ہوں، پھولوں کو دیکھتا ہوں اور کانٹوں پر بھی نظر پڑتی ہے۔ واللہ میری نیت عیب جوئی کی نہیں، بس فکر و فن کی بات ہے، جی یہی چاہتا ہے کچھ کہوں اور سنوں کہ علم میں اضافہ ہو۔ مجھے اپنی کم سوادی و بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔

ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی (بھارت)

چند روز ہوئے کہ مجھے دو کتابیں موصول ہوئیں: 'نعت اور آدابِ نعت' از مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اور 'نعت رنگ' کا سترھواں شمارہ اور اس سے پہلے بھی مجھے 'نعت رنگ' کے کچھ

شمارے ملے تھے۔ میں اکثر سفر میں رہا اور بیرونِ ہند بھی مسافرت میں تھا۔ اس لیے باوجود خواہش کے میں 'نعت رنگ' کے لیے کچھ نہ لکھ سکا۔ جب بھی فرصت ملے گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور کچھ لکھوں گا۔ پاؤں سے معذور ہوں۔ زیادہ دیر تک بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ چھڑی کے سہارے کچھ چل لیتا ہوں۔

آدابِ نعت پر میں نے مولانا کوکب نورانی کے چند ابتدائی خطوط پڑھے۔ یہ شاعر اور قاری دونوں کے پڑھنے کی چیز ہے۔ مولانا کوکب نورانی کو اللہ تعالیٰ نے علمِ دین، صحیح عقیدہ، عشقِ رسول ﷺ اور ادبی ذوق چاروں عناصر سے نوازا ہے۔ اس طرح وہ نورانی اسم بامسمّٰی ہوگئے۔ ادبی ذوق بہت کم یاب چیز ہے اور مولوی کے بارے میں یہ مثل تو سبھی جانتے ہیں کہ 'شعر مرا بمدرسہ کہ برد'۔ مولانا نورانی کا ادبی ذوق وہبی ہے جس کو باشعور مطالعہ نے پروان چڑھایا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ لوگوں کی کاوش سے اردو ادب میں نعتیہ سرمایہ زیادہ وقیع ہوگا اور اس کے تنقیدی اصول بھی متعین ہوں گے اور اردو ادب کی تدریس میں بھی اس کو اہم جگہ ملے گی۔ میں خود اپنے ہی ایک شعر پر اس تحریر کو ختم کرتا ہوں:

راہِ ایمان ہے راضی بہ قضا ہوجانا
اور عمل عشقِ محمدؐ میں فنا ہوجانا

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (بھارت)

'لوک گیتوں میں نعت' اور 'مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی کا نظریۂ نعت فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں' دونوں میں زیرِ قلم ہیں۔ جلد ہی روانہ کروں گا۔ ادھر پچھلے دو سال سے درسی کتابوں کے ادارے سے جڑ جانے کی وجہ سے مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ہر مہینے کے ۱۵ دن ممبئی، پونا کے سفر میں گزر جاتے ہیں، پھر اسکول کی ذمہ داریاں۔ گھر کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوں کہ بچے انھیں پورا کر دیتے ہیں۔ '۹۲: نامِ محمد (ﷺ) یا علم الاعداد کی کرشمہ سازی' اس ہفتے میں مکمل ہوجائے گا۔ وہ ممبئی سے لوٹنے کے بعد اس ماہ کے آخر تک روانہ کردوں گا۔

پسِ نوشت میں آپ نے میرے تعلق سے جو لکھا ہے میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ 'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ میں مولانا محترم کوکب نورانی صاحب مدظلہ العالی کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی کہ اب کی بار ان کے لہجے میں سختی نہیں ہے۔ مولانا کے اس لہجے کے خطوط یقیناً ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ زیرِ نظر شمارے میں مولانا کا خط پڑھ کر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا جو مولانا اشرف علی

تھانویؒ کی ملفوظات میں میری نظر سے گزرا تھا:

مولانا تراب صاحب لکھنوی جنھوں نے قاضی پر حاشیہ لکھا ہے، ان کا اور مفتی سعداللہ صاحب رام پوری کا اختلاف تھا۔ مولانا تراب صاحب مولود کرتے تھے اور مفتی صاحب احتیاط کرتے تھے۔ ایک دن مولانا مولوی تراب صاحب نے کہا، کیوں صاحب ابھی تک تمھارا انکار چلا ہی جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے کہا، کیوں صاحب ابھی تک تمھارا اصرار چلا ہی جاتا ہے۔ مولوی تراب صاحب نے کہا، ہمارے فعل کا منشا صرف حضورﷺ کی محبت ہے تو مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے ترک کا منشا صرف متابعتِ حضورﷺ ہے۔ اس پر مولوی تراب صاحب نے کہا بس تو ان شاء اللہ ہم دونوں ناجی ہیں۔

پہلے اس قسم کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ کاش علمائے کرام فتوے بازی کو چھوڑ کر اُمت میں اتحاد کی جانب توجہ دیں۔ پچھلے سال اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے گھر کے حج کی سعادت عطا فرمائی۔ ناگ پور سے جہاز تھا۔ نکلنے کی صبح میں زائرین کو پمفلٹ دیے گئے اور مساجد میں بھی چسپاں کیے گئے کہ امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ مکے کی قیام گاہ میں اس فتوے پر عمل کرنے والے بھی تھے جو کمرے ہی میں نماز ادا کرتے لیکن خادمِ حرم سے جو کھانا ملتا، اسے شوق سے کھاتے، میں نے ازراہِ مذاق ایک حاجی سے پوچھ لیا۔ جناب خادمِ حرم کا مال جائز لیکن امامِ حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، یہ کیا منطق ہے۔ وہ صاحب بھی مولوی تھے مگر خاموش رہ گئے۔

اُمت میں توڑ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج سارے عالم میں ہماری ہوا اکھڑ گئی ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہونا ہے ہمیں؟ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

پروفیسر شفقت رضوی (امریکا)

حسبِ قرارداد آپ نے کینیڈا سے 'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ نیویارک روانہ کردیا تھا۔ وہیں میں نے اس کا مطالعہ کرلیا تھا۔ ڈیلاس واپس آنے کے بعد آپ کا کراچی سے روانہ کردہ پیکٹ ملا۔ اس میں 'نعت رنگ' کے مذکورہ شمارے کے علاوہ حضرت مولانا کوکب نورانی کی کتاب 'نعت اور آدابِ نعت' شامل تھے۔ میرے حق میں آپ کا بڑا احسان ہے۔ حضرت قبلہ کے خطوط کے بارے میں نے اپنی کتاب 'نعت رنگ کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ' میں خراجِ تحسین وعقیدت کے

تمام پھول نچھاور کردیے تھے اب نچھاور کرنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا۔ یہ غالباً تیسری بار ان خطوط سے بصیرت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ کتاب کی اوّلین اشاعت سے قبل کمپوز میٹر کا بالتفصیل مطالعہ کیا تھا پھر کتاب نظر افروز ہوئی اور اب اضافہ کے ساتھ قندِمکرر کے مزے لوٹے۔ کہیے کس قدر خوش نصیب ہوں میں بھی!

'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ میرے لیے دولتِ بایاباں ثابت ہوا۔ عرصے سے..(یہاں).. انگریزی سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔ امریکی لہجے میں انگریزی بولتے بولتے زبان اور جبڑے تھک گئے تھے۔ انگریزی کتابیں پڑھتے پڑھتے آنکھیں پتھرانے لگی تھیں۔ 'نعت رنگ' نے اردو زبان کے چٹکارے لینے کا مزہ دیا۔ ایک تو سلونی زبان اس پر ذکرِ حبیبِ خدا ﷺ کی نورفشانی دل کے سرور اور روح کے کیف کے سامنے ہوگئے۔ خیال ہوا اردو کو مٹانے کے لیے غیروں نے اور ان سے زیادہ اپنوں نے جو زحمتیں اٹھائیں وہ سب بے کار ثابت ہوئیں۔ اگر اردو جنوبی ایشیا میں مٹ بھی جائے تو امریکا، کینیڈا، لندن، اٹلی، جاپان، وسطی ایشیا میں زندہ رہے گی اور اس کو مٹانے کا عزم رکھنے والے دوستوں کے سینے پر مونگ دلتی رہے گی۔ ذکرِ حبیبِ خدا ﷺ کے سلسلے میں بھی یہ رویہ صدیوں سے جاری ہے اور ذکر کی فراوانی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے۔ لاکھ پابندی لگاؤ کہ ذکر نہ ہو، احترام نہ ہو، عقیدت میں سر نہ جھکے، ہاتھ کا اشارہ نہ ہو، زبان پر یارسول اللہ نہ آئے، لیکن نہ تو فتوؤں کی ضرب اور نہ قینچیوں کی ضرب دلوں کے جذبوں پر قابو پاسکیں نہ محبتوں اور عقیدتوں کے سوتے سوکھ سکے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذہنی خلفشار، تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت، مصلحتوں کو نظر سے ہٹانے کے اس دور میں 'نعت رنگ' طوفانوں کے درمیان جگنو کی طرح روشن ایک چھوٹا سا دیا ہے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہیے۔ غالباً میں نے اپنے کسی پچھلے خط میں لکھا تھا کہ 'نعت رنگ' ختم ہوا تو سمجھو تمھاری زندگی ختم ہوگئی۔ میرے خیال میں 'نعت رنگ' کے تمام لکھنے والے اور پڑھنے والے بھی اس سے متفق ہوں گے۔

'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ پچھلے تمام شماروں کی طرح جان دار ہے۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے شوقی کے جس قصیدے کا تعارف کروایا ہے وہ نہایت شان دار ہے مسلمانوں کے موجودہ حالات کے تناظر میں ایک ایک شعر دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے کہیں کہیں تو اشعار اشک فشانی کے موجب بن جاتے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو غور سے پڑھا اور شاعر کی ندرتِ بیان کا قائل ہوا۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ہمیشہ غور وفکر کی دعوت دینے والی تحریروں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے

ہیں۔ ان کے مضمون نے باور کروایا کہ حضورﷺ کی ذاتِ گرامی کا ذکر زبان، نسل، مذہب، عہد اور دیگر نوعیت کی ہر حد بندیوں سے آزاد ہے۔ آپ سے عقیدت کے پھول کہاں کہاں اور کتنے خوب صورت اشکوں میں کھلتے چلے جاتے ہیں کہ ان کا شمار بھی انسانی قوت سے باہر ہے۔ مراٹھی زبان میں مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم حضرات نے نعت کے گلاب کھلائے ہیں، اس مضمون سے معلومات کا نیا در وا ہوا ہے لیکن اس میں ایک طرح کی تشنگی کا احساس ہوا۔ یہ مضمون غیر مراٹھی دان افراد کے لیے لکھا گیا ہے لیکن اس کا رویہ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مراٹھی دان لوگوں کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مراٹھی کے جو اسما اور مراٹھی کی شاعری کے جن اصناف کا ذکر ہے ان کے مفہوم سے کماحقہ آشنائی نہیں ہو پاتی۔ جس طرح ڈاکٹر صاحب موصوف نے 'کلغی طرے' کی وضاحت (ص۵۲) فرمائی ہے۔ اسی طرح مراٹھی صنفِ سخن 'روایتی' کی بھی وضاحت فرما دیتے۔ مراٹھی زبان کے الفاظ، اصطلاحات اور اسما و معنوں سے مبّرا صرف... لفظوں کے ڈھیر بن کر رہ گئے ہیں۔

'گرام گیتا'، 'دارگری سنیر دائے'، 'تلک اگرکر'، 'مراٹھی وشوکوش' جیسے الفاظ اپنی معنویت سمجھانے میں کامیاب نہیں ہوئے یا یوں سمجھیے کہ ہم ان کے معنوں کو تلاش نہ کر سکے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کم استعداد لوگوں کا خیال دیکھ کر تحریر فرمایا کریں تو اس کی اہمیت اور افادیت سیکڑوں گنا بڑھ جائے۔ اس مضمون میں دوسری بات جو تشنگی لیے ہوئے ہے شاعروں کے عہد کے تعین سے متعلق ہے۔ مضمون پڑھ کر یہ تعین کرنا کہ کون سا شاعر کس عہدے کا ہے ممکن نہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب موصوف ہر شاعر کے بارے میں اشارہ کرتے تو قاری کے لیے عہد کے تعین میں مدد ملتی۔ ہمیں علم ہے کہ ڈاکٹر صاحب صاحبِ علم ہیں اس کے اظہار کی ان کو ضرورت نہیں ہے ان کی معلومات ہمارے علم کے حدود سے بھی پرے تک ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک مضمون میں غیر متعلق ضروری اور اہم باتوں کو بھی شامل کرلیا جائے۔ اس مضمون کے ص۵۸ کے آخری پیراگراف سے لے کر اگلے صفحے کے دو ابتدائی پیراگراف مضمون میں پیوند معلوم ہوتے ہیں۔

ریاض حسین چودھری اور پروفیسر فیروز شاہ کے مضمون نفسِ مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے کا سلسلہ ہیں۔ اس موضوع پر مزید گوہر افشانی کی ضرورت ہے۔ ان دونوں صاحبانِ علم نے مضامین میں اشعار کے جو گل دستے سجائے ہیں ان سے ان کے مطالعے کی وسعت اور شعر فہمی کی صف نمایاں ہے۔ اگرچہ تعداد بڑھانے کے خیال سے ایسے چند اشعار بھی حوالہ میں آگئے ہیں

جو مضمون سے مطابقت نہیں رکھتے یا نعت کے مزاج یا حضورﷺ کی عظمت سے میل نہیں کھاتے۔

ان دونوں مضامین کو پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ ان میں الفاظ کی کثرت ہے۔ بیان میں رنگینی ہے، زبان میں لطف ہے، مفہوم میں کمی ہے اور خیال کی تکرار ہے۔ میری ناقص رائے ہے۔ اس موضوع کے لیے اسلوب جداگانہ ہوتا ہے 'طلسم ہوش رُبا' اور 'فسانۂ عجائب' نوعیت کی زبان اور ہے علمی، ادبی معلومات اور رائے کے لیے طرزِ بیان مختلف ہے۔ افسانہ اور ناول جداگانہ نوعیت کی تحریر کے متقاضی ہوتے ہیں۔ عشقیہ خطوط کی رنگینی بیان سے جدا ہوتی ہے۔ حضورﷺ کے ذکر کو 'طلسم ہوش رُبا' نہ بنائیے۔ 'فسانۂ عجائب' کو بھول جائیے کہ اب مزاج اس سے ہم آہنگ نہیں۔ عقیدت کو عقیدت رہنے دیجیے اسے افسانے میں نہ ڈھالیے آگے مرضی آپ کی جو آپ کی رضا ہو سو کریں۔

'نعت رنگ' کے لکھنے والوں میں سب جانے پہچانے نام ہیں ان سب کی یادوں کے لیے دل کا ایک ایک گوشہ سجا رکھا ہے۔ جعفر بلوچ، مصباح الدین شکیل، 'نعت رنگ' میں کم دکھائی دیتے ہیں مگر ان کی محبتیں اور عنایتیں خوب یاد ہیں۔ جتنے اچھے یہ لوگ ہیں اتنی ہی اچھی باتیں کرتیاور لکھتے ہیں۔ مصباح الدین شکیل نے مرحوم رحمٰن کیانی کی یاد تازہ کردی۔ وہ شاعر بھی خوب تھے اور انسان بھی خوب تھے۔ ایک گروپ فوٹو میں ان کی یادگار موجودگی میرے پاس محفوظ ہے۔

اور آخر میں سب سے اہم نام ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی سب سے اہم ہے۔ یقین مانیے ان کی تحریریں ذہن میں ہلچل مچا دیتی ہیں۔ دل کے تاروں کو چھیڑنا خوب جانتے ہیں۔ ان کے دونوں مضامین میں جو ماضی قریب کی تہذیبی زندگی کے حوالے سے پڑھنے کو ملے ان کے وسیلے سے اپنے ۷۵ سالہ ماضی کو بار بار دُہرانے اور لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیب، ان کا تمدن، ان کا رکھ رکھاؤ کسی قدر جاں فزا اور روح کو بالیدہ کرنے والا تھا کہ آج ان کے ذکر سے تاریکیِ جاں میں اُجالے جاگ جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مضمون میں ظاہری انتشار پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں فکری ربط ضرور ہے۔ کیا خوب ہو اگر وہ ذہن میں محفوظ تہذیبی یادوں کے ذخیرے کو نئی نسل کی تربیت کی خاطر مفصل تحریر کر کے شائع کرنے کا اہتمام کردیں۔

یوں تو مسلمانانِ عالم کا شعوری اور تہذیبی رویہ رو بہ انحطاط ہے۔ اس کی پست ترین سطح پر پاکستانی معاشرہ ہے کتنی بدنصیب قوم ہے جو گزشتہ نصف صدی میں ایک رہ نما قوت پیدا نہیں

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

کرسکی۔ بیس ویں صدی کے نصف اوّل میں جو مسلمان رہ نما گزرے ہیں ان کے پست قامت بھی نصف آخر کے قدآور سے بلند تھے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، علمی میدانوں میں ہُو کا عالم ہے۔

کوئی بے راہ روی کو روکنے والا نہیں کوئی درست راہ سجھانے والا نہیں۔ ڈاکٹر کشفی اور وہ تمام بزرگ جو تہذیبی یادوں کے خزانے رکھتے ہیں اب اپنی تحریروں کے ذریعے زمانے کو لٹا دیں یہ بڑا احسان ہوگا اس عہد پر۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

(۱) 'نعت رنگ'، 'نعت کے جدید رنگ' کے ساتھ عزت افزاے خاکسار ہوا۔ قبل ازیں خانہ کعبہ کے بارے میں آپ کی نظم بھی مل گئی تھی، میں نے اطلاع بھی دے دی تھی اور اب چند اشعار میں اصلاح کے بارے میں آپ کی ہدایت بھی مل گئی ہے، ممنون ہوں۔

(۲) 'نعت نگاری اور احترازِ نفس'... اس تحریر کے بارے میں دوبارہ بروقت عرض کیا تھا کہ اسے نہ چھاپیں کیوں کہ اس میں ابھی بہت سا حک و اضافہ مقصود تھا۔ آپ ایک طویل قلمی رفاقت کے پیشِ نظر میری یہ 'آخری التماس' قبول فرما لیتے تو میں ذہنی کرب سے بچ جاتا۔

(۳) اس فقیر کو علم و عرفان کا کوئی سا دعویٰ بھی نہیں بلکہ اپنے پُرتقصیر ہونے کا اقرار اور سراپا لغزش ہونے کا اعتراف ہے۔ مولا کریم ہم سب کی لغزشوں کو معاف فرمائیں اور ہم سب کو قلم قلم، لفظ لفظ اور قدم قدم ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

(۴) ریکارڈ کی درستی کے لیے عرض کردوں کہ شمارہ ۱۳ ص ۲۰ کا نثرپارہ 'طور پر تجلّیوں کی بارش... کافی تھی۔' واوین کے اندر ہے اور مقتبس ہے حضرت حافظ مظہرالدینؒ کے ایک انشائیے سے، چوک ہوگئی کہ آخر میں حوالہ نہیں دیا۔

(۵) شمارہ ۱۶ ص ۵۳ پر ایک نثرپارہ 'صلوٰۃ و سلام' دراصل تحسین... سے شروع... اور 'صلوٰۃ و سلام'... پر ختم ہوتا ہے۔ وہ فکری اعتبار سے حضرت حافظ مظہرالدینؒ ہی کی ایک تحریر کا تاثر ہے جو کبھی نظر سے گزری تھی اور ذہن میں محفوظ تھا۔ آج متعلق کتاب تلاش کی ہے اور اُن کی دونوں تحریروں کا عکس بھیج رہا ہوں۔

(۶) اس فقیر کو حضرت حافظ مظہرالدینؒ سے ایک تعلق خاطر ہے کہ میرے والد مرحومؒ اور اُن کے والد ماجدؒ، سراج السالکین، قدوۃ العارفین حضرت محمد سراج الحق پانی پتی گورداس پوری چشتی

صابریؒ سے بیعت تھے۔ اس نسبت سے اُن کی ذات میرے لیے واجب الاحترام بھی ہے اور اُن کی قلمی کاوشیں قابلِ قدر بھی اور جس سے قلبی تعلق ہو، اس کی بہت ہی باتیں ذہن میں محفوظ رہا کرتی ہیں۔ لفظوں کی صورت میں بھی اور خیالات کی شکل میں اور زندگی نام ہی اخذ و استفادہ کا ہے۔

(۷) قبل ازیں میرے جو مضامین 'نعت رنگ' میں چھپ چکے ہیں۔ اُن میں پروف ریڈنگ کی بہت سی غلطیاں ہوتی تھیں اور میں اشارتاً آپ کی توجہ بھی اس طرف مبذول کراتا رہا ہوں۔ 'نعت نگاری اور احترازِ نفس' والے مضمون میں بھی حسبِ معمول درج ذیل غلطیاں خلطِ مبحث کا باعث بن رہی ہیں۔ شمارہ ۱۶

صفحہ	سطر	غلط	درست
۱۲۱	۷	فکر	نظر
۱۲۱	۱۷	صد	صدا نہیں
۱۲۳	۵	معقول تراوش	معقول تر روش
۱۲۳	۱۳	بھائیوں	بھاٹوں
۱۲۳	۱۶	مرنا	مرزا
۱۲۳	۱۸	بہت	بیت
۱۲۳	۲۵	مری تحری	میری تحریر
۱۲۴	۱	مجھے نفلوں	مجھے کتنے نفلوں
۱۲۴	۲۴	انحصار	اظہار
۱۲۵	۱۴	مہیار	مہیا
۱۲۶	۲۴	توصیف	توصیفی
۱۲۷	۲۵	آمادگی بے ساختگی	آمادگی اور بے ساختگی
۱۲۸	۲	یہ	×
۱۲۸	۴	ماقبل ازیں	قبل ازیں
۱۲۹	۵	داشتہ آید کہ بہ کار	کہ ×
۱۲۹	۷	غذائیت کی ہے	غذا مہیا کی ہے

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

۱۳۰	۴	علوم	عوام
۱۳۰	۱۱	ہوسکتی	ہوسکتیں
۱۳۰	۱۳	تو	×
۱۳۱	۱۷	بو	بود
۱۳۱	۱۸	خوش	خود
۱۳۱	۲۱	قیود	قعود
۱۳۴	۲	مداح	مدح
۱۳۴	۳	کے لیے وہ	کے لیے کہ وہ
۱۳۴	۱۷	ادا ہی نہیں ہوسکتا	(پوری ایک سطر غائب ہے)
۱۳۵	۳	خوشامدان	خوشامدانہ
۱۳۵	۳	لاحاصل	لاطائل
۱۳۵	۱۴	بلند رکھا ہے	بلند کر رکھا ہے
۱۳۵	۱۸	ابہام طرازیوں	اتہام طرازیوں
۱۳۷	۴	کہ صنفِ سخن	کہ یہ صنفِ سخن
۱۳۷	۸	جاتی ہیں	جاتی رہیں
۱۳۷	۹	آتے ہیں	آتے رہیں
۱۳۹	۱۸	شرکت نفس	شوکت نفس
۱۳۹	۲۵	زنجیر	زنجیرِ در
۱۴۰	۳	کھیلیں گے	کھلیں گے
۱۴۱	۱۴	ہر ایک نام	ہر ایک کا نام
۱۴۱	۲۴	خوام	خوانم
۱۴۱	۲۴	گردو	گردد

میں نے ابھی مضمون کو سرسری طور پر دیکھا ہے بالاستیعاب نہیں۔ اب کیا لکھوں اور کیا کہوں؟

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

ڈاکٹر جوہر قدوسی (بھارت)

آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا عالمی معیار کا نعتیہ ادب کا شاہ کار رسالہ 'نعت رنگ' (شمارہ ۱۱) حال ہی میں نظر نواز ہوا۔ دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا۔ اس کے بارے میں سنا بھی تھا اور پڑھا بھی تھا لیکن کشمیر میں کہیں بھی دست یاب ہوسکا۔ بالآخر یہ پرانا شمارہ ایک دوست کی وساطت سے دستیاب ہوا۔ صد ہزار مبارک باد قبول فرمائیں۔

اللہ اپنے حبیب کے پاک ﷺ کی محبت میں آپ کے اس جذبۂ بے پایاں کو قبول فرمائے اور دین و دنیا و آخرت کی خوشیوں سے آپ کا اور آپ کے تمام متعلقین کے دامن بھر دے۔ آمین

راقم الحروف اوردہ نعت کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ راقم نے پی ایچ۔ ڈی کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ 'اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا' کے موضوع پر ہی تحریر کیا ہے، جس پر راقم کو ۱۹۹۷ء میں کشمیر یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔ اب تک راقم کی ایک کتاب (اردو کے ۲۵ نعت گو شعرا: ولی دکنی سے صلاح الدین پرویز تک، صفحات ۳۲۰، سالِ اشاعت ۲۰۰۲ء) اور ۱۵ سے زائد مقالے نعتیہ موضوعات پر شائع ہوچکے ہیں۔ ایسے میں راقم جیسے نعتیہ ادب کے طالب علم کے لیے 'نعت رنگ' کی اہمیت و افادیت اور اس کے ساتھ والہانہ وابستگی کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔

چناں چہ میں نے بہت کوشش کی کہ دہلی یا کسی اور جگہ سے 'نعت رنگ' کے پرانے اور نئے شمارے حاصل ہوسکیں لیکن افسوس کہ اب تک کوئی کامیابی نہ ملی، حالاں کہ 'اردو بک ریویو' دہلی کے مدیر محمد عارف اقبال صاحب سے مارچ کے اوائل میں اسی غرض سے ملنے گیا کہ ان کے ذریعے شاید میرے شوقِ والہانہ کی تشفی ہوجائے لیکن انھوں نے بتایا کہ سارے شمارے ختم ہیں۔

سب سے پہلے تو میں یہی درخواست کروں گا کہ ازراہِ کرم 'نعت رنگ' کے جتنے شمارے آپ کے پاس دستیاب ہیں، ان تمام شماروں کی ایک ایک کاپی راقم نا چیز کو رجسٹرڈ پارسل سے ارسال فرمائیں اور رقم کے بارے میں بھی مطلع فرمائیں کہ کتنی رقم ادا کرنی ہے۔ ان شاء اللہ المستعان مطلوبہ رقم ادا کروں گا۔

دوسری بات یہ کہ نعت گوئی فکر وفن سے وابستگی نے ڈاکٹریٹ کے لیے تحقیق کے دنوں ہی میں راقم کو اس بات پر اکسایا کہ کشمیر میں اس جن کی باضابطہ ترویج و اشاعت اور فروغ و ارتقا

کی خاطر ایک پلیٹ فارم منظم کیا جائے، چناں چہ اللہ کے فضلِ خاص سے راقم کی انفرادی کوشش رنگ لائیں اور میری تحریک و ترغیب پر کشمیر کے چند اہلِ شوق 'نعت اکادمی' کشمیر کے قیام پر آمادہ ہوئے۔ جس کا قیام سال ۱۹۹۸ء میں عمل میں آیا۔ اس ادارے کا کچھ لٹریچر بھی آپ کے نام اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔

راقم کی ادارت میں ایک خالصتاً دینی پرچہ 'الحیات' سرینگر (کشمیر) سے ۴ سال سے شائع ہورہا ہے، جس کا مئی ۲۰۰۵ء میں مسلسل اشاعت کا ۳۸/ واں شمارہ منظر عام پر آرہا ہے، الحمدللہ۔ اس جریدے میں راقم نے 'نعت اکادمی کشمیر' (جس کا میں سکریٹری ہوں) کے لیے دو صفحے مختص کردیے ہیں، جن میں حمدیہ ونعتیہ کلام وغیرہ کی اشاعت ہوتی ہے۔ (کئی شمارے ساتھ میں منسلک ہیں)

الحمدللہ 'نعت اکادمی کشمیر' ریاست جموں و کشمیر کی واحد ایسی انجمن ہے، جو خالصتاً نعت گوئی کے فروغ و ارتقا کے لیے کوشاں ہے۔ اس انجمن کا میں بانی سیکریٹری ہوں اور پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب اس کے صدر ہیں جب کہ ریڈیو کشمیر سرینگر کے ایک پروڈیوسر غلام حسن غم گین اس کے نائب صدر ہیں۔ اکادمی کے پہلے نائب صدر مشتاق کاشمیری تھے، جوکشمیر کے سب سے معروف نعت گو شاعر ہیں لیکن موصوف اب کشمیر میں نہیں بلکہ آزاد کشمیر میں قیام پزیر ہیں۔

میں اللہ کے فضل سے 'نعت رنگ' کے شمارے موصول ہوتے ہی اپنا حقیر قلمی تعاون چند تحقیقی مقالموں کی صورت میں ارسال کروں گا اور آپ سے تعاون کی درخواست کروں گا۔

فی الحال میں بڑی بے تابی کے ساتھ اس دن کا انتظار کروں گا، جب اپنے محبوب رسالے 'نعت رنگ' کے زیادہ سے زیادہ نئے و پرانے شمارے موصول ہوں گے۔ براہِ کرم ترسیلِ زر کی صورت میں زرِمبادلہ کی صورت بھی بتائیں۔

نعت گوئی کے مختلف موضوعات پر میرے مطبوعہ مقالے/مضامین

نمبرشمار	نام اخبار/ رسائل	تاریخِ اشاعت	بہ عنوان
۱۔	ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی	یکم اگست ۱۹۹۷ء	اردو کا اوّلین نعتیہ نمونہ نئے انکشاف کی روشنی میں
۲۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۴/اپریل ۱۹۹۸ء	اردو نعت کا ہیئتی تنوع

۳۔	ہفت روزہ 'خبر ونظر' سری نگر	۱۰راگست ۱۹۹۷ء	اردو کے نعتیہ انتخاب اور 'شہنشہِ کونینؐ'
۴۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	جنوری ۱۹۹۸ء	اردو میں نعت کا اصطلاحی مفہوم
۵۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۶رستمبر ۱۹۹۷ء	رسمی نعت گوئی اور حقیقی نعت گوئی
۶۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۵رستمبر ۱۹۹۷ء	لفظ نعت کا اوّلین استعمال
۷۔	ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی	۱۵رفروری ۱۹۹۸ء	نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے
۸۔	ہفت روزہ 'خبر ونظر' سری نگر	۱۶رنومبر ۱۹۹۷ء	اردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی
۹۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	مارچ ۱۹۹۷ء	احسان دانش کی نعتیہ شاعری
۱۰۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۷راکتوبر ۱۹۹۸ء	علامہ اقبال کا نعتیہ کلام
۱۱۔	'گلالہ' کشمیر یونی ورسٹی سری نگر	سال ۱۹۹۸ء	مولانا ظفر علی خاں کا نعتیہ کلام
۱۲۔	ہفت روزہ 'اخبارِ نو' نئی دہلی	۷رستمبر ۱۹۹۸ء	علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری
۱۳۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۲۷راگست ۱۹۹۷ء	اردو میں نعت کے مختلف انداز و اسالیب
۱۴۔	ماہ نامہ 'حریمِ ناز' جموں	دسمبر ۱۹۹۸ء	نادم بلخی کا نعتیہ کلام
۱۵۔	روزنامہ 'عقاب' سری نگر	۱۷راپریل ۲۰۰۰ء	اردو کے نعتیہ گلدستے اور 'عقاب'
۱۶۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	۱۵رنومبر ۲۰۰۰ء	صلاح الدین پرویز کا نعتیہ کلام
۱۷۔	روزنامہ 'عوام' نئی دہلی	۱۳رمارچ ۲۰۰۱ء	مولانا حالیؔ کا نعتیہ کلام
۱۸۔	ہفت روزہ 'جبروت' سری نگر	اگست ۲۰۰۲ء	اردو نعت میں ہیئتی تنوع
۱۹۔	ماہ نامہ 'پیش رفت' دہلی	اگست ۲۰۰۲ء	اردو نعت میں ہیئتی تنوع

اس کے علاوہ کئی اور مضامین میں مختلف نعتیہ موضوعات پر شائع ہوئے۔ افسوس کہ ان کا ریکارڈ دست یاب نہیں۔

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

تقریباً نو ماہ بعد 'نعت رنگ' کا تازہ شمارہ ۱۷ نظرنواز ہوا یہ آپ کی محبت کہ آپ اس سے مجھے نوازتے رہتے ہیں۔

میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ اس کی ضخامت بس ڈھائی سو صفحات کر دیں اور اسے ہر تین ماہ بعد لائیں۔ اس سے جریدے میں باقاعدگی بھی پیدا ہو جائے گی اور آپ کو پروف وغیرہ دیکھنے میں بھی دقت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ آپ بھی زمیں جنبد نہ جنبد ... قسم کے آدمی ہیں۔

مضامین میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا مضمون خوب ہے۔ اسی طرح کا دوسرا تحقیقی مضمون ڈاکٹر یحییٰ نشیط کا ہے۔ جناب ریاض حسین چودھری کا مضمون بھی کسی سے کم نہیں۔

اس مضمون میں انھوں نے بہت سے اشعار بطور حوالہ دیے ہیں۔ چند بہت ہی پسند آئے۔ جس میں سرفہرست یہ شعر ہے:

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم
(صبیح رحمانی)

اس شعر میں شعریت ہے، غنائیت ہے، فن کاری ہے، لفظوں کو برتنے کا ہنر ہے۔ ایسے ہی اشعار سے مرصع نعت پڑھنے کو ملتی ہے تو جی خوش ہوتا ہے۔ آپ کے پاس متعدد افراد اور قلم کار ایسے موجود ہیں جو تحقیق کے میدان میں نام ور ہیں۔ اگر کوئی صاحبِ ذوق قلم کار ہمیں ایسا مضمون دے جس میں سو بہترین نعتوں کا انتخاب ہو تو کیا کہنے۔ مگر یہ کام مشکل ہے، وہی کر سکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع ہو، ذوق اعلیٰ اور ہو اور جس کے تصرف میں ماخذ بھی ہوں۔

گوشۂ سلیم کوثر بہت اچھا ہے۔ مجھے جناب مظفر وارثی، سلیم کوثر، افتخار عارف اور مسیحی شاعر نذیر قیصر کا نعتیہ کلام ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ ان لوگوں کی نعتیہ کاوشیں جب بھی پڑھیں، اچھی پائیں۔ سلیم کوثر کے اشعار بہت اچھے لگے:

ایک ایسا بھی افق جذب ہے آنکھوں میں جہاں
آسماں اور زمیں ہاتھ ملائے ہوئے ہیں
گردشِ وقت نے خود راستے ہموار کیے
اس کو معلوم تھا ہم کن کے بلائے ہوئے ہیں
روتی ہوئی آنکھیں اُس کو اچھی لگتی ہیں ورنہ
رونا دھونا کیا ہے میرا گریہ و زاری کیا ہے

اسی لیے میں کبھی راستہ نہیں بھٹکا
کہ میرے ساتھ سفر میں رہی ہے بوے حرم

آگے کے صفحات پر متعدد نعت گو شعرا پر تقریظی مضامین ہیں (کوئی بھی تنقیدی نہیں) اس میں شاہ مصباح الدین شکیل کا مضمون 'شاعرِ جہاد' زیادہ اچھا لگا۔ ایک اچھے شاعر کی یاد بھی تازہ ہوئی۔ اب کتابوں پر تبصروں کا ذکر مگر یہاں پروفیسر محمد اقبال جاوید کے عمدہ مضمون 'نعت نگاری اور اہتزازِ نفس' کا ذکر ضروری ہے۔ اس میں دیباچہ نگاری اور کتابوں کی رونمائی کے حوالے سے بہت سے حقایق بیان کیے گئے ہیں۔ تبصروں کے ضمن میں کچھ ایسے ہی حقایق آج کل سامنے ہیں۔ آج کل رسائل تبصرے صرف اس لیے چھاپ رہے ہیں کہ وہ صاحبِ کتاب کو خوش کرسکیں۔ تبصرہ نگار بھی مصنفین کو ہی خوش کرنے کے لیے اپنی صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، کتاب کا صحیح اور دیانت دارانہ تعارف تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ قاری کو اچھی کتاب منتخب کرنے میں مدد دی جائے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا۔ 'نعت رنگ' میں اس بار... جو تبصرے ہیں وہ بہرحال 'ٹرخانے' والے نہیں ہیں۔ انھیں پڑھ کر قاری کو کافی حد تک علم ہوجاتا ہے کہ کتاب کیسی ہوسکتی ہے۔

مدحت کے حصے میں مولانا محمد قاسم ہاشمی کی نعت کی ردیف 'میری طرف کو دیکھنا' کچھ بھلی نہ لگی۔ اس میں 'کو' کھٹکتا ہے، غلط ہو نہ ہو۔ احسان دانش اور محشر بدایونی کی نعتوں کے بارے میں کیا لکھنا، یہ لوگ مرحومین میں ہیں۔ موجودہ شمارے میں ۲۵ نعتیں ہیں۔ اس میں سرشار صدیقی، امین راحت چغتائی صاحبان کی کاوشیں اچھی ہیں۔ صورتِ حال اس حصے کی improvement چاہتی ہے۔

خطوط کے حصے میں متعدد خطوط دلچسپ اور informative تھے۔ مولانا ملک الظفر سہسرامی کا مکتوبِ گرامی خوب تھا۔ حافظ عبدالغفار حافظ صاحب کے خط کا وہ حصہ معلوماتی ہے جس میں انھوں نے عروض سے متعلق باتیں کی ہیں۔ میں نے جناب کوکب نورانی کا خط پڑھ لیا ہے جس میں آٹھ صفحات انھوں نے میرے لیے ہی وقف کیے ہیں۔ میں اب کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا کیوں کہ بقول ان کے نہ میرے ہاں وسعتِ علمی ہے، نہ میں دینیات سے واقفیت رکھتا ہوں، سو میں اب خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بس یہاں ان کے ایک سوال کا جواب ضروری ہے کہ وہ لفظ جسے وہ نہیں سمجھ سکے up-hold ہے جو کتابت کی غلطی سے zip-hold بن گیا تھا۔ اسے سمجھنے والے بہرحال بآسانی سمجھ گئے ہوں تاہم وضاحت ضروری تھی۔

چوں کہ بات خطوط کی چل رہی ہے کہنا چاہوں گا کہ محترم شفقت رضوی نے 'نعت رنگ' کے شماروں کا جائزہ لیتے ہوئے جو کتاب لکھی اس میں خطوط کا ذکر سرسری کیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی اور صاحبِ علم قلم اٹھائے اور تمام خطوں میں اٹھائے جانے سوالوں کا جائزہ لے اور ہر مسئلے پر بحثوں کے پیشِ نظر جو نتیجہ نکلا ہو اسے پیش کرے تو یہ ایک قابلِ قدر کام ہوگا۔

آپ نے فرمایش کی تھی کہ میرے خط کو جریدے کی ضخامت کے شایانِ شان طویل ہونا چاہیے۔ میرا یہ مختصر سا خط ممکن ہے آپ کو بھلا نہ لگے مگر فکر کی ضرورت نہیں۔ خدا رکھے آپ کے پاس طویل خطوط لکھنے والے موجود ہیں۔

ایک قطعہ سنیے:

سمجھے جو کوئی تو بات بھی ہو
میں اپنا دماغ کیا چلاؤں
اَن پڑھ ہے ہوائے عہدِ حاضر
لفظوں کے چراغ کیا جلاؤں

پروفیسر محسن احسان (پشاور)

'نعت رنگ' کا تازہ شمارہ ملا۔ آپ کی محبت کہ آپ اس دُور افتادہ کو اس محبت اور اخلاص سے یاد کرتے ہیں کہ خود ندامت کے احساس میں ڈوب جاتا ہوں کہ صبیح بھائی کی طرف سے اتنی کرم فرمائیاں اور مجھ نالایق اور نااہل کا یہ حال کہ بروقت جواب بھی ارسال نہیں کرسکتا۔ یہ شمارہ شائع کرکے آپ نے شیدائیانِ رسولِ پاک ﷺ کے دلوں پر مہرِ محبت ثبت کردی۔ برادرِ گرامی ڈاکٹر کشفی کا مضمون 'نعت جگنوؤں کے تعاقب میں' بڑا پُرمغز اور نئے اندازِ فکر کی نمایندگی کرتا ہے۔ انھوں نے ماضی میں سفر کرکے اپنے قارئین کو بھی اپنی زندگی کے بہت سے نمایاں پہلوؤں کی سیر کرا دی۔ دین و مذہب سے ان کی وابستگی ان کے آبا و اجداد کی ذہنی تربیت سے عبارت ہے۔ اسی طرح ریاض حسین چودھری نے نعت کی صورت پزیری کے موسم میں بہت سے جدید نعت نگاروں کے حوالے سے نئی سچائیوں تک رسائی حاصل کی۔ ان کی نظر گہری اور مطالعہ وسیع ہے، نعت میں جدید طرزِ احساس، پروفیسر فیروز شاہ کا مضمون بھی نعت کے نئے دریچے وا کرتا ہے۔ انھوں نے بہت سے نعت نگاروں کے اشعار مضمون کو مختلف عنوانات دے کر واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی فکر تازہ اور توانا ہے۔ مذاکرہ بھی دلچسپ ہے اور بہت سے لکھنے

والوں کی ذہنی افتاد کا پتا چلتا ہے، 'نعت نگاری اور احترازِ نفس' میں پروفیسر اقبال جاوید نے ایک نئے زاویے سے نعت نگاری کو شفاف آئینے سے دیکھا ہے۔ 'نعت میں نعت' بھی بڑی کاوشوں سے لکھا ہوا ہے۔ لیکن 'مراٹھی میں ذکرِ احمدﷺ' ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط نے اردو دان طبقے کو مراٹھی کے نعت گو شعرا سے متعارف کروا کر بڑا نیک اور مبارک کام سرانجام دیا ہے۔ حفیظ تائب پر مختصر سا گوشہ بھی خوب ہے۔ جتنے بڑے نعت گو حفیظ تھے، اس کے لیے مزید مضامین ہوتے تو بات زیادہ وقیع ہوجاتی۔ پروفیسر قیصر نجفی نے پروفیسر شفقت رضوی کے 'نعت رنگ کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ' میں 'نعت رنگ' کے حوالے سے بڑی دل کش اور خوب صورت باتیں کہی ہیں۔ وہ خود اچھے نعت نگار ہیں لیکن اس شمارے میں نعت نہ ہونے کی وجہ سے قیصر صاحب کی بڑی کمی محسوس ہوئی۔ جعفر بلوچ نے بھی اسد ملتانی کی یادوں کو تازہ کردیا۔ وہ جتنے اچھے نعت گو تھے اتنے ہی عمدہ غزل گو بھی تھے۔ میں نے انھیں دیکھا اور سنا ہے اور فخر محسوس کرتا ہوں کہ ان کے نیازمندوں میں ہوں۔

ظہیر غازی پوری (بھارت)

میں فریضۂ حج ادا کرکے ۲۱ فروری ۲۰۰۵ء کو واپس آیا تو خطوط و رسائل کے انبار میں 'نعت رنگ' کا نیا شمارہ ۱۷ اور کوکب نورانی صاحب کی کتاب 'نعت اور آدابِ نعت' ہمدست ہوئی تھی۔ آپ کو علم ہوچکا ہوگا کہ عین حج کے روز نہ صرف برفیلی ہوا چلی تھی بلکہ شدید بارش بھی ہوئی تھی۔ گھٹنے گھٹنے پانی میں چل کر رمی کرنی پڑی اور بھیگے ہوئے لباس میں مکہ تک پیدل چلنا پڑا اور طوافِ زیارت کے بعد منیٰ واپس ہونا پڑا، ہجوم ایسا تھا کہ ٹیکسی کا چلنا ناممکن ہوگیا تھا۔ دوپہر تا شام بھیگے لباس میں رہنے اور طویل فاصلے پیدل طے کرنے کے باعث مجھے سردی لگ گئی اور آخری دن رمی کرنے کے بعد مکہ واپس آنے پر میں بخار میں مبتلا ہوگیا۔ چند دنوں کے بخار نے مجھے بے حد کم زور اور لاغر کردیا لیکن میں نے سارے مناسکِ حج بہ حسن وخوبی ادا کیے۔ مدینہ منورہ کا سفر خوش گوار رہا۔ انتہائی کم زور ہوجانے کے باوجود میں نے زیادہ سے زیادہ وقت مسجدِ نبوی میں گزارا۔ متعدد بار سرکارِ مدینہﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ ۴۲ نمازیں مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ کے فضل سے صحت یاب ہوگیا ہوں مگر جسمانی کم زوری کے باعث زیادہ لکھنا پڑھنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کئی بار دریافت کیا کہ آپ مجھے بتائیں کہ اعلیٰ حضرت نمبر

آپ کب تک شائع کریں گے لیکن آپ نے اپنے ۲۰ جنوری کے خط میں صرف اتنا لکھا کہ اعلیٰ حضرت نمبر مرتب کررہا ہوں۔ ممکن ہے اب تک نمبر اشاعت کی منزلوں سے گزر چکا ہو۔ بہرحال مجھے لکھنے کی خواہش ہے اور اللہ نے چاہا تو مضمون ضرور لکھوں گا۔ ابھی خطوط کے جوابات اور مدیرانِ رسالہ کو تاثرات لکھنے میں مصروف تھا۔ جلد ہی تخلیقی کام پھر شروع کروں گا۔ان شاء اللہ

'نعت رنگ' ۱۷ جستہ جستہ پڑھ چکا ہوں۔ رسالہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور صنفِ نعت پر انتہائی معلوماتی اور قابلِ استفادہ مضامین لکھے جارہے ہیں۔ خصوصیت سے ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط، ریاض حسین چودھری، پروفیسر محمد اکرم رضا اور پروفیسر محمد فیروز شاہ نے بہت متاثر کیا۔ ان حضرات نے بڑی محنت اور جان فشانی سے مضامین قلم بند کیے ہیں۔

آپ کی نعت پر میں نے جو مضمون لکھا تھا وہ 'جامِ نور' میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہوگا۔ اس کے بعد وہ 'پیش رفت' کے تازہ شمارے میں بھی شائع ہوا ہے۔ آپ کے ریکارڈ کے لیے اس کی زیراکس کاپی بھیج رہا ہوں۔ باقی اللہ کا شکر ہے۔

سلیم یزدانی (کراچی)

جب 'نعت رنگ' کا ۱۷واں شمارہ جناب مبین مرزا کے توسط سے مجھ تک پہنچا تو مسرت و شادمانی کی ایک لہر میرے جسم و جاں میں اُترتی چلی گئی جس عقیدت و محبت اور جاں سوزی سے اس کو نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت رکھنے والوں تک پہنچانے کا اہتمام نظر آتا ہے، وہ آپ کی محبت وعقیدت کا مظہر ہے، یہ آپ کی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ آپ ایک ایسا مبارک مقصد لےکر آگے بڑھ رہے ہیں جو اللہ کی دی ہوئی توفیق اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظرِ کرم کے بغیر ممکن نہ تھا۔

کسی انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ وہ ختم المرسلین اور محبوب ربّ العالمین کی محبت کے چراغ روشن کرسکے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعے اور 'نعت رنگ' کے اوراق پر حضور ﷺ کی ثنا سے مزین رنگوں سے وہ نقش اُبھار رہے ہیں جو خلقِ خدا کو تاریکیوں میں بھٹک بھٹک کر ہلاک ہونے سے بچائے رکھیں گے۔ میری نظر میں 'نعت رنگ' کا اجرا اور تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہنا ایک قابلِ تحسین کارنامہ ہے۔

جس عرق ریزی سے آپ نے اس شمارے کو ترتیب دیا ہے اُس کا اظہار اس میں

شامل نثر و نظم کے شہ پاروں سے ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی تہذیب ہو اُس میں اعلیٰ ترین مقام اُس کے مذہبی شہ پاروں کو ہوتا ہے۔ یونان کے دیومالائی ادب کو اور دیوی دیوتاؤں کے شان میں کہے گئے گیتوں اور زمزموں کو جو مقام یونانی ادب میں حاصل ہے، وہ بعد میں معرضِ وجود میں آنے والے ادب کو نہیں ہے، یہی صورتِ حال بھارت کے کلاسیکل ادب کی ہے۔ سنسکرت میں جو ادبِ عالیہ نظر آتا ہے، اُس میں اظہار، وجدان کی سرحدوں کو چھوتا نظر آتا ہے، اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایسا ادب تخلیق کیف و مستی کی فضا میں ہوتا ہے۔ اور یہ خاص و عام سب کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔

'رگ وید' میں بھارت میں آئے ہوئے آریوں کی عظیم شاعری اور مناجاتیں اُس دور کی بے مثال شاعری تصور کی جاتی ہے، اس لیے یہ وجدانی ذوق شوق کی مظہر ہیں۔ یہی حال کتاب متیٰ، مرقس کی انجیل اور اُس سے پہلے تورات، زبور اور کتبِ انبیا کی حمدیہ شاعری کا ہے جو تخلیقی اعتبار سے بلند پایہ کلام ہے۔

نعتیہ شاعری کی روایت عربی ادب سے فارسی ادب اور پھر اردو کے دامن کو گل رنگ کرتی ہے۔ عربی کے چار بڑے عربی شعرا جنھوں نے عربی شاعری کو شعری محاسن سے مالا مال کیا، وہ کعب بن مالک انصاریؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زبیرؓ تھے۔ یہ چاروں حضرت محمد ﷺ کے صحابی تھے۔ ان میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ کو حضور ﷺ نے خاص طور سے یہود و مشرکین کے شعرا کی مخالفانہ شاعری کے جواب میں شعر کہنے کی اجازت دی تھی، انھوں نے نعت گوئی کے فن کو بلندیوں تک پہنچایا اور پھر یہ ایک مستقل صنف شاعری کے طور پر عربی ادب کی شناخت بن گئی۔ آج عربی کا شعری ادب نعتیہ شاعری سے مالا مال ہے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ ہر شعر کہنے والا نعت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اس کے لیے شعری سلیقہ، رسول اللہ ﷺ سے عشق، رسالت کے تقدس سے آگہی، مقامِ رسالت کا شعور اور لفظوں کو موتیوں کی طرح شعری مالا کا روپ دینا آنا ضروری ہے کہ کوئی لفظ مقامِ رسالت کے منافی نہ ہو اور کوئی شعر تقدسِ رسالت کے خلاف نہ ہو۔ اور یہ سب اُس وقت آتا ہے جب وہ ایک تہذیبی روایت، ماحول فضائے ربانی سے گزر رہا ہو جس کی برتر مثال حضور ﷺ کے دور کی مدنی زندگی ہے کہ حضور ﷺ کا ہر صحابی حضور ﷺ کے عشق سے سرشار نظر آتا ہے۔

اس کا اندازہ کچھ بنی نجار کی لڑکیوں کے اُس استقبالیہ اشعار سے بھی ہوتا ہے کہ اُن

کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات کیا تھی اور وہ اُس ہستی میں کس کل کا منظر دیکھ رہی تھیں یا اُن کو دکھایا جا رہا تھا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکور علینا مادی للّٰہ داع
ایھا المبعوث فینا جنتٔ مالا مرا المطاع

اب اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کیا ماحول تھا کہ بنی نجار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں بلند پایہ روایت کی بنا ڈال رہی تھیں۔ حضور ﷺ کے مدینہ شریف میں ظہور فرمانے سے پہلے ہی اہلِ ایمان کے گھروں میں سرشاری کی کیفیت تھی۔ حضور ﷺ سے محبت کا ذکر بلند تھا اور یہ نعتیہ اشعار اُس ذکر وشوق کا نتیجہ تھے یہ لفظ ہمیشہ کے لیے زندگی پا گئے، امر ہوگئے۔ اب میں اُس فضا، اُس تقدس، اُس ماحول کی طرف آتا ہوں جو ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی یادوں میں محفوظ ہے اور جس کا سفر آج بھی جاری ہے، لیکن وقت نے اسے نئ جہتیں دے دی ہیں۔ اور اب یہ گھروں کے آنگنوں، راہ داریوں اور حویلیوں سے نکل کر عوامی سطح پر ایمان افروز محافل کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب یہ ایک ایسی شعری حسیت ہے جو تقدس کی زر مالاؤں کا روپ دھار چکی ہے، نعتیہ شاعری نے عربی ادب میں عشقِ نبی ﷺ سے اظہار کی ایک متحرک اور پُراثر شکل اختیار کرلی جب کہ جاں نثاران شاعری کی اصناف میں کوئی دوسری شکل رائج نہ ہوسکی اس میں ایک تو یہ کہ نبی پاک ﷺ سے محبت کرنے اور اُس کے اظہار کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل سمجھا گیا۔ دوسرے یہ کہ صحابۂ کرامؓ نے آپ ﷺ سے محبت کا وہ معیار قائم کیا جو روحِ زمانہ کے سامنے سفر کر رہا ہے، ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی نے یادوں کے دریچوں سے پردے اٹھا کر وہ کہکشاں دکھائی ہے جو شہرِ نبی ﷺ کی فضاؤں کو چھو رہی ہے۔

'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب' میں کشفی صاحب کا سفر جاری ہے اور یہ ایک ایسا سفر ہے جو تاابد جاری رہے گا۔ یہ ہندوستان میں نقش بندیوں، چشتیوں، سہروردیوں اور قادری خانقاہوں کی روایت ہے جو سینہ بہ سینہ ظاہر اور باطن میں نور فشاں ہے اور اہلِ ایمان کے خون میں گردش کر رہی ہے۔

کشفی صاحب نے جس ماحول کا نقشہ کھینچا ہے، یہ صرف اُن کے گھرانے اور شہر کا نقشہ نہیں ہے، یہ ہندوستان میں مسلمان گھرانوں کی تہذیب کا نقشہ ہے، مجھے یاد ہے میں نے

بدایوں کے ایک قصبے شیخوپور میں آنکھ کھولی، یہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی اولادوں کی بستی ہے۔ یہاں فریدیہ پٹاری ہے اس کی عمارت پاک پتن میں بابا فریدؒ کے مزار سے مشابہ ہے اور اس میں خوب صورت شیشے لگی چوبی الماری ہے جس میں بابا فریدؒ کے تبرکات محفوظ ہیں اور محرم کی ۵ تاریخ کو ان تبرکات کی زیارت اس خاندان کا بزرگ ترین اور اہلِ علم شخص کراتا ہے۔

جب ربیع الاوّل کا چاند نظر آتا، ننھے میاں کے چھتے میں نعت خوانی کی محفل آراستہ کی جاتی، ذکرِ رسول ﷺ ہوتا، مولود شریف کی ایک کتاب 'کحل البصر فی ولادت خیرالبشر' سے اقتباس ہر روز پڑھ کر سناتے، اُس کے وہ شعر جو مجھے یاد رہ گئے ہیں، وہ بھی اس لیے کہ میری والدہ بواجی صاحبہ میست النسا بیگم یہ شعر اکثر یہاں پاکستان آکر بھی سناتی رہتی تھیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

جس نے اصحابِ باصفا کو دیکھا — اُس نے گویا کہ مصطفٰی کو دیکھا
اور جس کی نظر پڑے نبی پر باللہ — اُس نے تو بعینہٖ خدا کو دیکھا

شعر فہمی کا تعلق براہِ راست شعری حسیت سے ہوتا ہے اور یہ ہر سخن فہم کی الگ ہوتی ہے، کم تر سطح سے کچھ اور نظر آتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ قطرے میں قطرہ بھی نظر نہیں آتا، لیکن شعری حساسیت کا ایک وہ مقام ہے کہ قطرہ گہر نظر آنے لگتا ہے یا پھر قطرے میں سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے، ۱۲ ربیع الاوّل کے دن بڑی دھوم دھام ہوتی۔ کھانے کھلائے جاتے، شیرینی تقسیم ہوتی، کچھ یہی کیفیت زنانی محافل کی ہوتی اُن دنوں پوری بستی لوبان اور اگربتیوں کی خوش بو سے معطر ہوتی۔

میں کشفی صاحب کے حوالوں اور یادوں کے سہارے ماضی میں چلا گیا اللہ تعالیٰ منشی محمد عاشق علی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنھوں نے مولود شریف کی ایسی کتاب لکھی کہ عشقِ رسول ﷺ اہلِ ایمان کے دلوں میں بس گئی۔ یہ ۱۲۹۶ھ میں ۱۳۰ سال قبل مطبع گلزارِ محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور میری والدہ بواجی صاحبہ کو لفظاً لفظاً یاد تھی جو شمع میرے والد حضرت شاہ محمد اسمٰعیل میاں فاروقی چشتی اور میری والدہ بواجی صاحبہ نے میرے ننھے سے دل میں روشن کی تھی، وہ میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ رسول ﷺ سے محبت کا جو بیج میرے دل میں بویا گیا تھا، وہ تناور درخت بن گیا ہے جس کی بدولت میں نے سیرتِ رسول ﷺ پر چار کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ پاک پر چھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب ہے، اس کتاب کو حکومتِ پاکستان نے سیرت ایوارڈ سے نوازا، رائٹرز گلڈ ایوارڈ عطا ہوا، ساکنانِ کراچی کی ایک تنظیم

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

نے نشانِ فضیلت دیا اور اب تک اس کے گیارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری کتاب 'شفیق و مہربان نبی ﷺ' ہے جو روزنامہ 'جنگ' کے مذہبی صفحے پر شائع شدہ میری مضامین کا مجموعہ ہے۔ تیسری کتاب 'شانِ نبی ﷺ' ہے جو نبی پاک ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کے مقامِ رسالت کا بیان ہے اور یہ اُن تقاریر کا انتخاب ہے جو مختلف محافل میں احقر نے حضور ﷺ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کی تھیں۔ چوتھی کتاب 'نبیِ پاک حضرت محمد ﷺ' ہے یہ اُن نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے ہے جو انگریزی اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ اہم تاریخی واقعات کے تناظر میں تحریر کی گئی ہے۔

جس ذاتِ گرامی کی تشریف آوری مومنوں کے لیے نعمت ہے، جس کی نبوت انسانوں کے لیے نعمت ہے، اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اور نعمت کے اعتراف کی ایک شکل ہے **واما بنعمت ربک فحدث**۔ سورۃ الضحیٰ اور ذکرِ رسالت مآب ﷺ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس سورہ سے سورۂ الناس یعنی اختتامِ قرآن تک سورہ کی تلاوت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے۔

یہ وہی بات ہے جو اس شعر میں کہی گئی ہے:

اور جس کی نظر پڑے نبی پر باللہ　　　اُس نے بعینہٖ خدا کو دیکھا

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بعد حضور ﷺ کی ذاتِ کامل و اکمل ہمہ جہت و ہمہ صفات ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اُسے باور آیا کہ اللہ ایک ہے۔ میلادالنبی کے جلسے اور نعت کی محفلیں مسلم تہذیب کی شان دار روایت ہے۔ اس سے حضور ﷺ کی محبت آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ، آپ ﷺ کی حیاتِ پاک دلوں و دماغ پر نقش ہوتی ہے اور اللہ کا وہ تصور جو حضور ﷺ نے پیش کیا، بندہ اُس کے قریب تر ہوجاتا ہے اور اللہ کی ذات وصفات عظیم تر ہوجاتی ہیں۔

اگر رسول ﷺ کو راضی کرلیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں، مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں سے خود راضی ہوجائے گا۔

کشفی صاحب کی یادوں کی چاندنی دلوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہے، حقیقت کا اعتراف ہے، تہذیب کا بہاؤ ہے، حبِ رسول ﷺ کا رچاؤ ہے، یہ ایک دعوت ہے، مصلحتوں سے پاک ہے، بلندیوں اور رفعتوں کو چھونے کے لیے ہمارے پاس ایک ہی نسخۂ کیمیا ہے۔

... نگاہے یارسول اللہ نگاہے... بچپن اور بچپن کے احساسات سچ کا مظہر ہوتے ہیں،

جھوٹ اور فریب سے کوسوں دُور۔ میں نے شیخوپور میں ننھے میاں کے چھتے میں جس محفلِ میلاد کا ذکر کیا ہے وہاں تہجد کی نماز کے بعد درود شریف کا بلند آواز میں ذکر ہوتا تھا اور اختتام، سلام پر ہوتا تھا:

السلام اے سرورِ عالی مقام — السلام اے حضرت خیرالانام
السلام اے ماہِ عرفاں السلام — السلام اے مہرِ ایماں السلام
یا نبی سلام علیک یارسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

کشفی صاحب کی یادیں ایک بھرپور اظہار ہے اُس تہذیب اور تہذیبی رویوں کا جن کو جب مسلمانوں نے چھوڑا، دامنِ مصطفیٰ ﷺ چھوٹا اور جب دامنِ مصطفیٰ ﷺ چھوٹا تو رب روٹھا۔ کشفی صاحب کے دل میں اس اُمت کا جو درد ہے، کاش اللہ تعالیٰ اُس کا سو واں حصہ بھی اُمت کو دے دے تو ہر طرف دینِ محمدی کا پرچم لہرانے لگے:

دافعِ ہر بلا درود شریف — ہر مرض کی دوا درود شریف
اور دل سے پڑھا درود شریف — ورد جس نے کیا درود شریف
ہے یہ عقدہ کشا درود شریف — جس لیے جو پڑھے وہ حاصل ہو

حضرت ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی ایک ولی صفت انسان ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ولی ہیں۔ صاحبِ علم و عرفان ہیں۔ ساری زندگی علم کی دولت بانٹتے گزری ہے، عاجزی و انکساری اُن کا طرۂ امتیاز ہے، زمانے میں ایسے صاحبِ علم اور صاحبِ فکر کم ہوتے ہیں، حق کہنے سے چوکتے نہیں وہ ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ خانقاہی سلسلے کی کڑیوں میں پروئی ہوئی شخصیت ہیں وہ خانقاہیں آج کی خانقاہیں نہ تھیں یہ تو سجدہ گاہیں ہیں انسانوں کو انسانوں کے غلام بنانے کا نظام ہے وہ خانقاہیں علم کا مرکز تھے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے اور مومن سازی کے ادارے جیسا کشفی صاحب کے اس مضمون سے پتا چل ہی گیا ہوا۔

محمد افضل خاکسار (فیصل آباد)

'نعت رنگ' کی محفلِ رنگ و نور میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہا ہوں۔ 'نعت رنگ' کا شمارہ ۱۷ میں اس وقت میرے زیرِ مطالعہ ہے۔ صفحہ ۴۱۹ سے علامہ کوکب نورانی کا مکتوب شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۴۸۰ پر اختتام پزیر ہوتا ہے۔ حضرت علامہ چوں کہ میدانِ جرح و تعدیل کے شہسوار

ہیں، لہٰذا انھیں خود بھی بارِ تنقید برداشت کرنا ہوگا۔ صفحہ۴۲۱ پر اُن کا ایک جملہ ہے 'میں نے اللہ کریم اور اس کے سیّد المعصومین ﷺ رسولِ کریم ﷺ کے لیے لکھے اور کہے جانے والے کسی منفی و ناروا لفظ و خیال کو گوارا نہیں کیا۔'

میرے خیال میں علامہ موصوف اپنی تحریر میں یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا عصمتِ رسول ﷺ کے حوالے سے کچھ اہلِ قلم منفی و ناروا رویہ اپنائے ہوئے ہیں جب کہ حضرتِ موصوف ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ 'سیّدالمعصومین' کی ترکیب اُن کی اسی ذہنی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔

جہاں تک فصاحتِ کلام کا تعلق ہے، اُن کا مذکورہ بالا جملہ بوجھل اور غیر فصیح ہے۔ یہاں مجھے اُن سے ایک سوال بھی پوچھنا ہے وہ یہ کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تو 'سیّدالمعصومین' کی ترکیب 'استعمال' فرمائی مگر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خالق و مالک اور معبودِ واحد اللہ ربّ العزت کے لیے ایسی سعیِ بلیغ کیوں ضروری نہ سمجھی۔ بحوالہ عصمت ہر دو مقام پر قرینۂ کلام یکساں ہونا چاہیے تھا۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوا؟

مجھے چوں کہ حضرت علامہ کی خدمت میں مزید گزارشات بھی پیش کرنا ہیں لہٰذا آیندہ سطور میں میرے مخاطبِ اوّل وہی رہیں گے۔

قارئینِ کرام! صفحہ۴۲۱ پر ہی ایک اور جملہ ملاحظہ ہو'اور انھیں یہ بُرا لگا کہ کسی منفی یا ناروا لکھنے کہنے اور ماننے وقبول کرنے والے کے لیے کوئی رعایت یا کریم میں نے نہیں کی'۔

عالی جاہ! 'ماننے وقبول کرنے والے' ماننے اور قبول کرنے والے کے لیے، واوِ عاطفہ 'ماننے' کے بعد لگانے کا کیا قرینہ ہوا۔ لفظ 'ماننا' نہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور نہ ہی فارسی زبان کا۔ سو، اس لفظ کے ساتھ واوِ عاطفہ لگا کر اسے مرکب عطفی کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا۔

'رعایت یا کریم میں نے نہیں کی' رعایت کی نفی کے بعد تکریم کی نفی بے معنی سی بات ہے۔ جہاں 'رعایت' کی گنجایش نہ ہو، وہاں 'تکریم' کیوں کر متصور ہوئی؟

'رعایت یاتکریم میں نے نہیں کی' فاعل جملے کے آغاز میں چاہیے، یوں کیوں نہیں کہتے:

'میں نے رعایت یا تکریم نہیں کی' یہ بات تو ہوئی گرامر کے حوالے سے، جب کہ قرینۂ کلام کے حوالے سے جملہ یوں چاہیے 'میں نے تکریم یا رعایت نہیں کی' تکریم پہلے لائیں اور رعایت بعد میں۔

اب اسی جملے کو فکری و فنی اعتبار سے دیکھتے ہیں، رعایت اور تکریم دو لفظ ہیں جو باہم نہ تو مترادف ہیں نہ متضاد اور نہ ان میں کوئی صوتی ہم آہنگی ہے۔ اسی طرح اگر سیاق و سباق کے حوالے سے بھی دیکھیں تو کوئی لف ونشر مرتب یا غیر مرتب والی صورتِ حال بھی نہیں، پھر ان الفاظ کی پیوندکاری کا کیا جواز ہوا؟ یہ تو پریشاں گوئی ہے جس کا نتیجہ مغائرتِ فکری و بعدِ معنوی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

صفحہ۴۲۲...'یہ فقیر بے توقیر سراپا تقصیر عرض گزار ہے کہ ان شاء اللہ میں یہ'جرم' کرنا اپنی سعادت شمار کرتا رہوں گا اور اللہ کریم جل شانہ سے اس'جرم' پر استقامت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اہلِ ایمان سے بھی اپنے حق میں اس دعا کی التماس کرتا ہوں'۔

حضرت! ہم تو آپ کو صاحبِ منزلت ہستی سمجھتے ہیں۔'دُور درشن' پر آپ کا دُور ہی سے 'درشن' کرکے خوش ہو لیتے ہیں، ویسے کسی زمانے میں کچھ تھوڑی سی قربت بھی نصیب ہوئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ کو ابھی'خط' نہیں آئے تھے، یا آئے تھے تو ابھی ریش مبارک کا تکلف نہ فرماتے تھے... بہرکیف ہم آپ کے دیرینہ نیازمندوں میں سے ہیں لہٰذا اسی نیازمندی کی بنا پر عرض گزار ہیں کہ آپ خواہ مخواہ کی کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے خود کو'بے توقیر' کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ بھلا'یہ فقیر بے توقیر سراپا تقصیر' لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچے دل سے خود کو'فقیر' کہہ لینا ہی کافی تھا۔ اور ہاں، یاد رہے، فقیر لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو کسی کا دل نہیں دُکھاتے، اپنے اعلیٰ اخلاق سے غیر مسلموں کے دل بھی جیت لیتے ہیں مگر آپ کیسے فقیر ہیں کہ ثناگارانِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے بھی نرمی نہیں۔ آپ اگر صدقِ دل سے محسوس کرتے ہیں کہ کوئی لفظ شایانِ رسالت مآب ﷺ نہیں تو آپ نرمی اور پیار سے رائے دے سکتے ہیں مگر اپنے مسلک کو دوسروں پر ٹھونسنا، فقہی مسائل کو لے بیٹھنا، ایک ایک حرف پر تنقید کرنا اور ساتھ ہی اصلاح کا فریضہ بھی سرانجام دینا، یہ تو دوسرے اہلِ قلم کی کھلی کھلی تضحیک ہے۔ یقین جانیے آپ کا اپنا کلام بھی فصاحتِ زبان و بیان سے صد مرحلہ دُور ہے۔ بطورِ دلیل چند سطور تحریر کی جا رہی ہیں، اُمید ہے آپ خندہ پیشانی سے برداشت فرمائیں گے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی آپ کے خود کو'بے توقیر' لکھنے کے حوالے سے۔

میرے محترم! آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آپ کے ذاتی حوالے سے نیز آپ کے والدِ گرامی قدر مرحوم و مغفور کے حوالے سے کتنے لوگ آپ سے رشتۂ عقیدت میں منسلک ہیں۔

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

آپ تو خود کو 'فقیر، بے توقیر، سراپا تقصیر' کہہ کر اپنے ذوقِ کسرِ نفسی کی تسکین فرما لیں گے، مگر کل آپ کے عقیدت مندوں کے لیے آپ کی یہ کسرِ نفسی مسئلہ بن جائے گی۔ آپ کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اسی قسم کی کسرِ نفسی کا مظاہرہ کیا تھا:

کوئی کیا پوچھے تیری بات رضا   تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

جس کا خمیازہ آج تک بریلوی حضرات بھگت رہے ہیں۔ بے چارے عقیدت کے مارے کبھی 'کُتّے' کی جگہ 'کِتّے' پڑھتے ہیں اور کبھی 'کتنے' پڑھتے ہیں، دراں حالے کہ اسی نوع کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جو اعلیٰ حضرت کے کلام کا حصہ ہیں مثلاً:

اِس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے   عمر بھر میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد   ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اور

تجھ سے در در سے ہے سگ سگ سے ہے نسبت مجھ کو
میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

'اس جرم پر استقامت کی دعا کرتا رہوں گا۔ اہلِ ایمان سے بھی اپنے حق میں اس دعا کی التماس کرتا ہوں' اس جملے میں آپ 'مستقبل' سے یک لخت 'حال' میں جلوہ گر ہوئے ہیں، ممکن ہے اپنے پیری مریدی اپنے مشاغل کے حوالے سے طےِ زمانی ایسی کرامات دکھانا آپ کی کوئی مجبوری ہو، مگر اس کے لیے 'نعت رنگ' کی محفل کو تو تختۂ مشقِ ستم نہ بنائیں۔

اس 'جرم' پر استقامت کی دعا کرتا رہوں گا، لفظ 'جرم' اور پھر اُس پر 'استقامت کی دعا'، سچ بتائیں آپ کا ذوقِ لطیف کیا کہتا ہے؟ کیا پیرایۂ اظہار یوں ہی چاہیے تھا؟ کیوں خواہ مخواہ اپنے لیے بھی مسائل پیدا کر رہے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی۔ یقین جانیے، نہ آپ وہ 'مجرم' ہیں جو حبِ رسول ﷺ میں گرم ریت پر لٹائے جاتے ہیں، دہکتے انگاروں میں پھینک دیے جاتے ہیں، گرم سلاخوں سے جن کی زبانیں اور بدن داغے جاتے ہیں مگر وہ دامانِ حبِ رسول ﷺ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور نہ ہی آپ کے مخاطبین خدانخواستہ دشمنانِ رسول ﷺ۔ کاش! آپ اُمت میں تفرقہ بازی کی قباحتوں کو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاجِ معلّٰی و سیرتِ طیبہ کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش فرماتے۔

ص۴۲۲ پر ہی ذرا آگے چل کر آپ فرماتے ہیں، 'جناب صغیر احمد صدیقی نے حوالے

کے لیے صفحہ نمبر اور سطر نمبر تو تحریر کی لیکن معترضہ جملہ نشان زد نہیں کیے۔ کیا اسے شرارت نہ کہا جائے۔

عالی جاہ! نشان زد کا مطلب ہوتا ہے انڈر لائن کرنا۔ جب کسی تحریر کا معتد بہ حصہ درج کیا جائے تو اس میں سے زیرِ بحث حصہ نشان زد کیا جاتا ہے جب کہ صغیر احمد صدیقی صاحب نے سرے سے کوئی جملہ تحریر ہی نہیں کیا، صرف آپ کی تحریر کے حوالے سے صفحہ نمبر اور سطر نمبر کی نشان دہی فرمائی ہے۔ آپ اُن سے معترضہ جملے نشان زد کرنے کا تقاضا اُس صورت میں کر سکتے تھے۔ جب انھوں نے آپ کی کوئی عبارت درج کی ہوتی اور آپ اُس عبارت میں سے قابلِ اعتراض جملے نشان زد کرنے کا مطالبہ فرماتے۔ آپ ہی فرمائیں، لفظ 'نشان زد' استعمال کرنے کا مذکورہ بالا صورتِ حال کے تناظر میں کوئی قرینہ بنتا ہے؟ ہمیں تو یہ آپ کی کوئی 'شرارت' لگتی ہے ورنہ آپ اتنے بے خبر تو نہیں۔ لفظ 'نشان زد' سے ایک شعر یاد آ رہا ہے، اگر بے محل نہ خیال فرمائیں تو عرض کیے دیتا ہوں:

محبت ایں چنیں بندہ نوازی ایں چنیں باید　　　زدی کشتی شکستی سوختی انداختی رفتی

ص۴۲۳، ۴۲۴...'احمد صغیر صاحب کو اس فقیر نے خواب دکھائے نہیں بلکہ مستند کتابوں میں معتمد و ثقہ شخصیات کے بیان اور خواب بتائے ہیں اور انھی کتابوں اور شخصیات کی نقل کی ہوئی حکایات پیش کی ہیں۔'

بہت خوب! آج پتا چلا کہ شخصیات کے ساتھ ساتھ کتابیں بھی حکایات نقل کرتی ہیں۔ میرے خیال میں کتابوں سے حکایات نقل کی جاتی ہیں، کتابوں نے کبھی حکایات نقل نہیں کیں۔

'وہ لوگ یہ بھی دیکھیں کہ 'نشتر زنی' کون کرتا ہے؟ اور کیوں کرتا ہے؟ ایسے مرحلوں پر ان دوستوں کا مشورہ یاد آتا ہے کہ کن لوگوں کی باتوں پر وقت اور محنت ضائع کر رہا ہوں، کیوں کہ تحمل سے ہر تلخی و تندی کے باوجود ہر طرح کے اعتراض پر حقایق اور تفصیل پیش کرنا بھی میرا جرم شمار ہو رہا ہے۔'

میرے نزدیک مذکورہ بالا جملے ترکیبِ نحوی اور فصاحتِ لسانی کے تقاضوں کے حوالے سے کچھ اس طرح ہونے چاہییں:

> 'وہ لوگ یہ بھی دیکھیں کہ 'نشتر زنی' کون کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟ اس مرحلے پر ان دوستوں کا مشورہ یاد آتا ہے کہ کن لوگوں کی باتوں پر وقت اور محنت ضائع کر رہا ہوں، کیوں کہ ہر طرح تلخ و تند اعتراضات کے مفصل جوابات تحمل اور شائستگی سے پیش کرنا بھی میرا جرم شمار ہو رہا ہے۔'

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

'اس بہانے جانے کتنے لوگوں کی حقایق سے آگہی کا بیان ہوجاتا ہے'۔ جملہ یوں چاہیے:

'اس بہانے جانے کتنے لوگوں کے لیے حقایق سے آگہی کا سامان ہوجاتا ہے'۔

'کاش کہ احمد صغیر صاحب اس راہ کے مسافر ہوتے تو انھیں ان باتوں کی قدر ہوتی۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ 'نعت رنگ' کے قارئین کو یہاں کچھ جھلکیاں دکھاؤں'۔

جملہ یوں چاہیے:

'کاش! احمد صغیر صاحب اس راہ کے مسافر ہوتے اور انھیں ان باتوں کی قدر ہوتی۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ 'نعت رنگ' کے قارئین کی خدمت میں چند مثالیں پیش کی جائیں'۔

صفحہ ۴۲۷... آخری تین سطور۔ 'وہ خواب جن میں فی الواقع رسولِ پاک ﷺ کو دیکھا گیا ہے اس کی تفصیل اور اس کے احکام کا بیان اس کے سوا ہے۔ ایسے سچے خوابوں کی تضحیک کرنا غیرمعمولی اور سنگین فعل ہے'۔

سبحان اللہ! ایک طرف لفظ 'استعمال' بھی کھٹکتا ہے، دوسری جانب لفظ 'فعل' کی سنگینی کا بھی احساس نہیں۔ 'سنگین فعل' کی بجائے 'سنگین امر' بھی تو کہہ سکتے تھے لیکن شاید طبعِ عالی کو لفظ 'فعل' ہی مرغوب ہے خواہ 'سنگین' ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں تک سچے خوابوں خصوصاً ان خوابوں (جن میں آں حضرت ﷺ کو دیکھا گیا ہو) تضحیک کا تعلق ہے تو یہ تضحیک کون کرتا ہے؟ ابھی معلوم کرلیتے ہیں۔

حضورِ والا! کیا خیال ہے اُس خواب کے بارے میں جو بانیِ دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی بیان کرتے ہیں۔ اُس خواب میں تو آں حضرت ﷺ بہ نفسِ اطہر تشریف فرما ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کا نقشہ بنا کر دکھاتے ہیں۔ تو کیا آپ اس خواب کے مؤید ہیں؟ اگر آپ کو خواب بیان کرنے والے کی صدق بیانی پر اعتماد نہیں تو پھر یہ اعتراض تو خواب بیان کرنے والے ہر شخص پر وارد کیا جاسکتا ہے۔ دراصل ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے دوہرے معیار قائم کر رکھے ہیں۔

ص ۴۲۸... 'جناب احمد صغیر صدیقی کے 'علم و فہم' کے مقابل، میں اور میرا پیش کیا ہوا عقاید، اصول اور کتاب کا ہر بیان کوئی معنی نہیں رکھتا'۔

معاف فرمانا، آپ کا مذکورہ بالا جملہ فصاحتِ لسانی سے بالکل عاری ہے۔

ص ۴۳۵... 'رشید صاحب! اس کتاب کا نام اسی لیے تحریر کیا تھا کہ آپ کو یا 'نعت رنگ'

کے کسی پڑھنے والے کو اس بارے میں آ گہی ہوجائے لیکن آپ اپنے پروفیسر صاحب سے دفاع چاہتے ہیں۔'

جملہ یوں چاہیے:

'رشید صاحب! اس کتاب کا نام اسی لیے تحریر کیا تھا کہ آپ کو اور 'نعت رنگ' کے پڑھنے والوں کو اس بارے میں آ گہی حاصل ہوجائے لیکن آپ اپنے پروفیسر صاحب کا دفاع چاہتے ہیں۔'

حضرت! اردو زبان کا اپنا ایک مزاج، محاورہ اور قرینہ ہے۔ 'آپ اپنے پروفیسر صاحب سے دفاع چاہتے ہیں۔' لفظ دفاع چوں کہ عربی زبان کا لفظ ہے اور آپ شاید اسی تناظر میں اسے لے رہے ہیں مگر اردو میں 'سے دفاع' کی بجائے 'کا دفاع' لکھا جائے گا۔ عربی زبان میں لفظ شجر 'شَجَرَۃ' کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جب کہ اردو میں لفظ شجر مذکر آتا ہے۔ اسی نوع کی متعدد دیگر مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں جن سے واضح ہوجائے گا اردو زبان و محاورہ کے مطابق ہی اردو میں کلام کرنا چاہیے۔ لفظ 'کلام' ہی کو لیجیے، عربی میں یہ مؤنث ہے جب کہ اردو میں مذکر بولا جاتا ہے۔

ص ۴۳۸، سطر:۶... 'رُخ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں۔'

عالی جاہ! 'فثم وجهه اللّٰه' کا ترجمہ آپ کیا کریں گے۔

صفحہ ۴۳۹... 'مدیر کا مؤقف اور حق تو وہی بیان کریں تو بہتر ہے۔' کیا لفظ 'تو' کی تکرار یہاں خلافِ فصاحت نہیں؟

ص ۴۴۵... 'رشید ارشد صاحب! حقایق کے بیان کو مناظرہ، مجادلہ اور فرقہ پرستی آپ قرار دے دیں تو صرف آپ کے کہنے سے وہ ایسا ہی نہیں تسلیم کرلیا جائے گا۔'

لفظ 'نہیں' لفظ 'تسلیم' کے بعد آنا چاہیے۔ لفظ 'وہ' یہاں غیر ضروری بھی ہے اور بے محل بھی۔ اس کے علاوہ لفظ 'ہی' بھی زاید ہے۔ جملہ یوں چاہیے:

'صرف آپ کے کہنے سے ایسا تسلیم نہیں کرلیا جائے گا۔

صفحہ ۴۴۱... 'جناب احمد صغیر صدیقی کہتے ہیں کہ بشر تو مٹی سے بنا ہے۔ وہ شاید جاننا چاہتے ہیں کہ خاک اور نور کیسے جمع ہوسکتے ہیں؟ ان کی توجہ کے لیے عرض کروں گا کہ 'جگنو' چھوٹا سا کیڑا ہے اور مٹی سے بنا ہے، اس میں بھی نور ہے اور یہ بھی ملاحظہ ہو، حضرت جبریل امین

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں۔ اُن کے نوری ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں۔ وہ حضرت مریم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو قرآن کے الفاظ میں'فتمثل لھا بشرا سویا' (مریم:۱۷) [وہ اس کے سامنے ایک تن درست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا] حضرت جبریل امین علیہ السلام کیا اُس وقت نور نہیں تھے؟ شکلِ بشری میں آنا، نور ہونے کی نفی نہیں کرتا۔'

حضرتِ والا! قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی فرشتوں کا بشکلِ انسانی ظاہر ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ مگر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں اپنے ساتھ کھانا تناول کرنے کی دعوت دی تو وہ بول اٹھے کہ ہم تو فرشتے ہیں، ہم کھانے پینے سے مبّرا ہیں۔ اس حوالے سے ثابت ہوا کہ فرشتے بشری صورت میں ظاہر تو ہوسکتے ہیں، مگر وہ صفاتِ بشری سے متصف نہیں ہوسکتے۔ آپ غالبًا اپنے مخصوص مسلک کی وجہ سے آں حضرت ﷺ کے لیے لفظِ 'بشر' کے قائل نہیں۔ میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ عامۃ الناس کے لیے لفظِ 'بشر' عمومیت کا حامل ہے۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ کے لیے اس لفظ کی نسبت کرنا ہو تو خیرالبشر یا افضل البشر کہا کریں، البتہ اربابِ تحقیق و مشاہدہ جو عظمتِ بشر سے بخوبی آگاہ ہیں، اُن کے ہاں لفظِ بشر متضمّن بہ کمال ہونے کے باعث چنداں مضر نہ ہے۔

ص۴۳۹... 'نعت رنگ' میں میری تحریروں سے اگر تمام قارئین واقعی 'بے مزہ' ہوتے تو وہ بھی اس کا اظہار کرتے۔'

ص۴۲۱... 'نعت رنگ' شمارہ ۱۶ میں جناب احمد صغیر صدیقی، جناب ظہیر غازی پوری، جناب رشید ارشد، جناب ریاض حسین زیدی اور جناب مجید فکری نے اپنے خطوں میں مجھ گنہ گار کو گرم لفظوں اور لہجوں سے یاد فرمایا ہے۔'

حضورِ والا! 'نعت رنگ' کے پانچ جلیل القدر صاحب الرائے اہلِ قلم قاری، جن کی اپنی نگارشات بھی اس مجلّے کی زینت بن رہی ہیں، بہ یک وقت آپ کے نشترِ قلم سے مجروح دکھائی دے رہے ہیں، الامان والحفیظ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، مگر آپ ہیں کہ فرمائے جا رہے ہیں کہ یہ تو محض چند افراد ہیں، تمام قارئین تو نہیں۔ کیا آپ واقعی تمام قارئین کو 'بے مزہ' کر کے ہی دم لیں گے؟

جناب صبیح رحمانی سے میرا گزارش ہے کہ 'نعت رنگ' کے لیے لکھنے والے انتہائی قابلِ قدر لوگ ہیں براہِ کرم ان کو یوں بے توقیر نہ فرمائیں۔

علامہ کوکب نورانی کی خدمت میں بصد احترام گزارش ہے کہ اگر آپ واقعی خود کو محبِّ رسول ﷺ سمجھتے ہیں تو مستشرقین کی گستاخانہ تحریروں سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں، اُن کا رد تحریر فرمائیں۔

اس طرح جہاں اُمت کا بھلا ہوگا، وہاں آپ بھی اپنی بات کو انگلش لینگوئج کے ذریعے بھیZip hold کرنے کا ہنر بن جائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)

جشنِ عید میلادالنبی ﷺ کی آمد آمد ہے، پلکوں پر ابھی سے اَن گنت ستارے جھلملانے لگے ہیں، نعتِ مسلسل کے سرمدی رتجگوں کا شاداب موسم قریۂ جاں میں ابھی سے خیمہ زن ہے، کشتِ دیدہ و دل میں ابھی سے بادِ بہاری چل رہی ہے، شاخِ آرزو پر ابھی سے کلیاں مسکرانے لگی ہیں، صبحِ میلاد کی دل نواز ساعتوں کی پزیرائی کے لیے دل کی دھڑکنیں چشمِ محبت کی دہلیز پر ابھی سے سمٹنے لگی ہیں۔ صبا، خوش بو کے چراغ لے کر ابھی راہوں میں کھڑی ہے، تاریخِ کائنات کے سب سے بڑے دن کے استقبال کے لیے عناصرِ فطرت رنگ و نور کی نئی پوشاک پہنے ابھی سے چشم براہ ہیں۔

فصیلِ لب پہ سجانے لگی ہوا کلیاں ابھی سے آنکھ سحابِ کرم میں ڈوب گئی
ابھی سے جشنِ ولادت کے خیر مقدم کو مری زبان بھی میرے قلم میں ڈوب گئی

ربیع الاوّل کے مقدس چاند کے طلوع ہونے میں ابھی چند روز باقی ہیں، خوشیوں اور مسرتوں کی دھنک سات رنگوں کا پرچم اُٹھائے آسمانِ قلب و نظر پر جلوہ گر ہے۔

سمٹ رہے ہیں ستارے فلک کی بانہوں میں غبارِ نور ہے پھیلا ہوا نگاہوں میں
یہ کس رسول کی آمد ہے بزمِ ہستی میں سحر ازل سے مؤدّب کھڑی ہے راہوں میں

اے صبحِ میلاد کی نورانی ساعتو! ہم غلاموں کا سلامِ شوق قبول کرو۔

جشنِ عید میلادالنبی ﷺ... آپ کو اور 'نعت رنگ' کے قارئین کو مبارک، ربِّ محمد اس دن کے وسیلۂ جلیلہ سے عالمِ اسلام پر کرم کی بارش کردے اور اُمتِ مسلمہ کے بجھے ہوئے افق پر عظمتِ رفتہ کا سورج روشن فرما دے کہ ہماری ہر سانس اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

ان پُر کیف ساعتوں میں آپ 'نعت رنگ' شمارہ ۱۸ کے مضامین و نظم و نثر ترتیب دینے

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

میں مصروف ہوں گے، سوت کی انٹی لے کر حاضر ہوں۔ شاید میرا نام بھی یوسف کے خریداروں میں شامل ہوجائے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں، آقائے مکرم ﷺ کی نعت کے حوالے سے قلم اُٹھاتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کائنات کا سارا حسن ان کے قلم کے ہم رکاب بارگاہِ حضور ﷺ میں دست بستہ کھڑا ہو، لفظ لفظ میں مودّت کے چراغ جل اُٹھتے ہیں۔ ہر چند یہ تصویرِ ادب بن جاتا ہے ورق ورق پر ہجومِ مہ و انجم اُمڈ پڑتا ہے۔ نقدِ نعت کے حوالے سے ان کی خدماتِ جلیلہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ 'نعت رنگ' شمارہ ۱۷ میں ان کا تحقیقی مضمون 'نعت میں نعت' موضوع کے حوالے ہی سے نہیں بلکہ اظہار و بیان کے حوالے سے بھی خاصے کی چیز ہے۔ اللہ ان کے قلم کو مزید روانی اور جولانی عطا فرمائے۔ زیرِ بحث مضمون میں میری نعتیہ نظم 'نعت کیا ہے؟' کے تین بند درج کیے گئے ہیں، میں رضا صاحب کا بے ممنون ہوں لیکن رفیع الدین ذکی قریشی کے نام سے منسوب جو دو بند درج کیے گئے ہیں وہ بھی میری اسی نعتیہ نظم سے لیے گئے ہیں، یعنی:

نعت کیا ہے وصفِ ختم المرسلیںؐ کا تذکرہ

اور

نعت کیا ہے ہر صدی کے سر پر دستارِ کرم

سب سے پہلے یہ نعتیہ نظم راجا رشید محمود کے ماہ نامہ 'نعت' کے خصوصی شمارہ 'نعت کیا ہے' میں شائع ہوئی تھی۔ یہ نظم میرے دوسرے نعتیہ مجموعے رزقِ ثنا (ص ۶۷، مطبوعہ جون ۱۹۹۹ء) میں بھی شامل ہے، ممکن ہے یہ کمپوزنگ کی غلطی ہو، براہِ کرم ریکارڈ، کی درستی کے لیے یہ وضاحت شائع فرما دیں۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

اس میں شک نہیں ہے کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ مسلمان اور اسلام کا آئیڈیل انسان اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک دل و جان کی گہرائی سے غلامیِ مصطفیٰ کریم ﷺ قبول کرکے آپ کے نقوشِ پا کو اپنے لیے قبلہ نہیں بنا لیتا، آپ کی تعلیمات اور سنتوں کو حرزِ جاں بنا کر **لاتموتن الا و انتم مسلمون** کا تمغا اپنی جبینِ سعادت پر سجا نہیں لیتا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ یہ والہانہ تعلق نعت کہنے اور نعت سننے کے شوق کو دو آتشہ

بلکہ سہ آتشہ بنا دیتا ہے۔

جناب سیّد صبیح رحمانی وہ خوش بخت نوجوان ہیں جو صرف نعت لکھتے اور سنتے سناتے ہی نہیں بلکہ انھوں نے کچھ عرصہ قبل 'نعت رنگ' کے نام سے حسین و جمیل کتابی سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ سولہ ضخیم شمارے شائع کر کے شائقین تک پہنچا چکے ہیں۔

دنیاے صحافت میں 'نعت رنگ' کا علمی اور ادبی سطح پر منفرد اور امتیازی مقام تسلیم کیا گیا ہے، اس میں پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے دانش ور اور اربابِ قلم کے رشحاتِ قلم شائع ہوتے ہیں جن میں نعت کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جاتا ہے۔'نعت رنگ' کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں شرحِ صدر کے ساتھ نعت پر تنقید بھی کی جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عرش سے نازک تر بارگاہ میں حاضری دیتے وقت دل و دماغ اور زبان و قلم پر شریعتِ مطہرہ کا کڑا پہرہ رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے لیے خدائی صفات ثابت کردی جائیں اور ایسا بھی نہ ہو کہ بارگاہِ رسالت ﷺ سے فروتر کوئی بات کہہ دی جائے:

ہشدار کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان تنقید نگاروں پر اگر کوئی صاحبِ علم تنقید کرے تو اسے بھی خندہ پیشانی سے شائع کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کرے کہ 'نعت رنگ' کا یہ سلسلہ نعت کا اُجالا پھیلاتا رہے اور کفر اور گم راہی کی تاریکیوں کو دُور کرتا رہے۔

پروفیسر شبیر احمد قادری (فیصل آباد)

'نعت رنگ' کا سترھواں شمارہ ضخامت کے اعتبار سے گزشتہ شماروں پر بازی لے گیا۔ ۵۱۲ صفحات پر مبنی یہ شمارہ بھی اپنے اندر رنگینیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان سترہ شماروں میں حمد و نعت کے بعض بنیادی نوعیت کے موضوعات پر اہلِ علم و فضل نے خوب جم کر لکھا ہے۔آپ نے نعت کے ایسے مقدس موضوع کی معیار بندی کی خاطر تنقید کے جو در کھولے ہیں اس سے نعت نگار اور نعت خوان دونوں محتاط ہوگئے ہیں۔ معاصر شاعروں کی نئی نعتوں میں ان موضوعات سے دامن بچا کر چلنے کا شعور پیدا ہوا ہے جنھیں صنفِ نعت سے دُور کی بھی نسبت نہ تھی۔ نعت پر تنقید اس سے پہلے بھی ہو رہی تھی مگر 'نعت رنگ' کا تخصص یہ ہے کہ اس حوالے سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت

کام شروع ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نعت پر تنقید کے بعض ایسے نمونے دیکھنے کو ملے جس کی اس سے پہلے مثال موجود نہ تھی۔ اس سے ردِّعمل بھی سامنے آیا جو فطری بات تھی اس لیے کہ نعت کو صرف عقیدتوں کے اظہار تک محدود رکھنے والے اس کے فنی پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کررہے تھے۔ نعت کو اصنافِ سخن میں شمار نہ کیے جانے کے پیچھے یہی عمل کارفرما تھا...مگر اب یونی ورسٹیوں میں نعت کو ادبی صنف کے طور پر قبول کرکے اس پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی سطح کے تحقیقی مقالات لکھنے کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔

ادھر اردو کے صفِ اوّل کے نعت گو شاعر حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کو بھی ہمارے بعض علمائے کرام نے 'فاضل بریلوی' سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ حالاں کہ ان علما میں بھی بعض شاعری کرتے ہیں۔ ایک شاعر دوسرے شاعر کی عظمت اور اہمیت کو بہتر جانتا ہے۔ اب مولانا احمد رضا خان کی شاعرانہ حیثیت اور مقام و مرتبہ پر کھل کر بات کرنا ہوگی۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے ۔(۱) جب تنقید کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کلام رضا پر کام کیا جائے۔ (۲) تحقیقی اصولوں کو بروے کار لاتے ہوئے بے لاگ تحقیق کی جائے۔ اس کے لیے ہم عقیدت مندانِ رضا کو حوصلے اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔ اور دلائل کی روشنی میں بات کو آگے بڑھانا ہوگا۔آپ نے 'جامِ نور' (نئی دہلی) کو دیے گئے انٹرویو (مئی ۲۰۰۵ء) میں ایک سوال کے جواب میں درست کہا ہے کہ:

> مولانا احمد رضا خان صاحب پر کام کرنے والوں پر ایک خوف کا سایہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کو اگر ہم تنقیدی رویوں سے گزاریں گے تو ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا جب کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس تاثر کو ختم کرنا چاہیے۔ دیکھیے! غالب اردو کا ایک عظیم شاعر ہے اگر اس کے حق میں دوسو کتابیں وجود میں آئی ہیں تو اس کے فن کے خلاف بھی دوسو کتابیں وجود میں آئی ہیں مگر شاعر ہونے کی حیثیت سے اس کے قد پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ تنقیدی کسوٹی سے گزر کر اس کی شاعری دن بدن فن کے نئے پہلوؤں سے ہمیں آشنا کررہی ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی شاعری اتنی بڑی، اتنی وقیع اور مقبول ہے کہ ان کے سر سے کلام کی مقبولیت اور عظمت کا تاج اب کوئی چھین نہیں سکتا۔ لیکن

مولانا کی شاعری پر کھل کر گفتگو نہ کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ اب تک ان کا کوئی ادبی مقام متعین نہ ہوسکا۔ (صفحہ نمبر ۳۷)

صبیح بھائی! آپ نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے یہ بڑا پُر خار ہے اور پُر پیچ ہے۔ اس میں بہت مشکلات ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بادِ مخالف سے نہ گھبرائیں اور آپ وہی کریں جو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نعت کے میدان میں انقلابی سوچ رکھنے والے مدیر ہیں، 'خوف کا سایہ' خود بخود ہٹ جائے گا اور کوئی 'بہت بڑا مسئلہ' بھی کھڑا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سترہ شماروں کے ذریعے آپ لوگوں کے ذہن تیار کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ اختلافِ رائے بقول آپ کے 'بری چیز نہیں مگر شایستگی ضروری ہے'۔ (اداریہ: شمارہ نمبر ۱۷)

'نعت رنگ' صوری اور معنوی ہر دو حوالوں سے بڑا معیاری اور دل آویز کتابی سلسلہ ہے۔ ایک مسلک سے منسلک ہوتے ہوئے بھی آپ نے 'نعت رنگ' کو 'مسلکی جریدہ' نہیں بننے دیا۔ اس میں ہر طبقے کو نمایندگی دے کر اسے آپ نے ایک دلچسپ مرقع بنا دیا ہے۔

'نعت رنگ' میں مستقل لکھنے والوں نے اپنے تئیں کوشش کی ہے کہ وہی مطالعہ اور مشاہدہ کہتا ہے۔ خطوط کا حصہ تو اچھا خاصا 'ہائیڈ پارک' بن چکا ہے۔ اس میں کسی خاص موضوع کے حق اور مخالفت میں دونوں آرا موجود ہوتی ہیں، ایک عمل کا ردِّ عمل اگلے شمارے میں سامنے آجاتا ہے۔ جواب آں غزل تو خیر کمال دلچسپی لیے ہوئے ہے۔ 'نعت رنگ' آپ کے باطنی اخلاص اور ذاتِ سرور کائنات ﷺ سے تعلق خاطر کا مظہر ہے۔ ایک طرف آپ نعت گوئی اور دوسری جانب نعت خوانی کے ذریعے جو سعادت دارین حاصل ہوتی ہے وہ عطائے ربی ہے، 'نعت رنگ' عقیدتوں کے اظہار کی تیسری جہت ہے۔ جس میں آپ کے ساتھ ہزاروں لاکھوں عقیدت مندوں کا قافلہ بھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ 'نعت رنگ' کے اجرا سے پہلے جب آپ محترم غوث میاں کے ہمراہ فیصل آباد آئے تھے تو آپ کا عجز آثار عزم بتا رہا تھا کہ آپ کوئی بہت بڑا منفرد کام کرنے جارہے ہیں اور میرا یہ تاثر اب ایک زندہ حقیقت بن چکا ہے۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۵ء تک کی دس سالہ مدت میں 'نعت رنگ' کے سترہ شماروں کی اشاعت اور دنیا بھر میں اس کی پزیرائی نظر انداز کردینے والی بات ہرگز نہیں... روشنیوں کا یہ سفر جاری ہے۔ ۵۱۲ صفحات کے شمارے کا حرف حرف اعلان کررہا ہے کہ آنے والے دنوں میں اس سے بھی زیادہ کی توقع رکھی جائے۔

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

صبیح بھائی! آپ کی اب تک کی خدمات کو دیکھتے ہوئے مجھے تو کم از کم یہی محسوس ہوتا

ہے کہ یہ کام آپ خود نہیں کرتے بلکہ یہ کام آپ سے لیا جا رہا ہے۔ بالفاظ دگر آپ کو اس کام کے لیے چن لیا گیا ہے۔ اللہ کریم قبولیت کا یہ سلسلہ جاری رکھے۔ آمین۔ دس سال اور سترہ شمارے گل ہائے تبریک قبول کیجیے۔

حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)

مزاجِ گرامی! 'نعت رنگ' کا شمارہ ۱۷ پیشِ نظر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نعت کو مستقل صنفِ شاعری کے درج پر لانے کے لیے آپ جو کام کر رہے ہیں میرے علم کے مطابق کیفیت کے اعتبار سے اوّلیت کا مقام حاصل ہونا چاہیے۔

شمارہ ۱۷ کے مطالعے کے بعد اس کے بارے میں میری حقیر رائے درج ذیل ہے:

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے ماضی کے سفر کی روداد بڑی خوب صورتی سے پیش کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پورا مضمون انتہائی کیف آور ہے۔ موصوف کے مضمون میں ایک مرتبہ پھر امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ سراپاے رسول ﷺ (جو کہ 'لاکھوں سلام' کے نام سے مشہور ہے) کا ذکر آیا۔ میں ڈاکٹر صاحب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے قیمتی لحات میں سے تھوڑا وقت نکال کر اس سلام کی مکمل تشریح فرما دیں تا کہ اہلِ محبت کی دیرینہ آرزو پوری ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ موصوف اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

ڈاکٹر ابواسفیان اصلاحی صاحب نے مصر کے شاعر احمد شوقی کا تعارف کرایا ہے اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب قومیت کا بت اب تک آستینوں میں موجود ہے۔ غالباً اسی وجہ سے مسلمان پے در پے شکست کھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔ اصلاحی صاحب کے مضمون میں ص۴۳ پر سب سے نیچے آیۂ مبارکہ نقل کی گئی ہے جس میں درمیان کے الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ اگر چھوڑے ہوئے الفاظ کی جگہ نقطے دے دیے جاتے تو بہتر تھا۔ بہر حال آیندہ خیال رکھیں کہ اس قسم کی غلطی نہ ہونے پائے۔

ص۱۲۱ پر پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کا مضمون 'نعت نگاری اور احترازِ نفس' ہے موصوف نے غالباً پہلی مرتبہ اس غلطی کی نشان دہی کی ہے۔ ہمارے اساتذۂ کرام اور نقادانِ سخن کو محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

ص۲۲۷ پر سلیم کوثر صاحب کے مصرع 'ذرا سنبھل کے سنبھل کے ذرا اے یار اے یار'

میں پہلے 'اے' کی 'ی' تقطیع سے خارج ہے۔

ص۳۵۹ پر قیصر نجفی صاحب نے قمر رعینی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انھوں نے کہیں کہیں لفظ پاؤں استعمال کیا ہے جو بروزن 'فعلن' ہے

حالاں کہ درست لفظ پانو بروزن 'فعل' ہے۔

اس کے بعد انھوں نے بطورِ مثال قمر رعینی صاحب کا مصرع بھی لکھا ہے 'ان کے منکتوں کے پاؤں کے نیچے' فاضل تبصرہ نگار کی خدمت میں عرض ہے کہ قمر صاحب نے لفظ پاؤں بروزن 'فعل' ہی باندھا ہے جو کہ صحیح ہے۔

ص۳۶۵ پر مذاکرہ کی روداد میں مشہور قطعہ 'یاصاحب الجمال و یا سیّدالبشر' کو انور شاہ کاشمیری سے منسوب کیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔ یہ قطعہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ص۴۰۰ پر یعقوب تصور صاحب کی نعت ہے۔ انھوں نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ 'فعال' بروزن 'فعول' باندھا ہے جب کہ یہ لفظ مفعول کے وزن پر درست ہے کیوں کہ اس میں 'ع' مشدد ہے۔ آٹھویں شعر کے پہلے مصرعے میں زُحَل کو زُحْل باندھا گیا ہے۔ اسی طرح دسویں اور تیرھویں شعر میں 'دوعالم' کو مفعولن کے وزن پر باندھا ہے جب کہ یہ لفظ فعلون کے وزن پر ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ 'دوعالم' میں 'وْ' معدولہ ہوتا ہے۔

ص۳۹۶ پر حسن بریلوی کی نعت پر میری تضمین میں کمپوزنگ کی غلطیاں ہیں۔ دوسرے بند کے تیسرے مصرع میں صحیح لفظ 'خسروا' ہے۔ اسی طرح پانچویں بند کا تیسرا مصرع یوں ہے: 'اے مرے تیماردار و ربّ اکبر کی قسم'۔

ص۳۹۲ پر جناب محمد علی شیدا بستوی کی نعت ہے۔ موصوف سے صرف اتنی گزارش ہے کہ وہ اپنا کلام اشاعت کے لیے بھیجنے سے پہلے کسی استاد سے اصلاح لے لیا کریں۔

محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب نے اپنے مضمون 'شاعرِ جہاد... رحمٰن کیانی' میں لفظ 'عشق' پر اعتراض کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ عشق کا صحیح مفہوم 'محبت کی زیادتی' ہے۔ جس طرح محبت اچھی یا بُری ہوتی ہے اسی طرح عشق بھی اچھا یا بُرا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث میں کہیں موجود نہیں۔ حالاں کہ یہ بھی غلط ہے۔ قرآن مجید میں نہ سہی لیکن حدیث میں یہ لفظ ضرور استعمال ہوا ہے۔ کافی عرصہ ہوا جعفر شاہ پھلواری نامی کسی مولوی نے درودِ تاج اور

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

دیگر اورادِ بزرگانِ دین پر اعتراضات کیے تھے۔ اس کے جواب میں میری مرشدِ طریقت حضرت علامہ سیّد احمد شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام 'درودِ تاج پر اعتراضات کے جوابات' تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب میں لفظ 'عشق' پر اعتراض کا بھی تفصیلی جواب ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ اس کتاب کی ایک جلد شاہ صاحب کے مطالعے کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ موصوف مطمئن ہو جائیں گے۔

تنویر پھول (کراچی)

'نعت رنگ' کا شمارہ ۱۷ نظرنواز ہوا جسے دیکھ کر مسرت ہوئی۔ ریاض حسین چودھری صاحب کا مقالہ 'جدید اردو نعت کی صورت پزیری کا موسم' وقیع تحریر ہے۔ صفحہ۱۰۷ پر انھوں نے فرمایا ہے کہ 'نعتیہ رُباعی اور قطعہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی جا رہی۔' راقم الحروف چند نعتیہ رُباعیات ارسال کر رہا ہے۔ قطعات ان شاء اللہ آیندہ ارسال کیے جائیں گے۔

صفحہ۳۱۵ پر پروفیسر غلام رسول عدیم کے مضمون میں حنیف نازش قادری کے ایک نعتیہ شعر کی توصیف کی گئی ہے جو یہ ہے:

حسانؓ جو ہے رونقِ بستانِ مصطفیؐ — میں نے اُس عندلیت کا دامن پکڑ لیا

اس شعر کا مصرعِ ثانی بحر سے خارج ہے کیوں کہ عندلیب کا 'ع' تقطیع سے باہر ہے۔

محترم پروفیسر محمد اقبال جاوید نے صفحہ۱۴۰ پر تعلّیانہ خودنمائی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ راقم الحروف کے دو اشعار بھی اسی موضوع پر ہیں جو نعتیہ مجموعے 'قندیلِ حرا' میں شامل ہیں:

ثوابِ نعت گوئی کے بھلا کیا مستحق ہیں ہم
کریں کچھ غور، شہرت کی طلب میں ہر سخن ور ہے

ص۵۰۰ پر حافظ عبدالغفار حافظ صاحب نے جناب محمد علی شیدا کے مصرعے (یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ ﷺ کی ہے) پر پروفیسر قیصر نجفی کے اعتراض کو رد کیا ہے کہ 'مصرع وزن سے باہر ہے مطیع کی 'ع' گر رہی ہے۔' پہلی بات یہ کہ 'ع' مذکر ہے مؤنث نہیں، اس لیے نجفی صاحب کو لکھنا چاہیے تھا کہ 'مطیع' کا 'ع' گرا نہیں اسے الف سے سہارا مل گیا۔ یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قیصر نجفی صاحب کے مجموعے 'رب آشنا' کے ص۶۳ پر ایک شعر ہے:

حوالے سے ترے اے سنگِ اسود! — اک عظمت کی کہانی لکھ رہا ہوں

چوں کہ مصرع ثانی میں عظمت 'ع' گر رہا ہے اس لیے یہ مصرع بحر سے خارج ہے

کیوں کہ یہاں الف کا وصل نہیں ہے۔

بعض اصحاب نعت پر تنقید کے قائل نہیں لیکن اگر کوئی فنی غلطی ہو یا شرعی اعتراض ہو تو تنقید بلاشبہ درست ہے۔ 'نعت رنگ' یہی فریضہ انجام دے رہا ہے، اس موقع پر میں توجہ دلانا چاہوں گا کہ عصرِ حاضر کے ایک معروف نعت گو اپنی نعت میں اکثر اس مفہوم کا شعر پڑھتے ہیں کہ 'حضورﷺ نے خلل کے چراغ بجھا دیے۔' چراغ ہمیشہ اچھے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اگر 'خلل کے چراغ' کہنا درست ہے تو پھر 'جہالت کی شمع' اور 'باطل کا نور' کہنے میں کیا مضایقہ ہے؟ اسی طرح ایک شاعرہ کی نعت کا یہ مصرع دیکھیے 'کفر کے روشن ایوانوں میں آ کے اندھیرا کس نے کیا؟' یہ مصرع بھی قابلِ اعتراض ہے۔ کفر کے ایوانوں کو روشن کہنا درست نہیں اور اندھیرا کہنا اچھا فعل نہیں، جسے حضورﷺ سے منسوب کرنا کھٹکتا ہے۔ یہ دونوں نعتیں شائع بھی ہوچکی ہیں اور اکثر مشاعروں میں سنی گئی ہیں۔ اس تنقید کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں صرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی (لاہور)

'نعت رنگ' کا شمارہ ۱۷ پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب سے لے کر پڑھا ماشاء اللہ یہ شمارہ معنوی حسن کے ساتھ ساتھ صوری خوب صورتی کا بھی حامل ہے یقیناً آپ اسے خوب سے خوب تر بنانے کے لیے خوب محنت کرتے ہیں مولائے کریم اس کا اجر دارین میں بیش از بیش عطا فرمائے۔

'الصبح بدامن طلعته' کے انتساب کا مسئلہ واقعی اب تک غیر واضح تھا۔ آپ نے ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے حوالے سے اسے امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ سے منسوب کیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کا مآخذ بھی بیان کردیا جاتا۔ اس سے آپ کی تحقیق پر مزید اعتبار پیدا ہوتا۔

'شاعرِ جہاد۔ رحمٰن کیانی' کے عنوان سے شاہ مصباح الدین شکیل کا مضمون ص ۲۷۱ سے ص ۳۰۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ ص ۲۸۰ پر وہ رحمٰن کیانی کے حوالے سے عشق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> 'عشق' یہ لفظ عشقہ سے مشتق ہے۔ اردو میں عشقہ کو آکاس بیل کہتے ہیں۔ اس کے پتے نہ جڑ لیکن جس درخت پر گرتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی شدید شہوت کے ہیں۔

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

رحمٰن کیانی کے تصورِ عشق پر بحث اس وقت ہمارا موضوع نہیں بلکہ ہم تو ان کی اپنی تحریر میں ایک عجیب تضاد سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہی عشق جس کے معنی وہ شدید شہوت قرار دیتے ہیں لیکن ص۲۸٦ پر اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے لیے روا جانتے مانتے ہوئے کہتے ہیں:

اے زعیمانِ ادب عشق کا ان کے الزام		آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک کے سلام
جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں		رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں

یوں ہی ص۳۰٦ پر ان کے کلام میں 'ناچے گا' کے الفاظ نعت کے آداب کے خلاف ہیں۔

ص۳٦۵ پر مشہور نعتیہ قطعہ 'یاصاحب الجمال و یا سیّدالبشر' کا مہتمم دارالعلوم دیوبند سے انتساب محلِ نظر ہے۔

ص۳۷۱ پر ملک شیر محمد آف کالاباغ کی بارگاہِ رسالت میں حاضری اور اقبال کا درج ذیل شعر پڑھ کر گریہ وزاری کرنے کا ذکر ہے:

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی		تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

واقعی یہ شعر حسنِ طلب کی بہترین مثال ہے۔ رحمانی صاحب! یہ ایک حقیقت ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت زائر فکرمند ہوتا ہے کہ اتنے بڑے دربار میں اپنی درخواست کو کن الفاظ میں پیش کرے۔ یوں کہیے کہ عقل حیران اور زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ میری کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی جب گزشتہ برس حاضری ہوئی۔ ایسے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے اشعار جو حسنِ طلب کا بہترین مرقع ہیں، زائر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے ہمت بندھاتے ہیں۔ بطورِ تبرک 'نعت رنگ' کے قارئین اور مدینہ منورہ کے زائرین کے لیے چند اشعار حاضر ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا		'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں، غیر کا منھ کیا دیکھیں		کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی		مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال		جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

دیگر

اُف بے حیائیاں یہ .. منھ اور ترے حضور		ہاں تو کریم ہے، تری خُو درگزر کی ہے
تجھ سے چھپائیں منھ تو کریں کس کے سامنے		کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے

مومن ہوں مومنوں پہ رؤف٭ رحیم ہو سائل ہوں سائلوں کو خوشی لانھر کی ہے

دیگر

جنھیں مرقد میں تا حشر اُمتی کہہ کر پکاروگے ہمیں بھی یاد کرلو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا

دیگر

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رُخ کدھر کریں

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں آقا حضور! اپنے کرم پر نظر کریں

جالوں پہ جال پڑ گئے للہ وقت ہے مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں

دیگر

دم قدم کی خیر اے جانِ مسیح در پہ لائے ہیں دلِ بیمار ہم

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

میں نثار، ایسا مسلماں کیجیے توڑ ڈالیں نفس کا زنار ہم

ہاتھ اُٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حق دار ہم

دیگر

اب تو آقا ’منھ‘ دکھانے کا نہیں کس طرح رفع ندامت کیجیے

اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے چارۂ زہرِ مصیبت کیجیے

دے خدا ہمت کہ یہ جانِ حزیں آپ پر واریں وہ صورت کیجیے

حق تمھیں فرما چکا اپنا حبیب اب شفاعت بالمحبت کیجیے

اِذن کب کا مل چکا اب تو حضور ہم غریبوں کی شفاعت کیجیے

حضرت رضا بریلوی کے کلام میں حسنِ طلب پر مشتمل ایسے چند نہیں کئی اشعار ملتے ہیں۔ زائرینِ مدینہ سے گزارش ہے کہ آپ کے اردو نعتیہ کلام کا مجموعہ ’حدائقِ بخشش‘ ہمراہ رکھیں۔ عربی زائرین اعلیٰ حضرت بریلوی کے عربی کلام کا مجموعہ ’’بساتین الغفران‘ کا منظوم عربی ترجمہ ’صفوۃ المدیح‘ اپنے مطالعے میں لائیں۔

حسنِ طلب کی بات چلی تو ضمناً چند اشعار بطورِ تبرک پیش کر دیے۔ دراصل میں ’نعت رنگ‘ شمارہ ۱۷ کے حوالے سے چند گزارشات کر رہا تھا۔

رحمانی صاحب! کمپوزنگ کی اصلاح کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔ ایسے علمی مجلّے

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

میں ایسی اغلاط کھٹکتی ہیں۔ مانا کہ کمپوزنگ چیز ہی ایسی ہے کہ بارہا مسودہ بینی کے باوجود کچھ نہ کچھ غلطیاں پھر بھی رہ جاتی ہیں۔لیکن کم از کم آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی کتابت ہر قسم کی اغلاط سے پاک ہونی چاہیے۔دیکھیے ص ۱۵۰ پر آیتِ مبارکہ کی کتابت میں کتنی غلطیاں ہیں۔مولاے کریم معاف فرمائے۔

ص ۳۷۵ پر محمد فیروز شاہ صاحب نے اقبالؔ کا شعر صحیح نہیں لکھا۔ درست یوں ہے:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

خطوط کے حصے میں حضرت کوکب نورانی کا خط جذبۂ اصلاح کو دامن میں لیے ہوئے مقالہ نگارانِ نعت کو دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے۔'نعت اور آدابِ نعت' کے عنوان سے ان کے خطوط کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت کی مذکورہ کتاب سے ہی مجھے 'نعت رنگ' کا پتا چلا۔غلطی کی نشان دہی پر شکرگزار ہونا چاہیے لیکن میں حیران ہوں کہ نہ جانے کیوں بعض مقالہ نگار مولانا کوکب نورانی کی پُرخلوص اصلاح سے چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں۔

مولاے کریم آپ کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور نعت و آدابِ نعت کو اُجاگر کرنے کے لیے آپ اور آپ کے رفقا کو مزید ہمت وقوت عطا فرمائے۔

آصف ثاقب (بوئی ہزارہ)

تابِ جلوہ تو نہ تھی کہ سب شمارے دیکھتا، حضورﷺ کی لگن دل میں ضرور ہے جس کی کسک نے تازہ 'نعت رنگ' کو فرحتِ دید ونشاطِ مطالعہ کیا۔ میں آپ کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے شایستۂ 'نعت رنگ' گردانا۔ رسالت کے سبھی مظاہر تقدس و تعظیم میں اس قدر رفیع الشان ہیں کہ انھیں چوم چوم کر سر آنکھوں میں بٹھایا جائے، دل و جاں میں بسایا جائے۔ بھائی ریاض حسین صاحب نے اس حقیر پُرتقصیر کے ایک نعتیہ شعرا کو اپنے مضمون میں رکھا ہے شاید اس انتخاب سے شاعر کی عاقبت سنور جائے۔ خطوط کا حصہ بغور پڑھا، یہ مقام ادب ہے یہاں دھیان سب احتراموں سے بالاتر احترام کی طرف ہے۔ بدگمانیاں اچھی نہیں، میرے مہربان سیّد فیروز شاہ نے کیا خوب فرمایا: محبتیں اچھی ہیں، اختلاف کہاں نہیں ہوتا۔

مگر جب محبت کے قرینوں میں ادب پہلا قرینہ ہو، وہاں خوش اعتقادی رواں ہونی چاہیے۔ بھائی راجا صاحب کا مصرع اشکال میں پڑ گیا ہے۔ نہ اور نا کا رکن فاعلاتن مبدل بہ فاعل تن (مفتعلن) ہے اس قبیل کا عروضی سکتہ... فارسی شعرا کے ہاں عام تھا مگر اس کا التزام مطلع سے

ہو۔ انشاء اللہ خاں انشا نے بھی اس میدان میں جوہر دکھائے ہیں۔ البتہ راجا صاحب کے باقی بتائے ہوئے مصرعوں میں درمیان کے ارکان فاعلات، مفاعیل ایک سے دوسرے کی طرف 'رجوع' میں ل اور ک ساقط ہیں۔ راجا صاحب اسی محل میں سکتہ دے کے مصرعے پڑھتے ہوں گے۔ عروضی امکانات سطحی نہیں ہوتے ان میں گہرائی بھی ہوتی ہے، برتاؤ کی وسعت بھی۔ خدا 'نعت رنگ' کو ہماری آخرت کا توشہ بنائے۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی (بھارت)

ابھی دو چند ہفتہ قبل سولھویں شمارہ سے متعلق ایک تجزیاتی مکتوب ارسال کیا تھا چوں کہ شمارہ تاخیر سے نظر افروز ہوا تھا۔ پھر بہت جلد دوسری بار بزم نعت رنگ میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ سردست سترہواں شمارہ زیر نگاہ ہے۔ خوب تر مقالات کے انتخاب کے سلسلہ میں آپ نے جس ہنرمندی اور خوش سلیقگی کا ثبوت دیا ہے وہ آپ ہی کا خصوص ہے۔ بالخصوص ریاض حسین چودھری کے مقام کے حسن انتخاب میں آپ کو جس قدر سراہا جائے کم ہے۔ برسوں پہلے مجھے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا:

تم نے جانا ہی نہیں آہ پس پردۂ فن　　کس قدر درد کے طوفان ہوا کرتے ہیں
دوڑتا ہے رگ تحریر میں انساں کا لہو　　ورنہ الفاظ تو بے جان ہوا کرتے ہیں

مگر صحیح طور پر اس کی معنویت اس وقت ابھر کر سامنے آئی جب ریاض صاحب کی نگارش فکر، نظر کے دوراہے سے دل و روح میں اتری۔ یقین جانیے پورے مقام میں کوئی ایسا جملہ نہیں گزرا جس نے ذوقِ دروں کو انہماک تمام کے ساتھ دو چند بار پڑھنے پر مجبور نہ کیا ہو۔ اتنے اچھے مضمون کی خلیق پر ریاض صاحب تہِ دل سے بدھائی کے سزاوار ہیں امید ہے کہ اپنی اسی مانند تحریرات سے وہ ہمارے بکہ پوری دنیاے ادب کی نوازش کرتے رہیں گے۔

محترم صبیح صاحب! امام احمد رضا نمبر ابھی کس پوزیشن میں ہے؟ نگاہوں کا تجسس اور شوقِ انتظار کا گراف بڑھتا جا رہا ہے، بے تابی کی طنابیں سخت ہوتی جا رہی ہیں اور بے قراری کے کبوتر ہاتھوں سے اُڑ جانا چاہتے ہیں جلدی کیجیے، شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کم زور دل کہیں دل نہ کھو بیٹھیں اور عروسِ مسرت کا سہاگ نہ غارت ہو جائے مگر ہاں! تصحیح کے سلسلہ میں التزام تمام اور مولانا ملک الظفر کے معروضات کو عملی راہ سے گزارنا ازحد ضروری ہے ابھی تازہ شمارہ میں تصحیح کے عدم التزام سے غلطیوں کی فراوانیوں نے مفہوم و قرارت کے تسلسل میں کیسی کچھ رخنہ آفرینیاں کی

ہیں وہ قارئین ہی جانتے ہیں، پاکستان کے سرزمین سے شائع ہونے والے اتنے معیاری مجلّہ میں پروف کی خامیاں یقیناً باعث تشویش ہیں اتنا اچھا شمارہ اگر مسودہ بنی کی اس اچھائی سے بھی متصف ہوجائے تو کیا برا ہے۔

محترم صبیح صاحب! دراصل اس تحریر کے ذریعے آپ کی نرم مداخلت کا پس منظر یہ ہے کہ بالکل شروع کتاب ہی میں ایک فاش غلطی نے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ لکھنے پر مجبور کردیا ہے... بات صرف حکیم سروسہارن پوری کی ہوتی تو دیکھا جاتا کیوں کہ ذاتی طور پر ہم ان سے واقف اور ان کے مبلغ علم اور منہج تحقیق سے بے خبر ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کو بھی کچھ نہیں کہیں گے کہ وہ براہِ راست ہمارے مخاطب نہیں۔ مگر آپ نے دوسروں کی تحقیق پر اعتماد کرکے قصیدہ کے ذیل میں جو ادارتی نوٹ سجایا ہے اس سے شعر و ادب اور تحقیق و تجسّس سے آپ کے تعلق اور لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہیں کہیں تو آپ کی تحقیق صداقتوں کی زبان دیتی اور حقیقتوں کے آفتاب اجالتی نظر آتی ہے اور کبھی تحقیق کا گراف اتنا گر جاتا ہے بس ...

یہ دیکھیے 'نعت رنگ' کے سترھویں شمارہ میں ص۸ پر مشہور و مقبول قصیدہ: **الصبح بدا من طلعته**۔الخ کو امام شرف الدین بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا گیا ہے حالاں کہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہمارے یہاں رائج الوقت درس نظامی کے ادب عربی کی معروف ترین کتاب '**المدیح النبوی**' جدید کے ص۶۴ اور نسخۂ قدیمہ کے ص۷۱ پر اس قصیدہ کا انتساب قاضی محمد الحنفی المعصومی کی طرف ہے۔ اور مرتب کتاب مولانا یٰسین اختر مصباحی، ایڈیٹر: ماہ نامہ 'کنزالایمان' دہلی نے اس قصیدہ کو محمد جار اللہ سمنہودی کی کتاب '**المجموعته الکبری فی القصائد الفخری**'' سے اخذ ونقل کیا ہے۔

اور پھر اس پر متزاد یہ کہ 'دیوانِ بوصیری' میں بھی اس کا کہیں کچھ پتا نہیں... جو لوگ امام بوصیری کے سلاست آمیز اور فصاحت خیز قصاید کے مقام و مرتبہ اور شانِ طمطراقیت سے واقف ہیں وہ تو بدستور اجالوں کے راہی رہیں گے البتہ بیش تر حضرات کے اس مغالطہ کے دام ہم رنگ زمیں کے اسیر ہوجانے کا خطرہ تھا اس لیے یہ چند معروضی سطریں انھی حضرات کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔

پندرھویں صفحہ سے شروع ہوتا ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کا مضمون بھی مجموعی طور پر معلوماتی اور عمدہ ہے۔ مگر کشفی صاحب نے ص۱۸ پر قصیدۂ مشہورہ: **ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم**۔ کا انتساب حضرت زین العابدینؓ کی طرف کیا ہے اور یہی زبانِ زدِ خاص و عام

اور مشہور نام بھی ہے شاید اسی شہرت نے کشفی صاحب جیسے محقق کو بھی تحقیق کی زحمت اٹھانے سے باز رکھا ورنہ اس سلسلہ میں اہلِ علم و ادب کی معمولی توجہ رخِ حقیقت سے نقاب کشائی کے لیے کافی ہوتی۔ محققینِ عصر کے نشترِ تحقیق نے واضح کردیا ہے اور خود قصیدہ کا زیر و بم کھلے بندوں اعلان کررہا ہے کہ مذکورہ قصیدہ حضرت سیّد سجادؓ کا نتیجۂ فکر اور ساختۂ عشق نہیں ہے۔ کشفی صاحب کی تشفی کے لیے صرف اتنا عرض کردیں کہ صدرِ اسلام میں مقطعوں کا کوئی وجود نہ تھا اور اہلِ عرب کے قصاید عموماً مقاطع و تخلصات سے خالی ہوا کرتے تھے مگر یہاں دیکھیے مقطع میں تخلص کس شان سے جڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ مطلع کے مصرع دوم میں روضۃ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ جس سے قصیدہ کی عجمیت پر بھرپور روشنی پڑ رہی ہے کیوں کہ عربی میں روضۃ کا استعمال باغ وغیرہ کے معنی میں ہوا ہے۔ میری نظر سے عربی کی کسی کتاب یا عربی کی کسی لغت میں 'روضۃ' روضۂ نبوی کے معنی میں کہیں نہیں گزرا ہے۔ خدا بھلا کرے استاذ الاساتذہ محققِ دوراں علامہ محمد احمد مصباحی کا جنھوں نے اس سلسلے میں تحقیق تمام فرما کر یہ فیصلہ دوٹوک سنا دیا ہے کہ: **ممانسب الیٰ زین العابدین علی بن الحسین المتوفی سنۃ ۹۵ھ، والظاھرانہ شاعر عجمی علیٰ اصلوب شعر العجم (المدیح النبوی، جدید،** ص۱۰۲ مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور) یعنی گو یہ قصیدہ امام زین العابدینؓ کی جانب کیا جاتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ عجمی اسالیبِ شعری کا حاصل یہ کسی عجمی النسل شاعر کا کلام ہے۔

ص ۲۴۲ پر خورشید رقم صاحب نے اپنے سحر طراز قلم سے چرخِ قرطاس پر خوش خطی کا جو آفتاب اتارا ہے، خوب تر اور عظمت بردہ کے شایاں ہے مگر ان کی روح معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ مصرع دوم میں اھوال ہائے ہوز کی بجائے احوال حائے حطی سے رقم ہوگیا ہے اصل شعر یوں ہے:

ھوالحبیب الذی ترجی شفاعتہ لکل ھول من الاھوال مقتحم

پروفیسر محمد فیروز شاہ قلم کے ساحری اور الفاظ کے جوہری معلوم ہوتے ہیں مگر کہیں کہیں ان کے قلم کا جادو خود انھی کے سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں، تفصیل تو محترمی اوکاڑوی صاحب دام ظلہ کا مکتوب سنائے گا اجمالاً عرض ہے کہ شاہ صاحب کے مضمون میں ص۳۶۵ پر ایک قطع کے انتساب نے مجھے چونکا سا دیا، میں نہیں کہ سکتا کہ ایسا شعوری طور پر ہوا ہے یا غیر شعوری طور پر مگر قرائن بتائے دیتے ہیں کہ اکابر پرستی کے خمار نے اس انتساب پر مجبور کیا ہوگا ورنہ حضرت شیخ سعدی شیرازی کا اس قدر مشہور و مقبول اور اتنا شہرۂ آفاق قطعہ جو معمولی علمِ داں حضرات کے حافظے کا بھی حصہ ہے کیوں کہ اسے مہتمم دارالعلوم دیوبند انور شاہ کشمیری کے

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

کھاتے میں ڈالا گیا، پس پردہ کوئی سازش تو نہیں کام کررہی، ورنہ بھر شاہ صاحب اپنے مبلغ علم اور وسعت مطالعہ کی دہائی دیں۔ میں اتنی بدیہی بات کو کسی حوالے سے مزین نہیں کرنا چاہتا۔ شعر وسخن اور سیرت سعدی پر مبنی کسی بھی معتبر کتاب میں اس کا حوالہ ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

یوں ہی شاہ صاحب نے اپنے ایک دوسرے مضمون کے ص۱۹۳ پر ''**الفضل ما شهدت به العداء** کو حدیث رسول بتانے کی ناپاک جسارت کی ہے حالاں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ حدیث نہیں بلکہ عربی کے ایک مشہور شعر کا مصرع دوم ہے جو اب بطور مقولہ بھی مستعمل ہے۔ شعر یوں ہے:

ومليحته شعدت لها ضراتها   والفضل ما شهدت به الاعداء

(الردّالوافر:۲۷)

بلاتحقیق اتنے دھڑے سے کسی بات کا انتساب آقائے عرش پناہ کی طرف کردینا شاہ صاحب جیسے اہلِ ادب کو زیب نہیں دیتا۔ شاید موصوف کی نظر سے یہ حدیث پاک نہیں گزری:

من كذب على متعمدا فليتبوا مقدره من النار

ورنہ اس جرأت و جسارت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

بہرحال میں چاہوں گا کہ بزم 'نعت رنگ' میں شرکت کرنے والا ہر اہلِ قلم پوری تحقیق و تجسس اور توانا حوالوں کے ساتھ شریک بزم ہو۔

انداز بیاں گرچہ مرا شوخ نہیں ہے   ممکن ہے اتر جائے ترے دل میں مری بات

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (جدہ۔ سعودی عرب)

نعت کا رنگ ہر رنگ سے زیادہ کھلتا ہوا، گہرا، پائیدار اور درخشندہ ہے، یہ صبغۃ اللہ ہے (خدائی رنگ) اس سے بہتر اور سدا بہار اور کون سا رنگ ہوسکتا ہے؟

و من احسن من الله صبغة

ہم (دین کی) اس حالت پر ہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے ہم کو رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو۔ (البقرہ: ۱۳۸)

'نعت رنگ' کا سترھواں شمارہ نگاہوں کے سامنے ہے، جمال ظاہری، حجم، اہلِ دل اور اہلِ قلم کے نمایاں ناموں نے پورے مجموعے کو باعث کشش بنا دیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وقت کی مسافت کو کیسے قریب کرلوں، کس مضمون کو پہلے پڑھوں اور کس نظم کو پہلے گنگناؤں، یہی وہ مقام

ہے جہاں ایک جہاں دیدہ کہنے لگتا ہے:

گلچینِ بہار تو زداماں گلہ دارد

اور سب ایک طرف موضوع کی قدسیت وعظمت اپنی جگہ پر۔ وہ رسالہ جس کا موضوع ہے 'نعت' یعنی مدح ان کی جو کونین کی آبرو ہیں، بشریت کے محسنِ اعظم ہیں، انسانیت کے معلّمِ اوّل ہیں، قرآن نے جس کے حق میں سب سے زیادہ سچی اور پکی بات کہہ دی ہے کہ وہ نور کامل ہیں:

قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین

تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی اور ایک کتاب واضح (یعنی قرآن مجید) (المائدہ: ۱۵)

یہ نور نورِ نبوت ہے اور کتاب کتابِ شریعت ہے، معرفتِ الٰہی کا دریچہ ہے، توحید کی کلید ہے، اگر یہ آنکھیں بینائی سے محروم ہیں تو آفتاب کی کرنیں رہنمائی نہیں کرسکتیں اور اگر آفتاب ماند پڑ چکا ہوتو آنکھ کی پتلی بھی تاریکیوں کا آلہ ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ نور ذاتِ اقدس ہے، حضور اکرم ﷺ کی اور کتاب کتابِ شریعت ہے، کتابِ معرفت ہے، نوشتۂ تقدیر دوعالم ہے۔

سوچیے اگر رنگِ ہدایتِ آسمانی انسان کو نہ ملتی تو آج ہم کہاں ہوتے؟ کبھی پتھر سے اپنے سرِ عقیدت کو پھوڑتے، کبھی پانی سے دل کے چراغ روشن کرنا چاہتے، کبھی درخت کی اونچائی کے سامنے اپنا سر نیچا کرتے اور کبھی طاقت کا محور اس کو سمجھ کر جھکتے، جس کے تصور سے بے حیائی کی پیشانی پر بھی حیا کا پسینہ آجائے۔

نعت کا موضوع کبھی پرانا نہیں ہوتا، آفتاب کی کرنوں پر بھی کبھی بڑھاپا نہیں طاری ہوا، تارے کبھی پرانے نہیں ہوئے، حضورِ اقدس ﷺ کے احسانات کو یاد کرنے کی خو کو رجعت پسندی سمجھنے والوں کی عقلیں محرومِ بینائی ہوسکتی ہیں، ان پر عجز و پیری کا دور آسکتا ہے مگر وہ ذات سرکارِ رسالت پناہ کی ذاتِ اقدس کو انسانی آبادی نے یہ کہہ کر پکارا ہے اور اسی طرح تا قیامت فریاد کرتی رہے گی:

دو عالم پہ کاکل گرفتار داری　　بہر مو ہزاراں سیہ کار داری
تو سر تابہ پا رحمتی یا محمدؐ　　نظر جانب ہر گنہ گار داری

مبارک ہیں وہ لوگ جن کی ہمتیں نعت کے رنگ سے اپنے ایوانِ دل کو روشن کر رہی ہیں، وہ صلاحیتیں، وہ ذہانتیں، وہ حسنِ جستجو، وہ کاوش جگری سب مبارک، سدا بہار، سرسبز وشاداب، محکم و مستحکم۔

D:NaatRang-18
File: Khotoot
Final

'نعت رنگ' کا پیش نظر سترھواں شمارہ اپنے تنوعِ مضامین کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے

اور تاریخِ نعت گوئی کا ایک اچھا باب بھی ان مضامین سے مرتب ہوسکتا ہے، خاص طور پر ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کا مقالہ 'مراٹھی میں ذکرِ محمدؐ' اور گوہر ملسیانی صاحب کا مضمون 'ضلع رحیم یار خان کے نعت گو' میں نیا پن اور معلومات کی فراوانی ہے، حسنِ تلاش کا نمونہ پروفیسر محمد اقبال جاوید کا موضوع 'نعت نگاری اور احترازِ نفس' نیا عنوان ہے، اُمید ہے اہلِ علم اس طرح کے شماروں کو قیمتی مصادر و مراجع کی حیثیت سے محفوظ رکھیں گے۔ یونی ورسٹیز کے اردو یا سیرت النبیؐ کے موضوعات پر ایم فل یا پی ایچ۔ ڈی کرنے والے مستقبل کے اہلِ تحقیق اس سے کام لیں گے۔

البتہ 'نعت رنگ' کے اس شمارے میں ایک دو قابلِ اعتراض باتیں بھی آ گئی ہیں، اس کو مجبوراً آخر میں عرض کر رہا ہوں کہ:

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

۱۔ اس شمارے کی ابتدا 'قصیدۂ ذوقافیتین' کے منظوم ترجمے سے کی گئی ہے اور ادارہ نے تعارف میں لکھا ہے کہ "مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیری سے منسوب کیا ہے، جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ یہ کیوں کر بجا طور پر درست معلوم ہوگیا، جو بالکل خلافِ واقعہ ہے بوصیری کا پورا دیوان 'مجموعۃ النبہانیۃ' میں موجود ہے اس میں کہیں اس قصیدے کا نام و نشان نہیں ملتا۔ راقم نے اس قصیدے کو کتب خانہ حرم (قدیم) کے ایک مجموعۂ نعت مرتبہ جاراللہ السمہو دی سے نقل کیا ہے۔ علامہ محمد حسین مخلوف نے اس کو کسی نامعلوم شاعر کا کلام قرار دیا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے شوقی کے دو قصیدوں کا ذکر کیا ہے، شوقی کے تین قصیدے ہیں جن کا موضوعِ نعت ہے اور تینوں قصاید شوقیات کی پہلی جلد میں بارہا طبع ہوچکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، بات کو طول دینا نہیں چاہتا اور نہ شوقی کے کلام پر تبصرہ اس وقت مقصود ہے، البتہ ایک شعر کا ترجمہ حیرت ناک حد تک قابلِ نظر ہے!! وہ شعر ہے:

ابا الزهراء قد جاوزت قدری بمدحک بید ان لی انتسابا

شاعر حضورِ اکرم ﷺ کو عہدِ رسالت کے اسلوب میں کنیت کے ذریعے خطاب کرتا ہے، کنیت کے ذریعے خطاب کرنا ایک بڑا اعزاز تھا جیسے کوئی آج کل کی زبان میں کسی کو حضرت والا یا حضرت اقدس لکھے، شاعر کہتا ہے:

اے پدرِ زہرا (یعنی اے سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار) آپ کی مدح کرکے میں اپنی حیثیت سے تجاوز کرگیا، (یعنی ہماری حیثیت اتنی نہیں تھی کہ ہم آپ کی مدح کرسکیں۔ "بید ان لی انتسابا" ہاں یہ

ضرور ہے کہ مجھے ایک نسبت حاصل ہے''۔''بید'' کا ترجمہ۔لیکن،ہاں،مگر۔
حسبِ موقع کیا جاسکتا ہے۔

کون سی نسبت؟ یہ الفاظ میں نہیں کہا گیا بلکہ بین السطور سے مضمون عیاں ہے کہ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ مجھے غلامی کی نسبت حاصل ہے اور یہی جرأت مدح کا سبب ہے۔ اس شعر کا ترجمہ موصوف نے کیا ہے''اے ابوہریرہؓ آپ ﷺ کی ثناخوانی کی وجہ سے میں اپنے مقام سے بلند ہوگیا، جب کہ اس سے قبل میرا ایک انتساب تھا، اس ترجمہ سے نہ تو مفہوم واضح ہوتا ہے اور نہ معنی کا سراغ ملتا ہے اور نہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ یہاں بیچ میں کہاں سے آگئے اور کہاں سے یہ معنی نکالے گئے کہ عقل کام نہیں کرتی، بلاشبہ حسنِ ظن اپنی جگہ پر اچھی چیز ہے مگر حسنِ ظن کو اس درجہ مایوس کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔

دوسری بات قابلِ بوجہ یہ ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے''نہج البردۃ'' کا ذکر کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ حضرت بوصیری کے قصیدہ بردہ کی زمین میں اور اسی قافیہ پر یہ قصیدہ شوقی نے لکھا ہے''نہج البردۃ'' کا مطلب ہوا قصیدہ بردہ کے طرز پر یا قصیدہ بردہ کی زمین پر قافیہ پر ایک قصیدہ جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ شاعروں میں ایک مصرع طرح پر لوگ غزلیں کہتے ہیں، قافیہ اور عروض کی پابندی ہوتی ہے اس طرح شوقی نے حضرت بوصیری کے قصیدہ پر قصیدہ لکھا ہے، بوصیری کے قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

امن تذکرہ جیران بذی سلم　　　مزجت دمعا جری من مقلة بدم

تیری آنکھوں سے یہ خون آلود آنسو کیوں رواں ہیں، کیا ذوسلم کے پڑوسی یاد آرہے ہیں؟

شوقی کا پورا قصیدہ اسی وزن اور قافیہ پر ہے ان کا مطلع ہے:

ریم علی القاع بین البان والعلم　　　احل سفک دمی فی الاشھر الحرم

وہ ہرنیاں جو'بان' کے درختوں اور ٹیلوں کے درمیان ہیں انھوں نے حرمت والے مہینوں میں میرا خون بہانا جائز کرلیا (غزل کے شعر سے تشبیب ہے)

میرے اس مختصر تبصرہ میں جو سخن گسترانہ بات آگئی ہے اس کے لیے معذرت تو نہیں طلب کرتا کہ غلطی پر تنبیہ کرنا نصیحت کہا جاتا ہے اور دین خیرخواہی (نصیحت) کا نام ہے مگر:

منظور اس سے قطع محبت نہیں مجھے

عطیات کتب برائے
نعت ریسرچ سینٹر

الحمدللہ 'نعت رنگ' شمارہ:۱۶ کی اشاعت کے بعد 'نعت ریسرچ سینٹر' کو موصول ہونے والی کتب کی تعداد خاصی زیادہ ہے اس لیے ہم صرف کتابوں کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ بھیجنے والوں کو اطمینان ہو جائے کہ ریسرچ سینٹر کو ان کی کتابیں موصول ہوگئی ہیں۔ ادارہ ان تمام کرم فرماؤں کا شکر گزار ہے۔

شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	سنِ اشاعت	ناشر
۱۔	ارمغانِ نعت	حکیم رازی ادیبی اشرفی	۲۰۰۳ء	ادارہ تکلم، پیر اسٹریٹ، پونے، بھارت
۲۔	خیابانِ ارم	حامد امروہوی	۲۰۰۰ء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی
۳۔	مدحت کے پھول	حامد امروہوی	۲۰۰۱ء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی
۴۔	جوئبارِ بخشش	حامد امروہوی	۲۰۰۳ء	ساجد امروہوی، امریکا
۵۔	گل بہارِ نعت	مطیع الرحمٰن قریشی نقش بندی	۱۹۹۵ء	رانا انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور
۶۔	جمالِ گل صحرا	ہارون الرشید تبسم	۲۰۰۲ء	بزمِ علم وفن، فرید کوٹ، سرگودھا
۷۔	فیضانِ رحمت	شوکت ہاشمی	۱۹۹۸ء	الحمد پبلی کیشنز، لاہور
۸۔	باغِ عبد	اصغر علی اعجاز	۲۰۰۲ء	انداز پبلی کیشنز، لاہور
۹۔	محامدِ محمد ﷺ	خالد علیم	۲۰۰۴ء	خزینۂ علم وادب، لاہور
۱۰۔	عرفانِ رضا (دو جلدیں)	علامہ عبدالستار ہمدانی	۱۹۹۹ء	رضا دارالمطالعہ، بہار، بھارت
۱۱۔	ساقیِ کوثر	خان اختر ندیم	۲۰۰۴ء	انجمن عاشقانِ مدحتِ مصطفیٰ، حیدرآباد، سندھ
۱۲۔	رہبرِ نعت	صوفی رہبر چشتی	۲۰۰۴ء	مرکزی انجمن رہبرِ اسلام، کراچی
۱۳۔	خوش بوئے التفات	رشید وارثی	۲۰۰۴ء	بزمِ وارث، کراچی
۱۴۔	روشنی کا سفر	علی حسین جاوید	۲۰۰۴ء	زرناب پبلی کیشنز، میلسی
۱۵۔	باوضو آرزو	محمد فیروز شاہ	۲۰۰۴ء	مصنف، میانوالی
۱۶۔	عکسِ انوار	علامہ انور فیروز پوری	۲۰۰۰ء	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۔	نفائس النبی ﷺ	سیّد نفیس الحسینی	۲۰۰۳ء	مکتبہ نفائس القرآن، لاہور
۱۸۔	جمالِ نظر	خورشید بیگ	۲۰۰۴ء	زرناب پبلی کیشنز، میلسی
۱۹۔	اذان	رحمان کیانی	۲۰۰۲ء	فاران فاؤنڈیشن، کراچی

D:NaatRang-18
File: Naat Research
Final

نمبر	کتاب	مصنف/مرتب	سال	ناشر
۲۰۔	شاہِ مدینہ (انتخاب)	پروفیسر خالد پرویز	ندارد	حق پبلی کیشنز، لاہور
۲۱۔	سبدِ گل	بقا نظامی	۲۰۰۴ء	مکتبہ شاہ برہان اولیا، کراچی
۲۲۔	میلادِ محبوبِ خدا	بقا نظامی	۲۰۰۴ء	مکتبہ شاہ برہان اولیا، کراچی
۲۳۔	میلادِ ممدوحِ کائنات	قاضی وجیہ الدین عاصی	ندارد	رحمٰن بک ہاؤس، کراچی
۲۴۔	نعت کا سمندر (انتخاب)	منور علی عطاری	۲۰۰۴ء	جیلانی پبلشرز، کراچی
۲۵۔	صلی اللہ علیہ وسلم (انتخاب)	محمد امین ساجد سعیدی	ندارد	کتاب سرائے، اردو بازار، کراچی
۲۶۔	بہشتی چراغ	حاجی قاسم حسین مصطفائی	ندارد	خانقاہ عالیہ مصطفائی شریف، بریلی
۲۷۔	جمالِ مصطفیٰ (انتخاب)	ظہور خان اختر القادری	۲۰۰۳ء	فرید پبلشرز، کراچی
۲۸۔	شاعرِ نعت	ڈاکٹر سیّد محمد سلطان شاہ	۲۰۰۴ء	الجلیل پبلشرز، لاہور
۲۹۔	حرفِ ثبات	مقبول نقش	۲۰۰۴ء	ہم سخن رائٹرز فورم، کراچی
۳۰۔	مناجات	ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی	۲۰۰۲ء	مصنف، بھارت
۳۱۔	مدینہ یاد آتا ہے	رضا اللہ حیدر	۲۰۰۴ء	زاویہ، اردو بازار، کراچی
۳۲۔	عقیدت (سہ ماہی)	شاکر کنڈاں	۲۰۰۴ء	ادارہ فروغِ ادب، سرگودھا
۳۳۔	نعت کے جدید رنگ	جاذب قریشی	۲۰۰۴ء	بھوپال انٹرنیشنل فورم، کراچی
۳۴۔	انتخابِ حدائقِ بخشش	محمد صلاح الدین سعیدی	۲۰۰۴ء	مرتب، لاہور
۳۵۔	بہارِ مدینہ (انتخاب)	سمیع اللہ برکت	۲۰۰۴ء	کرمانوالہ بک شاپ، لاہور
۳۶۔	اور بھی کچھ مانگ	عبدالستار نیازی	۲۰۰۲ء	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور
۳۷۔	مجموعہ نعت (حصہ دوم)	سیّد نور محمد قادری	۱۹۸۸ء	فضل نور اکیڈمی، گجرات
۳۸۔	تاجدارِ حرم	فرحت عباس شاہ	۲۰۰۴ء	شام کے بعد پبلی کیشنز، لاہور
۳۹۔	ہم مدینے چلے	ڈاکٹر محمد افضل حیدری	۲۰۰۱ء	مکتبہ جمالِ کرم، لاہور
۴۰۔	اقبال مسلکِ رضا کے آئینے میں	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	ندارد	رضا اسلامک اکیڈمی، بریلی، بھارت
۴۱۔	میرا بھی ارمانِ مدینہ	مدثر سرور چاند	ندارد	دعا پبلی کیشنز، لاہور
۴۲۔	بہارِ عقیدت	شفیق احمد فاروقی	ندارد	خانقاہ عالیہ گلزارِ سعیدیہ، کراچی
۴۳۔	تبرکاتِ اکابر (انتخاب)	مفتی محمد ریاض الدین قادری	۲۰۰۱ء	مکتبہ ریاض العلم، اٹک
۴۴۔	دریا بہا دیے ہیں	ابوالحسن واحد رضوی	۲۰۰۴ء	ادارہ ریاض العلم، اٹک
۴۵۔	سخنِ رضا مطلب ہائے حدائقِ بخشش	صوفی محمد اول قادری	ندارد	مکتبہ دانیال، لاہور

۴۶۔	آقا کملی والے	محمد یعقوب فردوسی	۲۰۰۳ء	فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی
۴۷۔	جشنِ آمدِ رسول ﷺ	عابد بریلوی	۲۰۰۴ء	حمد و نعت ڈسکاؤنٹ بک شاپ، اردو بازار، کراچی
۴۸۔	برہانِ رحمت	طارق سلطان پوری	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، لاہور
۴۹۔	مولانا خیر الدین اور ان کی نعت گوئی	ماہ نامہ ''نعت''	۲۰۰۵ء	راجا رشید محمود، لاہور
۵۰۔	دریچۂ نور	سیّد احمد ثقلین حیدر شاہ	۲۰۰۵ء	بک ہوم، لاہور
۵۱۔	مرحبا صلّی علیٰ سیّد مکی مدنی	عبدالحمید قیصر	۲۰۰۴ء	مکی دارالکتب، لاہور
۵۲۔	میانِ دو کریم	عابد نظامی	ندارد	الفیصل، اردو بازار، لاہور
۵۳۔	نعت و مناقب (حصہ دوم)	محمد عبدالہادی القادری	۱۴۲۳ھ	فرید اقبال قادری، کراچی
۵۴۔	چراغِ انس	احمد رضا خاں بریلوی	ندارد	تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، بھارت
۵۵۔	گلشن میں بہار آئی	محمد مشرف حسین انجم	۲۰۰۳ء	فروغِ حمد و نعت کونسل، سرگودھا
۵۶۔	سوہنے دیاں یاداں	محمد مشرف حسین انجم	۲۰۰۱ء	المدینہ دارالاشاعت، لاہور
۵۷۔	خوش بو حسین کی	محمد مشرف حسین انجم	۲۰۰۴ء	ساغر صدیقی رائٹرز کونسل، لاہور
۵۸۔	آقا دا کرم ہوسی	صائمہ یاسمین	۲۰۰۱ء	المدینہ دارالاشاعت، لاہور
۵۹۔	کلامِ حامد	مولوی حامد بخش حامد بدایونی	۱۹۸۹ء	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، بھارت
۶۰۔	مولود منظوم مع قصائد	محمد فضل رسول قادری	۱۳۳۴ھ	مطبع قادری، بدایوں، بھارت
۶۱۔	بیاضِ نور	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	۱۹۹۵ء	مصنف، حیدرآباد، دکن، بھارت
۶۲۔	کلیاتِ بیتاب	آفتاب احمد بدایونی	۱۹۹۳ء	ضیاء احمد ہلال، رام پور، بھارت
۶۳۔	صاحبِ منبر و محراب	قمر بدایونی	۱۹۸۵ء	ادارہ صراطِ مستقیم، کراچی
۶۴۔	گنجینۂ نعت و مناقب	شاد قادری	۱۹۸۶ء	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، بھارت
۶۵۔	مثنوی حدیثِ نعت	مذاق بدایونی	ندارد	عبدالرحمٰن، کراچی
۶۶۔	مینڈے سویٹ آقا	محمد یعقوب فردوسی	۲۰۰۳ء	فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی
۶۷۔	قندیلِ حرا	تنویر پھول	۲۰۰۳ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۶۸۔	سدا بہار نعتیں (انتخاب)	نثار علی اجاگر	۲۰۰۴ء	سادات پبلی کیشنز، لاہور
۶۹۔	متاعِ عزیز	عزیز فیضانی	۱۹۸۴ء	فیضانی ملی لائبریری، ایبٹ آباد
۷۰۔	نعت کا سفر (مجلّہ)	نیر جہاں	۲۰۰۴ء	اردو مرکز انٹرنیشنل، امریکا
۷۱۔	شافعِ محشر	مسرور کیفی	۲۰۰۴ء	جہانِ نعت، کراچی
۷۲۔	سلام ان پر (پانچواں ایڈیشن)	مسرور کیفی	۲۰۰۴ء	جہانِ نعت، کراچی

D:NaatRang-18
File: Naat Research
Final

۷۳۔ ہم ان سے عشق کرتے ہیں

کتاب	مصنف	سال	ناشر
۷۳۔ ہم ان سے عشق کرتے ہیں	سیّد قمر حیدر قمر	۲۰۰۴ء	سخن ور بک فاؤنڈیشن، کراچی
۷۴۔ حمد وثنا	نثار بیانوی	۲۰۰۴ء	سخن ور بک فاؤنڈیشن، کراچی
۷۵۔ سرورِ کائنات	حسن عسکری کاظمی	۲۰۰۴ء	الحمد پبلی کیشنز، لاہور
۷۶۔ ذکرِ حبیب	واصف علی واصف	۲۰۰۴ء	کاشف پبلی کیشنز، لاہور
۷۷۔ نگاہِ مدینہ	پیرزادہ عابد علی عابد	۱۹۹۸ء	فکشن ہاؤس، لاہور
۷۸۔ جمالِ حرف	شیخ صدیق ظفر	۲۰۰۳ء	ماورا پبلی کیشنز، لاہور
۷۹۔ مینائے نعت	راجا رشید محمود	۲۰۰۴ء	ماہ نامہ ''نعت''، لاہور
۸۰۔ ضیا حدائقِ بخشش	علامہ نسیم احمد صدیقی	ندارد	انجمن ضیا طیبہ، میٹھادر، کراچی
۸۱۔ التفاتِ نعت	راجا رشید محمود	۲۰۰۵ء	ماہ نامہ ''نعت''، لاہور
۸۲۔ سلام علیک	ریاض حسین چودھری	۲۰۰۴ء	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور
۸۳۔ نشاناتِ ارضِ قرآن	شاہ مصباح الدین شکیل	۲۰۰۵ء	فضلی سنز، کراچی
۸۴۔ کاروانِ نعت	شوکت علی	۲۰۰۴ء	نعت لورز کلب، لاہور
۸۵۔ مہرِ عالم تاب	پروفیسر محمد اکرم رضا	۲۰۰۵ء	مہر منیر اکیڈمی، کراچی
۸۶۔ میلاد النبی اُجالے اجالے اور حوالے	علامہ نسیم احمد صدیقی	۲۰۰۵ء	مہر منیر اکیڈمی، کراچی
۸۷۔ خبرنامہ	ڈاکٹر جوہر قدوسی	ندارد	نعت اکادمی، کشمیر، بھارت
۸۸۔ جمالِ سیّد لولاک	سیّد ریاض حسین چودھری	۲۰۰۵ء	ادب سرائے، ساہیوال
۸۹۔ مرقعِ نعت	راجا رشید محمود	اگست ۲۰۰۵ء	ماہ نامہ 'نعت' لاہور
۹۰۔ مرحبا	مسرور کیفی	۱۴۲۶ھ	جہانِ نعت، کراچی
۹۱۔ ہالۂ نور	مسرور کیفی	۱۴۲۶ھ	جہانِ نعت، کراچی
۹۲۔ نقشِ جمال	مسرور کیفی	۲۰۰۵ء	جہانِ نعت، کراچی
۹۳۔ نغماتِ انور	حافظ نور محمد انور	۲۰۰۵ء	جہانِ نعت، کراچی
۹۴۔ کرم و نجات کا سلسلہ	عزیز احسن	۲۰۰۵ء	اقلیمِ نعت، کراچی
۹۵۔ سنتِ حسانؓ	سیّد محمد علیم	ندارد	مکتبۂ دانیال، لاہور
۹۶۔ نعت النبی نمبر	محمد امین الدین	جون ۲۰۰۵ء	ماہ نامہ 'قرطاس'، ناگ پور، بھارت
۹۷۔ مطالعۂ علیم صبا نویدی	کاظم نائطی	۲۰۰۵ء	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، بھارت
۱۰۰۔ موجِ زم زم	ضیا محمد ضیا	۱۹۹۵ء	ایوانِ ادب، لاہور

۱۰۱۔ رنگ وخوش بونورونکہت
حکیم راؤعبداللہ عزمی ۲۰۰۲ء حرافاؤنڈیشن، کراچی

۱۰۲۔ ماہ نامہ 'نورالعرفان' لاہور (عربی نعت نمبر)
عبدالحق ظفر چشتی اپریل ۲۰۰۵ء ادارہ تعلیماتِ قرآن، لاہور

۱۰۳۔ حرف حرف عقیدت غلام زبیر نازش ۱۹۸۴ء مجلسِ ذکرِ حبیب، گوجرانوالہ

۱۰۴۔ مہکتے پھول میاں محمد بشیر عاجز ۲۰۰۴ء خورشید گیلانی ٹرسٹ، لاہور

۱۰۵۔ تنویرِ نعت عبدالغنی تائب ۲۰۰۰ء بزمِ نعت پاکستان، حافظ آباد

۱۰۶۔ چمن حرادا غلام مصطفی بسمل ۱۹۹۳ء پنجاب ادبی مرکز، گوجرانوالہ

۱۰۷۔ لب پرنعت پاک کانغمہ
مدثر سرور چاند ۲۰۰۵ء دعا پبلی کیشنز، لاہور

۱۰۸۔ ماہ نامہ ''مسیحائی'' کراچی، ہادیِ اعظم نمبر
احمد خیرالدین انصاری ۲۰۰۵ء

۱۰۹۔ الحبیب (سیرت) حسن اختر ۲۰۰۵ء المصطفیٰ پبلی کیشنز، کراچی

۱۱۰۔ حجاب بشریت نذیر احمد نون ۲۰۰۵ء سرپرائز گروپ آف پبلی کیشنز، لاہور

۱۱۱۔ متاعِ اُمید (میلاد نمبر) امیر نواز امیر ۲۰۰۵ء انجمن فقیرانِ مصطفیٰ ﷺ فیصل آباد

۱۱۲۔ جبینِ نیاز (حمدیہ مجموعہ) عابدہ کرامت ۲۰۰۵ء ویلکم بک پورٹ، کراچی

۱۱۳۔ خاک در بوتراب کرامت غوری ۲۰۰۱ء ویلکم بک پورٹ، کراچی

۱۱۴۔ ثنا کی خوشبو عارف رضا ۲۰۰۰ء نعت اکادمی، فیصل آباد

۱۱۵۔ عینِ نور نور محمد جرال ۲۰۰۰ء زاویہ، دربار مارکیٹ، لاہور

۱۱۶۔ عظیم گنبد صلاح الدین ناصر ۲۰۰۴ء ادارہ تبلیغ اسلام، نیویارک

۱۱۷۔ سائبانِ رحمت شیر افگن جوہر ۲۰۰۵ء دبستانِ وارثیہ، کراچی

۱۱۸۔ روشنی کے خدوخال رفیع الدین راز ۲۰۰۵ء میڈیا گرافکس، کراچی

۱۱۹۔ جمیل الشیم مولانا بدرالقادری ۱۹۹۰ء المجمع اسلامی، اعظم گڑھ، بھارت

۱۲۰۔ مناجاتِ بدر مولانا بدرالقادری ۱۹۹۴ء اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۱۲۱۔ بادۂ حجاز مولانا بدرالقادری ۱۹۹۸ء المجمع اسلامی، اعظم گڑھ، بھارت

۱۲۲۔ حریم شوق مولانا بدرالقادری ۱۹۹۶ء اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۱۲۳۔ قم باذن اللہ مولانا بدرالقادری ۱۹۹۵ء اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۱۲۴۔ قطعاتِ بدر مولانا بدرالقادری ۱۹۹۴ء اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۱۳۵۔ عنایتِ نعت راجا رشید محمود جولائی ۲۰۰۵ء ماہ نامہ 'نعت'، لاہور

۱۳۶۔ لمعاتِ نظر	نظر لکھنوی	۲۰۰۵ء	محمد تابش صدیقی، اسلام آباد
۱۳۷۔ روشنی کا سفر	وسیم فاضلی	۲۰۰۴ء	فاضلی پبلی کیشنز، کراچی
۱۳۸۔ کلیاتِ حفیظ تائب	حفیظ تائب	۲۰۰۵ء	القمر انٹر پرائزز، لاہور
۱۳۹۔ نچھاور جاں مدینے پر	احمد جلیل	۲۰۰۵ء	القلم پبلشرز، لاہور
۱۴۰۔ حرفِ معطر	شکیل مدنی	۲۰۰۵ء	غضنفر اکیڈمی، کراچی
۱۴۱۔ مہمانِ معلّٰی	آثم فردوسی	۱۹۹۶ء	حلقہ حروف احباب، لاہور
۱۴۲۔ بحرِ کرم	محمد ایوب ساگر	۲۰۰۳ء	بھٹی بک ڈپو، لاہور
۱۴۳۔ تطہیر	اطہر ضیائی	۱۹۹۱ء	ادارۂ ادب وثقافت، اسلام آباد
۱۴۴۔ طرحی نعتیں	راجا رشید محمود	ستمبر ۲۰۰۵ء	ماہ نامہ 'نعت' لاہور
۱۴۵۔ عکسِ نعت	حامد شرفی	۲۰۰۵ء	مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن
۱۴۶۔ حسنِ نعت	سکندر شرفی	۲۰۰۵ء	مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن
۱۴۷۔ معجزہ	سیّد محمد رفیع الدین شرفی	۲۰۰۵ء	مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن
۱۴۸۔ جوئے رحمت	سیّد محمد جمیل الدین شرفی	۲۰۰۵ء	مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن
۱۴۹۔ گلدستہ شرفی چمن	سیّد محمد جمیل الدین شرفی	۲۰۰۵ء	مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ، حیدرآباد دکن
۱۵۰۔ گلدستہ شرفی چمن	سیّد محمد جمیل الدین شرفی	۲۰۰۱ء	ندارد
۱۵۱۔ قوسین	آفتاب کریمی	۲۰۰۵ء	اقلیمِ نعت، نارتھ کراچی، کراچی
۱۵۲۔ تضمینات	پیر نصیر الدین گولڑوی	۲۰۰۵ء	ادارۂ طلوعِ مہر گولڑہ شریف، اسلام آباد
۱۵۳۔ زینت الاسلام ترجمہ: عمدۃ الاسلام	مترجم: ڈاکٹر سراج احمد قادری	۲۰۰۴ء	مصنف سنت کبیر نگر، بھارت

معروف شاعر وصحافی جناب ندیم صدیقی (نمائندہ "نعت رنگ" ممبئی) گزشتہ دنوں ساکنانِ شہرِ قائد کے عالمی مشاعرے میں تشریف لائے تو اپنے ساتھ 'نعت ریسرچ سینٹر' کے لیے درج کتب کا تحفہ بھی لائے۔ ادارہ ان کا ممنون ہے۔

شمار نام کتاب	مصنف / مرتب	سنِ اشاعت	ناشر
۱۵۴۔ تجلیات	سیّد وحید اشرف کچھوچھوی	۱۹۹۶ء	مخدوم زادہ سیّد اشرف جہانگیر اکادمی بڑودہ
۱۵۵۔ صلوعلیہ وآلہ	ڈاکٹر اشفاق انجم	۲۰۰۱ء	مصنف (مالیگاوں) بھارت
۱۵۶۔ کائنات	ہوش نعمانی	۱۹۸۶ء	بلاغت دارالاشاعت، شتر خانہ، رام پور
۱۵۷۔ جناں بکف	محمد یونس مالیگ	۲۰۰۰ء	رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈ، برطانیہ
۱۵۸۔ تنزیل	امین صدیقی	۲۰۰۱ء	مصنف (مالیگاں) بھارت

۱۵۹۔ لوحِ نور	کلیم شفائی	۱۹۹۹ء	مصنف امرت نگر ممبرا، بھارت
۱۶۰۔ سلسبیل	تابش مہدی	۲۰۰۰ء	ادارہ ادبیات عالیہ، جامعہ نگر، دہلی
۱۶۱۔ سامانِ تسکین	شاہ حسین نہری	۲۰۰۳ء	نوائے دکن پبلی کیشنز، اورنگ آباد، بھارت
۱۶۲۔ گلدستہ کلام روشن	روشن القادری	۲۰۰۱ء	انجمنِ عظیمی پوکھیریرا
۱۶۳۔ حضورِ رسالت	ڈاکٹر عصمت جاوید	۲۰۰۲ء	منور جہاں، اورنگ آباد، بھارت
۱۶۴۔ لب ولہجہ	قدسی مصباحی	۲۰۰۲ء	رضا دارالمطالعہ، بہار، بھارت
۱۶۵۔ سرمایۂ عقبیٰ	مہدی اعظمی	۱۳۲۵ھ	اردو چینل پبلی کیشنز، بھارت
۱۶۶۔ رحل	تسنیم فاروقی	۲۰۰۴ء	مصنف لکھنؤ
۱۶۷۔ مقدس نعتیں	ڈاکٹر محمد اشرف الدین ساحل	۲۰۰۳ء	مصنف ناگ پور
۱۶۸۔ سرمایۂ نجات	محبوب راہی	۲۰۰۰ء	مصنف باری ٹاکی ضلع اکولہ، مہاراشٹر
۱۶۸۔ شہرِ علم	ابرار کرت پوری	۲۰۰۰ء	مرکزِ علم ودانش، نئی دہلی
۱۶۹۔ بعد از خدا	ابرار کرت پوری	۲۰۰۱ء	مرکزِ علم ودانش، نئی دہلی
۱۷۰۔ قسام ازل (حمدیہ مجموعہ)	ابرار کرت پوری	۲۰۰۴ء	مرکزِ علم ودانش، نئی دہلی
۱۷۱۔ غزوات (طویل مثنوی)	ابرار کرت پوری	۲۰۰۰ء	مرکزِ علم ودانش، نئی دہلی
۱۷۲۔ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مقالہ	سراج احمد بستوی	۱۹۹۷ء	مصنف، بھارت
۱۷۳۔ قصیدہ بردہ شریف	امام شرف الدین بوصیری	۲۰۰۳ء	دکن ٹریڈرز بک سیلر اینڈ پبلشرز، بھارت
۱۷۴۔ اسمِ تاب	علیم صبا نویدی	۲۰۰۵ء	ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی

کویت سے جناب شاہد حنائی نے ادارے کو درج ذیل کتب سے نوازے اس تعاون پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

شمار نام کتاب	مصنف/مرتب	سنِ اشاعت	ناشر
۱۷۵۔ عقیدتوں کی مہک	رشید میواتی	۲۰۰۵ء	خزینہ علم وادب، لاہور
۱۷۶۔ مدینہ مدینہ	کمال اظہر	۲۰۰۴ء	القمر انٹر پرائزز، لاہور
۱۷۷۔ قندِ فردوس	محمد اقبال سندھو	ندارد	خان پرنٹنگ ایجنسی، ملتان
۱۷۸۔ خواب مکرم کے	محمد مشتاق قادری	۲۰۰۳ء	ویلز پبلشرز، لاہور
۱۷۹۔ ہوائے بطحا	محمد اقبال سندھو	ندارد	خان پرنٹنگ ایجنسی، ملتان
۱۸۰۔ نیزے کا مقرر	اصغر علی اعجاز	ندارد	انداز پبلی کیشنز، لاہور